

مطهر قاسمی

تالیف

طہارت و طہرانہ امور و مسائل و احکام و فتاویٰ

جلد اول

مطہر قاسمی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# تفسیر طہری

جلد دوم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء الامت، بھیر شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور-کراچی-پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفسیر مظہری (جلد دوم)	نام کتاب
حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ	تالیف
ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ	ترجمہ متن
الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ	مترجمین
مولانا محمد انور مگھالوی	
فضلاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بکھیرہ شریف	
ایک ہزار	تعداد
دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)	اشاعت
1Z348	کمپیوٹر کوڈ

ملنے کے پتے

## ضیاء القرآن پبلسٹی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247350-7225085

فیکس:- 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:- 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

## فہرست

44	وجود خیر محض ہے جو واجب سے حاصل کیا گیا ہے	سورہ آل عمران
46	فصل: اللہ کی وجہ سے محبت اور اسی کی وجہ سے ناراضگی	اسمِ اعظم کی تحقیق
47	تقیہ کا مسئلہ	ماں کے پیٹ میں نطفہ کی صورت میں چالیس دن تک رہنا۔
17	اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قریب ہوگا اور اس کے	محکم اور تشابہ آیات
48	کندھے پر ہاتھ رکھے گا۔	ضرورت کے وقت سے بیان کو منور کرنا جائز نہیں
49	تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے کلام کرے گا	ہر دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے
20	بندے کی اللہ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی بندے سے	وعدہ خلافی محال ہے، وعید کو ترک کرنا محال نہیں
50	محبت کا مفہوم	غزوہ بدر
27	اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی	شہوات کو آراستہ کرنا
51	اتباع کی جائے۔	جنت کی نعمتیں
30	ہر انسان کے پہلو میں شیطان کچھو کا مارتا ہے مگر حضرت	دنیا کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں جبکہ آخرت کی نعمتیں
56	عیسیٰ علیہ السلام	اسے پسند ہیں، اس کی وجہ
33	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت اور ان کی	حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ
56	اولاد	السلام سے محبت کی وجہ
56	حضرت مریم اور حضرت فاطمہ کی عظمت و بزرگی	مغفرت کے لئے صرف ایمان کافی ہے
59	حضرت یحییٰ علیہ السلام	صبح کے وقت استغفار
34	حضرت مریم، حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت	آسمان دنیا پر نزولِ اجلال
62	فاطمہ اور حضرت آسیہ کی فضیلت	اسلام کا مطلب یہ ہے
64	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت	اللہ تعالیٰ کا فرمان شہد اللہ انہ
35	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں کی طرف اٹھایا جانا	بندوں میں سے سب سے زیادہ عذاب کے دیا جائے
72	اور قیامت سے پہلے ان کا زمین پر اترنا	گا۔
76	قیاس کا حجت ہونا	اللہ تعالیٰ کا فرمان اللہم مالک الملک کی تفسیر
43	مباہلہ کا واقعہ اور رافضیوں کا رد	

119	کعبہ کی صورت	علماء اور صوفیاء کے ایسے اقوال کو نہ اپنایا جائے جو شرع کی طرف منسوب نہ ہوں
	انصار میں فتنہ کی آگ بھڑکانے کے لئے یہودیوں کی سازش	81
120	قرآن اور اہل بیت کی فضیلت	81
121	تقویٰ کی حقیقت	81
122	اجتماع کی اتباع اور امت کا بہتر فرقوں میں تقسیم ہونا	82
124	اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے راضی ہوتا ہے اور تین چیزوں سے ناراض ہوتا ہے۔	82
124	انصار کا مسلمان ہونا اور بیعت عقبہ اولیٰ	86
125	بیعت عقبہ ثانیہ	86
129	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	92
130	امت کے علماء کا اختلاف رحمت ہے	93
133	جن کے چہرے سیاہ ہوں گے وہ اہل ہواء ہیں	94
133	میں حوض پر دیکھ رہا ہوں گا کہ تم میں سے کون میرے پاس آ رہا ہے؟	95
134	اعمال میں جلدی کرو	95
134	کسی کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کرے گا	95
135	حضور ﷺ کی امت کی فضیلت	105
137	اس امت کے رجال ارشاد کی طاقت	106
	کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟	106
137	عشاء کی نماز کو مؤخر کرنا	110
140	کفار اور اہل ہواء سے مباحثہ	112
142	مومن کے ساتھ دشمنی نہ ہو تو کافر کے ساتھ دوستی جو آدمی صبر کرے، تقویٰ اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ پر	113
143		114
		118

189	شہداء احد کی تعداد	145	توکل کرے تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔
	کیا شہید کے علاوہ بھی کوئی شہید کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے؟	146	غزوہ احد کے لئے حضور ﷺ کا باہر تشریف لے جانا
194		146	غزوہ احد میں قرآن حکیم کا نزول
196	سریہ بئر معونہ	149	غزوہ بدر کا ذکر
198	شہید کو غسل نہ دیا جائے گا	151	بنی قریظہ کا محاصرہ
198	شہید کی نماز جنازہ میں اختلاف	151	جبرئیل و میکائیل کا جنگ کرنا
201	آٹھ سال بعد شہداء احد کی نماز جنازہ کا حکم		احد کے روز کفار کے لئے بددعا، رعل و ذکوان کے لئے
202	غزوہ حراء الاسد	153	ایک ماہ تک بددعا
203	غزوہ بدر صغریٰ	155	سود کھانے سے ممانعت
	جب سوال کر تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر، جب مدد طلب کر تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر	156	سات اعمال میں جلدی کرو
207		157	سخاوت کی فضیلت
209	کون سے لوگ سب سے اچھے ہیں؟	157	غصہ ضبط کرنا
209	کون سے لوگ سب سے برے ہیں؟	158	احسان کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے
211	بخل اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا حکم	159	استغفار اور نماز استغفار
215	قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے	160	گناہ صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہے
217	محمد بن مسلم والا سریہ اور کعب بن اشرف کا قتل	163	غزوہ احد
	کیا اس کافر کے ساتھ جنگ کرنا جائز ہے جس کے	170	جو اپنے عمل سے نفس شکر کا ارادہ کرے
218	ساتھ معاہدہ ہو اور وہ حضور ﷺ کو برا بھلا کہے؟	175	مسلمانوں پر مصیبت کا آنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے
219	زخم پر تھکا کرنا	180	غزوہ احد سے بھاگنے کی وجہ سے طعن جائز نہیں
219	صبر کیا ہے؟ یہ کفار سے انتقام لینے کے منافی نہیں		جس نے کسی قوم جیسا بننے کی کوشش کی وہ انہیں میں سے ہے
220	علم کو چھپانا	180	
223	مریض کا پہلو کے بل نماز پڑھنا	183	مشاورت کا حکم
	فکر کا کیا معنی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا کیوں	183	توکل کیا ہے؟
224	منع ہے؟	185	خیانت کیا ہے؟
231	فاجر پر رشک نہ کرو	185	قریش اور عرب کے فضائل

261	بیٹوں اور پوتوں کا حکم	دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسے ہی ہے جیسے ایک انگلی
262	والدین کا حکم	سندر میں
263	بھائیوں کا حکم	دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے
266	بھائیوں کے ساتھ صحیح دادی کا حکم	حضرت نجاشی پر نماز جنازہ
268	ان حقوق کی ترتیب جو ترکہ کے متعلق ہیں	صبر، مصابرہ اور رباط کیا ہے
269	تیسرے حصے سے وصیت کا اجراء	سورہ آل عمران کے فضائل
269	وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں	سورۃ النساء
270	خاوند اور بیویوں کے احکام	عورتوں سے اچھا سلوک کرو
274	وصیت کی تعداد	صلہ رحمی اور قطع رحمی
275	وصیت کی اقسام	شادی سے پہلے مرد لڑکی کو دیکھ سکتا ہے
276	عول کا مسئلہ	چار عورتوں سے زیادہ سے شادی کرنا جائز نہیں
277	عصبہ بنفہ اور عصبہ بغیرہ کا حکم	چار عورتوں سے زیادہ شادی کی ہوئی تھی پھر مسلمان ہوا
278	رد کا مسئلہ	غلام دو سے زیادہ عورتوں سے شادی نہیں کر سکتا
278	جب فرضی اور عصبہ کی جہتیں جمع ہو جائیں	نکاح شغار باطل ہے
279	ذوی الارحام کی وراثت	اپنا مال بیوی اور اولاد کے حوالے نہ کر دے کہ ان کا
281	ذوی الارحام کی اقسام	محتاج ہو جائے گا
281	قتل وراثت کے مانع ہے	لڑکے اور لڑکی کا بالغ ہونا
282	کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا	بے وقوف پر حجر کے احکام جاری کرنا
283	انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا	جب دانشمند آدمی بے وقوف بن جائے
284	علماء انبیاء کے وارث ہیں	قرض کی وجہ سے حجر کے احکام جاری کرنا
	امیر یا قاضی خود صورت حال سے آگاہ ہو تو فیصلہ کے لئے	کیا مفلس مقروض کو قرض کے لئے اجرت پر لگانا جائز
	یہ قوی ترین دلیل ہے	ہے؟
285	لواطت کا مسئلہ	کیا ولی یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے؟
288	بندہ کی توہ بہ کب تک ہے؟	یتیم کا مال کھانے کی حرمت
291	مہر زیادہ مقرر کرنا اور حضور ﷺ کی بیٹیوں کا مہر	وراثت کے مسائل

327	آزاد اور غلام ہونے کی صورت میں بدکاری کی حد	293	مہر کب پختہ ہو جاتا ہے؟
328	لوٹڈیوں سے نکاح ضرورت کی بناء پر ہے	294	آباء و اجداد کی بیویاں حرام ہیں
	پہلے اگر آزاد عورت سے شادی کی ہوئی ہو تو لوٹڈی سے	296	حقوق زوجیت کے تعلقات سے نکاح کی حرمت
328	شادی کرنے کا حکم	297	نسبی اور رضاعی محرّمات
330	کون سی کمائی پاکیزہ ہے؟	298	رضاعت کا مسئلہ
331	بیع میں خیار مجلس		رضاعت کی مدت کے بعد دودھ پلانا حرمتاً لو ثابت
333	اپنے نفس کو قتل کرنے سے مراد	300	نہیں کرتا
334	گناہ کبیرہ	301	رضاعت کی مدت
336	جھوٹ بولنے میں سخت وعید	302	نکاح کی وجہ سے حرمت
338	گناہوں کی جزدل کی سختی ہے	304	دو بہنوں کو عقد نکاح میں جمع کرنا
	بندے کا ایسے مقام پر پہنچنا جہاں گناہ اسے کوئی نقصان	305	رضاعی ماں کی تعظیم اور قطع رحمی کی حرمت
338	نہیں دیتا	306	میاں بیوی میں سے کوئی قید ہو جائے تو اس کا حکم
341	مولی الموالیات کی وراثت	309	مہر نکاح کے لوازمات میں سے ہے
434	نیک عورت کے بیان میں	310	جب کوئی اس شرط کے ساتھ نکاح کرے کہ مہر نہیں ہوگا
344	نافرمان عورت کو مارنا	310	کون سی چیز مہر بن سکتی ہے؟
345	عورت کے خاوند پر حقوق	314	کم سے کم مہر
	تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا	316	نکاح متعدّد حرام ہے
346	سلوک کرے	320	عورت کب مہر کی مستحق بنتی ہے؟
346	میاں بیوی میں ناچاکی کی صورت میں ثالث بھیجنا	321	مہر میں کمی اور زیادتی
347	اللہ تعالیٰ کی عبادت اور شرک سے اجتناب		آزاد عورت کا خرچہ برداشت کرنے کی صورت میں کیا
348	قرہبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک	322	ایک مرد لوٹڈی سے عقد نکاح کر سکتا ہے؟
351	تواضع اختیار کرنا، تکبر، نافرمانی اور قطع رحمی سے نفی	322	کیا آزاد مسلمان کتابیہ لوٹڈی سے عقد نکاح کر سکتا
351	سختاوت اور بخل کا بیان		ہے؟
352	ریاء کاری کا بیان	325	آقا کی اجازت کے بغیر غلام کا شادی کرنا
354	مسلمان اور کافر کے اعمال حسد کا بدلہ	326	کیا بدکارہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے؟



- 378 ان کا حکم 354 مسلمانوں کی شفاعت کا بیان
- 379 کیا ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں؟ 356 لوگوں کے حقوق کا مواخذہ
- 386 مرجعہ اور معتزلہ کے مسلک کا رد حضور ﷺ پر آپ کی امت صبح و شام پیش کی جاتی ہے
- 388 دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں 357 حضور ﷺ کا سورۃ النساء کو سننا
- 388 جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا 357 نماز کے وقت نشہ آور چیز کے استعمال کی ممانعت
- 389 حسن ظن کیا جائے قطع حکم نہ لگایا جائے 359 جب نماز میں اونگھ آجائے تو سو جائے
- 390 کعب بن اشرف کے مکہ مکرمہ جانے کا واقعہ حضرت خالد کا عزی بت کو گرانا اور اس میں سے جماع کی صورت میں غسل فرض ہے
- 391 شیطانہ کا نکلنا 362 تیمم حدت کو ڈھانپ لیتا ہے، اسے ختم نہیں کرنا
- 394 کَلِمَاتُ نَضِجَتْ جُلُودَهُمْ 362 کیا جنبی کے لئے جائز ہے کہ مسجد سے گزرے
- حضور ﷺ کا عثمان سے کعبہ کی چابی لینا، پھر اللہ کے جنبی کے لئے مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں
- 396 حکم سے اسے واپس کرنا 363 جنبی کا طواف کرنا، قرآن کریم کو پڑھنا اور اس کو چھونا جائز نہیں
- 398 امانت کے واپس کرنے کا حکم 363 امانت کے واپس کرنے کا حکم
- 399 اداء امانت میں سے فناء و بقاء بھی ہے 364 مقیم اور صحیح آدمی جب پانی نہ پائے تو نماز کا حکم
- 400 امارت اور قضاء بھی امانت ہے 365 وضو کو توڑنے والی چیزیں
- 400 اولی الامر سے کیا مراد ہے؟ 372 پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا
- امیر کی اطاعت ان چیزوں کے ساتھ مقتید ہے جو اللہ 373 مسافر کا دوست سے پانی کی طلب کرنا
- 402 تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہوں 373 تیمم میں نیت
- جب قاضی یہ کہہ دے کہ میں نے اس پر رجم کا فیصلہ کر 373 صعید کا معنی
- 403 دیا ہے تو کیا اسے رجم کرنا جائز ہے؟ 375 تیمم کے ارکان
- جب قاضی کے سامنے حاکم کا حکم پیش کیا جائے تو وہ 376 تیمم کی کیفیت
- 404 اسے نافذ کرے۔ 378 کیا عید، جنازہ، وقتی نماز اور جمعہ کے لئے تیمم جائز ہے؟
- 404 جب مجتہد فتویٰ دے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کا فتویٰ 378 کتاب و سنت کے خلاف ہے؟
- 404 کتاب و سنت کے خلاف ہے 378 کیا پانی ملنے کی صورت میں نماز کا اعادہ ضروری ہے؟
- منافق اور یہودی کا جھگڑا، منافق کا حضور ﷺ کا 378 جس کے بعض اعضاء صحیح اور بعض اعضاء زخمی ہوں تو

- 438 کان اور ماکان کے استعمال میں فرق 404 فیصلہ قبول نہ کرنا اور حضرت عمر کا اسے قتل کر دینا
- 438 قتل عمد میں کفارہ 406 جو کاہن کے پاس گیا اس کا حکم
- 439 قتل خطا کی قسمیں 409 اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَلَا وَهَيْبَتِكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي تَفْسِيرِ**
- 440 امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل شہید عمد میں کفارہ نہیں 409 **الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ** کی تفسیر
- 440 کفارہ میں غلام کی آزادی 412 آدمی کا انجام اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔
- 441 کفارہ کے واجب ہونے کے لئے قاتل کا عاقل و بالغ ہونا شرط ہے 414
- 441 کفارہ میں کون سا غلام آزاد کیا جاسکتا ہے؟ 414 تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کے ساتھ نجات نہیں پائے گا
- 442 دیت کے مسائل 414
- 443 انسانی جان اور عضو میں دیت 416 اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے
- 447 عورت اور غلام کی دیت 417 مسلمان کو مصیبت اس کی غلطی کی وجہ سے آتی ہے، اس مصیبت کی وجہ سے اس کی غلطیاں معاف کر دی جاتی ہیں
- 448 غلام کی جنایت 421
- 448 ہر نیکی صدقہ ہے 421 زمین میں میرے دو وزیر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں
- 449 اس مسلمان کی دیت جس نے ہجرت نہ کی ہو اور اس مسلمان کی دیت جس کا کوئی مسلمان وارث نہ ہو 425 جو میرے بعد ہیں ان کی اقتداء کرو
- 449 کافر کی دیت کی مقدار 425 شفاعت کرو، تمہیں اجر دیا جائے گا
- 451 روزے کے ساتھ کفارہ 426 اچھی سفارش یہ ہے کہ مسلمان کے لئے دعا کی جائے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرائی جائے
- 453 گناہ میں شہید قتل عمد کی طرح ہے 427 کیا قتل عمد کی توبہ قبول ہو جاتی ہے؟
- 453 گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا نہ کافر ہوتا ہے، نہ ہی ہمیشہ جہنم میں رہتا ہے 427 جس نے ایک کلمہ کے برابر مسلمان کو قتل کرانے میں حصہ لیا
- 454 ہمیشہ جہنم میں رہتا ہے 427 سلام کا جواب دینا
- 455 فصل: قتل عمد کرنے والا 430 چھینک مارنے والے کا جواب دینا
- 456 اللہ تعالیٰ کا فرمان **إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا** 431 عیادت اور مصافحہ وغیرہ
- 459 مجتہد کبھی غلطی کر جاتا ہے، اس کی غلطی معاف ہوتی ہے 463 حارث بن زید کا قتل خطا

- 501 جب مجاہدین کسی بستی میں اسلام کا شعار دیکھیں تو حملہ نہ کریں
- 503 گھر میں بیٹھ رہنے والوں پر مجاہدین کی فضیلت بعض اوقات معذور آدمی بھی مجاہد کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے
- 504 جب جنگ شروع ہو جائے تو بھاگنا منع ہے
- 504 کیا جہاد کے لئے زادراہ اور سواری ضروری ہے؟
- 507 جب دشمن حملہ کر دے تو جہاد فرض میں ہو جاتا ہے
- 508 موت کے وقت مومن کے پاس رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کافر کے پاس عذاب کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں
- 509 دار کفر سے ہجرت واجب ہے جبکہ طاقت رکھتا ہو
- 510 غلام آقا کی اجازت کے بغیر ہجرت کر سکتا ہے
- 513 جو غلام ہجرت کر کے ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہوگا
- 515 سفر کی حالت میں نماز قصر
- 518 نماز خوف
- 519 اسباب سے فائدہ اٹھانا جبکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو
- 520 حضور ﷺ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے
- 522 نماز کے اوقات
- 522 طعمہ بن ابیرق کا واقعہ
- 523 اجماع کا حجت ہونا اور اس کی مخالفت کی حرمت
- 523 دعا عبادت ہے
- 524 دوسوہ کیا ہے؟
- 528 ہر پچھ فطرت سلیمہ پر پیدا کیا جاتا ہے
- 501 حدیث قدسی: میں شرک سے غنی ہوں
- 459 میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرو گے اور نہ ہی بدکاری کرو گے
- 460 مومنوں کو دنیا میں ہی گناہ کا بدلہ دے دیا جائے گا، جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو ان کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوگا
- 461 جو ایک نیکی کرے تو اس کا بدلہ دس گنا ہے۔
- 462 احسان سے کیا مراد ہے؟
- 464 حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نار نمود میں گرانا اور حضرت جبرئیل امین کا عرض کرنا
- 464 غلت کا مقام اور حضرت محمد کا اس پر فائز ہونا
- 465 میری امت کی مثال بارش جیسی ہے
- 467 حضرت سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی
- 467 میاں بیوی کے درمیان صلح صلح کی قسمیں
- 470 جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف جھک جائے
- 478 نئی اور پرانی بیویوں میں باری
- 483 ایک بیوی کا اپنی باری دوسری بیوی کو دے دینا اور پھر واپس لے لینا
- 484 اہل فارس کی فضیلت
- 489 قاضی پر واجب ہے کہ دونوں فریقوں سے مساوات رکھے
- 497 کامل ایمان
- 498 قیامت کے روز مومن اور منافق میں جدائی

- 544 انبیاء علیہم السلام کی تعداد 529 مرتد کی بیوی ارتداد سے جدا ہو جاتی ہے
- 545 ایمان کی صحت کے لئے انبیاء کی پہچان ضروری ہے 530 منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو دور یوزوں میں بھاگتی پھرتی ہے
- 546 کیا رسولوں کی بعثت سے پہلے مخلوق کو عذاب دیا جائے گا؟ 530 منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے
- 549 جس نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی 534 غلام کو دن میں ستر بار معاف کرو۔
- 550 ابن آدم نے میری تکذیب کی جبکہ اسے یہ حق حاصل نہ تھا 539 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانا
- 540 حقیقی بھائیوں کی وراثت یا صرف باپ کی طرف سے 540 اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اِنْ قَوْمٌ اٰهْلِي الْكِتٰبِ اِلَّا لِيُوَدُّوْهُمْ قَبْلَ مَوْتِهِمْ
- 554 بھائیوں کی وراثت 540 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا
- 557 آخری صورت جو نازل ہوئی 540 حضرت داؤد علیہ السلام جنگل کی طرف نکلتے اور زبور کی تلاوت کرتے
- 557 آخری آیت جو نازل ہوئی 544 حضرت ابوموسیٰ اشعری کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان: تجھے حضرت داؤد کے خاندان کے مزا میر دیئے گئے ہیں۔

Nafse Islam



WWW.NAFSEISLAM.COM

## سورۃ آل عمران

ابانھا ۲۰۰ ﴿۱﴾ سُورَةُ الْاِٰمِرٰنِ مَكِّيَّةٌ ۲ ﴿۲﴾ رُكُوْعَاتُهَا ۲۰ ﴿۳﴾

سورۃ آل عمران مدنی ہے۔ اس کی دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس سے روایت نقل کی ہے کہ نصاریٰ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے جھگڑا کیا تو اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی اتنی سے اوپر آیات نازل فرمائیں۔ ابن اسحاق نے کہا مجھے محمد بن سہل بن ابی امامہ نے بیان کیا جب نجران کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے سوال کریں تو انہیں کے متعلق سورۃ آل عمران کے آغاز سے اتنی آیات تک نازل ہوئیں۔ یہی تھی نے دلائل میں اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح بغوی نے ربیع بن انس اور دوسرے لوگوں سے نقل کیا ہے کہ یہ آیات نجران کے وفد کے حق میں نازل ہوئیں، وہ ساٹھ کے قریب سوار تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے چودہ اشراف سے تعلق رکھتے تھے، ان چودہ افراد میں سے تین اشخاص ایسے تھے جو ان کے معاملات کے ذمہ دار تھے۔ عاقب ان کا امیر اور صاحب مشورہ تھا جس کی رائے کے بغیر وہ کوئی کام نہ کرتے جس کا نام عبدالمسح تھا۔ امیر سفر سید تھا جس کا نام ایہم تھا اور ابو حازمہ بن علقمہ ان کا استقف اور عالم تھا۔ وہ اس وقت مسجد نبوی میں داخل ہوئے جب حضور ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ انہوں نے علماء کے جیسے پہنے ہوئے تھے جبکہ ان پر خوبصورت چادریں بھی تھیں۔ وہ ایسے بھلے لگ رہے تھے کہ جس نے بھی انہیں دیکھا کہا کہ ہم نے اس جیسا وفد نہیں دیکھا۔ ان کی عبادت کا وقت ہو گیا، وہ مسجد نبوی کے اندر ہی نماز پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو۔ پس انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ سید اور عاقب نے انکی طرف سے گنتگو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اسلام قبول کر لو۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچی بات نہیں کی کیونکہ تمہارا اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹا قرار دینا، صلیب کی عبادت کرنا اور تمہارا خنزیر کو کھانا تمہیں اسلام سے روکتا ہے۔ ان دونوں نے کہا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں تو ان کا باپ کون ہے؟ ان سب نے مل کر حضور ﷺ سے جھگڑا کیا۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کیا تم جانتے نہیں کہ ہمارا رب زندہ ہے جسے موت نہیں آتی جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوپر فنا طاری ہوگی؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کیا تم اس بات کا علم نہیں رکھتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے، ہر چیز کی حفاظت بھی کرتا ہے اور اسے رزق بھی پہنچاتا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے کسی چیز کے بھی مالک ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان میں سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں؟ انہوں نے کہا بالکل ایسے ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے طور پر ان میں سے کسی چیز کو جانتے ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں سکھا دے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا ہمارے رب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحم میں ایسی شکل بنائی جیسی اس نے چاہی اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم نے اپنی رحم میں اٹھائے رکھا جس طرح ایک عورت بچے کو رحم میں

اٹھائے رکھتی ہے اور انہیں اس طرح جنا جس طرح دوسری عورتیں بچوں کو جنم دیتی ہیں، پھر آپ کو اس طرح غذا دی گئی جس طرح دوسرے بچوں کو غذا دی جاتی ہے، پھر آپ کھاتے، پیتے اور گفتگو فرماتے تھے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو پھر وہ کیسے ہو سکتا ہے جس کا تم گمان کرتے ہو تو وہ سب خاموش ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی اسی سے اوپر آیات نازل فرمائیں۔ (1)

### الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝

”الف لام میم اللہ لہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے ۲۔ زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔ ۳۔“

۱۔ قرأت: الم اللہ، ابو یوسف یعقوب بن خلیفہ اعمش نے ابو بکر سے روایت کرتے ہوئے الم پر وقف کی بناء پر میم کو ساکن کرتے ہوئے الگ پڑھا ہے جس طرح تمام حروف مقطعات کو پڑھنے کا طریقہ ہے، پھر ابتداء میں ہونے کی وجہ سے ہمزہ کو قطعی پڑھا ہے۔ بقی قرآن نے وصل کرتے ہوئے میم کو مفتوح پڑھا ہے۔ سیبویہ کے نزدیک دو ساکنوں (میم اور لفظ اللہ کا لام) کے جمع ہونے کی وجہ سے میم کو مفتوح پڑھا گیا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ دو ساکنوں کا اجتماع وقف میں ممنوع ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وقف جمہور علماء کے نزدیک مروی نہیں، یہ صرف ابو یوسف اور یعقوب کے نزدیک ہے جس طرح ذکر کیا جا چکا ہے جس طرح یعقوب کی قرأت ہے۔ وقف میں لفظ میم میں دو ساکنوں (یا اور میم ثانی) کا اجتماع تو قابل برداشت ہے، نہ کہ تین ساکنوں کا اجتماع۔ اب میم کو فتح اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ یہ حرکتوں میں سے خفیف ترین حرکت ہے، اس کے نیچے کسرہ اس لئے نہیں دیا گیا کیونکہ اس سے قبل یا اور یا سے پہلے میم مکسور ہے، تو اس طرح کئی پے در پے کسرے جمع ہو جاتے ہیں، اس سے بچنے کے لئے میم پھر فتح دیا ہے۔ زحمری نے کہا میم کے اوپر بر لفظ اللہ اسم جلال کے ہمزہ وصل کی ہے جسے میم کی طرف منتقل کر دیا گیا، یہ بھی جائز ہے جبکہ ہمزہ وصلی کو حرکت کے ساتھ ہی حذف کر دیا جاتا ہے کیونکہ میم کا حق تو یہ تھا کہ اس پر وقف کیا جائے اور وقف کا تقاضا یہ تھا کہ ہمزہ وصلی کو باقی رکھا جاتا جس طرح یعقوب کی قرأت ہے لیکن تخفیف کے طور پر اسے ساقط کر دیا گیا صرف حرکت کو باقی رکھا گیا تاکہ اس پر دلیل ہو جائے کہ ہمزہ ثابت کے حکم میں ہے اور اس لئے بھی کہ میم موقوف کے حکم میں ہے، حقیقت میں موقوف نہیں۔ قرآن نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ میم کی مد میں مد طویل جائز ہے جو چھ حرکتوں کے برابر ہوتی ہے اور چھوٹی مد دو حرکتوں کے برابر ہوتی ہے واللہ اعلم۔

۲۔ لفظ اللہ اسم جلال مبتدا ہے اور ما بعد اس کی خبر ہے۔ لا الہ الا هو، یہاں لافعی جنس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے لا الہ فی الوجود الا هو۔ الا کے بعد ضمیر مستثنیٰ رفع کے محل میں ہے جو لافعی جنس اور اس کے اسم کے محل سے بدل ہے۔

۳۔ الْحَيُّ الْقَيُّومُ یا تو یہ ضمیر سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی هو الحي القيوم ہم نے ان دونوں اسماء کی مفصل وضاحت آیۃ الکرسی میں کر دی ہے۔ ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن مردودہ ابی امامہ کی مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تین سورتوں بقرہ، آل عمران اور طہ میں ہے۔ قاسم جو ابی امامہ کے ساتھی تھے، انہوں نے کہا میں نے تلاش کیا تو میں نے پایا کہ یہ اسم اعظم الْحَيُّ الْقَيُّومُ ہے کیونکہ سورۃ بقرہ میں آیۃ الکرسی کے اندر، سورۃ آل عمران میں اس آیت کے اندر اور سورۃ طہ میں وَعَسَىٰ أَنْتُمْ كَاذِبِينَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ہے جزری جو حصین کے صاحب ہیں، نے کہا میرے نزدیک لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ہے میں دونوں حدیثوں ان میں سے ایک یہ ہے اور دوسری اسماء بنت یزید کی حدیث ہے، کو جمع کرتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ اسم اعظم لا الہ الا هو ہے۔ حضرت اسماء کی حدیث یہ ہے، کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ اور اللہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (2) اسے امام ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے اور حضرت سعد بن ابی

وقاص کی حدیث طیبہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذی النون جب مچھلی کے پیٹ میں تھے ان کی دعا یہ تھی لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ کوئی مسلمان ان کلمات کے ساتھ دعا نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے حاکم کی مستدرک میں ہے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم وہ ہے جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو اسے قبول کیا جائے جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو اسے عطا کیا جائے وہ یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ اور یزید کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاِنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوَلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدًا اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو احد اور صمد ہے، جس نے کسی کو جتنا نہ اسے جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اس نے اسم اعظم کے وسیلہ سے یہ دعا کی، جس کے وسیلہ سے جب سوال کیا جائے تو اسے عطا کیا جاتا ہے اور جب اس کے ساتھ دعا کی جاتی ہے تو اسے قبول کیا جاتا ہے۔ اسے احمد، سنن اربعہ کے مصنفین، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا یہ حسن غریب ہے۔ حاکم نے کہا شیخین کی شرطوں پر یہ صحیح ہے۔ ان تمام نے حضرت انس سے بھی روایت کیا ہے، حضرت انس نے کہا میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک آدمی دعا مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنْ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحْسَنُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْاَسْمٰی الْاَعْظَمٰی تُوْنِیْ کَرِیْمٌ نے فرمایا اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی، جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ دعا کو قبول کرتا ہے اور جب اس کے ساتھ دعا کی جائے وہ عطا فرماتا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے یاحی یا قیوم کا ذکر نہیں کیا۔ میں یہ کہتا ہوں یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسم اعظم ان کے درمیان مشترک ہے وہ تہلیل، نفی اور اثبات ہے اور لا الہ الاہو تینوں سورتوں بقرہ، آل عمران اور اسی طرح سورہ طہ میں موجود ہے۔ لا الہ الاہو افضل الذکر ہے۔ اسے ترمذی اور دوسرے محدثین نے حضرت جابر سے مرفوع روایت کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ جنت کی چابی ہے۔ اسے امام احمد نے حضرت معاذ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور اس کا معنی تو اتر سے ثابت ہے۔

فائدہ: اسم اعظم والی احادیث میں تہلیل کا صیغہ لا الہ الاہو اور لا الہ الا انت کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ یہ الفاظ لا الہ الا اللہ کے الفاظ سے درجہ میں بلند ہیں کیونکہ ضمیریں صرف ذات کے لئے وضع کی گئی ہیں، لا الہ الاہو کے کلمہ میں ذہن پہلے ہی ذات کی طرف منتقل ہوتا ہے نہ کہ کسی اسم صفت کے واسطے سے ذات کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اللہ کا کلمہ اگرچہ اسم ذاتی ہے لیکن اس میں ذہن پہلے اسم کی طرف منتقل ہوتا ہے پھر کسی کی طرف اور بعض اوقات ذہن اشتقاق کے اعتبار سے الوہیت کی طرف منتقل ہوتا ہے، تو اس صورت میں یہ لفظ اسماء صفات میں سے ہوانہ کہ اسم ذات میں سے۔ تاہم یہ لفظ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اور نقص و عیب کی تمام آمیزشوں سے پاک ہے۔ پس یہ اسماء صفات میں سے کامل ترین اسم ہوا۔ صوفیاء نے ذکر کے لئے لا الہ الا اللہ کے کلمات مبتدی کے لئے منتخب کئے ہیں کیونکہ مبتدی کیلئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ذات تک پہنچے مگر وہ اس کے اسماء میں سے کسی اسم کے واسطے سے یا صفات میں سے کسی صفت کے واسطے سے۔ میں یہ کہتا ہوں نفی و اثبات کے اسماء ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے الوہیت کا اثبات بالذات تمام صفات کمال کے ثبوت اور تمام نقائص کے سلب کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ جو اس شان کا حامل نہ ہو وہ عبادت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور اس کے غیر سے الوہیت کی نفی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان صفات اہمجاہیہ اور سلبیہ کو اسی ذات میں محصور کیا جائے۔ پس یہ اسماء میں سے سب سے عظیم اسم ہو، واللہ اعلم۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ تَوَالِيحًا



”نازل فرمائی اس نے اے آپ پر یہ کتاب ہے حق کے ساتھ ہے تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے (اتری) ہیں اور اتاری اس نے تورات اور انجیل ہے“

اے نزل یعنی اس نے نازل کیا۔

۱۔ کتاب سے مراد قرآن ہے یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا کیونکہ نزول باب تفعیل سے آئے تو اس میں تکثیر کا معنی پایا جاتا ہے۔  
 ۲۔ یہ ترکیب میں الکتب سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ خبر دینے میں سچائی کا حامل ہے یا اس دین کا حامل ہے جو دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہے۔ بَيِّنَاتٌ يَدِينُونَ سے مراد ما قبل کتب ہیں۔ پس اس کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ جو اس سے پہلی کتابوں پر ایمان لایا وہ اس پر بھی ایمان لائے اس حوالہ سے یہ آیت کریمہ یہود و نصاریٰ کے خلاف دلیل ہوگی جب انہوں نے قرآن کا انکار کیا۔  
 ۳۔ یعنی تورات و انجیل کو یک بارگی نازل کیا، اس وجہ سے صیغہ کو تنزیل سے انزال کی طرف پھیرا کیونکہ انزل تنزیل سے عام ہے۔ ابو عمرو، ابن ذکوان اور کسائی نے تمام قرآن میں تورات کو مالہ (۱) کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع اور حمزہ نے بین بین کر کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ تورات عبرانی زبان کا لفظ ہے، یہ اس کتاب کا نام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اور انجیل سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ یہ عربی زبان کے الفاظ نہیں جس نے اس ورثی الزند سے فوعلة یا تفعلة اور انجیل نجل سے تفعیل کے وزن پر تسلیم کیا ہے اس نے محض تکلف کیا ہے۔

مِنْ قَبْلِ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ  
عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

”اس سے پہلے اے لوگوں کی ہدایت کے لئے اے اور اتارا فرقان کو ۱۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں

کے ساتھ ۲۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے ۳۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے ۴۔ بدلہ لینے والا ہے ۵۔“

اے مِنْ قَبْلُ یعنی قرآن نازل کرنے سے پہلے تاکہ لوگوں میں قرآن پر ایمان لانے کی استعداد پیدا ہو جائے۔

۱۔ ناس سے مراد تمام لوگ ہیں یہاں اس لفظ کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی قوم کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ تمام سماوی کتب تمام لوگوں کو توحید اور تمام انبیاء پر ایمان لانے کی طرف دعوت دیتی ہیں، مبداء اور معاد کے علم کو ثابت کرتی ہیں اور ہدایت کے راستہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے جو (راستہ) اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے رک جانا ہے تورات، انجیل اور زبور کا حضور ﷺ کی بعثت کی خبر دینا اور ان میں سے بعض آیات کا منسوخ ہونا ان کتابوں کے ہدایت ہونے کے منافی نہیں، جس طرح قرآن حکیم کی بعض آیات بعض آیات کے ساتھ منسوخ ہو گئیں کیونکہ نسخ تو حقیقت میں پہلے حکم کی مدت کا بیان ہوتا ہے۔ پس یہ آیت ہمارے حق میں دلیل ہے کہ پہلے انبیاء کی شریعتیں بھی ہم پر لازم ہیں کیونکہ وہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی شریعت ہیں، جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں وہ ہم پر لازم نہیں۔ حدی کا لفظ یہ تورات اور انجیل سے حال ہے۔ مصدر کو مبالغہ کے لئے ان پر محمول کیا گیا یا اسم فاعل کے معنی میں ہو کر اس پر محمول ہے، کیونکہ یہ مصدر ہے، اس لئے اس کا حشر نہیں بنایا۔

۲۔ یہاں فرقان سے مراد تمام آسمانی کتابیں ہیں اور اس کے اوپر الف لام استغراقی ہے۔ تین کتابوں کے بعد اسے اس لئے ذکر کیا تاکہ یہ باقی

(۱)۔ الف کو یاہ کی طرف مائل کر کے پڑھنا۔

کتابوں کو شامل ہو جائے۔ گویا یوں فرمایا تمام کتابیں نازل فرمائیں تاکہ یہ حق اور باطل میں فرق کریں۔ یا اس سے مراد قرآن حکیم ہے، اس کا دوبارہ ذکر مدح، تعظیم اور اس کی فضیلت کو ظاہر کرنے کیلئے کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کی بناء پر یہ دوسری کتابوں کیساتھ شریک ہے۔ تاہم اپنے الفاظ کے اعجاز کی بنا پر حق اور مظل کے درمیان فرق کرنی والی ہے۔ معطوف علیہ کے بعید ہونے کی وجہ سے یہاں فعل انزل کو دوبارہ ذکر کیا تاکہ عطف کے ساتھ کسی قسم کا التباس واقع نہ ہو کیونکہ واؤ سے پہلے ہدی ہے جو مفعول لہ ہے۔ یا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فعل دوبارہ ذکر کیا کہ قرآن حکیم کا نزول لیلۃ القدر کو آسمان دنیا کی طرف ہوا اور تنزیل سماء دنیا سے آہستہ آہستہ آپ ﷺ پر ہوا۔ سدی نے کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام یوں ہے: وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ وَالْفُرْقَانَ هُدًى لِلنَّاسِ۔

یعنی کتابوں میں نازل شدہ چیزوں میں سے کسی چیز کا انکار کیا۔

یہ ان کے کفر کی وجہ سے عذاب شدید ہوگا جس کا اہل کتاب اعتراف کرتے ہیں۔

عزیز کا معنی غالب ہے، اسے عذاب دینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

کے کوئی انتقام لینے والا اس کی مثل انتقام لینے پر قدرت نہیں رکھتا۔ قلمہ مجرم کی سزا کو کہتے ہیں، اس سے فعل نَقَمَ اور نَقَمَ دونوں طرح آتا ہے تو حید کو ثابت کرنے کے بعد وعید فرمائی اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سچے ہیں کیونکہ جو آپ پیغام حق لائے ہیں وہ ساری کتابوں کے مطابق ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ معجز ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝

”بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں لہ“

لہ اس سے مراد کائنات میں کوئی بھی واقع ہونے والی چیز ہے، خواہ کلی ہو یا جزئی عالم کو ان دونوں سے تعبیر کیا گیا کیونکہ جس ان دونوں سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ یہاں زمین کو آسمان پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو جانتا ہے پس انہیں اس کی جزاء دے گا۔ یہ جملہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہ جی ہے اور بعد والا جملہ اس کے قیوم ہونے پر دلیل ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

”وہی جو تمہاری تصویریں بناتا ہے (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے لہ کوئی معبود نہیں بغیر اس کے ۝ (وہی)

غالب ہے حکمت والا ہے لہ“

لہ یعنی صورت رنگ اور مختلف شکلیں مذکر یا مونث جس کا ارادہ کرے۔

لہ اس کی تعلیم کے بغیر نہ کوئی جانتا ہے اور اس کی قدرت عطا کرنے کے بغیر کوئی قادر نہیں اس چیز کے حاصل کرنے پر جس کا وہ ارادہ کرے۔ لہ یہ حوض میر مستثنیٰ سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اس میں اللہ کی کمال قدرت اور حکمت کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ جو صادق و مصدوق ہیں، نے بیان فرمایا کہ تمہاری پیدائش ماں کے رحم میں چالیس دن نطفہ کی صورت میں پھر چالیس دن جھے ہوئے خون کی صورت میں، پھر چالیس روز لوتھڑے کی صورت میں، پھر اللہ تعالیٰ انکی طرف چار چیزوں کے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا ہے، وہ اس کا رزق، عمل موت کا وقت شقی یا سعید لکھتا ہے۔ فرمایا تم میں سے ایک جنتیوں کا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے، وہ جہنمی کا عمل کرتا

ہے، پس اس میں داخل ہو جاتا ہے اور بے شک ایک جہنمی کا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے، پس وہ جنتی کا عمل کرتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے (1) متفق علیہ۔ حضرت حذیفہ بن اسید نبی کریم ﷺ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نطفہ جب ماں کے رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے تو چالیس یا پینتالیس دنوں کے بعد فرشتہ اسکے پاس آتا ہے، وہ کہتا ہے اے رب کیا یہ شقی ہے یا سعید، پس دونوں لکھ دیے جاتے ہیں۔ وہ عرض کرتا ہے مذکریا مؤنث، پس دونوں لکھ لیئے جاتے ہیں۔ اس کا عمل، اثر، موت کا وقت اور رزق لکھ لیا جاتا ہے، پھر صحائف کو لپیٹ لیا جاتا ہے، پس اس میں اضافہ کیا جاتا ہے نہ کمی کی جاتی ہے (2) سے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ  
مُتَشَابِهَةٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ  
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ  
يَقُولُونَ أَمْثَلُ كُلِّ مَنٍ عِنْدَ رَبِّنَا وَمَا يَدْرَأُونَ إِلَّا الْاُولُو الْاَلْبَابِ ۝

”وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب لہ اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں ۲ وہی کتاب کی اصل ہیں ۳ اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں ۴ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے ۵ سو وہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن سے ۶ (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی ہے اور (غلط) معنی کی تلاش ہے ۷ اور نہیں جانتا اس کے صحیح معنی ۸ کو بغیر اللہ تعالیٰ ۹ کے اور پختہ علم والے ۱۰ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے ۱۱ اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقلمند۔ ۱۲“

۱ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔

۲ جن کی عبارات محکم ہیں جن کا مفہوم منطوق اور متضمنی کسی بھی ایسے سننے والے پر مشتبہ نہیں ہوتا جو لغت کو جاننے والا ہو یا تو تامل کے بغیر ہی جس طرح یہ فرمان ہے: قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ كُفْرًا بِمَا كُفِرْتُمْ بِهِ وَأَنَّ اللَّهَ يَتَّبِعُ الْمُكْفِرِينَ لَئِن لَّمْ يَئْتِ الْبَشَرُ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْحُكْمِ مِنَ اللَّهِ وَمِنِ النَّبِيِّينَ لَوَاقِلٌ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَضِلُّونَ ۝۱۰۰ اور اس کا فرمان قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا إِلَّا مَا تَرَوْنَ مِنَ الْقُرْآنِ وَأَنَّ اللَّهَ يَتَّبِعُ الْمُكْفِرِينَ لَئِن لَّمْ يَئْتِ الْبَشَرُ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْحُكْمِ مِنَ اللَّهِ وَمِنِ النَّبِيِّينَ لَوَاقِلٌ ۝۱۰۰ اور اس کا ارشاد: لَئِن لَّمْ يَئْتِ الْبَشَرُ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْحُكْمِ مِنَ اللَّهِ وَمِنِ النَّبِيِّينَ لَوَاقِلٌ ۝۱۰۰ اور اس کا مفہوم واضح ہوتا ہے جبکہ شارع کی طرف سے وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی جس طرح رب العالمین کا فرمان ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ يَتْرَاكُمَا جِيبَ تَرَاشٍ ۝۱۰۰ کے حق میں ادنیٰ تامل کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جیب تراش کے حق میں سرقہ کے معنی کی زیادتی پائی جاتی ہے اور ادنیٰ تامل سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ کفن چور کو یہ حکم شامل نہیں کیونکہ اس میں معنی کی کمی پائی جاتی ہے کیونکہ چوری کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی کی مملوکہ چیز کو مخفی طریقہ سے لینا، جبکہ میت کا کفن کسی کی ملکیت نہیں ہوتا کیونکہ میت دنیاوی احکام کے اعتبار سے جماد کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے جس کا مالک بنتا صحیح نہیں ہے اور وارثوں کا حق تکفین کے بعد باقی نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَآتَرَجُلُكُمْ إِلَى الْكُفَّيْنِ ۝۱۰۰ کیونکہ تامل کے بعد یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کا عطف دھونے والے اعضاء پر ہوتا ہے کیونکہ دونوں میں الی غایت کے لئے ہے اور جو

اللہ تعالیٰ کا فرمان: **كَلِمَةً قُرْءَانًا** کیونکہ تامل کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد حیض ہے طہر نہیں کیونکہ طلاق طہر میں شروع ہے اس لئے پورے تین کا تصور حیض معنی لینے میں ہی ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَوَازِنِيَّزَامِيْنَ فَضَّةً** (دھر: 16) تامل سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان برتنوں کی صفائی ششے کی مانند ہے جبکہ وہ چاندی کی جنس سے ہیں۔ اس بناء پر محکم میں فقہاء کے نزدیک ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی اور مشکل بھی داخل ہوں گی۔ ہم نے محکم کی جو تفسیر بیان کی ہے یہ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول سے مستفاد ہے، محمد بن جعفر بن زبیر کے قول کا بھی یہی مفہوم ہے، آپ نے فرمایا محکم وہ آیت ہوتی ہے جس کا ایک ہی مفہوم ہو۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ محکم وہ ہوتی ہے جس کا معنی معلوم ہو جو واضح حجت ہو اور جس کے دلائل ظاہر ہوں۔

۱۔ قاموس میں ہے ام والدہ کو کہتے ہیں، ہر چیز کی اصل اس کے ستون، قوم کے رئیس اور ہر وہ چیز جس کے ساتھ اور چیزیں ملی ہوں اس کو ام کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہاں کتاب بمعنی فرض ہے جیسے آیت کریمہ میں ہے: **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ** (بقرہ: 183) تم پر روزے فرض کئے گئے اس میں اضافت لامیہ ہے۔ یہاں ام والدہ یا اصل کے معنی میں ہے، یعنی محکم آیات ہی ہمارے فرائض و مخرمات میں اصل ہیں۔ کتاب قرآن کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں اضافت یا تو بیانیہ ہے تو معنی ہوگا یہ کتاب کے احکام کی اصل ہیں، ان سے احکام حاصل کئے جاسکتے ہیں جبکہ ان میں شارع کے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یا اضافت لامیہ ہوگی، معنی یہ ہوگا یہ قرآن کا ستون ہیں، ان کی حیثیت وہی ہے جس طرح قوم کے رئیس کی ہوتی ہے اور تمام دوسری آیات ان کی محتاج ہوتی ہیں اور ان کے مراد کو جاننے کے لئے انہیں محکمات کی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ام کی جگہ امہات کا لفظ استعمال ہوتا لیکن مفرد کا لفظ ذکر کیا تاکہ اس پر دلالت کرے کہ تمام محکم آیات ایک آیت کے قائم مقام ہیں کیونکہ فرائض ان کے مجموعہ سے اخذ کئے جاتے ہیں نہ کہ الگ الگ سے، اس طرح تشابہات کا مرجع انکا مجموعہ ہے نہ کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ ان کا مرجع ہے۔

۲۔ اخر کا کلمہ **الْآخِرُ** یا **اٰخِرُ** من سے معدول ہے۔ یہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں دو موانع عدل اور وصف پائے جاتے ہیں۔ اس کی مراد ایسے سامع پر مشتبہ ہو جاتی ہے جو لغت سے واقف ہو اس طرح کہ اسے طلب اور تامل سے بھی اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا مگر اسی صورت میں جب شارع کی جانب سے محکم عبارت کی صورت میں بیان آ جائے۔ اگر شارع کی طرف سے بیان آ جائے اور اس کی مراد ظاہر ہو جائے تو اصولیین کی اصطلاح میں اسے مجمل کہتے ہیں، جس طرح نماز، حج، زکوٰۃ، عمرہ وغیرہ والی آیات اور دوسری آیات۔ اگر شارع کی جانب سے بیان اور تعلیم نہ آئے تو اصولیین کی اصطلاح میں اسے تشابہات کہتے ہیں۔ یہ قسم صرف ان چیزوں کے متعلق ہوتی ہے جن کا اعمال سے تعلق نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایسا ہو تو تکلیف مالا یطاق لازم آتا ہے یہ قرآن حکیم کے حروف مقطعات کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَللّٰهُ قَوْلِيْ** (فتح: 10) **اَللّٰهُ عَلٰى الْعَرْشِ السُّعُوْدِ** (طہ: 5) اس قسم کی مراد اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے بذریعہ الہام بعض عرفاء کو معلوم ہو جاتی ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دینا اور شرح صدر کے بعد نبوت کے انوار کا اخذ کرنا، اگرچہ اس کی مراد بعض اوقات اس حیثیت میں ہوتی ہے کہ زبان سے اس کی تعلیم و تعلم ممکن نہیں ہوتی کیونکہ عوام کا خزینہ علم اس کو شامل نہیں ہوتا اور نہ اس کے برابر کوئی لفظ وضع کیا گیا ہے۔ رہی وہ چیزیں جو مکلف بنانے سے تعلق رکھتی ہیں تو ضرورت کے وقت اس کے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں وہ تکلیف مالا یطاق سے متعلق ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اَللّٰهُ كُتِبَ اٰحْكَمَتْ اٰيٰتُهُ** (ہود: 1) اور دوسری جگہ فرمایا: **كُتِبَ اٰمْتَشَاهَا** (المرج: 2) تو پھر یہاں ان دونوں میں فرق کیسے درست ہے **مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمَةٌ** اور **اٰمْتَشَاهَا**؟ ہم جواب دیں گے قرآن کو محکم بنانے کا مطلب یہ ہوگا یہ فساد معنی اور رکاکت لفظ سے مضبوط اور محفوظ ہے کوئی بھی اس کا مقابلہ کرنے اور اس پر طعن

کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور جب اسے مشابہا فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کا بعض حسن و کمال میں بعض کے مشابہ ہے۔ یہاں معنی کی وضاحت اور خفاء کے اعتبار سے فرق کیا ہے۔

۱۔ زبغ کا معنی حق سے اعراض کرنا ہے۔ ربیع نے کہا یہ بخران کا وفد تھا جنہوں نے حضور ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جھگڑا کیا، انہوں نے کہا تم یہ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ”کلمۃ اللہ“ اور ”روح منہ“ ہیں؟ آپ نے فرمایا جی ہاں۔ انہوں نے کہا یہی ہمارے لئے کافی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کلبی نے کہا اس سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے حضرت محمد ﷺ سے اس امت کی مدت کے بارے میں دریافت کیا تھا اور حساب جمل سے اس کا استخراج کیا (1)۔ ابن عباس نے کہا یہودیوں کی ایک جماعت جن میں جی بن اخطب، کعب بن اشرف اور ان جیسے لوگ تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں آئی جی نے کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ پرالم کو نازل کیا گیا ہے، ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ پر نازل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو کہنے لگا اگر یہ بات سچی ہے تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کی اس امت کی مدت اکہتر سال ہے، کیا اس نے آپ پر کچھ اور بھی نازل کیا ہے؟ فرمایا ہاں، اس نے المص نازل فرمایا ہے۔ اس نے کہا یہ ایک صد اکٹھ سال سے بڑھ کر ہے، کیا اس کے علاوہ بھی ہے؟ فرمایا ہاں، آرز کہنے لگا یہ دو سو اکتیس سال سے زائد ہے، کیا اس کے علاوہ بھی ہے؟ فرمایا ہاں، المص۔ یہ دو سو اکہتر سال سے زائد ہے، آپ نے ہم پر معاملے کو غلط ملط کر دیا ہے، ہم نہیں جانتے کہ کثیر کو اپنا میں یا قلیل کو، ہم تو اس پر ایمان نہیں لاتے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ابن جریج نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا اس سے مراد خارجی ہیں۔ اس کی مثل امام احمد بن حنبل اور دوسرے محدثین نے ابی امامہ کے واسطے سے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔ جب قنادہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے تو فرماتے اگر حرور یہ اور سابیہ نہ ہوتے تو میں نہ جان سکتا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد تمام بدعتی فرتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ عام ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی بدعتی کی جتنی بھی اقسام ہیں ان سب کو یہ شامل ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ ..... أُولَئِكَ لَابِلَاءِ آلِيهِ تِلَاوَتِ فَرَمَائِي فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو کہ وہ مشابہ کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، پس ان سے بچو (2)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ ابوما لک اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا مجھے اپنی امت پر کسی چیز کا خوف نہیں مگر تین چیزوں کا، ان تین چیزوں میں سے ایک یہ بھی ذکر کیا کہ ان لوگوں کے لئے کتاب کھولی جائے گی، پس وہ اس کی تاویل چاہتے ہوئے شروع کرے گا جبکہ اس کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور راسخ فی العلم یہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے رب کی جانب سے نازل شدہ ہے اور اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا مگر دانشمند۔

۲۔ یعنی وہ مشابہات کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں۔ اس میں احتمال ہوتا ہے کہ مبتدع خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ انہیں محکم آیات اور احادیث کی طرف نہیں لوٹاتا، اور نہ ہی ان کو ایسے معانی پر محمول کرتا ہے جو محکمات کے معانی سے مطابقت رکھتے ہوں یا ایمان لانے کے ساتھ سکوت اختیار کریں اور اس کی مراد کو تسلیم کریں۔ جب تک ہو سکے مشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانا ضروری ہوتا ہے یہاں تک کہ جمل کی مراد واضح ہو جائے، پس اس پر عمل کیا جائے جس طرح نماز، زکوٰۃ اور سود وغیرہ یا سکوت کرتے ہوئے اس پر ایمان لائے اور اس کی مراد کو تسلیم کرے۔ جب اجماع امت اور متواتر احادیث کی محکم نصوص سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آخرت میں مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے جس طرح وہ چودھویں کی رات میں چاند کو دیکھتے ہیں تو ضروری ہے کہ ایمان رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

وَجُودًا يُؤْمِنُونَ كَمَا صُرِّحَ فِي آيَاتِنَا نَظَرًا ﴿٢٠﴾ میں روایت اور نظر کو آنکھ سے دیکھنے پر محمول کیا جائے، جس طرح رب العالمین کا فرمان ہے: يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ وَالرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ اس پر ایمان رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی جائے اسے ظاہر پر محمول نہ کیا جائے، اور محکم کی اتباع کی جائے، قولہ تعالیٰ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کیونکہ اللہ تعالیٰ ممکن کی صفات سے پاک ہے، ساتھ ہی ساتھ مومن اپنے آپ کو حروف مقطعات کی تعبیر میں نہ تھکا تا پھرے کیونکہ اسے اس بات کی اجازت نہیں۔

یہ مفعول نہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی وہ یہ کام اس لئے کرتے ہیں کہ لوگوں میں تشکیک (۱) اور تلبیس پیدا کر کے دین سے آزمائش میں ڈال دیں اور مشابہہ کو محکم کی ضد ثابت کریں یہ منافقوں کا طریقہ ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے جب یہودیوں نے اسلام کو روز بروز ترقی کرتے ہوئے دیکھا، اس پر ضد کرنے لگے اور انہیں یقین ہو گیا کہ دنیا میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید حاصل ہے۔ انہوں نے نفاق سے کام لیا، وہ ظاہر میں تو اسلام میں داخل ہو گئے لیکن غلط تاویلات کے ذریعے مشابہات کی پیروی کرنے لگے، مذاہب باطلہ پیش کرنے لگے، پس ان میں سے کوئی حروری کوئی معتزلی اور کوئی رافضی بن گیا۔

۸ اس کا عطف ابتغاء الفتنة پر ہے، یعنی انہوں نے اس کا ایسا معنی کرنے کی طلب کی جس کی وہ خواہش کرتے ہیں۔ بعض اوقات اس کے معنی کی طلب جہالت کی بناء پر ہوتی ہے۔ یہ بعض متاخرین بدعتیوں کا انداز تھا مگر پہلے منافقین وہ عموماً ان دونوں طلبوں کی وجہ سے مشابہات کی پیروی کرتے۔

۹ اللہ تعالیٰ کے ہاں مشابہ آیات کا جو معنی ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۱۰ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی غیر کے لئے اس کا جاننا جائز نہیں اور کسی کا عربی زبان سے آگاہ ہونا کافی نہیں۔ یہاں حصر اضافی ہے، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی

(۱) داری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت نقل کی ہے کہ تمہارے پاس ایسے لوگ بھی آئیں گے جو قرآن کی مشابہ آیات کے بارے میں تمہارے ساتھ جھگڑا کریں گے۔ جب ایسا ہو تو حدیث کو لازم پکڑو کیونکہ حضور ﷺ کی سنتوں سے آگاہ لوگ کتاب اللہ کو زیادہ جانتے والے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا جو آپ سے یہ پوچھ رہا تھا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے حضرت عمر اٹھے اور سائل کو پکڑ لیا اور حضرت علی شیر خدا کے پاس لے گئے، فرمایا اے ابوالحسن! سنو، یہ کیا کہتا ہے؟ آپ نے پوچھا یہ کیا کہتا ہے؟ حضرت عمر نے فرمایا یہ میرے پاس آیا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا یہ وہ بات ہے جس کا کوئی نہ کوئی فتنہ پیدا ہوگا، جس منصب پر آپ فائز ہیں اگر میں اس پر فائز ہوتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔

داری نے سلیمان بن یسار سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی جسے صبیغ کہتے، وہ مدینہ طیبہ آیا، وہ قرآن کی مشابہات کے بارے میں پوچھنے لگا۔ حضرت عمر نے اس کی طرف پیغام بھیجا جبکہ آپ کھجور کی لکڑیاں سیدھی کر رہے تھے، آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں عبد اللہ صبیغ ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا میں اللہ کا بندہ عمر ہوں۔ آپ نے کھجور کی لکڑیوں میں سے ایک لکڑی پکڑی، اسے مارا یہاں تک کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ کہنے لگا اے امیر المؤمنین یہی کافی ہے، میں اپنے سر میں جو فتور پاتا تھا وہ نکل چکا ہے۔

حضرت ابو عثمان نہدی سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے بصرہ کے لوگوں کی طرف خط لکھا کہ وہ صبیغ کے پاس نہ بیٹھا کریں، فرمایا اگر وہ آئے اور ہم سوہوئے تو وہ ہمیں جدا جدا کر دے گا۔

محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف خط لکھا کہ تم صبیغ کے پاس نہ بیٹھا کرو اور نہ ہی اسے کوئی وظیفہ دیا کرو۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا اہل کلام کے بارے میں میرا وہی فیصلہ ہے جو حضرت عمر نے صبیغ کے بارے میں کیا تھا کہ انہیں مارا جائے، اونٹ پر بٹھایا جائے اور قبائل میں گھمایا جائے اور لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ جو آدمی کتاب اللہ اور سنت کو ترک کرے گا اور علم کلام کی طرف متوجہ ہوگا اسکی یہ جزا ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ

غیب اس کو بتائے بغیر نہیں جان سکتا۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے کامل قمعین بھی متشابہات کے معانی نہیں جانتے، یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کا ارشاد ہے: **لَمَّا اِنَّ عَلَيْنَا بَيِّنَاتٍ** پھر ہمارے ذمہ کرم پر ہے اس کا بیان۔ یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قرآن محکم ہو یا متشابہ، اس کا بیان حضور ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ضروری ہے۔ یہ جائز نہیں کہ قرآن میں سے کوئی ایسی چیز بھی ہو جس کی حضور ﷺ حضور کے لئے وضاحت نہ کی گئی ہو، ورنہ خطاب فائدہ سے خالی ہوگا اور وعدہ خلافی بھی ثابت ہوگی۔ صحیح بات وہی ہے جو ہم نے سورہ بقرہ کے آغاز میں ثابت کر دی ہے کہ متشابہات اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راز ہیں، عام لوگوں کو ان سے آگاہ کرنے کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ صرف حضور ﷺ اور آپ کے قمعین میں سے کا ملین کو آگاہ کرنے کا قصد کیا گیا ہے اور یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن کا عام لوگوں کے لئے بیان ممکن ہی نہیں، ان کا ادراک انھیں ہی علم لدنی کے ذریعے کر سکتے ہیں جو علم لدنی ہیئت ذاتیہ یا معیت صفاتیہ غیر متکیفہ سے حاصل ہوتا ہے۔

یعنی جو علم میں یوں راسخ ہوئے کہ انہیں کوئی شبہ لاحق نہیں ہو سکتا، وہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں جنہوں نے کتاب و سنت کے محکمات کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور جنہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر میں سلف صالحین یعنی صحابہ اور تابعین جو ضیاء امت ہیں، کے اجماع کی پیروی کی، انہوں نے متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹایا اور خواہشات و تلمیسات کو چھوڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ راسخ فی العلم سے مراد اہل کتاب میں سے مومنین ہیں۔ میں کہتا ہوں ان کی تخصیص کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ عظیم صوفیاء نے کہا کہ راسخ فی العلم سے مراد وہ لوگ ہیں جو دل، نفس اور عناصر کو فناء کرنے کے بعد خواہش نفس سے مطلقاً الگ تھلگ ہو چکے ہیں، تجلیات ذاتیہ سے فیض یاب ہو رہے ہیں، انہیں کسی قسم کا شبہ لاحق نہیں ہوتا۔ جس طرح ان صوفیاء کا قول ہے اگر پردے اٹھا بھی دیئے جائیں تو میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہو۔ طبرانی اور ابودرداء نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے راسخ فی العلم کے بارے میں پوچھا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا جس نے قسم پوری کی ہو جس کی زبان نے سچ بولا ہو اس کا دل مستقیم ہو جس کا بطن اور شرمگاہ عفت مآب ہو وہ راسخ فی العلم ہیں۔ میں کہتا ہوں یہی صوفیوں کی شان ہے۔

پھر علماء نے اس آیت کی ترکیب میں اختلاف کیا ہے، ایک طبقہ کا خیال ہے واؤ عاطفہ ہے، تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات اور راسخ فی العلم جانتے ہیں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان **يَقُولُونَ اٰمَنَّا بِهِ** حال ہوگا یعنی اس حال میں کہ وہ کہتے ہیں آمنا ہم ایمان لائے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **لَقَدْ فَتَرْنَا الْاٰمَنَةَ لِقَوْلِ الْاٰمَنَةِ اٰمَنَّا بِهِ**۔ **وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدِّمَارَ وَالْاِيْمَانَ**۔ **وَالَّذِينَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاٰخِوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ** (نیز وہ مال) نادر مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے، یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی، راست باز لوگ ہیں اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے، محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر، اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کو حرص سے تو وہی لوگ با مراد ہیں اور اس مال میں ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے، جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے۔

یہ مجاہد اور ربیع کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے وہ اس آیت کے ضمن میں کہتے ہیں میں راسخ فی العلم لوگوں میں سے ہوں۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اس کی تاویل کو جانتے ہیں (۱) اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہاں واؤ مستاقہ ہے اور کلام یہاں مکمل ہو جاتی ہے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ۔ اس صورت میں الراسخون فی العلم مبتدا ہوگا اور اس کا مابعد اس کی خبر ہو گی۔ یہ ابی بن کعب، حضرت عائشہ اور عروہ بن زبیر کا قول ہے۔ طاؤس کی ابن عباس سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حضرت حسن بصری اور اکثر تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ کسائی، فراء اور انخفش نے بھی اسے ہی پسند کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت بھی اس کی تائید کرتی ہے، وہ قرأت یہ ہے إِنَّ تَأْوِيلَهُ إِلَّا عِنْدَ اللَّهِ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ۔ اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت وَيَقُولُونَ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ آمَنَّا بِهِ اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا راسخ فی العلم کے علم کی قرآن کی تاویل میں انتہاء یہ ہے کہ وہ کہے آمنا بہ یعنی محکم تشابہ، ناسخ منسوخ اور جس کی مراد ہم جانتے ہیں اور جس کی مراد ہم نہیں جانتے، وہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

۱۲ میں کہتا ہوں راسخ فی العلم کی حالت ان لوگوں کی حالت سے مختلف ہے جن کے دل خواہشات کی وجہ سے کجی کا شکار ہو چکے ہیں وہ مختلف آراء کی پیروی کرتے ہیں، جب بھی ان کے لئے کوئی روشنی ہوتی ہے اور نصوص ان کی آراء کے موافق ہوتی ہیں وہ چلنا شروع کر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب ان پر نصوص کی تاویلات مخفی ہو جاتی ہیں اور ان کی آراء کے موافق نہیں ہوتیں وہ ٹھہر جاتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔ بغوی نے کہا یہ قول عربی زبان کے زیادہ مناسب ہے اور ظاہر آیت کے زیادہ مشابہ ہے یعنی نیا جملہ بنانا اور عطف نہ کرنا۔ میں کہتا ہوں اس قول کی توجیہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ نفی سے استثناء کرنا اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔ اس پر اہل عرب کا اجماع ہے۔ راسخون میں الف لام استغراق کے لئے ہے۔ اگر الراسخون فی العلم کا عطف لفظ اللہ اسم جلال پر ہوتا تو یہ لازم آتا کہ تشابہات کا علم ہر راسخ فی العلم رکھتا ہے جب کہ معاملہ ایسا نہیں کیونکہ ہدایت عقل اور روایت دونوں اس کی تائید نہیں کرتی ہیں۔

۱۳ اس کی اصل یتذکر ہے، یعنی قرآن میں جو کچھ ہے اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ مگر وہ لوگ جو عقل سلیم رکھتے ہیں، کیونکہ عقل کی سلامتی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ جسے نہیں جانتے اسے ایسی ذات کے سپرد کر دیں جو شکم، علم و حکیم ہے اور وہ جہل مرکب میں نہ پڑیں جہل مرکب والے وہ ہوتے ہیں جو ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں اکابر نے کہا لادری (میں نہیں جانتا) نصف علم ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ

الْوَهَّابُ ①

”اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل ۱۔ بعد اس کے کہ تو نے ہدایت دی ہمیں ۲۔ اور عطا فرما ہمیں اپنے پاس سے

رحمت ۳۔ بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے ۴۔“

۱۔ ہمارے دلوں کو حق سے نہ پھیر دے جس طرح تو نے مائل کر دیا تھا ان لوگوں کے دلوں کو جن میں کجی تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ راسخ فی العلم کا قول ہو۔ پھر تقدیر کلام یوں ہوگی بقولون آمنا بہ و بقولون ربنا، تاہم یہ بھی جائز ہے کہ جب کوئی قاری تشابہ پر پہنچے تو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سوال کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، پھر تقدیر کلام یوں ہوگی قُولُوا رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا

۲۔ کتابیں نازل فرمائیں، ہدایت عطا فرمائی اور محکم و تشابہ پر ایمان لانے کی توفیق نصیب فرمائی۔ بعد کا لفظ ظرف ہونے کی وجہ سے



منصوب ہے۔ اذکا لفظ محل جر میں ہے کیونکہ بعد لفظ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اذکا لفظ محل جر میں ہے کیونکہ بعد کا لفظ اس کی طرف مضاف ہے۔ ایک قول میں یہ کہا گیا ہے کہ یہاں اذ ان مصدریہ کے حکم میں ہے۔  
۳۔ رحمت سے مراد توفیق اور تثبیت ہے۔

۴۔ ہر سوال پر عطا فرمانے والا ہے۔ اس آیت میں اس پر دلیل موجود ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی طرف سے رسوائی کی وجہ سے ہوتی ہے، وہ بندوں پر فضل و احسان فرماتا ہے، اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ نو اس بن سمان سے مروی ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، جب وہ اسے سیدھا کرنے کا ارادہ کرتا ہے سیدھا کر دیتا ہے اور اگر اسے ٹیڑھا کرنا چاہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے یا مُقَلَّبَ الْقُلُوبِ ثَبَّتْ قُلُوبَنَا عَلٰی دِينِكَ اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دل اپنے دین پر مضبوط کر دے۔ میزان اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایک قوم کے حق میں بلند فرماتا ہے، دوسرے کے حق کو جھکا دیتا ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا ہے (1) اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔ اسی کی مثل امام احمد اور امام ترمذی نے ام سلمہ سے امام مسلم نے عبد اللہ بن عمر سے ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی حدیث سے اور صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دل کی مثال اس پر کی مانند ہے جو کھلی جگہ پڑا ہوا ہو جسے ہوائیں الٹ پلٹ کرتی ہیں۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ اَلَا رَاٰیْبَ فِيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخَلِّفُ الْوَعْدَ ۗ ﴿۱۰﴾  
”اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جمع کرنے والا ہے سب لوگوں کو اس دن کے لئے۔ نہیں کوئی شبہ جس (کے آنے) میں ۲۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پھرتا اپنے وعدہ سے ۳۔“

۱۔ یوم سے پہلے قضاء کا لفظ محذوف ہے، یعنی اس دن کے فیصلہ کے لئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں لام بمعنی فی ہے۔  
۲۔ یعنی اس دن اور اس میں واقع ہونے والی جزاء میں کوئی شک نہیں۔

۳۔ میعاد وعد سے مفعول کے وزن پر ہے۔ وعدہ خلائی اللہ تعالیٰ سے محال ہے کیونکہ یہ ایک رذیل عمل ہے جو الوہیت کے منافی ہے۔ جہاں تک وعید کا تعلق ہے تو ہمارے نزدیک توبہ کے بغیر بھی بخش دینا جائز ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں وعید میں بھی وعدہ خلائی جائز نہیں مگر وہ توبہ کے بعد ہی بخشا ہے۔ وہ اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں فساق کیلئے عذاب جس طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں سب کے نزدیک متفق علیہ ہے، اسی طرح یہ معافی نہ ملنے کی صورت کے ساتھ بھی مشروط ہے کیونکہ رب العالمین کا یہ حکم مطلق ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ۗ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا شرک کو اور بخشش دیتا ہے اس کے علاوہ جسکے حق میں چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ ۗ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے بخش دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے عذاب دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَنْ يُّغْتَضَبْ مِنْ رَحْمَتِنَا فَهِيَ اِلَّا الصَّالِحُونَ اور گمراہوں کے بغیر کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور آیات بھی ہیں۔ اس باب میں احادیث بے شمار ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۗ وَّ

## أُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ہی ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے“

کچھ بھی ہے اور وہی (بد بخت) ایندھن ہیں آگ کا ہے“

۱۔ اس سے مراد مشرک اور اہل کتاب دونوں ہیں۔

۲۔ یعنی ان کے اموال اور اولاد اس کی رحمت اور طاعت کا کچھ بدلہ نہ دیں گے۔

۳۔ شیئا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے، مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب نہیں کیونکہ اغناء فعل متعدی نہیں، لیکن ایک صورت میں متعدی ہو سکتا ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ لن تغنی اپنے ضمن میں لا ترفع کا معنی لئے ہوئے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ان کے اموال اور اولاد ان سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور نہ کر سکیں گے۔ اس صورت میں شیئا مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب ہوگا اور جار مجرور ظرف مستقر ہو کر حال بنے گا یعنی شبہ فعل محذوف کے متعلق ہو کر حال بنے گا۔

۴۔ یعنی یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ اس کا لن تغنی عنہم پر عطف ہے۔

## كَذَّابُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۝ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

”(ان کا طریقہ) مثل طریقہ آل فرعون کے ۱۔ اور ان لوگوں کے تھا جو ان سے پہلے تھے انہوں نے جھٹلایا ۲۔ ہماری آیتوں کو

پس پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ۳۔ ان کے گناہوں کی وجہ سے ۴۔ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ۵۔“

۱۔ ذاب ذاب فی العمل کا مصدر ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی انسان کام میں کوشش کرے۔ یہ جار مجرور محل رفع میں ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ذابہم کذاب آل فرعون۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کفر اور رسولوں کی تکذیب میں ان کا فعل آل فرعون کے فعل کی طرح ہے۔ ابن عباس، عکرمہ اور مجاہد نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے معنی فعل سے معنی شان کی طرف نقل کیا گیا ہے اور ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے آل فرعون کے طریقہ کی طرح۔ انفس نے کہا آل فرعون کے امر کی طرح اور ان کے عمل کی طرح۔ نصر بن شمیل نے کہا آل فرعون کی عادت کی طرح۔ معنی یہ ہوگا رسولوں کی تکذیب اور عذاب کے نازل ہونے میں ان کفار کی عادت، طریقہ اور حالت آل فرعون کی حالت طریقہ اور سنت کی طرح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ جار مجرور ماقبل کے ساتھ متصل ہو یعنی ان کے ساتھ اس طرح آگ بھڑکائی جائے گی جس طرح آل فرعون کے ساتھ آگ بھڑکائی جائے گی۔ اس صورت میں وقود النار کے واؤ پر ضمہ ہوگا، یعنی ان کی شان بھی ایسی ہی ہوگی جس طرح آل فرعون کی شان ان کے اموال اور اولاد انہیں کچھ نفع نہ دے گی جس طرح آل فرعون کو ان چیزوں نے کچھ نفع نہ دیا۔ پس عذاب کے نازل ہونے کے وقت ان کی شان ان کی شان جیسی ہوگی۔

۲۔ یعنی عاد ثمود اور قوم لوط کی مثل اس کا عطف آل فرعون پر ہے۔ اس صورت میں كَذَّبُوا یا تو صرف قد کے مقدر ماننے کے ساتھ حال ہو گیا جملہ مستفہ ہوگا تاکہ ان کی حالت بیان کرے۔ گویا یہ ما شانہم کا جواب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مبتدا ہوگا، مابعد اس کی خبر ہو۔

۳۔ اور انہیں عتاب دی۔

۴۔ ان کے گناہوں کے سبب۔

یہ یعنی اس کی پکڑ اور سزا سخت ہے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابن جریر، بیہقی نے دلائل میں ابن اسحاق سے، وہ محمد بن ابی محمد سے، وہ سعید بن جبیر سے اور عکرمہ سے، وہ دونوں حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اہل بدر کو جو زخم لگایا اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف پلٹے آپ نے یہودیوں کو سوق قینقاع میں جمع کیا، فرمایا اے یہودیوں کی جماعت اسلام قبول کر لو قبل اس کے کہ تمہیں بھی مصیبت پہنچے جیسی مصیبت قریش کو پہنچی۔ تو یہودی کہنے لگے اے محمد ﷺ آپ کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ آپ نے قریش کے چند افراد کو قتل کر دیا، وہ جو فن حرب سے نا آشنا تھے، اگر آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم میں جو ان مرد ہیں، آپ ہم جیسے بہادروں سے پہلے نہیں ملے، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (1)

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْغَلِبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۗ وَيُنْسَىٰ إِلَيْهَا ۗ

”(اے میرے رسول) فرما دو ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کئے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم

کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔“

۱۔ الذین کفروا سے مراد یہودی ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وعید کوچ کر دکھایا کہ بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا، خیبر کو فتح کر لیا گیا اور ان لوگوں پر جزیہ لازم کیا گیا۔ مقاتل نے کہا یہ آیت غزوہ بدر سے پہلے نازل ہوئی، اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ معنی یہ ہوگا آپ کفار مکہ کو فرمادیں کہ بدر کے روز تم پر غلبہ پایا جائے گا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں بدر کے روز فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تم پر غالب آنے والا ہے اور تمہیں جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ کلبی نے ابوصالح سے، وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے بدر کے روز مومنوں کو فتح نصیب فرمائی، قسم بخدا یہی وہ نبی ہے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے ہمیں بشارت دی تھی، آپ کا پھریرا نہیں لوٹایا جاسکتا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی اتباع کا ارادہ کیا مگر پھر بعض نے بعض سے کہا جلدی نہ کرو یہاں تک کہ ایک اور واقعہ دیکھ لو۔ جب احد کا دن آیا اور اصحاب رسول ﷺ کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو وہ شک میں مبتلا ہو گئے، بدبختی ان پر غالب آگئی، پس وہ مسلمان نہ ہوئے۔ ان کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک عرصہ تک عہد رہا یہودیوں نے اس وعدہ کو توڑ دیا۔ کعب بن اشرف ساٹھ سو اوروں کو لے کر مکہ مکرمہ گیا اور قریش سے مدد طلب کی، سب نے حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر اتفاق کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل کی (2) حمزہ اور کسائی نے اسے سیغلیون پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ جس وعید کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کیا آپ ان یہودیوں کو اس کے بارے میں بتادیں۔

۳۔ آخرت میں تمہیں جہنم کی طرف اٹھایا جائے گا۔ باقی قراء نے سیغلیون اور محشرون کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ قیل کا مقولہ ہوگا۔

۴۔ مہاد کا معنی فراش ہے، یہاں اس سے مراد جہنم ہے، جو انہیں بات کہی جائے گی یہ اس کا اختتام ہے۔ یا یہ جملہ مستاتھ ہے، یعنی کتنا برا ہے جو انہوں نے اپنے لئے تیار کر رکھا ہے، یا ان کے لئے جو تیار کیا گیا ہے وہ کتنا برا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ ۗ

يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأَى الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾

”بے شک تمہارے لئے (عبرت کا) نشان ہے (ان) دو گروہوں میں سے جو ملے تھے (میدان بدر میں) ایک گروہ سے لڑتا تھا اللہ کی راہ میں ہے اور دوسرا کافر تھا۔ دیکھ رہے تھے (مسلمان) انہیں کے اپنے سے دو چند (اپنی) آنکھوں سے اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے یقیناً اس واقعہ (بدر) میں سے بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لئے“

۱۔ یہ خطاب بھی یہودیوں کو ہوگا اس شرط پر کہ سابقہ آیت ان کے متعلق ہو، یعنی اسے یہودیوں میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم پر غلبہ پایا جائے گا اس کی صداقت کی اس میں تمہارے لئے واضح دلیل موجود ہے۔ یا یہ خطاب مشرکین کیلئے ہوگا اگر یہ تصور کیا جائے کہ پہلی آیت کفار کے بارے میں ہے، یعنی اسے کفار تمہارے لئے اس میں واضح نشانی ہے اور نبوت پر دلیل ہے۔

۲۔ یعنی دو جماعتوں میں فرقہ کو فتنہ کہتے ہیں کیونکہ جنگ میں ہر ایک دوسرے کی پناہ لیتا ہے۔

۳۔ بدر کے روز جنگ کے لئے یہ دو جماعتیں ملیں۔

۴۔ مومن جماعت سے مراد حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ ہیں۔

۵۔ جو دشمن سے جنگ کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں۔ اس جماعت کی تعداد تین سو تیرہ مردوں پر مشتمل تھی، 77 افراد مہاجر تھے، ان کے علمبردار حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہی صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کے علمبردار مصعب بن عمیر تھے اور دو سو تینتیس انصاری تھے، ان کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ تھے، ان کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ایک گھوڑا مقداد بن عمرو اور دوسرا گھوڑا مرشد بن ابی مرشد کا تھا، ان کی اکثریت پیدل تھی، ان کے پاس چھ زر ہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ (1)

۶۔ اور دوسری جماعت کافر تھی جو مکہ مکرمہ کے مشرک تھے، ان کی تعداد نو سو پچاس جنگجوؤں پر مشتمل تھی جن کا سردار عقبہ بن ربیعہ بن عبدالمطلب تھا، اس لشکر میں سو گھوڑے تھے۔ جنگ بدر وہ پہلی جنگ تھی جس میں حضور ﷺ ہجرت کے بعد بنفس نفیس شامل ہوئے تھے جبکہ رمضان دو ہجری کو ہجرت کئے ہوئے اٹھارہ ماہ گزر چکے تھے۔ (2)

۷۔ نافع اور یعقوب نے تاہ کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اگر خطاب یہودیوں کو ہو تو معنی یہ ہوگا اے یہودیوں کی جماعت! تم کفار مکہ کو دیکھتے ہو۔

۸۔ یعنی مسلمانوں سے دو گنا۔ یہ اس طرح ہوا کہ یہودیوں کی ایک جماعت غزوہ بدر میں حاضر ہوئی تاکہ یہ دیکھیں فتح کس کو نصیب ہوتی ہے؟ انہوں نے مشرکین کو مسلمانوں سے دو گنا دیکھا۔ اسکے باوجود فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ اگر یہ سوال کیا جائے انہوں نے کس طرح انہیں دو گنا دیکھا جبکہ ان کی تعداد تو تین گنا تھی؟ ہم جواب دیں گے یہاں مثلثی سے مراد کثرت ہے، محض تین نہیں، جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ يُؤْتُوا فِي الْحَرْبِ حَتَّىٰ يَأْتِيَ الْبَصِيرَ كَذَّبُوا ۚ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أُمَّةَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ اس تعبیر اور رب العالمین کے اس ارشاد میں کوئی تضاد نہیں جس میں فرمایا وَيُقَاتِلْكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی نظر میں تھوڑا دکھاتا ہے کیونکہ وہ ان کی نظر میں جنگ سے قبل تھوڑے ہی تھے، تبھی تو کفار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات کی، جب دونوں لشکر

ملے اور جنگ شروع ہوگئی، مسلمانوں کی تعداد ان کی نظروں میں زیادہ ہوگئی، یہاں تک کہ بزدل ہو گئے اور ان پر غلبہ پالیا گیا۔ جمہور نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس وجہ سے یہ جائز ہے کہ فعل کی ضمیر مرفوع مشرکین کی طرف لوٹے۔ معنی یہ ہوگا مشرک مسلمانوں کو مشرکوں سے دگنا یا مسلمانوں کی تعداد سے دگنا دیکھتے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر مرفوع مسلمانوں کی طرف لوٹ رہی ہو، تو معنی یہ ہوگا مسلمان مشرکوں کو مسلمانوں کی تعداد سے دگنا دیکھتے تھے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو قلیل دکھایا، یہاں تک کہ مسلمانوں نے انہیں اپنے سے دو گنا دیکھا جبکہ حقیقت میں وہ تین گنا تھے تاکہ مومن ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس مدد کا وعدہ کیا ہے اس کا انہیں یقین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَإِنْ يَأْتِكُمْ مِّنْكُمْ مَّوَدَّةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكُفْرِ فَإِنَّ عَدُوَّهُمْ لِلْمُؤْمِنِينَ** (اگر تم میں سے ایک سوسا بر ہوئے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد کو مزید کم کر کے دکھایا، یہاں تک کہ مومنوں نے کفار کو اپنی مثل دیکھا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم نے مشرکین کو دیکھا تو پایا کہ وہ ہم سے کمزور ہیں، پھر ہم نے انہیں دیکھا تو ہم نے انہیں ایک فرد بھی زائد نہ پایا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد کو مزید کم کر دیا، یہاں تک کہ ہم نے انہیں اپنے سے بھی کم دیکھا، یہاں تک کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے آدمی کو کہا میں انہیں ستر کے قریب خیال کرتا ہوں۔ اس نے کہا میں انہیں سو کے لگ بھگ خیال کرتا ہوں (1) یہاں روایت علم کے معنی میں ہے تاکہ مثلی اس کا مفعول ثانی بن جائے کیونکہ معنی اس کے حال ہونے کی تائید نہیں کرتا۔

۹ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبالغہ پر مبنی ہے کہ وہ کفار کو دودھل دیکھتے تھے۔ اس حاصل شدہ علم کو آنکھ سے دیکھنے کے علم سے تشبیہ دی ہے۔ اسی وجہ سے یہاں رأی العین کا ذکر کیا اور اس سے مراد وہ علم لیا ہے جو اس سے حاصل ہوتا ہے۔ مسبب کو سبب کا نام دیا ہے۔ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہو۔ عبارت یوں ہوگی کرای العین۔  
۱۰ یہاں ذالک سے مراد قلیل کو کثیر دکھانا ہے قلیل جن کے پاس کچھ قدرت نہ تھی انہیں مسلح کثیر تعداد پر غلبہ دینا ہے۔  
۱۱ یہاں اولی الابصار سے مراد ذوی العقول ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دو جمعیتوں کو دیکھا۔

**زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ  
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ  
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَآءِ حَسَنُ الْمٰبِ ۗ**

”آراستہ کی گئی لوگوں کے لئے ان خواہشوں کی محبت۔ یعنی عورتیں اور بیٹے اور خزانے۔ جمع کئے ہوئے سچے سونے سچے چاندی کے ٹھکڑے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے۔ اور چوپائے اور کھیتی بے یہ سب کچھ سامان ہے دنیوی زندگی کا لہ اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔“

۱۲ زین (زینت) شین (برائی) کی ضد ہے اور زین کا معنی ہے کسی چیز کا حسن و جمال والا ہونا اس حال میں کہ وہ مدح کا مستحق ہو اور محبوب ہو۔ یہ چیز کبھی تو صفات نفسانیہ کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے علم و عقل وغیرہ، یا صفات بدنہ کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے قوت، قامت اور حسن منظر، یا صفات خارجیہ ہوتی ہیں جیسے لباس، سواری، مال اور جاہ وغیرہ۔ ترین کسی چیز کو اس طرح بنا دینا یا تو حقیقت میں ایسا ہوتا ہے جس طرح رب العالمین کا فرمان ہے: **زُيِّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ** ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کر دیا یا جس کیلئے مزین کیا گیا ہے اس کے اعتقاد میں امر

ایسا ہے، خواہ وہ اعتقاد واقع کے مطابق ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ اللَّهُ تَعَالَىٰ نَعْتَمَّارَ دَلُوبِ  
میں ایمان کی محبت رکھ دی اور اس نے ایمان کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا۔ یادہ واقعہ کے مطابق نہ ہو زَيَّنَ لَهُمْ سَوَاعِدًا عَلِيمًا ان کے لئے ان  
کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے، شہوت نفس کا مشتعل ہونا اور اس کا کسی چیز کی طرف سخت رغبت رکھنا۔ یہاں شہوات سے مراد شہوت دلانے  
والی چیزیں ہیں۔ حقیقت میں یہی مزین کرنے والی محبوب ہوتی ہیں لیکن انہیں شہوات کا نام دیا گیا شہوات کی محبت کی تزیین کو مورد بنایا نہ کہ  
بذات خود شہوات کو، تو بیخ میں مبالغہ کے لئے اور اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ وہ اس کی محبت میں منہمک ہو گئے ہیں کہ وہ اس کی شہوات  
سے محبت کرنے لگے بلکہ شہوات کی محبت کو بھی محبوب جاننے لگے۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے لوگوں کے لئے عورتوں کی محبت کو محبوب بنا دیا گیا۔ اس  
کی مثال یوں بھی ہے أَحَبُّتُ حُبَّ الْخَيْرِ میں نے خیر کی محبت کو محبوب جاننا۔ صاحب کشاف نے کہا ان کا نام شہوات اس لئے رکھا تا کہ ان سے  
نفرت دلانے میں مبالغہ کیا جائے کیونکہ شہوات حسرت کی علامت ہوتی ہیں اور صفت بہمیہ پر شاہد ہوتی ہیں کیونکہ یہاں مقام مقام تنصیر ہے اور  
رغبت تو ان چیزوں میں ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں۔ بعض فضلاء نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے ساتھ مخالفت اور ان کی طرف کمال  
توجہ سے ڈرانا ہے کیونکہ مشتبہات ہونے کی وجہ سے یہ انسان کو کلی طور پر اپنی طرف مشغول کر لیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو اس کے لئے خزانہ  
شدہ ہیں اس سے مطلقاً سے روک دیتی ہیں۔ زینت بخشے والا اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی جو اہر اعراض بندوں کے افعال اختیار یہ اور تمام قسم کے  
دوائی کا خالق ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ نے بطور ابتلا انہیں مزین کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِيُنْبِتُوا مِنْهَا  
أَحْسَنَ عَمَلًا زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زینت بنا دیا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے اور اس لئے کہ  
مومنین کے مجاہدہ کا سبب ہے اور نعمت کا شکر بجالانے پر برا بیخندہ کرنے والا ہے اور ضروری سعادت کا وسیلہ ہے اور بشر کو فرشتوں پر فضیلت عطا  
کرنے کا موجب ہے، کافروں کی رسوائی کا باعث ہے، ان کے حق میں گمراہی مقدر کرنے کا موجب ہے، جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی  
مقدر کر دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت مقرر کر دیتا ہے۔ مزین کرنے میں بھی تعیش اور بقاء نوع کی حکمت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا  
فرمان ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ (فرمادیتے کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی زینت کو حرام کیا جو اس نے بندوں کے لئے پیدا  
کی) ایک قول یہ کیا گیا مزین کرنے والا شیطان ہے کیونکہ آیت مذمت کے ضمن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی تو تزیین کی نسبت اپنی طرف کی  
ہے کیونکہ وہی خالق ہے جب فرمایا: كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ أَعْمَالَهُمْ - وَزَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ یعنی اس طرح ہم نے ہر جماعت کیلئے  
ان کے اعمال کو مزین کر دیا۔ ہم نے ان کے اعمال کو مزین کیا، پس وہ بے بصیرت ہیں: وَزَيَّنَّا فِي قُلُوبِكُمْ اور اس نے اس عمل کو تمہارے دلوں میں  
مزین کر دیا اور بعض اوقات کسب کے اعتبار سے فعل کی نسبت شیطان کی طرف کر دی کیونکہ وہ دلوں میں وسوسا ڈالتا ہے فرمایا: زَيَّنَّا لَهُمُ الشَّيْطَانَ  
أَعْمَالَهُمْ جب اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے ان کے اعمال کو مزین کیا اور اس کا فرمان: لَا ذَرِيَّةٌ لَهُمْ میں ان کے لئے ضرور مزین کروں گا: وَزَيَّنَّا لَهُمُ  
الشَّيْطَانَ أَعْمَالَهُمْ فَهَدَاهُمْ عَنِ السَّبِيلِ (اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو مزین کیا، پس شیطان نے انہیں سیدھی راہ سے روک دیا)  
۱۔ قناطر قنطار کی جمع ہے۔ یہ مال کثیر کو کہتے ہیں جو بعض بعض پر جمع ہو مضبوط ہونے کی وجہ سے اس کا نام قنطار رکھا گیا ہے۔ عربوں کا مقولہ  
ہے قنطرت الشنی جب تو اس چیز کو مضبوط کر دے۔ اسی سے پل کو قنطرہ کہتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا قنطار بارہ سو مشقال کو  
کہتے ہیں۔ ابن عباس نے کہا بارہ سو مشقال کو یا بارہ ہزار درہم یا ہزار دینار کو قنطار کہتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت عکرمہ نے کہا ایک  
لاکھ اور ایک سو سیر ایک سو مل، ایک سو مشقال اور ایک سو درہم کو بھی قنطار کہتے ہیں۔ سدی سے مروی ہے چار ہزار مشقال کو قنطار کہتے ہیں حکم

نے کہا زمین اور آسمان کے درمیان کو قطار کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے نیل کی کھال میں بھرا ہوا مال (1) اس میں اختلاف ہے کہ قطار کا وزن فعلال ہے یا فاعل ہے۔

۳۔ یہ قطار سے ماخوذ ہے۔ اسے تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے، جس طرح عربوں کا قول ہے بلسر مبدرف یعنی مال کثیر جس کا بعض بعض سے ملا ہوتا ہے۔ ضحاک نے کہا اس کا معنی محفوظ اور محکم ہے۔ یمان نے کہا اس کا معنی دفن شدہ ہے۔ سدی نے کہا جس کو نکسال میں بنایا گیا ہو۔ فراء نے کہا اس کا معنی کئی گنا اضافہ کیا ہوا۔ قناطیر، یہ قطار کی جمع ہے، مقطرہ جمع کی جمع ہے۔

۴۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے ذہب اس لئے کہتے ہیں کیونکہ ذہب کا معنی "جانا" ہے اور سونا بھی آنے جانے والی چیز ہے۔

۵۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کو فضہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ بکھر جاتی ہے۔

۶۔ الخیل کی جمع کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کا لفظ میں کوئی واحد نہیں ہوتا۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد جن کے جسم مضبوط اور جمال والے اور تسویم سے مراد ان کا حسن ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا چرنے والی حسن۔ ابو عبیدہ نے کہا نشان زدہ۔ یہ ساء سے مشتق ہے جس کا معنی علامت ہے۔ پھر انہیں علماء میں سے بعض نے کہا ان کی علامت سے مراد جلد کا دھبہ ہے اور رنگ ہے۔ یہی قنادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد الکمی (داغنا ہے)

۷۔ یہ نعم کی جمع ہے۔ نعم بھی جمع ہے جس کا لفظ میں واحد نہیں ہے۔ اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں پر ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس لفظ کا اطلاق وحشی جانوروں پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَجَزَأَ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ مِمَّا قَاتَلُوا مِنْهُمْ وَمِنْهُمْ كَفُورٌ (مائدہ: 95) یعنی وحشی جانوروں میں سے جسے قتل کیا گیا۔ والحرث یعنی کھیتی۔

۸۔ اس کا اشارہ مذکورہ چیزیں ہیں۔ متاع سے مراد دنیا میں جن چیزوں سے وہ لطف اندوز ہوتا ہے، پھر وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔

۹۔ حَسَنُ النَّاسِ کا معنی اچھی لوٹنے کی جگہ ہے۔ گویا وہ حسن کا معنی ہے۔ اس میں انسان کو برا سمجھنا کیا جا رہا ہے کہ وہ دنیا کی فانی شہوات کو اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی رہنے والی نعمتوں سے بدل لے۔

قُلْ أَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ ۖ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَرْوَاحٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ  
بِالْعِبَادِ

”(اے میرے رسول) آپ فرمائیے کیا بتاؤں میں تمہیں اس سے بہتر چیز ہے۔ ان کے لئے جو متقی بنے ان کے رب کے ہاں

باغات ہیں۔ رواں ہیں ان کے نیچے نہریں۔ ہمیشہ رہیں گے (متقی) ان میں اور (ان کے لئے) پاکیزہ بیویاں ہوں گی

یہ اور حاصل ہوگی انہیں خوشنودی اللہ کی اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو۔“

۱۔ اس میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا اس میں کفار کو زجر و توبیح کرنا ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ متردد تھے کہ ان پر

شفقت کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتے ہوئے انہیں آگاہ کریں یا قبول حق سے ان کی دوری کے باعث آگاہ نہ کریں۔ نیز اس بات

کی مزید وضاحت بھی ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ دنیا کی لذتوں سے بہتر ہے۔

۲۔ اس میں جنت مبتدا اور ظرف خبر مقدم ہے۔ یہ جملہ مستانہ ہے اور ضمیر کا بیان ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ظرف خبر کے متعلق ہو یا شبہ فعل محذوف کے متعلق ہو جو شبہ فعل خبر کی صفت بنے۔ یہاں متعین کو خاص کرنے کی حکمت یہ ہے کیونکہ وہی اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور جنات مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا محذوف ہو جو ضمیر ہے۔

۳۔ یہ جنات کی صفت ہے۔

۴۔ جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے تو ان کا وہاں رہنا ہمیشہ کے لئے مقدر کر دیا جائے گا۔

۵۔ یعنی ان چیزوں سے پاک ہوں گی جن کی وجہ سے عورتوں کو ناپسند کیا جاتا ہے جیسے حیض، نفاس، پیشاب، بڑا پیشاب، پاخانہ وغیرہ۔  
۶۔ ابو بکر نے عاصم سے روایت کرتے ہوئے رضوان کی راء پر پورے قرآن میں ضمہ پڑھا ہے، سوائے سورۃ مائدہ میں دوسرے حرف کے، وہاں کمور ہے رَضَوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ۔ باقی قراء نے لام کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح غُذْوَان اور عَذْوَان۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے انسان جن چیزوں کی خواہش رکھتا ہے ان میں سے جنات کا ذکر کیا جو کھیتی سے تعلق رکھتے ہیں ازواج مطہرہ (پاکیزہ بیویاں) کا ذکر کیا جو عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں، بنین کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اولاد سے دارقانی میں مقصود مدد کرنا اور نوع کی بقا ہے نہ ہی گھوڑوں، چوپاؤں، سونے اور چاندی کا ذکر کیا کیونکہ گھوڑوں کی سواری کی مشقتوں اور چوپاؤں کی مشقتوں سے مستغنی ہو چکے ہیں کیونکہ وہ مقاصد حاصل کر چکے ہیں، وہ بیع و شراء سے مستغنی ہیں جس کے لئے یہاں رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس چیز کا اضافہ کیا جس سے مزید اضافہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے رضوان کو نگرہ ذکر کیا یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے جس کا علم اپنے ادراک کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتا حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا اے جنتیو! وہ عرض کریں گے (ہم حاضر ہیں اے ہمارے رب) لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے افضل عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے اس سے افضل چیز کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میں تم پر اپنی رضا نازل کرتا ہوں میں اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا (1) متفق علیہ۔

میری رائے یہ ہے کہ جنات کا ذکر ان تمام چیزوں کے مقابلہ میں ہے جس کی وہ خواہش کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَفِيهَا مَا نَشْتَهُنَّ مِنَ الْأَنْفُسِ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۗ وَأُورِثُهَا الَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ اور جنت میں وہ کچھ ہے جس کی نفس خواہش کرتے ہیں اور آنکھیں لذت حاصل کرتی ہیں بے شک بیٹے اور قریبی رشتہ دار جنت میں جمع ہوں گے اور ان کی ملاقات دائمی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۗ (ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کی نہیں کریں گے ان کے عملوں کی جزاء) ذرہ بھر

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا بے شک اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک اور انتہائی خوشی کا باعث ہے، کیا جنتیوں کی اولاد بھی ہوگی؟ فرمایا مومن جب جنت میں اولاد چاہے گا تو حمل، وضع حمل اور اس کی عمر ایک ساعت میں ہوگی جس طرح وہ چاہے گا (2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا۔ بیہقی نے اور ہناد نے زہد میں ابوسعید سے جاکم نے تاریخ میں اور صہبانی نے ترغیب میں روایت کیا ہے۔ رہا سونے اور چاندی کے خزانوں کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے ایک جنت کو یوں بنایا کہ اس کی ایک اینٹ سونے اور دوسری اینٹ چاندی کی اور اس کا گدار مشک کا بنایا ہے۔ بزار طبرانی اور بیہقی نے ابوسعید سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ حدیث مرفوعہ میں ہے دو جنتیں ہیں اس کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے سب چاندی کا ہے اور دو جنتیں ہیں جس کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے سب سونے کا ہے (3) یہ روایت

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1121 (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 80 (و۔ت) 3۔ مشکافی جامع الترمذی، جلد 2، صفحہ 75 ایضاً



متفق علیہ ہے اور حدیث ابو موسیٰ سے مروی۔ ہے جہاں تک گھوڑوں اور چوپاؤں کا تعلق ہے تو ایک بدو نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں گھوڑوں سے محبت کرتا ہوں، کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تو جنت میں داخل ہوگا تو یا قوت کے گھوڑے کے پاس آئے گا جسکے دو پیر ہوں گے، تو اس پر سوار ہوگا پھر تو جہاں چاہے گا وہ تجھے لے کر اڑ جائے گا (1) اسے امام ترمذی نے ابو ایوب سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور بیہقی نے اسی کی مثل بردہ سے مرفوع روایت کی۔ طبرانی اور بیہقی نے عمدہ سند کے ساتھ عبدالرحمن بن ساعدہ سے مرفوع روایت کی۔ ابن مبارک نے شفی بن مانع سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت کی نعمتوں کے بارے میں فرمایا کہ جنتی باہم ملاقات کے لئے گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہوں گے، جمعہ کے روز انہیں گھوڑے پیش کئے جائیں گے جن پر زینیں کسی ہوں گی لگا میں ڈالی ہوں گی، جولید کریں گے نہ پیشاب کریں گے، وہ ان پر سوار ہوں گے، یہاں تک کہ وہ وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ ابن ابی الدنیا، ابوشیخ اور اصنفہانی نے حضرت علی شہر خدا سے مرفوع روایت نقل کی ہے، فرمایا بے شک جنت میں ایسا درخت ہوگا جس کے اوپر والے حصہ سے حلے اور نیچے والے حصہ سے اہل بق گھوڑے نکلیں گے، جو سونے کے ہوں گے، جن کی زینیں اور لگا میں موتیوں اور یا قوت کی ہوں گی، وہ پروں والے ہوں گے، ان کا قدم حدنگاہ پر پڑے گا، جولید کریں گے نہ پیشاب کریں گے، اللہ تعالیٰ کے اولیاء اس پر سوار ہوں گے، وہ انہیں اڑا کر لے جائیں گے جہاں وہ چاہیں گے، جو لوگ ان کے نیچے ہوں گے وہ کہیں گے انہوں نے ہمارا نور بجا دیا ہے، یہ کون لوگ ہیں؟ وہ (اللہ یا فرشتہ) جواب دے گا بے شک یہ لوگ خرچ کرتے تھے، اور تم بخل کرتے تھے وہ جنگ کرتے تھے اور تم گھروں میں بیٹھے رہتے تھے۔ ابن مبارک نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے بے شک جنت میں عمدہ گھوڑے ہوں گے جن پر جنتی سواری کریں گے۔ ابن وہب نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتیوں میں سے از روئے مقام و مرتبہ

سب سے ادنیٰ وہ شخص ہوگا جو دس لاکھ ایسے خادموں کے درمیان سرخ یا قوت کے گھوڑے پر سوار ہوگا جس کے پرسونے کے ہوں گے (2) رہی کھیتیاں تو امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک جنتی اللہ تعالیٰ سے کھیتی باڑی کرنے کی اجازت طلب کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو اس حالت میں نہیں جو تو چاہتا ہے وہ عرض کرے گا کیوں نہیں لیکن میں کھیتی باڑی کو پسند کرتا ہوں۔ فرمایا وہ کھیتی باڑی کرے گا تو اس کی نباتات، اس کا پکنا اور کاٹنا آنکھ جھپکنے سے بھی تیز ہوگا۔ پس وہ پہاڑ جیسی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے ابن آدم سے لے لو، تجھے کوئی چیز سیر نہیں کرے گی (3) طبرانی اور ابوالشیخ نے اسی کی مثل روایت کیا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اس کی بالی بارہ ذراع ہوگی، پھر وہ اپنی جگہ میں رہے گا، یہاں تک کہ پہاڑ کی مثل اس سے رکام (غلے کے ڈھیر) ہوں گے۔

جنت کی نعمتوں میں عورتوں کے ذکر کرنے کی وجہ شاید یہ ہو کیونکہ عرب عورتوں کے سخت حریص تھے یا اس لئے کہ عورتیں تمام جنتیوں کے لئے ہوں گی۔ رہے بیٹے اور دوسری نعمتیں تو یہ صرف ان کے لئے ہوں گے جن کے اس دنیا میں بیٹے تھے یا صرف ان کے لئے ہوں گے جو ان کی خواہش کریں گے جبکہ ان میں سے اکثر اس کی خواہش نہ کریں گے، کیونکہ حضرت ابوسعید خدری سے روایت مروی ہے جب مومن جنت میں بچے کی خواہش کرے گا وہ اسی لمحے اس کا پیدا ہو جائے گا لیکن وہ ایسی خواہش نہیں کرے گا۔ اسے امام ترمذی اور دارمی نے روایت کیا ہے یعنی وہ عموماً اس کی خواہش نہیں کرے گا۔ اسی طرح روایات کو جمع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ دنیاوی نعمتوں پر جو زیادہ کرے گا اس کا ذکر فرمایا جب اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے کیونکہ یہ چیز حقیقت میں دنیاوی اور اخروی نعمتوں میں فرق کرنے والی ہے کیونکہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب پر لعنت کی گئی ہے سوائے اس کے جس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے اور ایک روایت میں اللہ تعالیٰ

کا ذکر چاہے کے الفاظ ہیں ایک روایت میں جو اس کا مددگار ہو (دین کا) عالم ہو اور مستعلم ہو کے الفاظ ہیں۔ اسے طہرائی نے اوسط میں ابن مسعود سے نقل کیا ہے اور صغیر میں ابوالدرداء سے ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے (1) جہاں تک جنت کی نعمتوں کا تعلق ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ ربیعہ الحری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خواب میں مجھے کہا گیا ایک سردار ہے جس نے گھر بنایا، کھانا تیار کیا، ایک بلانے والے کو بھیجا جس نے دعوت دینے والے کی آواز پر لبیک کہی، وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانا بھی کھالیا، سردار بھی اس سے راضی ہو گیا۔ جس نے دعوت دینے والے کی آواز پر لبیک نہ کہی وہ گھر میں داخل نہ ہوا، کھانا بھی نہ کھایا اور اس کا آقا بھی اس پر ناراض ہو گیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ سید ہے، حضرت محمد ﷺ دعوت دینے والے ہیں، گھر اسلام ہے اور کھانا جنت ہے۔ اسے داری نے روایت کیا۔ میں کہتا ہوں دنیا کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث نہیں ہیں اس لئے مناسب نہیں کہ انسان اس کی طرف متوجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَسُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَصَّصْنَاهُ أَزْوَاجًا فَهُمْ رُحَمَاءُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب و زینت میں دنیوی زندگی کی اور جنت کی نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہیں جو بھی ان کی طمع کرتا ہے اس کی مدح کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَبَّهْ السُّتَافِسُونَ پس چاہئے کہ مقابلہ کرنے والے اسی میں مقابلہ کریں۔

دنیاوی زندگی کے تعینات کے مبادی عموماً یہ معدوم ہیں جو علم کے مرتبہ میں ثابت ہیں اور ان میں کچھ روشنی محض ان کے اعضاء کے مقابل ہونے کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جس طرح جہالت علم کے مقابلہ میں، عجز قدرت کے مقابلہ میں، اسی طرح دوسری چیزیں۔ اسی وجہ سے دنیاوی نعمتوں کو ظلال کا نام دیا گیا ہے، اسی وجہ سے ان پر فناء جلدی طاری ہوتی ہے اور معدوم ہوتی ہے خالص برائی ہے، حسن و جمال، خیر اور کمال میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا مگر طمع سازی کرنے سے جبکہ اخروی زندگی، اس کے تعینات کے مبادی، یہ اللہ تعالیٰ کی اچھی صفات ہیں، ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، ان سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ محبت کے راز کا ذکر کیا ہے جبکہ انبیاء بلکہ اولیاء اللہ بھی غیر اللہ کی طرف متوجہ تک نہیں ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی کو ظلیل بناتا، تو میں ابو بکر کو بناتا تحقیق تمہارے صاحب نے اللہ تعالیٰ کو ظلیل بنا لیا ہے (2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے کہا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن جنتیوں کے حسن کی جنس میں سے تھا، آپ کے ساتھ محبت اور عشق کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور عشق تھا۔

یہ کلام سابقہ کلام کے لئے علت کے قائم مقام ہے۔ العباد پر الف لام یا تو استغراقی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو دیکھنے والا ہے، وہ اچھے اعمال کرنے والے ہوں یا برے عمل کرنے والے ہوں، وہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں بدلہ دے گا۔ یا یہ الف لام عہد خارجی کا ہے یعنی انہیں دیکھنے والا ہے جو متقی ہوئے، اسی وجہ سے ان کے لئے جنتیں تیار کیں۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنَّا فَغُفِّرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٠﴾

”یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! یقیناً ہم ایمان لائے تو معاف فرما ہمارے لئے ہمارے گناہ اور بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔“

لہٰذا الَّذِیْنَ یَجْعَلُ جَرْمِیْنَ یَسْتَعِیْنُ یَا عِبَادِکِی صِفَتِ هِیَ۔ یَہِیْ جَا تَزْہِ بِطَوْرِ مَدْحٍ مِّنْصُوبٍ یَا مَرْفُوعٍ هُوَ فَغُفِّرْ لَنَا مِیْنَ فَا سِیْبِہِ هِیَ۔ اِسْ مِیْنَ یَہِ دِیْلِیْ ہِیَ کَہْ صَرَفِ اِیْمَانِ مَغْفِرَتِ کَا مَسْتَحِقِّ ہُوْنِہِ لِیْلَیْ سَبَبِہِ۔ حَضْرَتِ مَعَاذِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سَہِ مَرُویْ ہِیَ کَہْ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ نَہِ فَرْمَا یَا

بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ ان میں سے جو مشرک نہ ہو اسے عذاب میں مبتلا نہ کرے۔ حضرت معاذ نے عرض کی کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں؟ آپ نے فرمایا انہیں بشارت نہ دو کہیں، وہ اس پر بھروسہ ہی نہ کریں، متفق علیہ۔

### الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَنِينِينَ وَالسُّفْقِينَ وَالسُّتَغْفِرِينَ بِإِلَّا سَحَابِ

” (یہ مصیبتوں میں صبر کرنے والے ہیں ۱ اور (ہر حالت میں) سچ بولنے والے ہیں ۲ اور (عبادت میں) عاجزی کرنے والے ہیں ۳ اور اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں ۴ اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت ہے“

۱۔ نفس کے خلاف کام کرنے والے ہیں۔ اسے مصائب میں جزع فزع سے شہوات اور رذائل کی اتباع سے روکتے ہیں اور طاعات و فضائل پر نفس کو پابند رکھتے ہیں۔

۲۔ گفتگو، احوال کا دعویٰ کرنے دوسرے تمام دعویٰ، روایات اور شہادت میں سچ بولتے ہیں۔ سب سے بڑی سچائی اس بات کی گواہی دینا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

۳۔ طاعت پر دوام اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔ یہ کلام اخلاق، اموال، بدنی اور مالی اعمال سب کو شامل ہے۔

۵۔ اس کے باوجود کہ وہ ظاہری اور باطنی طاعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، اپنے بارے میں کوتاہی و لغزش کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوتے ہیں۔ یہ کیسے نہ ہو، بندوں کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کریں جس طرح عبادت کرنے کا حق ہے، بلکہ جب ایک انسان اس بات کا ملاحظہ کرتا ہے کہ اس کے افعال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ احسان کیا ہے کہ اسے اپنی عبادت کی توفیق نصیب فرمائی اور اپنی رضا کا طالب بنایا، اس طرح کہ اسے غیر کے لئے نہیں چھوڑا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ انسان سے جو بھی عمل صادر ہو رہا ہے، اگر وہ قبولیت کے لائق ہے تو وہ شکر کا تقاضا کرتا ہے، اس کی نعمتوں کا شکر بجالانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا مگر اسی صورت میں کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی مغفرت اور رضا کے ساتھ ڈھانپ لے۔ کیا یہ درست ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد احسان جتلاتے پھریں، بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے کہ تمہیں ایمان کی ہدایت نصیب فرمائی اگر تم سچے ہو۔ یہاں استغفار کے لئے سحری کے وقت کو خاص کیا کیونکہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جبکہ اس کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے، ارشاد فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں، جو مجھ سے التجا کرے گا میں اس کی التجا قبول کروں گا، جو مجھ سے سوال کرے گا میں اسے عطا کروں گا، جو مجھ سے بخشش طلب کرے گا میں اسے بخش دوں گا (۱) متفق علیہ۔ امام مسلم کی روایت میں ہے پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون قرض دے گا (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے گا) جبکہ اس کے پاس خزانوں کی کمی نہیں اور نہ ہی وہ ظلم کرنے والا ہے، یہ ندا جاری رہتی ہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت حسن بصری سے حکایت کی گئی کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹے کبھی اس مرغ سے عاجز نہ بنا جو سحری کے وقت آواز لگاتا ہے جبکہ تو اپنے بستر پر سویا ہوا ہو۔ حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو

صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ سحری کی قید اس لئے ذکر کی کیونکہ وہ صبح کے قریب ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا نماز کو سحری تک طویل کرو پھر دعا مانگو۔ نافع نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رات کو قیام کرتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ درمیان میں حرف عطف کو لانا اس پر دلیل ہے کہ ان میں سے ہر ایک وصف کمال میں مستقل ہے اور وہ لوگ بھی اس میں کامل ہیں، یا اس وجہ سے کہ ان کے موصوفین میں تغایر پایا جاتا ہے۔ صابریں سے مراد صوفی ہیں جو صاحب دل اور پاکیزہ نفس والے ہیں۔ نیز ان سے مراد جنگ کرنے والے اور شہید ہیں۔ صادقین سے مراد ایسے علماء ہیں جو سچی روایات کرنے والے ہیں۔ قاضیوں سے مراد اہل دین ہیں جو طویل قیام کرتے ہوئے نماز ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے خوف و امید کی حالت میں نماز ادا کرتے ہیں۔ منافقین سے مراد غنی لوگ ہیں جو مومنین میں سے صالح ہیں، جو مباح طریقوں سے مال کماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ کرتے ہیں اور سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے وہ ناواقفی سے برائی کر بیٹھتے ہیں پھر وہ جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے اور تمہاری جگہ ایک ایسی قوم لے آئے جو گناہ کریں پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش کے خواستگار ہوں، پس اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے (1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ابویعلیٰ نے حضرت ابوسعید سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے افضل ترین گروہ کا ذکر کیا پھر اس سے کم افضل پھر اس سے کم افضل علیٰ ہذا القیاس۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَابِئًا بِالنَّقِصِ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

”شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی کہ) ۱۔ بیشک نہیں کوئی خدا سوائے اس کے ۲۔ اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے اور اہل علم نے (ان سب نے یہ بھی گواہی دی کہ وہ) ۳۔ قائم فرمانے والا ہے ۴۔ عدل و انصاف کو ۵۔ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے ۶۔ (جو) عزت والا ہے حکمت والا ہے ۷۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے دلائل عقلیہ معین فرمائے اور آیات سمعیہ نازل کرنے کے ساتھ بیان فرمایا کہ لا الہ الا هو۔

۲۔ امام بغوی نے کلبی سے حکایت بیان کی ہے کہ شام کے علماء میں سے دو عالم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، جب انہوں نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو ایک بے دوسرے سے کہا یہ شہر اس شہر کے کتنا مشابہ ہے جس میں نبی آخر الزمان تشریف لائیں گے۔ پھر جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی صفات سے آپ کو پہچان لیا۔ دونوں نے عرض کی آپ محمد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ دونوں نے عرض کی آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا میں محمد اور احمد ہوں۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے ایک چیز کے بارے میں پوچھیں گے، اگر آپ نے بتا دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا پوچھو انہوں نے کہا ہمیں سب سے بڑی اس شہادت کے بارے میں بتاؤ جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اجسام کے پیدا کرنے سے چار ہزار سال پہلے روحوں کو پیدا فرمایا اور روحوں کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے رزق پیدا فرمائے اور مخلوقات کی تخلیق سے پہلے اپنے بارے میں خود گواہی دی جس وقت نہ آسمان تھا نہ زمین تھی نہ سمندر تھا نہ خشکی تھی (2) فرمایا شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔

یعنی فرشتوں اور جن و انس میں سے تمام مومنین نے گواہی دی، سب دل سے ایمان لائے، زبان سے اس کی توحید کی گواہی دی۔  
 اپنی مصنوعات کی تدبیر کرتے ہوئے یہ لفظ اللہ اسم جلالیت جو شہد کا فاعل ہے، اس سے حال ہے۔ اگرچہ حال اور ذوالحال کے درمیان  
 فاصلہ ہے، تاہم التباس نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ تو معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے گواہی دی اس حال میں کہ وہ اپنی مصنوعات کی تدبیر فرماتا  
 ہے۔ اس کا اپنی مصنوعات کی یوں تدبیر کرنا اس کی توحید پر واضح دلیل ہے۔ یا یہ ہضمیر سے حال ہے، اس صورت میں عامل جملہ کا معنی ہوگا  
 یعنی تفرّد قائماً یا حقہ کیونکہ یہ حال موکدہ ہے یا یہ بطور مدح منصوب ہے۔ اس صورت میں یہ مشہود بہ میں داخل ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ  
 علم کا مفعول یہ ہو۔ معنی ہوگا اولو المعرفة قائم، یہ علم عرف کے معنی میں ہوگا جس کا ایک مفعول ہوتا ہے۔

ہے باء حرف جار مصاحبت کے معنی میں ہے یعنی وہ قسم اٹھانے اور فیصلہ کرنے میں عدل سے کام لیتا ہے، اس سے ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا  
 کیونکہ مالک الملک ہے، جس طرح چاہتا ہے اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے، اس پر اطاعت کرنے والے کا ثواب واجب نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کا  
 فضل ہے نہ اس پر گناہ گار کو عذاب دینا واجب ہے کیونکہ وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اس آیت میں معتزلہ کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں۔  
 تاکید توحید کی معرفت کے زیادہ اعتناء اور محبت قائم کرنے کے بعد اس کا فیصلہ دینے کے لئے اسے دوبارہ ذکر کیا ہے۔  
 کے وہ اپنے ملک میں غالب ہے۔

۱۷ وہ بنانے میں حکیم ہے۔ یہ دونوں اس لفظ اللہ اسم جلالیت کی صفتیں ہیں جو شہد کا فاعل ہے۔ یاہو سے بدل ہیں عزیز کی صفت کو مقدم کیا  
 ہے تاکہ اس کی قدرت کا علم ان کی حکمت کے علم سے پہلے ہو۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ

مَا جَاءَهُمْ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

”بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔ اور انہیں جھگڑا کیا جن کو دی گئی تھی کتاب ہے مگر بعد اس کے کہ  
 آگیا تھا ان کے پاس صحیح علم ہے (اور یہ جھگڑا) باہمی حسد کی وجہ سے تھا ہے اور جو انکار کرتا ہے اللہ کی آیتوں کا تو بیشک اللہ تعالیٰ  
 بہت جلد حساب لینے والا ہے ہے“

۱۔ بے شک پسندیدہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔ کسائی نے فتح کے ساتھ اُن پڑھا ہے کہ اگر اسلام کی تعبیر ایمان سے کی جائے تو یہ  
 بدل کل ہوگا۔ حضرت قتادہ کا قول ہے لا الہ الاہو اور جو اس کے رسول اللہ کی طرف سے لائے اس کی گواہی دینا، یہی وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے  
 جس کا اس نے حکم دیا، اس کے لئے اپنے رسول بھیجے اور اپنے اولیاء کی جس پر راہنمائی کی اس کے علاوہ وہ کوئی دین نہ قبول کرتا ہے اور نہ اس پر  
 بدلہ دے گا۔ یا اس کی تفسیر اس قول سے کی جائے جس کو حضور ﷺ کا یہ ارشاد اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا  
 اسلام یہ ہے کہ تو یہ گواہی دے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، حج بیت اللہ کرے اگر تو  
 اس کی طاقت رکھے (1) متفق علیہ۔ یہ حدیث حضرت عمر سے مروی ہے۔ حضرت جبرئیل کے سوال کے قصہ میں طویل حدیث ہے۔ اگر اسلام  
 کی تعبیر شریعت محمدیہ سے کی جائے تو یہ بدل اشتمال ہوگا کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے کیونکہ سابقہ تمام ادیان منسوخ ہو  
 چکے ہیں حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے ان کے لئے میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ اسے احمد اور

بیہقی نے حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا ہے جبکہ جمہور قراء نے ان کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ نئی کلام ہے اعمش سے مروی ہے کہ وہ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اس آیت کی تلاوت کی، پھر کہا اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری امانت ہے اِنَّ الْبَدِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اطاعت ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے، آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا حضرت ابو وائل نے مجھے حضرت عبداللہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت والے دن اس ودیعت والے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس بندے کا میرے پاس ایک وعدہ ہے، میں سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا ہوں، میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔ امام بغوی نے اسے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ طبرانی اور بیہقی نے شعب میں ضعیف سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔

۲۲ یعنی یہودیوں اور نصرانیوں نے حضور ﷺ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے تو اس کی مطلق نفی کر دی اور بعض نے اسے عربوں کے ساتھ خاص کیا۔

۲۳ مگر بعد اس کے انہیں یہ علم ہو چکا تھا کہ پسندیدہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو تورات اور انجیل میں بیان کر دیا تھا۔

۲۴ یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بینہم ظرف مستقر ہے، یعنی شبہ فعل محذوف کی ظرف ہو کر بغینا کی صفت ہے۔ یعنی انہوں نے حق کو نہیں چھوڑا اور کسی امر میں شبہ اور خفاء کی وجہ سے اختلاف نہیں کیا، بلکہ یہ جاننے کے بعد کہ یہ حق ہے محض سرکشی کی وجہ سے اور اس حسد کی وجہ سے جو ان کے درمیان تھا۔ نیز ملک اور ریاست کے حصول کے لئے انہوں نے ایسا کیا۔ ابن جریر نے محمد بن جعفر سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی اور اس کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں، یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ یہ ابن اللہ ہیں مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کی کوئی اولاد نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ یہ بات انہوں نے یہودیوں سے دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے کی کیونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی ماں پر بہتان باندھا جبکہ ان کے پاس تورات میں یہ بات آچکی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ ابن حاتم نے حضرت ربیع سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مرض الموت میں بنی اسرائیل کے ستر علماء کو بلایا، انہیں تورات عطا کی اور حضرت یوشع بن نون کو نائب بنایا۔ جب تین صدیاں گزر گئیں تو ان کے درمیان اختلاف پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ان ستر علماء کی اولاد مراد ہے، یہاں تک کہ انہوں نے باہم خون بہائے اور ان میں جنگ عام ہو گئی جب کہ سب کچھ انہیں معلوم تھا یعنی تورات میں اس کی وضاحت تھی محض حسد کرتے ہوئے انہوں نے ایسا کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان پر جابر لوگوں کو مسلط کر دیا۔

۲۵ اللہ تعالیٰ ان کے کفر پر انہیں جزاء دے گا۔ یہ کفار کے لئے وعید ہے۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسَلَّمْتُ وَجْهِي لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا  
الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسَلَّمْتُ ۗ فَإِنْ أَسَلَّمُوا فَقَدْ أَهْتَدُوا ۗ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا  
عَلَيْكَ الْبَلَدُ ۗ وَاللَّهُ بِصِيْرٍ بِالْعِبَادِ ۝

”پھر اگر (اب بھی) جھگڑا کریں آپ سے لے تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے جھکا دیا ہے اپنا سر ۴ اللہ کے سامنے ۳ اور جنہوں نے میری پیروی کی ۵ اور کہئے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی ۶ اور ان پڑھوں سے ۷ کہ کیا تم اسلام لائے جے پس اگر وہ اسلام لے آئیں ۸ جب تو ہدایت پا گئے ۹ اور اگر منہ پھیر لیں ۱۰ تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں ۱۱ (جو آپ نے پہنچا دیا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو ۱۲“

۱۔ ک ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یہودیوں اور نصرانیوں نے کہا کہ ہمارا دین ہی اسلام ہے، یہودیت اور نصرانیت تو محض نسبتیں ہیں۔

۲۔ فرما دیجئے لفظوں میں کوئی نزاع نہیں (بلکہ بحث طلب امر اسلام کی حقیقت ہے) ابن عامر نافع اور حفص نے وجہی کے یاء کو منصوب پڑھا ہے اور باقی قراء نے ساکن پڑھا ہے۔

۳۔ میں نے اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیا، اس نے مجھے جس چیز کا بھی حکم دیا ہے میں اپنی زبان، دل اور دوسرے اعضاء سے اسے بجالانے کی کوشش کرتا ہوں، میں اپنی خواہش نفس کی اتباع نہیں کرتا۔ یہاں وجہ کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ یہ انسانی اعضاء میں سے معزز ترین عضو ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنی توجہات ظاہری یعنی اعضاء اور زبان اور باطنی یعنی نفس اور قلب کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کیا ہے، میں کسی غیر کی طرح متوجہ نہ ہوں گا۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا میں نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے، اس سپردگی اور تفویض کا مقتضی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس کے احکام کی اطاعت اور نواہی سے رکنے میں جلدی کرے اور یہ اس شریعت کی اتباع کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، جب تک وہ منسوخ نہ ہو۔

۴۔ اس کا عطف اسلمت کی ضمیر مرفوع پر ہے، درمیان میں کیونکہ فاصلہ ہے اس لئے ضمیر منفصل کی تاکید نہ لگانا ٹھیک ہے۔ کلام یوں ہوگی وَأَسْلَمْتُ مِنَ اتَّبَعْتَنِي۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول معہ ہوتا۔ فع اور ابو عمرو نے وصل میں یاء کو اصل پر باقی رکھا ہے اور باقی قراء نے خط کی تیج میں دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کیا ہے۔

۵۔ اس کا عطف قل اسلمت پر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اپنے نفس کو کہو کہ میں اسلام لے آیا اور اسلام کو اپنے دل میں حاضر کرو اور دل کو اس کے ساتھ مطمئن کرو اور یہود و نصاریٰ کو کہو۔

۶۔ یعنی وہ لوگ جو ساوی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے جیسے مشرکین عرب۔  
۷۔ کیا تم بھی اسلام لے آئے جس طرح میں اسلام لے آیا، بعد اس کے کہ دلائل عقلیہ اور تورات و انجیل کی آیات سے حقیقت واضح ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے، یا تم اس کے بعد بھی جہالت کفر پر ہو۔ یہ صیغہ کے اعتبار سے استفہام ہے، تاہم معنی کے اعتبار سے امر ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے قَهْلًا أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ یعنی رک جاؤ اس میں انہیں کند ذہنی اور سرکشی پر شرمندہ کیا گیا ہے۔  
۸۔ اگر وہ اسی طرح اسلام لے آئے جس طرح آپ اسلام لائے ہیں۔

۹۔ پس وہ ہدایت پا گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو اہل کتاب نے کہا ہم اسلام لے آئے۔ حضور ﷺ نے یہودیوں سے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی پناہ آپ نے نصاریٰ سے فرمایا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ہے اگر وہ اس اسلام سے روگردانی کریں جو آپ اسلام لائے ہیں۔

۱۱ وہ آپ کو کچھ تکلیف نہ پہنچائیں گے۔ بے شک آپ کے ذمہ رسالت کی تبلیغ ہے، ہدایت پیدا کرنا نہیں۔ تحقیق آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا ہے۔

۱۲ اللہ تعالیٰ مومن و کافروں کو دیکھنے والا ہے، وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزاء ضرور دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَيَقْتُلُونَ

الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۖ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ①

”بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو بے ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم

کرتے ہیں عدل و انصاف سے۔ کالوگوں میں سے ہے تو خوشخبری دو انہیں دردناک عذاب کی ہے۔“

۱۔ اَلَّذِينَ سے مراد یہودی ہیں جو قرآن، انجیل اور تورات کی ان آیات کا انکار کرتے ہیں جن میں حضور ﷺ کی نعت تھی۔

۲۔ ان کے آباؤ اجداد نے انبیاء کو قتل کیا اور یہ لوگ ان کے فعل پر راضی تھے۔ یہ حضور ﷺ کے ساتھ وہی طرز عمل اپنانا چاہتے تھے جو ان کے پہلوں نے انبیاء کے ساتھ اپنایا تھا۔ آپ کے ساتھ جنگ کی، آپ پر جادو کیا، آپ کے کھانے میں زہر ملایا۔ جب آپ نے اس جہاں سے پردہ فرمایا تو شہید کی حیثیت سے پردہ فرمایا۔ جادو اور زہر کا قصہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

۳۔ وہ اپنے اعتقاد میں سچے نہ تھے اور نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کرنا تو ناحق تھا، جبکہ ریاست کی محبت نے انہیں آپ کے قتل پر برا سمجھنا کیا۔ انہوں نے انبیاء میں کوئی ایسی چیز نہ دیکھی جس کے ساتھ ان کا قتل جائز ہوتا۔

۴۔ قسط کا معنی عدل ہے۔

۵۔ النَّاس سے مراد انبیاء کی اتباع کرنے والے ہیں۔ حمزہ نے باب مفاعلہ سے اسے یقاتلون پڑھا ہے۔ ابن جریج نے کہانی اسرائیل کے انبیاء کی طرف وحی آئی ان کے پاس کوئی کتاب نہ آئی۔ وہ قوم کو یاد دلاتے، پس قوم ان کو قتل کر دیتی انبیاء کے قتل میں سے ایک قوم کھڑی ہوتی اور ان کی تصدیق کرتی اور اپنی قوم کے افراد کو نصیحت کرتی تو یہ انہیں بھی قتل کر دیتے۔ یہی وہ لوگ تھے جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے۔

امام بغوی نے ابو عبیدہ بن جراح سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا قیامت کے روز کن لوگوں کو سخت عذاب دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ایسا آدمی جس نے نبی کو قتل کیا ہوگا یا ایسے آدمی کو جو برائی کا حکم دیتا تھا اور نیکی سے روکتا تھا پھر حضور ﷺ

نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی وَ يَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ ۖ إِلَى قَوْلِهِ فَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ سے فرمایا کہ بنو اسرائیل کے عبادت گزاروں میں سے ایک سو بارہ افراد اٹھے، انہوں نے قتل کرنے والوں کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کیا، تو بنی اسرائیل نے اسی دن کے پچھلے پہر ان سب کو بھی قتل کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور ان کے بارے میں اپنی آیات کو نازل فرمایا۔ (1)

۶۔ یعنی اے محمد ﷺ انہیں خبر دیجیے۔ یہاں بشارت کا لفظ بطور استہزاء مذکور ہے۔ الیم سے مراد دردناک ہے۔ سیبویہ نے کہا بشارت ہم کا جملہ ان کی خبر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور ان کے نزدیک ان کی خبر پر فاء کا داخل کرنا بھی جائز نہیں، وہ اسے لیت اور لعل کی خبر پر قیاس



کرتے ہیں۔ اس صورت میں ان کی خبر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اولئک الذین ہوگی اور فبشر ہم کا جملہ معترضہ ہوگا۔ اس کی مثل زَيِّدٌ فَافْتَهُمْ رَجُلٌ صَالِحٌ ہے یا اس کی خبر محذوف ہوگی اور مسبب کو مسبب کے قائم مقام کیا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابِ أَلِيمٍ۔ جمہور علماء نے کہا فبشر ہم ان کی خبر ہے امام بغوی نے کہا فاء کو ان کی خبر پر اس لئے داخل کیا گیا ہے کیونکہ ان ملغما ہو چکا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی الَّذِينَ يَكْفُرُونَ وَيَقْتُلُونَ فَبَشِّرْهُمْ۔ اکثر نحو یوں نے کہا ان کی خبر پر فاء کا داخل کرنا جائز ہے کیونکہ اس کا اسم جو اسم موصول ہے، شرط کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، جس طرح جب مبتدا اسم موصول ہو تو اس کی خبر پر فاء کا لانا جائز ہوتا ہے، لیکن لیت اور لعل کے اسم کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ یہ دونوں جملہ خبریہ کو جملہ انشائیہ کی طرف پھیر دیتے ہیں، اس لئے ان کی شرط کے ساتھ مشابہت نہیں ہوتی۔ اس صورت میں بعد والا جملہ خبر کے بعد خبر ہوگی۔

### أُولَئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَأْتِهِمْ مِنْ نُصْرَتِنَا ۝

”یہ ہیں وہ (بد نصیب) اکارت گئے جن کے اعمال دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہے ان کے لئے کوئی مددگار۔“  
 ۱۔ یعنی ضائع ہو گئے ان کے اعمال، پس ان کے لئے لعنت اور رسوائی ہے، دنیا میں اور آخرت میں ان کے لئے عذاب ہے، ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو ان کے اعمال ضائع ہونے سے بچائے اور عذاب کو ان سے دور کرے۔

ابن منذر ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہودیوں کے مدرسہ میں تشریف لے گئے۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، تو نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا اے محمد ﷺ آپ کس دین پر ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا میں حضرت ابراہیم کی ملت اور دین پر ہوں۔ دونوں کہنے لگے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آؤ تورات کی طرف وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے۔ دونوں اس سے انکاری ہو گئے، پس اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

### أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

### يَتَوَلَّوْنَ قَدْرًا مِّنْهُمْ وَمَهُمْ مَعْرُضُونَ ۝

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ۱۔ ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا کچھ حصہ ۲۔ کتاب کا ۳۔ (جب) بلائے جاتے ہیں ۴۔ کتاب الہی کی طرف ۵۔ تاکہ تصفیہ کر دے ۶۔ ان کے باہمی جھگڑوں کا ۷۔ تو پٹینہ پھیر لیتا ہے ایک گروہ ان میں سے ۸۔ درآں حالیکہ وہ روگردانی کرنے والے ہوتے ہیں ۹۔“

۱۔ یہاں استفہام تقریر اور تعجب کے لئے ہے، یعنی امر کو ثابت کرنے اور تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔

۲۔ یہاں نصیب سے مراد حقیر حصہ ہے یعنی ان کے لئے کتاب اور ایمان میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

۳۔ یہاں من تعبیضیہ ہے یہ بھی جائز ہے۔ کہ من بیانیہ ہو۔ کتاب سے مراد تورات یا تمام آسمانی کتابیں ہوں۔

۴۔ یہ اس اسم موصول سے حال ہے جو الم تر کا مفعول ہے، یعنی حضرت محمد ﷺ انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

۵۔ یعنی تورات۔ جس طرح ہم نے روایت ذکر کی اسی طرح کلبی نے ابوصالح سے اور انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اہل خیبر میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے بدکاری کی، تورات میں ان کے لئے رجم کا حکم تھا۔ یہودیوں نے ان کے معزز خاندان کی وجہ سے رجم کرنا

پسند نہ کیا، تو انہوں نے ان کا معاملہ حضور ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ امید یہ تھی کہ آپ کے ہاں کچھ رخصت ہوگی۔ آپ نے ان دونوں کے بارے میں رجم کا فیصلہ سنایا۔ نعمان بن اوفیٰ اور بحری بن عمرو نے آپ سے کہا اے محمد ﷺ آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ سنایا ہے، جبکہ ان پر رجم کا حکم جاری نہیں ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اور میرے درمیان تورات کا فیصلہ ہوگا۔ انہوں نے کہا پھر آپ ہمارے ساتھ انصاف کرنے والے ہوں گے۔ آپ نے پوچھا تم میں سے کوئی تورات کے بارے زیادہ جانتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ایک کانا آدمی ہے، جو فدک میں رہتا ہے جسے ابن صوریہ کہتے ہیں۔ انہوں نے اسے بھلا بھیجا، وہ مدینہ طیبہ آیا۔ جبرئیل امین نے سب کچھ حضور ﷺ کے گوش گزار کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو ابن صوریہ ہے؟ اس نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے دریافت کیا تو یہودیوں میں سے عالم ہے؟ اس نے کہا لوگ میرے بارے میں یہی خیال کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تورات کا وہ حصہ منگوا یا جس میں رجم کا حکم تھا۔ آپ نے اسے فرمایا اسے پڑھو جب وہ پڑھتے ہوئے آیت رجم پر پہنچا تو اپنا ہاتھ اس آیت پر رکھ لیا اور مابعد حصہ پڑھا۔ ابن سلام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے آیت رجم کو چھوڑ دیا ہے۔ آپ اٹھے اس کی ہتھیلی کو اس جگہ پر سے ہٹایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں پر اس حصہ کو پڑھا کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب بدکاری کریں اور ان پر گواہیاں قائم ہو جائیں تو انہیں رجم کر دیا جائے، اگر عورت حاملہ ہو تو اسے مہلت دی جائے گی، یہاں تک کہ وہ وضع حمل کر لے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں یہودیوں کے بارے میں حکم دیا، انہیں رجم کر دیا گیا۔ یہودی اس وجہ سے ناراض ہو گئے اور واپس چلے گئے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (۸)

۱۰۔ یہاں فعل کی نسبت کتاب کی طرف کی ہے کیونکہ یہ حکم کا سبب ہے، یا فعل کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔

یعنی کتاب کے مطابق ان کے درمیان۔

۱۱۔ اس کا عطف بدعون پر ہے۔ اس میں ان کے اعراض کرنے کو عیب جانا گیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

۱۲۔ یعنی وہ ایک ایسی قوم ہے جن کی عادت ہی اعراض کرنا ہے۔ یہ جملہ فریق سے حال ہے کیونکہ وہ صفت کی وجہ سے نکرہ مخصوص بن چکا ہے۔

۱۳۔ قتادہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ یہودیوں کو کتاب اللہ کے فیصلہ کی طرف دعوت دی گئی، انہوں نے اس سے اعراض کیا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو ان کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حکم بتایا، پس قرآن نے یہودیوں اور نصرائیوں کے خلاف فیصلہ دیا کہ وہ ہدایت پر نہیں، پس انہوں نے اس سے اعراض کیا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ نَّمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّعَرَّهٖمُ فِيْ دِيْنِهِمْ  
مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

”اس بیباکی کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہ چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گئے ہوئے ہیں اور

فریب میں مبتلا رکھا انہیں ان کے دین کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وہ خود گھڑا کرتے تھے۔“

۱۔ یعنی سب کچھ جاننے کے بعد انہوں نے کتاب اللہ سے روگردانی اور حق سے اعراض کیا۔

۲۔ اعتقاد فاسد کے ساتھ انہوں نے اپنے بارے میں عذاب کے امر کو آسان خیال کیا تھا۔ ان کا اعتقاد فاسد یہ تھا ہمیں آگ چند دن چھوئے گی۔

۳۰ ایام معدودات سے مراد وہ چالیس روز لیتے تھے جن دنوں میں ان کے آباء نے پھڑے کی پوجا کی تھی، جس طرح سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

۳۱ یعنی اس قول کا افتراء باندھتے کہ یہ ان کے آباء جو انبیاء تھے ان کی شفاعت کریں گے۔ یا یہ کہ حضرت یعقوب نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔

فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

لَا يُظْلَمُونَ ۝

”سو کیا حال ہوگا (ان کا) جب ہم جمع کریں گے انہیں اس روز جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور پورا پورا بدلہ دیا جائے

گا ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

۱۔ یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فکیف حالہم۔

۲۔ یعنی اس نے جو اچھایا بر عمل کیا اس کی اسے جزاء ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ہم کی ضمیر لفظ کل کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ کل کے معنی کا اعتبار کرنے کی وجہ سے ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کسی انسان کی نیکیوں میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے ہمارے لئے یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ روم اور فارس ملک کو آپ کی امت میں بنادے۔ بغوی نے کہا ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا جب رسول اللہ نے ﷺ مکہ مکرمہ کو فتح کیا، اپنی امت سے فارس اور روم کے ملکوں کا وعدہ کیا۔ منافقوں اور یہودیوں نے کہا دیکھو حضرت محمد ﷺ کے لئے فارس اور روم کے ملک کیسے ہو سکتے ہیں، وہ ان سے بہت طاقتور ہیں، کیا محمد ﷺ کے لئے مکہ اور مدینہ کافی نہیں، یہاں تک کہ انہوں نے فارس اور روم کی بادشاہت کی طمع شروع کر دی (۱) تو ان دو روایات کے اختلاف پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اقل اللہم ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے۔ امام بیضاوی نے ذکر کیا روایت کی گئی ہے کہ جب حضور ﷺ نے خندق کے لئے نشان لگائے اور ہر دس آدمیوں کے لئے چالیس گز معین فرمائے، انہوں نے خندق کھودنا شروع کی، اس میں ایک بڑی چٹان سامنے آئی جس میں کدالیں کام نہ کرتی تھیں۔ صحابہ نے حضرت سلمان کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بھیجا تا کہ صورت حال سے آپ کو آگاہ کریں۔ آپ تشریف لائے، آپ نے کدال لی، آپ نے ایک ضرب لگائی جس نے اس چٹان کو توڑ دیا اور ایک بجلی چمکی جس نے لائٹن مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیانی حصہ کو منور کر دیا، گویا تاریک رات میں ایک روشن چراغ ہو۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا۔ آپ نے فرمایا میرے لئے اس سے حیرہ کے مخلات روشن ہو گئے، گویا وہ کتے کی انیاب (لبے دانت) ہیں۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی آپ نے فرمایا میرے لئے روم کی سرزمین کے سرخ مخلات روشن ہو گئے۔ پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی، آپ نے فرمایا میرے لئے صنعا کے مخلات روشن ہو گئے۔ جبرئیل امین نے مجھے خبر دی میری امت ان سب پر غالب آئے گی، تمہیں خوشخبری ہو۔ منافقین نے کہا کیا تمہیں تعجب نہیں کہ یہ تمہیں جھوٹی آرزوئیں دلاتا ہے اور باطل وعدے کرتا ہے اور تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ وہ یثرب سے حیرہ کے مخلات جو فارس میں ہیں، دیکھتا ہے اور تمہیں یہ بتاتا ہے کہ یہ تمہاری مفتوحات میں شامل ہوں گے جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم خوف کی وجہ سے خندق کھود رہے ہو، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (۲) بیہوشی اور ابو نعیم نے

دلائل میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے، جبکہ نزول آیت کا ذکر نہیں کیا۔ ابن خزیمہ نے قتادہ سے مختصر ذکر کیا ہے، اس میں نزول آیت کا ذکر ہے۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَ

تُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ۗ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۗ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

”(اے صیب! یوں) عرض کر دے اے اللہ! اے مالک سب ملکوں کے جسے تو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین

لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے جسے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ھے تیرے ہی ہاتھ میں

ہے ساری بھلائی نہ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

۱۔ اے محمد۔ مقولہ بعد والا جملہ ہے۔

۲۔ اللَّهُمَّ کی اصل یا اللہ ہے۔ حرف نداء حذف کر دیا گیا اور میم اس کے عوض میں زائد کی گئی اس وجہ سے کہ یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ اس اسم رفع کے خصائص میں سے ہے، جس طرح حرف نداء اس پر داخل ہوتا ہے اسی طرح اس پر الف لام داخل ہوتا ہے۔ اس کا ہمزہ قطعی ہوتا ہے، اسکے اوپر تاء قسمیہ داخل ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کی اصل یا اللہ اُنْمَا بَخَيْرٍ یعنی ہمارا بھلائی کے ساتھ ارادہ کر پھر حرف نداء متعلقات فعل اور اس کے ہمزہ کو حذف کرنے کے ساتھ اس میں تخفیف کی گئی، پھر اللھم باقی رہ گیا۔ بعض اوقات علماء نے اس میں تخفیف کی اور لا ہم کیا۔ یہ سب کچھ کثرت استعمال کی وجہ سے ہے۔ اس کی مثال ہلم الینا اسکی اصل هل اِنْمَا ہے جس کا معنی ہے ہمارا قصد کیا گیا۔ جب اللھم اغفر لی کہا جائے تو اغفر لی امانا بخیر کا بیان ہوتا ہے یہی صورت حال ہوگی اللھم العن رعلاً و ذکوان کیونکہ دشمنوں کے لئے بددعا کرنا امانا بخیر کا بیان بنتا صحیح ہے۔

۳۔ یہ منادی کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ نداء، کے بعد نداء ہے اس سے حرف نداء حذف کر دیا گیا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی یا مالک الملک اسے پہلے منادی کی صفت بنانا صحیح نہیں کیونکہ پہلا منادی محذوف ہے، جس طرح اسم صوت ہوتا ہے کیونکہ اسے ہو کا کلمہ لاحق ہے اور اس جیسے اسم کی صفت ذکر نہیں کی جاتی۔ سیبویہ نے بھی اسی طرح کہا۔ سیبویہ نحوی نے اس سے مختلف نقطہ نظر اپنایا اور یہ وضاحت کی کہ یہاں اسم صوت اپنے معنی پر باقی نہیں کیونکہ یہ کلمہ کا جزء ہے، جبکہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں وہ اس سے مختلف ہے۔ ملک مصدر ہے جس سے ملک بنا ہے۔ یہاں مصدر سے اسم مفعول مراد ہے اور اس سے عالم الامکان مراد ہے۔ اس پر الف لام استغراقی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق اور مالک ہے، جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے، جسے چاہتا ہے، جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، کسی کو یہ جائز نہیں کہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز میں تصرف کرے۔

۴۔ دونوں لفظوں میں لام عہد ذہنی کے لئے ہے۔ معنی اس کا یہ ہے تو ملک عطا کرتا ہے جتنا چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے، اسے تو واپس لے لیتا ہے یہاں اسم ضمیر کو اسم ظاہر کی طرف پھیرا گیا ہے۔

۵۔ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں دنیا میں غلبہ عطا کر کے شکست دے کر توفیق دے کر اور رسوا کر کے اور آخرت میں ثواب اور عذاب کے طریقہ پر۔

۶۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے بِیَدِكَ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ لَیْکِنْ صَرَفْ خَیْرٌ کَاذِبٌ جِسْ طَرَحْ ارشاد میں ہے: سَمَّا بِیَدِیْ تَقْوِیْکُمْ بِأَسْکُمْ۔ یعنی سردی اور گرمی سے تمہیں بچاتا ہے، جبکہ متن میں صرف گرمی کا ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے خیر کا ذکر اس لئے خاص کیا گیا

کیونکہ کلام خیر کے بارے میں ہو رہی ہے کیونکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے اپنی امت سے فارس اور روم کے ملکوں کا وعدہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہاں خیر کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ بالذات اس کا فیصلہ کیا گیا ہے اور شر کا فیصلہ بالعرض ہوتا ہے کیونکہ جزئی شر نہیں پایا جاتا جب تک کلی خیر کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے نہ ہو۔ خطاب میں ادب کی رعایت کرتے ہوئے فرمایا۔ میرا خیال یہ ہے یہاں خیر سے مراد وجود ہے اور وجود حقیقی جس پر عدم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، وہ واجب لذاتہ کے ساتھ خاص ہے جو خیر محض ہے جس میں شر کا شائبہ تک نہیں اور ظلی وجود جس کی ساتھ خارج ظلی میں ممکن کا تحقق ہوتا ہے، یہ واجب سے مستفاد ہوتا ہے اور عدم جو شر کا حصہ ہے، ممکن میں ذاتی ہوتا ہے، علت سے مستفاد نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف شر کی نسبت کرنے کا معنی یہ ہوگا کہ وہ ممکن جسکے مفہوم میں شر داخل ہوتا ہے اور اس کے بعض افراد میں بعض افراد سے بڑھ کر ہیں، اس کے وجود کا حصہ وجود حق کی طرف منسوب رہا، اس میں شر کا حصہ وہ ذاتی ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کس قدر سچا ہے بیدک الخیر۔

کے تیرے سوا کوئی بھی حقیقت میں کسی چیز پر قادر نہیں، بندوں کی قدرت حقیقت میں قدرت متوہم ہے جس کے ذریعے ایک انسان کا سب کہلاتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور ان کے اعمال کا خالق ہے۔ امام بیضاوی نے کہا اس جملہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ شر بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہم کہتے ہیں ہاں معاملہ اسی طرح ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے شر پر قادر ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خیر کا فیضان نہ کرنے پر بھی قادر ہے، یعنی اگر چاہے تو کرے چاہے تو نہ کرے، اور جب وہ بھلائی اور احسان نہ کرے تو ممکن شر اصلی باقی رہے گا۔

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ

تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

”تو داخل کرتا ہے رات (کا حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے تو دن (کا حصہ) رات میں اور نکالتا ہے تو زندہ کو مردہ سے اور

نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب ۱۰“

۱۔ یعنی اے اللہ تو ہی ایک کو دوسرے میں داخل کرتا ہے، آگے پیچھے لاکر یا ایک میں زیادتی کر کے اور دوسرے میں کمی کر کے۔

۲۔ نافع حمزہ کسائی اور حفص نے عاصم سے المعیت کو یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے، اسی طرح سورہ انعام، یونس، روم، اعراف میں لبلد میت اور فاطر میں الی بلد میت اور نافع نے ان مقامات پر بھی یاء کو مشدود پڑھا ہے اَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَاحْيَيْنَاهُ، لَحْمَ آخِيهِ مَيِّتًا، اِلَّا نَرَاهُ الْمَيِّتَةَ اَحْيَيْنَاهَا اور باقی تمام قراء نے تمام جگہوں میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یعقوب نے ان مقامات پر بھی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ اور لَحْمَ آخِيهِ مَيِّتًا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حیوان کو نطفہ اور انڈا سے اور نطفہ اور انڈے کو حیوان سے ترنابات کو خشک دانے سے اور خشک دانے کو ترنابات سے پیدا فرماتا ہے۔ ابن مسعود سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، کلبی، زجاج نے اسی طرح کہا حضرت حسن اور عطاء نے کہا کافر کو مومن سے اور مومن کو کافر سے پیدا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَاحْيَيْنَاهُ۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن خطاب سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

۳۔ یعنی بغیر تنگی اور کمی کے تو رزق بہم پہنچاتا ہے اس طرح کہ مخلوق اس کی تعداد اور مقدار کو نہیں جانتی، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سب علم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مذکور پانچ جملوں کو اس لئے بعد میں ذکر کیا تاکہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی اس قدرت پر استدلال کیا جائے کہ وہ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے ملک چھین لیتا ہے۔

امام بغوی نے اپنی سند سے جعفر بن محمد سے، وہ اپنے باپ سے، وہ دادا سے، وہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاتحہ الکتاب آیۃ الکرسی اور اس آیت سے پہلے والی دو آیتیں ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے، ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ انہوں نے عرض کیا اے ہمارے رب تو نے ہمیں زمین پر اور اپنے نافرمانوں پر نازل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی ذات کی قسم میرے بندوں میں سے کوئی بھی نماز کے بعد ان کی تلاوت نہیں کرے گا مگر میں جنت کو اس کا ٹھکانہ بنا دوں گا۔ خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں اور اسے اپنی بارگاہ اقدس میں سکونت عطا کر دوں گا، میں ہر روز ستر دفعہ اس کی طرف نظر کرم کروں گا ہر روز ستر اس کی حاجتیں پوری کروں گا جن میں سے ادنیٰ ترین مغفرت ہوگی، میں اسے ہر دشمن اور حاسد سے پناہ دوں گا اور اسے ان پر غالب کروں گا (1) طبرانی نے حضرت معاذ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا کیا میں تمہیں دعائے سکھاؤں جو تو کیا کرے، اگر تیرے اوپر شہر پہاڑ جتنا بھی قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے دور فرمائے دے گا، پھر فرمایا قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكِ الْمُلْكِ سِوَاكَ بِغَيْرِ حِسَابٍ تَحْمِنُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ وَرَحْمَتُهُمَا تَغْطِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمَا وَتَمْنَعُ مَنْ تَشَاءُ اِزْخَمْنِي رَحْمَةً تُغْنِيَنِي بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (2) (اے دنیا و آخرت کے رحمن اور دونوں کے رحیم، ان میں سے جو جس کے حق میں چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ میرے اوپر ایسی رحمت نازل فرما جس کے ذریعے مجھے ہر کسی کی رحمت سے بے نیاز کر دے) واللہ اعلم۔

ابن جریر نے سعید اور عمرہ کی سند سے انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حجاج بن عمرو جو عمرو بن اشرف کا حلیف تھا اور ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید تینوں نے انصار کی ایک جماعت کے بارے میں خفیہ پروگرام بنایا کہ انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیں، تو رفاء بن منذر، عبد اللہ بن جبیر اور سعید بن خثیمہ نے انصار کی اس جماعت سے فرمایا ان یہودیوں سے بچ کر رہا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں تو اس جماعت نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (3)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَمَنْ يَفْعَلْ  
ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً ۗ وَيَحْذَرُ اللّٰهُ  
نَفْسَهُ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١١٠﴾

”نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست ۱۔ مومنوں کو چھوڑ کر ۲۔ اور جس نے کیا یہ کام ہے پس نہ رہا (اس کا) اللہ سے ۳۔ کوئی تعلق ۴۔ مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ کیے اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) ۵۔ اور اللہ ہی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جاتا ہے ۶۔“

۱۔ ان سے رشتہ داری یا دوستی اور اس جیسے کسی اور سبب کی وجہ سے ان کے ساتھ رشتہ قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یا جنگ اور دینی امور میں ان سے مدد طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی دوستی اور مومنوں کی دوستی جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ دو دشمنوں کی دوستی جمع نہیں ہو سکتی۔ کفار کے ساتھ دوستی قبیح بالذات اور قبیح بالعرض ہے کیونکہ اس طرح انسان مومنوں کی ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ امام بغوی نے مقاتل کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی یہ کفار مکہ کے لئے اپنی محبت کا اظہار کرتے تھے۔ اور کلبی کا قول ابو صالح سے

ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین یعنی عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی جو مشرکوں اور یہودیوں سے موالات رکھتے تھے، انہیں خبریں دیتے اور یہ امید رکھتے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ پر فتح حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اور مومنین کو اس جیسا فعل کرنے سے منع کر دیا۔ (1)

فصل: صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کسی سے محبت کرنا اور کسی سے ناراض ہونا ایمان کے ابواب میں سے ایک عظیم باب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کا انجام اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا تھا (2) متفق علیہ۔ اور حضرت انس سے مرفوع روایت موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں تیرا انجام اس کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت کرتا ہے، متفق علیہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے اچھے اور برے ہم مجلس کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی والے کی طرح ہے، کستوری بیچنے والا یا تو آپ کو تحفہ عطا کر دے گا یا تو اس سے خرید سکے گا یا اس سے اچھی خوشبو حاصل کرے گا اور بھٹی والا یا تو تیرے کپڑے جلادے گا یا تو اس سے بدبو پائے گا (3) متفق علیہ۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر سے پوچھا اے ابوذر ایمان کے حلقوں میں سے کونسا حلقہ زیادہ مضبوط ہے؟ عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی خاطر دوستی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ناراضگی اختیار کرنا۔ اسے امام بیہقی نے شعب میں روایت کیا ہے۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل الحب فی اللہ اور البغض فی اللہ ہے۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں۔

سے جو انہیں دوست بنالے۔

یہ لیس میں ضمیر مرفوع من بفعل کی طرف لوٹ رہی ہے۔

یہ شئی سے حال ہے کیونکہ ذوالحال مکرہ ہے، اس وجہ سے حال کو مقدم ذکر کیا۔  
یہ لیس کی خبر ہے۔ یہاں تکمیر تحقیر کے لئے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معمولی محبت کا مستحق بھی نہ ہوگا، یا اللہ تعالیٰ کے دین میں سے کسی حصہ کا مستحق نہ ہوگا۔ مفہوم اس کا یہ ہے کہ کفار کیساتھ دوستی جس طرح مومنوں کے ساتھ دوستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ بھی جمع نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ ارشاد ہوتا من دون اللہ والمومنین تو یہ اختصار کے ساتھ اس مفہوم کا فائدہ بھی دیتا لیکن مقصود اللہ تعالیٰ کی ولایت سے دوری میں کمال بلاغت ہے۔

یہ استثناء مفرغ ہے جو ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ معنی کی حیثیت سے سابقہ دونوں جملوں کے ساتھ متعلق ہے، لفظ کی حیثیت سے ایک کے ساتھ تعلق ہے، جبکہ دوسرے کے لئے یہ کلام مقدر کی جائے گی، جس طرح تنازع فعلین کی صورت میں طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کفار کے ساتھ دوستی کسی وقت بھی جائز نہ ہوگی مگر اس وقت جب تمہارے لئے ان کی تکالیف سے بچنے کے لئے کوئی اور صورت نہ ہو، جس نے ایسا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کسی حوالے سے بھی دوست نہیں مگر اس صورت حال میں جب وہ اپنا تحفظ کرنے کے لئے ایسا کرے۔ اتقاء یہ وقایت سے اختعال کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے اپنے آپ کو ان کے شر سے بچانا، اس میں خوف لازم ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے مگر اس صورت میں کہ تمہیں خوف ہو۔ جمہور قراء نے متن کے مطابق پڑھا ہے۔ مجاہد اور یعقوب نے اسے تفسیر پڑھا ہے۔ یہ فعلیہ کے وزن پر ہوگا۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں یہ خلاف قیاس مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے توفیقہ تقاۃ و تقی و تقویٰ جب توفیق کہے تو اس کا مصدر اتقاء ہے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصدر اپنے مصدری معنی میں ہو اور مصدر کی بنا پر منصوب ہو۔ معنی یہ

ہوگا کہ کفار کے ساتھ کسی وقت بھی دوستی اور تعلق جائز نہیں مگر اس وقت کہ تم ان کے شر سے اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصدر مفعول کے معنی میں ہو اور معنی یہ ہو کہ صرف اس وقت ان سے تعلق جائز ہے جب ان کی طرف ایسا خوف ہو جس سے بچنا ضروری ہو۔ اس استثناء کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے شر کے خوف کے وقت کفار کے ساتھ موالات کرنا مباح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضروری امر بقدر ضرورت مقدر مانا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں صرف ظاہری دوستی ہی جائز ہوگی، باطنی محبت جائز نہ ہوگی۔ اس وقت یہ جائز نہ ہوگا کہ حرام خون، حرام مال یا نافرمانی کے ارتکاب کو حلال جانے یا کفار کو مسلمان کی پوشیدہ باتوں پر آگاہ کرے، یا مومنوں کے رازوں سے انہیں آگاہ کرے۔ ایک قوم نے اسلام کے غالب آجانے کے بعد تقیہ کو ناپسند کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا تقیہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں تھا، جبکہ دین کو استحکام اور اسلام کو قوت حاصل نہ ہوئی تھی، مگر آج اہل اسلام میں سے کسی کے لئے زیبا نہیں کہ وہ اپنے دشمنوں سے ڈریں (۱) پھر اللہ تعالیٰ نے کفار سے دوستی اختیار کرنے سے منع کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آدمی سے مومنوں اور اللہ تعالیٰ کی ولایت کی نفی کو وعید کے ساتھ زیادہ کیا ہے جو کفار کے ساتھ دوستی رکھتا ہے۔

۵ یعنی کفار کے ساتھ دوستی اختیار کرنے میں تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی اور سزا سے ڈراتا ہے۔ یہاں نفس کا ذکر فرمایا تاکہ یہ بتادے کہ جس چیز سے ڈرایا جا رہا ہے وہ ایسا عقاب ہے جو اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتا ہے، تم میں سے جو کفار سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ یہ شدید وعید ہے جو منہی عنہ کی قسم میں انتہاء درجے تک پہنچے ہونے کا شعور دلاتی ہے۔ ۶ تمہارا الوشاہی کی طرف ہے، تم اس سے غائب نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک دوسری وعید ہے۔

قُلْ إِنْ تَخْفَوْنَ مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يُعْلِمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۱﴾

”فرمادیجئے! اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اسے جانتا ہے اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جانتا ہے جو

کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

۱۱ اے محمد ﷺ

۱۱ صُدُورِكُمْ سے مراد تمہارے دل ہیں، یعنی اگر تمہارے دلوں میں کفار کی محبت اور اس جیسی کوئی اور چیز ہے۔

۱۲ ضمیر سے مراد قول یا فعل ہے۔

۱۳ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کلام کی غرض یہ ہے کہ اظہار کرنے والے یا چھپانے والے علم الہی میں برابر ہیں، وگرنہ جب مخفی کا علم ظاہر کے علم کا بدرجہ اولیٰ تقاضا کرتا ہے تو اس صورت میں اَوْ تُبْدُوهُ کے ذکر کی حاجت نہ تھی۔

۱۴ یُعْلِمُهُ والا جملہ مستاتھ ہے۔ یہ شرط کی جزاء پر معطوف نہیں، یہ سابقہ کلام کے لئے علت کے قائم مقام ہے، یعنی جب اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے تو اس پر تمہارے دل کیسے مخفی ہو سکتے ہیں۔ اس آیت میں مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ کے ذکر پر انحصار کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ عوام کی نظر یہاں تک ہی پہنچتی ہے۔ اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر موجود کو محیط ہے اور ہر چیز کا وجود اس سے حاصل کیا گیا ہے تو اس پر وہ چیز کیسے مخفی ہو سکتی ہے اس کے علم و محیط کے ذکر میں کل شئی کا ذکر اور قدرت کاملہ کے اظہار کے لئے علی کلی شئی کا



ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیان ہے جس میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے کیونکہ وہ اپنے علم شامل اور قدرت کاملہ کے ساتھ متصف ہے اس وجہ سے عقلی طور پر اس کی نافرمانی کی جرات کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ لایخفی علیہ شیئی کی مراد یہ ہو کہ اس کے لئے تمہیں دنیا و آخرت میں عذاب دینا ممکن ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس وہ تمہیں عذاب دے گا جس کے ساتھ چاہے گا، دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار کے ساتھ دوستی اور دین میں کمزوری کا اظہار دنیا میں عذاب کو لازم کر دیتا ہے کہ ان لوگوں پر ذلت مسلط کر دی جاتی ہے اور مملکت چھین لی جاتی ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۗ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تُوَدِّعُ

اِنَّ يَوْمَ يَخْرُجُ فِي سَآءٍ مُّجِيۡبًا ۙ وَيُخَذُّرُكُمُ اللّٰهُ لِنَفْسِهٖ ۗ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۱۰

”جس دن موجود پائے گا ہر نفس جو کی تھی اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کی تھی اس نے برائی تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اس دن کے درمیان (حائل ہوتی) مدت دراز لے اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے لے اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔“

یوم طرف توذ فعل کے متعلق ہے۔ اس میں ماموصولہ ہے، شرطیہ نہیں، کیونکہ تمام قراء کا اس پر اتفاق ہے کہ توذ مرفوع ہے۔ اگر ماشرطیہ ہوتا تو بعض قراء ضرور اس کے جزم کی طرف جاتے کیونکہ شرط جب ماضی ہو تو جزاء فعل مضارع میں رفع اور جزم دونوں جائز ہوتے ہیں، جبکہ مبرد سے یہ مروی ہے کہ رفع پڑھنا شاذ ہے، یعنی جب شرط ماضی ہو اور جزاء مضارع ہو اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر تجدد کا مفعول ہے اور یہاں تجدد تعصیب کے معنی میں ہے، اس لئے یہ ایک مفعول چاہے گا اور محضر اس مفعول سے حال ہے اور ما عملت من سوء یہ ما عملت من خیر کا معطوف ہے۔ یہاں کل نفس سے مراد نفس مومنہ ہے جس نے اعمال صالحہ اور اعمال سیرہ کو خلط ملط کر دیا ہے، مگر جب کہ صرف اعمال حسنہ ہوں یا صرف اعمال سیرہ ہوں انہیں اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رافت کے باعث مومن کے لئے اس کے اچھے اعمال کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرے گا، جبکہ اس کے برے اعمال کو ظاہر نہ کرے گا، یا اللہ تعالیٰ اس مومن پر برے عمل کو ظاہر تو کرے گا مگر پردہ پوشی کی صورت میں، جس طرح صحیحین میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا، اپنا دست قدرت اس کے کندھے پر رکھے گا اور اسے پردہ میں لے لے گا، ارشاد فرمائے گا کیا تو فلاں گناہ کو جانتا ہے، کیا تو فلاں گناہ کو جانتا ہے؟ وہ کہے گا جی ہاں، اے میرے رب! یہاں تک کہ وہ تمام گناہوں کا اقرار کرے گا، وہ خیال کرے گا کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا دنیا میں تیرے گناہوں کو چھپائے رکھا، آج میں انہیں بخش دیتا ہوں۔ پس اسے اچھے اعمال کا نام دے دیا جائے گا، مگر کافر اور منافق کو انہیں لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا، کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا، خبردار ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (۱) اگر تجدد تعلم کے معنی میں ہو تو اس صورت میں محضر مفعول ثانی ہوگا اور ما عملت پر محمول ہوگا اور جس پر اس کا عطف کیا گیا اس میں اس کی مثل کلام مقدر کی جائے گی جس طرح آپ کے قول عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا وَعَمْرًا فِي قَاضِلًا كَوْمَرٍ کے بعد مقرر مانا جاتا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ تو خیر اور شر کو حاضر پائے گا لو کہ کلمہ زائد ہے ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر توذ کا مفعول ہے یا لولیت کے معنی میں ہے۔ بیان کے محبت کرنے کی حکایت ہے ان اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر لیت کے اسم خبر کے قائم مقام ہو اور توذ کا مفعول محذوف ہو کیونکہ مابعد

کلام اس پر دلالت کر رہی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لو مصدر یہ ہو اس کے مابعد فعل مقدر ہو، اس کا فاعل اُن ہو جو اپنے اسم اور خبر سے ملکر مصدر کی تاویل میں ہو اور فعل مصدر کی تاویل میں ہو کر تو دو کا مفعول ہو بینہ کی ضمیر یوم کی طرف لوٹ رہی ہے یا ما عملت من سوء کی طرف لوٹ رہی ہے۔ تقدیر کلام کا معنی پھر یہ ہوگا جب ہر نفس اپنے عمل کا صحیفہ یا اس کی جزاء پائے گا۔ اس حال میں کہ وہ حاضر ہو اور وہ اپنے برے عمل کو پائے گا یا اپنے اچھے عمل یا برے عمل کی جزاء پائے گا، اس حال میں کہ وہ حاضر ہوں گی وہ خواہش کرے گا کہ کاش اس کے صحیفہ اور امن کے دن اور اس کی ہولناکی کے درمیان بعید مسافت ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس نے اپنا برائے عمل دیکھا ہوگا اگرچہ وہ اس کے ساتھ اپنے اچھے اعمال کا بدلہ بھی دیکھے گا کیونکہ نفع کا لالچ نقصان کے خوف کے عالم میں مطمع نظر نہیں ہوتا۔ یا وہ یہ تمنا کرے گا کہ اس کے صحیفہ اور اس کے برے اعمال اور اپنے درمیان مسافت کے ثبوت کی تمنا کرے گا۔ الامد کا معنی مدت اور غایت ہے جس غایت پر وہ مدت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا ان میں سے کسی کو یہ امر خوش کرے گا کہ وہ اپنے برے عمل سے کبھی بھی ملاقات نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے وہ پسند کرے گا کہ کاش اس نے یہ عمل نہ کیا ہوتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یوم کو تقدیر کے متعلق کیا جائے، قدرت کو اس دن کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے، جبکہ اس کی قدرت تمام زمانوں کو شامل ہے کہ ثواب اور عذاب اس دن واقع ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ جس دن تو اس چیز کو پائے گا اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب اور عذاب دینے پر قادر ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یوم کا لفظ اذکر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہو۔ بہتر یہ ہے کہ یحضرکم اللہ کو مقدر مانا جائے تو پھر یحضرک پر عطف میں کسی قسم کا خفاء نہیں ہوگا۔ ان صورتوں میں تو ما عملت من سوء کی ضمیر سے حال ہوگا۔ معنی یہ ہوگا ہر نفس پائے گا جو اس نے برائے عمل کیا ہوگا اس حال میں کہ مقدر ہوگی وہ محبت قیامت کے روز۔ یہ بھی جائز ہے کہ تو ما عملت من سوء کی خبر ہو۔ اس صورت میں و ما عملت میں واو مستانہ ہوگی اور پہلا جملہ ما عملت من خیر پر مکمل ہو جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ واو عاطفہ اور تو دو مکمل جملہ ہو کر تہجد کا مفعول ثانی ہو اس حال میں کہ یہ ما عملت من سوء پر محمول ہو (یعنی اس کی خبر ہو)۔ معنی پھر یہ بنے گا ہر نفس پائے گا جو اس نے اچھا عمل کیا اسے حاضر اور جو اس نے برائے عمل کیا اسے ہولناک، اس حیثیت سے کہ وہ نفس خواہش کرے گا کہ کاش اس نامہ اعمال اور اس کے درمیان بہت مدت ہوتی ہے۔ حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک سے تمہارا رب ہم کلام ہوگا، اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان ہوگا، نہ کوئی حجاب ہوگا وہ اپنی دائیں طرف نہیں دیکھے گا مگر وہ اعمال جو اس نے کئے، وہ اپنی بائیں جانب نہیں دیکھے گا مگر وہ اعمال جو اس نے کئے، وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم ہوگی۔

پس اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ اگرچہ کھجور کے ایک حصہ سے۔ (1)

۲۔ یہ جملہ مستانہ ہے جو واجبات کو ترک کرنے اور برائیاں کرنے سے ڈرانے کے لئے ہے، جبکہ اس سے پہلے کی کلام کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے ڈرانے کے لئے تھی اس لئے کوئی تکرار نہیں یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف یوم پر ہو معنی پھر یہ ہوگا کہ وہ اس دن سے ڈرے گا یا اپنے برے عمل سے ڈرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اپنی قہاریت کا اظہار فرما کر۔ اگر یہ ظرف اذکر کے متعلق ہو تو اس جملہ کو تہجد کا معطوف بنانا بھی جائز ہے۔ معنی یہ ہوگا یاد کرو اس دن کو جس روز تم پاؤ گے اور اس دن کو جس میں اللہ تعالیٰ اپنی قہاریت کا اظہار کر کے تمہیں ڈراتا ہے یہ جملہ کفار کے ساتھ معاملہ کا بیان ہے۔

۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر حد درجہ شفقت فرمانے والا ہے۔ یہ کلام مسلمانوں کے ساتھ معاملے کا بیان ہے۔ پہلی تاویل کی صورت میں جائز ہے کہ یہ جملہ پہلے جملہ کے لئے علت بیان کرنے کے قائم مقام ہو۔ معنی یہ ہوگا بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے کیونکہ

وہ بندوں پر رؤف ہے اور وہ ان کی اصلاح کا ارادہ فرماتا ہے۔

ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت حسن سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک قوم نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں یہ کہا اے محمد ﷺ ہم اپنے رب سے محبت کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والی آیت قل ان کنتم کونازل فرمایا۔ ابن اسحاق اور ابن جریر نے محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجران کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے یہ کہا ہم مسیح علیہ السلام کی عبادت اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اور امام بغوی نے کہا یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے یہ کہا ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ حضرت ضحاک نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ قریش کے پاس کھڑے ہوئے جبکہ وہ مسجد حرام میں تھے جنہوں نے اپنے بت نصب کئے ہوئے تھے، ان پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے کانوں میں شنوف (بالیاں) ڈالے ہوئے تھے اور قریش ان بتوں کو سجدے کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے قریش قسم بخدا تم نے اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین کی مخالفت کی۔ قریش نے کہا ہم ان بتوں کی عبادت محض اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کریں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ (1)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ  
عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾

”اے محبوب (آپ فرمائیے) (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے لے تو میری پیروی کرو (تب) محبت

فرمانے لگے گا تم سے اللہ سے اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

۱۔ حب کا لفظ جاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح حباب کا لفظ بھی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ حب اور حباب خلاف قیاس احبہ یحبہ کے مصادر ہیں اس سے مفعول کا وزن محبوب کے وزن پر آتا ہے، محبت کے وزن پر قلیل آتا ہے۔ مجرد کا باب ضرب یضرب کے وزن پر آتا بھی شاذ ہے۔ اس کا معنی محبت کے دل کا محبوب کیساتھ مشغول ہونا اور انس کرنا ہے، اس طرح کہ اسے کسی اور کی طرف متوجہ ہونے سے بھی روک دیتا ہے، اس کے لئے اس کی طرف ہمیشہ متوجہ ہونے اور مشغول ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ عربوں کے اس قول کا بھی یہی معنی ہے العشق نار فی القلوب تحرق ما سوى المحبوب عشق ایک آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے، یعنی محبوب کے علاوہ غیر کی طرف توجہ کو مطلقاً ختم کر دیتی ہے، اور اسے نسیا منسیا بنا دیتی ہے، گویا محبوب کے علاوہ کوئی چیز موجود ہی نہ تھی یہاں تک کہ نظر بصیرت سے اس کا اپنا وجود بھی گر جاتا ہے، وہ جس طرح کسی اور چیز کو نہیں دیکھتا اسی طرح اپنے نفس کو بھی نہیں دیکھتا۔ اس صفت کا مقصود محبوب کی رضا کو چاہنا اور جسے وہ ناپسند کرے اس کو طبعاً اور بالذات ناپسند کرنا اس میں نہ ثواب کی قطع ہو، نہ عقاب کا خوف ہو، اگرچہ اس کے ساتھ طمع اور خوف جمع ہو جائیں۔ یہ بندے کی طرف سے محبت کی تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تو دل اور اس کے اشتعال سے پاک ہے، اس کا کوئی عمل کسی دوسرے عمل کے لئے مانع نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں محبت کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا انس جو بندے کو اس کی جناب میں جذب مہمل نہ چھوڑنے اور غیر کی طرف متوجہ ہونے کے لئے نہ چھوڑنے کا تقاضا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنی جناب کی طرف جذب کرنا، یہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا سبب ہے، پس بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت

کرنے کی فرع اور نکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے تم پر اپنی خصوصی محبت کا القاء کیا اور فرمایا وہ ان سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو بندوں کی محبت پر مقدم کیا ہے۔ جس محبت کا میں نے ذکر کیا ہے یہ محبت ذاتیہ ہے اور امام بیضاوی نے جو ذکر فرمایا ہے کہ محبت کا معنی نفس کا کسی شے کی طرف مائل ہونا اس کمال کی وجہ سے جو اس نے محبوب میں پایا، اس طرح کہ یہ اسے برا ہیختہ کرے ایسی چیز پر جو اسے محبوب کے قریب کر دے (۱) یہ محبت صفاتیہ کا بیان ہے۔ یہ محبت ذاتیہ سے کئی مراحل دور واقع ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ ماں اپنے بچے سے کسی کمال کا ملاحظہ کئے بغیر محبت کرتی ہے، اسی لئے محبت ذاتیہ کے قریب ہے۔ تاہم اس میں سے نہیں ہے کیونکہ ماں کی محبت اس وجہ سے جنم لیتی ہے کہ وہ جانتی ہے کہ یہ بچہ اس کی طرف منسوب ہے مگر اللہ تعالیٰ کی محبت اس سے بہت بڑھ کر اور بلند ہے۔

صحیحین اور دوسری احادیث کی کتب میں حضرت ابو ہریرہؓ ابن عباس اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سورتیں ہیں، ان میں سے ایک کو لوگوں کے درمیان اس نے تقسیم کر دیا ہے جس کے باعث لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اپنے اولیاء کے لئے ننانوے رحمتوں کو خاص کیا ہے۔ مگر جو امام بغوی نے ذکر کیا ہے کہ مومنین کی اللہ تعالیٰ سے محبت یہ ہے کہ وہ اس کے حکم کی اتباع کریں، اسکی اطاعت کو ترجیح دیں اور اس کی رضا کے طالب ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مومنین سے محبت یہ ہے کہ وہ ان کی تعریف کرے، انہیں اعمال پر بدلہ دے اور ان کے گناہ بخش دے۔ یہ حقیقت میں محبت نہیں بلکہ یہ تو اس کا نتیجہ ہے اور اس کا بیان ہے جو اس محبت پر دلالت کرتی ہے۔

۱۔ یہاں فاء سببیہ ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ محبت اللہ تعالیٰ کی رضا کو چاہنے کا سبب ہے۔ پسندیدہ چیز کو غیر پسندیدہ چیز سے رائے کے ذریعے ادراک نہیں کیا جاسکتا بلکہ رسولوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ محبت رسولوں کی اتباع کا سبب ہے اور اتباع محبت کے موجود ہونے پر دلیل ہے اور اس کا عدم محبت کے معدوم ہونے پر دلیل ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ کی محبت کی مخالفت کرتے ہوئے محبت کا دعویٰ کیا وہ کذاب ہے، کتاب اللہ اس کی تکذیب کرتی ہے۔

۲۔ یہ جواب امر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِنْ تَبْغُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت، یہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا نتیجہ ہے، جو بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت سے پہلے ہوتی ہے تو اس طرح تو دور لازم آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ محبت اس محبت سے مختلف ہے۔ پس بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو محبتوں سے گھری ہوئی ہے جن میں سے ایک بندے کی محبت ہے پہلے اور دوسری بعد میں ہوتی ہے پہلی محبت تو وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی بعد والی محبت وہ ہے جو اس رحمت و فضل کا تقاضا کرتی ہے جو اس حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے اس ایک حصہ کو بندوں میں تقسیم کیا ہے اور اپنے اولیاء کے لئے ننانوے حصوں کو خاص کیا ہے۔ بعد والی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے اور رحم فرمائے۔

۳۔ امام بغوی نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے اپنی طاعت کو اللہ تعالیٰ کی طاعت قرار دیا ہے اور ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم ان سے اس طرح محبت کریں، جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ①

”آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی لے پھر اگر وہ منہ پھیریں لے تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر



جو حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے والد ہیں (۱) حضرت حسن اور وہب نے بھی یہی کہا ہے لیکن دونوں نے کہا حضرت مریم کے والد عمران بن اہم ہیں، دونوں عمر انوں کے درمیان ایک ہزار اسی سال کا فاصلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے دونوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں عمران سے مراد حضرت مریم کے والد عمران ہیں کیونکہ سیاق کلام اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اِذْ قَالَتْ امْرَاةٌ عِزْرَانٌ، سابقہ کلام میں جو اصطفاء کا ذکر ہوا تھا اس کے بیان میں واقع ہے۔ ان کو خصوصاً اس لئے ذکر کیا چونکہ انبیاء و رسل میں سے کثیر تعداد انہیں کی نسل سے تھی۔

۱۔ جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ ہمارے نبی ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی شامل ہے جس طرح کہ یہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو شامل ہے تو ان کا تمام جہانوں پر اصطفاء ظاہر ہے۔ اس آیت سے خاص بشر کی خاص ملائکہ پر فضیلت کا استدلال کیا گیا ہے، ورنہ عالمین سے مراد ان کے زمانے ہوں گے بغوی نے کہا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا ہم حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی اولاد ہیں اور ہم ان کے دین پر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسلام کے ساتھ منتخب کر لیا اور تم دین اسلام پر نہیں ہو۔ امام بیضاوی نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی اطاعت کو لازم کیا اور اس کی وضاحت کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث ہے، اسکے پیچھے ان کے مناقب کو بیان کیا تاکہ لوگوں کو انبیاء کی اطاعت پر براہیختہ کیا جائے (۲) بعض فاضل لوگوں نے کہا جب لوگوں کو حضور ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب قرار دیا اور آپ کی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی محبت کے سلب کا باعث بنایا تو اس کلام کو بعد میں لا کر اس امر کو مومؤ کہ کیا جیسے اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ان کے مخالفین پر منتخب فرماتا ہے، انہیں رفعتیں عطا کرتا ہے، ان کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کرتا ہے اور انہیں نیست و نابود کر دیتا ہے تاکہ انہیں ڈرایا جائے جو آپ کی طاعت سے سرکشی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے اصطفاء کا ذکر کیا، یہاں تک کہ آپ کو موجود ملائکہ بنا دیا اور آپ کے دشمن ابلیس کو اپنی رحمتوں سے دور کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جہان بھر کے کفار پر اصطفاء میں فضیلت عطا کی، یہاں تک کہ سب کو طوفان کے ساتھ ہلاک کر دیا اور آپ کی ذریت کو نبی باقی رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو جہاں پر فضیلت عطا کی، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تمام لوگ کافر تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے دین کو عام کیا، آپ کے مخالفین کو ذلیل و رسوا کیا۔ حضرت موسیٰ و ہارون کو منتخب فرمایا، یہاں تک کہ جادو گر مجدہ ریز ہو گئے، فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کیا، کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود ان میں سے کوئی بھی نہ بچا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقبضین کو تاقیامت غالب کر دیا، جبکہ آپ کو اٹھایا گیا تو اس وقت وہ مغلوب تھے جیسے فرمایا او روہ بنانے والا ہے ان کو جنہوں نے تیری اتباع کی ان پر غالب جنہوں نے کفر کیا قیامت تک اس وجہ سے حضرت آدم، حضرت نوح اور آپ کی آل کو خصوصاً ذکر کیا، حضرت ابراہیم اور ہمارے پیارے آقا سید المرسلین کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ حضرت ابراہیم کو عالم پر مکمل طور پر غلبہ عطا نہیں کیا۔ یہ کلام اس حوالے سے ہے کہ ہمارے پیارے آقا حضور پر نور ﷺ کو عنقریب غلبہ عطا کیا جائے گا۔

### ذُرِّيَّةٌ مِّنْ بَعْضِهِمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳﴾

”یہ ایک نسل ہے ۱۔ بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں ۲۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۳۔“

۱۔ یہ ذر سے فعلیت کے وزن پر ہے۔ چھوٹی چوٹی کو ذر کہتے ہیں۔ آخر میں یاہ نسبت کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چوٹیوں کی صورت میں نکالا گیا ہے یا یہ فعلیہ کے وزن پر ہے جس کی اصل ذر ہے، جس کا معنی پیدا کرنا ہے، اس کے ہمزہ کو یاہ

سے بدلا، پھر اس کی واؤ کو یاء سے بدلا، اس کے ماقبل کو کسرہ دیا، پھر یاء کو یاء میں ادغام کر دیا، اس طرح اولاد اور آباء کو ذریت کا نام دیا گیا۔ اولاد ذریت ہے کیونکہ یہ ان سے پیدا ہوئے۔ آباء کے لئے بھی ذریعہ کا لفظ درست ہے کیونکہ بیٹوں کی پیدائش ان سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”ان کے لئے نشان ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو مٹھوں (بھری) کشتی میں سوار کیا، یعنی ان کے آباء کو سوار کیا۔ یہ واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، حال ہونے یا دونوں آل اور نوح سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

۲۔ یہ جملہ مبتدا خبر ہے، محل نصب میں واقع ہے اور ذریعہ کی صفت بن رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور دونوں آل کو چن لیا اس حال میں کہ دونوں مخلوق ہیں نکالی گئی، جس طرح چوئیاں بعض کو بعض کی نسل سے بنایا گیا، یا بعض بعض کی مدد کرنے اور اتحاد دین میں ایک دوسرے کے حمایتی ہیں۔ جیسا کہ وَإِنَّ مِنْ شَيْعَتِهِمْ لِبُرْهَانٍ (الصافات: 83) کے ارشاد میں ہے۔

اگر ذریت میں اشتقاق کے معنی کا اعتبار کیا جائے جبکہ اس سے پہلے ذوالحال ہے تو پھر یہ کوئی بعید نہیں کہ بعضہا ذریت کا فاعل ہو اور من بعض اس کے (ذریعہ کے) متعلق ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی خَلْقَهُ مَخْلُوقَةٌ أَوْ مُسْتَخْرَجَةٌ مِنْ بَعْضِهَا مِنْ بَعْضٍ۔ یہ بھی جائز ہے بعضہا من بعض کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ قوم میں سے ایک فرد کو چنتا ہے تو قریش کو چاہئے کہ اس امر کو بعید خیال نہ کریں کہ نبی کریم ﷺ کو چنتا گیا ہے جبکہ آپ انہیں میں سے ایک فرد ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جب بعض کو بعض سے مستجد کرتا ہے تو اس کے مستعد ہونے کے متعلق لوگوں کی باتوں کو سنتا ہے۔ اصطفا کے کون لائق ہے اس کو جانتا ہے یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ عمران کی بیوی کے قول کو سنتا ہے اور اس کی نیت کو جانتا ہے۔

إِذْ قَالَتُ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۰﴾

”جب عرض کی کہ عمران کی بیوی نے اسے میرے رب میں نذر مانتی ہوں تیرے لئے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے اسے سو قبول فرمائے (یہ نذرانہ) ہے مجھ سے بے شک تو ہی (دعا میں) سننے والا (نبیوں کو) جاننے والا ہے۔“

۱۔ یہ (از) علیم کے متعلق ہے، یا اذ کو فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔  
۲۔ یہاں عمران سے مراد ابن ماثان یا ابن اشہم ہے۔ بنو ماثان بنی اسرائیل کے سردار تھے، ان کے علماء اور بادشاہ تھے، عمران کی بیوی کا نام حدیث بنت قاقود تھا۔ یہ بانجھ تھیں اور سن رسیدہ بھی۔ اسی اثناء میں ایک روز یہ درخت کے سائے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ایک پرندہ دیکھا جو ایک بچے کو خوراک دے رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ان کے نفس نے بچے کی خواہش کی۔ یہ اس خاندان سے تعلق رکھتی تھی جو اللہ تعالیٰ کا بڑا برگزیدہ خاندان تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بچے کے لئے دعا کی تو وہ حضرت مریم کیساتھ حاملہ ہو گئیں۔ ابن جریر نے ابن اسحاق اور عکرمہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۳۔ محوذاً حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ دنیا کے کسی کام کے لئے میں اسے مشغول نہ کروں گی، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہوگا۔ یہ نذرانہ کے دین میں بچوں کے بارے میں جائز تھی۔ ابن جریر نے قتادہ اور ربیع سے نقل کیا ہے کہ جب کسی بچہ کو دنیاوی مشاغل سے آزاد کر دیا جاتا تو اسے گر جا گھر میں چھوڑ دیا جاتا تا کہ وہ اس کو صاف کرے، اس کی

خدمت کرے وہ اس وقت تک وہاں سے نہ جاتا۔ جب تک وہ بالغ نہ ہو جاتا پھر اس کو اختیار ہوتا چاہے تو وہاں ہی مقیم رہے، چاہے تو چلا جائے۔ انبیاء و اولیاء میں سے کسی کی اولاد نہ ہوتی مگر اسے بیت المقدس کے لئے وقف کیا جاتا۔ صرف بچوں کو ہی وقف کیا جاتا۔ شائدحنہ نے معاملہ تقدیر پر چھوڑ دیا ہو یا انہوں نے بچہ طلب کیا ہو۔

۱۱۔ نافع، ابو عمرو نے منیٰ کی یاء کو فتح دیا ہے اور باقی قراء نے اس کو ساکن پڑھا ہے، یعنی میں نے جو نذر مانی ہے اسے مجھ سے قبول فرمالمے۔  
۱۲۔ یعنی تو میرے قول کو سنتا ہے اور میری نیت کو جانتا ہے۔ آپ کے خاوند نے کہا تجھ پر افسوس تو نے کیا کیا، بتاؤ اگر تیرے پیٹ میں بچی ہو جو اس کام کے لئے مناسب نہیں، دونوں اس وجہ سے پریشان ہو گئے۔ عمران تو فوت ہو گئے اور حنہ حضرت مریم کیساتھ حاملہ ہو گئیں۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی ۗ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۗ وَ  
لَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ۗ وَ اِنِّیْ سَیِّئَتَا مَرِیْمَ ۗ وَ اِنِّیْ اَعِیْذُ هَآبِکَ وَ ذُرِّیَّتَہَا  
مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۱﴾

”پھر جب اس نے جنا سے لے (توحیرت و حسرت سے بولی) ۳۱۔ اے رب! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو جسے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا سے اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے ہے اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم لے اور میں سے تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے لے اور اس کی اولاد کو ۳۲۔ شیطان مردود (کے شر) سے لے۔“

۱۔ حاضیر مافی بطنہا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ضمیر مؤنث اس لئے ذکر کی گئی ہے کیونکہ پیدا بچی ہوئی تھی یا نفس یا جملہ کی تاویل کرتے ہوئے مؤنث ذکر کی ہے۔

۲۔ اس نے حسرت کرتے ہوئے کہا جب کہ بچے کی امید کر رہی تھی۔

۳۔ یا اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور معذرت کرتے ہوئے یہ کلمات کہے کہ اس نے اسے بیت اللہ شریف کی خدمت کے لئے وقف کیا تھا۔  
۴۔ ابن عامر، ابو بکر اور یعقوب نے وضعت پڑھا ہے جو واحد متکلم کا صیغہ ہوگا۔ اس صورت میں یہ عمران کی بیوی کا قول ہوگا جو اپنے آپ کو تسلی دے رہی ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی راز ہوگا اور مؤنث بہتر ہے۔ باقی سب نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے یعنی وَضَعَتْ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جملہ متاثر ہوگا۔ مقصود پیدا ہونے والے کی عظمت بیان کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس کی والدہ اس کی شان سے غافل تھی۔

۵۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ عمران کی بیوی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں معذرت کے طور پر ہو کہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے پیش کرے یعنی مذکر اپنی قوت اور صلاحیت کی وجہ سے عبادت گاہ کی خدمت کے لئے عورت جیسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے پردہ لازم ہے، یہ کمزور ہوتی ہے، ساتھ ہی ساتھ اسے حیض اور نفاس کے عوارض لاحق ہوتے ہیں پھر دونوں کلموں میں لام جنس کے لئے ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو۔ معنی یہ ہو کہ وہ مذکر جس کو تو نے طلب کیا تھا وہ اس مؤنث کی طرح نہیں جو تجھے عطا کی گئی، بلکہ یہ مؤنث اس مذکر سے افضل ہے۔ اس میں الف لام عہدی ہے۔ یہ تاویل پہلی تاویل سے بہتر ہے۔ اگر یہ کلام معذرت کے طور پر ہوتی تو وہ کہتی لَیْسَ اِلَّا اُنْثٰی کَالذَّکَرِ ۗ اس کا عطف عمران کی بیوی کے کلام پر ہے اور درمیان میں کلام جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ مریم ان کی لغت میں عبادت کو کہتے ہیں، انہوں نے یہ نام اس لئے رکھا تا کہ اللہ تعالیٰ اسے اسم باسمی بنادے۔ مسند الیہ کو مقدم کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ نام انہوں نے ہی رکھا، یعنی



اس کا والد موجود نہیں اور وہ یتیم ہے۔ اس میں بچی کے لئے مہربانی طلب کرنا ہے۔

بے نافع نے انہی کی یاء کوفتح اور باقی قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

۱۷ اعیانہا بک میں اسے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

۱۸ اور اس کی اولاد کو بھی۔

۱۹ درجیم کا معنی دھتکارہ ہوا ہے۔ رمی کا اصل معنی پتھر مارتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا، مگر اس کی پیدائش کے وقت شیطان اسے چھوٹا ہے، شیطان کے چھونے سے وہ بچہ چیخا چلاتا ہے مگر حضرت مریم اور آپ کے بیٹے کو شیطان نے نہ چھولا (۱) متفق علیہ۔ یعنی اس دعا مانگنے کی برکت سے شیطان انہیں نہ چھوسکا۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا شیطان ہر بچے کی پیشانی میں دو انگلیاں مارتا ہے، مگر عیسیٰ بن مریم کو نہ ماریں وہ مارنے لگا تو آپ کو حجاب میں کر لیا گیا (۲) میں کہتا ہوں یہ درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کے بارے میں بھی کہا جبکہ آپ کی شادی حضرت علی سے کی اے اللہ میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان کے شر سے تیری پناہ میں دیتا ہوں (۳) اسی طرح حضرت علی نے فرمایا جسے ابن حبان نے حضرت انس سے روایت کیا، حضور ﷺ کی دعا حضرت عمران کی بیوی کی دعا سے زیادہ قبولیت کے لائق ہے، میں آپ کی اور آپ کی اولاد کی شیطان مردود کے چھونے سے محفوظ ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت مریم اور آپ کے بیٹے کو شیطان کے نہ چھونے کا حصہ حدیث سے ثابت ہے۔ یہ حصر اضافی ہوگا جب ہم اسے اعم کی طرف منسوب کریں گے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ ۖ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْبِحْرَابَ ۖ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ لَيْسَ لِي لَكَ هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

”پھر قبول فرمایا اسے ۱۔ اس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ ۲۔ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا ۳۔ اور نگران بنا دیا اس کا ۴۔ زکریا کو ۵۔ جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا ۶۔ (اس کی) عبادت گاہ میں بے (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں ۷۔ (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لئے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے ۸۔ بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب ۹۔“

۱۔ یہ قبلہا کے معنی میں ہے، یعنی مریم کو مذکر کی جگہ حنہ سے قبول کر لیا۔ یا یہ استقبلہا کے معنی میں ہے، یعنی جو نبی اس نے جنا اس وقت اسے لے لیا جس طرح تعجل استعجل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ یہاں قبول مفعول مطلق نہیں، ورنہ کلام قبولاً حسناً ہوتی، بلکہ یہ نام ہے اس کا جس کے ساتھ کسی چیز کو قبول کیا جاتا ہے جیسے السعرة واللود یعنی اچھے طریقے سے جس سے نذریں قبول کی جاتی ہیں۔ قبول حسن یہ محبوبین کا قبول ہے جو اہل اجتہاد (چنے ہوئے) ہیں (۱) نہ

3- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 652 (وزارت تعلیم)

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 265 (قدیمی) 2- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 286 (انجاریہ)

(۱) وہ مقام محبوبیت پر فائز ہیں، ان کے اعمال کو دیکھتے ہوئے اس شان سے انہیں نوازا۔

مریدین کا قبول ہے جو اہل ہدایت (۱) ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی عبادت کے لئے جن لیا اور جہاں بھر کی عورتوں پر اسے فضیلت دی اسے گناہوں اور حیض سے پاک کیا جب کہ پہلے نہ ان کا عمل تھا، نہ ان کی کوئی کوشش تھی۔ اگر قبول مفعول مطلق ہو تو پھر تقدیر کلام یوں ہوگی بامر ذی قبول حسن اور وہ اختصاص ہے۔ اس کے تعیین کا مبداء اہل اصطفاء کے تعینات کے مبادی میں سے ہے۔

سے نباتا مفعول مطلق ہے جو فعل کے باب سے نہیں۔ معنی اس کا یہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے اسے پروان چڑھایا پس وہ اچھی طرح پروان چڑھا ہے، وہ ایک دن اتنی بڑھتیں جتنا بچہ ایک سال میں بڑھتا ہے۔ ابن جریر نے عکرمہ، قتادہ اور سدی سے نقل کیا ہے جب حنہ نے مریم کو جنا، اسے ایک کپڑے میں لپیٹا اور مسجد کی طرف لے گئیں اور اسے حضرت ہارون کی اولاد کے علماء کے پاس رکھا۔ فرمایا اس نذر کو قبول کرو۔ علماء نے اس میں باہم مقابلہ شروع کر لیا کیونکہ یہ ان کے امام اور قربانیوں والے کی بیٹی تھی۔ حضرت زکریا نے کہا میں تم سب سے اس کو کفالت میں لینے کا زیادہ حق رکھتا ہوں کیونکہ اس کی خالہ میرے عقد میں ہے، جن کا نام اشیاہ بنت قاتود تھا جو حضرت یحییٰ کی والدہ تھی۔ علماء نے قرعہ کے بغیر اسے حضرت زکریا کی کفالت میں دینے سے انکار کر دیا، وہ سب دریا کی طرف چل پڑے، جبکہ ان کی تعداد ستائیس تھی۔ سدی نے کہا یہ دریا اردن تھا۔ انہوں نے اپنی قلمیں اس پر پھینک دیں کہ جس کی قلم ٹھہر گئی اور پانی پر بلند ہو گئی۔ یہ بچی اس کی کفالت میں رہے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ اپنی قلموں سے تورات لکھتے تھے، انہوں نے وہی قلمیں پھینکی تھیں جو ان کے پاس تھیں، حضرت زکریا کی قلم ٹھہر گئی اور پانی پر چڑھ آئی، باقی قلمیں نیچے اتر گئیں اور نہر میں بہہ گئیں۔ محمد بن اسحاق نے بھی یہی کہا ہے۔ سدی اور ایک جماعت نے کہا بلکہ حضرت زکریا کی قلم اپنی جگہ پر ثابت رہی اور پانی پر قائم ہو گئی، گویا کہ وہ مٹی میں گڑھی ہوئی ہے جبکہ دوسری قلمیں بہہ گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت زکریا کی قلم پانی کی اوپر والی سطح کی طرف بلند ہوئی اور ان کی قلمیں پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ گئیں اور پانی انہیں لے گیا۔ حضرت زکریا نے قرعہ ڈالا تھا، آپ علماء کے سردار اور نبی تھے۔ (۱)

۳۰ حمزہ، کسائی اور عاصم نے کفل کی فاء کو مشدد پڑھا ہے۔ یہ باب تکفیل سے ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ ذہنوں میں وہ راسخ ہے، اس لئے اسم کے ذکر کے بغیر بھی ضمیر لانا صحیح ہے یا اس میں پوشیدہ ضمیر رہبہا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ باقی قراء نے اس کو مخفف پڑھا ہے، اس صورت میں یہ مجرد ہوگا اور فاعل زکریا ہوگا۔

۳۱ جمہور علماء نے زکریا کو الف ممدودہ کیساتھ پڑھا ہے۔ یہ لفظ مرفوع ہے اور اور حمزہ کسائی اور حفص نے عاصم سے الف مقصورہ کیساتھ پڑھا ہے۔ یہ مفعول ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے اور ابو بکر نے عاصم سے الف ممدودہ کے ساتھ لفظاً منصوب پڑھا ہے۔ جمہور کی قرأت کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا اس کے معاملات کے مگر ان حضرت زکریا بنے۔ کوفیوں کی قرأت کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرعہ کے ساتھ حضرت زکریا کے ساتھ ملا دیا جو حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے تھے حضرت زکریا نے ان کے لئے ایک الگ کمرہ بنوایا، اس کیلئے دودھ پلانے کے لئے اہتمام کیا۔ محمد بن اسحاق نے کہا حضرت زکریا نے حضرت مریم کو اس کی خالہ کے سپرد کر دیا جو حضرت یحییٰ کی والدہ تھیں، یہاں تک کہ جب وہ جوان ہوئیں اور عورتوں کی عمر کو پہنچیں تو حضرت زکریا نے ان کے لئے مسجد میں عبادت کی جگہ بنا دی، اس کا دروازہ اس کے درمیان میں رکھا جس میں سیڑھی کے ذریعے ہی داخل ہوا جاسکتا تھا، جس طرح بیت اللہ شریف کا دروازہ ہے۔ حضرت زکریا کے علاوہ کوئی بھی وہاں نہیں جاسکتا تھا، حضرت زکریا ہی ان کے پاس کھانا، مشروب اور تیل ہر روز لاتے۔

۳۲ یہاں بھی لفظ زکریا کو الف ممدودہ اور الف مقصورہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جس طرح تمام قرآن میں موجود ہے۔ اس جملہ سے پہلے

۱- تفسیر بغوی، جلد ۱، صفحہ ۲۸۷ (التجاریہ) (۱) وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں، پھر جا کر انہیں قبولیت نصیب ہوتی ہے۔

حرف عطف ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ جملہ بھی ماقبل جملہ کی وضاحت کرتا ہے، یعنی قبلہا بقبول حسن یا مسند اور مسند الیہ کے اعتبار سے جامع نہ ہونے کی وجہ سے عطف نہیں کیا گیا۔ کلمہ ظرف زمان ہے جس میں شرط کا معنی موجود ہے جو چیز اس کا جواب ہوتی ہے وہ اسے نصب دیتی ہے یعنی وجد۔

۷۔ اس سے مراد وہ کمرہ ہے جو حضرت زکریا نے حضرت مریم کے لئے بنایا تھا۔ محراب بیٹھنے کی معزز ترین جگہ یا اگلے حصہ کو کہتے ہیں۔ مسجد کو بھی محراب کہتے ہیں کیونکہ یہ شیطان کیساتھ جنگ کرنے کی جگہ ہے۔ مبرد نے کہا اس وقت تک کوئی جگہ محراب نہیں بن سکتی جب تک اس تک پہنچنے کے لئے زینہ نہ چڑھنا پڑے۔ ابن جریر نے ربیع بن انس سے روایت نقل کی ہے، کہا جب حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس سے واپس آتے تو آپ پر سات دروازے بند کر دیتے جب آپ کے پاس کمرے میں جاتے،  
۸۔ تو غیر موسمی پھل پاتے، موسم گرما کے پھل موسم سرما اور موسم سرما کے پھل موسم گرما میں۔

۹۔ حضرت زکریا نے اسے مستبعد جانتے ہوئے کہا اے مریم یہ کس جگہ سے یا کیسے تمہارے پاس آتا ہے؟ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ان کا رزق جنت سے آتا تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا جب سے حضرت مریم کی ولادت ہوئی آپ نے کسی کا پستان اپنے منہ میں نہیں لیا، ان کا رزق جنت سے آتا تھا، آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح چھوٹی عمر میں کلام کی تھی۔

۱۰۔ بغیر اندازہ کے عطا فرماتا ہے، یعنی کثیر عطا فرماتا ہے، یا بغیر استحقاق کے فضل و احسان فرماتے ہوئے عطا کرتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حضرت مریم کا کلام ہو اور یہ بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو۔ یہ قصہ اولیاء اللہ کی کرامت پر دلیل ہے۔ اسے حضرت زکریا کا معجزہ بتانا درست نہیں کیونکہ ان کے اوپر معاملہ کا مشتبہ ہونا ان کے معجزہ ہونے کو رد کرتا ہے۔ جب آپ نے یہ کہا تھا انی لک هذا۔ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں دو روٹیاں اور گوشت بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ وہ کھانا حضرت فاطمہ کے پاس لائے اور فرمایا میری بیٹی ادھر آؤ۔ حضرت فاطمہ نے تھال سے پردہ ہٹایا تو روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ حضرت فاطمہ نے عرض کی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے تجھے بنی اسرائیل کی عورتوں کی سردار کے مشابہ بنایا۔ پھر آپ نے حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، اور تمام گھروالوں کو جمع کیا، وہ سب سیر ہو گئے اور کھانا اسی طرح باقی بچ گیا۔ حضرت فاطمہ نے اسے پڑوسیوں پر تقسیم کر دیا۔

هٰذَاكَ دَعَاكَ كَرِيماً رَبُّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ

سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝

”وہیں اے دعا مانگی زکریا نے اپنے رب سے عرض کی اے میرے رب! عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بے شک

تو ہی سننے والا ہے دعا کا“

۱۔ ہنا سے مراد وہ جگہ ہے یا وہ وقت ہے جب حضرت زکریا نے حضرت مریم کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کے انعام کو دیکھا اور یہ خیال کیا کہ انکا خاندان تو ختم ہوا چاہتا ہے کیونکہ آپ کا کوئی بچہ نہ تھا جو علم و نبوت کا وارث ہوتا اور اپنے چچا زاد بھائیوں کے بارے میں خوف محسوس کیا کہ کہیں اس کے بعد دین کو ضائع ہی نہ کر دیں۔ محراب میں داخل ہوئے اور دروازوں کو بند کر دیا۔

۲ حضرت زکریا نے یہ دعا کی اے میرے رب! عام قانون سے ہٹ کر اپنی بارگاہ اقدس سے بینا عطا کر ”یا اس لئے عرض کی تھی کیونکہ آپ کی بیوی بانجھ ہو چکی تھی اور آپ خود بوڑھے ہو چکے تھے“ جس طرح تو حضرت مریم کو خلاف عادت رزق عطا فرماتا ہے۔

۳ یعنی بچہ یہ لفظ واحد، جمع مذکر مونث سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ طیبۃ کے لفظ کو مونث اس لئے ذکر کیا کیونکہ ذریعہ کا لفظ مونث ہے یعنی صالح معصوم گناہوں سے پاک۔

فَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيٰ فِي الْمِحْرَابِ ۗ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِرَبِّحَتِي  
مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُورًا وَّوَدَّيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰

”پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے ۱۔ جبکہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں ۲۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو ۳ یعنی نبی کی ۴ جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی ۵ اور سردار ہوگا ۶ اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا ۷ اور نبی ہوگا صالحین سے ۸۔“

۱۔ حمزہ اور کسائی نے اس لنادی کو الف اور ا مالہ کے ساتھ مذکر کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ فاعل اسم ظاہر مونث غیر حقیقی ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ مونث غائب کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ ملائکہ کا لفظ جمع مکسر ہونے کی بنا پر مونث ہے۔ ابراہیم سے مروی ہے، فرمایا عبد اللہ قرآن حکیم میں ملائکہ کو مذکر ذکر کرتے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ عبد اللہ نے ملائکہ کو مشرکین سے اختلاف کرنے کی بنا پر مذکر ذکر کیا کیونکہ مشرکین کہتے ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، نعوذ باللہ۔ ندا کرنے والے حضرت جبرئیل امین تھے۔ جریر نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے یہاں جمع کا صیغہ لانے میں یہ حکمت کا فرما ہے جیسے مفضل بن سلمہ نے کہا جب قائل رئیس ہو تو اس کو جمع کے ساتھ ذکر کرنا درست ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھی بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ حضرت جبرئیل امین ملائکہ کے رئیس تھے۔ شائد ہی کوئی ایسا موقع ہو جب آپ کے ساتھ فرشتوں کی جماعت نہ ہو۔ اس وجہ سے اس کو جمع ذکر کیا۔ ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ فرشتوں کی جنس میں سے کسی نے ندا کی، جس طرح تیرا یہ کہنا زید گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔

۲ یعنی حضرت زکریا علیہ السلام قَائِمٌ يُصَلِّيٰ فِي الْمِحْرَابِ محراب سے مراد یہاں مسجد ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زکریا بہت بڑے عالم تھے، قربانی کی جگہ کے قریب ہوتے مذبح کا دروازہ کھولتے، کوئی آدمی بھی داخل نہ ہوتا جب تک آپ اسے اجازت نہ دیتے۔ اسی اثناء میں کہ آپ مذبح کے نزدیک مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، لوگ انتظار کر رہے تھے کہ آپ انہیں داخل ہونے کی اجازت دیں کہ ایک نوجوان آدمی جس نے سفید کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے، آپ کے پاس آ گیا، آپ گھبرا گئے، وہ جبرئیل امین تھے، اس نے یا زکریا کہہ کر ندا دی۔

۳ حمزہ اور ابن عامر نے ان کو حمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہاں قول مضمحل ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ فَقَالَتْ اِنَّ اللّٰهَ۔ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ نے اسے پیش کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی یاء پر فتح باء کو ساکن اور شین کو مضموم پڑھا ہے۔ جہاں بھی قرآن میں یہ لفظ واقع ہوا ہے وہ تخفیف کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ کسائی نے یہاں دو مواقع پر اور سورہ سبحان، کہف اور عسق میں موافقت کی ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے عسق میں ان کے ساتھ موافقت کی ہے۔ باقی قراء نے یاء کو ضمہ، باء کو فتح اور شین کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

۴ ان کا یہ نام اس لئے رکھا کیونکہ اس کے ذریعے سے ان کی ماں کے بانجھ پن کو ختم کر کے دوبارہ زندہ کیا۔ ابن عباس نے اس طرح کہا حضرت قتادہ نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو ایمان اور طاعت کے ساتھ زندہ کیا، یہاں تک کہ انہوں نے نہ نافرمانی کی اور نہ ہی

نافرمانی کا قصد کیا (۱)

ہے یہ حال مقدرہ ہے۔

یعنی عیسیٰ علیہ السلام ان کا یہ نام اس لئے رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا بغیر باپ کے ہو جا تو وہ ہو گیا۔ ان کا کلمہ نام اس لئے واقع ہوا کیونکہ اسی کے ساتھ ان کی پیدائش ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو کلمہ اس لئے فرمایا گیا کیونکہ ان کے ساتھ بھی اس طرح ہدایت حاصل کی جاتی تھی جس طرح اللہ تعالیٰ کی کلام سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ صوفیاء کرام نے کہا ان کے تعین کا مبداء صفت کلام ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور تصدیق کی تھی۔ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں چھ ماہ بڑے تھے۔ صحیحین میں حدیث معراج میں ہے یہ دونوں خالد زاد تھے۔ سابقہ بحث میں گزر چکا ہے کہ حضرت یحییٰ حضرت مریم کی خالہ کے بیٹے تھے۔ اس روایت کے صحیح ہونے کی صورت میں ان دونوں کا خالد زادہ ہونا مجاز پر محمول ہوگا جس طرح حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا تیرا چچا زاد کہاں ہے، یعنی حضرت علی شیر خدا، جبکہ حضرت علی شیر خدا حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا تھا۔

یہ آپ اپنی قوم کے رئیس تھے، علم عبادت، تقویٰ اور تمام بھلائی کے کاموں میں ان سے بڑھ کر تھے۔ مجاہد نے کہا سید کا معنی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی حلیم ہے جسے کوئی چیز غصہ نہیں دلاتی۔ سفیان نے کہا جو حسد نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی قناعت کرنے والا ہے۔ ایک اور یہ قول کیا گیا ہے کہ اس کا معنی سخی ہے۔ جنید نے کہا مکون (پیدا کرنے والا) کے بدلہ میں کونین کی سخاوت کر دے۔

۷ اس کی اصل حصر ہے جس کا معنی روکنا اور منع کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ عورتوں کے پاس نہ آتے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ اس خواہش سے ہی بے نیاز تھے، جس طرح کہ ایک روایت میں آیا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر وہ عنین تھے بھی تو یہاں یہ لفظ عنین کے معنی میں نہیں کیونکہ یہ مدح نہیں جبکہ یہ مقام مدح ہے۔ بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ انہیں روک دیا گیا (وہ محفوظ تھے) اپنے نفس کو خواہشات اور لہو و لعب کے کاموں سے روکنے والے تھے۔ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے عمرو بن عاص سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا جو بندہ بھی اللہ سے ملاقات کرے گا، اس نے گناہ کیا ہوگا مگر یحییٰ بن زکریا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے سبھا و حصوڑا۔ یہ بھی کہا گیا وہ عنین تھے اور انگلیوں کے پوروں سے اشارہ کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد كَانَ ذِكْرُهُ مِثْلَ هَذْبَةِ الْفُؤَابِ (۱) یہ حضور کا بیان نہیں بلکہ یہ معصوم کا بیان ہے اور یہ امر واقعہ کا بیان ہے۔ ابن ابی شیبہ اور احمد نے زہد میں ابن ابی حاتم نے ایک اور سند سے ابن عمر سے موقوف نقل کیا ہے، یہ موقوف روایت مرفوع روایت سے سند میں زیادہ قوی ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر نبی آدم اللہ تعالیٰ سے گناہ گار حالت میں ملے گا، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے، اگر چاہے تو اس پر رحم فرمائے مگر یحییٰ بن زکریا، کیونکہ وہ سید اور صالح نبی تھے (۲) پھر آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر پڑے تنکے کی طرف بڑھایا اور اسے اٹھالیا، فرمایا ان کا آلہ تناسل اس تنکے جیسا تھا۔ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں قتادہ سے موقوف نقل کیا ہے۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں معاذ بن جبل سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ اپنے بچپن میں بچوں کے پاس سے گزرے، ان بچوں نے آپ کو کھیلنے کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا ہم کھیل کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔

۹ اور نبی پیدا ہونے صالحین کی اصلا ب سے مراد اس کی یہ ہے کہ وہ معصوم انبیاء سے پیدا ہوئے یا ایسے افراد سے شمار ہوتے جو گناہ صغیرہ اور نہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ أَلَيْسَ لِي عِلْمٌ وَقَدْ بَلَّغَنِي الْكِبَرَ وَأُمْرًا نِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَلِكَ  
اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝

”زکریا کہنے لگے اے رب! کیونکر ہوگا میرے ہاں لڑکا ۲ حالانکہ آلیا ہے مجھے بڑھاپے نے ۳ اور میری بیوی بانجھ

ہے ۴ فرمایا بات اسی طرح ہے (جیسی تم نے کہی) لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ۵“

۱ حضرت زکریا نے جبرئیل امین کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے کہا

۲ آپ سے یہ قول طبیعت کے تقاضا کے طور پر صادر ہوا کیونکہ یہ عادت کے خلاف تھا۔ یا آپ نے اسے عظیم جانتے ہوئے اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا جو طبیعت کا تقاضا تھا کیونکہ بعض اوقات طبیعت کا تقاضا عقل کے تقاضا پر غالب آجاتا ہے، ورنہ عقل اور علم دونوں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں اور نہ ہی اس میں تعجب کی بات ہے، جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ تو وعدہ کرنے کے باوجود آپ پر اعتراض کیا اور کہا تو مجھے پائے گا صابر، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ عکرمہ اور سدی نے کہا کہ جب فرشتوں کی نداء کو سنا تو شیطان آپ کے پاس حاضر ہوا، کہا اے زکریا یہ آواز اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے بے شک یہ تو شیطان کی جانب سے ہے، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تو وہ ضرور وحی کرتا تو آپ نے یہ کلام کی تاکہ دوسرے کو دور کر دیں۔ حضرت حسن نے کہا کہ حضرت زکریا نے یہ جملہ اس لئے کہا تا کہ اس بچے کی پیدائش کی کیفیت کے بارے میں سوال کریں، یعنی کس طرح ہمارا بچہ ہو سکتا ہے، کیا اس طرح کہ تو مجھے اور میری بیوی کو جوان بنادے، اس کے بانجھ پن کو ختم کر دے، یا اس کی صورت یہ ہو کہ تو مجھے کسی اور عورت سے بچہ عطا فرمائے، یا ہمیں پہلی حالت پر رکھتے ہوئے ہمیں بچہ عطا فرمادے۔

۳ ترکیب کلام مقلوب ہے، یعنی میں بوڑھا ہو چکا ہوں یا اس کا معنی یہ ہے مجھے بڑھاپے نے آلیا اور مجھے کمزور کر دیا۔ ان دونوں آپ کی عمر بانوے سال تھی۔ کبھی نے اسی طرح کہا ہے۔ ضحاک نے کہا انکی عمر ایک سو بیس سال تھی اور آپ کی زوجہ کی عمر اٹھانوے سال تھی (۱)

۴ یعنی میری بیوی بچہ نہیں جن سکتی۔ عاقر کا لفظ مذکر اور مونث میں برابر استعمال ہوتا ہے۔

۵ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی معاملہ اس طرح ہے یعنی تیرا بچہ پیدا ہوگا جبکہ آپ بوڑھے ہیں اور آپ کی بیوی بانجھ ہے۔ یا یہ خبر ہے اور مبتدا لفظ اللہ ہے۔ پھر ترکیب کلام یوں ہوگی کذلک اللہ یفعل ما یشاء۔ اس کا بیان ہوگا یا لفظ اللہ اسم جلالہ مبتدا ہوگا اور ما بعد جملہ اس کی خبر ہوگا اور کذلک مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوگا، یعنی اللہ تعالیٰ جو فعل چاہے ایسا کرتا ہے جس طرح یہ فعل یعنی اس کی مثل جو ہم نے آپ سے وعدہ کیا، اگرچہ خلاف عادت ہے۔ یا یہ ما یشاء سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْرًا ۖ  
وَإِذْ كُنَّا نَبِّئُكَ كَثِيرًا وَوَسَّيْنَا بِالْهَمِيمِ وَالْإِبْكَارِ ۝

”عرض کی اے میرے رب! مقرر فرمادے میرے لئے ۱ کوئی نشانی ۲ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں

سے ۳ تین دن مگر اشارہ سے ۴ اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت ۵ اور پاکی بیان کرو ۶ (اسکی) شام کے اور صبح ۷“

۱ حضرت نافع، ابو عمرو نے لی کی یاہ کو فتح اور باقی قراء نے اسے سکون دیا ہے۔

۴ یعنی علامت جس کے ذریعے سے میں اپنی بیوی کے حمل کے وقت کو پہچان لوں، پس تیرا شکر بجالانے کے لئے عبادت میں زیادتی کروں۔ (۱)

۵ یعنی تو لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنے پر قادر نہ ہوگا جب کہ تو ذکر پر قادر ہوگا۔

۶ مگر اشارہ کے ذریعے جیسے ہاتھ اور سر کے ساتھ اشارہ۔ اس کا (رمز) اصل معنی حرکت دینا ہے۔ یہاں مستثنیٰ منقطع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ یہاں کلام سے مراد وہ چیز ہے جو مافی الضمیر پر دلالت کرے۔ عطاء نے کہا اس سے مراد تین دن کے روزے ہیں کیونکہ جب وہ روزے رکھتے تو اشاروں کے ساتھ کلام کرتے۔

۷ یعنی جب تیرے لئے نشانی ظاہر ہو تو شکر بجالاتے ہوئے زیادہ ذکر کرو۔

۸ اور نماز پڑھ

۹ اس سے مراد ذوال شمس سے لے کر رات کے بعض حصہ کا گزر جانا یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء سب کہ یہ شامل ہے۔

۱۰ یعنی فجر کی نماز سے لے کر چاشت تک۔

وَ إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لَیْسَ لِمِیْمٍ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکِ وَ طَهَّرَکِ وَ اصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

”اور جب کہاں فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے جن لیا ہے تمہیں سچ اور خوب پاک کر دیا ہے تمہیں سچ اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے ہے“

۱۔ اس کا عطف اذ قالت امرأۃ عمران پر ہے۔

۲ یعنی جبرئیل امین نے براہ راست بات کی۔

۳ یعنی تجھے تجلیات ذاتیہ دائمہ کے ساتھ اپنے لئے منتخب کر لیا جسے صوفیاء نے کمالات نبوت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اصل میں تو انبیاء کے لئے ہوتا ہے جبکہ بالتبع صدیقین کے لئے بھی ہوتا ہے۔ آپ صدیقہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُمُّ صِدِّیقَاتٍ

۴۔ تجھے گناہوں سے پاک کیا حفاظت کرنے، بخشنے اور شیطان کو راہ نہ دینے کے ساتھ، جس طرح شیخین کی حضرت ابو ہریرہ سے مروی روایت میں گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ کو مردوں کے مس کرنے اور ایک قول میں حیض سے پاک کیا گیا ہے۔

۵ یعنی تجھے فضیلت دی تیرے زمانے کی عورتوں پر حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا کہ عورتوں میں سے بہترین مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سے بہترین خدیجہ الکبریٰ ہیں، متفق علیہ۔ ایک روایت میں ہے ابو کریم نے کہا اور کعب نے

آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جہاں کی عورتوں میں سے ازروئے عزو

شرف کے تیرے لئے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں (۲) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردوں میں سے تو کثیر کمال پر فائز ہوئے عورتوں میں سے کمال

پر فائز نہ ہوئی مگر بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون اور حضرت عائشہ کی فضیلت عورتوں پر یوں ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے (۳) متفق علیہ۔ میری رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا معنی یہ ہوگا کہ سابقہ امتوں میں سے کوئی عورت کمال پر فائز نہیں ہوئی مگر مریم اور

۱۔ تفسیر بغوی، جلد ۱، صفحہ ۲۹۰ (التجاریہ)

۲۔ جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۲۲۹ (وزارت تعلیم)

۳۔ صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۳۲ (د۔ت)

آیہ اسی پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ یہ جملہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حضرت مریم اور حضرت آسیہ پر فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنتی عورتوں یا (فرمایا) مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو۔ ابو داؤد، نسائی اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی عورتوں میں سے افضل حضرت خدیجہ بنت خویلد اور حضرت فاطمہ بنت محمد ﷺ ہیں (۱) احمد، ترمذی، نسائی ابن حبان اور حاکم نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا، اس نے مجھ پر سلام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی، اس نے مجھے خوشخبری سنائی کہ حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ حضرت مریم سے فضیلت رکھتی ہیں کیونکہ جنتی عورتیں عام ہیں یہ کسی زمانہ کی تخصیص پر دلالت نہیں کرتیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ”اس نے تجھے عالمین کی عورتوں پر جن لیا کیونکہ یہ کلام اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد اس زمانہ کی عورتیں ہوں جس طرح ہم نے کہا، لیکن ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے جسے ابو یعلیٰ، ابن حبان، حاکم اور طبرانی نے ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں سوائے حضرت مریم کے۔ امام ترمذی نے ام سلمہ سے انہوں نے حضرت فاطمہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ میں جنتی عورتوں کی سردار ہوں سوائے حضرت مریم کے۔ یہ دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مفضولہ عورتوں سے حضرت مریم حضرت فاطمہ سے افضل ہیں اور جو صحیحین میں مسعود بن محزمہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم کے ہاں ابن زبیر سے اسی کی مثل مروی ہے جو حضرت فاطمہ کی تمام مردوں اور عورتوں پر فضیلت کا تقاضا کرتی ہے، جس طرح امام مالک نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ٹکڑے کے ساتھ کسی کو ہم پلہ نہیں جانتے، لیکن جمہور اہل سنت کے نزدیک اس سے وہ لوگ خاص ہیں جن کی فضیلت قطعی طور پر ثابت ہے جیسے انبیاء اور صدیقین باقی عموم میں رہیں گے، واللہ اعلم۔

### لِیْمَرِیْمُ اَقْتَبِی لِرَبِّکَ وَاسْجُدِیْ وَاسْکَعِیْ مَعَ الرَّکِیْعِیْنَ ۝۳۳

”اے مریم! خلوص سے عبادت کرتی رہ اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ لے“

یعنی اے مریم شکر بجالانے کے لئے نماز میں قیام کو لمبا کرو اور جماعت میں نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو یہاں رکعات مؤنث کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہوتی ہیں، اس کے برعکس نہیں ہوتا پس یہ حکم عورتوں کو بھی شامل ہوگا۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغٰیْبِ نُوْحِیْہٖ اِلَیْکَ ۙ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْہُمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَہُمْ

اَیُّہُمْ یُکْفَلُ مَرْیَمَ ۙ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْہُمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ۝۳۴

”یہ لے (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں لے ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف سے اور نہ تھے آپ ان کے پاس

جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں لے (یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ) کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی ہے اور

نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے لے“

لے یہ مبتدا ہے۔ اس کا مشار الیہ وہ قصبے ہیں جو ذکر کئے گئے



۱۰ انباء سے مراد خبریں ہیں۔

۱۱ یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک خبر ہو دوسرا جملہ حال ہو۔

۱۲ یہ قرعہ اندازی کے لئے جھگڑا کر رہے تھے۔ یہ سابقہ کلام کہ وہ وحی ہے، اس کی وضاحت کے لئے ہے اور منکرین کے استہزاء کے لئے ہے کیونکہ علم کے اسباب تین چیزوں میں محصور تھے 1- عقل 2- خبر کا سماع اور 3- حواس، قصوں کا عقل کے ذریعے ادراک نہ ہونا بدیہی امر ہے، سماع کا نہ ہونا یہ بھی معلوم ہے۔ اس کے بارے میں ان کے نزدیک کوئی شبہ نہ تھا کیونکہ حضور ﷺ امی تھے خبریں بھی منقطع تھیں۔ پس ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ آنکھوں سے دیکھنے کا احتمال ہو کوئی عقلمند اس کا گمان بھی نہیں کر سکتا پس حضور ﷺ کا واقعہ کے مطابق قصوں کو بیان کرنا آپ کا معجزہ ہے اور آپ کے نبی ہونے اور جو آپ ان لوگوں پر تلاوت کرتے ہیں اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر دلیل قطعی ہے۔

۱۳ یہ جملہ استفہامیہ ہے اور محذوف کلام کے متعلق ہے جس پر ماقبل کلام دلالت کرتی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی مُلْقُونَ أَقْلَامُهُمْ يَقُولُونَ أَيُّهُمْ مُكْفِلٌ مَرِيَمَ

۱۴ یعنی اس کفالت میں جھگڑا کرتے تھے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لَیْمَرِیْمُ إِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکَ بِکَلِمَةٍ تُوَیِّدُہَا ۗ اِسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسٰی

اِبْنُ مَرْیَمَ وَجِیہَا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنْ الْمَقْرَّاتِ ۙ بَیِّنًا ﴿۱۰﴾

”جب کہا فرشتوں نے اے مریم! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ ہے

بن مریم ہے ہوگا معزز پیدا ہوگا دنیا کے اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقررین سے ہوگا۔ ۹“

۱۰ إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ، یہ پہلے اذ قالت سے بدل ہے اور ان کے درمیان جملے معترضے ہیں جو نبی کریم ﷺ پر وحی کر کے بطور احسان ذکر کئے گئے ہیں، ساتھ ہی ساتھ کفار کی جہالت اور ان کے عناد پر آگاہ کرنے کے لئے انہیں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۱ اسمہ مبتدا ہے اور اس میں ضمیر کلمہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ضمیر مذکر لانے کی وجہ اس کا معنی ہے کیونکہ کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔

۱۲ یہ اسمہ کی خبر ہے اور جملہ کلمہ کی صفت بن رہا ہے۔ قاموس میں ہے کہ مسیح اضداد میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مبارک پیدا فرمائے یا ملعون

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برکت کی وجہ سے مسیح کہا گیا اور دجال کو اس کی نحوست اور ملعونیت کی وجہ سے مسیح کہا گیا۔ قاموس کی کلام ختم ہوئی۔

عبرانی زبان میں اس کی اصل مسیح ہے جس کا معنی مبارک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے فرمایا کیونکہ آپ سے

آلودگیوں کو دور کر دیا گیا اور گناہوں سے پاک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے کہا گیا کہ آپ

زمین میں سیاحت فرماتے اور کسی جگہ بھی مقیم نہ ہوتے۔ قاموس میں یہ بھی ہے مسیح زیادہ سیاحت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ابراہیم نخعی نے کہا

مسیح سے مراد صدیق ہے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور جھوٹا مسیح وہ دجال ہے۔ یہ کلمہ اضداد میں سے ہے۔ اسی طرح قاموس میں

ہے۔ صحاح کے اندر ہے بعض نے کہا مسیح اسے کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ نہ ہو روایت بیان کی گئی ہے کہ دجال اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے اس

کی دائیں آنکھ نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا کہ آپ کی بائیں آنکھ متاثر تھی۔ دونوں قولوں کا معنی یہ ہے کہ دجال سے

اچھی خصلتیں زائل کر دی گئیں جیسے ایمان، علم، عقل، حلم اور تمام اچھے اوصاف اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تمام مذموم صفات زائل کر دی

گئیں جیسے جہالت، حرص، بخل اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔ صاحب قاموس نے کہا میں نے لفظ مسیح کے اشتقاق کی وجہ سے شرح مشارق

الانوار میں پچاس اقوال ذکر کئے ہیں۔

۴۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ یسوع سے معرب ہے جس کا معنی سید ہے۔ یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ہو عیسیٰ یہ آپ کا علم ہے اور مسیح آپ کا لقب ہے اور اسم دونوں سے اور کنیت سے بھی عام ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے جو کسی چیز کو ماسوی سے ممتاز کر دے۔

۵۔ جب یہ صفت اسماء کے تمیز دینے کی طرح تمیز دیتی ہے تو اسے اسماء کے ضمن میں ذکر کر دیا۔ یہ نہیں فرمایا اسماء ہ المسیح عیسیٰ ابن مریم کیونکہ اسم جنس ہے اور استغراق کے لئے مضاف ہے۔ استغراق اگرچہ کل فرد کے معنی میں ہوتا ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ استغراق افرادی کے مجموعہ پر متعدد کو محمول کیا جائے جس مجموعہ کو استغراق اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہو جو کلمہ واحد کے معنی میں ہو جس طرح اس آیت کریمہ میں مَا مِنْ ذَاتٍ إِلَّا أُمَّةٌ أَمْثَلَكُمْ یہ بھی جائز ہے کہ ابن مریم مبتدا محذوف کی خبر ہے جو صواب ہے۔ یہ جائز نہیں کہ ابن مریم ترکیب میں عیسیٰ کی صفت بنے کیونکہ آپ کا نام عیسیٰ ہے۔ پس یہ چیز تیرے لئے کافی ہے کیونکہ آپ کا نام عیسیٰ بن مریم نہیں۔ یہاں ابن مریم فرمایا جبکہ خطاب حضرت مریم کو ہے اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے کہ آپکی ولادت بغیر باپ کے ہوئی کیونکہ عموماً اولاد کو آباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، ماں کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا مگر اس صورت میں جب اس کا باپ مفقود ہو۔ واللہ اعلم۔

۶۔ یہ کلمہ سے حال مقدرہ ہے اگرچہ کلمہ نکرہ ہے لیکن موصوف ہونے کی وجہ سے ذوالحال بن سکتا ہے۔ حال کو مذکر لانا معنی (عیسیٰ علیہ السلام) کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے، یعنی شریف رفیق جو قدر و شان والے ہیں۔

۷۔ دنیا میں نبوت کے عطا کرنے اور مخلوق کے مقتدی ہونے کی وجہ سے۔

۸۔ امتوں کی شفاعت کرنے اور جنت میں بلند مقام کے حامل ہونے کی وجہ سے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کا ذاتی قرب حاصل کرنے والے اور ذاتی دائمی تجلیات سے مالا مال اس کا عطف و جیہا پر ہے۔

### وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰﴾

”اور وہ گفتگو کرے گا لوگوں سے کہواریں میں لے اور پکی عمر میں بھی لے اور نیکو کاروں میں سے ہوگا لے“

۱۰۔ یعنی دودھ پینے کی حالت میں فی المہد، یکلم کی ضمیر سے حال ہے

۱۱۔ یہ فی المہد پر معطوف ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پینے اور کہولت کی عمر میں انبیاء کی کلام کے مطابق کلام کرتے ہیں اول عمر اور آخری عمر میں کوئی فرق نہیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آپ سن رسیدہ ہوں گے اور آپ کو موت نہیں آئے گی یہاں تک کہ آپ کہولت کی عمر کو پہنچیں گے، جبکہ آپ کی عمر بھی کہولت کو نہ پہنچی تھی۔ حسن بن فضل نے کہا کھلا سے مراد یہ ہے کہ آسمان سے نازل ہونے کے بعد آپ گفتگو کریں گے کیونکہ کہولت کی عمر سے قبل ہی آپ کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا۔ مجاہد نے کہا کھلا کا معنی حلیم ہے عرب کہولت کی تعریف کرتے کیونکہ عقل کی استحکام اور جودہ رائے تجربہ کی عمدگی میں درمیانی حالت ہے کیونکہ اس سے قبل تجربہ کم ہوتا ہے یا عقل اپنے کمال تک نہیں پہنچی ہوتی اور اس کے بعد کی عمر میں عقل کمزور ہو جاتی ہے۔ یکلم الناس کا من المقربین پر عطف ہے اور دودھ پینے کی عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گفتگو کرنے میں حضرت مریم کے لئے بھی تسلی ہے کہ آپکو جو قوم کی طرف سے ملامت کا خوف تھا کہ آپ نے خاوند کے بغیر بچہ جنا ہے۔

۱۲۔ یہ جائز ہے کہ اس کا عطف یکلم الناس پر کیا جائے، یعنی صالحین میں سے ہوتے ہوئے کہ دین میں کسی قسم کا نقص اور فساد داخل نہ ہو، یہ

انبیاء کی شان ہے، گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ آپ انبیاء میں سے ہیں۔

قَالَتْ رَبِّ اَنْتَ يَكُونُ لِىْ وَلَدًا وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشْرًا ۗ قَالَ كَذٰلِكَ اَللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۰۱﴾

”مریم بولیں اے میرے پروردگار! کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگا یا مجھے کسی انسان نے نہ فرمایا ہے بات یونہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن) اللہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا ہے تو بس اتنا ہی کہتا ہے اے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔“

۱۔ یعنی مریم نے کہا

۲۔ استفہامیہ کلام تعجب اور عادت سے بعید ہونے کے اظہار کے لئے ہے۔ یا استفہام اس حوالے سے ہے کہ کیا بچہ شادی کی صورت میں یا بغیر شادی کی صورت میں ہوگا۔

۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کی زبان سے فرمایا۔

۴۔ قہصی امر کا معنی ہے کسی چیز کے ہونے کو مقدر کرنا

۵۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اشیاء کو تدبیراً عادی اسباب اور مادہ کے ساتھ پیدا کرے، وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ اشیاء دفعہً بغیر سبب کے بھی پیدا کرے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْحٰدَةَ وَاِلٰى نَجِيْلٍ ﴿۱۰۲﴾

”اور اللہ تعالیٰ سکھائے گا اسے ۱۔ کتاب ۲۔ حکمت اور تورات اور انجیل ۳۔“

۱۔ نافع، عاصم اور یعقوب نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور یخلاق پر اس کا عطف ہے یا بشارت پر اس کا عطف ہے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کا عطف بھی مذکورہ افعال پر ہوگا، تاہم التفات کا قاعدہ جاری ہوگا، یا یہاں سے کلام کو نئے سرے سے شروع کیا ہے تاکہ ان کے دل کو پاک کیا جائے اور اس غم کو دور کیا جائے جو اس ملامت کے خوف کی وجہ سے لاحق تھا۔ جب آپ نے یہ جانا کہ وہ بغیر خاوند کے بچہ جنم لے گا۔

۲۔ یعنی کتاب اور خط آپ لوگوں سے از روئے خط کے بہترین تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں اس سے مراد تمام نازل شدہ کتابیں ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کتب سماویہ کا علم سکھاتا ہے۔ دو کتابوں کا ذکر مزید اہتمام کے لئے ہے کیونکہ ان پر یہ فرض تھا کہ اعمال فرعیہ میں ان کی اقتدا کریں جبکہ اصول دین میں تمام کتابوں کا مقتضی ایک ہی ہے۔

۳۔ یعنی فقہ تورات اور انجیل۔

وَسَاوِلًا اِلٰى بَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ اَنْتِىْ قَدْ جِئْتِكُمْ بِآيٰتٍ مِّنْ رَبِّكُمْ اَنْتِىْ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَاَلْبَرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتِىْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدْخِرُوْنَ لِىْ

## يُؤْتِكُمْ اِنْ فِي ذٰلِكَ لَآيَةٌ لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٦﴾

”اور (بھیجے گا اسے) رسول بنا کر ۱۔ بنی اسرائیل کی طرف ۲۔ (وہ انہیں آ کر کہے گا کہ) میں سح آ گیا ہوں تمہارے پاس ایک معجزہ لے کر ۳۔ تمہارے رب کی طرف سے ۴۔ (وہ معجزہ یہ ہے کہ) میں ۵۔ بنا دیتا ہوں تمہارے لئے کچھڑے کے پرندے کی سی صورت ۶۔ پھر پھونکتا ہوں اس (بے جان صورت) میں ۷۔ تو وہ فوراً ہو جاتی ہے پرندہ ۸۔ اللہ کے حکم سے ۹۔ اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو ۱۰ اور (لاعلاج) کوڑھی کو ۱۱ اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے ۱۲ اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں ۱۳ بے شک ان معجزوں میں (میری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان دار رہو ۱۴۔“

۱۔ رسولاً فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس کا عطف بعلمہ پر ہے۔ اس پر تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وَنَجْعَلُهُ رَسُوْلًا عَظِيْمًا۔

۲۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ بچپن میں ہی رسول تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ بلوغت کے بعد آپ کو یہ منصب تفویض ہوا۔ بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

۳۔ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے اور جار مجرور ملکر رسولاً کے متعلق ہے، یعنی رسولاً بانی یا یہ متقدمہ احوال پر معطوف ہے جو لفظ کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہیں، یعنی ناطقاً بآئینی

۴۔ آیت سے مراد معجزہ ہے۔ جو میری رسالت پر دال ہے۔ یہاں آیت فرمایا جب کہ آپ کئی آیات (معجزات) لائے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام معجزات آپ کی صداقت پر دلالت کرنے کے لئے ایک آیت کی طرح ہیں۔

۵۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف مستقر ہو اور آیت کی صفت ہو یا یہ بھی جائز ہے کہ جنتکُم کے متعلق ہو۔

۶۔ نافع، ابن کثیر اور ابو عمر نے یاہ کو مفتوح پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ نافع نے انہی کے ہمزہ کو کسور پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستاتھ ہے اور باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ آئنی قَدْ جنتکُم سے بدل ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ آیت سے بدل ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہو یہ بھی جائز ہے کہ محل رفع میں ہو اور تقدیر کلام یوں ہو ای ہی انہی

۷۔ لکم من الطین میں تمہارے لئے مٹی سے ایک صورت بناتا ہوں، یعنی اخلق کا مفعول بہ صورت محذوف ہے اور اخلق اصور (میں تصویر بناتا ہوں) یا اقدر (میں مقدر کرتا ہوں) کے معنی میں ہے۔

۸۔ ہیئت تیار شدہ صورت کو کہتے ہیں۔ الطیر کو ابو جعفر نے یہاں اور مائدہ میں طائر پڑھا ہے۔

۹۔ ضمیر سے مراد الطین (مٹی) ہے، یا ضمیر کھینچنے کے کاف کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی اس پرندہ کی مثل میں پھونک مارتا ہوں

۱۰۔ اکثر قراء نے یہاں طیر کو جمع پڑھا ہے کیونکہ انہوں نے بہت سارے پرندے بنائے تھے نافع، یعقوب اور ابو جعفر نے طائر کو مفرد پڑھا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک طائر تھا۔ امام بغوی نے کہا آپ نے چمگاڈ کے علاوہ کوئی پرندہ نہ بنایا چمگاڈ کو اس لئے خاص کیا کیونکہ یہ پرندوں میں سے کامل ترین ہے کیونکہ اس کے پستان اور دانت ہوتے ہیں۔ اسے حیض آتا ہے۔ وہب نے کہا جب تک لوگ اسے دیکھتے رہتے وہ ازار ہتا جب لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتا تو مر کر گر جاتا۔ ایسا صرف اس لئے ہوتا تھا کہ براہ راست اخدائی تخلیق اور بندہ کی وساطت

سے تخلیق میں فرق واضح ہو جائے۔ (۱)

۱۱ اللہ تعالیٰ کے امر سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کن اس پر آگاہ کرتا ہے کہ اسے زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے۔

۱۲ اکمہ کا معنی جو پیدائشی اندھا ہو یا جس کی آنکھیں ہی نہ ہوں۔ ابن عباسؓ نے یہی کہا ہے۔ حسن اور سدی نے کہا اس سے مراد نابینا ہے۔ عکرمہ نے کہا اس سے مراد اعمش ہے۔ اعمش وہ ہوتا ہے جس کی نظر کمزور اور آنسو زیادہ بہتے ہوں مجاہد نے کہا جو دن کو دیکھے اور رات کو نہ دیکھے۔ ۱۳ یہ ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے جسم پر سفید داغ بن جاتے ہیں یعنی کوڑھی یہ دونوں ایسی امراض ہیں جن سے طبیب عاجز آچکے تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اکثر مرض تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی حوالہ سے انہیں معجزہ دکھایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو عام تھا تو آپ نے ہر ماہر جادوگر کو عاجز کرنے کا معجزہ دکھایا نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بلاغت اپنے عروج پر تھی تو قرآن حکیم نے ان سب کو عاجز کر دیا اور فرمایا: فَأَلْزَمُوا بَئِشًا قَتِيلًا وہب بن منبہ نے کہا بعض اوقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پچاس ہزار مریض جمع ہو جاتے جو آپ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا، وہ آپ تک پہنچتا اور جو آپ تک نہ پہنچ پاتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اس کے پاس تشریف لے جاتے آپ مریضوں، پاجبوں، اندھوں اور دوسرے لوگوں کے لئے یہ دعا کرتے اے اللہ تو زمین و آسمان میں رہنے والوں کا معبود ہے ان میں تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو زمین و آسمان میں رہنے والوں پر غالب ہے، تیرے سوا ان میں کوئی جبار نہیں تو زمین و آسمان میں رہنے والوں کا مالک ہے، تیرے سوا ان میں کوئی بادشاہ نہیں، تیری زمین میں قدرت اس طرح نافذ ہے جس طرح آسمان میں تیری زمین میں اس طرح بادشاہت ہے جس طرح آسمان میں تیرے معزز نام، روشن چہرے اور قدیمی بادشاہت سے سوال کرتا ہوں، بیشک تو ہر شے پر قادر ہے۔ وہب نے کہا یہ دعا خوف اور جنون کے لئے موثر ہے۔ اسے مریض پر پڑھے اور لکھے اور اس کا پانی پیاجائے ان شاء اللہ وہ تندرست ہو جائے گا۔

۱۴ الوہیت کے وہم کو دور کرنے کے لئے باذن اللہ کے لفظ کو کمر رذ کر فرمایا کیونکہ زندگی عطا کرنا انسانوں کے افعال میں سے نہیں۔ امام بغوی نے کہا ابن عباس نے کہا آپ نے چار آدمیوں کو زندہ کیا تھا جن کے نام یہ ہیں: عاذر، ابن عجز، بنت عاشر اور سام بن نوح۔ عاذر آپ کا دوست تھا، اس کی بہن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کا بھائی عاذر فوت ہو چاہتا ہے۔ عاذر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان تین دن کی مسافت تھی، آپ خود اور آپ کے صحابہ تشریف لائے، آپ نے دیکھا کہ اسے مرے ہوئے تین دن گزر چکے ہیں۔ آپ نے اس کی بہن سے فرمایا میرے ساتھ اس کی قبر تک چلو، وہ آپ کے ساتھ اس کی قبر تک گئی، آپ نے دعا کی تو عاذر اٹھ کھڑا ہوا جبکہ چمڑے سے تیل قطرات کی صورت میں بہ رہا تھا۔ وہ قبر سے نکلا، وہ زندہ رہا اور اس کی اولاد بھی ہوئی رہا۔ ابن عجز تو اسے لوگ چار پائی پر اٹھا کر آپ کے پاس سے گزرے آپ نے دعا کی تو وہ چار پائی پر بیٹھ گیا اور لوگوں کی گردنوں سے نیچے اتر آیا، اپنے کپڑے پہنے اور چار پائی خود اٹھا لیا، گھر پلٹا زندہ رہا اور اس کی اولاد ہوئی۔ بنت عاشر اس کا والد عشر (نیکس و صول کرتا تھا) ایک دن پہلے اس کی بیٹی مر گئی، آپ نے اس کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا وہ زندہ رہی اور اس کی اولاد بھی ہوئی رہا۔ سام بن نوح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی قبر کے پاس تشریف لائے اللہ تعالیٰ کے نام کے وسیلے سے دعا کی، وہ قبر سے نکلا جبکہ اس کا نصف سر قیامت کے خوف سے سفید ہو گیا جبکہ اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہ ہوتے تھے اس نے پوچھا کیا قیامت برپا ہوگئی؟ فرمایا نہیں، لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کے وسیلے سے دعا کی پھر فرمایا

اب مر جا اس نے عرض کی اس شرط پر کہ موت کی نختیوں سے اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے۔ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی۔ (1)

۱۵۔ جسے میں نے دیکھا نہیں ہوتا، اس کی خبر دیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک آدمی کو اس چیز کی خبر دیتے جو اس نے گزشتہ رات کھایا، جو وہ آج کھائے گا اور جو اس نے رات کے لئے ذخیرہ کیا ہے۔ سدی نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کتاب کی تعلیم کے دوران بچوں سے اس بارے میں باتیں کرتے جو ان کے آباء عمل کرتے تھے۔ آپ ایک لڑکے سے فرماتے جاؤ، تیرے گھر والوں نے فلاں فلاں چیز کھائی ہے اور تیرے لئے یہ چیز رکھی ہے وہ بچہ گھر جاتا وہ روتا یہاں تک کہ گھر والے اسے وہ چیز دے دیتے گھر والے کہتے تھے یہ کس نے بتایا؟ تو بچہ کہتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔ تو لوگوں نے بچوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے سے منع کر دیا اور کہا تم اس جادوگر سے نہ ملا کرو۔ لوگوں نے اپنے بچوں کو ایک گھر میں جمع کر دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچوں کی تلاش میں ان کے پاس آئے۔ لوگوں نے کہا بچے یہاں نہیں ہیں۔ آپ نے پوچھا اس گھر میں کیا ہے؟ لوگوں نے کہا خنازیر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چلو ایسے ہی سہی۔ جب لوگوں نے دروازہ کھولا تو سب بچے خنزیر بن چکے تھے۔ یہ بات بنی اسرائیل میں پھیل گئی تو بنو اسرائیل نے آپ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، آپ کی والدہ ان کے ارادہ کو بھانپ گئیں آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک سواری پر سوار کیا اور سرزمین مصر کی طرف چلی گئیں۔ قتادہ نے کہا یہ واقعہ ماندہ (دستر خوان) کے بارے میں ہوا جہاں کہیں وہ ہوتے من و سلوی جیسا کھانا ان پر نازل ہوتا انہیں حکم دیا گیا اس میں خیانت نہ کریں اور نہ ہی اس کو چھپائیں انہوں نے اس میں خیانت بھی کی اور کھانا بھی چھپالیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس کے بارے میں بھی آگاہ کیا جو انہوں نے کھانا کھایا تھا اور اس کے بارے میں بھی آگاہ کیا جو انہوں نے ذخیرہ کیا تھا پس اللہ تعالیٰ نے انہیں خنزیروں کی صورت میں مسخ کر دیا۔ (2)

۱۶۔ یہاں اسم اشارہ سے مراد ایسے امور ہیں جو خارق للعادة ہیں جو دعویٰ نبوت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہیں تاکہ تم اس کے ذریعے ہدایت پا جاؤ، یعنی تمہیں ایمان لانے کی توفیق دی گئی پس تم ایمان لاؤ۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَلَا جِلَّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي هُرِّمَ عَلَيْكُمْ

وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۵

”اور میں تصدیق کرنے والا ہوں۔ اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتاب تورات کی ہے اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر ہے اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے ہے سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو۔“

۱۔ اس کا عطف رسولاً پر ہے، یا یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر قد جنتکم دلالت کرتا ہے، یعنی کلام یوں ہے وَجِئْتُكُمْ مُصَدِّقًا ۝۵ انبیاء کی یہی شان تھی جو تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتے اور بعض بعض کی تصدیق کرتے۔

۲۔ یعنی بعض وہ چیزیں جو تورات میں حرام تھیں جیسے کچھ گوشت اور چربی ان کی حرمت کو منسوخ کرنے والا ہوں۔ نسخ تصدیق کے منافی نہیں ہوتا جس طرح قرآن حکیم کا بعض حصہ بعض حصہ کو منسوخ کر دیتا ہے۔ جار مجرور کا تعلق فعل محذوف قد جنتکم کے ساتھ ہے، یا اسے سابقہ قد جنتکم کی طرف ہی لوٹایا جائے گا، یا یہ معنوی طور پر مصدقاً کے اوپر معطوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لِأَصْدِقٍ وَلَا جِلَّ

۳۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں آیت سے مراد انجیل کی آیات ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے تاکید کے لئے اور حکم کے قریب کرنے کے لئے مکرر

لایا گیا ہو۔ اسی وجہ سے اس پر اس حکم کو مرتب کیا گیا۔

یہ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو جو تم میری مخالفت کرتے ہو اور مجھے جھٹلاتے ہو جو میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں اس میں تم میری اطاعت کرو۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا لَهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

”بے شک اللہ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے مجھے اور مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں سو اس کی عبادت کرو۔ یہی

سیدھا راستہ ہے۔“

۱۔ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا فِي جَوْهَرِ مَجْمَلِ تَهْيَا هَا اس کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے، کیونکہ رب العالمین کے ارشاد إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قوت نظریہ کا کمال اعتقاد حق کے ساتھ ہوتا ہے جس کی غایت توحید ہے۔ اس جملہ میں پہلے اپنی ذات کے بارے میں عبودیت کا اقرار کیا تا کہ اس فتنہ کا سدباب ہو جو ان کی قوم کی طرف سے اس قول سے پیدا ہوتا ہے کہ آپ نعوذ باللہ ابن اللہ یا ثالث ثلاثہ ہیں اور فاعبدوہ میں اشارہ قوت عملیہ کی طرف ہے جو اوامر کو بجالانے اور مناسبات سے رکنے پر حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس قول کے ساتھ ان دونوں کی تاکید بیان کی۔

۲۔ یعنی دونوں امروں کو جمع کرنے والا راستہ ہی وہ راستہ ہے جس کے خیر ہونے کے بارے میں شہادت دی گئی۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا معنی بھی یہی ہے قُلْ اَعْتَدْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اَسْتَعِمْ۔ یہ ارشاد آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ سے ایک صحابی نے یہ عرض کی تھی کہ اے پیارے آقا مجھے اسلام کے بارے میں ایسی تعلیم ارشاد فرمائیں کہ آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ اسے اصحاب سنیں، احمد اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمْ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ

نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّكَ مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾

”پھر جب اے محسوس کیا عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کفر (وا انکار) سے (تو) آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار ہیں

اللہ کی راہ میں ہے (یہ سن کر) کہا حواریوں نے اے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی لیے ہم ایمان لائے ہیں اللہ

پر اور (اے نبی) آپ گواہ ہو جائیو کہ ہم (حکم الہی کے سامنے) سر جھکائے ہوئے ہیں۔“

۱۔ یہ ظرف زمان ہے جس میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے جس کا جواب مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ

۲۔ ہم ضمیر سے مراد بنی اسرائیل ہیں

۳۔ یعنی جب ان کی طرف سے جھٹلانے کو سنا اور ان کے قول عزیر بن اللہ کو سنا اور ان سے ایسے آثار دیکھے جو کفر پر دلالت کرتے تھے۔ کلام کے اندر حذف کے ساتھ اختصار ہے۔ سابقہ کلام اس کے حذف کے اوپر دلیل ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے فَوَلَدَتْ مَرْيَمُ عِيسَى وَكَلَّمَ عِيسَى قَوْمَهُ فِي الْمَهْدِ وَبَلَغَ الْكَمَالَ حَتَّى صَارَ نَبِيًّا عَالِمًا بِالتَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَدَعَا النَّاسَ إِلَى الْهُدَى وَأَتَى بِالْمُعْجَزَاتِ الْمَذْكُورَاتِ وَأَنْكَرَهُ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَكَذَّبُوهُ وَأَتَوْا بِمَا يَدُلُّ عَلَى الْكُفْرِ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمْ الْكُفْرَ لَعِنَ حَضْرَتِ مَرْيَمَ فِي حَضْرَتِ عِيسَى كَوْنَهُمْ دِيَا حَضْرَتِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ نِيَا بَنُوكُوْرِي فِي مِثْلِ قَوْمِ سِيَا كِي أُوْر كَمَالِ پَر فَا نَزَّ هُوَ فِي يِهَا بِتَك كُوْه نَبِي هُوَ، جُو تُوْرَاتِ

اور انجیل کے عالم تھے، آپ نے لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دی، مذکورہ معجزات دکھائے۔ بنو اسرائیل نے آپ کا انکار کیا اور تکذیب کی اور ایسا طرز عمل استعمال کیا جو کفر پر دلالت کرتا ہے تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر کو محسوس کیا تو فرمایا کون ہیں میرے مددگار؟ یہ نافع نے انصاری کی یاہ کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے سکون پڑھا ہے۔

یہاں الی مع کے معنی میں ہے، جس طرح اس آیت کریمہ میں ہے: لَا تَأْتِيكُمُ الْاَمْوَالُ الْيَقِيْنُ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَئِنْ اَنْتُمْ تَحِبُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنْزِلْ عَلٰیكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَائِدًا مِّنَ اللّٰهِ فَتَكُوْنُوْنَ اُمَّةً مَّقْبُوْلَةً ۗ (آل عمران: ۱۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اللہ تعالیٰ کی راہ یا اس کی رضا کی خاطر میرا کون مددگار ہے، یعنی کون میرا مددگار ہوگا اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنے والا ہو یا اس نے جو حکم دیا ہے اس کو بجالانے والا ہو یا اس کو ساتھ ملانے والا ہو۔

۱۰۔ حواری سے مراد خالص دوست ہے۔ یہ حور سے مشتق ہے جس کا معنی خالص سفیدی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ کلمات تین دفعہ ارشاد فرمائے جب آپ نے لوگوں کو غزوہ خندق میں دعوت دی، ہر دفعہ حضرت زبیر بن عوام نے لبیک کہی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے، میرا حواری زبیر بن عوام ہے۔ (۱) متفق علیہ۔

قاموس میں ہے حواری سے مراد مددگار یا انبیاء کا مددگار، دھوبی اور گہرا دوست ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کو دین میں ان کی خلوص نیت اور آپ کے مددگار ہونے کی وجہ سے حواری کہا گیا۔ اس قسم کا قول حضرت حسن اور سفیان کا بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ بادشاہ تھے جن سے آپ نے مدد طلب کی تھی، یہ یہودی تھے، انہیں حواری اس لئے کہا گیا کیونکہ وہ سفید لباس زیب تن کرتے تھے۔ ابن جریر نے ابی ارطاة سے ایک روایت نقل کی ہے یہ لوگ دھوبی تھے جو کپڑے دھوتے (۲) ضحاک نے کہا انہیں یہ نام دل کی صفائی کی وجہ سے دیا گیا کیونکہ وہ گناہوں سے پاک تھے ابن مبارک نے کہا انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا کہ ان پر عبادت کا اثر اور اس کا نور عیاں تھا۔ عربوں کے نزدیک حور کا اصل معنی سفیدی کی زیادتی ہے۔ کلیبی اور عکرمہ نے کہا اس سے مراد صوفیاء ہیں۔ یہ کل بارہ افراد تھے۔ روح بن قاسم نے کہا میں نے قتادہ سے حواریین کے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو خلافت کے لائق ہوں۔ انہیں سے ایک قول یہ بھی مروی ہے حواری سے مراد وزراء ہیں۔ مجاہد اور سدی نے کہا یہ مچھلی کے شکاری تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ملاح تھے۔ ۱۰۔ یعنی ہم اس کے دین کے حمایتی ہیں۔

۱۱۔ اے عیسیٰ علیہ السلام اس روز گواہی دینا جس روز رسول اپنی قوموں کے حق میں اور ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں ایک چیز ہیں۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِيْنَ ۝۵۷

”اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمایا۔ اور ہم نے تابعداری کی رسول کی ۲۔ تو لکھ لے ہمیں (حق

پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ ۵۷۔“

۱۔ اس سے مراد آسمانی کتابیں، یعنی انجیل اور دوسری کتب ہیں۔

۲۔ یہاں رسول سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، انہوں نے جو بھی ہمیں حکم دیا۔

۳۔ یعنی ہم تیری وحدانیت کی اور تیرے انبیاء کی صداقت کی گواہی دینے والے ہیں۔ عطاء نے کہا یہاں شاہدین سے مراد انبیاء ہیں کیونکہ



ہر نبی اپنی امت کے حق میں گواہ ہوتا ہے۔ ابن عباس نے کہا یہاں شاہدین سے مراد حضور ﷺ اور آپ کی امت ہے کیونکہ یہ انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی قوموں کو تبلیغ کی۔ (۱)

### وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينِ ۝۲

”اور یہودیوں نے بھی (سج کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی۔ اور (سج کو بچانے کے لئے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔“

۱۔ وہ لوگ جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کفر محسوس کیا جب ان لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ کلیبی نے ابوصالح سے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کی ایک جماعت کو ملے جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہا جادو گرنی کا بیٹا آیا ہے انہوں نے آپ پر اور آپ کی ماں پر تہمت لگائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی حق میں بددعا کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں خنزیر بنا دیا۔ جب یہودیوں کے رئیس اور اس کے امیر نے یہ دیکھا تو وہ گھبرا گیا اور آپ کی دعوت سے خوف کھانے لگا تو تمام یہودی آپ کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے اور قتل کرنے میں جلدی کی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو بھیجا جبرئیل امین نے آپ کو کھڑکی سے اندر داخل کیا اور چھت کے روشن دان سے آسمانوں کی طرف اٹھالیا۔ یہودیوں کے سردار نے آپ کے ایک ساتھی طیطیانوس کو اندر بھیجا تاکہ آپ کو قتل کر دے، وہ اندر داخل ہوا تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی گئی۔ جب وہ آدمی باہر نکلا تو یہودیوں نے گمان کیا کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو لوگوں نے اسے قتل کر دیا (۲) اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

۲۔ مکر اصل میں ایسے حیلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے کسی غیر کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس فعل کی نسبت مقابلہ کے طور پر ہوتی ہے زجاج نے کہا اللہ تعالیٰ کے مکر سے مراد ان کے مکر کی انہیں سزا دینا ہے تو جزاء کو بھی فعل کا نام دیا گیا کیونکہ جزاء بھی اس کے عمل کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔

۳۔ یعنی ان سے زیادہ قوت والا اور زیادہ قدرت والا ہے کہ انہیں وہاں سے تکلیف پہنچائے جس کا وہ اندازہ بھی نہ کر سکیں۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْقُوبَ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَخَذْنَا بَيْنَكُمْ فَيَسًا لِّتُمْ فِيهِ تَخَلُفُونَ ۝۳

”یاد کرو جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف۔ اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تہمتوں) سے جنہوں نے (تیرا) انکار کیا۔ اور بتانے والا ہوں ان کو جنہوں نے تیری پیروی کی غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک۔ پھر میری طرف ہی لوٹ کر آتا ہے تم نے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔“

۱۔ یہ مکر اللہ کی طرف ہے یا یہ فعل محذوف کی طرف ہے جیسے وقع۔

۲۔ الی سے مراد کرامت کی جگہ یا فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ حسن بصری، کلیبی اور ابن جریج نے کہا اس کا معنی ہے میں تجھے قبض کرنے والا

ہوں اور دنیا سے بغیر موت کے اٹھانے والا ہوں جبکہ انہوں نے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے توفیت کذا یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو پورا پورا حق وصول کرے۔ دوسری تاویل میں تجھے قبض کرنے والا ہوں۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے تَوَفَّيْتُ مِنْهُ كَذَا یعنی جب تو اس سے وہ چیز قبض کرے۔ ابن جریر نے ربیع بن انس سے روایت کیا ہے۔ یہاں توفی سے مراد نیند ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے انہیں نیند کی حالت میں ہی آسمانوں کی طرف اٹھالیا۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا میں تجھے نیند عطا کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُوَ الَّذِي يَتَوَفَّيْكُمْ بِاللَّيْلِ بَعْضُ نِيَامِكُمْ توفی سے مراد موت ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے میں تجھے موت عطا کرنے والا ہوں۔ بغوی نے کہا اس صورت میں بھی اس کی دو تاویلیں ہیں 1۔ وہب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دن کی تین ساعتیں موت عطا کی پھر انہیں آسمانوں کی طرف اٹھالیا۔ محمد بن اسحاق انصاری نے کہا لوگوں کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سات ساعتیں موت عطا کی پھر زندہ کیا پھر آسمانوں کی طرف اٹھالیا (1) ابن جریر نے بھی ان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ضحاک نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان سے اتارنے کے بعد تجھے موت عطا کرنے والا ہوں اور تیری معین مدت تک مہلت دینے والا ہوں اس حال میں کہ تجھے یہودیوں سے محفوظ رکھتے ہوئے اور اس سے قبل ہی آسمانوں کی طرف اٹھانے والا ہوں۔ یہاں واو مطلق جمع کے لئے ہے، ترتیب کے لئے نہیں سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَكَلَّمْنَا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی قوم آپ کی وفات کے بعد نصرانی ہوئی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد وہ نصرانی بنے۔ اس سے یہ معلوم ہوا یہاں توفی سے مراد یا تو آسمانوں کی طرف اٹھانا ہے یا اٹھانے سے قبل موت کا آنا ہے۔ میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں توفی سے مراد بغیر موت کے آسمانوں کی طرف اٹھانا ہے کیونکہ رب العالمین کے اس ارشاد: وَمَا تَكُونُوا وَمَا صَلَبُوكَ کے ملاحظہ کے بعد وجدان اسی بات کی گواہی دیتا ہے کیونکہ اگر موت کی نفی نہ کی جائے تو قتل کی نفی کا کوئی قاعدہ نہیں کیونکہ قتل سے غرض بھی تو موت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی وہ ضرور تم میں عیسیٰ بن مریم کو عادل حاکم بنا کر بھیجے گا جو صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کریں گے، مال بہائیں گے، یہاں تک کہ کوئی لینے والا نہ ہوگا (2) انتہا یہ ہوگی کہ ایک سجدہ دنیا و ماخما سے بہتر ہوگا۔ پھر حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر چاہو تو پڑھو، بے شک اہل کتاب آپ کی وفات سے پہلے ایمان لائیں گے، متفق علیہ۔ انہیں سے ایک اور روایت میں ہے تمہاری کیا حالت ہوگی جب عیسیٰ بن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ امام مسلم کی روایت ہے اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی، ان پر سوار ہو کر دوڑ نہیں کی جائے گی۔ بخل، باہم بغض اور باہم حسد جاتا رہے گا، لوگوں کو مال کی دعوت دی جائے گی، کوئی قبول نہ کرے گا۔ آپ سے ہی مروی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اسلام کے علاوہ تمام دین ختم ہو جائیں گے، آپ دجال کو ہلاک کریں گے، پھر آپ چالیس سال تک رہیں گے پھر آپ کا وصال ہوگا تو مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے (3) بغوی نے بھی اسی طرح کہا ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین کی طرف نازل ہوں گی شادی کریں گے ان کی اولاد ہوگی آپ پینتالیس سال یہاں رہیں گے، پھر ان کا وصال ہوگا، پھر انہیں حضور ﷺ کے ساتھ آپ کے روضہ اقدس میں دفن کیا جائے گا

پس میں اور عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر میں رہیں گے۔ یہ جگہ ابو بکر و عمر کی قبروں کے درمیان ہوگی۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک جماعت حق پر جہاد کرتی رہے گی، یہ قیامت تک ظاہر رہیں گے۔ فرمایا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ اس مومن جماعت کا امیر انہیں کہے گا آؤ ہمیں جماعت کراؤ تو فرمائیں گے نہیں تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں۔ یہ اس امت کی تعظیم کے لئے فرمائیں گے (1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حدیث معراج میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے آسمان میں عیسیٰ بن مریم کو دیکھا، متفق علیہ۔

یعنی ان کے بدلے پڑوس سے تمہیں پاک کرنے والا ہوں۔

یعنی اکثر طور پر دلیل اور تلوار سے غالب رہیں گے۔ آپ کی اتباع کرنے والے حواری ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو حضور ﷺ کی امت میں سے مسلمان جنہوں نے آپ کی تصدیق کی، جنہوں نے توحید میں آپ کے دین کی اتباع کی اور حضور ﷺ کی اتباع میں آپ کی وصیت پر عمل کیا جب فرمایا: **وَمَنْ يَتَّبِعْهُ يَكْفُرْ** اور **يَتَّبِعْهُ يَكْفُرْ**، ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد نصاریٰ ہیں، قیامت تک وہ یہودیوں پر غالب رہیں گے، آج تک یہودیوں کا نصاریٰ پر غلبہ نہیں ہوا۔ یہودیوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ اب ان کی لئے حکومت و سلطنت نہیں رہی۔ اب حکومت و بادشاہت نصاریٰ کی طرف چلی گئی۔ اس وجہ سے یہاں اتباع ادعاء اور محبت کے معنی میں ہوگا، دین کی اتباع میں نہ ہوگا۔ (2) یہاں مخاطب کی ضمیر حضرت عیسیٰ اور آپ کے پیروکاروں اور آپ کا انکار کرنے والوں کے لئے ہے یہاں مخاطبین کو غائبین پر غلبہ دیا گیا ہے۔ یعنی دین کے معاملہ میں تم اختلاف کرتے ہو پھر اس حکم کی وضاحت کی۔

**فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَعَذَابُ اللَّهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ**

**مِنْ نَّصْرٍ ۝۵۱**

”تو وہ جنہوں نے کفر کیا میں عذاب دوں گا انہیں سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کے لئے کوئی مددگار۔“

۱۔ دنیا میں عذاب شدید سے مراد قتل کرنا، قیدی بنانا، جزیہ لگانا اور ذلیل و رسوا کرنا ہے عذاب آخرت سے مراد آگ ہے مددگاروں سے مراد ایسے لوگ ہیں جو انہیں عذاب سے محفوظ رکھ سکیں۔

**وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝۵۲**

”اور وہ جو ایمان لائے اور کیے نیک کام تو اللہ پورے پورے دے گا انہیں ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظالم کرنے والوں سے۔“

۱۔ حفص نے فیو فیہم غائب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ لا یحب الظالمین سے مراد یہ ہے کہ وہ کافروں پر رحم نہیں فرماتا، جب وہ رحم نہیں فرماتا تو ان کے کفر کے نتیجہ میں انہیں عذاب دے گا۔

اہل تاریخ کا کہنا ہے جب حضرت مریم کی عمر تیرہ سال ہوئی تو حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت جنا جب اسکندر کو بابل پر غلبہ پائے پینسٹھ سال ہو گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا، جب آپ کی عمر تیس سال تھی۔ بیت المقدس

سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے رمضان شریف میں لیلۃ القدر میں اٹھایا تھا، اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال تھی۔ آپ کی نبوت کا زمانہ تین سال پر محیط ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد حضرت مریم چھ سال تک زندہ رہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے جب اس آدمی کو قتل کر دیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈالی گئی تھی، تو حضرت مریم اور ایک عورت روتے ہوئے آئیں جس کے حق میں حضرت عیسیٰ نے دعا کی تھی اور وہ صحت یاب ہو گئی تھی۔ ان دونوں کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، ان سے پوچھا تم دونوں کیوں رو رہی ہو؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمانوں پر اٹھالیا، ہے مجھے تو خیر کے سوا کچھ نہیں پہنچا۔ بے شک جسے سولی پر لٹکایا گیا ہے اس پر تو میری شبیہ ڈالی گئی۔ جب سات دن گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا حضرت مریم کے پاس جاؤ جو پہاڑ میں اپنے بیٹے کا سوگ بنا رہی ہے، ان جیسا نہ کوئی رویا نہ کسی نے سوگ منایا اور نہ ہی ان جیسا کوئی غمگین ہوا۔ پھر آپ کے حواری جمع ہوں گئے، آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے کے لئے زمین پر پھیلا دینا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم کے پاس اتارا، جب سراپا نور بن کر آپ اترے تو سارا پہاڑ روشن ہو گیا۔ آپ کے حواری جمع ہو گئے، آپ نے انہیں داعی بنا کر زمین میں پھیلا دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا۔ یہی وہ رات ہے جس میں نصاریٰ جمع ہوتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو ہر حواری ان کی زبان میں گفتگو کر رہا تھا جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں بھیجا تھا۔

ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾

”یہ ہے جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو آیتیں ہیں حق اور نصیحت حکمت والی ہیں“

۱۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ما بعد کلام ہے۔

۲۔ یہاں ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ، حضرت مریم اور آپ کے حواریوں کا ذکر ہے جس کی ہم تم پر تلاوت کرتے ہیں۔

۳۔ یہ کلام نزلوہ میں ضمیر غائب سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے نزلوہ یہ اسم اشارہ سے حال ہو، اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہو اور مبتدا کی خبر من الایات ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں خبریں ہوں اور ذلک اس فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہو جس کی تفسیر نزلوہ کر رہا ہے۔ یہاں آیات سے مراد یا تو قرآن حکیم کی آیات ہیں یا وہ معجزات ہیں جو نبی کریم ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ آپ ان واقعات سے آگاہ نہ تھے اور آپ نے اس طرح خبر دی جس طرح ان کے علماء کے ہاں یہ موجود تھے۔

۴۔ ذکر سے مراد قرآن ہے جو حکمت والا ہے۔ مقال نے کہا یہاں حکیم سے مراد محکم ہے جو باطل سے محفوظ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ذکر حکیم سے مراد لوح محفوظ ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہے، جو سفید موتی کی بنی ہوئی ہے جس کی طوالت زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ جتنی ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

”بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے کہ بتایا اسے کہ مٹی سے

پھر فرمایا اسے کہ ہو جاؤ تو وہ ہو گیا۔“

۱۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی عجیب شان۔

۲۔ آدم علیہ السلام کی شان کی طرح ہے۔ پھر وضاحت فرمائی اور وجہ شبہ کو بیان فرمایا

۳۔ یعنی آدم علیہ السلام کے ڈھانچہ کو بتایا۔



۱۔ اور من ربک اس کی خبر ہو۔ مراد یہ ہے کہ مذکور حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پہلی دونوں تقدیروں کی بناء پر من ربک فعل محذوف جاء کے متعلق ہے۔ یا حق میں جو ضمیر موجود ہے اس سے حال ہے۔

۲۔ اے مخاطب جو منکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جا جس طرح یہودیوں نے شک کیا، یہاں تک کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات پر بہتان باندھا اور نصاریٰ نے یہ بات گھڑ لی اور کہا کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

فَمَنْ حَا جَكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَ  
 آبَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ  
 اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝

”پھر جو شخص ۱۔ جھگڑا کرے آپ سے ۲۔ اس بارے میں ۳۔ اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس (یعنی) علم سے تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ۴۔ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی ۵۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں بے پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر ۶۔“

۱۔ من شرطیہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استفہامیہ ہو اور انکار کا معنی دے کہ کوئی ایسا آدمی بھی ہو سکتا ہے کہ نصاریٰ کے عاجز آنے کے بعد آپ سے جھگڑا کرے۔

۲۔ یعنی (تم سے جھگڑا کرے) نصرانیوں میں سے تمہارے ساتھ جھگڑا کرے۔

۳۔ ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا حق مراد ہے۔

۴۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ مہلہ کے لئے اس قید کے ذکر کرنے میں اس بات پر تشبیہ ہے کہ مسلمان کو زیبا نہیں کہ وہ بغیر یقین کے مہلہ کرے۔

۵۔ اے محمد ﷺ فرمادیتے۔ یہ باب تفاعل سے امر کا صیغہ ہے جو علو سے مشتق ہے۔ فراء نے کہا اس کا معنی یہ ہے گویا فرمایا اوپر چڑھو (۱) میں کہتا ہوں گویا اس سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ بلند جگہ پر چڑھے تاکہ اس کی آنکھوں سے جو کچھ مخفی ہے وہ دیکھے۔ پھر اس میں مجاز جاری ہوا اور مخاطب سے اس رائے جو اس سے مخفی ہے۔ میں تامل اور توجہ کو طلب کرنے میں عام استعمال ہونے لگا۔ خلاصہ کلام یہ ہے پختہ رائے اور عزم مصمم کی طرف آؤ۔ بعض اوقات اس مکان کی طرف بلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے جو داعی کے قریب ہو۔

۶۔ یہ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔ یعنی ہم سب اپنے آپ کو اور خاندان کے معزز ترین افراد جیسے بیٹے اور مستورات کو بلائیں اور انہیں اپنے ساتھ ملائیں تاکہ جھوٹ بولنے پر جو عذاب نازل ہو، وہ ان سب کو شامل ہو۔ دوسرے رشتہ داروں کو اپنی ذات پر مقدم رکھا ہے کیونکہ انسان عموماً ان کے لئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور ان کے لئے جنگ کرتا ہے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ دعا میں اصل دعا کرنے والے اور جس کے حق میں دعا کی جاتی ہے ان میں مغائرت ہوتی ہے۔ انسان اور اس کے بیٹوں اور عورتوں میں مغائرت حقیقی ہے اور اس کے اور اس کے نفس کے درمیان اعتباری ہے۔ تو یہاں حقیقی مغائرت کو اعتباری مغائرت پر مقدم کیا ہے۔ امام مسلم اور ترمذی نے سعد بن ابی وقاص سے روایت نقل کی ہے، فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا، حضرت فاطمہ، حضرات حسن و

حسین کو بلایا اور عرض کی اے میرے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (۱)

یہ باب اختعال سے ہے، تاہم معنی تفاعل کا دے رہا ہے۔ یہاں تفاعل کی جگہ باب اختعال کا ذکر ہے کیونکہ یہاں مقصود بددعا کو اپنے لئے کرنا ہے اگر وہ جھوٹا ہے، اگر سچا ہے تو تو بددعا کو اپنے مد مقابل کی طرف کرنا ہے اور نقصان کو اپنی طرف کھینچنا، یہ وقوع کے اعتبار سے جلدی ہوتا ہے نسبت اسے غیر کی طرف لوٹایا جائے، تاہم اس کی غرض لعنت (بددعا) کا حصول ہوتا ہے بھلہ کو باء کے ضمہ اور فتح دونوں صورتوں میں پڑھا گیا ہے۔ اس کا اصل معنی ترک کرنا ہے۔ عربوں کا مقولہ ہے بھلت النافق، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اسے بغیر اصرار کے چھوڑ دے۔ جس کے حق میں لعنت کی جاتی ہے اسے دنیا و آخرت میں رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے۔ یہ عذاب کے واقعہ ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ عذاب سے محفوظ رکھنے کا تصور رحمت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ تم کے کلمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دانشمند آدمی کو زیبا ہی ہے کہ وہ مہبلہ میں تاخیر اور ترائی سے کام لے۔

۱۔ اس کا بھلہ پر عطف عطف تفسیری ہے اور فاء سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لعنت کا وقوع دعا سے مؤخر نہیں ہوتا بلکہ مہلت کے متصل بعد میں واقع ہوتا ہے۔ بغوی نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو نجران کے وفد پر تلاوت کیا، انہیں مہبلہ کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا ہم واپس جائیں گے اور معاملہ میں غور کریں گے اور کل آئیں گے، تو ان میں سے بعض بعض کے پاس گئے۔ انہوں نے عاقب سے کہا جو ان میں سے بڑا دانا تھا، اے عبد ساج تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا قسم۔ خدا تم پہچان چکے ہو کہ حضرت محمد ﷺ کے سچے رسول ہیں، قسم بخدا کسی قوم نے بھی نبی سے کبھی مہبلہ نہیں کیا مگر ان کے بوڑھے ہلاک ہو گئے اور ان کے بچوں میں سے کوئی بھی نہ بچا، اگر تم ایسا کرو گے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسی بات پر قائم رہنا چاہتے ہو جس پر اب ہو تو اس ہستی سے بحث و تمحیص کو چھوڑ دو اور اپنے شہروں کی طرف لوٹ جاؤ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب حضور ﷺ حضرت حسین کو گود میں لئے ہوئے حضرت حسن کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لائے، جبکہ حضرت فاطمہ آپ کے پیچھے تھیں اور حضرت علی شیر خدا ان کے پیچھے تھے جبکہ آپ انہیں ارشاد فرما رہے تھے جب میں دعا کروں تو تم آئیں کہنا۔ نجران کے اسقف نے کہا اے نصاریٰ کی جماعت بے شک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں، اگر یہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں کہ وہ اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے زائل کر دے تو وہ ضرور ہٹا دے گا۔ ان سے ہرگز مہبلہ نہ کرنا، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور تاقیامت روئے زمین پر کوئی نصرانی نہیں رہے گا انہوں نے کہا اے ابوالقاسم ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ آپ سے مہبلہ نہ کریں آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر قائم رہیں رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اگر مہبلہ کرنے سے انکار کرتے ہو تو اسلام لے آؤ، تمہارے لئے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہارے اوپر وہی فرائض ہوں گے جو مسلمانوں پر لازم ہیں، تو انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ انہوں نے کہا ہم عربوں سے جنگ کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ ہم آپ سے صلح کرتے ہیں کہ آپ ہم پر حملہ نہیں کریں گے، ہمیں ڈرائیں گے نہیں، ہمیں دین سے پھرنے پر مجبور نہیں کریں گے اس شرط پر کہ ہم آپ کو دو ہزار حطے دیں گے، ایک ہزار صفر میں اور ایک ہزار رجب میں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی آپ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں اس کی جان ہے بے شک عذاب نجران کے قریب آچکا تھا، اگر وہ مہبلہ کرتے تو انہیں بندروں اور خزیروں کی شکلوں میں مسخ کر دیا جاتا، وادی آگ سے بھر جاتی اور اللہ تعالیٰ نجران اور ان کے باسیوں کی جڑ اکھیر دیتا یہاں تک کہ درختوں پر پرندہ بھی نہ بچتا۔ ان نصرانیوں پر ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ سب ہلاک ہو گئے (۲) ابو نعیم نے دلائل میں ابن

عباس سے یونہی نقل کیا ہے۔

اس آیت سے رافضیوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی نفی ہوتی ہے اور حضرت علی شیر خدا ہی حقیقت میں حضور ﷺ کے بعد خلیفہ برحق تھے۔ انہوں نے کہا یہاں ابناء سے مراد حضرات حسن و حسین ہیں، نساء سے مراد حضرت فاطمہ ہیں اور انفسنا سے مراد حضرت علی شیر خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو محمد ﷺ کا نفس بنایا اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت علی شیر خدا کو فضائل میں حضور ﷺ کے ہم پلہ بنادے اور رسول اللہ ﷺ لوگوں میں ان کی ذاتوں سے بھی بڑھ کر تصرف کا حق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الَّذِينَ آذَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنۢ نَفْسِهِمْ۔ پس حضرت علی شیر خدا بھی ایسے ہی ہوئے، پس وہی امام ہوئے۔

اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا جاتا ہے۔

(1) انفس جمع کا صیغہ ہے جو حضور ﷺ کی ذات اور آپ کے تبعین پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ان دونوں کی ذات ایک ہے کیونکہ اس کا بطلان ظاہر ہے۔

(2) یہ بھی جائز ہے کہ حضرت علی شیر خدا ابناء میں شامل ہوں جس طرح حسن و حسین ابناء میں شامل ہیں کیونکہ یہاں ابناء سے عموم مجاز مراد ہے کیونکہ عرف میں داماد پر ابن کا اطلاق ہوتا ہے۔

(3) یہ جائز ہے کہ انفس سے مراد وہ لوگ ہوں جو نسب اور دین میں آپ کے ساتھ متصل ہوں جس طرح رب العالمین کا ارشاد ہے: وَلَا تُخْرَجُونَ أَنفُسَكُمْ مِنۢ دِيَارِكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: خَلَقَ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ حَيًّا۔ ان سب آیات میں یہی معنی موجود ہے۔ اس وجہ سے ان میں مساوات کے معنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(4) حضرت علی شیر خدا کی حضور ﷺ کے ساتھ تمام صفات میں مساوات باطل ہے۔ اس میں دونوں فریقوں کا اتفاق ہے۔ بعض چیزوں میں مساوات اس مساوات کا فائدہ نہیں دیتی جس میں ہم بحث کر رہے ہیں۔

(5) اگر یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی شیر خدا زیادہ تصرف کرنے والے ہیں تو یہ اس کو بھی لازم ہوگی کہ وہ آپ کی زندگی میں ایسے ہی ہوں گے جبکہ تم اس قسم کا قول نہیں کرتے، لیکن یہ قصہ اس بات پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ یہ پانچوں ہستیاں اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین افراد تھے۔

إِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥٠﴾

”بے شک یہی ہے واقعہ سچا اور نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب (اور) حکمت والا ہے۔“

۱۔ جو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ ضمیر فصل ہے جو ان کے اسم اور خبر میں فرق کرنے کے لئے آئی ہے۔ یا یہ مبتدا ہے اور القصاص اس کی خبر ہے اور پورا جملہ ان کی خبر ہے۔ ضمیر فصل پر لام کا داخل کرنا جائز ہے کیونکہ لام میں اصل یہ ہے کہ مبتدا پر داخل ہو، اسی وجہ سے اسے لام ابتدائیہ کہتے ہیں۔ خبر پر بھی داخل کرنا جائز ہوتا ہے جب ان کے درمیان ضمیر فصل نہ ہو، اگرچہ یہاں ضمیر فصل ہے، تاہم یہ خبر کی نسبت مبتدا کے زیادہ قریب ہے، اس لئے اس پر لام ابتدائیہ کو داخل کر دیا۔

۲۔ یہاں من زائدہ نفی کے استغراق کی تاکید کے لئے ہے اور نصاریٰ تثلیث کا قول کرتے تھے، اس کے رد کے لئے ہے۔

۳۔ یہ ترکیب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مثل ہے إِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ یعنی اللہ تعالیٰ کا عزت، قدرت تامہ اور حکمت بالغہ میں کوئی



مثل نہیں ہوتا تو پھر الوہیت میں کوئی کیسے اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۱۷﴾

”پھر اگر وہ منہ پھیریں لے تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو۔“

۱۔ اگر وہ دلائل سے روگردانی کریں اور توحید سے اعراض کریں۔

۲۔ یہ ان لوگوں کے لئے وعید ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے فَإِنْ تَوَلَّوْا يُعَذِّبُهُمْ یہاں سے یعذبہم کو حذف کر دیا گیا اور علیم بالمفسدین کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا جس طرح علت کو معلول کے قائم مقام رکھا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے فساد سے آگاہ ہے کہ وہ کفر و معاصی کو پھیلا کر اور لوگوں کو ایمان سے روک کر دنیا میں فساد برپا کرتے ہیں اور منعم کی ناشکری اور نافرمانی، اس کے شکر کو چھوڑنا اور اس کے رسول کی مخالفت یہ ان کی ذاتوں میں فساد برپا کرنے کا سبب ہے اور یہی ان کے عذاب کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق سے اعراض کرنا یہ فساد برپا کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفسرین نے کہا نجران کا وفد مدینہ آیا، یہ یہودیوں سے ملا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان سے جھگڑا کیا۔ نصاریٰ نے گمان کیا کہ وہ نصرانی تھے اور نصرانی آپ کے دین پر ہیں اور لوگوں میں سے آپ کے زیادہ قریب ہیں۔ یہودیوں نے کہا بلکہ وہ تو یہودی تھے اور وہ آپ کے دین پر ہیں اور لوگوں میں سے آپ کے زیادہ قریب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں فریق حضرت ابراہیم اور آپ کے دین سے بری ہیں، آپ تو حق کی طرف رجوع کرنے والے اور اطاعت شعار تھے، میں آپ کے دین پر قائم ہوں۔ پس تمہیں چاہیے کہ آپ کے دین اسلام کی پیروی کرو اور یہودیوں نے کہا آپ ہم سے کچھ ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ ہم آپ کو رب بنا لیں، جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ کو رب بنا لیا ہے۔ نصاریٰ نے کہا آپ ہم سے کسی اور بات کا ارادہ نہیں کرتے مگر اس بات کا کہ ہم تمہارے بارے میں وہی بات کہیں جو یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق کہی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آنے والی آیات کو نازل کیا۔ (۱)

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا

نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا

فَقُوْلُوا الشَّهْدُ وَاٰبَاؤُنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۸﴾

” (میرے نبی!) آپ کہئے اے اہل کتاب لے آؤ اس بات کی طرف لے جو یکساں ہے لے ہمارے اور تمہارے درمیان ہے

(وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے ھے اور نہ شریک ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی چیز کو لے اور نہ بنا لے کوئی

ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا لے پھر اگر وہ روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہل کتاب) کہ ہم

مسلمان ہیں لے“

۱۔ یہاں خطاب یہود و نصاریٰ دونوں کو ہے۔

۲۔ بغوی نے کہا عرب ہر ایسے قصہ جس کی وضاحت کی جاتی ہو اسے کلمہ کہتے ہیں، اسی وجہ سے قصیدہ کو بھی کلمہ کہتے ہیں۔ (۲)

۳۔ یہ مصدر ہے اور مستویۃ کے معنی میں ہے اور اس کی مونث ذکر نہیں کی جاتی کیونکہ مصدر کی تانیث، جمع اور تثنیہ ذکر نہیں کیا جاتا۔

یہ طرف ہے جو سوا کے متعلق ہے، یعنی یہ ایسی بات ہے جس میں قرآن تورات اور انجیل میں کوئی فرق نہیں۔

یعنی ہم اس کے ساتھ کسی انسان، بت، فرشتے اور شیطان کو عبادت میں شریک نہیں کرتے۔ اَنْ مَحَل رَفْعٍ مِّنْهُ كَيْفَ كَانَ اس کا مبتدا محذوف ہے، یا کلمہ سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی بَانَ لَا نَعْبُدُ

۱۔ واجب الوجود ہونے میں کسی چیز کو بھی ہم اس کا شریک نہیں ٹھہراتے، جس طرح یہودیوں اور نصرانیوں نے کیا کیونکہ انہوں نے کہا عزیز بن اللہ سبحانہ اللہ، نعوذ باللہ من ذلک۔ انہوں نے ان دونوں کی عبادت بھی کی۔ نصاریٰ نے کہا ثالث ثلاثہ۔

یعنی ہم میں سے بعض بعض کی اطاعت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن کے بغیر حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّا نَحْنُ ذُو الْاَسْبَابِ اَحْبَبْنَا رَهْمًا وَرُحْمًا بَابًا قَدُونَ اللہ تو عدی بن حاتم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا وہ تمہارے لئے چیزوں کو حلال و حرام نہیں کرتے تھے اور تم ان کے قول کو تسلیم کرتے تھے؟ تو انہوں نے عرض کیا ہاں۔ حضور نے ارشاد فرمایا یہاں یہی مفہوم ہے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، کسی غیر کی اطاعت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاعَ اللہَ۔ یہی حکم ہوگا جو علماء، اولیاء، سلاطین اور حکماء کی اطاعت کی جاتی ہے، جبکہ وہ شرع کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَطِيعُوا اللہَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ اور جو اطاعت شرع کے تقاضوں کے برعکس ہو وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بعض کا بعض کو رب بنانے کے حکم میں ہوگی۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، بیشک طاعت تو اچھے عمل میں ہے (۱) اسے شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا، عمران بن حصین اور حکیم بن عمر وغفاری سے مروی ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ خَالِقٍ كِى نَافِرْمَانِي كِر كِى مَخْلُوقِ كِى اطَاعَتِ كِر نَاصِحِ نِيسِ۔ اس سے یہ بات ظاہری ہوتی ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس نبی کریم ﷺ سے مرفوع حدیث ظاہر ہو جائے جو معاوضہ سے محفوظ ہو، اس کے لئے کوئی ناصح بھی ظاہر نہ ہو اور امام ابوحنیفہ کا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہو جبکہ ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی حدیث طیبہ کے موافق رائے قائم کی ہو، اس آدمی پر حدیث طیبہ کی اتباع لازم ہے، آپ کے مذہب پر جو حدیث کی اتباع سے اسے نہ روکے تاکہ بعض کو بعض کا رب بنانے والا حکم ثابت نہ ہو۔ امام بیہقی نے مدخل میں سند صحیح کے ساتھ عبد اللہ بن مبارک سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا جب حضور ﷺ کی طرف سے کوئی ارشاد مجھ تک پہنچے تو میرا سر آنکھوں پر، جب صحابہ میں سے کسی کا ارشاد ہم تک پہنچے تو ہم ان میں سے کسی ایک کا قول اپنائیں گے اور جب کسی تابعی کا قول ہم تک پہنچے گا تو ہم مزاحمت کریں گے اور پوری پوری تحقیق کریں گے۔ روضۃ العلماء میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور صحابہ کرام کے اقوال کے مقابلہ میں میرے قول کو چھوڑ دو۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ میں نے حدیث پر عمل کرنے کے اعتبار سے جو یہ کہا کہ ائمہ حدیث میں سے کوئی اس طرف گیا ہوتا کہ عمل اجماع کی خلاف نہ ہو کیونکہ اہل سنت تیسری یا چوتھی قرن کے بعد ان چار مذاہب میں تقسیم ہو گئے تھے اور فرعی مسائل میں ان کے علاوہ کوئی مذہب باقی نہ رہا۔ تو پھر وہ قول جو ان سب کے خلاف ہو اس کے باطل ہونے پر اجماع منعقد ہو گیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَتَّبِعُونَ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّوْا وَنُصَلِّهِمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ

مَصْنُوعًا اور جو مومنوں کے راستہ کے علاوہ کسی راہ پر چلا تو ہم اسے پھیر دیتے ہیں جس راہ وہ پھرے اور ہم اسے جہنم میں داخل کر دیتے ہیں اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ نیز یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ حدیث ائمہ اربعہ اکابر علماء جو ان ائمہ کے شاگرد تھے، ان سے مخفی رہی، انہوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑا ہوگا کہ کوئی اور ایسی حدیث ہوگی جس نے اسے منسوخ کر دیا ہوگا یا اس میں کوئی تاویل ہوگی۔

فائدہ کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسے امر ”جس میں علماء شرع نے حرمت یا کراہت کا فتویٰ دیا ہو“ میں یہ کہے کہ مشائخ صوفیہ نے یہ طریقہ اپنایا ہے اور ہم ان کے طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ مشائخ صوفیہ نے شرع کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا، یہ سب فساد ان کے جاہل متبعین کا پیدا کردہ ہے۔

فائدہ جبلاء کی طرح اولیاء و شہداء کی قبروں کو سجدہ کرنا، ان کے گرد طواف کرنا دینے جلانا (۱) ان پر مساجد بنانا، سال کے بعد عید کی طرح ان پر اجتماع کرنا جسے وہ عرس کہتے ہیں جائز نہیں (ب) حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جب رسول ﷺ بیمار ہوئے، آپ اپنے چہرہ پر چادر ڈالے ہوئے تھے، جب تکلیف زیادہ ہوئی تو اسے اپنے چہرے سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا ہے، حضور ﷺ نے ان جیسا عمل کرنے سے ڈرایا ہے، متفق علیہ۔ امام احمد اور طرابلسی نے اسی کی مثل اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا، تو قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں ان کی قبروں کو مساجد بنانے والوں اور چراغ روشن کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ امام مسلم نے جناب بن عبد الملک سے ایک روایت نقل کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے وصال سے پانچ دن پہلے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا خبر دار انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، بے شک میں تمہیں اس چیز سے منع کرتا ہوں۔

۷ یعنی اگر اہل کتاب اس صحیح مستقیم مستوی اور متفق علیہ امر سے روگردانی کریں تو اے نبی مکرم ﷺ اور مومنوں سے کہو اے اہل کتاب گواہ بن جاؤ، ہم تمام سماوی کتابوں پر ایمان لائے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابو سفیان بن حرب نے انہیں یہ بات بتائی کہ ہر قل نے اسے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے دربار میں طلب کیا، جب کہ قریش کے یہ افراد تجارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے، جبکہ یہ وہ زمانہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان صلح حدیبیہ ہو چکی تھی۔ قریش کے یہ افراد ہر قل کے پاس گئے، جبکہ وہ ایلیا میں تھا۔ اس نے اپنی مجلس میں ان کو طلب کیا، جبکہ اس کے ارد گرد روم کے سردار موجود تھے۔ پھر اس نے وہ خط منگوایا جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ بصری کے حاکم کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے یہ خط ہر قل کو روانہ کر دیا تھا جس میں یہ الفاظ تھے۔ ترجمہ: ”سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد، میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تو اسلام قبول کرے تو خود بھی سلامتی پائے گا اور اللہ تجھے دو گنا اجر دے گا، اگر تو نے روگردانی کی تو بے شک تجھ پر رعایا کا گناہ بھی ہوگا۔ اے اہل کتاب آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب نہ بنائیں۔ اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو گواہ رہنا، ہم مسلمان ہیں۔“ (۱) متفق علیہ۔

فائدہ حضور ﷺ کا اس آیت کو نجران کے وفد پر پڑھنا، ہر قل کی طرف اسے لکھ کر بھیجنا، ان کا اسے تسلیم کرنا اور اس طرح رد نہ کرنا کہ یہ کلمہ

(۱) نیت یہ ہو کہ اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے تو یہ حکم ہوگا، اگر مقصد زائرین کی سہولت ہو تو حکم یہ نہ رہے گا۔

(ب) جس طرح میلوں ٹھیلوں پر انداز اپنایا جاتا ہے، جبکہ اصل مقصد آخرت کو یاد کرنا اور دعائے مغفرت ہے۔

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 574 (وزارت تعلیم)، تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 304-303 (انتجاریہ)

ہماری کتابوں میں نہیں ہے، یہ حضور ﷺ کی نبوت تمام کتب اور رسولوں کے اس کلمہ پر مجتمع ہونے پر حجت قاطعہ ہے۔ اس سے یہ امر بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کا یہ قول کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں، یہ سب ان کی اپنی فاسد آراء اور تقلید پر مبنی تھا۔ یہ کتابوں کی طرف منسوب نہ تھا۔ اسی وجہ سے تو انہوں نے آقائے دو عالم ﷺ نے اس انداز میں بات کی، کہا آپ نے کوئی ایسا انسان دیکھا ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو (نقلی دلیل سے استدلال نہیں کیا)۔ امام بیضاوی نے کہا دیکھو تو سہی کہ اس قصہ میں ہدایت دینے اور استدلال میں درجہ بدرجہ دلیل لانے میں کس قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال بیان کئے، ساتھ ہی ساتھ ان مراحل کا ذکر کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گزرتے رہے جو آپ کی الوہیت کی نفی کر رہے تھے، پھر اس چیز کا ذکر کیا جو ان کے عقدہ کو حل کر دے اور شبہ کو زائل کر دے، جس طرح فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ہی ہے جس طرح آدم علیہ السلام، پھر جب ان کے عناد اور سرکشی کو دیکھا تو انہیں مہلبہ کی دعوت دی جو اعجاز کی ایک صورت تھی، پھر جب یہ دیکھا کہ وہ اس سے بھی اعراض کرنے والے ہیں اور کچھ اطاعت کا اظہار کر رہے ہیں، راہنمائی کی طرف پھر رجوع کیا اور ایک آسان راہ کا انتخاب کیا کہ انہیں ایسے امر کی دعوت دی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، انجیل تمام انبیاء اور کتابیں سب متفق تھیں، پھر جب یہ بھی ان کے لئے فائدہ مند نہ ہوئی اور یہ جان لیا کہ آیات اور انداز انہیں کچھ فائدہ نہیں دے رہے تو اس سے بھی اعراض کر لیا اور فرمایا گواہ رہنا، ہم تو مسلمان ہیں۔ (۱) واللہ اعلم

ابن اسحاق نے اپنی مکرر سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ نجران کے عیسائی اور یہود کے علماء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے یہودیوں کے علماء نے کہا حضرت ابراہیم صرف یہودی تھے نصرانیوں نے کہا آپ صرف نصرانی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔ (۲)

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۵﴾

”اے (اہل کتاب) کیوں جھگڑتے ہو تم ابراہیم کے بارے میں حالانکہ انہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھ سکتے۔“

یہ خطاب دونوں فریقوں کو ہے۔ تم کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم علیہ السلام کے دین میں، جبکہ یہودیوں کا دین تو بعد میں آیا اور عیسائیوں کا دین بھی تو بعد میں ہوا کیونکہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فرق تھا اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بھی ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ کیا تم اب بھی اپنے قول کے بطلان کو نہیں سمجھتے۔ شاید وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بعض اعمال فرعیہ میں تورات یا انجیل کے احکام جیسا عمل کرتے تھے، بلکہ دونوں فریقوں نے حضرت موسیٰ کے وصال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھانے جانے کے بعد اپنی طرف سے گھڑ لئے تھے اور کتابوں میں جو انہوں نے تحریف کی تھی۔ یہی حقیقت میں دونوں فریقوں میں محل نزاع اور ظاہر بطلان تھا کیونکہ اعمال فرعیہ زمانہ گزر جانے کے بعد منسوخ ہو جاتے ہیں، جس طرح قانون قدرت سے مقصود مختلف زمانوں کے مصالح ہوتے ہیں، تو پھر ابراہیم علیہ السلام کا دین یہودیت اور نصرانیت کیسے ہو سکتا ہے۔ رہا دین کے اصول کا معاملہ یا فروعات میں سے جو منسوخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتے جس طرح غیر اللہ کی عبادت جھوٹ اور ظلم ان پر تمام شریعتیں اور دین

متفق ہیں تو ان میں اختلاف کا احتمال نہیں ہوتا۔

هَآئْتُمْ هَؤُلَاءِ حَآجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ  
عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

”سنئے ہو! تم وہ لوگ ہو۔ جو جھگڑتے رہے ہو (اب تک)۔ ان باتوں میں جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا۔ پس (اب)

کیوں جھگڑنے لگے ہو۔ ان باتوں میں نہیں ہے تمہیں جن کا کچھ علم ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے تھے“

۱۔ قرأت: نافع اور ابو عمرو نے ہا کو بغیر ہمزہ کے مد کے ساتھ پڑھا ہے، جہاں بھی قرآن حکیم میں یہ لفظ واقع ہوا ہے، ورش نے مد میں قلت کے ساتھ پڑھا ہے اور قبل نے ہمزہ کے ساتھ، جبکہ ہاء کے بعد الف نہیں پڑھا۔ باقی قراء نے مد اور ہمزہ دونوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ بزی منفصل میں اپنے قاعدہ کے مطابق مقصور کر کے پڑھتے ہیں، جبکہ باقی قراء اپنے قواعد کے مطابق مد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کوفیوں، بزی اور ذکوان کی قرأت کے مطابق ہاء تنبیہ کے لئے ہے۔ قبل کی قرأت کے مطابق اس کی اصل اء تم ہے، ہمزہ استفہام کو ہاء سے بدل دیا گیا، جس طرح عربوں کے قول طرقت کو ہرقت سے بدل دیا جاتا ہے۔ پس یہ ہا تم بن گیا۔ ورش کی قرأت کے مطابق بھی یہی ہے، فرق اس قدر ہے کہ ان کے نزدیک دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا جاتا ہے، جس طرح اجتماع ہمزتین کے موقع پر ان کا قاعدہ ہے جبکہ وہ دونوں مفتوح ہوں، ابو عمرو، قالون اور ہشام کی قرأت کے مطابق دونوں امر جائز ہیں، اگر اس کی اصل اء تم ہو تو پہلے ہمزہ کو ہاء سے بدلا جائے گا جس طرح قبل اور ورش کی قرأت کے مطابق کہا جاتا ہے اور دونوں ہمزوں کے درمیان الف فاصل کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جس طرح ان کا قاعدہ ہے۔ پھر ابو عمرو اور قالون قرأت کے مطابق دوسرے ہمزہ کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا جاتا ہے اور ہشام کی قرأت کے مطابق اسے باقی رکھا جاتا ہے۔ اگر اس کی اصل ہا تم جملہ خبریہ کی بنا پر ہو تو ہشام کی قرأت کے مطابق اس میں کوئی تغیر نہ ہوگا اور ابو عمرو اور قالون کے نزدیک ہمزہ کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس صورت میں کلام یا تو استفہام انکاری کے لئے ہوگی، یا انہیں اس حالت پر تنبیہ کرنے کے لئے ہوگی جس سے وہ غافل ہو چکے تھے اور اتم ضمیر مبتدا ہوگی۔

۲۔ مبتدا کی خبر ہوگی، ما بعد ایک اور جملہ ہوگا جو پہلے جملہ کی ہی وضاحت کرے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہولاء منادی ہو جس کا حرف ندا حذف ہو اور آنے والا جملہ اتم کی خبر ہو، تقدیر کلام یوں ہو یا هَؤُلَاءِ أَنْتُمْ يَا هَا أَنْتُمْ

۳۔ یعنی تم نے جھگڑا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ہولاء الذی کے معنی میں ہے اور اس کا ما بعد اس کا صلہ ہے اور صلہ موصولہ اتم کی خبر ہے۔ کوفہ کے نحو یوں نے کہا یہ بھی جائز ہے کہ اسم اشارہ کو اسم موصول کی جگہ رکھا جائے، کلام یوں ء أَنْتُمْ الَّذِي يَا هَا أَنْتُمْ جَادَلْتُمْ ۳۔ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تمہارے پاس علم ہو اور تم نے دعویٰ کیا کہ تم ان کے دین پر ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ ان کا دین تو تورات و انجیل تھا اور اگرچہ تم نے خلط ملط کر دیا ہے بعض ان چیزوں کو جو تورات اور انجیل میں حضور ﷺ کی نعت وغیرہ تھی اور جو یہ خبر تھی کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو حضور ﷺ کے دین کے ساتھ منسوخ کر دیا جائے گا، جو نبی امی ہیں، جنہیں آخری زمانہ میں مبعوث کیا جائے گا جو تم نے جانتے ہو جیسے تورات و انجیل میں خلط کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کر دے گا جس کے باعث تم ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

۴۔ اے بے وقوفو! جو اپنے قول کے باطل ہونے سے غافل ہو، تم کیوں جھگڑتے ہو۔

۱۷ یہاں بہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین اور آپ کی شریعت ہے کیونکہ تورات اور انجیل میں ان کے دین اور شریعت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا جبکہ وہ تم سے کئی ہزار سال پہلے تھے۔

۱۸ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی پر جو احکام نازل فرمائے ہیں وہ انہیں خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے مگر وہی جو اس نے تمہیں کتاب میں سے تعلیم دی ہے بلکہ تم تو مطلقاً کچھ جانتے ہی نہیں، جب تم نے اسے چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈالی دیا، یہاں تک کہ تم حضور ﷺ پر بھی ایمان نہ لائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ وعدہ لیا تھا تو بطریق اولی تم اس خاصیت میں ذلیل و رسوا ہو گئے کیونکہ جاہل کو زیبا نہیں کہ وہ عالم سے جھگڑا کرے۔ اس میں اس بات پر آگاہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بحث کرنا صحیح تھا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے عالم تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی وضاحت کی۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ①

”نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی ۱۷ بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے ۱۸ مسلمان تھے ۱۹ اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے ۲۰“

۱۷ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین بہت سارے معاملات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے موافق نہ تھا۔

۱۸ حنیف سے مراد غلط عقائد سے اعراض کرنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حنیف سے مراد وہ ہوتا ہے جو موحد ہو، قربانی دے، ختنہ کرائے اور کعبہ معظمہ کی طرف منہ کرے جبکہ یہود و نصاریٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں۔

۱۹ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کرنے والا، نہ کہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا، جبکہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہیں کرتے کیونکہ تم نبی امی پر ایمان نہیں لاتے جس کا ذکر تم تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو اور تم ثالث ثلاثہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو اور تم کہتے ہو عزیر بن اللہ اور مسیح بن اللہ، تو پھر تم کس طرح دعویٰ کرتے ہو کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین اور ملت پر ہو۔

۲۰ یعنی ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے بلکہ آپ تو موحدین میں سے تھے۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ②

”بیشک نزدیک تر لوگ ۱۷ ابراہیم (علیہ السلام) سے وہ تھے جنہوں نے انکی پیروی کی نیز یہ نبی کریم ۱۸ اور جو (اس نبی پر)

ایمان لائے ۱۹ اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا ۲۰“

۱۷ اولی کا لفظ ولی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے قریب ہے، یعنی دین کے اعتبار سے زیادہ خاص اور زیادہ قریبی۔

۱۸ آپ کی امت کیونکہ یہ بلاشبہ آپ کے دین پر ہے وَهَذَا النَّبِيُّ يَعْنِي مُحَمَّدًا ﷺ۔

۱۹ جو حضور ﷺ پر ایمان لائے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شریعت کے اکثر احکام میں موافقت کرنے والے ہیں کیونکہ یہ موحد ہیں، قربانی دیتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں اور ان تمام امور کو سرانجام دیتے ہیں جن کا حضرت ابراہیم کو مکلف بنایا گیا۔

ہے اللہ تعالیٰ ان کا دوست ہے جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے کیونکہ یہی اول سے لے کر آخر تک تمام انبیاء پر ایمان لائے جبکہ یہود و نصاریٰ کا معاملہ مختلف ہے۔

بغوی نے کہا کلبی نے ابو صالح سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور اسے محمد بن اسحاق نے ابن شہاب سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب جعفر بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور بدر کے واقعہ نے قریش کو دارالندوہ میں جمع کیا انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بے شک اصحاب نبی ﷺ میں سے وہ لوگ جو نجاشی کے پاس ہیں ان سے انتقام کی صورت بنتی ہے تاکہ ہم بدر میں مارے گئے، لوگوں کا خون چکا سکیں۔ پس مال جمع کرو اور نجاشی کی طرف بھیجوتا کہ تمہیں وہ لوگ دے دے جو اس کے پاس موجود ہیں اس کام کے لئے انہوں نے دو ذہین آدمیوں کا انتخاب کیا۔ انہوں نے عمرو بن عاص اور عمارہ بن معیط کو کچھ (طائف کے) چمڑے بطور ہدیہ دے کر بھیجا۔ یہ دونوں کشتیوں پر سوار ہوئے اور حبشہ پہنچے۔ جب نجاشی کے پاس آئے تو اسے سجدہ کیا، سلام کیا اور اسے کہا ہماری قوم آپ کے لئے مخلص ہے، آپ کی شکر گزار ہے، تیری سلامتی کو پسند کرتی ہے، انہوں نے آپ کی طرف ہمیں بھیجا ہے تاکہ ہم ان کے بارے میں آپ کو آگاہ کریں جو لوگ آپ کے پاس آئے ہیں کیونکہ یہ کذاب (نعوذ باللہ) کے ساتھی ہیں جو ہمارے درمیان ظاہر ہوا، وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ ہم میں سے بے وقوفوں کے سوا کسی نے بھی اسکی اتباع نہیں کی۔ ہم نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور انہیں ایک گھاٹی میں محصور کر دیا، ہم میں سے کوئی ان پر نہ داخل ہوتا ہے، نہ ان میں سے کوئی باہر نکلتا ہے۔ انہیں بھوک اور پیاس نے ہلاک کر دیا۔ جب اس پر معاملہ سخت ہوا تو اس نے اپنا چچا زاد بھائی آپ کی طرف بھیج دیا تاکہ تیرے دین، ملک اور رعیت میں فساد برپا کر دے۔ ان سے محتاط رہیے، انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے تاکہ ہم آپ کی طرف سے انہیں کافی ہو جائیں۔ درباریوں نے کہا وہ وہی لوگ ہیں، جب آپ کے پاس آتے ہیں تو سجدہ نہیں کرتے اور اس طرح کا سلام بھی نہیں کرتے جس طرح دوسرے لوگ سلام کرتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ آپ کے دین اور طریقہ سے نفرت کرتے ہیں۔ راوی نے کہا نجاشی نے انہیں بلا بھیجا جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت جعفر نے دروازہ پر بلند آواز سے کہا اللہ تعالیٰ کی جماعت حاضری کی اجازت چاہتی ہے۔ نجاشی نے کہا اس جیننے والے کو کہو دوبارہ یہ کلمات کہے۔ حضرت جعفر نے پھر ایسا ہی کہا۔ نجاشی نے کہا ہاں اجازت ہے۔ پس انہیں اللہ تعالیٰ کے اذن اور حفاظت میں داخل ہونا چاہئے۔ عمرو بن عاص نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور کہا تو سنتا نہیں کہ وہ کس طرح کلام کرتے ہیں اور نجاشی انہیں کس طرح جواب دیتا ہے۔ دونوں کو یہ بات بری لگی۔ پھر یہ لوگ نجاشی کے پاس آئے، اسے سجدہ نہ کیا۔ عمرو بن عاص نے کہا دیکھتے نہیں، ہو یہ سجدہ کرنے سے تکبر کرتے ہیں۔ نجاشی نے کہا کس چیز نے تمہیں روکا کہ تم مجھے سجدہ کرو اور اس طرح سلام کرو جس طرح دوسرے لوگ سلام کرتے ہیں؟ صحابہ نے جواب دیا ہم صرف اسے سجدہ کرتے ہیں جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں ملک عطا کیا، بے شک وہی سلام کا طریقہ تھا جب ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان نبی صادق مبعوث کیا اور ہمیں ایسے سلام کا حکم دیا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے، یہ جنتی لوگوں کا سلام ہے۔ نجاشی پہچان گیا کہ یہی حق ہے اور یہی تورات اور انجیل میں ہے۔ نجاشی نے پوچھا تم میں سے حزب اللہ کہہ کر اجازت طلب کرنے والا کون تھا؟ حضرت جعفر نے کہا میں۔ نجاشی نے کہا گفتگو کرو۔ آپ نے فرمایا تو اہل زمین اور اہل کتاب کا بادشاہ ہے، آپ کے پاس نہ کلام زیادہ ہونی چاہیے نہ ہی ظلم۔ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے جواب دوں۔ آپ ان دو آدمیوں کو حکم دیں کہ ان میں سے ایک گفتگو کرے اور دوسرا خاموش رہے اور آپ ہماری گفتگو کو سنیں۔ تو عمرو بن عاص نے کہا آپ گفتگو کریں۔ تو حضرت جعفر نے نجاشی سے کہا ان سے پوچھئے کیا ہم غلام ہیں یا آزاد؟ عمرو بن عاص نے کہا غلام نہیں بلکہ معزز آزاد ہیں۔ نجاشی نے کہا یہ غلامی سے آزاد ہوئے، پھر حضرت

جعفر نے کہا ان سے پوچھئے کیا ہم نے ناحق خون بہایا ہے کہ یہ ہم سے خون بہا چاہتے ہیں؟ تو عمرو بن عاص نے کہا نہ انہوں نے کسی کو قتل کیا نہ ایک قطرہ خون بہایا۔ حضرت جعفر نے نجاشی سے کہا ان سے پوچھئے کیا ہم نے کسی کا ناحق مال لیا جس کی وجہ سے مال دینا ہم پر لازم ہے؟ نجاشی نے کہا اگر وہ بہت بڑا خزانہ بھی ہو تو میں دوں گا۔ عمرو بن عاص نے کہا کوئی مال انہوں نے نہیں لیا۔ بلکہ ایک قیراط بھی نہیں لیا نجاشی نے کہا تو پھر تم ان سے کیا چاہتے ہو؟ عمرو بن عاص نے کہا ہم اور یہ بس ایک طریقہ اور اپنے آباء کے دین پر تھے، ان لوگوں نے اسے چھوڑ دیا اور ایک اور دین کی اتباع کرنے لگے، ان کی قوم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں تو نجاشی نے کہا وہ دین کونسا ہے جس پر تم پہلے تھے اور وہ دین کونسا ہے جس کی تم اب اتباع کرتے ہو؟ مجھے سچ بتا دو۔ حضرت جعفر نے فرمایا وہ دین جس پر پہلے ہم تھے، جس کو ہم نے اب چھوڑ دیا ہے وہ شیطان کا دین تھا، ہم اللہ تعالیٰ کے منکر تھے، پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ رہا وہ دین جس کو اب ہم نے قبول کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے، اللہ تعالیٰ کا رسول جسے ہمارے پاس لایا ہے اور ایک کتاب ہے جو ابن مریم کی کتاب کے موافق ہے۔ نجاشی نے کہا تو نے عظیم گفتگو کی ہے، ٹھہر جاؤ۔ پھر نجاشی نے کہا کہ تا توں بجایا جائے تو اس کے پاس تمام علماء اور راہب اکٹھے ہو گئے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو نجاشی نے کہا میں تمہیں اس اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے انجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا کیا تم حضرت عیسیٰ اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی پاتے ہو؟ سب نے کہا ہاں، ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی بشارت دی ہے، آپ نے یہ فرمایا تھا جو اس پر ایمان لایا وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا۔ نجاشی نے حضرت جعفر سے فرمایا وہ شخصیت تمہیں کیا کہتی ہے، کس چیز کا حکم دیتی ہے اور کس چیز سے تمہیں روکتی ہے؟ حضرت جعفر نے کہا وہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں، ہمیں نیکی کا حکم دیتے ہیں برائی سے روکتے ہیں، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، یتیم کے ساتھ نیکی کا حکم دیتے ہیں، وہ ہمیں حکم دیتے ہیں ہم صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں۔ نجاشی نے کہا ہمیں وہ سنائیں جو وہ تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ تو حضرت جعفر نے سورہ عنکبوت اور سورہ روم کی آیات پڑھ کر سنائیں، تو نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھیں ڈبڈبائے لگیں، سب نے یک زبان ہو کر کہا اس خوبصورت کلام کو مزید پڑھئے تو آپ نے ان کو سورہ کہف کی آیات سنائیں۔ تو عمرو بن عاص نے نجاشی کو غصہ دلانے کے لئے کہا یہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو گالی دیتے ہیں۔ تو نجاشی نے کہا تم حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو حضرت جعفر نے سورہ مریم کی آیات پڑھیں۔ جب حضرت جعفر حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے ذکر پر پہنچے تو نجاشی نے اپنے مسواک میں سے ایک باریک ریزہ جیسے آنکھ میں تنکا پڑ جاتا ہے، اٹھایا اور کہا جو کچھ یہ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اتنا زیادہ بھی نہ تھے۔ پھر نجاشی حضرت جعفر اور آپ کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا جاؤ تم یہاں امن میں ہو، جس نے تمہیں گالی دی یا اذیت پہنچائی اس کو سزا دی جائے گی۔ پھر کہا تمہیں بشارت ہو، تمہیں کوئی خوف نہیں، آج سے حضرت ابراہیم کی جماعت پر کوئی نقصان نہیں۔ عمرو نے نجاشی سے کہا ابراہیم کی جماعت کون ہے؟ نجاشی نے کہا یہ لوگ اور ان کے سردار جس کے پاس سے یہ یہاں آئے ہیں اور جس نے بھی ان کی بیروی کی اور مشرکوں نے اس کا انکار کیا اور دین ابراہیمی میں غلط دعویٰ کیا۔ پھر نجاشی نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی پر تحائف واپس کر دیئے جو وہ لائے تھے اور کہا تمہارا یہ ہدیہ رشوت تھا، اسے لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ ملک عطا کیا اور مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی۔ حضرت جعفر نے کہا ہم پلٹے تو ہم بہترین گھر اور بہترین پناہ میں تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی روز رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابراہیم کے متعلق یہ آیات نازل کیں جب کہ یہود و نصاریٰ آپ کے پاس حضرت ابراہیم کے متعلق جھگڑا کر رہے تھے۔ (۱)

وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَو يُضِلُّوكُمْ مَّا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا



## يَسْعُرُونَ ﴿١٩﴾

”دل سے چاہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب سے لے کہ کسی طرح گمراہ کر دیں تمہیں لے اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو لے اور وہ (اس حقیقت کو) کو نہیں سمجھتے لے“

لے یہ آیت کریمہ معاذ بن جبل، حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر کے حق میں نازل ہوئی جب انہیں یہودیوں نے اپنے دین کی دعوت دی یعنی یہودیوں کی ایک جماعت نے تمنا کی (1)

لے یعنی تمہیں دین سے گمراہ کر دیں اور کفر کی طرف لوٹادیں۔ لو مصدر یہ ہے ان کے معنی میں ہے، معنی میں عامل ہے، لفظوں میں عمل نہیں کرتا۔ ودت سے محل نصب میں ہے، یا یہ تمہنی کے معنی میں ہے اور واد کا بیان ہے۔

لے یعنی گمراہ کرنے کا وبال ان کی ذاتوں کی طرف ہی لوٹے گا، ان کے لئے عذاب کئی گنا بڑھا دیا جائے گا اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے ان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ پس گمراہ کا گمراہ کرنا نہیں لازم نہ ہوگا۔

لے یعنی وہ شعور ہی نہیں رکھیں گے کہ اس کا ضرر ان کی طرف پلٹ آئے گا۔

## يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٢٠﴾

”اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا لے حالانکہ تم خود گواہ ہو لے“

لے یہاں آیت سے مراد وہ آیات ہیں جو حضور ﷺ کی نبوت اور تورات و انجیل میں آپ کی نعت کی گواہی دیتی ہیں یا اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔

لے یعنی تم باہم گفتگو کرتے وقت اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ یہ نبی برحق ہے، اس کی صفات تورات و انجیل میں موجود ہیں یا تم معجزات کے ذریعے اس بات سے آگاہ ہو کہ یہ نبی برحق ہے۔

## يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾

”اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ لے اور (کیوں) چھپاتے ہو حق کو لے حالانکہ تم جانتے ہو لے“

لے یعنی تم حق کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہو جو تم تحریف کی صورت میں اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہو۔

لے حق سے مراد تورات میں موجود حضور ﷺ کی صفت ہے۔

لے یعنی تم اسے جانتے ہو اور جو تم کرتے ہو جان بوجھ کر کرتے ہو۔

ابن اسحاق نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن حنیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے آپس میں گفتگو کی کہ جو حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب پر نازل کیا گیا ہے، ہم صبح اس پر ایمان لائیں گے اور شام کو اس کا انکار کریں گے تاکہ لوگوں پر دین خلط ملط ہو جائے۔ شاید وہ

بھی ایسا ہی کریں جس طرح ہم کرتے ہیں۔ پس وہ اپنے دین سے پلٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (2)

## وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَيَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ

## النَّهَارِ وَالْكَفْرَ وَالْأَخْرَجَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥١﴾

”کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ ایمان لے آؤ۔ اس (کتاب) پر جو اتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت ہے

اور انکار کرو اس کا سرشام ہے شاید (اسی طرح) وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں۔“

۱۔ اس سے لے کر واسع علیہم تک کلام کی۔

۲۔ یعنی زبان سے ایمان کا اظہار کرو۔

۳۔ یعنی قرآن پر دن کے اول پہر کیونکہ یہی وہ پہلی چیز ہوتی ہے جس کا سامنا کیا جاتا ہے۔

۴۔ یعنی دن کے پچھلے پہر اور پھر کہنا ہم نے اپنی کتابوں میں دیکھا اپنے علماء سے مشورہ کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ وہ محمد نہیں اور ہمارے اوپر ان کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔

۵۔ یہاں ہم ضمیر سے مراد مسلمان ہیں جو ان کے دین میں شک کرتے تھے، وہ اپنے دین سے لوٹ آئیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ تم نے جو دین کو چھوڑا ہے، وہ کس نقص کی وجہ سے چھوڑا ہوگا جو تمہارے اوپر ظاہر ہوا تھا۔ بغوی نے کہا حسن نے کہا یہودیوں کے بارہ علماء نے متفقہ فیصلہ کیا تھا جو خیر اور عرینہ کے بستی سے تعلق رکھتے تھے (۱) ابن جریر نے سدی سے اسی مثل نقل کیا ہے۔ مجاہد، مقاتل اور کلبی نے کہا یہ امر قبلہ کے متعلق ہوا جب قبلہ کو کعبہ کی طرف پھیرا گیا، یہ یہودیوں پر بڑا شاق گزرا تو کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے کہا کعبہ کے معاملہ پر ایمان لاؤ، پہلے پہر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو، پھر انکار کر دینا اور پچھلے پہر اپنے سابقہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔ (۲)

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ

مِثْلَ مَا أُوتِيَئْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ

يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٢﴾

” (ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں) کہ مت مانو کسی کی بات لے سوائے ان لوگوں کے جو پیروی کرتے ہیں تمہارے دین

کی ۲۔ فرمائیے ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو۔ (اور یہ بھی نہ ماننا کہ) دیا جاسکتا ہے ۳۔ کسی کو جیسے تمہیں دیا گیا ہے با

کوئی حجت لاسکتا ہے تم پر ۴۔ تمہارے رب کے پاس کے (اے حبیب) فرما دیجئے کہ فضل (و کرم) تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے

دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے ۵۔“

۱۔ اس کا عطف اِئْتُوا بِالَّذِي اُنزِلَ پر ہے۔ یعنی تم حقیقی ایمان نہ لانا جس میں دل زبان کی موافقت کرتا ہے اور کسی کے قول کی تصدیق نہ کرنا۔

۲۔ یعنی تمہارے دین والے یا اس کا معنی یہ ہے دن کے پہلے پہر تم اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرنا مگر انہیں لوگوں پر جو پہلے تمہارے دین کے پیروکار

تھے، کیونکہ ان کے رجوع کی زیادہ امید کی جاتی ہے اور ان کا رجوع کرنا ہمارے نزدیک زیادہ اہم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَا تُؤْمِنُوا اِكْفَرُوا

کا بیان ہو، پھر معنی یہ ہوگا پچھلے پہر ان کا انکار کرنا، پچھلے پہر ایمان کا نہ لانا مگر اپنے دین والوں پر

۳۔ اے محمد ﷺ کفار کو کہہ دو، یعنی وہ ہدایت جو مسلمانوں کو دی گئی، تم اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانہ سکو گے، اللہ تعالیٰ اپنے نور کو

کامل کرنے والا ہے تمہارا مکر مومنوں کو کچھ نقصان نہیں دے گا۔ یا اس کا معنی ہے اے محمد ﷺ اپنے آپ کو اور مومنوں کو کہہ دیجیے بے شک ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، کسی مکار کا مکر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

یہ یونانی کواہن کثیر نے مد کی صورت میں استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے بغیر مد کے جملہ خبریہ کی صورت میں پڑھا ہے۔ یہ کلام محذوف کے متعلق ہو تو تقدیر کلام یوں ہوگی فَكَرْتُمْ ذَلِكَ الْمَكْرَ حَسَدًا، يَا مَكْرُتُمْ لِأَنَّ يُونَنِي ھے کتاب یا حکمت میں سے جو کچھ تمہیں دیا گیا۔

یہ اس کا عطف یوننی پر ہے اور یہ ان کی وجہ سے محل نصب میں ہے، اس میں ضمیر مرفوع احد کی طرف لوٹ رہی ہے، اگرچہ احد لفظاً تو مفرد ہے لیکن معنی جمع ہے کیونکہ یہ نفی یا استفہام کے سیاق میں ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا تم نے مکر کیا اس لئے کہ کوئی تم پر غالب نہ آجائے۔

یہ قیامت کے روز کیونکہ وہ ہدایت پر ہیں نہ کہ تم یعنی حسد نے تمہیں اس مکر پر برا بیچتے کیا ہے جبکہ یہ مکر و حسد مناسب نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان یوننی لا تومنوا کے متعلق ہے اس صورت میں تین تاویلیں ہیں۔

1۔ لَمَنْ تَوَعَّدْتُمْ میں لام زائدہ ہو جس طرح کہ رب العالمین کے اس ارشاد رَدِّفْ لَكُمْ میں ہے اور مستثنیٰ منہ احد، یوننی کا فاعل ہے اور مستثنیٰ اس سے مقدم ہے یا او، بحاجو کم میں واؤ کے معنی میں ہے کیونکہ یہ سیاق نفی میں ہے۔ جس طرح لَا تَطْعَمُوا مِنْهُمْ اِشْمًا اَوْ كَقَوْلِهِمْ اَوْ بَعْضِي وَاو ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا نہ تصدیق کرو، نہ اقرار کرو کہ تمہارا جیسا کسی اور کو دیا جاسکتا ہے مگر اسے ہی جو تمہارے دین کی اتباع کرے اور نہ ہی اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور تم پر کوئی غالب آسکتا ہے۔

2۔ یہاں لام انتفاع کے لئے ہو یا زائدہ ہو اور استثنا مفرغ ہو اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان یوننی احد میں اسم ظاہر (احد) کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے، اس کو ظاہر اس لئے کیا گیا کیونکہ صدر کلام سے اس کا مرجع محذوف ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا لَا تَصَدِّقُوا اَحَدًا (کسی ایک کی بھی تصدیق نہ کرو) یا لَا تَقْرُوا اِلَّا خِدًا کسی ایک کے حق میں اقرار نہ کرو مگر اسی کے حق میں جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔ یا معنی یہ ہوگا مگر اس کے حق میں جو تمہارے دین کی اتباع کرے کہ اسے بھی اسی قدر دیا جاسکتا ہے جتنا تمہیں دیا گیا۔ یا تم پر تمہارے رب کے ہاں غلبہ پاسکتا ہے کیونکہ از روئے دین کے تم زیادہ صحیح ہو۔ یہ معانی جمہور کی قرأت کے مطابق ہوں گے، مگر ابن کثیر کی قرأت کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا کیا تم تصدیق کرتے ہو یا اقرار کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسا دیا جاسکتا ہے جیسا تمہیں دیا گیا یا تمہارے رب کے ہاں تم پر غلبہ پایا جاسکتا ہے، تم سے یہ اقرار اور تصدیق مناسب نہیں لگتی۔ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔

3۔ لَا تُوْمِنُوا لَا تَطْهَرُوا کے معنی میں ہو اور لام کے صلہ کے طور پر ہو۔ معنی یہ ہوگا تم اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرو کہ کسی ایک کو بھی ایسا دیا جاسکتا ہے جو تمہیں دیا گیا یا تمہارے رب کے ہاں تم پر غلبہ پایا جاسکتا ہے، مگر وہی جو تمہارے دین کی اتباع کرے، یعنی اگر ایمان لانا ہی مسلمانوں کو بتانا ہے تاکہ یہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو جائے۔ ابن کثیر کی قرأت کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا کیا تم دوسرے لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہو کہ تمہاری مثل کسی اور کو بھی دیا جاسکتا ہے یا کوئی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تم پر غلبہ پاسکتا ہے، اس قسم کا اظہار مناسب نہیں۔ ان تمام تاویلات کی صورت میں ان الہدی ہدی اللہ جملہ معترضہ ہے۔ مقصود اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ ان کا مکر کوئی نفع نہیں دے گا اور نہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائے گا۔ جمہور کی قرأت کے مطابق یہ جائز ہے کہ ان یوننی ان کی خبر ہو اس صورت میں ہدی اللہ الہدی سے بدل ہوگا اور او بحاجو کم میں او حتی کے معنی میں ہوگا۔ معنی یہ بنے گا کہ ہدایت یعنی خدا داد ہدایت یہ ہے کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ چاہے ویسی ہی کتاب دے دے جیسی تم کو دی گئی، یہاں تک کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے وہ تم پر غالب آجائیں۔ ایک قول یہ کیا



نے ہاء کے کسرہ کو اختلاس (۱) کے ساتھ پڑھا ہے، انہوں نے یاہ ساکنہ جو حذف ہے اس کو موجود خیال کیا ہے، ہاء جو حرف ساکن کے بعد ہو اس کی حرکت میں اختلاس ہوتا ہے۔ ہشام سے تمام مواقع پر یوں ہی مروی ہے۔ باقی قراء نے کسرہ کے اشباع کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ متحرک حرف کے بعد ہاء میں اشباع ہوتا ہے اسے ساکن کرنے کے ساتھ وقف کرنا سب کا متفق علیہ مسلک ہے۔

۷۔ ابن عباس نے کہا قاتماً کا معنی اصرار کرنے والا ہے، کہا جاتا ہے یقوم علیہ یعنی اصرار کے ساتھ تقاضا کرتا ہے اور حکام کے پاس مسئلہ کو لے جانے کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے۔

۸۔ یعنی ادا نہ کرنا اور اس کو طلال جاننا۔

۹۔ باء سببیہ ہے کہ یہودی کافر کہتے ہیں۔

۱۰۔ جو اہل کتاب نہیں ان کے معاملہ میں۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مواخذہ کی کوئی راہ نہیں، وہ کہتے عرب کے اموال ہمارے لئے مباح ہیں کیونکہ ہمارے دین پر نہیں اور ہماری کتاب میں ان کے اموال کی کوئی حرمت موجود نہیں جو آدمی ان کے دین کے مخالف ہوتا، اس کے ساتھ ظلم روا رکھنا وہ جائز خیال کرتے۔

۱۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس کو حلال کر دیا ہے۔

۱۳۔ کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

### بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۰﴾

”ہاں کیوں نہیں! جس نے پورا کیا اپنا وعدہ اور پرہیزگار بنا لے تو بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے۔“

۱۔ یعنی بات ایسے نہیں جس طرح انہوں نے کی بلکہ مومنین کے معاملہ میں ان پر مواخذہ کی صورت موجود ہے، یا ایمان کیساتھ یا عقد ذمہ کی وجہ سے ان کے مال کی حفاظت لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو انہوں نے اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لئے، مگر جس میں اسلام کا حق ہوگا ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہوگا (۱) متفق علیہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دیں، یعنی کفار اگر اسلام لانے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ ادا کرنے کو کہیں، اگر وہ اسے قبول کر لیں تو ان سے قبول کر لیں اور اپنا ہاتھ ان سے روک لیں، متفق علیہ۔ سلیمان بن بریدہ اپنے باپ سے طویل حدیث نقل کرتے ہیں۔

۲۔ من شرطیہ سے یا موصولہ ہے۔ ضمیر مجرور من کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی جس نے امانت دے کر وعدہ پورا کیا جو اس نے رب المال سے کیا ہوا تھا، یا یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ جو اس نے تورات میں ان سے لیا تھا کہ وہ تمام انبیاء اور حضور ﷺ اور قرآن پر ایمان لائیں گے اور امانت ادا کریں گے۔

۳۔ اور کفر و خیانت سے بچا۔

۴۔ یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے، اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ تقویٰ ہی تمام امور کی اصل ہے۔ یہ وعدہ کو پورا کرنے دوسرے واجبات کی ادائیگی اور تمام منافی سے اجتناب کرنے کو شامل ہے۔ اسی وجہ سے اس اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے جو من اوفیٰ کی طرف

(۱) فن قرأت کی اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حرکت کا تیسرا حصہ ادا کرنا یعنی مکمل کسرہ کی ادائیگی کے بغیر صرف اس کا تیسرا حصہ ادا کیا جائے۔

لوٹنے والی ہے۔ یہ جملہ مستانہ ہے، اس جملہ کی وضاحت کرتا ہے جس کے قائم مقام ملی کو رکھا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا چار چیزیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہے، جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، جب جھگڑا کرے تو گالی دے (1) متفق علیہ۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، امام مسلم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے، پھر ان باتوں کے روایت کرنے میں دونوں متفق ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کو توڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (2) واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے ابو وائل سے وہ عبداللہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایسی قسم اٹھائی جس کے ساتھ وہ کسی مسلمان کا مال لینا چاہتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔ (3)

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي  
الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَا لَهُمْ  
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤﴾

”بے شک جو لوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت لے یہ وہ (بد نصیب) ہیں کہ کچھ حصہ نہیں ان کے لئے آخرت میں ہے اور بات تک نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی نہیں ان کی طرف قیامت کے روز ہے اور نہ پاک کرے گا انہیں ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

۱۔ اشعث بن قیس داخل ہوئے تو پوچھا ابو عبد الرحمن نے تمہیں کیا بیان کیا؟ لوگوں نے بتایا فلاں فلاں۔ تو اشعث نے کہا یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی، میرے چچا زاد بھائی کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تری گواہیاں ہوں گی یا اس کی قسم؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ تو قسم اٹھا دے گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی قسم اٹھائے جبکہ وہ جھوٹا ہو، جس کے ذریعے وہ اپنے مسلمان بھائی کا مال لینا چاہتا ہو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا (4) امام بغوی نے اپنی سند سے امام بخاری کے طریق سے روایت نقل کی ہے۔ ابو داؤد ابن ماجہ اور دوسرے لوگوں نے اشعث بن قیس سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازع تھا، اس نے مجھے دینے سے انکار کر دیا۔ میں معاملہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کی گواہ تو نہیں۔ آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا قسم اٹھاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا وہ قسم اٹھا دے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (5) امام بخاری نے عبداللہ بن اوفی سے ایک روایت نقل کی ہے۔ ایک شخص کچھ تجارتی سامان بازار میں لایا اور کسی مسلمان کو پھانسنے کے لئے اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ مجھے اس کی اتنی قیمت ملتی تھی (6) حالانکہ اس کو اس کی بیان کردہ قیمت نہیں ملتی تھی یا یوں ترجمہ کیا

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 10 (وزارت تعلیم) 2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 56 (قدیمی)

3- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 310 (التجاریہ)، (صحیح بخاری میں الفاظ مختلف کے ساتھ، جلد 1، صفحہ 366) (وزارت تعلیم)

4- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 310 (التجاریہ) 5- سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 169 (وزارت تعلیم) 6- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 652 (دست)

جائے کہ اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس سامان کی اتنی قیمت دی ہے، یعنی اتنے میں خریدا ہے۔ حالانکہ اس نے اتنی قیمت نہیں دی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر نے بخاری شریف کی شرح میں ارشاد فرمایا ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں، بلکہ اس کا یہ معنی کیا جائے گا کہ اس آیت کے نزول کے دو سبب ہیں (۱) معنی اس کا یہ ہوگا بے شک وہ لوگ امانت ادا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے عوض یا جھوٹی قسمیں اٹھا کر تھوڑا سا مال حاصل کرتے ہیں۔ یہاں تھوڑے مال سے مراد دنیا کا مال ہے، خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو کیونکہ وہ آخرت کے مال کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ ابن جریر نے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حیی بن اخطب، کعب بن اشرف اور دوسرے یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ تورات میں موجود حضور ﷺ کی شان کو چھپاتے تھے۔ انہوں نے آپ کی شان میں تحریف کی اور اپنے ہاتھوں سے کچھ اور لکھا، ساتھ ہی یہ قسم بھی اٹھادی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ ان کی روزی اور رشوتیں ختم نہ ہوں جو انہیں ان کے پیرو کاروں کی طرف سے ملتی تھیں۔ ابن حجر نے کہا آیت کریمہ کی تعبیر میں کئی احتمال ہیں، تاہم صحیح وہی ہے جو صحیحین میں ہے (۲) میں کہتا ہوں سیاق کلام ابن جریر نے عکرمہ سے جو روایت کیا ہے اسکی صحت کا تقاضا کرتا ہے، وہ حدیثیں جو صحیحین میں مذکور ہیں، ابن جریر کی روایت کے منافی نہیں جس طرح وہ خود آپس میں منافی نہیں کیونکہ یہ جائز ہے کہ یہ سب اس آیت کے نزول کے سبب ہوں۔ واللہ اعلم

علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ایک آدمی حضرموت اور دوسرا کندہ سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ آدمی میری زمین پر قابض ہے۔ کندی نے کہا یہ میری اپنی زمین ہے، میرے قبضہ میں ہے، اس پر کسی اور کا کوئی حق نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرمی سے کہا کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ اس نے عرض کی میرے پاس گواہ تو نہیں۔ آپ نے فرمایا پس تیرے لئے اس کی قسم ہے۔ حضرمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ آدمی تو قابض ہے، قسم اٹھانے کی مطلقاً پرواہ نہیں کرے گا، یہ کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا۔ آپ نے فرمایا تیرے لئے اس کی طرف سے سوائے قسم کے کچھ بھی نہیں۔ وہ گیا تاکہ قسم اٹھائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اس نے پیٹھ پھیری اگر اس نے مال کے حصول کے لئے قسم اٹھادی تو یہ ظلم کیسا تھ مال کھانے والا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس شخص سے ناراض ہوگا (۳) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ امرؤ القیس بن عابس کندی تھا اور اسکے ساتھ ربیعہ بن عبدان نے جھگڑا کیا تھا۔ ابو داؤد کے ہاں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی آدمی کسی کا مال قسم کے ذریعے حاصل نہیں کرنا مگر وہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہاتھ کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ کندی نے کہا یہ میری زمین ہے۔ امام بغوی نے کہا روایت کیا گیا ہے جب کندی نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ تو امرؤ القیس قندی قسم اٹھانے سے رک گیا، اپنے خصم کے حق کا اقرار کیا اور اس کا حق اس کے حوالے کر دیا۔ (۴)

یعنی ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا آخرت کی نعمتوں میں سے۔ حضرت ابی امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ساتھ سلب کر لیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہنم کو لازم فرمادے گا اور جنت کو اس پر حرام کر دے گا، تو ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ اگر چہ وہ تھوڑی سی چیز پر ہی قسم اٹھائے؟ آپ نے فرمایا اگر چہ وہ اراک درخت کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو (۵) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ جملے تین دفعہ فرمائے۔

اسے ایک قول یہ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایسی کلام نہیں فرمائے گا جو ان لوگوں کو خوش کرے اور نہ ہی ان کی طرف نظر

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 80 (قدیمی)

2- فتح الباری، جلد 17، صفحہ 72

1- فتح الباری، جلد 15، صفحہ 71-72

5- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 80 (قدیمی)

4- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 310 (النجاریہ)

رحمت فرمائے گا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ناراض ہونے اور اعراض کرنے سے کنایہ ہے۔ گویا عبداللہ اور اشعث کی حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا اور وائل کی حدیث میں ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض کرنے والا ہوگا، انہی دونوں جملوں کی تفسیر ہے۔

۳۔ ان کی ثناء نہیں فرمائے گا۔ ظاہر معنی یہ بنتا ہے کہ ان کے گناہ نہیں بخشے گا کیونکہ یہ چیز حقوق العباد سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں بدلہ لازم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیوان تین ہیں، ایک دیوان ایسا ہے جسکی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا، ایک دیوان ایسا ہے جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں چھوڑتا، ایک دیوان ایسا ہے جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا۔ وہ دیوان جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا وہ شرک ہے، وہ دیوان جس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم ہے، یعنی حقوق اللہ جیسے نماز، روزہ کو چھوڑنا، وہ دیوان جسے اللہ تعالیٰ کسی صورت میں نہیں چھوڑتا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم ہے، اس میں بدلہ لازمی ہے (۱) اسے حاکم اور احمد نے روایت کیا۔ طبرانی نے اسی کی مثل سلمان اور ابو ہریرہ سے روایت کیا اور بزار نے اسی کی مثل حضرت انس کی حدیث سے روایت کیا۔ اگر یہ آیت یہودیوں کے حضور ﷺ کی نعت چھپانے کے متعلق ہو تو نہ بخشا ان کے کفر کے باعث ہوگا۔

۴۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس پر عذاب الیم ہوگا۔ ابو ذر نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے، فرمایا تین افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا، قیامت کے روز ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یہ کلمات تین دفعہ دہرائے، تو حضرت ابو ذر نے کہا وہ خائب خاسر ہو گئے، یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اپنی چادر کو لٹکانے والا، احسان جتانے والا، وہ کوئی احسان نہیں کرتا مگر وہ احسان جتانے ہے، جھوٹی قسم کے ساتھ اپنا مال خرچ کرنا (۲) اسے امام مسلم احمد، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تین افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا، ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، انہیں پاک نہیں کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ایک ایسا آدمی جس کے پاس جنگل میں کافی پانی ہو اور وہ مسافر کو دینے سے انکار کر دے، دوسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد کچھ سامان تجارت فروخت کرنا چاہے اور یوں قسم اٹھائے کہ اس نے اتنے اتنے میں یہ مال لیا اور وہ اس کی تصدیق کرے، جبکہ بات ایسے نہ ہو۔ تیسرا آدمی جو امام کے ساتھ بیچ کرے اور بیچ کرنے کا مقصود دنیا ہو، اگر وہ اس میں سے عطا کرے تو وہ پورا پورا دے اور اگر وہ نہ دے تو پورا پورا حق نہ دے (۳) متفق علیہ اسے امام احمد اور ائمہ اربعہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت انہیں سے مروی ہے جو مرفوع اور متفق علیہ ہے: تین آدمی ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ہم کلام نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کی طرف نظر کرم کرے گا، ایک وہ آدمی جو اپنے سامان تجارت پر قسم اٹھائے کہ اس نے زیادہ عطا کیا ہے، جبکہ اس نے کم دیا تھا جبکہ وہ جھوٹا ہو، دوسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھائے تاکہ اس قسم کے ساتھ کسی مسلمان کا مال غصب کرے، تیسرا وہ آدمی جو زائد پانی دینے سے انکار کر دے، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میں آج اپنا فضل تجھ سے روکتا ہوں جس طرح تو نے اس فضل کو روک لیا تھا، جس میں تیری کوئی کاوش شامل نہ تھی۔ سلمان سے اسی کی مثل مروی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں بوزہا بکار، بھوکا منکبر تیسرا وہ آدمی جس کے مال کو اللہ تعالیٰ نے یوں بنا دیا کہ وہ خریدتا ہے تو بھی قسم اٹھاتا ہے، بیچتا ہے تو بھی قسم اٹھاتا ہے۔ اسے طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے طبرانی نے عصمہ بن مالک سے وہ نبی کریم ﷺ سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔



وَإِنْ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونُ السِّنْتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ  
مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ  
عَلَى اللَّهِ الْكِذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٠﴾

”اور بے شک ان میں ایک فریق وہ ہے ۱۔ جو مروڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ ۲۔ تاکہ تم خیال کرنے لگو (ان کی) اس (الٹ پھیر) کو بھی اصل کتاب سے حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے ۳۔ اور وہ کہتے ہیں یہ بھی اللہ کی طرف سے (اترا) ہے ۴۔ حالانکہ وہ نہیں ہے اللہ کے پاس سے ۵۔ اور وہ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ جان بوجھ کر ۶۔“

۱۔ ہم ضمیر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ طائفہ سے مراد وہ کعب بن اشرف، مالک بن ضیف، حی بن اخطب، ابویاسر، سفنہ بن عمرو شاعر ہیں۔

۲۔ نازل شدہ کتاب کو تحریف شدہ کیساتھ ملاتے ہوئے پڑھتے ہیں۔

۳۔ تاکہ اے مومنو تم اس محرف شدہ حصہ کو اللہ تعالیٰ کا کلام گمان کرو جبکہ یہ نازل شدہ کتاب کا حصہ نہیں۔

۴۔ یہودی صراحتہ کہتے ہیں۔ وہ تحریف شدہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اس میں ان پر سخت طعن و تشنیع ہے۔

۵۔ یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے، یعنی اس کتاب کا حصہ نہیں ہے۔

۶۔ کہ یہ جھوٹ ہے۔ یہ تاکید کے بعد تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولنے پر مہر لگانا ہے۔ ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے تورات و انجیل میں تحریف کی اور کتاب کے ساتھ ایسی چیز کو ملا دیا جو اس کتاب کا حصہ نہیں (۱)

اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ ابورافع قرظی نے کہا (جب یہودی علماء اور نجران کا وفد حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں جمع ہوئے اور حضور ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی)۔ اے محمد ﷺ کیا آپ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت کریں جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی؟ حضور نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں، نہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مبعوث کیا اور نہ ہی مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ما کان لبشر سے لے کر مسلمانوں تک آیات کو نازل فرمایا (۲) عبد نے اپنی تفسیر میں حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جس طرح ہم میں سے بعض کو سلام کرتے ہیں، کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کیا کریں؟ فرمایا نہیں، لیکن اپنے نبی کی تعظیم کیا کرو اور ان کے اہل کا حق پہچانو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے سجدہ کرنا جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ مقاتل اور ضحاک نے کہا نجران کے عیسائی کہا کرتے تھے کہ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ وہ انہیں رب تسلیم کریں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (۳)

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا  
عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّكُمْ عَلِيمًا كَمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا  
كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿١١﴾

”نہیں ہے مناسب کسی انسان کے لئے ۱۔ کہ (جب) عطا فرمادے اسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکومت اور نبوت تو پھر وہ کہنے لگے لوگوں سے ۲۔ کہ بن جاؤ میرے بندے اللہ کو چھوڑ کر ۳۔ (وہ تو یہ کہے گا کہ) بن جاؤ اللہ والے ۴۔ اس لئے کہ تم دوسروں کو تعلیم دیتے رہتے تھے کتاب کی ہے اور بوجہ اس کے کہ تم خود بھی اسے پڑھتے تھے ۵۔“

۱۔ جائز نہیں محمد ﷺ کے لئے اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ بشر اسم جنس ہے جس طرح انسان اسم جنس ہے، مذکر ہو یا مؤنث، واحد یا جمع بشر استعمال ہوتا ہے تاہم تشبیہ آتا رہتا ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ میں ہے اَنْتُمْ مِنْ لِبَسْتَرَيْنِ وَمِثْلِنَا۔ اس کی جمع ابشار آتی ہے، جس طرح قاموس میں ہے۔ بغوی نے کہا بشر تمام بنی آدم کو کہتے ہیں، یہ جمع ہے، اس لفظ میں واحد نہیں ہوتا، جس طرح قوم جیش اسے واحد کی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (۱)

۲۔ حکم سے مراد حکمت اور سنت یا حکم نافذ کرنا ہے۔ بقول کا عطف یونہی پر ہے اور ان کی وجہ سے منصوب ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے علاوہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت اللہ تعالیٰ کی عبادت کے منافی ہے اور اس کی عبادت اس کی توحید میں منحصر ہے اور ان محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مکان کا اسم ہے یعنی کتاب اور نبوت جس کا مقصود لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے اور یہ قول جس میں شرک کی دعوت ہے، ان دونوں میں تناقض اور تضاد پایا جاتا ہے۔

۴۔ اس کا عطف بقول پر ہے اس شرط پر کہ یہاں قول محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لکن کُنُوْا کا عطف ما قبل جملہ کے مفہوم پر ہو کیونکہ اس سے یہ سمجھا آتا ہے تم لوگوں کو یہ کہنے والے نہ ہو جاؤ کہ میرے بندے بنو، بلکہ تم اللہ والے ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں عطا کیا ہے اس کی تبلیغ کرنے والے ہو جاؤ۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس نے کُنُوْا رَبَّانِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا اس کا معنی ہے فقہاء، علماء بن جاؤ قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے حکماء و علماء بن جاؤ۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے فقہاء و معلم بن جاؤ۔ عطاء نے کہا علماء و حلیم بن جاؤ، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے مخلص بن جاؤ۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے ربانی سے مراد وہ آدمی ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔ ابو عبید نے کہا میں نے ایک عالم آدمی سے سنا جو کہہ رہا تھا ربانی اسے کہتے ہیں جو حلال و حرام، امر و نہی کا علم رکھتا ہو، امت کی خبروں کا کان و ما یکنون سے آگاہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ربانی کا مرتبہ احبار سے بلند ہے۔ احبار علماء کو کہتے ہیں، ربانی انہیں کہتے ہیں جو لوگوں میں علم اور بصارت کے جامع ہوں۔ تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے ربانی اسے کہتے ہیں جو علم، عقل، اخلاص اور قرب کے مراتب میں کامل و مکمل ہو۔ انہیں یہ نام اسے لئے دیا جاتا ہے کیونکہ وہ علم کی پرورش کرتے ہیں، اس کے مطابق عمل کرتے ہیں، طالبوں کی بڑے علوم سے پہلے چھوٹے علوم کی تربیت کرتے ہیں، وہ انسان جو کسی شے کی اصلاح اور اس کی تکمیل کے لئے کوشاں رہا، پس اس نے اس کی تربیت کی۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ وہ اپنے علم کو عمل کے ساتھ ترقی دیتا ہے۔ اس کا واحد ربان ہے جس طرح ربان اور عطشان کا وزن ہے، پھر اس کے ساتھ یا نسبت لگا دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ لفظ رب سے اسم منسوب ہے اور مبالغہ کے لئے اس کے آخر میں الف نون کا اضافہ کر دیا گیا جس طرح گھنٹی اور لمبی داڑھی والے کو لیبانی، موٹی اور لمبی گردن والے کو ربانی کہتے ہیں جب مبالغہ کے بغیر ان سے اسم منسوب ذکر کیا جائے تو لچی اور قمی کہتے ہیں۔ جس دن حضرت عبداللہ بن عباس کا وصال ہوا تو محمد بن حنفیہ نے کہا اس امت کا ربانی فوت ہو گیا۔ (۲)

۵۔ کوئی قراء اور ابن عامر نے شد کے ساتھ تعلم سے مشتق مانتے ہوئے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے علم سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

۶۔ تم کتاب کی قرأت پر دوام اختیار کرتے ہو اور تم اس کو یاد کرتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی تم لوگوں پر اس کو پڑھتے ہو، کیا جائے

کیونکہ تعلمون تعلیم سے مشتق ہے۔ صحاح میں ہے درس الدار یعنی اس کا اثر باقی رہا اور درس الکتب و العلم یعنی اس نے یاد کر لیا کتاب اور علم کا اثر لے لیا۔ جب اس کا حصول قرأت میں مداومت سے حاصل ہوتا ہے، تو قرأت کو دائمی طور پر پڑھنے کو درس سے تعبیر کیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَ خَرَسُوا مَا فِيهِ اور وَبِمَا كُنْتُمْ تَلْرُسُونَ یعنی تم ہمیشہ قرأت کرتے ہو اور اسے یاد رکھتے ہو اور بما كنتم، كونوا کے متعلق ہے اور ما مصدر یہ ہے۔ معنی یہ ہوگا ربانی ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب کا علم رکھتے ہو اور لوگوں کو اسکی تعلیم دیتے ہو، اس کی قرأت اور حفظ میں دوام اختیار کرتے ہو کیونکہ علم کا فائدہ یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اپنے نفس کی اصلاح کی جائے۔ تعلیم کا فائدہ دوسروں کی اصلاح ہوتی ہے۔ یہ حقیقت میں اپنی اصلاح کی فرع ہے تاکہ وہ اس ارشاد کا مخاطب نہ بنے لِم تَتَّقُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ

نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی نے جملہ مستفہد ہونے کی بنا پر یا امر کو مرفوع پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم نہیں دیتا یہ بھی جائز ہے کہ بقول کے فاعل سے حال ہو یعنی اپنی عبادت کا تمہیں حکم دیتا ہے دراصل حالیکہ وہ تمہیں حکم نہیں دیتا بلکہ اس سے منع کرتا ہے۔

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَالِكَةَ وَالنَّبِيَّاتِ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾

”اور وہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا۔ تمہیں اس بات کا کہ بنا لو فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا (تم خود سوچو) کیا وہ حکم

دے سکتا ہے تمہیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو۔“

۱۔ نافع، ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی نے جملہ مستفہد ہونے کی بنا پر یا امر کو مرفوع پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں حکم نہیں دیتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ بقول کے فاعل سے حال ہو۔

۲۔ ابن عامر، عاصم اور حمزہ نے لا یا امر حکم کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ بقول پر معطوف ہوگا، لافعی کی تاکید کے لئے زائد ہوگا جو نفی کا معنی ما کان لبشر میں پایا جا رہا ہے، پھر وہ حکم دیتا ہے لوگوں کو اپنی عبادت کا اور حکم دیتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء کرام کو، جس طرح قریش اور صابیوں نے کہا، جب انہوں نے کہا فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہودیوں اور نصاریٰ نے کہا عزیر بن اللہ اور مسیح بن اللہ۔ یہ بھی جائز ہے کہ لازائدہ نہ ہو، معنی یہ ہواست زبیا نہیں کہ وہ اپنی عبادت کا حکم دے نہ وہ اس کا حکم دیتا ہے بلکہ وہ اس سے منع کرتا ہے کہ انبیاء اور ملائکہ کو رب بنا لیا جائے۔

۳۔ استفہام تعجب اور انکار کے لئے ہے۔ کفر سے مراد غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے بعد اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکانے والے ہو۔ اگر یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہو جو حضور ﷺ سے سجدہ کی اجازت طلب کر رہے تھے جس طرح کہ حسن بھری نے روایت کیا ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یہی صورت حال ہوگی اگر یہ نصاریٰ کے لئے رد کے طور پر ہو کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ وہ اسے اپنا رب تسلیم کریں کیونکہ یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مسلمان تھے۔ اگر یہ مقدر کیا جائے کہ یہ خطاب یہود و نصاریٰ کو ہو جو یہ کہ رہے تھے اے محمد ﷺ کیا تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ ہم تمہاری عبادت کریں تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ یہ خطاب فرضیہ ہوگا، پھر تقدیر کلام یوں ہوگی فرض کرو تم حضور ﷺ کے امر کی اطاعت کرو کیا وہ تمہیں اسلام لانے کے بعد کفر کا حکم دیں گے۔

وَ إِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ



تعلیم ہے: وَاتَّبِعُوا آدَابَ رَسُولِ اللَّهِ وَأَمْرًا مَعْرُوفًا نَهًیًّا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

۳۔ حکمت سے مراد سنت یا دین میں نفاہت ہے۔

۴۔ یہاں ما سے مراد کتاب ہے جسے آپ لائے۔

۵۔ مکمل طور پر تم جہاں کا عطف صلہ پر ہے۔ اس میں ضمیر عائد کی جگہ اسم ظاہر رکھا گیا جو مامعکم ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے مُصَدِّقًا لِّذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى إِنَّكُمْ لَعِنْدَهُ لَشَرٌّ مِّنْ آبَائِكُمْ وَأُمَّهَاتِكُمْ لَكُمُ الْمَوْتُ وَكُمُ الْحِسَابُ۔

یہی معنی اور مفہوم حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ لفظ عام ہے، یہاں تخصیص پر کوئی دلیل موجود نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا تُفْرَقُوا بَيْنَ أَحِبَّائِكُمْ وَمَنْ يُفْرَقْ مِنْكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى۔

رسول پر ایمان سب امتوں پر واجب ہے، خواہ وہ پہلی امتیں ہو یا بعد کی امتیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے شَرَّعْنَا لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَضَعْنَا لَكُمْ فِيهِ وَمَا وَضَعْنَا لَكُمْ فِيهِ إِلَّا مَا حَسِبْنَا لَكُمْ خَيْرًا لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ اور حضرت علی شیر خدا اور

حضرت ابن عباس کا قول جس میں حضور ﷺ کی تخصیص کی گئی ہے۔ یہ معاند اہل کتاب پر حجت قائم کرنے کیلئے ہے کیونکہ ان کے ساتھ گفتگو حضور ﷺ کے متعلق تھی کسی اور کے متعلق نہ تھی، ان کے قول کا مقصود دوسرے انبیاء و رسول سے حکم کی نفی مقصود نہ تھی۔ یہ بھی

جائز ہے کہ وعدہ صرف حضور ﷺ کے لئے ہو اور مقصود آپ کی فضیلت کا اظہار ہو اور اللہ تعالیٰ کے فرمان مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی تکذیب کلام مجید کی تکذیب لازم ہے۔

۶۔ ضمیر سے مراد رسول ہیں۔

۷۔ اگر تم خود ان کو پاؤ تو بذات خود ان کی مدد کرنا اور اگر تم ان کو نہ پاؤ تو اپنے پیروکاروں کو ان کی مدد کرنے کا حکم دینا۔ امام بغوی نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی اولاد کو نکالا تو انبیاء ایسے تھے جس طرح چراغ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے

حضور ﷺ کے متعلق پختہ وعدہ لیا (۱) قال سے وعدہ لینے کا بیان ہے اور جملہ مستاتھ ہے، گویا فرمایا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیسے لیا، یا اذ اکون نصب قال فعل کے ساتھ دی گئی ہے۔ پہلی صورت میں اذ اکون نصب اذ کر فعل دے گا۔

۸۔ اصری سے مراد وعدہ ہے یہاں استفہام تقریری ہے۔

۹۔ اس کی ضمیر انبیاء کے لئے ہے یا انبیاء اور امتیں سب شامل ہیں، یعنی سب نے وعدہ کے روز کہا ہم نے اقرار کیا۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے فرمایا قیامت کے روز اپنے خلاف یا اپنے تبعین کے خلاف اقرار کر کے گواہ بن جاؤ میں تم پر اور ان پر گواہ ہوں۔ سعید بن مسیب نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا فَافْشَهُنَّوْا عَلَيْهِمْ۔ یہ غیر مذکور سے کنایہ ہے۔ (۲)

فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱﴾

”پھر جو کوئی پھر سے اس (پختہ عہد) کے بعد تَوَلَّىٰ تو وہی لوگ فاسق ہیں۔“

۱۔ رسل کی اتباع سے جس نے روگردانی کی۔

۲۔ اس اقرار کے بعد اس سے مراد یہودی اور نصرانی ہیں۔

۳۔ جو ایمان سے کفر کی طرف نکلنے والے ہیں۔ یہ آیت اس بات میں صریح ہے کہ یہ وعدہ انبیاء اور ان کے تبعین سب سے لیا گیا اور صرف

متبوعین کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

أَفَعَيَّرِدِينِ اللَّهُ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا  
وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿١٣﴾

”کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف وہ (سب) لوٹائے جائیں گے۔“

۱۔ اس کا عطف فَاوَلَيْكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ پر ہے۔ ہمزہ استفہام انکار کا معنی دے رہا ہے۔ یا اس کا عطف فعل محذوف پر ہے جس کی تقدیر یہ ہے اِنْفُسُقُونَ فَغَيَّرَ دِينَ اللَّهِ يَبْغُونَ یا اس کی تقدیر یہ ہوگی۔ اَيَتَوَلَّوْنَ فَغَيَّرَ دِينَ اللَّهِ يَبْغُونَ یہاں مفعول کو مقدم اس لئے کیا تا کہ تخصیص کا فائدہ دے اور شخص کے انکار کا فائدہ دے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی کیا تم اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کسی دین کو طلب میں خاص کرتے ہو۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طلب غیر اللہ کے دین کی طلب کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ ابو عمرو، یعقوب اور حفص نے عاصم سے فَاوَلَيْكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ کو دیکھتے ہوئے جمع مذکر غائب کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی یَبْغُونَ، جبکہ جمہور قراء نے ایتکم کو پیش نظر رکھتے ہوئے مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہوگی قُلْ لَهُمْ أَفَعَيَّرَ دِينَ اللَّهِ تَبْغُونَ۔ امام بغوی نے کہا یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ وہ دین ابراہیم پر ہیں اور اس مسئلہ میں حضور ﷺ سے جھگڑا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں جماعتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین سے بری ہیں، تو یہ لوگ غصے ہو گئے اور کہنے لگے ہم آپ کے فیصلے سے راضی نہیں (1) اور آپ کے دین کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے لئے سر جھکایا اور اطاعت کی فرشتوں اور جن و انس نے خوشی سے یا مجبور ہو کر یہ جملہ لفظ اللہ اسم جلال سے حال واقع ہو رہا ہے جو مفعول بہ کی حیثیت سے واقع ہے۔ جو ملائکہ اور جن و انس میں سے مومن ہیں وہ اپنی پسند سے ان اوامر اور افعال اختیار یہ کی اطاعت کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوئے اور ان کے محبوب نے ان پر جو اوامر تکوینیہ جاری کئے انہیں پسند کیا اور تلوار سے مجبور ہو کر یا اس چیز کو دیکھ کر جس نے انہیں اسلام کی طرف مجبور کیا، جس طرح پہاڑ کا جھکنا، غرق ہونے کا ادراک کرنا اور موت پر جھانکنا یا اوامر تکوینیہ میں مجبور ہونے کی وجہ سے۔ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ کو حفص اور یعقوب نے جمع مذکر غائب کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے، جبکہ جمہور نے تاء کے ساتھ جمع مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف تبغون پر ہے۔ اس طرح ابو عمرو نے بھی مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ اوپر انہوں نے بَغُونَ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ وہ اس میں التفات کے قاعدہ کو پیش نظر رکھتے ہیں یا اس بناء پر کہ باغی پھرنے والے تھے اور لوٹنے والے سب لوگ تھے۔

قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣﴾

”آپ فرمائیے۔ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہم پر سے جو اتارا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق،

یعقوب اور ان کے بیٹوں پر ہے اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ، عیسیٰ اور (دوسرے) انبیاء کو ہے ان کے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے ہم کسی کے درمیان ان میں سے ہے اور ہم اللہ کے ہے فرمانبردار ہیں ۹۔“

۱۰۔ اے محمد ﷺ۔

۱۱۔ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنی طرف سے یوں کلام کرے جس طرح بادشاہ گفتگو کرتے ہیں۔ یہ آقائے دو عالم ﷺ کی تعظیم کیلئے ہے یا یہ حکم دیا کہ آپ اپنی طرف سے اور اپنے قبیلین کی طرف سے ایمان کی خبر دیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب ہر مخاطب کو ہو کہ ان میں سے ہر ایک اپنی طرف سے اور مومن بھائیوں کی طرف سے خبر دے۔

۱۲۔ اس سے مراد قرآن ہے۔ اگر یہ تمام مومنوں کی طرف سے خبر دینے کا حکم ہو تو اس کا ان پر نزول نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کے واسطے سے ہو گا یا یہ کہا جائے گا کہ جمعیت میں سے ایک کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ نزول کا لفظ کبھی الٰہی کے واسطے سے بھی متعدی ہوتا ہے جس طرح سورہ بقرہ میں ہے کیونکہ اس کی انتہاء رسولوں تک ہوتی ہے، کبھی علی کے واسطے سے ساتھ متعدی ہوتا ہے کیونکہ یہ اوپر سے نازل ہوتا ہے۔

۱۳۔ اسباب سے مراد یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء ہیں یعنی ان پر جو کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے۔

۱۴۔ جب یہ دونوں اسباب میں داخل ہیں تو پھر ان کو خاص کر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یا تو ان کی فضیلت کی وجہ سے یا اس لئے کیونکہ جھگڑا عموماً یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہوتا تھا، تو موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کا جو وہ ہم تھا اس کو دور کرنے کے لئے خاص کر ان کا ذکر کیا یا ما اوتی سے مراد وحی خفی ہے اور ما انزل سے مراد وحی جلی ہے۔ ما اوتی سے مراد معجزات اور فضائل ہیں۔

۱۵۔ سورہ بقرہ میں ما اوتی کو مکرر ذکر فرمایا لیکن یہاں اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہاں ایتاء کا ذکر پہلے موجود ہے کیونکہ فرمایا لَمَّا آتَيْنَاكُمْ۔

۱۶۔ یہاں من عند کے معنی میں ہے، یعنی ہم تصدیق و تکذیب میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

۱۷۔ ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

۱۸۔ اطاعت کرنے والے ہیں۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۱۰﴾

”اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر، کوئی اور دین، تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے ہے اور وہ قیامت کو زیاں

کاروں میں سے ہوگا۔“

۱۰۔ اسلام سے مراد توحید اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہے۔ یہاں مراد حضور ﷺ کے علاوہ دین ہے کیونکہ آپ کا دین تمام سماوی دینوں کے لئے ناخ ہے۔

۱۱۔ یہ تمیز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ بستیغ کا مفعول ہو اور غیر الاسلام حال مقدم ہو کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے۔

۱۲۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کا حکم دیا ہے اور جس سے وہ راضی ہے، یہ اس کا غیر ہے۔

۱۳۔ کیونکہ وہ اسلام سے اعراض کرنے والا ہے اور غیر اسلام کا طالب ہے، وہ فطرت سلیم کو باطل کر کے نفع کو ضائع کرنے والا اور خسارہ اٹھانے والا ہے امام بغوی نے کہا یہ آیت اور ما بعد آیت ان بارہ افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو گئے تھے، جو مدینہ سے نکلے اور مکہ

مکہ میں داخل ہو گئے۔ کافروں کی حیثیت سے داخل ہوئے انہیں میں سے ایک حارث بن سوید انصاری بھی تھا۔ (۱)

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾

”کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ہدایت دے لے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ایمان لے آنے کے بعد ۵۰ اور وہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے ۵۱ اور آپ کی تمہیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ۵۱“

۱۔ جنت اور ثواب کی طرف اللہ تعالیٰ کیسے ہدایت دے گا۔ یہاں استفہام انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ نہیں دے گا اور ہدایت سے ان کے دور ہونے کا بیان کرنے کے لئے ہے۔

۲۔ جس طرح ان بارہ آدمیوں نے کیا

۳۔ ایمانہم میں جو فعل کا معنی ہے۔ اس پر اس کا عطف ہے، یعنی ایمان اور شہادت کے بعد آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ آپ اس فعل کو مصدر کے معنی میں کریں، جس طرح شعر کے اس مصرع میں تَسْمَعُ بِالْمُعْبِدِي خَيْرًا مِّنْ أَنْ تَرَاهُ یعنی ان کے ایمان اور شہادت دینے کے بعد اور یہ بھی آپ کیلئے جائز ہے کہ شَهِدُوا سے پہلے زمان کا لفظ بطور مضاف مقدر مانیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف کفروا پر ہو کیونکہ واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ یہ بھی جائز ہے کہ قد کے مضمحل ہونے کے ساتھ یہ حال ہو۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ زبان سے اقرار ایمان کی حیثیت سے خارج ہے۔

۴۔ بینات سے مراد واضح دلائل ہیں جیسے قرآن حکیم اور دوسرے تمام معجزات اور اللہ جنت کے راستہ کی ہدایت نہیں دیتا اس آیت میں ظالمین سے مراد کافر ہیں۔

أُولَئِكَ جَزَاءُ الَّذِينَ أَلْحَقُوا بِهِمُ اللَّعْنَةَ وَاللَّهُ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ ﴿٥٢﴾

”ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے لے کہ ان پر پھنکار پڑتی رہے اللہ کی ۵۲ فرشتوں کی ۵۲ اور سب انسانوں کی ۵۲“

۱۔ اولئک مبتدا ہے اور جزاؤہم مبتدا سے بدل اشتمال ہے، یا دوسرا مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اور دونوں کا مجموعہ مبتدا کی خبر ہے۔

۲۔ یہاں لعنت سے مراد اس کا غضب ہے جو اس کی رحمت سے دوری کو لازم ہے۔

۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری فرشتوں کی طرف سے دعا ہوتی ہے۔

۴۔ اس سے مراد مومن ہیں یا اس سے مراد مومن اور کافروں ہیں کیونکہ کفار بھی منکرین حق پر لعنت کرتے ہیں، اگرچہ وہ خود حق کو نہیں پہچانتے یا قیامت کے روز ان میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے۔ رب العالمین کا ارشاد ہے يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا مِمَّنْ فِيهَا مَن لَّا يَرْجُو الْغَضَبَ وَالْعَذَابَ ﴿٥٣﴾

خَلِيدِينَ فِيهَا لَّا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٥٤﴾

”ہمیشہ رہیں گے اسی پھنکار میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی لے“

۱۔ فیہا میں حاضر ہے مراد لعنت ہے، یا آگ ہے، اگرچہ آگ کا ذکر پہلے نہیں ہوا کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہی ہے اس لئے ضمیر کا ذکر کرنا درست ہے۔ ترکیب کلام میں علیہم میں ضمیر سے حال ہے اور ينظرون کا معنی ہے انہیں مہلت نہ دی جائے گی۔



إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۗ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٠﴾

”مگر وہ لوگ جنہوں نے سچے دل سے توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنی اصلاح کی توبہ شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (1)“

۱۔ یہاں ذلک سے مراد تدا ہے، واصلحو ایہ عطف تفسیری ہے اور تابوا کا معطوف ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ ہو گئے مسلمان یا انہوں نے اپنے ایمان اور اپنے نفسوں کو درست کر لیا جبکہ انہوں نے جو زمین میں فساد برپا کیا تھا سے درست کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور انہوں نے حقوق اللہ کی ادائیگی میں جو کوتاہی کی ہے اس کو بخش دیتا ہے اور وہ ان پر رحیم ہے اور انہیں جنت میں داخل فرماتا ہے۔ امام نسائی، ابن حبان اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی مسلمان ہوا، پھر مرتد ہو گیا، پھر اپنے فعل پر شرمندہ ہوا اور اپنی قوم کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، تو آیات کئی بھدی سے لے کر فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ تک نازل ہوئیں، تو اس کی قوم نے اسے پیغام بھیجا۔ پس وہ مسلمان ہو گیا (1) ابن منذر نے اپنی مسند میں اور عبدالرزاق نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حارث بن سوید آیا اس نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، پھر کافر ہو گیا، پھر اپنی قوم کی طرف پلٹا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں یہ مذکورہ آیات نازل فرمائیں، تو اس کی قوم کا ایک آدمی یہ آیات لے کر اس کے پاس گیا، اس پر ان آیات کو پڑھا۔ حارث نے کہا قسم بخدا جتنا میں جانتا ہوں تو سچا ہے اور رسول اللہ ﷺ تجھ سے سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ تم سب سے سچا ہے۔ پس وہ اسلام لے آیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ (2)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أزدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿١٠﴾

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں ۱۔ ہرگز نہ قبول کی جائے گی ان کی

توبہ ۲۔ اور یہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں سچے“

۱۔ قناده اور حسن نے کہا یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا، جبکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان رکھتے تھے۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ کا انکار کر کے اپنے کفر میں اضافہ کر لیا، یعنی حالت کفر میں اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیا۔ مجاہد نے کہا یہ سب کفار کے حق میں نازل ہوئیں پہلے انہوں نے اقرار کیا کہ ہمارا خالق اللہ تعالیٰ ہے، پھر انہوں نے شرک کیا، پھر انہوں نے کفر میں اس طرح اضافہ کیا کہ اپنے کفر پر قائم رہے، یہاں تک کہ اسی میں ہلاک ہو گئے۔ حسن نے کہا جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کا انکار کرتے، اس طرح ان کے کفر میں اضافہ ہو جاتا۔ کلبی نے کہا یہ آیت حارث بن سوید کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی، جب حارث نے اسلام کی طرف رجوع کر لیا تو اس کے ساتھی کفر پر ڈٹے رہے اور مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے (3) بعض فضلاء نے کہا الَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أزدَادُوا كُفْرًا سے مراد منافق ہیں کیونکہ ان کا کفر اعلانیہ کفر سے بڑھ کر ہے کیونکہ انہوں نے کفر کو چھپانے کی مشقت کی، نماز اور روزہ کی مشقت اٹھائی جبکہ وہ ان چیزوں کو سخت ناپسند کرتے تھے، یہ کفر کی محبت کی انتہاء ہے۔

۲۔ اگر الَّذِينَ كَفَرُوا سے مراد وہ اقوال ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا جب تک وہ کفر پر ڈٹے رہیں گے، گناہوں سے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی لیکن کفر سے توبہ اس وقت تک مقبول ہوتی ہے جب تک سانس گردن میں نہ اٹک جائے گا کیونکہ جب رسول

اللہ ﷻ نے مکہ فتح کیا تو حارث بن سويد کے ساتھیوں میں سے جو مسلمان ہو گیا تو اس کی توبہ قبول کی گئی۔ اگر اس سے مراد منافق ہوں جس طرح بعض فضلاء نے کہا تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب تک دل سے کفر پر اصرار جاری رہے گا، زبان سے توبہ قبول نہ ہوگی (۱) یعنی یہی لوگ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلٌّ إِلَّا رَضٍ  
ذَهَبًا وَلَوْ أَقْتَدَى بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَالَهُمْ مِنْ نُصْرَةٍ ۝۱۱

”جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے کفر ہی کی حالت میں تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا۔ ان میں سے کسی سے زمین بھر سونے یا اگر چہ وہ (اپنی نجات کیلئے) عوضانہ دے اتنا سونا ہے ایسے لوگوں کے لئے عذاب ہے دردناک اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار۔“

۱۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر سے توبہ نہ کی۔

۲۔ یعنی قیامت کے روز ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔ یہاں ان کی خبر پر فاء داخل کی گئی ہے کیونکہ الذین میں شرط کا معنی موجود ہے، ساتھ ہی ساتھ اس بات سے آگاہی کرنا مقصود ہے کہ کفر پر موت عدم قبولیت کا سبب ہے۔

۳۔ یعنی اتنی مقدار میں جو زمین کو بھر دے۔

۴۔ یہ تمیز ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی اس سے زمین بھر سونا بھی بطور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ اس نے دنیا میں اتنا مال صدقہ کیا تھا اور اگر اس نے اس سے کم مقدار خرچ کیا تو بدرجہ اولیٰ اس سے قبول نہ کیا جائے کیونکہ صدقات اور عبادات کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے بلکہ عبادت اس وقت تک عبادت بنتی ہی نہیں، جبکہ وہ ایمان و اخلاص پر مرتب نہ ہو۔

۵۔ یعنی اگر بالفرض وہ زمین بھر سونا آخرت میں خرچ کرے تب بھی اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو ان میں سے کسی ایک سے بھی زمین بھر سونا قبول نہیں کیا جائے گا جو وہ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ دے گا اور اگر وہ اس کی مثل اور دے تب بھی قبول نہ کیا جائے گا جس طرح رب العالمین کا فرمان ہے ”اور اگر ہوا لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا جو کچھ زمین میں ہے اور اس کی مثل“ یہاں مثل سے مراد کثیر ہے کیونکہ دو ایک طرح کی چیزوں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ولو افتدی بہ میں داؤ زائد ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا اگر وہ زمین بھر سونا بھی فدیہ دے تو اس سے قبول نہ کیا جائے یہاں ”لو“ کو وسیلہ بنانا درست نہیں کیونکہ یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ شرط کی نفی بدرجہ اولیٰ جزاء ہو تو پھر تقدیر کلام یوں ہوگی زمین بھر سونا اس سے قبول نہ کیا جائے گا اگر وہ فدیہ نہ کرے اور اگر وہ فدیہ دے تب بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ جس طرح رب العالمین کا یہ فرمان ہے لِيَكَاذِبُنَّهَا لِيَفْضَحُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ تَسْتَشْهِتُ لَأَنَّ لِيَعْنِي وَهُوَ رُشْنٌ لِي رَهْ كَا سَا آگ چھوئے یا نہ چھوئے۔ بعض اوقات اس کی توجیہ کی جاتی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے مطلق فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ فدیہ کی انتہائی حد یہی ہو سکتی ہے کہ زمین بھر سونا فدیہ کے طور پر دیا جائے جب یہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا تو اس سے جو کم ہوگا وہ کیسے قبول کیا جائے گا؟ مفہوم یہ ہوا کہ اس سے مطلقاً فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اگر وہ زمین بھر سونا فدیہ نہ دے، بلکہ اس سے کم بھی وصول نہ کیا جائے گا اور اگر فدیہ دے بھی دے تو تب بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

۱۔ یہ تحذیر مبالغہ کرنا ہے اور اسے مایوس کرنا ہے کیونکہ جس سے فدیہ قبول نہیں کیا جاتا بعض اوقات شرافت کی وجہ سے اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔

یعنی عذاب دور کرنے میں انکا کوئی مددگار نہیں ہوگا یہاں من زائدہ ہے اور استغراق کے لئے ہے۔ حضرت انس بن مالک نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس جہنمی سے پوچھے گا جس کو سب سے ہلکا عذاب دیا جا رہا ہوگا اگر تیرے پاس زمین میں سے کچھ ہو کیا تو عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ دے دے گا؟ وہ کہے گا ہاں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تو اس سے بھی آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا جب تو حضرت آدم کی پشت میں تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا تو نے شرک نہ کرنے سے انکار کر دیا (1) متفق علیہ۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾

”ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی لے (کارتبہ) جب تک نہ خرچ کرو راہ خدا میں ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو ۱۱ اور جو

کچھ تم خرچ کرتے ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے ۱۱“

۱۔ قاموس میں بر کے یہ معانی لکھے گئے ہیں۔ صلہ رحمی، جنت، بھلائی، احسان میں وسعت، سچائی اور طاقت (2) میں کہتا ہوں جب بر کی اضافت بندے کی طرف ہو تو اس کا معنی طاعت، سچائی اور احسان میں وسعت ہے۔ اس کی ضد فجور اور نافرمانی کرنا ہے۔ جب بر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی رضا، رحمت اور جنت ہے اور اس کی ضد غضب اور عذاب ہے۔ ابن مسعود اور ابن عباس اور مجاہد نے کہا یہاں اس سے مراد جنت ہے مقاتل بن حبان نے کہا اس سے مراد تقویٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی طاعت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی طاعت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی خیر ہے۔ حضرت حسن بھری نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے تم خیر کثیر والے اور احسان و طاعت میں وسعت والے نہیں ہو سکتے (3) امام بیضاوی نے کہا تم نیکی کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے جو کمال خیر ہے یا تم اللہ تعالیٰ کی نیکی تک نہیں پہنچ سکتے جو رحمت، رضا اور جنت ہے (4) پہلی صورت میں الف لام جنسی ہوگا اور دوسری صورت میں عہدی ہوگا۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک انسان لگا تار سچ بولتا رہتا ہے، اور سچ کو تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے، جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک انسان لگا تار جھوٹ بولتا رہا ہے اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے (5) اسے امام مسلم، احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق سے ایک مرفوع روایت منقول ہے صدق کو لازم پکڑو کیونکہ یہ نیکی کے ساتھ ہوتا ہے اور دونوں جنت میں ہیں اور جھوٹ سے بچو کیونکہ یہ فجور کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دونوں جہنم میں ہیں (6) اسے امام احمد، ابن ماجہ اور امام بخاری نے ادب میں روایت کیا ہے۔

۲۔ من جمعیہ ہے ما فحجون سے مراد اموال کی تمام قسمیں ہیں کیونکہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں، انہیں ترجیح دیتے ہیں، دل ان کی طرف مائل ہوتے ہیں، جو اموال میں سے کچھ بھی خرچ نہ کرے یہاں تک کہ زکوٰۃ بھی ادا نہ کرے، وہ نیکی نہیں پاسکتا بلکہ وہ توفاجر ہے۔ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال کی تمام قسموں میں سے کچھ نہ کچھ خرچ کرے اور یہ بھی ثابت ہوا جس کے پاس عمدہ مال ہو اور رضیث مال ہو تو اس کے لئے عمدہ مال کی جگہ خبیث مال میں سے خرچ کرنا جائز نہیں، جس طرح رب العالمین کا ارشاد ہے۔ ”اے ایمان والو

1۔ صحیح مسلم، جلد 17، صفحہ 121 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت 2۔ قاموس، جلد 1، صفحہ 498 (الترات العربی) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 317 (التجاریہ)

4۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شہاب، جلد 3، صفحہ 86 (العلمیہ) 5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 326 (قدیمی) 6۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 282 (دوت)

اچھے مال خرچ کرو..... اس میں سے ردی کا قصد نہ کرو اور تھوڑی مقدار بالا جماع واجب کے قائم مقام نہیں ہو سکتی (یہ مجہوبیت کے تقاضا کے خلاف ہے) یہ آیت کریمہ جو مال میں سے مقدار کے متعلق مجمل ہے وہ احادیث جو زکوٰۃ کی مقدار کے بارے میں وارد ہوئیں ہیں وہ اس کا بیان ہیں۔ تاہم ایک بات باقی رہ گئی ہے کہ کیا یہ آیت ہر مال، نامی ہو یا نہ ہو، نصاب کی مقدار کو پہنچنے والا ہو یا نہ ہو، حاجت اصلیہ سے فارغ ہو یا نہ ہو، اس پر سال گزرا ہو یا نہ ہو ایسے مال میں زکوٰۃ کے وجوب پر دلالت کرتی ہے یا نہیں لیکن آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے جس طرح آیت کریمہ ہے ”وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں فرمادیجیے جو ضرورت سے زائد ہو“ اور حضور ﷺ کا فرمان کام کیلئے رکھے گئے جانوروں، بوجھ اٹھانے والے جانوروں اور جنہیں سال کے اکثر حصہ میں چارہ ڈالا جاتا ہے ان میں زکوٰۃ نہیں اور حضور ﷺ کا فرمان جو آپ نے فرمایا اس آدمی کو جس نے یہ پوچھا تھا کیا میرے اوپر اس کے سوا بھی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں مگر تو بطور نقل مال خرچ کرے اور حضور ﷺ کا فرمان ایسا صدقہ پسندیدہ نہیں جو اپنے پیچھے غنا نہ چھوڑ جائے۔ چوپاؤں، نقدی اور سامان تجارت میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک وہ نصاب کی مقدار کو نہ پہنچ جائیں اور ان پر سال نہ گزر جائے مگر کھیتی اور پھلوں کا معاملہ ان سے مختلف ہے، جس پر علماء کا اجماع ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں یہ آیت بعض کیساتھ خاص ہے۔ اس آیت سے مراد زکوٰۃ ہے۔ ضحاک نے ابن عباس سے یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد، بکلی نے کہا اس آیت کو آیت زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا ہے (1) یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اس (آیت کو) بھی زکوٰۃ پر محمول کرنا جائز ہے جس طرح آپ پہلے سن چکے ہیں تو اس کے منسوخ کرنے کا قول کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اگر اس سے مراد محبوب ترین مال میں سے انفاق کا وجوب ہو، جس طرح ایک قول کیا گیا ہے تو دوسرے اموال میں یہ عدم وجوب کا تقاضا نہیں کرتا اور نہ ہی زکوٰۃ سے زیادہ کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ تو پھر نسخ کا کیسے تصور کیا جاسکتا ہے جبکہ یہ آیت مدنی ہے اور زکوٰۃ والی آیات مکی ہیں، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، ما تحبون کے لفظ کے ساتھ اموال کی تعبیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جتنا مال محبوب ہوگا اس کا فی سبیل اللہ خرچ کرنا اتنا ہی افضل ہوگا اور دلالت انص سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ واجب تو بعض ہے لیکن جس نے سارے کا سارا مال خرچ کر دیا وہ لوگوں میں سے سب سے نیک اور اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ مطیع ہوگا واللہ اعلم۔ حضرت حسن بھری کا فرمان ہے ہر وہ انفاق جس کے ذریعے بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہو، خواہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کے ذریعے یہ نیکی حاصل کر لیتا ہے (2) حضرت حسن کے قول کا مقتضی یہ ہے کہ یہاں انفاق انفاق واجب اور مستحب دونوں کو شامل ہوگا، تاہم برکی نفی اور فحور کا اطلاق اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک مطلقاً انفاق نہ ہو، یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ بھی نہ دے۔ عطاء نے کہا تم دین کا شرف اور فتویٰ حاصل نہ کر سکو گے جب تک کہ تم صدقہ نہ کرو، جبکہ تم درست بھی ہو اور ضرورت مند بھی ہو (3) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے حضرت ابو طلحہ مدینہ طیبہ میں انصار میں سے زیادہ مالدار تھے، ان کا محبوب ترین مال بیرحاء (باغ) تھا جو مسجد نبوی ﷺ کے بالکل سامنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جاتے، اس کا پانی نوش فرماتے جس میں خوشبو تھی۔ حضرت انس کہتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ ارشاد فرماتا ہے، پھر اسی آیت کو تلاوت فرمایا، میرا تو محبوب ترین مال بیرحاء ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صدقہ ہے، میں اسکے بدلہ میں نیکی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ذخیرہ چاہتا ہوں، جہاں آپ چاہیں اس کو خرچ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مال تو بہت نفع بخش ہے، جو کچھ تو نے کہا میں نے سن لیا، میری رائے یہ ہے کہ تو اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دے۔ حضرت ابو طلحہ نے عرض کی میں ایسے ہی کروں گا۔ تو حضرت ابو طلحہ نے وہ مال اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا (4) متفق علیہ۔ زید بن حارثہ

ایک گھوڑا لاتے جو انہیں بڑا پسند تھا، کہا یہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے وہ گھوڑا حضرت اسامہ بن زید کو عطا کر دیا۔ حضرت زید نے عرض کی میں نے تو صدقہ کا ارادہ کیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے تجھ سے قبول کر لیا ہے (1) ابن منذر نے محمد بن منکدر سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ اس فرس کو بئیل کہتے۔ ابن جریر نے عمر بن دینار سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ ابو ایوب بختانی نے معضل روایت کی ہے۔ بغوی نے کہا مجاہد سے روایت کی گئی کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ جلولا کے اسیروں میں سے ایک لونڈی ان کیلئے خریدیں جو یوم فتح کو قیدی بنائے گئے۔ آپ نے اسے بلایا تو بہت اچھی لگی، تو کہا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اور یہ آیت پڑھی، تو اس لونڈی کو آپ نے آزاد کر دیا (2) حمزہ بن عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کے دل میں اس آیت کا خیال آیا تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے مجھے جو اموال عطا کئے ہیں میں انہیں یاد کرنے لگا، اس وقت اس لونڈی سے زیادہ مجھے کوئی مال محبوب نہ تھا، تو میں نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آزاد ہے۔ اگر یہ بھی بات نہ ہوتی کہ جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کر دیا۔ اسی کی طرف رجوع کرنے والا بنوں گا تو ضرور اس سے نکاح کرتا (3) یہ احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انفاق کا لفظ جس طرح صدقہ کرنے پر بولا جاتا ہے اس طرح عاریہ دینے، قرض دینے، آزاد کرنے اور اس طرح کی دوسری چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاتی ہے، تاہم افضل یہی ہے کہ انسان اپنے سب سے قریبی پر اپنا مال خرچ کرے۔

سے شے سے مراد محبوب یا غیر محبوب دونوں چیزیں ہیں۔ یہاں من ما کا بیان ہے۔ علیم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے عمل اور نیت کے مطابق جزاء دے گا۔ یہاں سبب کا ذکر کیا، مراد سبب ہے، یعنی جزاء اور ثواب کیونکہ بندے کے احسان کا کریم کو علم لامحالہ جزاء اور ثواب کا موجب ہوتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے علم میں حد درجہ مبالغہ کا اظہار ہے کیونکہ آیت میں ماضی کا صیغہ مذکور نہیں۔ بلکہ علیم کا لفظ ذکر فرمایا جو مستقبل پر دلالت کرتا ہے، یہ اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ تو انفاق سے قبل بھی جانتا ہے، خواہ انفاق تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انفاق کو ظاہر کرنے سے غنی ہے اور اسے مخفی رکھنے پر برا بیخنتہ بھی کیا جا رہا ہے۔

بغوی نے کہا یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ گمان کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابراہیم کے دین پر ہیں جبکہ حضرت ابراہیم اونٹ کا گوشت اور دودھ نہ پیتے تھے جبکہ آپ کھاتے ہیں۔ پس آپ حضرت ابراہیم کی ملت پر نہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ سب کچھ حضرت ابراہیم پر حلال تھا انہوں نے کہا نس کو ہم آج حرام قرار دیتے ہیں۔ وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم پر بھی حرام تھا یہاں تک کہ اس کی حرمت ہم تک پہنچی (4) گو یا وہ احکام کے نسخ کو تسلیم نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ

قَبْلِ أَنْ تَنْزَلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَاتَّبِعُوا التَّوْرَةَ فَإِنَّهَا أَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۳۱﴾

”سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کیلئے مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر اس سے

پہلے کہ نازل کی گئی تورات ہے آپ فرمائیے لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر تم سچے ہو۔“

یہاں طعام مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی غذا حاصل کرنا ہے۔ یہاں مراد صرف غذا ہے۔ اس کے اوپر الف لام عہد خارجی ہے، یعنی پاکیزہ چیزوں میں سے کھانے جو تورات میں حرام ہیں۔ یہ یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہیں۔ یہ لفظ (کل الطعام) مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کو شامل نہیں ہوگا، اس طرح کی دوسری خباث بھی اس سے خارج ہوں گے جس طرح درندے۔

۲۔ حل یہ بھی مصدر ہے جیسے کہا جاتا ہے حل الشنی حلا اس کے ساتھ صفت ذکر کی گئی۔ اس میں تذکیر و تانیث، واحد و جمع سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا هُنَّ جِلَّتْ لَهُمْ یعنی وہ مطعومات حلال تھیں۔

۳۔ بنی اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے جس طرح وہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے آباء حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام پر حلال تھیں۔

۴۔ یہاں اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ ما سے مراد اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ ہیں۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ آپ کو عرق النساء کی تکلیف تھی۔ آپ نے نذر مانی اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مرض سے شفا عطا فرمائی تو وہ اپنا پسندیدہ کھانا چھوڑ دیں گے۔ یہ کھانا آپ کا پسندیدہ کھانا تھا جس وجہ سے آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اسے امام احمد، حاکم اور ان کے علاوہ دوسرے علماء نے حضرت ابن عباس سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ امام بغوی نے جوہر کی روایت نقل کی ہے جو ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب کو عرق النساء کی تکلیف لاحق ہوئی تو اطباء نے تجویز کیا کہ آپ اونٹ کا گوشت چھوڑ دیں تو حضرت یعقوب نے نذر کے ذریعے اس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا (۱) امام بغوی نے کہا حضرت حسن بصری نے کہا کہ حضرت یعقوب نے اپنے اوپر اونٹوں کا گوشت بطور بندگی حرام کیا تھا۔ آپ نے اپنے رب سے جزاء کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی اولاد پر حرام کر دیا۔ حضرت عطیہ نے کہا یہ گوشت بنی اسرائیل پر اس لئے حرام تھا کہ حضرت یعقوب نے اسے حرام قرار دیا تھا کیونکہ انہوں نے یہ کہا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے شفا عطا فرمائی تو میری اولاد بھی اسے نہ کھائے گی اس کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوگی۔ (۲)

۵۔ ظرف کو حرام اسرائیل کے متعلق کرنا جائز نہیں جس طرح معاملہ ظاہر ہے کیونکہ اس قید کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حضرت یعقوب کا تورات نازل ہونے کے بعد حرام قرار دینے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اسے کمان جلا کے متعلق کریں تو صفت کھل ہونے سے پہلے اس کا قصد لازم آئے گا۔ پس یہ کلام محذوف کے متعلق ہوگا۔ گویا یہ ایک سوال کے جواب میں کلام ہوگی، یعنی متسی کمان حلا تو تقدیر کلام یوں ہوگی کمان جلا من قبل ان تنزل التورۃ جب تورات نازل کی گئی تو ان کے ظلم کے باعث ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی گئیں..... کلبی نے کہا بنو اسرائیل جب کوئی بڑا گناہ کرتے اللہ تعالیٰ ان پر پاکیزہ کھانا حرام کر دیتا یا ان پر موت نازل کرتا۔ ضحاک نے کہا ان پر یہ چیزیں حرام نہ تھیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں یہ چیزیں حرام کی تھیں بلکہ انہوں نے اپنے باپ کی اتباع میں خود ان چیزوں کو حرام قرار دیا تھا۔ پھر انہوں نے اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلایا یہ کچھ بھی نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا حَرَّمَ مَنَاعَهُمْ فَطَيَّبْتِ اجْتِثَتْ لَهُمْ اور فرمایا حَرَّمَ مَنَاعَهُمْ فَحَوَّاهُمْ لِيُحْمَلُوا كَيْفَ يَكُونُ صَحِيحِينَ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت بھیجے کہ ان پر چربیاں حرام کی گئیں تو انہوں نے انہیں پکھلا کر انہیں بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ (۳)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ ان کے خلاف دلیل قائم کریں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے ذریعے ان کو لا جواب کریں کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ظلم کے باعث ان پر یہ چیزیں حرام کی تھیں۔ یہ اصل میں حرام نہیں تھیں۔ پس وہ مبہوت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس میں حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل بھی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ دلیل بھی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہیں اور یہودی جو شیخ کے قائل نہ تھے ان کا رد ہے۔

فَمِنْ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۳﴾

”پس جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اس کے بعد تو وہی ظالم ہیں۔“

۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام کیا اور بعد ذلک سے مراد تورات سے ان کے خلاف دلیل قائم کرنے کے بعد ہے۔ ظلموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق واضح ہونے کے بعد اس سے تکبر کرتے ہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰﴾

”آپ کہہ دیجئے سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ۱۔ پس پیروی کرو تم ملت ابراہیم کی ۲۔ جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے ۳۔ اور بالکل نہ تھے وہ شرک کرنے والوں سے ۴۔“

۱۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریبی وہی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی اور یہ نبی اور مومن“ اور یہود و نصاریٰ نے اپنے دعووں میں جھوٹ بولا جو انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں اور یہ دعویٰ کہ آپ یہودی یا نصرانی تھے۔

۲۔ اے وہ لوگو جو دین ابراہیم کو پسند کرتے ہو پیروی کرو اسلام کی جو حضور ﷺ اور آپ کی امت کا دین ہے کیونکہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے یا تو اس وجہ سے کہ اس میں کمال مشابہت پائی جاتی ہے یا اس وجہ سے کہ اس زمانہ میں یہی آپ کا دین ہے۔ اس آیت کریمہ میں فَاتَّبِعُوا إِبْرَاهِيمَ نہیں فرمایا کیونکہ مقصود آپ کے دین کی اتباع ہے جو حضور ﷺ کی پیروی کی صورت میں ہے نہ کہ اس صورت میں کہ آپ حضرت ابراہیم کی اتباع کریں کیونکہ حضور ﷺ کی حیثیت نبی اسرائیل جیسی نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ کے لئے مبعوث کئے گئے ملت دین کی طرح ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زبانوں سے اپنے بندوں کے لئے جو احکام نازل فرمائے تاکہ وہ ان کی مدد سے قرب کے منازل اور دارین کی اصلاح کریں۔ انہیں ملت اور دین کہتے ہیں ملت اور دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کو نبی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اسے منسوب نہیں کیا جاتا اور نہ ہی امت کے کسی فرد کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے یہ پوری شریعت کے لئے بولا جاتا ہے، مختلف احکام کے لئے یہ لفظ نہیں بولا جاتا یہ نہیں کہا جاتا ملۃ اللہ یا ملتی یا ملۃ زید نماز کو بھی ملۃ اللہ نہیں کہتے جبکہ دین اللہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ملت کی اصل اسمت الکتاب ہے جس طرح صحاح کے اندر ہے۔

۳۔ یہ ابراہیم سے حال ہے، یعنی باطل دینوں سے منہ موڑ کر دین حق کی طرف لوٹنے والے زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ معنی کیا جائے کہ افراط تفریط سے اعتدال کی طرف منہ موڑنے والے کیونکہ یہود یوں کے دین میں افراط اور شدت تھی اور نصاریٰ کے دین میں تفریط تھی۔

۴۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے یہود یوں اور نصرانیوں سے اشارۃً بات کی جا رہی ہے کہ وہ شرک کرتے ہیں اس کے باوجود وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔

امام بغوی نے کہا یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا ہمارا قبلہ بیت المقدس تمہارے کعبہ شریف سے افضل ہے اور پہلے ہے جو انبیاء کی ہجرت کی جگہ ہے مسلمانوں نے کہا بلکہ کعبہ افضل ہے۔ (۱)

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۱﴾

”بے شک پہلا عبادت خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے ۱۔ وہی ہے جو مکہ میں ہے ۲۔ بڑا برکت والا ۳۔ ہدایت کا سرچشمہ ہے

سب جہانوں کے لئے ہے۔“

۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے بطور قبلہ معین فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے حج کرنے کے لئے معین کیا گیا۔ حسن بصری اور کلبی نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ پہلی مسجد اور عبادت گاہ جو لوگوں کے لئے بنائی گئی جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے جس طرح رب العالمین کا فرمان **فِي مَبُوتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُشْرَفَ لِعِنِّي مَسْجِدًا**۔

۲۔ یعنی وہ گھر بکہ سے مراد مکہ ہی ہے عرب باء اور میم میں باہم تبدیلی کرتے ہیں جس طرح وہ کہتے ہیں غیظ، غیظ، لازم، لازم، راتب، راتم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جب یہ لفظ باء کے ساتھ ہو تو بیت اللہ شریف کی جگہ مراد ہوگی یا ساتھ ہی طواف کی جگہ مراد ہوگی اور مکہ جب میم کے ساتھ ہو تو پھر اشہر مراد ہوگا اس کو بکہ اس لئے کہتے ہیں کہ کیونکہ اس میں لوگ بھیڑ کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا اسے بکہ کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ جابرون کی گردن کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ کسی جابر نے اس کے لئے برا ارادہ نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے نیست و نابود کر دیا (۱) جس طرح اصحاب قبل کے ساتھ ہوا مکہ کو اس لئے مکہ کہتے ہیں کیونکہ یہاں پانی کی قلت ہے۔ علماء نے اولیت کے معنی میں بھی اختلاف کیا ہے۔ ابن عمر، مجاہد، قتادہ اور سدی نے کہا کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے موقع پر یہ وہ پہلا گھر ہے جو پانی پر ظاہر ہوا اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کرنے سے دو ہزار سال پہلے تخلیق فرمایا پانی کی سطح پر سفید جھاگ تھی جس کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ وہ پہلا گھر ہے جو زمین میں تخلیق کیا گیا۔ حضرت علی بن حسنؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے گھر بنایا جسے بیت معمور کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کرو پھر ان فرشتوں کو حکم دیا جو زمین پر رہتے تھے کہ زمین میں اس کی مثل ایک گھر بناؤ ان فرشتوں نے اس گھر کو بنایا جس کا نام ان فرشتوں نے صراح رکھا اور جو فرشتے زمین میں رہتے تھے انہیں حکم دیا کہ اس گھر کا طواف کریں جس طرح آسمان کے کعبین بیت معمور کا طواف کرتے ہیں۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل فرشتوں نے اس گھر کو بنایا وہ اس کا حج کرتے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا حج کیا فرشتوں نے کہا ہم دو ہزار سال سے اس گھر کا حج کر رہے تھے تیرا حج حج مبرور ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے جو گھر بنایا وہ یہی تھا (۲) ارزقی نے تاریخ مکہ میں کہا صحیحین میں حضرت ابوذر غفاری سے مروی ہے میں نے عرض کی یا رسول سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مسجد حرام پھر میں نے عرض کی اس کے بعد کونسی؟ فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے عرض کی ان دونوں کے درمیان کتنا زمانہ گزرا ہے؟ فرمایا چالیس سال (۳) پھر جہاں نماز کا وقت ہو جائے اس کو پڑھ لو کیونکہ فضیلت اسی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ وہ پہلا گھر ہے جو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا جب طوفان نوح کا زمانہ آیا تو اسے اٹھالیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ طوفان نوح میں ناپید ہو گیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ایک دفعہ پھر یہ گر گیا تو نبی جرہم نے بنایا پھر اسے عمالقہ نے بنایا پھر قریش نے اسے تعمیر کیا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جبکہ طوفان نوح میں اسے اٹھالیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی جگہ کو ان کے لئے متعین فرمایا ایک ہوا بھیجی جسے ریح نخجوج کہتے ہیں جس کے دو پر اور سانپ کے سر جیسا سر تھا تو اس نے کعبہ کے ارد گرد کو بیت اللہ شریف کی پہلی بنیادوں سے صاف کر دیا تو حضرت ابراہیم نے اسے پہلی بنیادوں پر تعمیر کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اول سے مراد شرف کے اعتبار سے اول ہے حضرت علی شیر خدا سے ایک روایت یہی مروی ہے۔ ضحاک نے کہا یہ وہ پہلا گھر ہے جس میں برکت رکھی گئی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔



یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی برکت والا اور اجر و ثواب میں کثرت والا کیونکہ بعض عبادتیں صرف اسی کے ساتھ خاص ہیں جس طرح حج، ہدی، عمرہ جبکہ دوسرے اعمال جیسے نماز، روزہ اور اعتکاف وغیرہ کا اجر دوسری جگہوں کی نسبت یہاں زیادہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ابو یوسف رحمۃ اللہ کا فرمان ہے جس نے مسجد حرام میں دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر مانی اسکے لئے جائز نہیں کہ کسی اور مسجد میں وہ نماز پڑھے کیونکہ حضرت انس بن مالک سے مروی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی کی گھر میں نماز ایک نماز ہے، اس کی قبیلہ کی مسجد میں نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے، جامع مسجد میں ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز ہزار نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے (۱) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے عطاء بن زبیر سے نقل کیا ہے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں ایک نماز مسجد نبوی میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ عبد اللہ بن زبیر سے مروی ہے وہ حضرت عمر بن خطاب سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں، اسے مرفوع ذکر نہیں کرتے، حضرت جابر بن عبد اللہ سے اس کی مثل مرفوع روایت نقل کی گئی ہے۔ ابن جوزی نے حضرت جابر سے مرفوع روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ دوسری نمازوں سے بہتر ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں یہ فضیلت نوافل کو شامل نہیں کیونکہ زید بن ثابت کی حدیث ہے کہ بہترین نماز بندے کی وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے سوائے فرض نماز کے (۲) متفق علیہ۔ میں کہتا ہوں کہ اعتکاف بھی فرض نماز کے حکم میں ہے کیونکہ وہ فرض نمازوں کے انتظار کے لئے مسجد میں ٹھہرنا ہوتا ہے گویا اعتکاف (فرض) نماز کے حکم میں شامل ہوگا۔ ابن جوزی نے مکہ مکرمہ کے فضائل میں عبد اللہ بن عدی بن حمراء سے روایت کیا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپ مکہ کے بازار میں حرورہ کے مقام پر تشریف فرما تھے قسم بخدا تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے تو اللہ تعالیٰ کو محبوب ترین زمین ہے اگر میں تجھ سے ہجرت نہ کر چکا ہوتا تو میں تجھ سے ہجرت نہ کرتا۔ ابن جوزی نے حضرت ابو ہریرہ سے اسی کی مثل مرفوع روایت کیا ہے۔

یہ کیونکہ یہ ان سب کا قبلہ ہے اس میں عجیب و غریب نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے اوپر ایمان لانے کی طرف لے جاتی ہیں اس کا عطف مبارک پر ہے۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَ لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ

الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ⑤

”اس میں روشن نشانیاں ہیں۔ (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے۔ اور جو بھی داخل ہو اس میں ہو جاتا ہے ہر خطرہ سے

محفوظ۔ اور اللہ کے لئے فرض ہے لوگوں پر یہ حج اس گھر کا ہے جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی۔ اور جو شخص اس کے

باوجود انکار کرنے کے تو بیشک اللہ بے نیاز ہے سارے جہاں سے۔“

ان نشانوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک پرندہ اڑتا ہے لیکن بیت اللہ شریف کے اوپر سے نہیں گزرتا۔ ایک یہ بھی ہے کہ ایک درندہ حرم سے باہر شکار کا قصد کرتا ہے جب شکار حرم میں داخل ہو جاتا ہے تو شکاری جانور رک جاتا ہے۔

یہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یا آیات سے بدل بعض ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیوار

بنائی جب دیوار اونچی ہو گئی تھی۔ اس میں آپ کے قدموں کے نشانات تھے تاہم ہاتھوں کے ساتھ زیادہ مس کرنے کی وجہ سے وہ مٹ گئے، پس پتھر کی چٹان پر قدموں کے نشانات پڑ جانا اور چٹان کے اندر قدموں کا ٹخنوں تک سما جانا چٹانوں میں سے اس کا نشانی کے لئے خاص کرنا انبیاء کے دوسرے آثار کی بجائے اس کا باقی رہنا دشمنوں کی کثرت کے باوجود ہزاروں سال تک کا محفوظ رہنا یہ سب نشانیاں ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ مقام ابراہیم آیات کا عطف بیان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد تمام حرم ہے۔

۱۔ ہضمیر سے مراد حرم ہے، یعنی جو حرم میں داخل ہو جائے گا وہ قتل ہونے اور ڈاکہ زنی سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہ جملہ ابتدائیہ ہے یا شرطیہ معطوفہ ہے اور یہ معنی کے اعتبار سے مقام ابراہیم پر معطوف ہے، یعنی واضح نشانیاں جن میں سے ایک مقام ابراہیم اور انہیں میں سے دوسری یہ ہے جو بھی حرم میں داخل ہوا امن میں ہو گیا کیونکہ عرب دور جاہلیت میں بعض بعض کو قتل کرتے، بعض بعض پر ڈاکہ ڈالتے اور جو حرم میں داخل ہو جاتا اس سے وہ تعرض نہ کرتے تھے۔ امام حسن بصری قوادہ اور دوسرے اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **اَوَلَمْ يَرَوْا اِنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّنَّا (۱)** امام ابو حنیفہ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے، اس کا قتل کرنا جائز نہیں جس پر قصاص قتل واجب ہو چکا ہے یا حرم سے باہر حد واجب ہو چکی ہے، اب اس نے حرم میں پناہ لے لی ہے، اس سے فوراً یہاں بدلہ نہیں لیا جائے گا بلکہ اسے کھلایا جائے گا، نہ پلایا جائے گا اس سے خرید و فروخت نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر آ جائے پھر اسے قصاص کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح ابن عباس نے کہا۔ امام شافعی اور دوسرے لوگوں نے کہا اس سے وہاں ہی قصاص لیا جائے اگرچہ وہ حرم کی حدود میں داخل ہو جائے مگر جب وہ حرم کی حدود میں جرم کا ارتکاب کرے تو اس سے بالاتفاق بدلہ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **لَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَتَّى يُخْرِجُوْكُمْ مِنْهُ** کی تفسیر میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حرم پاک میں کفار سے جنگ کرنے کا آغاز نہیں کیا جائے گا۔ اگر کافر غلبہ پالیں اور حرم میں داخل ہو جائیں العیاذ باللہ انہیں پکڑ کر باہر نکالا جائے گا، انہیں ڈنڈوں اور اس جیسی دوسری چیزوں کے ساتھ مارا جائے گا یا ان کا محاصرہ کر لیا جائے گا اور ان سے کھانے پینے کی چیزیں روک لی جائیں گی یہاں تک کہ وہ حرم سے نکل جائیں۔ پس انہیں وہاں قتل کر دیا جائے گا یا وہ خود قتل شروع کر دیں تو پھر اس صورت میں ان سے حرم کے اندر بھی جنگ کی جاسکتی ہے۔ یہ آیت خبر بمعنی امر ہے، یعنی جو بھی اس میں داخل ہو جائے اسے امان دے دو جیسے **لا رھت و لا فسوق** کا معنی ہے **لا ترفقوا و لا تفسقوا**۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جو اس کی عظمت کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اس میں داخل ہوگا تو ایسا شخص قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن میں ہوگا (۲) ابو داؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک سے طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک سے طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب میں سلمان سے طبرانی نے اوسط میں حضرت جابر کی حدیث دارقطنی نے سنن میں حاطب کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی دو حرموں میں سے جس میں مرادہ قیامت کے روز آگ سے امن میں ہوگا۔ حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں سالم بن عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قیامت کے روز ابو بکر و عمر کے درمیان اٹھایا جائے گا، پھر میں بقیع غرقہ کی طرف جاؤں گا، وہ میرے ساتھ اٹھائے جائیں گے پھر میں اہل مکہ کی طرف نظر کروں گا یہاں تک کہ وہ بھی میرے پاس آ جائیں گے۔ پس میں اہل حرمین کے درمیان اٹھایا جاؤں گا۔ ابو نعیم نے دلائل نبوت میں سالم سے وہ اپنے باپ سے موصوفاً نقل کرتے ہیں خطیب نے مالک سے وہ حضرت نافع سے وہ عبد اللہ بن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے قیامت کے روز ابو بکر و عمر کے درمیان اٹھایا

جائے گا یہاں تک کہ میں دونوں حرموں کے درمیان کھڑا ہو جاؤں گا، پس اہل مدینہ اور اہل مکہ میرے پاس جمع ہو جائیں گے۔  
 سے لام سے پہلے استغفر یا افترض فعل محذوف ہے۔ یہاں الناس سے مراد آزاد، عقلاء اور بلغاء ہیں، حج مجنون اور بچوں پر واجب نہیں ہوتا  
 کیونکہ وہ خطاب کے اہل نہیں ہوتے اور نہ ہی غلاموں پر بالاتفاق حج فرض ہے۔ اگر ایک کافر، عقلمند بالغ یا غلام حج کریں پھر کافر مسلمان  
 ہو جائے اور بچہ بالغ ہو جائے اور غلام آزاد کر دیا جائے تو ان پر اسلام کا حج واجب ہوگا۔ اس اجماع کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس کافرمان  
 ہے ”جس بچے نے حج کیا، پھر وہ بالغ ہو گیا اس پر لازم ہے کہ وہ دوسرا حج کرے اور جس اعرابی نے حج کیا پھر اس نے ہجرت کی تو اس پر دوسرا  
 حج واجب ہے اور جس غلام نے حج کیا، پھر اسے آزاد کر دیا گیا تو اس پر بھی دوسرا حج ہوگا (۱) اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ یہاں اعرابی  
 جس نے ہجرت نہیں کی سے مراد جس نے اسلام قبول نہیں کیا مراد ہے کیونکہ عرب کے مشرک بھی حج تو کرتے تھے۔ امام حاکم نے کہا یہ  
 روایت شیخین کی شرطوں پر صحیح ہے۔ اسی کی مثل ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے محمد بن کعب قرظی سے مرسل روایت نقل کی  
 ہے۔ اس باب میں جابر سے حدیث مروی ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ان روایات کو امت نے قبولیت کے شرف سے نوازا ہے اور اس کے  
 معنی پر اجماع ہے۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ کتاب کی تخصیص جائز ہے۔

۱۔ ابو جعفر، جزہ، کسائی اور حفص نے حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسرہ نجد کی لغت ہے اور فتح اہل  
 حجاز کی لغت ہے۔ یہ دونوں فصیح لغتیں ہیں اور ان دونوں کا معنی ایک ہے۔ مدارک میں ہے کسرہ کے ساتھ یہ اسم ہے اور فتح کے ساتھ یہ مصدر  
 ہے۔ حج کا لغوی معنی قصد کرنا ہے۔ یہاں اس سے مراد مخصوص عبادت ہے۔ اس کے اندر اجمال ہے اور اس کی وضاحت رسول  
 اللہ ﷺ کے فعل اور دوسری آیات سے ہوتی ہے جس طرح رب العالمین کا ارشاد ہے ”پھر چلو جہاں سے لوگ چلتے ہیں“ اور اللہ تعالیٰ کا  
 فرمان ”چاہئے کہ وہ بیت عتیق کا طواف کریں۔ اس طرح کی دوسری آیات۔

(مسئلہ) تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حج اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور فرض عین ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے  
 مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی گواہی دینا نماز قائم کرنا،  
 زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا (۲) متفق علیہ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں۔

۲۔ یہاں ضمیر سے مراد بیت ہے۔ اسم موصول الناس سے بدل بعض ہے جس نے الناس کو خاص کر دیا ہے۔ پس وہ آدمی جو طاقت نہیں رکھتا  
 اس پر حج فرض نہیں۔ سبیل کا معنی راستہ ہے یہ مفعول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور الیہ اس سے حال مقدم ہے اس سے مراد جانا ہے جس  
 طرح کہتے ہیں جوی النہر یعنی جو بیت اللہ شریف تک جانے کی استطاعت رکھتا ہے کیونکہ حکم کو طاقت رکھنے والے پر متصور کیا گیا ہے۔ اس  
 لئے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حج کی فرضیت کے لئے راستے کا پر امن ہونا ضروری ہے اور راستہ پر موجود منازل ایسی ہوں جو آباد ہوں  
 جہاں سے زادراہ اور پانی مل سکتا ہو اگر امن نہ ہو تو پھر فرض نہ ہوگا۔ مکہ مکرمہ اور حاجی کے درمیان اگر سمندر ہو اگر سلامتی کا غالب امکان ہو تو علماء  
 کے نزدیک حج فرض ہوگا جبکہ امام شافعی کا ایک قول ان کے خلاف ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک حج فرض ہوگا جبکہ امام  
 شافعی کا ایک قول ان کے خلاف ہے۔ اسی طرح امام مالک کے نزدیک تندرست اور صحت مند ہونا بھی شرط ہے۔ ان دونوں ائمہ کے نزدیک  
 کمزور اور پانچ پر حج فرض نہیں، اگرچہ اس کے پاس اتنا مال ہو جس کے ذریعے اس کے لئے ممکن ہو کہ وہ کسی کو حج کرنے کے لئے اپنا نائب  
 بنائے اس کی وجہ یہ ہے وہ بذات خود حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے کیونکہ حج بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت کا مقصود اپنے آپ کو مشقت

میں ڈالنا ہوتا ہے اگر وہ کسی کو نائب بنائے گا تو مقصد حاصل نہ ہوگا۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا نقطہ نظر یہ ہے وہ اپنے مال کی وجہ سے حج کرنے کے قابل ہے۔ امام بغوی نے کہا عرف میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ فلاں گھربنانے کی استطاعت رکھتا ہے جبکہ یہ استطاعت مال کی وجہ سے حاصل ہو جبکہ وہ خود گھر نہ بنا سکتا ہو جبکہ وہ یہ کام اپنے مال اور مددگاروں کے ساتھ کرتا ہے (1) ہم یہ کہتے ہیں کہ حج کی استطاعت نہیں رکھتا جو ارکان مخصوصہ کا نام ہے، وہ صرف انفاق کی طاقت رکھتا ہے جبکہ گھربنانے میں مقصود اس کا خود کام کرنا نہیں ہوتا جبکہ بدنی عبادات کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے حج کے معاملہ میں عرف جاری نہ ہوگا۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے حضرت عبداللہ بن عباس کے قول سے استنباط کیا ہے کہ حضرت فضل حضور ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے تو حشم قبیلہ کی ایک عورت آئی فضل اس عورت کو دیکھنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے فضل کا چہرہ دوسری طرف کر دیا۔ اس عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر جو فرض ہے، میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں حضور ﷺ نے فرمایا ہاں تم حج کر سکتی ہو (2) ایک روایت میں ہے کہ وہ سواری پر سیدھا نہیں بیٹھ سکتا، اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو اس کی طرف سے حج ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ حج وداغ میں واقع ہوا متفق علیہ۔ جواب اس کا یہ ہے کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ کا حکم منسوخ کرنا جائز نہیں جو استطاعت کی شرط کا تقاضا کرتا ہے۔ جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عورت کے قول کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حج کے معاملہ میں فریضہ استطاعت کی شرط پر ہے۔ یہ میرے باپ پر اس وقت لازم آیا ہے جب وہ سفر کی طاقت نہیں رکھتا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں، یعنی کیا میرے لئے یہ جائز ہے یا کیا اس میں اس کیلئے اجر ہے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا کہ بعض الفاظ میں الحج مکتوب علیہ یا اس جیسے دوسرے الفاظ ہیں تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضور ﷺ نے اس کے سوال افان حج عنہ کا جواب دیا حجی عنہ۔ کیونکہ اگر یہ الفاظ ہوں تو یہ عورت کی طرف سے گمان ہوگا جو اس نے گمان کیا اس پر مزید یہ اعتراض کیا گیا کہ حضور ﷺ نے اس کے سوال کا جواب دیا اگر اس کا گمان غلط ہوتا تو حضور ﷺ ضرور اس کی وضاحت کر دیتے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضور ﷺ نے عورت کے حرص کو دیکھا تھا کہ وہ اپنے باپ کو خیر اور ثواب پہنچائے۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے عبدالرزاق نے ابن عباس کی حدیث سے نقل کیا ہے حدیث میں یہ الفاظ ہیں حنجنی عن ابیہ فان لم تزده غیراً لثم تزده شراً تو اپنے باپ کی طرف سے حج کر اگر تو اس کی بھلائی میں اضافہ نہ کر سکتی تو تو اس کی برائی میں اضافہ نہ کرے گی۔ لیکن حفاظ نے یقین سے کہا کہ یہ روایت شاذ ہے۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا جائے۔ جب وہ صحت مند تھا تو اس پر حج فرض ہو اور کمزور اور پانچ ہو گیا اس سے حج ساقط نہیں ہوگا بلکہ اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے خرچے سے کسی کو حج پر بھیجے جب تک وہ زندہ رہے یا موت کے وقت کسی کو وصیت کر جائے، جب وہ مر جائے اور اس نے حج نہ کیا تو اس کا وارث اس کی طرف سے حج کرے یا اگر چاہے تو اس کے مال سے کسی اجنبی کو حج پر بھیجے غیر کی طرف سے حج کرنا یہ مثل غیر معقول کی قضاء کی قضاء ہوگی جو اس حدیث سے ثابت ہے، جس طرح کتاب اللہ کی نص سے بوڑھے آدمی کے حق میں روزے کے بدلہ میں فدیہ ثابت ہے۔ حج صلح حدیبیہ کے سال سن چھ ہجری کو فرض ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَآتُوا اللَّهَ حُبًّا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ** اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حج اور عمرہ کو مکمل کرو، حدیث میں حجۃ الوداع کا قصہ ہے۔ شائد اس کا والد حج کی فرضیت کے بعد ضعیف ہو گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا بیٹا ہونا بھی ضروری ہے آپ کے نزدیک تاہم حج فرض نہیں ہوتا اگرچہ وہ کئی راہنما رکھتا بھی ہو کیونکہ وہ بذات خود سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کسی غیر کی مدد سے استطاعت رکھنا یہ معتبر نہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اور جمہور علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب وہ قادر رکھتا ہو تو اس پر حج واجب ہے، تاہم پھر جمعہ کی فرضیت میں

بھی یہی اختلاف ہے۔ استطاعت کی شرط کی وجہ سے عورت پر حج اس وقت فرض ہوگا جب اس کا خاوند اس کے ساتھ حج پر جائے یا اس کا ذی رحم محرم حج پر جا رہا ہو۔ یہ شرط اس صورت میں ہوگی جب اس عورت کے گھر اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دن کی مسافت حائل ہو۔ امام احمد کی رائے یہ ہے مسافت زیادہ ہو یا کم ہو ہر صورت میں خاوند یا ذی رحم محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں اگر اس عورت کا ایسا رشتہ دار مرد نہ ہو یا رشتہ دار تو ہے لیکن اس کے ساتھ سفر نہ کر رہا ہو یا سفر پر تو تیار ہو لیکن بغیر سفر خرچ لئے جانے پر آمادہ نہ ہو اور یہ عورت اس کو خرچ وینے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو اس عورت پر حج فرض نہ ہوگا کیونکہ اس عورت کو خاوند یا رشتہ دار کے بغیر سفر کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ جسے شرعاً روک دیا گیا ہو اسے عادتاً بھی روک دیا جاتا ہے۔ پس اس عورت کی حالت یہ ہوگئی کہ وہ سفر کی طاقت نہیں رکھتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین دن کی مسافت کی شرط کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی عورت تین دن کا سفر نہ کرے مگر اس صورت میں کہ اس کے ساتھ ذی رحم محرم ہو (1) متفق علیہ۔ اور امام مسلم کی روایت یہ ہے وہ عورت جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن کی مسافت تک سفر کرے مگر اس صورت میں کہ اس کے ساتھ ذی رحم محرم ہو (2) ایک اور روایت فوق ثلاث کے الفاظ ہیں۔ اس باب میں ثلاث ایام کی قید ہے۔ یہ ابو ہریرہ کی حدیث ہے جسے امام مسلم اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔ امام طحاوی کی روایت میں فوق ثلاث لیل کے الفاظ ہیں (3) عمرو بن شعیب وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے ثلاث ایام کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا ہے۔ ابو سعید خدری کی روایت کو امام مسلم اور طحاوی نے ثلاث ایام فصلیہ کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام مسلم کی ایک روایت میں فوق ثلاث اور دوسرے میں اکثر من ثلاث کے الفاظ ہیں امام احمد فرماتے ہیں۔ اسے لفظ ثلاث یا اکثر من الثلاث کے ساتھ مقید کرنا اتفاقی امر ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مفہوم غیر معتبر ہوتا ہے تو وہ کس طرح اس سے کم مسافت پر عورت کے لئے مرد کے بغیر سفر کو مباح قرار دیتے ہیں، اگر یہ قید احترازی ہو تو ثلاث والی روایت فوق ثلاث والی روایت کے متعارض ہوگی۔ امام احمد نے تین دن سے کم میں جو ممانعت کی ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے صحیحین میں موجود ہے جس میں مسیرۃ یوم ولیلۃ کے الفاظ ہیں اور امام مسلم کی روایت میں مسیرۃ یوم کے الفاظ ہیں اور انہیں ایک روایت میں مسیرۃ لیلۃ کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی روایت جو امام مسلم اور دوسرے محدثین کے نزدیک ہے، میں مسیرۃ یومین کے الفاظ ہیں۔ امام طحاوی کے نزدیک مسیرۃ لیلتین کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث جو امام مسلم اور طحاوی کے نزدیک ہے اس کے الفاظ یوں ہیں کوئی عورت ایک برید سفر نہ کرے مگر خاوند یا ذی رحم محرم کے ساتھ۔ ابن حبان نے اپنی صحیح اور حاکم نے روایت کیا اور کہا امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ طبرانی کی معجم میں ثلاث امیال کے الفاظ ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں یوم، یومین اور ثلاث ایام کی قید یہ کم سے کم عدد کی تمثیل کے لئے ہے۔ یوم واحد ابتدائی اور کم سے کم عدد ہے۔ برید غالباً سفر میں پہلی منزل کو کہتے ہیں، دو کثرت کا آغاز اور کم سے کم مرحلہ ہے۔ ثلاث جمع کا آغاز ہے اور کم سے کم مرتبہ کنی احادیث قید کے بغیر بھی وارد ہوئی ہیں انہیں میں سے ایک عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت ذی رحم محرم کے ساتھ ہی سفر کرے اور کوئی مرد اس کے پاس رہ جائے مگر اسی وقت جب اس کے پاس ذی رحم محرم موجود ہو۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں اور میری بیوی حج کا ارادہ رکھتی ہے آپ نے فرمایا تو اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جا (4) متفق علیہ۔ اس باب میں ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ کی حدیث بھی ہے۔ امام شافعی کا یہ نقطہ نظر ہے عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ حج پر چلی جائے او

2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 434 (قدیمی)

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 147 (وزارت تعلیم)

4- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 250 (دست)

3- شرح معانی الآثار، مناسک الحج، جلد 1، صفحہ 357 (وزارت تعلیم)

رایک قول میں یہ ہے کہ وہ ایک قابل اعتماد عورت کے ساتھ حج پر جاسکتی ہے، جب وہ قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ نکلے تو اس میں شرط ہے کہ ان عورتوں کا کوئی ذی رحم محرم رشتہ دار موجود ہو اور منہاج کے اندر یہ بھی ہے کہ اس میں یہ بھی شرط نہیں۔ امام شافعی سے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے لئے بغیر عورتوں کے بھی حج پر جانا جائز ہے۔ امام مالک نے کہا عورتوں کی ایک جماعت حج پر جاسکتی ہے اگر راستہ پر امن ہو۔ ان پر ہماری دلیل وہ روایت ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں استطاعت سے مراد عام سفر کی استطاعت ہے اس طرح کہ سفر کرنے سے اسے کوئی حرج لاحق نہ ہو اسی وجہ سے جمہور علماء کے نزدیک یہ شرط ہے۔ اس کے پاس ضروری اخراجات کے علاوہ زادراہ اور سواری بھی موجود ہو کیونکہ جو مال ضرورتِ اصلیہ میں مشغول ہو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی وجہ سے اس مال میں تو اس پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہوتی اور جب آدمی کے پاس زادراہ نہیں ہوتا اور اس کے پاس سواری نہیں ہوتی، وہ عمومی طور پر سفر کرنے کا اہل نہیں ہوتا اور حرج شرع میں اٹھا دیا گیا ہے۔ داؤد ظاہری نے کہا حج کے وجوب کے لئے زادراہ اور سواری کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ امام مالک کا یہ قول ہے کہ اگر ایک آدمی کو سوال کرنے کی عادت ہو یا راستہ میں اس کے لئے کمانا ممکن ہو تو اس کے لئے زادراہ شرط نہیں ہے اگر وہ چلنے پر قادر ہو تو اس کے لئے سواری شرط نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تیرے پاس پیدل اور کمزور اور دشمنوں پر سوار ہو کر آئیں گے دور دراز راستوں سے۔ ہم یہ کہتے ہیں جو فعل جواب امر میں واقع ہے وہ واقعہ کی خبر دے گا۔ یہ بغیر سواری کے حج کی فرضیت پر دلیل نہیں ہوگا۔ چلنے پر قدرت امر مخفی ہے۔ بعض اوقات راستہ میں یہ قدرت ختم بھی ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے سفر کے آغاز پر زادراہ اور سواری کی شرط ضروری ہوگی تاکہ کوئی چیز اسے ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔ شرع کے احکام عام ہیں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ بادشاہ کے لئے نماز میں قصر کرنا سفر کی مسافت پر روزہ چھوڑنا جائز ہے جبکہ اسے کسی قسم کی مشقت نہیں ہوتی، لیکن وہ آدمی جو مسافت سفر سے کم سفر کر رہا ہو اگر روزہ اس کے لئے مشکل بھی ہو تو اس کے لئے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ جمہور علماء کی دلیل حضرت انس کی مرفوع حدیث ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت ”میں موجود لفظ سبیل کی وضاحت پوچھی یا رسول اللہ ﷺ ما سبیل یعنی سبیل سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا زادراہ اور سواری (1) اسے دارقطنی، بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے کہا صحیحین کی شرط پر یہ روایت صحیح ہے۔ حاکم نے اسے حماد بن سلمہ کے واسطے سے نقل کیا ہے اور کہا امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں دوسرے صحیح طرق سے حسن سے مرسل نقل کی ہے۔ امام شافعی، امام ترمذی، ابن ماجہ اور دارقطنی نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کھڑا ہوا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حج کو کون سی چیز واجب کرتی ہے؟ فرمایا زادراہ اور سواری (2) امام ترمذی نے کہا یہ حسن ہے، لیکن اس سند میں ابراہیم بن یزید جوڑی مکی ہے۔ امام احمد اور نسائی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔ ابن ماجہ اور دارقطنی نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زادراہ اور سواری (3) یعنی اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ دارقطنی نے جابر بن عبد اللہ کی حدیث روایت کی حضرت علی بن ابی طالب ابن مسعود، حضرت عائشہ، عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں جبکہ اس حدیث کے سارے طرق کمزور ہیں۔ زادراہ کے وجوب پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ ”زادراہ لو بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔“ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے اسے حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے اہل یمن حج کرتے تھے لیکن زادراہ ساتھ نہ رکھتے تھے، وہ یہ کہتے ہم تو کل کرنے والے لوگ ہیں۔ جب مکہ مکرمہ آتے تو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت ”اور زادراہ لو“ کو نازل فرمایا۔ (4)

2- سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، صفحہ 214 (وزارت تعلیم)  
4- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 206 مطبوعہ اسلام آباد (وزارت تعلیم)

1- سنن الدارقطنی، جلد 2، صفحہ 218 (الحامس)  
3- سنن ابن ماجہ، صفحہ 214 (وزارت تعلیم)

یعنی جس نے حج کی فرضیت کا انکار کیا۔ ابن عباس نے حسن اور عطاء نے یہی کہا ہے۔ عبد بن حمید نے اس کی تفسیر میں تفسیر سے روایت کیا رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو ہذیل قبیلہ کا آدمی اٹھا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔ آپ نے جواب دیا جو اس کو چھوڑے وہ سزا کا خوف نہیں رکھتا اور ثواب کی امید نہیں رکھتا، تفسیر تابعی ہیں، پس یہ حدیث مرسل ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے یہ کہا تھا مکہ کی طرف حج کرنا فرض نہیں۔ سعید بن منصور اور ابن جریر نے ضحاک سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ جب اس آیت کا پہلا حصہ نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام ادیان کے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، پس تم حج کرو۔ ایک ملت ایمان لے آئی یعنی مسلمان اور پانچ جماعتوں نے انکار کر دیا یعنی مشرکین یہود، نصاریٰ، صابی اور مجوس۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کو نازل فرمایا جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ ان سے غنی ہے (1) سعید بن منصور نے عکرمہ سے نقل کیا ہے جب یہ آیت ”جس نے اسلام کے علاوہ کوئی دین پسند کیا“ نازل ہوئی، یہودیوں نے کہا ہم مسلمان ہیں تو نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا ہم پر حج فرض نہیں کیا اور انہوں نے بیت اللہ شریف کا حج کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2) ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں ”جس نے کفر کیا“ کو ”جس نے حج نہ کیا“ کی جگہ اس لئے رکھا ہے تاکہ حج کی فرضیت کی تاکید اور ترک کرنے والے پر تغلیظ ہو۔ یہاں کفر کا معنی یہ ہوگا جس نے جسم کی صحت اور رزق کی وسعت پر انعام کرنے والے کا شکر ادا نہ کیا۔ یہ دونوں تاویلیں ابی امامہ کی حدیث میں بھی جاری ہوں گی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جسے ظاہر حاجت یا سفر سے روکنے والا مرض یا ظالم حکمران نہ روکے اور وہ حج نہ کرے۔ چاہے تو وہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر مر جائے (3) اسے امام بغوی اور دارمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں لکھا ہے۔ تاہم حفاظ نے ابن جوزی پر اعتراض کیا اور حضرت علی شیر خدا کی حدیث جوز اور راہ اور سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ شریف تک پہنچا سکتے تھے اس نے پھر بھی حج نہ کیا تو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے (4) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حج کے حکم کو کئی وجوہ سے موکد کیا ہے۔ 1۔ اسکے وجوب پر خبر کے صیغہ کے ساتھ دلالت کی 2۔ جملہ اسمیہ کی صورت میں ظاہر کیا 3۔ اسے ایسی صورت میں لایا جو اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق واجب ہے۔ 4۔ پہلے حکم کو عام ذکر کیا پھر اس کی تخصیص کر دی یہاں ہی ہو گیا کہ پہلے مبہم انداز میں کلام کی بعد میں اس کی وضاحت کی اور مراد کو مکرر ذکر کیا 5۔ ترک حج کو کفر کا نام دیا کیونکہ یہ کافروں کا فعل ہے۔ 6۔ استغناء کا ذکر کیا کیونکہ یہ اس محل میں ناراضگی اور شرمندگی پر دلالت کرتا ہے۔ 7۔ اسم ظاہر کو عام لفظ کی صورت میں کلام میں ذکر کیا جو ضمیر کے مرجع کو شامل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تعمیم کی وجہ سے مبالغہ اور برہان کے ساتھ اس سے استغناء پر دلالت ہے اور عظیم ناراضگی پر شعور دلایا گیا ہے واللہ اعلم۔ حج کی ہیئت کی طرف اضافت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ حج کے وجوب کا سبب وہ بیت اللہ شریف ہے بیت اللہ کیونکہ مکرر نہیں ہوتا، اسی لئے عمر میں حج بھی بار بار نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج ایک دفعہ ہے جس نے زیادہ دفعہ کیا اس نے نفل حج کیا (5) اسے امام احمد اور نسائی نے روایت کیا۔ بیت کا معنی موہومہ مکان میں لطیفہ ربانیہ ہے جو تجلیات ذاتیہ کے نازل ہونے کا محل ہے جو تجلیات ذاتیہ اس مکان کی ساتھ خاص ہیں یہ چھت، دیوار، پتھر اور مٹی کا نام نہیں کیا تم دیکھتے نہیں اگر پتھر اور مٹی کسی اور جگہ کی طرف منتقل کر دیئے جائیں اور اس جگہ کو خالی کر دیا جائے یا کوئی اور عمارت بنالی جائے تو دوسری جگہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں، بلکہ اسی

1۔ تفسیر طبری، جلد 4، صفحہ 14 (الامیریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 101 (العلمیہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 325 (النجاریہ) 4۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 100 (وزارت تعلیم) 5۔ سنن الدار قطنی، جلد 2، صفحہ 279 (الحسان)

سفیدہ زمین کی طرف منہ کرنا لازم ہوگا کعبہ صورتہ اگرچہ عالم خلق سے تعلق رکھتا ہے لیکن حقیقت میں ایک مخفی امر ہے، اس کا ادراک حس اور خیال نہیں کر سکتے، وہ محسوسات سے تعلق رکھنے کے باوجود محسوس نہیں، جہت میں ہونے کے باوجود اس کی کوئی جہت نہیں، اس کی کوئی مثال بھی نہیں۔ یہ کعبہ کی صورت کی شان ہے تو پھر اس کی حقیقت کا ادراک کیسے ہو؟ پاک ہے وہ ذات جس نے ممکن کو وجود کا آئینہ بنا دیا اور جس نے عدم کو وجود اور وجود کا مظہر بنا دیا۔ کعبہ کی حقیقت سے بڑھ کر قرآن کی حقیقت ہے، اس سے بڑھ کر نماز کی حقیقت ہے۔ وہاں حضور ﷺ کے وسیلہ سے سالک کی سیر کی انتہاء ہو جاتی ہے۔ ان مقامات میں فناء و بقاء حاصل ہوتی ہے۔ اس سے اوپر خالص معبودیت کا مقام ہے جہاں سیر کی کوئی گنجائش نہیں مگر نظر سے قف یا محمد فان اللہ یصلیٰ یہ اسی مقام سے کنایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا اور آگاہ کرنے والا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾

”آپ فرمائیے! اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا؟ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

اے اے محمد ﷺ کہہ دیجئے۔

۱۱ آیات سے مراد دلائل سمعیہ اور عقلیہ ہیں جو حضور ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان تمام معاملات میں جن کا حضور ﷺ دعویٰ کرتے ہیں جیسے حج کا واجب ہونا اور دوسرے معاملات یہاں اہل کتاب کو خطاب میں خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ وہ کتاب کا علم رکھتے ہیں، اس لئے ان کا کفر زیادہ قبیح ہے۔

۱۲ واو حالیہ ہے۔ شہید کا معنی جاننے والا ہے جو تم کفر اور کتابوں میں تحریف کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ پس وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا اور حق کا چھپانا تمہیں کوئی نفع نہ دے گا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنِ امْنٍ تَبْغُونَهَا عِوَجًا ۗ

أَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَاللَّهُ بِعَمَلِكُمْ عَابِدُونَ ﴿۱۲﴾

”آپ فرمائیے! اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے؟ اسے جو ایمان لا چکا ہے تم چاہتے ہو کہ اس راہ

(راست) کو ٹیڑھا بنا دو۔ حالانکہ تم خود (اس کی راستی کے) گواہ ہو۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبران (کرتوتوں) سے جو تم

کرتے ہو۔“

۱۲ تم کیوں روکتے ہو

۱۲ سبیل اللہ سے مراد اسلام ہے کیونکہ اسلام ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے۔

۱۲ یعنی جس نے ایمان کا ارادہ کیا۔ من امن محل نصب میں ہے کیونکہ یہ تصدوٰن کا مفعول بہ ہے۔ معنی یہ ہوگا تم اسے ایمان لانے سے روکتے ہو جو ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے، انہیں جھڑکنے اور غور کی نفی کے لئے خطاب اور استفہام کو مکرر ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ دونوں امروں میں سے ہر ایک فی نفسہ قبیح ہے اور عذاب کو لانے میں مستقل ہے۔

۱۲ یہاں حا سے مراد سبیل ہے، یعنی ٹیڑھا یہ اصل میں مصدر ہے، اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ تم اس کے لئے ٹیڑھا پن تلاش کرتے ہو۔ تبغون والا جملہ تصدوٰن کے فاعل سے حال بن رہا ہے۔ یہودی نبی کریم ﷺ کی صفت میں تحریف کر کے اور یہ بتا کر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت دائمی ہے، لوگوں پر حق کو مشتبه کر دیتے تھے اور ایسی باتیں کرتے جن کے ذریعے مومنوں میں شورش برپا کر





کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہو۔ فریانی اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اوس و خزرج کے درمیان دور جاہلیت میں جنگ رہتی تھی۔ اسی اثناء میں کہ وہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ دور جاہلیت کی جنگوں کا ذکر چھڑا یہاں تک کہ سخت غصے میں آگئے اور ان میں سے بعض اسلو لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے (۱) تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُنْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَنْ يَعْتَصِمْ  
بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۱۱﴾

”اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو۔ حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں ۱۱۱ اور تم میں اللہ کا

رسول بھی تشریف فرما ہے ۱۱۱ اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ کے دامن کو ۱۱۱ تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک ۱۱۱“

۱۔ اس کا عطف پر دو کم پر ہے اور استفہام تعجب اور انکار کے لئے ہے۔

۱۱۱۔ یعنی رسول اللہ کی زبان سے تم پر قرآن حکیم تلاوت کیا جاتا ہے۔

۱۱۱۔ جو تمہیں منع کرتے ہیں، نصیحت کرتے ہیں، تمہارے شبہات زائل کرتے ہیں، یعنی حال یہ ہے کہ وہ اسباب جو ایمان کی طرف دعوت دینے

والے ہیں اور کفر سے تمہیں روکنے والے ہیں، وہ تمہارے لئے جمع ہیں۔ قتادہ نے کہا اس آیت میں دو واضح علم ہیں ۱۔ کتاب اللہ ۲۔ نبی اللہ

جہاں تک نبی مکرم کا تعلق ہے آپ تو پردہ فرما گئے اور کتاب اللہ تو اسے اللہ تعالیٰ نے رحمت اور احسان فرماتے ہوئے باقی رکھا۔ میں یہ کہتا ہوں

لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی نے ہمیں اپنے خلفاء کی طرف راہنمائی کر دی ہے جو آپ کے بعد ہماری راہنمائی حق کی طرف کرتے رہیں گے۔

حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے ایک روز رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیلن کی اس کی ثناء

کی پھر ارشاد فرمایا اے لوگو بے شک میں ایک انسان ہوں، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ میرے اللہ کا پیغام لے کر آئے اور میں اس کی دعوت

پر لبیک کہوں، میں تم میں دو بڑی قدر و منزلت والی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔

پس تم کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اس کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ حضور ﷺ نے کتاب اللہ پر ہمیں ابھارا اور اس میں رغبت دلانی۔ پھر فرمایا

دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، تمہیں اپنے اہل کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، ایک اور روایت میں ہے کتاب اللہ یہ

اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جس نے اس کی اتباع کی وہ ہدایت پر ہوگا، جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہوگا (۲) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے میں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم اسے پکڑے رہو گے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے، ان میں سے ایک دوسرے

سے بڑھ کر ہے۔ ۱۔ اللہ کی کتاب یہ آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی رسی ہے ۲۔ میری اولاد میری اہل بیت ہے یہ دونوں جدا نہ ہوں گی،

یہاں تک کہ حوض پر وارد ہوں گی۔ پس دیکھو تم میرے بعد ان میں کیا رو یہ اپناتے ہو۔ امام ترمذی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے میں

نے رسول اللہ ﷺ کو حج میں یوم عرفہ کو دیکھا جبکہ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ فرما رہے تھے اے لوگو میں تم

میں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے اسے پکڑے رکھا تو تم گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری اولاد جو میری اہل بیت ہے (۳) میری رائے یہ

ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل بیت کی طرف اشارہ کیا کیونکہ وہ ولایت میں قطب ارشاد ہیں۔ ان اقطاب میں سے سب سے بلند رتبہ

حضرت علی شیر خدا کا ہے، پھر آپ کی اولاد حضرت حسن عسکری تک اور آخری غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ اولین و آخرین

میں سے کوئی بھی ولایت کے ذریعہ تک نہیں پہنچ سکتا مگر ان کے واسطے سے ہی مقام ولایت حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے یہی کہا ہے۔ پھر اولیاء امت اور علماء امت تمام اہل بیت کے متبع ہیں اور حکم وراثت کی بناء پر ان میں داخل رہے ہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (1)

یہ عصمت کا لغوی معنی روکنا ہے۔ کسی شے کو روکنے والا اس کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔ اعتصام کا معنی کسی چیز کو پکڑ لینا تاکہ وہ ہلاک ہونے سے محفوظ رہے۔ باللہ سے مراد اللہ کا دین اور ہمہ وقت اس کی طرف متوجہ رہنا ہے۔

یہ صراط مستقیم سے مراد واضح راستہ ہے جس پر چلنے والا گمراہ نہیں ہوتا۔

امام بغوی نے کہا مقاتل بن حبان سے روایت کیا ہے دور جاہلیت میں اوس اور خزرج کے درمیان دشمنی اور جنگ جاری رہتی تھی، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد ان کے درمیان صلح کرادی۔ اس کے بعد ثعلبہ بن غنم اوسی اور اسعد بن زرارہ خزرجی نے باہم فخر و مباہات کیا۔ اوسی نے کہا ہم میں خزیمہ بن ثابت ہیں جن کی شہادت دو شاہدوں کے برابر ہے، ہم میں حنظلہ ہیں جنہیں ملائکہ نے غسل دیا، ہم میں عاصم بن ثابت بن اوح ہیں اور ہم میں سعد بن معاذ ہیں جن کے لئے عرش الہی جھوم اٹھا اور بنی قریظہ کے متعلق فیصلہ پر اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ خزرجی نے کہا ہم میں چار ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کو محفوظ کیا ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، اور ابو زید۔ ہم میں حضرت سعد بن عبادہ ہیں جو انصار کے خطیب اور ان کے رئیس ہیں۔ ان میں گفتگو چلتی رہی یہاں تک کہ وہ غصے ہو گئے اور اشعار کہنے لگے اور باہم فخر کرنے لگے۔ پس دوسرے اوس اور خزرج کے لوگ اسلحہ لے کر آ گئے، تو نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔ (2)

## يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٥﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا۔ اور خبردار نہ مرنے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“

۱۔ تقاۃ کی اصل وقیۃ ہے۔ اس کی واؤ مضمومہ کو تاء سے بدل دیا ہے جس طرح تودۃ اور تخمۃ میں واؤ کو تاء سے بدلا گیا ہے پھر یاء کی حرکت ما قبل دی۔ پھر چونکہ یاء اصل میں متحرک تھی اور اب اس کا ما قبل مفتوح ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے الف سے بدل دیا کیونکہ اس کے فعل میں بھی یہی قاعدہ جاری ہوتا ہے۔ عبدالرزاق، فربانی ابن جریر، ابن ابی حاتم، اور ابن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر اور طبرانی نے معجم میں حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن مسعود سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ ابو نعیم نے یہ بھی کہا کہ آپ سے مرفوعاً روایت بھی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے، اس کا شکر بجالایا جائے، ناشکری نہ کی جائے، اس کو یاد کیا جائے، اس کو بھلایا نہ جائے (3) امام بغوی نے کہا ابن مسعود اور ابن عباس نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے یہ قول مذکورہ قول کا اجمال ہے۔ میں کہتا ہوں ان کا قول اسے یاد کیا جائے اس کو بھلایا نہ جائے۔ میں کہتا ہوں ان کا قول یَذْکُرُ فَلَا یُنْسِی (اسے یاد کیا جائے) بھلایا نہ جائے، اس کا مدار فناء قلب پر ہے اور ان کا قول اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے، اس کا شکر بجالایا، جائے اس کا انکار نہ کیا جائے، اس کا مدار فناء نفس پر ہے اور اس کا ایمان حقیقی ہے۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ ولایت کے کمالات کو حاصل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اس کا سبب نزول بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اوس و خزرج کا باہمی تفاخر یہ نفس کے باقی ماندہ رزائل میں سے تھا۔

2- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 327 (النجاریہ)

1- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 93 (وزارت تعلیم)

3- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 105 (تقدیم و تاخیر کے ساتھ) (العلمیہ)

انہیں نفس کو مہذب بنانے اور اسے رذائل سے پاک کرنے دل اور نفس کو مکارم اخلاق اللہ تعالیٰ کی خشیت اور ذکر کے دوام کے ساتھ آراستہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمہیں اپنی گرفت میں نہ لے لے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر انصاف قائم کرو اگرچہ تمہیں اپنے اپنے آباء اور اپنے بیٹوں کے خلاف ہی جہاد کرنا پڑے۔ حضرت انس سے مروی ہے کوئی بندہ بھی اللہ تعالیٰ سے کما حقہ تقویٰ اختیار نہیں کرتا جب تک وہ اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھے (1) میں کہتا ہوں مجاہد اور حضرت انس کا قول ولایت کے کمالات تک پہنچانے کے راستہ کا بیان ہے کیونکہ ریاضتیں اور مجاہدات کم خوری اور کم خوابی کی صورت میں ممکن ہیں جبکہ ذکر پر دوام اختیار کیا جائے، زبان کو فضول کلام سے الگ تھلگ رکھا جائے، گوشہ نشینی، عوام کیساتھ کم میل جول اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کی خاطر لوگوں سے عدم دلچسپی ہی وہ راستہ ہے جو ان کمالات تک پہنچاتا ہے۔ امام بغوی نے کہا اہل تفسیر نے کہا جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر بڑی شاق گزری۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کون ہے جو یہ حق ادا کرنے کی طاقت رکھے تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس آیت کو نازل فرمایا **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** تو یہ آیت منسوخ کر دی گئی۔ مقاتل نے کہا سورہ آل عمران میں صرف یہی آیت منسوخ ہے (2) میں یہ کہتا ہوں اس سے مراد یہ نہیں کہ تقویٰ کا حق اور وجوب منسوخ ہے، یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ نفس کے رذائل جیسے تکبر بے محل غصہ، حسد، کینہ، نفاق، سوء اخلاق، دنیا کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف کم توجہ غیر کے ساتھ دل کا مشغول ہونا جب تک حرام ہیں تو ان کی حرمت کی منسوخی اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتی جب تک یہ مباح نہ ہوں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ نفس کے رذائل ایک ہی دفعہ رذائل کرنا نفس کے بس میں نہیں، بلکہ یہ چیزیں اس بات پر موقوف ہیں جس طرح قانون قدرت ہے کہ وہ انسان باہل دل، پاکیزہ نفوس رکھنے والے لوگوں کی مصاحبت اختیار کرے اور مذکورہ مجاہد کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں لوگوں کو رخصت دی اور نفس کے تزکیہ اور دل کی پاکیزگی ان کی طاقت کے مطابق اپنی صلاحیتیں صرف کرنا لازم قرار دیا جس نے مکمل طور پر اس سے اعراض کیا اور شہوات کی طرف وہ متوجہ ہوا تو اس پر تمام رذائل کا گناہ ہوگا "اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے اندر ہے یا تم اسے چھپاؤ اللہ تعالیٰ تمہارا اس بارے میں محاسبہ کرے گا جس کے حق میں چاہے گا اسے بخش دے گا اور جس کے حق میں چاہے گا اسے عذاب میں مبتلا کرے گا اور جس نے اس راہ کی طلب میں اپنے آپ کو مصروف رکھا اور رذائل کو دور کرنے میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں اور کمالات کے حصول سے قبل ہی فوت ہو گیا تو جو چیزیں اس پر لازم تھیں اس نے ادا کر دیں اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا جو اس کے بس میں نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

۲۔ اسلام حقیقی کی صورت میں اس طرح کہ تم اس کے اوامر و نواہی میں اس کی اطاعت کرنے والے، اس کے مخلص اپنے تمام امور اس کے سپرد کرنے والے اس کے فیصلوں پر راضی یعنی تم اسلام کے علاوہ کسی حالت پر نہ ہونا یہاں تک کہ تمہیں موت آئے ایسا فعل جسے کسی حال، صفت یا ان کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ مقید کیا گیا ہو۔ اس فعل سے نبی بعض اوقات اس کی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس طرح یہ قول تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں بدکاری نہ کر (یہاں نبی فعل سے ذات کی طرف ہے) بعض اوقات نبی قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے جیسے اس آیت کریمہ میں ہے اور کبھی نبی ذات اور فعل دونوں کی طرف ہوتی ہے، کسی ایک کی طرف نہیں ہوتی جیسے پھلی نہ کھاؤ اور دودھ نہ پیو۔ بعض اوقات ہر ایک کی طرف نبی متوجہ ہوتی ہے جیسے اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری نہ کرو، حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے، اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکے تو اہل دنیا پر ان کی زندگی کڑوی کر دے تو اس کی کیا حالت ہوگی جس کا کھانا ہی صرف زقوم ہوگا اور اس کے سوا کوئی کھانا نہ ہوگا (3) اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ  
 أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ  
 مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾

”اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی لے سب مل کر رہو اور جدا جدا نہ ہونا ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی ہے جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی ہو اور تم کھڑے تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر ہے تو اس نے بچالیا تمہیں اس (میں گرنے) سے بچے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں ہے تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو۔“

۱۔ جبل اللہ سے مراد دین اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قَمِنَ يَكْفُرًا بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس نے مضبوط حلقے کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ یا جبل اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی رسی ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے کتاب اللہ کو جبل اللہ کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ اس (کتاب) کو پکڑنا آگ میں ہلاک ہونے سے نجات کا سبب ہے۔ جس طرح رسی کو پکڑنا بلندی سے گر کر ہلاک ہونے سے نجات کا سبب ہوتا ہے کیونکہ یہاں استعارہ تصریح جاری ہو رہا ہے اور اعتصام کا ذکر بطور استعارہ مرشحہ ہوگا۔

۲۔ یہ اعتصموا کے فاعل سے حال بن رہا ہے۔ جب یہ فاعل سے حال بن رہا ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا اس حال میں کہ تم سب مضبوطی کے ساتھ پکڑنے میں اکٹھے ہو، یعنی تم کتاب اللہ کی تفسیر اور تاویل کرتے وقت اس چیز کو اپناؤ جس پر تمام امت کا اتفاق ہو اور اجماع کے خلاف اپنی آراء کے پیچھے نہ چلو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ تم سے تین باتوں پر راضی ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے، تم سے اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور رجو تمہارے امور کا والی ہو اس کے ساتھ مخلص رہو اور تم سے قیل وقال، مال کو ضائع کرنا اور سوال کی کثرت کو ناپسند فرماتا ہے (۱) اسے امام مسلم، اور امام احمد نے روایت کیا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید جماعت کو حاصل ہے جو جماعت سے الگ ہو اور وہ جہنم کا ایندھن بنے (۲) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے آپ سے ہی ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سواد اعظم کی اتباع کرو کیونکہ جو جماعت سے الگ ہو اسے جہنم میں ڈالا جائے گا (۳) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک شیطان انسان کا بھیڑیا ہے، جس طرح ریوڑ کے لئے ایک بھیڑیا ہوتا ہے وہ اسی بھیڑ کو پکڑتا ہے جو الگ تھلگ ہو، ریوڑ سے دور ہو، کسی کو نہ میں ہو۔ تم الگ الگ رہنے سے بچو تم پر جماعت کے ساتھ اور عام لوگوں کے رہنا لازم ہے (۴) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے ایک باشت بھی الگ ہو تحقیق اس نے اسلام کا پناہ اپنی گردن سے اتار پھینکا (۵) اسے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے جب یہ مفعول بہ سے حال ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا پوری کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، یہ نہ کہنا کہ ہم بعض

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 75 (قدیمی) 2- مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 30 (وزارت تعلیم) 3- مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 30 (وزارت تعلیم)

کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں کیونکہ رسی کے بعض ریشتے حفاظت کی طاقت نہیں رکھتے۔

۲۔ اس کا عطف سابقہ جملہ پر ہے۔ یہ جملہ سابقہ جملہ کی دو تاویلوں میں سے ایک کی بناء پر تاکید اور دوسری تاویل کی بنا پر تائیس ہے، یعنی تم اختلاف کرتے ہوئے حق میں تفرقہ بازی نہ کرو جس طرح اہل کتاب نے کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت پر ایسی ہی صورت حال واقع ہوگی جس طرح بنی اسرائیل پر واقع ہوئی، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا ہوا جو اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کرتا ہے تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔ بنی اسرائیل 72 فرقوں میں تقسیم ہوئی، میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، سب فرقے جہنم میں ہوں گے سوائے ایک کے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں (۱) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ابو داؤد کے ہاں حضرت معاویہ سے مروی روایت ہے کہ بہتر فرقے آگ میں ہوں گے اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ جماعت ہے۔ میری امت میں ایسی جماعتیں نکلیں گی خواہشات نفس میں یوں گردش کناں ہوں گی جس طرح دیوانگی دیوانے میں سرایت کر جاتی ہے، کوئی رگ اور جوڑ ایسا نہیں رہتا جس میں وہ داخل نہ ہو، میں کہتا ہوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فرقہ بندی کا شکار نہ ہوئے اسی طرح سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان غنی کے زمانے میں ایسی صورت حال پیدا نہ ہوئی، امام برحق سیدنا عثمان غنی کے خلاف سب سے پہلی بغاوت اہل مصر کا خروج تھا۔ خلافت کے معاملہ میں سب سے پہلا اختلاف حضرت معاویہ کی طرف سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے ساتھ اچھے بدلہ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ دین میں سب سے پہلا اختلاف حروریہ کا ہوا جنہوں نے حضرت علی شیر خدا پر خروج کیا، پھر عبداللہ بن سبائے روافض کی منشا پر اختلاف واقع کیا اور حق کو چھوڑا۔ پھر تابعین کے زمانے میں معتزلہ کا مذہب ظاہر ہوا، انہوں نے فلاسفہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا اور قبیل و قال میں مشغول ہوئے، کثرت جدال کو پسند کیا، کتاب اللہ، سنت رسول کے ظاہر اور سلف صالحین جو صاحب کمال تھے ان کے مذہب کو چھوڑا اور اپنی فضول اور گمراہی کا باعث بننے والی آراء کی پیروی کی۔

۳۔ اسے انصار کی جماعت یاد کرو وہ نعمتیں جو تم پر کی گئی ہیں ان میں سے اسلام کی طرف ہدایت ہے جو باہمی محبت کی طرف لے جاتی ہے۔

۴۔ اسلام سے قبل تم دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔ یہاں صبح صا کے معنی میں ہے یعنی اس کی رحمت اور ہدایت کیساتھ دین ولایت اور محبت میں بھائی بھائی بن گئے۔ محمد بن اسحاق اور دوسرے تاریخ دانوں نے کہا اوس و خزرج دونوں حقیقی بھائی تھے دونوں کے درمیان ایک مقتول کی وجہ سے عداوت واقع ہوئی اور یہ دشمنی اور جنگ کا سلسلہ ایک سو بیس سال تک چلتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ انکی آگ کو بجھا دیا اور رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ان میں محبت پیدا فرمادی ان کے اسلام اور الفت کا آغاز اس طرح ہوا کہ سوید بن صامت جو بنی عمرو بن عوف کا بھائی تھا۔ اس کی قوت و صبر اور اعلیٰ نسب کی وجہ سے لوگ اسے کامل کہتے۔ وہ مکہ مکرمہ حج یا عمرہ کی غرض سے آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ اعلان نبوت فرما چکے تھے۔ جب سوید کے متعلق حضور نے سنا تو اس کے پاس تشریف لائے اور اسے اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ تو سوید نے کہا شاید آپ کے پاس بھی وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا آپ کے پاس کیا ہے؟ تو اس نے کہا مجلہ لقمان یعنی لقمان حکیم کی حکمت۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا اسے نیرے اوپر پیش کرو۔ سوید نے کچھ چیزیں آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ تو آپ نے فرمایا یہ اچھی چیز ہے، تاہم میرے پاس اس سے بھی اچھی چیز ہے۔ وہ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نور اور ہدایت بنا کر نازل فرمایا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر قرآن حکیم کی تلاوت کی اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس نے کوئی نفرت کا اظہار نہ کیا اور کہا یہ کلام اچھا ہے۔ پھر مدینہ طیبہ کی طرف واپس چلا گیا۔ زیادہ

عرصہ نہ گزرا تھا کہ اسے یوم بعاث سے قبل خزرج نے قتل کر دیا۔ ان کی قوم یہ کہتی تھی کہ اسے اس وقت قتل کیا گیا جب وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ پھر ابوالخسیر انس بن رافع مکہ مکرمہ آیا اور اس کے ساتھ بنی اشہل کی ایک جماعت تھی جن میں سے ایک ایسا بن معاذ بھی تھا جو خزرج کے خلاف قریش کے ساتھ معاہدہ کا خواہش مند تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں سنا آپ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے پاس بیٹھے، آپ نے ان سے پوچھا جس مقصد کے لئے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز کی تمہارے اندر خواہش موجود ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کے پاس بھیجا ہے کہ میں انہیں دعوت دوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس نے میرے اوپر کتاب نازل کی ہے۔ پھر آپ نے ان سے اسلام کے متعلق گفتگو کی اور ان پر قرآن حکیم کی آیات کو تلاوت کیا۔ تو ایسا بن معاذ نے کہا جو ایک نوخیز نوجوان تھا، اے میری قوم جس مقصد کے لئے تم آئے ہو، قسم بخدا یہ اس سے بہتر ہے۔ ابوالخسیر نے سنگریزوں کی مٹھی اٹھائی اور ایسا بن معاذ کے منہ پر ماری اور اس نے کہا ہمیں چھوڑیے، میری زندگی کی قسم ہم کسی اور مقصد کے لئے آئے ہیں۔ تو ایسا خاموش ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے اور وہ لوگ مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہاں اوس اور خزرج کے درمیان بعاث کی جنگ ہوئی۔ ایسا بن معاذ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا بلکہ فوت ہو گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے اظہار اور اپنے نبی کے اعزاز کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ حج کے موسم میں نکلے جس طرح پہلے آپ انصار کی ایک جماعت سے ملے تھے تاکہ عرب کے قبائل سے ملیں جس طرح آپ ہر موسم حج میں کیا کرتے تھے۔ آپ عقبہ کے نزدیک خزرج کی ایک جماعت سے ملے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خیر کا ارادہ کیا۔ یہ کل چھ افراد تھے۔ اسعد بن زرارہ عوف بن حارث جو ابن عفران تھے نضاع بن مالک عجلانی، عطیہ بن عامر عقبہ بن عامر اور جابر بن عبد اللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا وہ جنہوں نے یہودیوں کیساتھ معاہدہ کر رکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا تم بیٹھو گے نہیں کہ میں تم سے بات چیت کروں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ وہ لوگ آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اسلام کو ان پر پیش کیا اور ان پر قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کی طرف جو رغبت پیدا کی اس کی ایک وجہ یہ بنی کہ وہ یہودی جو ان کے ساتھ شہروں میں بستے تھے وہ اہل کتاب اور اہل علم تھے جبکہ یہ لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ جب کبھی ان دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوتا تو یہودی کہتے ایک نبی ابھی مبعوث ہونے والا ہے، اس کا زمانہ آچکا ہے، ہم اس کی پیروی کریں گے، ہم اس کی زیر قیادت تم کو یوں ختم کر دیں گے جس طرح عاد و ارم کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس جماعت سے بات چیت کی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ بعض نے بعض سے کہا اے قوم قسم بخدا تم جانتے ہو یہ وہی نبی ہے یہودی جس کے بارے میں تم سے ذکر کرتے ہیں۔ وہ تم سے ان پر ایمان لانے میں سبقت نہ لے جائیں۔ ان لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا، آپ کی تصدیق کی اور اسلام لے آئے اور عرض کی ہم ایک ایسی قوم چھوڑ آئے ہیں ان سے بڑھ کر کسی قوم میں عداوت اور دشمنی نہ ہوگی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ان میں اتفاق پیدا فرمادے گا، ہم ان کے پاس جائیں گے اور آپ کی دعوت کی طرف انہیں دعوت دیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر انہیں جمع فرمادے تو آپ سے بڑھ کر کوئی معزز نہ ہوگا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اپنے شہر واپس چلے گئے جبکہ وہ ایمان لائے تھے۔ جب وہ مدینہ طیبہ آئے لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کا ذکر کیا، انہیں اسلام کی دعوت دی، یہاں تک یہ معاملہ وہاں عام ہو گیا۔ انصار کا کوئی گھراہانہ تھا جس میں حضور ﷺ کا ذکر نہ ہو جبکہ اگلے سال حج کا موسم آیا تو انصار میں سے بارہ افراد حاضر ہوئے جن میں اسعد بن زرارہ، عوف بن معاذ جو دونوں عفران کے بیٹے تھے۔ رافع بن مالک عجلانی، ذکوانی بن عبد القیس، عبادہ بن صامت، زید بن ثعلبہ اور عباس بن عبادہ، عقبہ بن

عامر اور عطیہ بن عامر یہ خزرجی تھے ابو اہیشم بن تیہان، عویمر بن ساعدہ اس سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ سب عقبہ میں آپ کو ملے۔ یہ عقبہ اولیٰ ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت نساء (عورتوں کی بیعت کی شرط پر) کی۔ حضور نے انہیں فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نہ کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرو گے الخ۔ اگر تم نے وعدہ پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر تم میں سے کسی نے ان میں وعدہ خلافی کی اور دنیا کے اندر حد پالی یہ سزا اس کے عمل کا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری پردہ پوشی کی تو تمہارا معاملہ تمہارے رب کے سپرد ہے، اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور اگر چاہے تو تمہیں بخش دے۔ راوی نے کہا یہ واقعہ جنگ سے پہلے ہوا جب یہ افراد واپس مدینہ طیبہ گئے تو حضور ﷺ نے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف کو بھیجا انہیں حکم دیا گیا کہ انہیں قرآن حکیم کی تعلیم دیں، اسلام سکھائیں اور فقہ کی تعلیم دیں۔ حضرت مصعب کو مدینہ طیبہ میں مقرری کہا جاتا ان کی رہائش حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر تھی پھر اسعد بن زرارہ حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ بنی ظفر کے باغات میں سے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ دونوں باغ میں بیٹھے تو بنی اسلم کے کچھ لوگ ان کی خدمت کیلئے حاضر ہو گئے تو حضرت اسعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا چلو ان دو آدمیوں کے پاس چلیں جو ہمارے گھر میں اسلئے آئے ہیں تاکہ ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنائیں، ان دونوں کو جھڑک دیا کیونکہ اسعد بن زرارہ میرا خالہ زاد ہے۔ اگر یہ رشتہ نہ ہوتا تو میں خود ہی اس کے لئے کافی ہوتا۔ اسعد بن معاذ اور اسید بن حضیر دونوں بنی اہبل کے رئیس تھے۔ اس وقت تک دونوں مشرک تھے۔ اسید بن حضیر نے اپنا چھوٹا نیزہ لیا۔ پھر حضرت مصعب اور اسعد بن زرارہ کے پاس آیا جبکہ وہ دونوں باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اسعد بن زرارہ نے دیکھا تو حضرت مصعب بن عمیر سے کہا یہ اپنی قوم کا سردار ہے، یہ تیرے پاس آیا، اسے مسلمان بناؤ۔ تو حضرت مصعب بن عمیر نے کہا اگر وہ ہمارے پاس بیٹھا تو میں اس سے بات کروں گا۔ راوی نے کہا وہ ان دونوں کے پاس ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور کہا تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے؟ حضرت مصعب نے کہا کیا تم ہمارے پاس بیٹھو گے نہیں تاکہ ہماری بات سنے، اگر تجھے بات پسند ہو تو قبول کر لینا، اگر ناپسند ہو تو جس چیز کو تو ناپسند کرتا ہے اس سے رک جانا۔ اس نے کہا تو نے انصاف کی بات کی ہے۔ اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور ان دونوں کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے ان سے گفتگو کی، ان پر قرآن حکیم کی تلاوت کی، کہا قسم بخدا ہم نے ان کی گفتگو سے پہلے ہی اس کے چہرہ میں اسلام بھانپ لیا تھا۔ پھر کہا یہ تو کتنا ہی اچھا اور خوبصورت ہے، جب تم اس دین میں داخل ہونا چاہتے ہو تو تم کیا کرتے ہو؟ دونوں نے کہا تم غسل کرو، پاکیزہ لباس زیب تن کرو، پھر تم حق کی گواہی دو، پھر دو رکعت نماز ادا کرو۔ وہ پلٹنا غسل کیا، اپنے کپڑے پاک کیے اور حق کی شہادت دی۔ (شہادتیں پڑھیں)، پھر اٹھا دو رکعت ادا کی۔ پھر کہا میرے پیچھے ایک اور آدمی بھی ہے، اگر وہ تمہاری اطاعت کر لے تو اس کی قوم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا، اب میں اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ وہ اسعد بن معاذ ہے پھر اپنا نیزہ لیا اور اپنی چوپال میں جا کر بیٹھ گیا تو اسعد بن معاذ نے کہا کیا چھوڑ آئے ہو؟ اس نے کہا میں نے ان دونوں سے بات چیت کی، قسم بخدا میں نے تو ان میں کوئی غلط بات نہیں دیکھی۔ میں نے ان دونوں کو منع کیا تو انہوں نے کہا جو تم پسند کرتے ہو ہم وہی کریں گے۔ یہ بھی بیان کیا کہ بنی حارثہ حضرت اسعد بن زرارہ کے قتل کے ارادہ سے نکلے ہیں تاکہ وہ اس قتل کر دیں اور وہ تم سے وعدہ کو توڑ دیں وہ جانتے ہیں کہ وہ تیرے خالہ زاد ہیں۔ تو اسعد بن معاذ غصہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بنی حارثہ کے متعلق جو بات سنی اس کی وجہ سے جلدی سے چلے اپنا نیزہ لیا اور کہا قسم بخدا میں نہیں جانتا کہ تو نے کوئی فائدہ کی بات کی، جب ان دونوں کو مطمئن دیکھا تو پہچان لیا کہ اسید نے اسے اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں خود ان کی بات سنوں تو میں انہیں ناراض ہوتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ پھر اسعد بن زرارہ سے کہا اگر میرے اور تیرے درمیان رشتہ داری نہ ہوتی تو تو اس بات کی جرأت نہ کرتا، کیا ہمارے گھر میں اس چیز کو عام کر رہے ہو جس کو ہم ناپسند کرتے ہیں؟ اسعد نے مصعب بن عمیر سے کہہ



دیا کہ قسم بخدا آپ کے پاس قوم کا سردار آ رہا ہے، اگر یہ آپ کی اتباع کر لے تو ان میں سے کوئی پیچھے نہیں رہے گا۔ حضرت مصعب نے ان سے کہا کیا تو ہمارے پاس نہیں بیٹھے گا اور ہماری بات نہیں سنے گا، اگر تجھے بات پسند ہو اور تو اس میں رغبت کرے تو اسے قبول کر لینا، اگر تو ناپسند کرے تو ہم اس چیز کے بارے میں تم سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ تو سعد نے کہا تو نے انصاف کی بات کی۔ پھر اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب نے اس پر اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ دونوں نے کہا قسم بخدا ہم اس کے چہرے کی بشاشت اور چمک سے پہچان چکے تھے کہ اسلام اسے پسند آ گیا ہے۔ پھر اس نے کہا جب تم مسلمان ہوتے ہو اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو۔ حضرت مصعب نے فرمایا تو غسل کر اپنے کپڑوں کو پاک کر اور حق کی شہادت دے اور دو رکعت نماز ادا کر۔ وہ اٹھا، غسل کیا، اپنے کپڑے پاک کئے، کلمہ شہادت پڑھا، دو رکعت نماز ادا کی، پھر اپنا نیزہ لیا، پھر اپنی قوم کی مجلس کا قصد کیا جبکہ ان کے ساتھ اسید بن حضیر بھی تھے۔ جب ان کی قوم نے انہیں آتے ہوئے دیکھا تو کہا ہم اللہ کے نام کی قسم کھاتے ہیں جس چہرہ کے ساتھ تمہارے پاس سے گیا تھا اس کے ساتھ واپس نہیں آ رہا۔ سعد بن معاذ نے کہا اے بنی اشہل مجھے تمہارے ہاں جو حیثیت حاصل ہے اسے کیسا جانتے ہو؟ سب نے کہا تم ہمارے سردار، صائب الرائے اور اچھے اخلاق والے ہو۔ تو سعد نے کہا تمہارے مردوں اور عورتوں کا مجھ سے کلام کرنا حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے۔ راوی نے کہا سعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر سعد بن زرارہ کے گھر آ گئے۔ وہاں ٹھہر کر وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہ بچا جس میں کوئی مرد یا عورت مسلمان نہ ہو، سوائے دار بنی امیہ بن زید 'حظمہ' وائل اور واقف کے، انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ابو قیس بن اسلت نامی ایک شخص شاعر تھا۔ یہ لوگ اس کی پیروی کرتے تھے۔ یہ اس کو سنتے اور اسی کی اطاعت کرتے تھے۔ اس نے انہیں اسلام سے روکے رکھا، یہاں تک کہ غزوہ بدر، احد اور خندق گزر گیا۔

راویوں نے کہا پھر حضرت مصعب بن عمیر مکہ مکرمہ واپس آئے اور آپ کے ساتھ ستر انصار مسلمان تھے اور آپ کی قوم مشرک حجاج تھے اور ایام تشریق کی درمیانی رات کو عقبہ میں حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا۔ اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ کعب بن مالک نے کہا جو اس بیعت میں حاضر تھے۔ جب ہم حج سے فارغ ہو گئے اور وہ رات آئی جس میں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا تھا جبکہ ہمارے ساتھ عبد اللہ بن عمرو بن حرام ابو جابر بھی تھا۔ ہم نے انہیں بتایا جبکہ ہم اپنا معاملہ ان مشرکین سے مخفی رکھے ہوئے تھے جو ہمارے ساتھ تھے۔ ہم نے اس سے گفتگو کی اور اس سے کہا اے ابو جابر تم ہمارے سردار اور ہمارے اشراف میں سے ایک ہو۔ ہم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ جس دین پر تو اب ہے اس کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بن جائے۔ ہم نے اسے اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیلئے وقت کے تعین کا بھی ذکر کیا۔ وہ ہمارے ساتھ عقبہ آئے، وہ نقیب تھے۔ وہ رات ہم نے اپنی قوم کے ساتھ گزاری۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معین کی ہوئی جگہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ہم چھپتے چھپاتے کھسک رہے تھے جس طرح کونج چلتی ہے، یہاں تک کہ عقبہ کے نزدیک ایک گھاٹی میں ہم جمع ہو گئے۔ ہم کل ستر افراد تھے، ہمارے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں۔ نسیبہ بنت کعب جو بنی نجار کی عورتوں میں سے تھیں دوسری اسماء بنت عمرو بن عدی جو منبج کی والدہ تھی۔ عمار کی والدہ تھیں جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہم گھاٹی میں جمع ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے، یہاں تک کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آئے جبکہ آپ کے ساتھ حضرت عباس بن عبد المطلب تھے۔ حضرت عباس نے فرمایا اے خزرج کی جماعت (انصار کے اس قبیلہ کو خزرج کا نام دیا جاتا، خواہ وہ خزرجی ہوتا یا اوسی) حضرت محمد ﷺ کو ہمارے درمیان جو حیثیت حاصل ہے اسے تم خوب جانتے ہو۔ ہم نے اپنی قوم سے ان کی حفاظت کی ہے۔

یہ اپنی قوم میں باعزت اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ آپ نے تمہارے پاس آنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم اس

عہد کو پورا کرو گے جس کا تم ان سے وعدہ کر رہے ہو اور جو ان کی مخالفت کرے ان سے تم آپ کی حفاظت کرو گے تو تمہاری ذمہ داری تم پر اور اگر تم یہ خیال کرو کہ تم انہیں دشمنوں کے حوالے کر دو گے اور ان کے وہاں جانے کے بعد تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو ابھی سے ان کا ساتھ چھوڑ دو کیونکہ یہاں ان کی عزت بھی ہے اور حفاظت کا اہتمام بھی۔ تو انصار نے کہا جو آپ نے کہا ہم نے سن لیا۔ یا رسول اللہ آپ گفتگو فرمائیں جو آپ چاہیں اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے ہم سے وعدہ لیں تو رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ قرآن حکیم کی آیات کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ کی طرف انہیں دعوت دی، اسلام کے بارے میں انہیں رغبت دلائی۔ پھر فرمایا میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اس چیز سے حفاظت کرو گے جس سے تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ تو حضرت براء بن معرور نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم آپ کا دفاع کریں گے جس سے ہم اپنی عورتوں اور بچوں کا دفاع کرتے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ ہم سے بیعت لیجئے۔ ہم جنگجو ہیں اور دوسروں سے بھی ہمارے معاہدے ہیں جو ہمارے آباؤ اجداد سے چلے آ رہے ہیں۔ جب براء رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کر رہے تھے تو ابو اہیشم بن تیہان نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ ہمارے اور دوسری قوموں کے درمیان معاہدے ہیں۔ ہم ان کو آج توڑ رہے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں پھر اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے کیا آپ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئیں گے اور ہمیں چھوڑ دیں گے تو رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ پھر فرمایا ہرگز نہیں، تمہارا خون میرا خون ہے، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، جس سے تم جنگ کرو گے میں اس سے جنگ کروں گا، جس سے تم صلح کرو گے میں اس سے صلح کروں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے میں سے بارہ نقیب پیش کرو جو اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اپنی قوم کے نقیب تھے۔ تو ان لوگوں نے بارہ نقیب پیش کیے جن میں سے نو کا تعلق خزرج اور تین کا تعلق اوس سے تھا۔ عاصم بن عمرو بن قتادہ نے کہا جب قوم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر اتفاق کر لیا تو عباس بن عبادہ بن نضله انصاری نے کہا اے خزرج کی جماعت جس چیز پر تم اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہو، کیا تم اس کے عواقب سے واقف ہو؟ تم احمر و اسود سے جنگ کرنے کی بیعت کر رہے ہو، اگر تمہاری یہ رائے ہو کسی مصیبت نے تمہارے اموال کو ضائع کر دیا اور تمہارے اشراف کو قتل کر دیا، تم اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دو گے تو ابھی سے ایسا کر دو۔ قسم بخدا اگر تم نے بعد میں ایسا کیا تو دنیا و آخرت کی رسوائی ہوگی۔ اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ اموال کے ضائع ہونے اور اشراف کے قتل ہونے پر بھی تم وعدہ نبھاؤ گے تو اس کو لازم پکڑو۔ قسم بخدا یہ دنیا و آخرت سے بہتر ہے۔ تمام لوگوں نے کہا ہم اموال کی تباہی اور اشراف کے قتل ہونے پر بھی آپ سے معاہدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم اپنے وعدے کو نبھائیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت۔ سب نے عرض کی اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا، سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سب سے پہلے جس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی وہ حضرت براء بن معرور تھے۔ پھر تمام قوم نے بیعت کی۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی بیعت کر چکے تو شیطان عقبہ کی چوٹی سے بلند آواز کے ساتھ یوں چیخا جسے میں نے کبھی نہیں سنا تھا، اے اہل جباحب کیا تم کو مذم (محمد) کی بھی اطلاع ہے۔ یہ سب تمہارے ساتھ جنگ پر جمع ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا دشمن ہے۔ یہ عقبہ کا شیطان ہے۔ اے اللہ کے دشمن میں سن رہا ہوں قسم بخدا میں تیرے لئے فارغ ہوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف چلے جاؤ تو حضرت عباس بن عبادہ بن نضله نے عرض کی قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اگر آپ چاہیں تو کل ہم اہل منیٰ پر اپنی تلواروں کے ساتھ آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ تم اپنی اپنی جگہ کی طرف چلے جاؤ۔ پس ہم اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹ آئے۔ ہم سو گئے، یہاں تک کہ ہم نے صبح کی۔ جب صبح ہوئی تو قریش کے معزز سردار ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے کہا اے

گروہ خزرج ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ تم ہمارے اس صاحب کے پاس آئے ہوتا کہ تم اسے یہاں سے نکال لے جاؤ اور تم ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر ان کی بیعت کر رہے ہو، قسم بخدا اگر ہمارے اور تمہارے درمیان اسی وجہ سے جنگ بھڑک اٹھی تو تم سے بڑھ کر ہمارے لئے عرب کا کوئی قبیلہ زیادہ مبغوض نہیں ہوگا۔ ہماری قوم میں سے مشرک لوگ اٹھے، انہوں نے قریش کے سرداروں کے لئے اللہ کے نام کی قسمیں اٹھائیں اور کہا ہمارا اس چیز سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ہم اس چیز کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ وہ اپنی بات میں سچے بھی تھے کیونکہ وہ کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ ہم میں سے بعض بعض کو دیکھ رہے تھے۔ قریش کے سردار اٹھے، ان میں حارث بن ہشام بن مغیرہ بھی تھا جس نے نئے جوتے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے ابو جابر سے کوئی بات کہی، گویا جو میری قوم نے بات کہی اس میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ وہ بات یہ تھی کہ میں نے اس سے کہا ابو جابر تم ہمارے سردار ہو لیکن اتنی طاقت بھی نہیں رکھتے کہ اس قریش جیسی جوتیاں بناؤ۔ حارث نے یہ بات سنی تو جوتیاں اتار کر میری طرف پھینک دیں اور بولا خدا کی قسم اب تو انہیں پہنے گا۔ ابو جابر نے کہا تو نے جو ان کو غصہ دلادیا، جوتیاں واپس کر دے۔ میں نے کہا میں تو واپس نہیں کروں گا۔ یہ شگون اچھا ہے، اگر فال سچی ہوئی تو خدا کی قسم میں ان کے کپڑے اتار لوں گا۔ جب انصار مدینہ طیبہ واپس آ گئے جبکہ وعدہ مضبوط ہو چکا تھا۔ جب انصار مدینہ پہنچ گئے تو اسلام یہاں عام ہو گیا۔ یہ خبر قریش کو بھی پہنچ گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو اذیتیں دینا شروع کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائی پیدا فرمادیے ہیں اور تمہارے لئے ایک ایسا گھر بنا دیا ہے جس میں تم امن سے رہ سکتے ہو انہیں مدینہ طیبہ ہجرت کرنے اور اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ جاننے کا حکم دیا۔ سب سے ملے جس نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ اخو سلمہ بن عبد اللہ مخزومی تھے، پھر عامر بن ربیعہ پھر عبد اللہ بن جحش پھر صحابہ کرام پے در پے مدینہ طیبہ روانہ ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اوس و خزرج کو اسلام کے ساتھ متحد کر دیا۔ ان کے درمیان حضور ﷺ کی وجہ سے مصالحت قائم فرمادی۔ (۱)

۷۔ شفا کا معنی طرف اور کنارہ ہے، یعنی اس میں گرنے ہی والے ہو۔ اگر تم کفر پر مرو تو تمہارے اور جہنم میں گرنے کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔

۸۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے تمہیں اس سے بچالیا۔ حاضیر حفرہ کے لئے ہے یا آگ یا شفا (کنارہ) کے لئے۔ آخری صورت میں اس کی تانیث مضاف الیہ کی وجہ سے ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے یہ شفقہ کے معنی میں ہے کیونکہ شفا اور شفتہ جب پیر کی طرف مضاف ہو تو دونوں کا معنی کنارہ ہی ہوتا ہے، جس طرح جانب اور جانبہ دونوں ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی اصل شفو ہے۔ مذکر میں واؤ کو الف سے بدل دیا اور مونث میں اسے حذف کر دیا۔

۹۔ مشار الیہ تبیین ہے آیات سے مراد دلائل ہیں۔

۱۰۔ تا کہ تم ہدایت پر ثابت قدم رہو اور اس میں آگے بڑھو۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۰﴾

”ضرور ہونی چاہئے تم میں سے ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف سے اور حکم دیا کرے بھلائی کا سے اور روکا کرے بدی

سے اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں ۱۰۰“

۱۔ یہاں من جمعیۃ ہے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ہر ایک کے لئے مناسب نہیں کہ اس کیلئے علم، احتساب پر قدرت اور تمام لوگوں سے مطالبہ کی شرط لازمی قرار دی جائے یہاں خطاب تمام کو کیا اور بعض سے فعل کا مطالبہ کیا تا کہ اس بات پر دلالت ہو کہ واجب تو سب پر ہے، یہاں تک کہ اگر سب نے اس عمل کو چھوڑ دیا تو سب کے سب گناہ گار ہوں گے۔ لیکن بعض کے عمل کرنے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ یہی تو فرض کفایہ کی شان ہوتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ من بیانہ ہو اور نہی عن المنکر ہر کسی پر واجب ہو اور اس کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنے دل سے اسے ناپسند کرے۔

۲۔ لوگوں کو دعوت دے بہترین عقائد، اخلاق اور عمل کی طرف جس میں دین و دنیا کی صلاح ہو۔ ابن مردودہ نے ابو جعفر محمد باقر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خیر سے مراد قرآن حکیم اور میری سنت کی پیروی ہے (۱) امام سیوطی نے حضرت عثمان سے مفصل روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو پڑھا اور وینہون عن المنکر کے بعد ویستغیثون علی ما أصابہم کا اضافہ کیا (۲) میں کہتا ہوں یعنی وہ لوگوں سے مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں۔

۳۔ معروف سے مراد وہ عمل ہے جس کا حسن شرع سے معلوم ہو خواہ وہ واجب ہو یا مستحب ہو۔

۴۔ منکر سے مراد جسے شرع ناپسند کرے، وہ محرمات ہوں یا مکروہ، یہاں خاص کا عام پر عطف کیا جا رہا ہے خاص کی فضیلت بیان کرنے کیلئے۔  
۵۔ یعنی جو خیر کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اچھائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، وہی کامیاب ہیں اور جس نے ایسا نہ کیا وہ خائب و خاسر ہوا۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو برائی کو دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر وہ یہ طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے، اگر اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو دل سے اسے برا جانے۔ یہ کمزور ترین ایمان ہے (۳) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر سے مروی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سستی کرنے والا اور اس میں گر پڑنے والا اس قوم کی طرح ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوتے ہیں، ان میں سے بعض نچلے حصے میں ہیں اور بعض اوپر والے حصے میں ہیں، جو نیچے ہیں اوپر والوں کے پاس سے پانی لانے کیلئے گزرتے ہیں جس سے وہ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہتھوڑا لیتا ہے اور کشتی کے نیچے والے حصے میں سوراخ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اوپر والے لوگ اس کے پاس آتے ہیں۔ اس سے پوچھتے ہیں تجھے کیا ہو گیا (تو یہ کام کیوں کرتا ہے)۔ وہ جواب دیتا ہے تم میری وجہ سے پریشان ہوتے ہو اور میرا پانی کے بغیر گزارہ بھی نہیں۔ اگر لوگوں نے اس آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا وہ اسے بھی بچالیں گے اور اپنے آپ کو بھی بچالیں گے۔ اگر انہوں نے اسے چھوڑ دیا اسے بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کر دیں گے (۴) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم تنگی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے پھر لوگ اس سے دعا کریں مگر ان کی دعا قبول نہ کی جائے (۵) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق سے مروی ہے فرمایا اے لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا عَلٰیكُمْ اَنْفُسُكُمْ لَا یُضْرَکُمْ مِنْ ضَلِّ اِذَا اٰمَنْتُمْ ۗ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ارشاد فرماتے لوگ جب برائی دیکھیں اور اسے ختم کرنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے (۶) اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اسے ابوداؤد اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ جریر بن عبد اللہ سے اس کی مثل روایت

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 110 (العلیہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 109 (اصل میں پستھون ہے) (العلیہ)

3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 51 (قدیمی) 4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 339 (دست) 5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 39 6۔ ایضاً، صفحہ 131 (دست)

مروی ہے جسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ عدی بن عدی کندی سے مروی ہے کہ ہمارے غلام نے ہمیں بتایا کہ اس نے میرے دادا سے سنا وہ کہہ رہے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل سے عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا جب تک برائی ان لوگوں میں عام نہ ہو جائے جبکہ وہ اس برائی کو ختم کرنے پر قادر ہوں مگر اسے نہ روکیں۔ جب وہ لوگ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ عام اور خاص سب کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے (۱) امام بغوی نے اسے شرح السنہ میں روایت کیا ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بنو اسرائیل نافرمانی میں مبتلا ہوئے ان کے علماء نے انہیں منع کیا، وہ نہ رکے۔ پھر علماء بھی ان کی مجالس میں بیٹھنے لگے، ان کے ساتھ کھایا اور پیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ نکرادیا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانوں سے ان پر لعنت کی۔ یہ سب اس لئے تھا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا آپ پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اب اٹھ بیٹھے فرمایا نہیں قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہاں تک کہ وہ آپس میں محبت و مہربانی کرنے لگے (۲) اسے امام ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کیا اس آیت کی وجہ سے اس آدمی پر بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے جو خود نیکی کا کام نہیں کرتا اور برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہم کہیں گے ہاں اس پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عبارتہ النص سے اور خود اچھائی کرنا اور برائی سے رکننا اقتضاء النص سے واجب ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق نہ بنے۔ ”کیا تم لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے ہو اور خود بھول جاتے ہو“ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم خود کرتے نہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ناراضگی کا باعث ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم کرتے نہیں“ حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ایک آدمی کو لایا جائے گا، اس کو آگ میں ڈالا جائے گا، اس کی آنتیں نکل آئیں گی، وہ ان کے گرد یوں چکر کاٹے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ جہنمی اس کے پاس جمع ہو جائیں گے، وہ اس سے پوچھیں گے اے فلاں تیرا کیا حال ہے تو ہمیں نیکی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے روکتا تھا۔ وہ جواب دے گا میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا، اور خود نہیں کرتا تھا میں تمہیں برائی سے روکتا تھا اور خود برائی کرتا تھا (۳) متفق علیہ۔ حضرت انس نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود بھول جاتے ہیں (۴) اسے امام بغوی نے شرح السنہ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۗ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰﴾

”اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے ۱۔ اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آچکی تھیں

ان کے پاس روشن نشانیاں ۲۔ اور ان لوگوں کے لئے عذاب ہے بہت بڑا ۳۔“

۱۔ یعنی یہودی جو بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

۲۔ بینات سے مراد واضح اور قطعی دلائل ہیں، یعنی محکم آیات، احادیث متواترہ جو انبیاء سے محکم انداز میں مروی ہوں اور اسی طرح کے دلائل

1- مصابح السنہ، جلد 2، صفحہ 302، حدیث نمبر 1931

2- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 130 (وزارت تعلیم)

3- مشکوٰۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، صفحہ 436 (وزارت تعلیم)

4- مشکوٰۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، صفحہ 438 (وزارت تعلیم)

جیسے اس امت کا اجماع، خواہ یہ اختلاف اصول دین میں ہو جیسے بدعتیوں کا اہل سنت کیساتھ اختلاف یا مجمع علیہ مسائل میں اختلاف جیسے وضو میں پاؤں کے دھونے اور خضین پر مسح کرنے میں اختلاف خلفاء اربعہ کی خلافت میں اختلاف، اس قید کے ساتھ اس اختلاف سے احتراز کیا ہے جو اجتہاد میں ہوتا ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔ اجتہاد میں اختلاف ضروری ہوتا ہے کیونکہ یہ امر بدیہی ہے کہ بعض مجتہدین سے اجتہاد میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اختلاف تمام صلاحیتیں صرف کرنے کے بعد ہو اور اس میں کسی قسم کا تکبر اور تعصب نہ ہو تو یہ معاف ہوتا ہے بلکہ ایسا اختلاف رحمت ہے اور لوگوں کے لئے اس میں گنجائش موجود ہے۔ عبد بن حمید نے اپنی مسند میں داری، ابن ماجہ، اور عبد ربنی نے جمع بین اہل حنین میں ابن عساکر اور حاکم نے حضرت عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنے بعد صحابہ کے اختلاف کے بارے میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی اے محمد ﷺ تیرے صحابہ میرے پاس ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے بعض بعض سے اقوی ہیں (۱) ایک روایت میں ہے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ روشن ہیں، ہر ایک نور ہے جس نے بھی کسی ایسی چیز کو اپنا لیا جس پر یہ صحابہ اختلاف کیے ہوئے ہیں وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا (۲) دارقطنی نے اسے فضائل صحابہ میں ابن عبد البر نے جابر سے بیہقی نے مدخل میں ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے مدخل میں ابن عباس سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتاب اللہ میں جو احکام تمہیں دیئے گئے ہیں ان پر عمل کرنا لازم ہے، ان کے چھوڑنے میں کسی کا کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ اگر کتاب اللہ میں حکم نہ ہو تو نبی کریم ﷺ کی سنت قطعی امر ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ کی سنت بھی نہ ہو تو میرے صحابہ جو کہیں بے شک میرے صحابہ کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے آسمان میں ستارے، تم میں سے جس نے بھی کسی کی اقتداء کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے (۳) بیہقی نے مدخل میں ابن سعد نے طبقات میں قاسم بن محمد سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا اختلاف اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے رحمت ہے۔ بیہقی نے عمر بن عبد العزیز سے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ  
بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۱﴾

”اس دن (جبکہ) روشن ہوں گے کئی چہرے لے اور کالے ہوں گے کئی منہ لے تو وہ جو سیاہ رو ہوں گے (انہیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا ایمان لانے کے بعد لے تو اب چکھو عذاب (کی اذیتیں) بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے لے“

۱۔ وجوہ کی تنوین مضاف الیہ کے حذف کے عوض میں ہے۔ معنی یہ ہوگا جس روز مومنوں کے چہرے روشن ہوں گے۔  
۲۔ یعنی کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے یا یہ تنوین کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہے، یعنی کثیر چہرے ایسے ہوں گے اور یوم کا لفظ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور یہ ظرف مستقر ہوگی، یعنی لہم جس شبہ فعل کے متعلق ہوگا یہ بھی اسی کے متعلق ہوگا، یا یہ عظیم کے متعلق ہے یا یہ اذکر کے متعلق ہے۔ حضرت سعید بن جبیر حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا اہل سنت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے (۴) دیلمی نے مسند فردوس میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر سے

انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اہل سنت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (1)۔  
سچ نہیں کہا جائے گا کیا تم نے دلائل قطعیہ کا انکار کیا ہے اور تم نے دین میں تفرقہ کیا اور تم نے تشابہات کی تاویل کی پیروی کی، نبی کریم ﷺ اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ یہاں استفہام ان کی حالت کی توجیح اور تعجب کے لئے ہے۔

سچ یہ آیت اس امت اور سابقہ کی بدعتیوں کے بارے میں ہے۔ ابو امامہ اور قتادہ نے یہی کہا ہے امام احمد اور دوسرے علماء نے ابی امامہ سے اور وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق خارجی ہیں (2) اور اہل ہواء کے متعلق اسماء بنت ابی بکر کی حدیث بھی ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حوض پر ہوں گا تم میں سے جو بھی وہاں آئے گا میں اسے دیکھ رہا ہوں گا۔ کچھ لوگوں کو مجھ سے دور پکڑ لیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب یہ میرے ہیں، میری امت سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو کہا جائے گا کیا آپ کو علم ہے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ قسم بخدا یہ پچھلے پاؤں پلٹ گئے تھے (3) اسے امام بخاری نے روایت کیا حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فتنوں سے پہلے اعمال کی طرف جلدی کرو یہ فتنے تاریک رات کی مانند ہیں، آدمی صبح مومن ہوگا شام کو کافر ہوگا، شام کو مومن ہوگا صبح کافر بن جائے گا، وہ دنیا کے تھوڑے سے مال کے عوض اپنا دین بیچ دے گا (4) اسے امام مسلم، امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں ہے جنہوں نے حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان لانے کے بعد حضور ﷺ کا انکار کیا یا یہ کہ آپ کی بعثت سے قبل تو حضور ﷺ پر ایمان لائے پھر انکار کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تمام کفار کے بارے میں ہے انہوں نے کفر کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے گواہی لی تھی یا یہ وہ دلائل میں غور و فکر کر کے ایمان لانے کی طاقت رکھتے تھے پھر بھی انکار کیا۔

### وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥٠﴾

”اور وہ (خوش نصیب) لوگ روشن ہوں گے جن کے چہرے تو وہ رحمت الہی (کے سائے) میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ

رہیں گے۔“

۱۔ یعنی اہل سنت جنت اور دائمی ثواب میں ہوں گے۔ یہاں جنت کو رحمت سے تعبیر کیا ہے اس حقیقت سے آگاہ کرنے کیلئے کہ مومن اگرچہ ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مستغرق رہے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ راستی اختیار کرو۔ درمیانی رفتار سے چلو اور خوش رہو کیونکہ کسی کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کو بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے بھی نہیں مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے (5) اسے شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ شیخین حضرت ابو ہریرہ سے بھی اس کی مثل اور امام مسلم حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور نہ ہی اسے آگ سے بچائے گا اور نہ ہی مجھے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی جنت میں داخل کرے گی اور عذاب سے بچائے گی (6) یہ حضرت ابو سعید سے بھی مروی ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور ابو موسیٰ اشعری اور شریک بن طارق سے بھی مروی ہے جسے بزار نے روایت کیا ہے۔ یہ شریک بن طارق، اسامہ بن شریک اور اسعد بن کرز سے بھی مروی ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس آیت میں اس آیت کی وجہ سے خفاء پیدا

1- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 112 (العلمیہ) 2- تفسیر بنوئی، جلد 1، صفحہ 336 (التجاریہ) 3- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 975 (دزارت تعلیم)

4- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 75 (قدیمی) 5- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 377 (قدیمی) 6- ایضاً، صفحہ 75

ہو گیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اذْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اس کے باعث جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ جنت کی کئی منازل اور درجات ہیں جو اعمال کے ذریعے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس آیت کا یہی مفہوم ہے تاہم جنت میں داخل ہونے کی اہلیت اور اس میں ہمیشہ رہنا یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے۔ یہی ان احادیث کا مفہوم ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے تم پہل صراط کو اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کرنے سے عبور کرو گے، تم جنت میں اس کی رحمت سے داخل ہو گے اور منازل اعمال کے باعث تم میں تقسیم کی جائیں گی۔ اسے ہناد نے زہد میں ابو نعیم نے عون بن عبداللہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

۲۔ ہاضمیر سے مراد رحمت یا جنت ہے اس کلام کو جملہ مستاتھ کی صورت میں تاکید کے لئے ذکر فرمایا۔ گویا یہ مقدر سوال کا جواب ہے کہ وہاں جنت میں کیسے رہیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات پر آگاہ کیا کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس میں ہمیشہ رہنا ایک مستقل نعمت ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۸﴾

”یہ اللہ کی آیتیں ہیں۔ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ سے۔ کوٹھیک ٹھیک سے اور نہیں ارادہ رکھتا اللہ ظلم کرنے کا دنیا والوں پر سے۔“

۱۔ وہ آیات جو وعدہ اور وعید میں وارد ہوئیں۔

۲۔ یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔

۳۔ حق کیساتھ ملی ہوئی ہیں اس طرح کہ ان میں کوئی شبہ نہیں۔

۴۔ کیونکہ اس سے ظلم کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس پر کسی فعل کا کرنا واجب ہے، نہ اس کا چھوڑنا واجب ہے کہ جو واجب تھا اس کو چھوڑنے کی وجہ سے ظلم لازم آتا کیونکہ وہ علی الاطلاق مالک ہے، جس طرح وہ چاہے اپنی مملوکہ چیزوں میں تصرف کرے۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں ظلم سے ظاہر مفہوم وہ ہے جو لوگوں میں باہم ظلم ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا جس نے بھلائی کا کام کیا اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں کمی کا ارادہ نہیں رکھتا اور جو مجرم ہے اس کے عذاب میں جرم سے زیادہ کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ پس وہ ایسے شخص کو دائمی عذاب میں ڈالے گا جس سے بڑا عذاب نہیں، یہ اس لئے کرے گا تاکہ سزا عمل کے موافق ہو جائے۔

وَاللَّهُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ ۗ وَ اِلٰى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُصُوْرُ ﴿۱۹﴾

”اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے کام لے۔“

۱۔ یعنی تخلیق اور ملکیت کے اعتبار سے سب اللہ کا ہے۔ پہلی تاویل کی بناء پر یہ اس بات کی علت کا بیان ہے کہ وہ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا اور دوسری تاویل کی بناء پر جو اس نے وعدہ کیا ہے اس کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت کا بیان ہے۔ پس وہ ہر کسی کو وعدہ اور وعید کی بنا پر بدلہ عطا فرمائے گا۔

بغوی نے کہا عکرمہ نے بیان کیا کہ مالک بن حنیف و ہب بن یہود اجدونوں یہودی تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل اور سالم جو ابی حذیفہ کے غلام تھے سے کہا ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا دین تمہارے دین سے افضل ہے جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ

بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَكٰنَ خَيْرًا اَلَيْسَ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۲۰﴾



”ہوتم بہترین امت لہ جو ظاہر کی گئی ہے لہ لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لئے لہ تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے لہ اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر بھ اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو یہ بہتر ہوتا ان کے لئے لہ بعض ان میں سے مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے نافرمان ہیں لہ“

لہ یہاں خیر امت میں صفت موصوف کی طرف مضاف ہے جس طرح اخلاق ثیاب میں صفت موصوف کی طرف مضاف ہوتی ہے۔ یہاں مفصل منہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے کُنْتُمْ اُمَّةً خَيْرَ الْاُمَّمِ تُكَلِّمُوكَانَ كَوْمَبْتَدَا اور خبر پر اس لئے داخل کیا جاتا ہے کہ یہ دلالت کرے کہ خیر امت کے لئے زمانہ ماضی میں ثابت ہے۔ یہ سابقہ خبر کے عدم اور لاحق کے انقطاع پر خارجی قرینہ کی وجہ سے ہی دلالت کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا رَحِيْمًا۔ یہ جملہ زمانہ گزشتہ میں ان کی افضلیت اور حال و استقبال میں ان کی افضلیت پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تامرون دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے علم میں سابقہ امتوں میں ذکر کے اعتبار سے بہترین امت تھے۔ لہ اٰخِرُ حِجْتِ کا معنی ہے ظاہر کی گئی یا پیدا کی گئی۔ خطاب یا تو صرف صحابہ کے لئے ہے۔ جو ہر نے ضحاک سے صرف یہی قول نقل کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ کنتم خیر امت یہ ہمارے پہلے لوگوں کے لئے ہے، ہمارے بعد والے لوگوں کے لئے نہیں (1) حضرت ابن عباس سے مروی ہے خیر امت سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی (2) حضرت عمر سے یہ بھی مروی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اتم فرماتا لیکن اس نے کنتم فرمایا، یہ صحابہ کرام اور ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے ان صحابہ جیسا عمل کیا، وہ بہترین تھے جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی (3) یا یہ حضور ﷺ کی تمام امت کے لئے ہے۔ دونوں معنی مخصوص سے ثابت ہیں۔ دونوں پر اجماع موجود ہے کیونکہ حضور ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے اور امت میں سے افضل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاِنْسَانَ يَسْرِئُ بِرِثْمَا عِبَادِي الصّٰلِحُوْنَ اور فرمایا لَمْ اُوْرثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اَصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نے فرمایا جنت انبیاء پر حرام ہے، یہاں تک کہ میں اس میں داخل ہوں گا اور تمام امتوں پر حرام ہے، یہاں تک کہ میری امت اس میں داخل ہوگی (4) اسے طبرانی نے حضرت عمر بن خطاب سے سند حسن کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ابن عباس سے مرفوع روایت منقول ہے جنت تمام امتوں پر حرام ہے، یہاں تک کہ میں اور میری امت اس میں داخل ہوں گے۔ سب سے پہلے وہ داخل ہوگا جو مقام و مرتبہ میں اول ہوگا، پھر اس کے بعد بعد کے مرتبہ والا (5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ میری اتباع کرنے والے لکل جنتیوں کے چوتھائی ہوں گے، پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں وہ ان کا تہائی ہوں گے، پھر میں امید کرتا ہوں کہ وہ ان کا نصف ہوں (6) اسے امام احمد بزار اور طبرانی نے حضرت جابر سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی 180 اس امت کی ہوں گی اور باقی ماندہ دوسری امتوں کی (7) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے۔ حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ طبرانی نے اسی کی مثل ابو موسیٰ، ابن عباس معاویہ بن جندہ اور ابن مسعود سے نقل کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ستر جماعتیں ہو گے اور ان میں سے تم بہترین ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز (8) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ داری نے بہز بن حکیم سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں۔ امام بغوی نے ابو سعید خدری

3- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 113 (العلمیہ)

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 338 (التجاریہ) 2- ایضاً

5- مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 60 (الفلک)

4- مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 59 حدیث نمبر 16717 (الفلک)

6- کنز العمال، جلد 12، صفحہ 167 (التراث الاسلامی) 7- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 77 (د۔ت) 8- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 125 (وزارت تعلیم)

اسی کی مثل روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، یہ نہیں جانا جاسکتا کہ اس کا پہلا حصہ اچھا ہوتا ہے یا آخری حصہ (۱) اسے ترمذی نے حضرت انس سے رزین نے جعفر بن محمد سے، وہ اپنے باپ سے، وہ دادا سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہے کو معاف کر دیا ہے۔ (۲) اسے ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ دوسری فصل میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے لوگوں میں سے بہترین میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر ان کے بعد پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے پھر ایسی اقوام آئیں گی جن کی گواہیاں قسموں پر اور جن کی قسمیں گواہیوں پر سبقت لے جائیں گی (۳) اسے شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور امام احمد نے ابن مسعود سے، طبرانی نے اسی کی مثل، امام مسلم نے حضرت عائشہ سے اسی کی مثل، امام ترمذی اور حاکم نے عمران بن حصین سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد میرے صحابہ کو گالی نہ دو، و اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کی مثل ہو تو صرف کرے وہ صحابہ کے ایک مد کے برابر اور اس کے نصف تک نہیں پہنچ سکتا (۴) متفق علیہ۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے اور حضور ﷺ کا فرمان میرا کوئی صحابی کسی بھی زمین میں نہیں فوت ہوتا مگر قیامت کے روز اس کے لئے قائد اور نور ہو گا۔ اسے امام ترمذی نے حضرت بریدہ سے نقل کیا ہے۔

۳۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ للناس خیر امۃ کے متعلق ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اس کا معنی ہے لوگوں کے لئے لوگوں میں سے بہترین جو لوگوں کے پاس آتے ہیں جبکہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوتے تھے تو انہیں اسلام میں داخل کر دیتے ہیں (۵) اسے ابو عمرو نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس امت کے لوگ دوسری امتوں کی نسبت راہنمائی کرنے میں بڑھ کر اور اللہ تعالیٰ کی طرف جذب میں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ تاثیر والے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا کمالات ولایت کے قطب ارشاد ہیں۔ سابقہ امتوں میں سے کوئی بھی آپ کی روح کے توسط کے بغیر درجہ ولایت کو نہیں پہنچا۔ پھر اس منصب پر آپ کی اولاد میں سے فائز ہوئے، یہاں تک کہ حسن عسکری اور عبدالقادر جیلانی نے اسی وجہ سے یہ کہا پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ افق پر چمکتا رہے گا، غروب نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ للناس اخر جت کے متعلق ہے، یعنی لوگوں کے لئے نکالی گئی۔

۴۔ یہ جملہ مستاتھ ہے اور ان کی افضلیت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے یا یہ خبر ثانی ہے یا یہ امت کی صفت ثانیہ ہے۔ یہاں اس سے مراد ان صفات سے متصف امتوں کے اوپر انہیں فضیلت دینا مقصود ہے، یعنی تم بہترین لوگ ہو ان سے جو ہر امت میں ان صفات سے متصف تھے۔ ۵۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ایمان باللہ سے مراد ہر اس چیز پر ایمان لانا ہے جس پر ایمان لانا واجب ہو کیونکہ اس ایمان کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْکِتٰبِ جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے اور حضور ﷺ کا یہ فرمان جو طلحہ بن عبید اللہ سے مروی ہے کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے خمس ادا کرنا (۶) متفق علیہ۔ یہاں ایمان کو بعد میں ذکر کیا جبکہ ایمان باللہ کا حق تو یہ ہے کہ اسے پہلے ذکر کیا جاتا اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ وہ نیکی کا حکم اور برائی سے منع اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے کرتے ہیں، ریاکاری کی وجہ سے نہیں۔ گویا یہ امر بالمعروف کے لئے قید بن گئی یا ما بعد کلام کے ساتھ رابطہ کے لئے ارشاد فرمایا۔

1- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 110 (وزارت تعلیم) 2- مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 404 (ایضاً) 3- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 309 (قدیمی) 4- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 310 (قدیمی) 5- تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 338 (التجاریہ) 6- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 13 (دوست)

۱۔ سب ایمان لے آتے جس طرح تم ایمان رکھتے ہو کیونکہ وہ اس صورت میں خیر ام میں داخل ہوں گے۔ میں کہتا ہوں ایمان باللہ سے مراد ایمان حقیقی ہو، یعنی دل کو غیر اللہ سے پاک کرنا، نفس کو رذائل سے پاک کرنا اور خالص محبت کے لئے مشق کرانا۔ یہ وہ محبت ہوتی ہے جس میں نفس کی دنیاوی اغراض اور اخروی اغراض کی آمیزش نہیں ہوتی۔

۲۔ ہم ضمیر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ ایسا ایمان جو شمار میں آتا ہے جس طرح عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ایمان سے کفر کی طرف نکلنے والے ہیں۔ یہ جملہ بھی سابقہ جملہ کی وضاحت کرتا ہے کیونکہ مقصود تو سب کا ایمان لانا ہے جبکہ موجود بعض کا ایمان ہے جو وہ مومنوں کے بارے میں سوہن رکھتے تھے، اس کا رد بھی ہے جو "لَوْ آمَنَ الرَّحْمَنُ" سے پیدا ہوا تھا۔

لَنْ يُضْرَبَكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿۱۱۰﴾

” (کچھ) نہ بگاڑیں گے تمہارا سوائے ستانے کے ۱۔ اور اگر لڑیں گے تمہارے ساتھ ۲ تو پھیر دیں گے تمہاری طرف اپنی پٹھیں (اور بھاگ جائیں گے) ۳ پھر ان کی امداد نہ کی جائے گی ۴۔“

۱۔ یہاں اذی سے مراد زبان سے یا اس جیسی ہلکی تکلیف اور اذیت ہے۔ مقاتل نے کہا جب یہودیوں کے رئیسوں نے عبد اللہ بن سلام اور دوسرے مومنوں کو اذیتیں دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے اس آیت کو نازل فرمایا۔

۲۔ اے مومنو! اگر یہودی تم سے قتال کریں۔

۳۔ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے، تمہیں قتل، مال چھیننے یا قیدی بنا کر اذیت نہ دیں گے۔

۴۔ بلکہ تمہیں ان کے خلاف فتح نصیب ہوگی۔ یہ آیت لن بضروکم کا بیان ہے۔ یہ غیب کی خبر ہے، بنو قریظہ، بنو نضیر بنو قریظہ اور اہل خیبر و اہل فدک کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةَ أَيْنَ مَا تَقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ  
بَأَعْوَابِ عَصَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۱﴾

”مسلط کر دی گئی ہے ان پر ۱۔ ذلت (ورسوائی) ۲۔ جہاں کہیں یہ پائے گئے بجز اس کے کہ اللہ کے عہد سے ۳۔ یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) ۴۔ اور یہ مستحق ہو گئے ہیں ۵۔ غضب الہی کے ۶۔ اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر محتاجی ۷۔ یہ اس لئے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے اللہ کی آیتوں سے اور قتل کیا کرتے تھے انبیاء کو ناحق ۸۔ یہ (بیباکی) اس لئے تھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور سرکشی کیا کرتے تھے ۹۔“

۱۔ ہم ضمیر سے مراد یہودی ہیں۔

۲۔ ذلت یہ چیز ان پر اس طرح مسلط کی گئی کہ ان کی جانوں، اموال اور اہل و عیال کی حفاظت کا ذمہ ختم کر دیا گیا۔

۳۔ جہاں بھی پائے جائیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد و پیمان کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے۔ اس سے مراد قرآن اور دین اسلام کا حکم ہے کہ ایسے کفار جو ایمان لا چکے ہیں اور ذمی ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اگر کوئی مشرک تم سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو“ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ”یہاں تک وہ جزیہ دیں اس حال میں کہ اپنے آپ کو پست خیال کریں۔“

۷۔ امان طلب کرنے کے بعد انہیں مومنوں کی طرف سے وعدہ حاصل ہو چکا ہو یا جزیہ کے قبول کرنے کے بعد ذمی تسلیم کیا جا چکا ہو۔ جل اللہ اور جل الناس دونوں سے مراد ایک ہی ہے، اگر دونوں الگ الگ ہوتے تو پھر مناسب یہ ہوتا کہ واؤ کی جگہ او ہوتا۔ مستثنیٰ حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ معنی یہ ہوگا ان پر تمام اموال میں ذلت مسلط ہوگی مگر امان طلب کرنے یا ذمی ہونے کے معاہدہ کی حالت میں۔

۸۔ یعنی لوٹ گئے اسی چیز کی طرف جس کے وہ مستحق تھے جب انہیں موت آئی یا موت کے بعد جب انہیں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”تم مردہ تھے پس اس نے تم کو زندہ کیا پھر تمہیں موت عطا کرے گا پھر تمہیں زندگی دے گا۔“

۹۔ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق بنتے ہوئے۔

۱۰۔ یہ انہیں یوں احاطہ کئے ہوگی جس طرح گھر گھر والوں کو احاطہ میں لئے ہوتا ہے، یعنی بخل اور حرص انہیں گھیزے ہوئے ہوگا کیونکہ بخل اپنا مال خرچ نہیں کرتا اور ہمیشہ مساکین کی طرح رہتا ہے اور لالچی مال کی طلب میں ہمیشہ تھکاوٹ اور مشقت میں رہتا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا یہودی اکثر فقراء اور مساکین ہوتے ہیں۔ (۱)

۱۱۔ اسم اشارہ کا مشار الیہ وہ چیزیں ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جیسے ذلت، مسکنہ کا مسلط ہونا اور غضب کا مستحق ہونا۔ اس سزا کی وجہ یہ بنی کہ انہوں نے آیات کا انکار کیا اور انبیاء کو ناحق قتل کیا، یعنی وہ اس بات کو جانتے تھے کہ وہ ظالم ہیں اور ناحق قتل کر دیتے ہیں۔

۱۲۔ اسم اشارہ کا مشار الیہ کفر اور قتل ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تعنت، عناد اور جان بوجھ کر کی نافرمانی نہیں کی اور وہ حدود اللہ سے تجاوز کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں ان پر ذلت مسلط کی گئی ہے اور آخرت میں وہ غضب کے مستحق بنیں گے جس طرح یہ ان کے کفر اور قتل کا نتیجہ ہے اور کفر و قتل ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کا نتیجہ ہے کیونکہ فرعی معاملات میں بھی مخاطب ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس تاویل کی بنا پر دونوں اسماء اشارہ کے درمیان حرف عطف کا ہونا مناسب تھا (جبکہ حرف عطف نہیں تو یہ تاویل بھی مناسب نہیں)

ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن منذر نے صحابہ میں سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ بن شعبہ، اسید بن تیہجہ، اسد بن عبید اور جو لوگ ان کے ساتھ مسلمان ہوئے اور اسلام میں رغبت کا اظہار کیا تو یہودیوں کے علماء اور ان میں سے جو کافر تھے نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور آپ کی اتباع نہیں کی مگر ہم میں سے شریر لوگ ایمان بھی لائے اور آپ کی اطاعت بھی کی، اگر وہ ہم میں سے اچھے لوگ ہوتے تو وہ اپنے آباء کا دین نہ چھوڑتے، نہ ہی کسی اور کی طرف جاتے، تو اللہ تعالیٰ نے ما بعد آیت کو نازل فرمایا (۲) امام احمد، امام نسائی اور ابن حبان نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں دیر سے تشریف لائے، لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے فرمایا خبر دار ان ادیان کے پیروکاروں میں سے کوئی بھی تمہارے سوا اس وقت اللہ کا ذکر کرنے والا نہیں (۳) تو یہ آیت نازل کی گئی۔

لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَابِئَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْتَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ

يَسْجُدُونَ ﴿۱۳﴾

”سب یکساں نہیں۔ اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے۔ یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی سب رات کے اوقات میں۔ اور وہ سجدے کرتے ہیں۔“

۱۔ یہودیوں کی جو برائیاں ذکر کی گئی ہیں ان میں سب برابر نہیں بلکہ جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے کچھ لوگ ان سے مختلف بھی ہیں۔  
۲۔ نماز کو قائم کرنے والے ہیں جس طرح مابعد کلام دلالت کرتا ہے۔ ابن عباس نے امتہ قائمہ کا معنی یہ کیا ہے وہ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہیں اس کو ضائع کرنے والے نہیں۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے سیدھی یہ اَقَمْتُ الْعُوْدَ فَقَامَ سے مشتق ہے، یعنی میں نے لکڑی کو سیدھا کیا پس وہ سیدھی ہو گئی۔ سدی نے کہا وہ اطاعت شعار ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی حدود پر قائم ہیں (۱) یہاں امت سے مراد حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان جیسے لوگ ہیں جو پہلے یہودی تھے۔

۳۔ آیت اللہ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یہ قائمہ کے فاعل سے حال ہے یا امتہ کی صفت کے بعد صفت ہے۔  
۴۔ یعنی رات کی ساتتیس آناہ کا واحد انہی ہے۔ یہ قیام اور تلاوت کی طرف ہے۔

۵۔ اس کا عطف قائم پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ قائمہ کے فاعل سے یہ حال ہو۔ اس کا معنی یہ ہوگا اس حال میں کہ وہ نماز ادا کرتے ہیں۔ ابن مسعود نے کہا اس سے مراد عشاء کی نماز ہے (۲) کیونکہ اہل کتاب یہ نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے ایک رات ہم عشاء کی نماز کا انتظار کرتے رہے حضور ﷺ اس وقت تشریف لائے، جب رات کا تیسرا پہر گزر چکا تھا، ہمیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کیا کسی چیز نے آپ کو مشغول کر دیا تھا یا کوئی اور معاملہ تھا، آپ جب تشریف لائے تو فرمایا تم ایک ایسی نماز کا انتظار کر رہے ہو جس نماز کا تمہارے سوا کسی دین والے بھی انتظار نہیں کرتے، اگر میری امت پر یہ مشکل نہ ہوتا تو میں اسی لمحہ یہ نماز پڑھایا کرتا۔ پھر حضور ﷺ نے موذن کو حکم فرمایا اس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی (۳) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ظاہر تو یہ ہوتا ہے کہ اس سے مراد قیام اللیل ہے، عشاء کی نماز نہیں کیونکہ سیاق کلام ان کی حالت کے دوام کا تقاضا کرتا ہے اور عشاء کی نماز کی تاخیر کا قصہ ایک دفعہ واقعہ ہوا۔ صحیح میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق اس قصہ کا ذکر نہیں نیز بیتلون کا صیغہ جمع کا ہے۔ عشاء کی نماز میں تلاوت ایک آدمی کرتا ہے، ہاں مجازاً قوم پر تلاوت کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ عطاء نے کہا امتہ قائمہ سے مراد اہل نجران کے چالیس آدمی حبشہ کے بیس اور روم کے آٹھ آدمی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے۔ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دین کی تصدیق کی۔ حضور ﷺ کے تشریف لانے سے قبل انصار میں سے بھی کئی لوگ ایسے تھے جن میں اسعد بن زرارہ، براء بن معرور، محمد بن مسلمہ، محمود بن مسلمہ، ابو قیس صرمہ بن انس۔ یہ سب موحد تھے، جنابت سے غسل کیا کرتے تھے اور شریعت حنیفہ کے متعلق کچھ جانتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ان کے پاس تشریف لے آیا۔ پس ان لوگوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ کی مدد کی۔ (۴)

يَوْمُنَّوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿٥٠﴾

”ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز آخرت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہ لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں۔“

۱۔ یہاں یُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور آرزوؤں کے کم ہونے کی وجہ سے بھلائی کے کاموں میں

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 340 (التجاریہ)

2- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 341 (التجاریہ)

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 229 (قدیمی)

4- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 341 (التجاریہ)

جلدی کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اس سے پہلے کہ ایسا بڑھا پا آ جائے جس میں سر ہلنے لگے یا غفلت کی حالت میں موت آ جائے یا روک دینے والی بیماری پیدا ہو جائے یا ناامید کر دینے والی تاخیر آ جائے، نیک اعمال کر لو (۱) اسے امام بیہقی نے ابی امامہ سے نقل کیا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یومنون اور جو اس کا معطوف ہے یہ امتہ قائمہ کی دوسری صفات ہیں، ان کی متضاد خصائص سے صفت اس لئے بیان کی جا رہی ہیں کیونکہ یہ یہودیوں کے خصائص تھے کیونکہ وہ حق سے انحراف کرنے والے سونے والے، رات اور دن غفلت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے، اس کی صفات میں الحاد کرنے والے، یوم آخرت کی ایسی صفت بیان کرنے والے جو اس کی صفات سے نہیں، منکرات کا حکم دینے والے، معروف سے نہی کرنے والے اور شرور میں جلدی کرنے والے تھے۔ اولنک سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان صفات سے علی وجہ الکمال متصف تھے۔ صالحین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے جسم تندرست ہیں کیونکہ ان کے دل تندرست ہیں اور ان کے نفوس پاک ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۰﴾

”اور جو یہ کریں گے نیک کاموں سے تو ہرگز انکار نہ کیا جائے اس کا خیر کا اور اللہ جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو۔“  
 یعنی ہم اسے ضائع نہیں کریں گے اور اس ثواب کو ہرگز کم نہیں کریں گے۔ اس کو کفران کا نام دیا ہے جس طرح پورا پورا ثواب دینے کو شکر کا نام دیا ہے۔ یہاں اس فعل (یکفروہ) کو دو مفعولوں کی طرف متعدی کیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنے دشمن میں حرمان کا معنی لئے ہوئے ہے۔ حمزہ، کسائی اور حفص نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ امتہ قائمہ کی صفت ہے اور ماسبق پر عطف نسق ہے۔ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اس وقت یہ کُنْتُمْ حَيًّا مَوْتًا پر اس کا عطف ہے۔ ابو عمرو کے نزدیک دونوں قراءتیں ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۗ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱﴾

”بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے عذاب سے ذرہ بھر اور وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اس کی تفسیر سورت کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ اصحاب النار سے مراد اس کو لازم پکڑنے والے ہیں۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ مِرْيَحٍ فِيهَا صِرًا أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۲﴾

”مثال اس کی جو وہ خرچ کرتے ہیں اسے اس دنیوی زندگی میں ایسی ہے جیسے ہوا ہوا اس میں سخت ٹھنڈک ہو گئی اور لگے وہ ایک قوم کے کھیت کو جنہوں نے ظلم کیا ہوا اپنے نفسوں پر سے پھر فتا کر دے اس کھیت کو ہے نہیں ظلم کیا ان پر لہذا تعالیٰ نے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔“

اسے ما مصدریہ ہے یعنی کفار کے نبی کریم ﷺ کی دشمنی میں یا بطور فخر یا بطور تکبر مال خرچ کرنے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے قریش جنگوں میں مال خرچ کرتے یا عبادت کی غرض سے مال خرچ کرتے ہیں۔ ان کی مثل ان یہودیوں کے مال خرچ کرنے کی طرح ہے جو اپنے علماء پر مال

خرچ کرتے تھے اور قریش کفار بتوں کے لئے مال خرچ کرتے یا ریاکاری کے طور پر جس طرح منافقین مال خرچ کرتے تھے۔  
۲۔ صر کا معنی سخت سردی ہے۔ قاموس میں اس کا یہی معنی ذکر کیا گیا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ سخت گرم ہوا ہے جو ہلاک کر دیتی ہے۔  
۳۔ کفر اور نافرمانی کے ساتھ اپنے اوپر ظلم کیا۔

یعنی جس طرح مذکورہ ہوا کھیتوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اسی طرح کفار کا اپنے مالوں کو خرچ کرنا انہیں ہلاک کرتا ہے کیونکہ ان کا خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کا عذاب انکی طرف لاتا ہے، یا ان کے اموال کو ختم کرنے کا باعث ہے، ساتھ ہی نہ دنیا میں کوئی نفع ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت میں کوئی نفع۔ یہ بھی جائز ہے کہ ماموصول ہو اور تشبیہ مفرد نہ ہو بلکہ مرکب ہو جس میں ایک قصہ کو دوسرے قصہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس وجہ سے صرف تشبیہ کو ریح پر داخل کرنے کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ مال جو انہوں نے خرچ کیا اور اسے ضائع کیا۔ اسے مذکورہ کھیتی کی ساتھ تشبیہ دی جائے اور كَمْثَلٍ مُّهْلِكٍ رِيحٍ كَوْمَقْدَرٍ كَمَا جَاءَ جَوْحَرُث ہے۔

۴۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے اموال کو ایسی جگہ خرچ کیا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتا اس جرم کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا یا ایسے جرم کا ارتکاب کر کے کہ کھیتی والے اس سزا کے مستحق بن گئے۔

ابن جریر اور ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ یہودیوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے کیونکہ وہ آپس میں پڑوسی اور دور جاہلیت میں ایک دوسرے کے حلیف تھے (۱) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُوَامَا  
عِنْتُمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ  
بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۸﴾

”اے ایمان والو! بناؤ اپنا رازدارانہ غیروں کو۔ وہ کس نہ اٹھارکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں۔ وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمہیں ضرور دے۔ ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے ہے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔ ہم نے صاف بیان کر دیں تمہارے لئے اپنی آیتیں کے اگر تم سمجھدار ہو۔“

۱۔ بطنانہ سے مراد راز ہے وہ دوست جسے ایک آدمی اعتماد کرتے ہوئے اپنے راز سے آگاہ کرتا ہے اسے بھی بطنانہ کہتے ہیں۔

۲۔ کم ضمیر سے مراد مسلمان ہیں یعنی وہ جو تم سے رتبہ میں کم ہے۔ یہ مسلمانوں کی نعت ہے کیونکہ وہی دنیا و آخرت میں بلند ہوتے ہیں اور راہنمائی کی جارہی ہے کہ دوستی کے لئے اچھے لوگوں کا انتخاب کیا جائے نہ کہ ادنیٰ لوگوں کا کیونکہ برے ساتھی سے تو تنہائی بہتر ہوتی ہے اور نیک دوست تنہائی سے بہتر ہوتا ہے من دوکم کا کلمہ اہل نفاق کو بھی شامل ہے جیسے رافضی خارجی اور اس قسم کے لوگ جس طرح کفار سے ایسی دوستی جائز نہیں۔ اسی طرح ان لوگوں سے دلی لگاؤ درست نہیں۔ من دوکم کا کلمہ لامتخذوا کے متعلق ہے یا یہ ظفر مستقر ہے جو بطنانہ کی صفت ہے یعنی مسلمانوں کے علاوہ کسی کو رازدار نہ بناؤ یا رازدار نہ بناؤ انہیں جو ان کے علاوہ ہوں۔

۳۔ وہ کچھ کی نہیں چھوڑتے یعنی وہ لوگ جو تمہارے دین پر نہیں خیالاً سے مراد شر اور فساد ہے بلکہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں ایسے معاملات میں صرف کر دیتے ہیں جو تمہیں نقصان پہنچاتے ہوں۔ خیالاً یہ لایالونکم کا مفعول ثانی ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ وہ منع یا نقص

کے معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے یا حرف جر کے محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لا یالونکم فی الخبال۔  
۴ یہاں ما مصدریہ ہے۔ وہ تمہارے لئے تکلیف اور مشقت کی آرزو کرتے ہیں۔  
۵ وہ بغض کی زیادتی کی وجہ سے اپنے نفسوں کے مالک نہیں۔ وہ بغیر ارادہ کے تمہارے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں جو تمہیں تکلیف دیتی ہیں۔  
۶ یعنی وہ بغض جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس سے بڑھ کر ہے جو وہ ظاہر کرتے ہیں کیونکہ وہ مکر اور دھوکہ کرتے ہوئے تمہارے لئے محبت کو ظاہر کرتے ہیں۔

کے ایسی نشانیاں ہیں جو ان کی دشمنی پر دلالت کرتی ہیں یا اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص مومنوں کیساتھ دوستی اور کفار کے ساتھ دشمنی پر دلالت کرتی ہیں چار جملے مستافے ہیں اور علت بیان کر رہے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلے تین جملے بطلانہ کی صفت ہوں۔ دونوں تقدیروں کی بنا پر کہ ان جملوں کے ساتھ علت بیان کی گئی ہو یا ان کے ساتھ قید لگائی گئی ہو اس بات کا فائدہ دیتے ہیں کہ جب کافر مومن کے ایمان کی وجہ سے عداوت نہ رکھتا ہو، اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو، مومن اور اس کے درمیان رشتہ داری یا کسی اور وجہ سے تعلق ہو تو اس موالات میں کوئی حرج نہیں جس طرح حضور ﷺ کو ابو غالب اور حضرت عباسؓ کے ساتھ ان کے اسلام لانے سے پہلے محبت تھی۔ حضرت عباسؓ سے مروی ہے یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے ابو طالب کو کوئی نفع پہنچایا کیونکہ وہ آپ کی حمایت کرتے اور آپ کی وجہ سے لوگوں سے ناراض ہوتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں جہنم کی آگ ان کے ٹخنوں تک ہوگی۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوتے (۱) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ بزار نے اسی کی مثل حضرت جابر سے امام مسلم نے حدیث اور ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے۔  
۷ یہ شرط ہے اور سابقہ کلام کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے، یعنی ان کی موالات سے رک جاؤ انہیں دشمن جانو، اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو جاؤ اور مسلمانوں سے دوستی اختیار کرو۔

هَآئِنْتُمْ اَوْلَاۤءُ تُحِبُّوْنَہُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَکُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالکِتَابِ کُلِّہٖ ؕ وَاِذَا لَقُّوْکُمْ  
قَالُوْا اٰمِنًا ؕ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمْ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغِیْظِ ؕ قُلْ مُؤْمِنُوْا  
بِغِیْظِکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۱

”سنو! تم تو وہ (پاک دل) ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے ۱ اور وہ (ذرا) محبت نہیں کرتے تم سے ۲ اور ماننے ہو تم سب کتابوں کو ۳ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے ۴ اور جب وہ تمہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصے سے ۵ (اے حبیب) آپ فرمائیے ۶ مر جاؤ اپنے غصہ بچے (کی آگ میں جل کر) یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے دل کی باتوں کا ۷“

۱ تمہارے رشتہ دار ہیں یا وہ تمہارے دوست ہیں۔

۲ دین میں مخالفت کی وجہ سے وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ حاتمیہ کے لئے ہے جو وہ اپنی خطاؤں میں غفلت کرتے تھے۔ انتم مبتدا ہے اور اولاء اس کی خبر ہے، یعنی تم وہی لوگ ہو جو کفار کی محبت میں خطا کرنے والے ہو مابعد جملہ ان کی خطا کی وضاحت کرنے والا ہے۔ رضی نے کہا اسم اشارہ کے بعد واقع ہونے والا جملہ مستغرب کے بیان کے لئے ہے۔ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں بلکہ یہ جملہ مستافہ ہے۔ امام بیضاوی



نے کہا یہ اتم کی دوسری خبر ہے یا یہ اولاء کی خبر ہے اور جملہ اتم کی خبر ہے (۱) یہ بھی جائز ہے کہ اولاء الذی کے معنی میں ہو اور اس کا مابعد اس کا صلہ ہو، اسم موصول صلہ کے ساتھ ملکر اتم کی خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ قحبو نہم حال ہو اور اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اولاء منادی ہو جس کا صرف نداء محذوف ہو اور اس کا ما بعد انتم کی خبر ہو، تقدیر کلام یوں ہوگی اَنْتُمْ يَا اَوْلَاءِ الْخَاطِنُونَ بِمُؤَالَاةِ الْكُفَّارِ تَحْبُوْ نَهُمْ۔ یہ بھی جائز ہے کہ اولاء ایسے فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو جس کی تفسیر مابعد کلام کرتا ہے اور جملہ انتم کی خبر ہو اور اولاء کا مشار الیہ کفار ہوں اور ولا یحبونکم میں واؤ حال ہے۔ معنی یہ ہوا اگر تم اے مومنو! ان کفار سے محبت کرتے ہو جبکہ حال یہ ہے کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔

۴۔ یہاں الکتب پر الف لام جسی ہے۔ معنی یہ ہوگا تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو یا یہ الف لام عہدی ہوگا، یعنی تم تمام تورات پر ایمان رکھتے ہو اور جملہ لا یحبونکم کے مفعول سے حال ہوگا جبکہ مبتدا مقدر ہوگا تاکہ واؤ کو حالیہ بنانا صحیح ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی و انتم تو منون یہاں مبتدا کو جملہ فعلیہ پر حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے، یعنی کفار ایمان نہیں لاتے۔ معنی یہ ہوگا وہ تم سے محبت نہیں کرتے جبکہ تم ان کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں کیا پڑی کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تمہاری کتاب میں سے کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ وہ تو پوری تورات پر بھی ایمان نہیں رکھتے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کی نعت کا انکار کرتے ہیں۔ اس میں اس بات پر توجیح ہے کہ وہ اپنے باطل میں تمہارے حق کی نسبت زیادہ سخت ہیں۔

۵۔ نفاق کے طور پر کہتے ہیں ہم اسی طرح ایمان لائے جس طرح تم حضرت محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان لائے۔

۶۔ جب تنہا ہوتے ہیں۔ یہاں من اجلیہ ہے۔ صحاح میں ہے غیظ سخت غصہ کو کہتے ہیں، یہ وہ حرارت ہوتی ہے جو انسان دل کے خون کے جوش کی وجہ سے پاتا ہے، یعنی وہ اپنے پورے افسوس اور حسرت کرتے ہوئے کانٹے ہیں۔ جب تمہاری حکومت کو دیکھتے ہیں اور تمہیں نقصان پہنچانے کی کوئی راہ نہیں پاتے کیونکہ انہیں تم پر سخت غصہ ہوتا ہے اور اس لئے بھی انہیں اپنا قول امانا ناپسند ہے جبکہ وہ یہ قول کرنے پر مجبور بھی ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ غَضُّوا عَلَیْكُمْ الْاِنَامِل سے مراد شدید غصہ ہو، اگرچہ وہاں پوروں کا کاٹنا بھی ہو۔

۷۔ اے محمد ﷺ یا خطاب تمام مومنوں کو ہے، مابعد کلام میں مومنوں کو ان کی عداوت پر بھڑکانا اور کفار کے ساتھ ایسے خطاب سے خطاب کرنے پر جوش دلانا ہے جو دشمنوں سے خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ زبان کا زخم شمشیر کے زخم سے بھی بڑھ کر محبت کو ختم کرنے والا ہوتا ہے۔

۸۔ اے کفار اور منافقین مر جاؤ اپنے غصہ میں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ ان کے دائمی اور اسلام کی قوت کے بڑھنے کے ساتھ ان کے غصہ میں زیادتی کی بددعا ہے۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جس کے لئے بددعا کی جا رہی ہے اس سے خطاب نہیں بلکہ دعا اللہ سے کی گئی ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ انہیں خبر دی جا رہی ہے کہ تم وہ چیز نہیں دیکھو گے جو تمہیں خوش کرے گی اور یہ بتانا ہے کہ ہم تمہاری عداوت پر مطلع ہیں۔

۹۔ یعنی تمہارے سینوں میں جو غصہ ہے اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے اور یہ اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ بھی مقولہ ہو یعنی انہیں فرما دیجئے بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے دنیا میں تمہیں ذلیل و رسوا کرے گا اور آخرت میں تمہیں عذاب دے گا تمہارا ان باتوں کو چھپائے رکھنا تمہیں کچھ فائدہ نہ دے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مقولہ نہ ہو اور ماقبل کے ساتھ متصل ہو جس طرح بعد والے جملے ماقبل کے ساتھ متصل ہیں۔ یعنی اگر تم نہیں جانتے کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور وہ تم پر غصے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ تو اس کو جانتا ہے پس تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو حکم دیا ہے اس کی پیروی کرو۔ حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان سے بعض کرو یا ہمیں تعلقات کی

وجہ سے ان سے محبت نہ کرو۔

إِنْ تَسْسِكُمْ حَسَنَةً تَنْوَهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ

تَصْبِرُوا أَوْ تَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝

” (ان کا حال تو یہ ہے کہ) اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی نہ تو بری لگتی ہے انہیں نہ اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف نہ تو (بڑے) خوش ہوتے ہیں اس سے نہ اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو نہ نقصان پہنچائے گا تمہیں ان کا فریب نہ کچھ بھی کے بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں (اس کا) احاطہ کئے ہوئے ہے ۷۔“

۷۔ کم سے مراد مومن ہیں۔ حَسَنَةً سے مراد ظہور اسلام کی نعمت تمہارا دشمنوں کے اوپر غلبہ، غنیمت کا حصول اور معاش میں خوشحالی ہے۔ ۸۔ یہ انہیں غمگین کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ محض حسد ہے۔ حَسَنَةً کے لفظ میں اس بات کا شعور دلانا ہے کہ وہ معمولی سی نعمت جو تمہیں پہنچتی ہے اس پر بھی غمگین ہو جاتے ہیں۔

۹۔ سید سے مراد ایسی چیز جو تمہیں تکلیف دے جیسے دشمن کا تم پر فتح مند ہونا یا رزق کی تنگی ہونا یا شکست۔

۱۰۔ جس طرح ایک انسان دشمن کی تکلیف پر خوش ہوتا ہے، تمہاری تکلیف پر وہ بھی خوش ہوتے ہیں۔ یہ جملہ شرطیہ ان کی عداوت کی انتہاء کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ سابقہ جملہ شرطیہ کے ساتھ متصل ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

۱۱۔ اگر تم ان کی اذیت دینے پر صبر کرو یا تمام مصائب پر صبر کرو یا امور شرعیہ بجالانے پر صبر کرو ان کے ساتھ دوستی کرنے سے بچو۔ اسی طرح دوسری محرمات سے بھی بچو۔

۱۲۔ اہل کوفہ اور اہل شام نے ضاد کے ضمہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ضرر سے مشتق ہے اور جواب شرط کی وجہ سے مجزوم ہے۔ راء پر ضمہ ماقبل ضمہ کی اتباع کی وجہ سے ہے، جس طرح مُدُّ میں دال پر ضم پڑھا جاتا ہے۔ حجاز اور بصرہ کے قراء نے ضاد کے کسرہ اور راء کو مجزوم پڑھا ہے۔ اس وقت یہ ضار بضمیر سے مشتق ہوگا۔

۱۳۔ یعنی کفار نے مخفی طریقہ سے تمہیں جو نقصان پہنچانے کا قصد کیا ہے۔

۱۴۔ تھوڑی تکلیف یعنی ان کا مکر تمہیں کچھ تکلیف نہ دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صابرين اور متقين سے فضل اور حفاظت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ تقویٰ اور صبر میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے والا بہت کم متاثر ہوتا ہے اور مد مقابل پر زیادہ جبری ہوتا ہے۔ مومن مصیبت میں اس ثواب کی امید رکھتا ہے جس کا مومن سے وعدہ کیا گیا ہے اس لئے وہ مصیبت میں نعمت کے حصول سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ عاشق کو اگر یہ علم ہو کہ اسے یہ مصیبت اس کے محبوب کی طرف سے ہے تو وہ نعمت سے زیادہ اس مصیبت سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ محبوب کی مراد اس کی اپنی مراد سے زیادہ لطف کا باعث ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ میں ایک روز حضور ﷺ کے پیچھے تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو وہ تیری حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کر، جب تو کسی سے مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر، یہ بات ذہن نشین کر لو اگر تمام لوگ تجھے نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں

گئے، مگر اتنا ہی جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے، قلمیں اٹھادی گئیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں (1) اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اس کو پکڑ لیں تو یہ ان کے لئے کافی ہو جائے۔ وَمَنْ يَشَقِ اللَّهُ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (2) وَيَنْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (3) اسے امام احمد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا رب ارشاد فرماتا ہے اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات کے وقت ان پر رحمت کی بارش نازل کروں گا اور دن کے وقت ان پر سورج طلوع کروں گا، میں انہیں نرک کی آواز نہیں سناؤں گا (4) اسے امام احمد نے روایت کیا۔ حضرت صہیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی عجیب شان ہے، اس کا ہر امر اس کے لئے خیر ہے، یہ شرف صرف مومن کو حاصل ہوتا ہے، اگر اسے خوشی نصیب ہوتی ہے تو وہ شکر بجالاتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے، اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے (5) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

9 یعنی کفار جو مومنوں کو تکلیف دینے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اپنے علم کے ساتھ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزاء دے گا ان کی تکلیفوں سے مومنوں کو محفوظ رکھے گا اگر چاہے گا اگر اس نے تمہیں تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا تو تمہیں اس پر بدلہ دے گا۔

وَاذْغَدُوا مِنِّي مِّنْ أَهْلِ كَثُوبٍ مِّنْ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (6)

”اور یاد کرو (اے محبوب) جب صبح سویرے زخمت ہوئے آپ اپنے گھروں سے (اور میدان احد میں) بٹھارے تھے

مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لئے اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

۱۰ ثُبُوبٌ کا معنی ہے آپ انہیں بٹھارے تھے اور درست کر رہے تھے۔ مقاعد سے مراد جگہیں اور کھڑے ہونے کے مقامات، میدان، قلب ساق (فوج کا پھللا حصہ) للقتال تبوی کے متعلق ہے، یعنی اقوال کو سننے والا اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔

حسن بصری نے کہا یہ غزوہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا یہ یوم احزاب کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ باقی تمام مفسرین نے کہا یہ غزوہ احد کے بارے میں نازل ہوئی اور یہی قول صحیح ہے۔ (5) ابن ابی حاتم اور ابو یعلیٰ نے مسور بن مخرمہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عبد الرحمن بن عوف سے کہا مجھے غزوہ احد کے بارے میں بتاؤ انہوں نے فرمایا سورہ آل عمران کی ایک سو بیس نمبر آیت کے بعد پڑھو، تم ہمارے قصہ کو پالو گے، یعنی یہ اور اس کے بعد والی آیات۔ (6) ابن اسحاق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد کے متعلق آل عمران کی ساٹھ آیات نازل فرمائیں، ان میں ان لوگوں کے اوصاف کا ذکر ہے جو اس میں شریک ہوئے اور جو غائب ہوئے ان پر عتاب ہے۔ مجاہد، کلبی اور واقدی نے کہا رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ سے باہر تشریف لائے، آپ پیدل احد تشریف لے گئے اور جنگ کے لئے صحابہ کو صفوں میں سیدھا کھڑا کیا جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے (7) ابن جریر اور بیہقی نے دلائل میں محمد بن اسحاق کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ عبدالرزاق نے مصنفہ میں معمر سے اور وہ زہری سے نقل کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ بروز بدھ مورخہ 12 شوال ہجرت کے تیسرے سال احد پہنچے ان کی تعداد تین ہزار تھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور عبد اللہ بن ابی اسلول کو بھی بلا بھیجا، جبکہ اس سے قبل آپ نے اسے مشورہ کے لئے طلب نہیں کیا تھا۔ اس نے اور اکثر انصار نے یہی عرض کی یا رسول اللہ آپ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما رہیں، آپ ان کی طرف

1- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 74 (وزارت تعلیم) 2- تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، جلد 5، صفحہ 413

3- کنز العمال، جلد 15، صفحہ 777 (التراث الاسلامی) 4- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 413 (قدیمی) 5- تفسیر بنووی، جلد 1، صفحہ 344 (التجاریہ)

6- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 120 (العلمیہ) 7- تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 344 (التجاریہ)

تشریف نہ لے جائیں۔ قسم بخدا ہم جب بھی دشمن کے ساتھ جنگ کے لئے باہر نکلے ہیں ہمیں شکست ہوئی اور جب بھی ہم پر کوئی لشکر باہر سے مدینہ پر حملہ آور ہوا اسے شکست ہوئی ہمیں جنگ سے کیا پڑی ہے، جبکہ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں، آپ انہیں رہنے دیجئے، اگر وہ وہاں ہی ٹھہرے رہے تو بڑی جگہ ٹھہریں گے، اگر وہ ہمارے شہر پر حملہ آور ہوئے تو مردان کا مقابلہ کریں گے، عورتیں اور بچے انہیں اوپر سے پتھر ماریں گے، اگر لوٹ گئے تو خائب و خاسر لوٹیں گے (۱) حمزہ بن عبدالمطلب، سعد بن عبادہ نعمان بن مالک، اور انصار کے وہ نوجوان صحابہ جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے، جو شہادت کے طالب اور دشمنوں سے جنگ کے خواہشمند تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد میں شہادت بھی عطا فرمائی، نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں ان کتوں کی طرف لے چلئے، وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم بزدل ہیں اور کمزور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں ایک گائے دیکھی ہے، میں نے اسے خیر سمجھا، میں نے اپنی تلوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا ہے، جس کی تاویل میں نے شکست سے کی ہے، میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زور میں داخل کیا ہے، میں نے اس کی تاویل مدینہ سے کی ہے، اگر تمہاری بھی یہی رائے ہو تو تم مدینہ میں ٹھہرو۔ حضور ﷺ کو یہی بات پسند تھی کہ دشمن مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو، یہ لوگ ان سے گلی کوچوں میں لڑیں (۲) امام احمد، نسائی اور دارمی نے سند صحیح کے ساتھ زائیت فی ذرع حصینة و زائیت بقرا تنحور اللہ کی قسم میں نے محفوظ زرہ کی تاویل مدینہ سے کی اور بقرہ کی خیر سے تاویل کی۔ بزار اور طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی جب ابوسفیان اور اس کا لشکر احد میں پڑاؤ ڈال چکا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا میں نے خواب دیکھا ہے میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی ہے، اس کی تعبیر مصیبت ہے، میں نے ایک ذبح کی ہوئی گائے دیکھی ہے، یہ بھی مصیبت ہے، میں نے اپنے اوپر زرہ دیکھی ہے، جو مدینہ طیبہ ہے ان شاء اللہ وہ یہاں نہیں پہنچیں گے۔ (۳) ابن اسحاق، ابن عقبہ، ابن سعد اور دوسرے علماء نے کہا یہ خواب جمعہ کی رات کو آپ نے دیکھا تھا۔ عروہ نے کہا جو آپ نے اپنی تلوار کے بارے میں خواب دیکھا تھا۔ اس کی تعبیر آپ کے چہرہ پر زخموں کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ ابن ہشام نے کہا تلوار میں دند انوں سے مراد میرے خاندان کا ایک آدمی شہید کیا جائے گا۔ ایک اور روایت میں ہے پھر میں نے اپنی تلوار کو لہرایا تو پھر وہ پہلے کی طرح اچھی ہو گئی تو اس سے مراد فتح ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی (۴) حمزہ نے کہا اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ پر وحی نازل کی میں آج کھانا نہیں کھاؤں گا یہاں تک کہ میں ان سے مدینہ طیبہ سے باہر جنگ نہ کر لوں۔ وہ جمعہ کے روز روزہ سے تھے اور ہفتہ کے روز بھی روزہ سے رہے نعمان بن مالک نے کہا یا رسول اللہ ہمیں جنت سے محروم نہ کیجیے، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس میں ضرور داخل ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کس وجہ سے انہوں نے عرض کی میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے، آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں میدان جنگ سے نہیں بھاگوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ مالک بن سنان خدری اور ایاس بن عتیک نے بھی مدینہ طیبہ سے باہر ہی جنگ کرنے کی رائے دی۔ (۵)

جب لوگوں نے باہر نکلنے کی رائے دی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جمع کیا نماز پڑھائی، نصیحت فرمائی اور محنت و کوشش کرنے کا حکم دیا اور انہیں خبر دی کہ جب تک وہ ثابت قدم رہیں گے، فتح انہیں حاصل ہوگی۔ لوگ دشمن کی طرف نکلنے پر خوش ہو گئے اور کثیر لوگوں نے باہر جانے کو ناپسند کیا۔ حضور ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور اردگرد لوگ آگئے اور اپنی عورتوں کو قلعوں پر پہنچا دیا۔ حضور ﷺ گھر میں داخل ہوئے جبکہ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تھے۔ لوگ آپ کے حجرہ سے آپ کے منبر تک صفیں بنائے ہوئے آپ کی آمد کا انتظار کر

1- تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 344 (التجاریہ) 2- ایضاً 3- کنز العمال، جلد 15، صفحہ 380، حدیث نمبر 41468

4- البدایہ والنہایہ لابن کثیر، جلد 4، صفحہ 11 5- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 121 (العلویہ)

رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر آئے۔ لوگوں سے کہا تم نے رسول اللہ ﷺ کو مجبور کیا اور وہ باتیں کی جو مناسب نہ تھیں جبکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے۔ اپنے معاملہ کو آپ کے سپرد کر دو جو آپ حکم دیں وہ کرو۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے جبکہ آپ نے اسلحہ اور زرہ زیب تن کر رکھی تھی، تلوار کے پٹے سے اپنی کمر کو باندھ رکھا تھا، سر پر عمامہ مبارک تھا اور تلوار لٹکائی ہوئی تھی۔ لوگ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو مجبور کیا جبکہ ہمارا یہ حق نہ تھا، اگر آپ چاہیں تو ہمیں قیام کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں اسی چیز کو اپنانے کی دعوت دی تھی تم نے اسے قبول نہ کیا، کسی نبی کو زیبا نہیں جب وہ زرہ پہن لے تو جنگ کرنے سے پہلے اسے اتار دے۔ (۱) دیکھو میں تمہیں جو حکم دوں اس کی پیروی کرو اللہ کا نام لے کر چل پڑو جب تک تم صبر کرو گے اس وقت تک فتح تمہاری ہوگی۔ آپ نے دیکھا کہ مالک بن عمرو نجاری فوت ہو گئے ہیں لوگ آپ کی میت جنازہ گاہ میں لائے آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر آپ نکلے، آپ اپنے گھوڑے سبک (نام) پر سوار ہوئے، مکان کا ندھے پر لٹکائی۔ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ دونوں زرہ پہنے ہوئے تھے۔ لوگ آپ کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ جب آپ منیہ کے کنارے پہنچے تو آپ نے ایک بہادر طاقت ور لشکر دیکھا، پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ عبد اللہ بن ابی کے یہودی حلیف ہیں۔ آپ نے پوچھا انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ لوگوں نے بتایا نہیں۔ آپ نے فرمایا ہم مشرکوں کے خلاف مشرکوں سے مدد طلب نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ چلتے رہے یہاں تک کہ شیخین کے مقام پر آپ نے صف بندی کی۔ یہ دونوں چونیاں ہیں۔ حضور ﷺ کی خدمت میں لشکر پیش کیا گیا۔ آپ نے ان میں کچھ چھوٹے بچے دیکھے۔ آپ نے انہیں واپس کر دیا۔ آپ نے سترہ لڑکوں کو واپس کیا جن کی عمریں چودہ سال تھیں۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ ان میں عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء بن عازب، ابو سعید خدری اور اوس بن ثابت انصاری۔ حضور ﷺ نے رافع بن خدیج کو لوٹانے کے بعد اجازت مرحمت فرمائی جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ وہ تیر انداز ہے۔ سرہ بن جندب نے عرض کی حضور نے رافع بن خدیج کو اجازت دے دی ہے اور مجھے واپس کر دیا ہے جبکہ میں انہیں پچھاڑ سکتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا۔ فرمایا دونوں کشتی کریں تو سرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ حضور ﷺ نے اسے بھی اجازت دی (۲) جب آپ لشکر کے معائنہ سے فارغ ہوئے اور سورج غروب ہو گیا۔ حضرت بلال نے مغرب کی اذان دی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی۔ پھر عشاء کی اذان ہوئی۔ حضور ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ آپ نے رات شیخین پر ہی گزاری۔ آپ نے پہرہ کے لئے محمد بن مسلمہ کو پچاس آدمیوں کیساتھ متعین فرمایا جو لشکر پر چکر لگاتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ آرام سے فرماتے رہے، یہاں تک فجر صادق طلوع ہوئی۔ آپ نے صبح کی نماز پڑھی۔ پھر آپ نے پوچھا تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو اس ٹیلے سے ہمیں نکال کر لے جائے مگر دشمنوں پر ہمارا گزر بھی نہ ہو تو ابوخیثمہ حارثی اٹھے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ وہ بنی حارثہ کے میدان اور ان کے باغوں کے درمیان سے گزرے یہاں تک کہ مربع بن قرقی کے باغ میں سے گزرے۔ وہ منافق تھا اور آنکھوں کا اندھا بھی۔ جب اس نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ گزر رہے ہیں تو ان کے سامنے مٹی اڑانے لگا اور یہ کہتا اگر آپ رسول اللہ ہوتے تب میں آپ کو اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتا مٹی بھر مٹی لی۔ پھر کہا قسم بخدا اگر میں جانتا کہ آپ کے سوا کسی کو نہیں ماروں گا تو ضرور آپ کے چہرے پر انہیں مارتا۔ صحابہ جلدی سے اسے قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے قتل نہ کرو، یہ اندھا آنکھوں اور دل دونوں کا اندھا ہے۔ سعد بن زبیدہ اشہلی حضور کے منع کرنے سے پہلے ہی اس تک پہنچ گئے۔ اسے کمان ماری اور زخمی کر دیا۔ حضور ﷺ ایک ہزار افراد کے ساتھ احد کی طرف نکلے تھے ایک قول یہ کیا گیا

ہے کل نو سو پچاس افراد تھے۔ جب لشکروں کے ملنے کی جگہ پہنچے عبد اللہ بن ابی ایک تہائی لشکر کے ساتھ الگ ہو گیا۔ کہا ہم کیوں اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں کو قتل کریں۔ ابو جابر اسلمی ان کے پیچھے گئے کہا میں تمہیں نبی کریم ﷺ اور تمہاری جانوں کا واسطہ دیتا ہوں ایسا نہ کرو۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا اگر ہم اسے جنگ سمجھتے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ رسول اللہ ﷺ سات سو افراد کے ساتھ باقی رہ گئے۔ ایک گھوڑا آپ کا تھا اور ایک گھوڑا ابو بردہ کا تھا۔ ابن عقبہ نے کہا مسلمانوں کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا۔ بنو سلمہ خزرج سے اور بنو حارثہ اوس نے بھی ارادہ کیا کہ وہ بھی عبد اللہ بن ابی کے ساتھ واپس چلے جائیں جبکہ یہ دونوں لشکر کے دائیں بائیں متعین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا اور یہ واپس نہ گئے اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کا یوں ذکر کیا۔ (۱)

إِذْ هَبَّتْ طَائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۳۱﴾

”جب ارادہ کیا کہ دو جماعتوں نے تم میں سے کہ تم سے ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا اس لئے

اس نے اس لغزش سے بچالیا اور صرف اللہ پر توکل کرنا چاہئے مومنوں کو۔“

۱۔ یہ اذغوت سے بدل ہے یا یہ ظرف ہے۔ اس میں عامل سجع عظیم ہے۔

۲۔ اس سے مراد بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہیں۔

۳۔ اس میں ابن ابی کے لئے تعریض ہے کہ وہ تم سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کے لوٹنے کا ذکر تک نہیں کیا۔

۴۔ کہ بزولی اور کمزوری کا اظہار کریں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرنے والا ہے، یا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس مصیبت میں گرنے سے بچانے والا ہے، یا اللہ تعالیٰ ان کا مددگار اور ان کے امور کا نگہبان ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بزولی اور کمزوری کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کریں۔

۶۔ یہاں ظرف کو حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے، یعنی اسی پر بھروسہ کرو۔ کسی اور پر بھروسہ نہ کرو اس لئے منافقین کے بھاگ جانے سے تمہیں کمزوری نہیں دکھانی چاہئے۔ یہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی جو ہم نے ارادہ کیا۔ اگر ہم

ارادہ نہ کرتے تو وہ ہمیں اتنی خوشی عطا نہ کرتا۔ جتنی خوشی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہمیں عطا کرتا ہے إِنَّهُ وَلِيُّنَا کہ وہ ہمارا ولی ہے۔ (۲)

پھر انہیں وہ بات یاد دلائی جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنے کو ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں ان کے لئے فتح کو آسان کر دیا جبکہ ان کی تعداد قلیل بھی تھی اور بے سروسامانی کا عالم تھا۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۲﴾

”اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے

۳۔ تاکہ تم اس بروقت امداد کا شکر ادا کر سکو۔“

۱۔ اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ بدر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ اس چشمے کا نام ہے جو اس جگہ موجود تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ایک آدمی کا کواں تھا جس آدمی کو بدر کہتے۔ شععی کا یہی قول ہے جبکہ علماء نے اس کا انکار کیا ہے۔

۲۔ اذلہ ذلیل کی جمع ہے یہ جملہ کم ضمیر سے حال ہے۔ یہاں اذلہ فرمایا ذلال نہیں فرمایا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ وہ تعداد میں کم

تھے۔ ساتھ ہی ساتھ حالت کمزور، سواریاں کم اور اسلحہ بھی تھوڑا تھا۔ ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی، ستر اونٹ تھے، جن پر باری باری سواری کرتے تھے، کل دو گھوڑے تھے ایک حضرت مقداد کا اور دوسرا زبیر بن عوام کا۔

۳۰ ثابت قدم رہنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تم پر انعام کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اس پر شکر بجالاؤ۔ یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام کیا۔ اس لئے تم شکر بجالاؤ۔ سوال پیدا ہوا کہ یہاں پر شکر کو انعام کی جگہ کیوں رکھا۔ جواب یہ ہے کہ انعام ہی شکر کا سبب ہوتا ہے۔ اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ بندے کے لئے ضروری ہے کہ بندہ انعام میں اپنی نظر شکر پر رکھے اور انعام میں رغبت اس لئے رکھے کیونکہ یہ شکر کا وسیلہ ہے۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝

” (عجب سبانی گھڑی تھی) جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے کیا ہے تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔“

۱۔ اذ نقول یہ نصر کم کی ظرف ہے، جس طرح قتادہ نے کہا، یہ یوم بدر کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی، جس طرح فرماں باری تعالیٰ ہے فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِآيَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ، پھر ان کی تعداد تین ہزار ہو گئی پھر پانچ ہزار، جس طرح یہاں ذکر کیا گیا (۱) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ابن ابی حاتم نے شععی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو بدر کے روز یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر بخاری مشرکین کی مدد کا ارادہ رکھتا ہے تو یہ مسلمانوں پر بڑی شاق گزری (۲) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

۲۔ ابن عامر نے منزلین کو باب تفعیل سے پڑھا ہے، مراد کثرت بیان کرنا ہے اور عکبوت میں إِنَّا مُنْزِلُونَ پڑھا ہے۔ بہت سے قراء نے نون کے سکون اور زاء کی تخفیف یعنی باب افعال سے پڑھا ہے۔ یہاں النون میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اتنی تعداد ان کے لئے کافی نہ ہو ہمزہ کے بعد حرف لا کا ذکر کیا۔ مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ وہ اپنی کمزوری تعداد کی کمی دشمنوں کی قوت اور کثرت کی وجہ سے غلبہ پانے سے مایوس ہو چکے تھے۔

بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فُورِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝

”ہاں کافی ہے۔ بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور اگر آدھمکیں کفار تم پر تیزی سے آئیں تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔“

۱۔ بلی حرف لن کے لئے بعد کا جواب ہے ہاں یہ ان کے لئے کافی ہے پھر تقویٰ اور صبر کی شرط کی بنا؟ پر اللہ تعالیٰ نے زیادتی کا وعدہ کیا تاکہ انہیں ان دونوں چیزوں پر برا بھینٹہ کیا جائے اور ان کے دلوں کو مضبوط کیا جائے۔

۲۔ جنگ پر صبر کرو، رسول اللہ ﷺ تمہیں جس بات کا حکم دیں اس کے خلاف کرنے سے بچو۔

۳۔ یعنی اسی لمحہ مشرک آجائیں فوراً اصل میں فارت القدر فوراً کا مصدر ہے۔ جب اس میں جوش پیدا ہوا سے جلدی کے لئے مجاہد

استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر اس حالت کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں ترانہ نہ ہو۔ معنی یہ ہوگا اگر وہ تمہاری اس کمزوری اور قلت تعداد میں حملہ آور ہو جائیں۔

میری رائے یہ ہے کہ یہاں فوراً قید لگانے کا کوئی خاص مفہوم نہیں، بلکہ یہ ترقی کے لئے لایا گیا ہے۔ معنی یہ ہوگا جب تم کچھ عرصہ بعد کفار سے جنگ کرنے پر قوی ہو جاؤ گے۔ اگر اس وقت کفار تم پر حملہ آور ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بدرجہ اولیٰ تمہاری مدد فرمائے گا، اگر اب حملہ آور ہوں تب بھی مدد فرمائے گا۔ امداد کا معنی لشکر کی لشکر سے مدد کرنا ہے۔

۳۔ ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ کرز کو شکست کی خبر پہنچی اس نے مشرکین کی مدد نہ کی۔ پس مسلمانوں کی بھی پانچ ہزار فرشتوں سے مدد نہ کی گئی (۱) واللہ اعلم ابن کثیر ابو عمرو اور عاصم نے مسومین کو واؤ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے واؤ کے فتح کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ تسویم سے باخبر کرنے کے معنی میں ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں میں روئی کے ذریعے آگاہ کیا (۲) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں عمرو بن اسحاق سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ یوم بدر کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو فرمایا تم بھی نشان لگاؤ کیونکہ فرشتوں نے اپنی ٹوپوں اور خودوں میں نشان لگا دیئے ہیں۔ ابن جریر نے اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے۔ یہ وہ پہلا دن تھا جس میں اون بطور نشان رکھی گئی تھی۔ یا یہ اسامہ کے معنی میں ہے یعنی چھوڑنا۔ عروہ بن زبیر نے کہا فرشتے سیاہ گھوڑوں پر تھے جن کے سروں پر زرد عمامے تھے۔ حضرت علی اور ابن عباس نے کہا ان کے سروں پر سفید عمامے تھے جن کے شملوں کو انہوں نے اپنے کندھوں کے درمیان رکھا ہوا تھا، ہشام بن عروہ اور کلثبی نے کہا ان پر زرد عمامے تھے جو ان کے کندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے (۳) قتادہ نے کہا انہوں نے یوم بدر کو صبر کیا، تقویٰ اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے مطابق ان کی پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ حسن بصری نے کہا یہ پانچ ہزار فرشتے مومنوں کے تاحیات مددگار رہیں گے۔ شرط یہ ہوگی کہ وہ صبر اور تقویٰ اختیار کریں۔ ابن عباس اور مجاہد نے کہا فرشتوں نے صرف یوم بدر کو جہاد کیا باقی غزوات میں وہ حاضر ہوئے لیکن عملاً جہاد نہ کیا۔ وہ صرف بطور مدد کے آتے تھے (۴) ایک جماعت نے کہا اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کو مسلمانوں سے وعدہ کیا، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صابر رہیں اور اس کے محارم سے ڈرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ تمام جنگوں میں ان کی مدد فرمائے گا لیکن صحابہ صرف یوم احزاب میں اس پر قائم رہے، جب مسلمانوں نے بنی قریظہ اور بنی نضیر کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کی۔ عبد اللہ بن ابی اوفیٰ نے کہا ہم بنو قریظہ اور بنی نضیر کا اتنا عرصہ محاصرہ کئے رہے جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ ہمیں فتح نصیب نہ ہوئی۔ ہم لوٹ آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوا یا۔ آپ اپنا سر مبارک ہی دھور رہے تھے کہ جبرئیل امین حاضر ہوئے تم نے ہتھیار اتار دیئے جبکہ فرشتوں نے ہتھیار نہیں اتارے۔ رسول اللہ ﷺ نے کپڑا منگوا یا، اپنے سر کو لپیٹا اور اسے نہ دھویا۔ پھر آپ نے ہمیں بلایا، ہم تیار ہو گئے یہاں تک کہ ہم بنو قریظہ اور بنو نضیر کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ اس روز اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ہماری مدد فرمائی (۵) تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اذ تقول لئن لم یضربکم یغزوہ احد کی حکایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے صبر اور تقویٰ کی صورت میں مدد کا وعدہ فرمایا تھا لیکن صحابہ نے صبر نہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔ اس وجہ سے ان کی مدد نہ ہوئی۔ اس وجہ سے اذ تقول اذ غدوت کا دوسرا بدل ہوگا (۶) مجاہد اور ضحاک نے کہا من فورہم کا معنی من غضبہم ہے کیونکہ وہ غزوہ بدر کے غصہ کی وجہ سے غزوہ احد میں جنگ کرنے کے لئے آئے تھے (۷) اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں مومنوں کے صبر اور تقویٰ کی وجہ سے حضرت جبرئیل اور میکائیل کے ساتھ مدد کی تھی۔ حضرت

1- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 124 (العلمیہ) 2- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 348 (التجاریہ) 3- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 348 ایضاً۔ 4- ایضاً

5- ایضاً 6- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 124 (العلمیہ) 7- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 348



سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے میں نے غزوہ احد کے روز رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ کے ساتھ دو آدمی تھے جو آپ کی طرف سے سخت جنگ کر رہے تھے، جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے، جنہیں میں نے اس سے قبل دیکھا تھا نہ بعد میں (1) متفق علیہ۔ یہ دو آدمی جبریل امین اور میکائیل تھے۔ محمد بن اسحاق نے کہا جب غزوہ احد ہوا تو مسلمان حضور ﷺ سے بکھر گئے، صرف سعد بن مالک رہ گئے، جو تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک نوجوان تھا جو انہیں تیر نکال کر دے رہا تھا۔ جب تیر ختم ہو گئے تو جبریل امین ان کے پاس آئے، اپنا ترکش ان کے سامنے پھیلا یا فرمایا اے ابواسحاق تیر چلاتے رہو جب معرکہ ختم ہو گیا تو اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا تو سعد بن مالک نے عدم واقفیت کا اظہار کیا۔ (2)

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ  
اللَّهِ الْعَلِيِّ الْحَكِيمِ ۝۱۳۱

”اور نہیں بنایا فرشتوں کے اترنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لئے اے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور ۱۳۱

(حقیقت تو یہ ہے کہ) نہیں ہے فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے ۱۳۱“

۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صورت میں امداد کو نہیں بنایا مگر خوشخبری تمہارے لئے مدد کی صورت میں۔

۲۔ پس تم دشمنوں کی کثرت اور اپنی تعداد کی قلت سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔ انسان اسباب کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا عادی ہے۔ جب حمایتیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو فتح کے اسباب کو ملاحظہ کرتے ہوئے اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔

۳۔ حقیقت میں فتح اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، نہ اسلحہ سے، نہ ہی تعداد کی زیادتی سے کیونکہ اسباب سب کے سب عادی ہیں اور بندے خواہ انہاں ہوں یا فرشتے ان کے افعال اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوتے ہیں۔

۴۔ جو غالب ہے اس پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا جو واسطہ کے ساتھ یا بغیر واسطہ فتح دیتا ہے یا ذلت عطا کرتا ہے، سب اس کی حکمت کا نتیجہ ہوتا ہے یہ سب بطور احسان ہوتا ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝۱۳۲

” (یہ مدد اس لئے تھی) تاکہ کاٹ دے اے ایک حصہ کافروں سے ۱۳۲ یا ذلیل کر دے ان کو ۱۳۲ پس لوٹ جائیں نا مراد ہو

کر ۱۳۲“

۱۔ یہ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ کے متعلق ہے یا يُضِدُّكُمْ کے اور ما النصر کے آخری صورت اس وقت صحیح ہوگی جب الف لام عہدی ہوگا۔

۲۔ اس سے مراد طائفہ ہے۔ قاموس میں طرف سے مراد طرف کنارہ کسی شے کا طائفہ اور معزز آدمی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی تاکہ ان کی جماعت کو ہلاک کر دے تو ان کے سرداروں میں ستر افراد قتل کر دیئے اور ستر آدمی گرفتار کر لئے گئے جس نے اسے غزوہ احد پر محمول کیا ہے تو اس نے کہا ان کے سولہ آدمی قتل کر دیئے گئے تھے اور فتح مسلمانوں کو حاصل ہو رہی تھی مگر مسلمانوں نے حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت کی تو معاملہ الٹ ہو گیا۔

۳۔ صحاح میں ہے بکت سے مراد سختی سے لوٹانا ہے۔ قاموس میں ہے بکتہ یکبتہ اسے پچھاڑ دیا، اسے رسوا کر دیا، اسے پھیر دیا، اسے توڑ دیا دشمن کو غصہ میں اور ذلیل کر کے واپس کر دیا۔ میں یہ کہتا ہوں یہ سب معانی شکست کو لازم ہیں۔ یہاں اوکا کلمہ نوع بیان کرنے کے لئے ہے تردید

کے لئے نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی تاکہ کفار کا ایک طاقتور ہلاک ہو جائے اور دوسرا شکست کھا جائے۔

۳۔ وہ ذلیل و رسوا ہو کر اپنے شہروں کو پلٹ جائیں اور جس چیز کا انہوں نے ارادہ کیا تھا اسے حاصل نہ کر سکیں۔

امام مسلم اور امام احمد نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر حضور ﷺ کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ یہاں تک کہ خون آپ کے چہرے پر بہنے لگا۔ آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے درست ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ رویہ اپنایا۔ آپ اپنے رب سے دعا بھی کر رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (۱)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۳۸﴾

”نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل۔ چاہے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے اور چاہے تو عذاب دے انہیں۔ پس بے شک وہ ظالم ہیں۔“

۱۔ شئی لیس کا اسم ہے، لک لیس کی خبر ہے اور لام الی کے معنی میں ہے، جس طرح اس آیت کریمہ میں مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ میں لام الی کے معنی میں ہے، من الامر شئی سے حال ہے۔ امام احمد اور امام بخاری نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا اے اللہ فلاں کو اپنی رحمتوں سے دور کر دے (۲) ایک روایت میں ہے اے اللہ ابوسفیان کو اپنی رحمتوں سے دور کر دے، اے اللہ حرث بن ہشام پر لعنت کر، اے اللہ سہیل بن عمرو پر لعنت کر (۳) اے اللہ صفوان بن امیہ پر لعنت کر۔ تو یہ آیت آخر تک نازل ہوئی۔ ان سب کو توبہ کی توفیق عطا کی گئی۔ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ غزوہ احد میں جو کچھ واقع ہوا اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے نماز میں ان کے حق میں بددعا کی، تو یہ آیت دونوں امروں (۱) کے متعلق نازل ہوئی جو پہلے واقع ہو چکا تھا اور جو بددعا کی صورت میں واقع ہوا۔ سعید بن مسیب اور محمد بن اسحاق نے کہا جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے شہداء کو دیکھا کہ ان کے کان، ناک اور شرمگاہیں کاٹ دی گئی ہیں۔ انہوں نے کہا قسم بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی موقع دیا تو ہم بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جس طرح انہوں نے کیا ہم ان کا مثلہ کریں گے، جیسا عربوں میں سے کسی نے بھی کسی کا مثلہ نہ کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ حضور ﷺ نے ان کی ہلاکت کی بددعا کی (۴) تو یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں سے کثیر تعداد مسلمان ہوگی۔ لیکن امام مسلم نے جو روایت کی ہے وہ اس میں اشکال پیدا کرتی ہے۔ مسلم شریف کی روایت حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں یہ دعا کرتے اے اللہ رعل، ذکوان اور عصیہ پر لعنت کر، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (۵) کیونکہ رعل و ذکوان کا قصہ اس کے بعد وقوع پذیر ہوا۔ یہی بئر معونہ والے ہیں (۶) ان کی طرف رسول اللہ ﷺ نے ستر قراء بھیجے تھے تاکہ انہیں قرآن اور علم سکھائیں۔ ان کے امیر منذر بن عمرو تھے۔ عامر بن طفیل نے انہیں قتل کر دیا۔ آپ کو اس واقعہ سے شدید رنج ہوا۔ آپ ایک ماہ تک ان قبائل کے لئے نماز میں لعنت اور قحط کی بددعا کرتے رہے۔ حافظ کہتے ہیں میرے سامنے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کی یہ علت ظاہر ہوئی کہ اس میں ادراج (ب) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حتی النزل اللہ یہ زہری کی روایت سے منقطع ہے۔ یہ بھی احتمال

1- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 125 (وزارت تعلیم) 2- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 655 (ایضاً) 3- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 25 (ایضاً)  
 4- تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 349 (التجاریہ) 5- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 237 (قدیمی)  
 6- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 237 (قدیمی) (ب) ایسی چیز حدیث میں شامل کر دینا جو حدیث کا حصہ نہ ہو۔

ہے کہ رطل اور ذکوان کا قصہ غزوہٴ احد کے چار ماہ بعد ہوا جبکہ ہجرت کا چوتھا سال اور مہینہ صفر کا تھا۔ شاید یہ آیت ان سب واقعات کے متعلق نازل ہوئی ہے نزول کے سبب سے آیت کا تھوڑی دیر بعد نازل ہونا کوئی عجیب نہیں۔ اس آیت کے شان نزول کے متعلق وہ روایت بھی ہے جو امام بخاری نے اپنی تاریخ اور ابن اسحاق نے سالم بن عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ قریش کا ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا آپ ایک چیز سے روکتے ہیں، پھر اس سے پھر جاتے ہیں۔ اس نے اپنی پشت رسول اللہ ﷺ کی طرف کر دی اور اپنی سرین نکلی کر دی حضور ﷺ نے اس کے لئے بد دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ پھر وہ آدمی مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا یہ مرسل غریب ہے۔

۲۔ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کی توبہ قبول کر لے اگر وہ کفر پر مصر ہیں تو دنیا میں قتل اور قید کر کے اور آخرت میں جہنم میں ڈال کر۔  
۳۔ یہ انہیں عذاب دینے کی علت بیان کی جا رہی ہے۔ فراء نے کہا اور توبہ میں اوکا کلمہ حتیٰ کے معنی میں ہے۔ ابن عسلی نے کہا یہ الا ان کے معنی میں ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے لا لزمناک او تعطينی حقیقی میں الا ان کے معنی میں ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا انہیں عذاب دینے یا نجات دینے کا معاملہ آپ کے سپرد نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام عطا کر کے ان پر نظر رحمت فرمائے جس کے باعث آپ خوش ہو جائیں یا ان کے ظلم کے باعث انہیں عذاب دے جس کی وجہ سے ان سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ او یتوب علیہم امر پر معطوف ہو، یا نشیء پر معطوف ہو جبکہ اس سے پہلے ان مقدر ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا ان کا معاملہ یا ان کی توبہ قبول کرنے یا انہیں عذاب دینے کا معاملہ آپ کے ذمہ نہیں آپ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ انہیں خبردار کریں اور ان سے جہاد کریں جبکہ معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

تفتازانی نے کہا یہ خاص کا عام پر عطف ہے اس جیسی کلام میں اوکا کلمہ لانا درست نہیں۔ جواب: یہ اس وقت اعتراض بنتا ہے جب امر شان کے معنی میں ہو جبکہ یہاں آپ کے لئے جائز ہے کہ آپ امر کو مکلف بنانے اور واجب کرنے کے معنی میں لیں معنی یہ ہوگا جس چیز کا آپ کو حکم دے رہے ہیں، یہ آپ کی طرف سے نہیں امر اور واجبات کو فرض کرنا آپ کے اختیار میں نہیں۔ اسی طرح ان کی توبہ قبول کرنا یا انہیں عذاب دینا آپ کی ذمہ داری نہیں۔

میں کہتا ہوں اگر اس آیت کا نزول ماقبل کے ساتھ متصل ہے تو پھر ظاہر یہ ہے اور یتوب علیہم کا عطف او یتوب علیہم پر ہو پھر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو قتل کے ذریعے ختم کر دے یا شکست دے کر انہیں ذلیل و رسوا کرے یا اسلام عطا کر کے ان پر نظر رحمت فرمائے یا قیدی بنا کر اور فدیہ لے کر ایک جماعت کو مصیبت میں مبتلا کرے۔ یہ کفار کی مختلف حالتوں کا بیان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لیس لک من الامر شیء یہ جملہ معترضہ ہے اور ان کے حق میں بد دعا کرنے سے منع کے لئے لایا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يُعْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ ط

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾

”اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور سزا دیتا ہے جسے

چاہتا ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

۱۔ یعنی تخلیق کرنے اور مالک ہونے کے اعتبار سے تمام معاملہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے کسی اور کے بس میں نہیں۔

۲۱ اپنے فضل اور احسان سے جس کے حق میں بخشش پسند کرتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے اسلام کی توفیق دیتا ہے؟ خواہ وہ خود توبہ کرے یا توبہ نہ کرے۔

۲۲ جس کو عذاب دینا چاہے۔ یہ آیت کریمہ اس میں صریح ہے کہ کسی کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں۔  
۲۳ اس لئے ان کے حق میں بددعا کرنے میں جلدی نہ کیجیے۔

فریبانی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ لوگ وقت معین تک باہم بیع و شراہ کرتے جب وہ میعاد آجاتی تو مقروض پر واجب کا اضافہ کر دیتے اور مدت میں بھی زیادتی کر دیتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم مِّنْ أَمْوَالِكُمْ أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾

”اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود و گنا جو گنا کر کے اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔“

۱۔ اضعافاً مضاعفہ سے مراد کرر زیادتی ہے۔ اس آیت میں سود سے منع کیا گیا ساتھ ہی جو کچھ وہ عمل کرتے رہے اس پر انہیں شرمندہ دنیا جا رہا ہے۔ یہ نبی احتراز کے لئے نہیں۔ تقویٰ سے مراد سود اور دوسری چیزوں کے متعلق جو نبی وارد ہوئی ہے۔ ان معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم ہے۔ یہاں لعل رجا کے معنی میں ہے۔

وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾

”اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔“

۱۔ امام بیضاوی نے کہا اس میں یہ تشبیہ ہے کہ جہنم کی آگ اصل میں کفار کے لئے تیار کی گئی ہے اور بالعرض نافرمان مومنوں کے لئے ہے۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ صفت تخصیص بیان کرنے کے لئے ہے وہ آگ جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے وہ اس آگ سے مختلف ہے جو مومن نافرمانوں کے لئے تیار کی گئی۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سود خوری دل کی سختی کا سبب بنتی ہے۔ بعض اوقات یہ کفر تک لے جاتی ہے۔ مدارک میں جو روایت ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے کہ امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے کہ یہ آیت قرآن حکیم کی سب سے زیادہ خوف دلانے والی آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دھمکی دی ہے کہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محارم سے اجتناب نہ کیا تو انہیں اس آگ کے ساتھ عذاب دیا جائے گا جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے اور مابعد آیت کے ساتھ اسے مزید قوت دی گئی ہے کہ مومنوں کی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ امید کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کی اطاعت کے ساتھ معلق کر دیا ہے۔

وَ اطِيعُوا اللَّهَ وَ الرُّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۳﴾

”اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کریم کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

۱۔ کہ تم اس کی رحمت کی امید رکھتے ہو۔ دونوں تاویلوں میں مرجیہ کا رد ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مومنوں کو عذاب نہیں ہوگا۔ یعنی یہ بنا جاوے کہ بالذات آگ کفار کے لئے تیار کی گئی ہے اور بالعرض مومنوں کے لئے یا کفار کے لئے اور آگ ہے اور مومنوں کے لئے اور آگ ہے۔ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ لعل اور عسی کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو یہ تحقیق (۱) کے معنی میں ہوتے ہیں۔ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ

(۱) جنت بالذات متیقن کے لئے تیار کی گئی، دوسرے مومنوں کے لئے یہ بالعرض ہے ۲۔ متیقن کے لئے ایک جنت ہے اور دوسرے مومنین کے لئے الگ جنت ہے۔

و جو ب کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ امید کا فائدہ دیتا ہے جبکہ ساتھ ساتھ خوف بھی ہو۔ امام بیضاوی نے کہا کہ ان جیسی مثالوں میں لعل اور عسی کا ہونا بعد خبر تک پہنچنے کی دلیل ہوتا ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ  
أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾

”اور دوڑو۔ بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور (دوڑو) جنت کی طرف جس کی چوڑائی سے آسمانوں اور زمین جتنی ہے جسے جو تیار کی گئی ہے پر ہیزگاروں کے لئے ہے“

۱۔ اس کا عطف اطمینان پر ہے۔ نافع اور ابن عامر نے واو عطف کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے واو عطف کے ساتھ پڑھا ہے۔

۲۔ ابن عباس سے مروی ہے یہاں مغفرت سے مراد اسلام ہے (۱) آپ سے ہی دوسری روایت ہے اس سے مراد توبہ ہے (۲) عکرمہ کا بھی یہی قول ہے حضرت علی بن ابی طالب نے کہا اس سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے (۳) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے اس سے مراد تکبیر اولیٰ ہے (۴) ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی چیز جو گناہوں سے بخشش کا مستحق بنا دے جو جہنم کی آگ سے چھنکارے کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مراد اسلام، صحیح عقائد، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ ہیں جو جنت میں داخل ہونے کا باعث ہیں۔ پہلے حضرت ابو امامہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ با دروا بالا اعمال الحدیث، اعمال کی طرف جلدی کرو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک روایت ہے اعمال کی طرف جلدی کرو۔ تم صرف انتظار کرتے ہو ہر چیز بھلا دینے والے فکر کا یا سرکش کر دینے والی غنا کا یا جسم کے نظام تباہ کرنے والے مرض کا، ایسا بڑھاپا جو انسان کو شہیادے۔ اچانک موت یا دجال وہ بدترین انتظار کی چیز ہے یا قیامت کا اور قیامت بہت بڑی مصیبت اور تلخ چیز ہے (۵) اسے امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

۳۔ یعنی جنت کی وسعت عرضھا الجنة کی صفت ہے۔

۴۔ یعنی ان دونوں کی چوڑائی اس کی وسعت ہے۔ یہ بطور تشبیہ کلام کی گئی ہے۔ حقیقت حال کو بیان نہیں کیا گیا کیونکہ انسان کے گمان کے مطابق مسافت مکانیہ کی زیادہ سے زیادہ صورت یہی ہے۔ اس آیت میں زمین و آسمان کی چوڑائی کے ساتھ اسے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد خَلِقْنَا مَادَآءَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ میں مسافت زمانیہ کو اس میں ہمیشہ رہنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ لوگوں کا گمان یہی ہے کہ وسعت زمانیہ کے اعتبار سے یہی وسیع ترین ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت انس بن مالک سے جنت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا جنت آسمان میں ہے یا زمین میں؟ تو انہوں نے جواب دیا کونسا آسمان اور کونسی زمین جنت کو محیط ہو سکتی ہے۔ پھر سوال کیا گیا پھر وہ کہاں ہے تو فرمایا سات آسمانوں سے اوپر اور عرش سے نیچے (۶) قتادہ نے کہا ان کی رائے یہ تھی کہ جنت سات آسمانوں سے اوپر ہے اور جہنم سات زمینوں سے نیچے ہے (۷) ابوالشیخ نے العظمتہ میں ابوالزعراء سے وہ عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا جنت ساتویں آسمان میں ہے۔ میں کہتا ہوں یعنی اس سے اوپر ہے اور جہنم ساتویں زمین میں ہے۔ میں کہتا ہوں یعنی سات زمینوں سے نیچے ہے۔

- |   |   |
|---|---|
| 1- تفسیر بیضاوی، جلد 4، صفحہ 89 (فراس)      | 2- تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 351 (التجاریہ) |
| 3- تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 351 (التجاریہ)   | 4- ایضاً                                  |
| 5- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 54 (وزارت تعلیم) | 6- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 351 (التجاریہ) |
| 7- تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 315 (التجاریہ)   |   |

ہے جو حقیقی تقویٰ والے ہیں ان کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دلوں کو غیر اللہ میں مشغول ہونے اور نفس کے رذائل سے محفوظ رکھا اس میں بھی (۱) وہی دو تاویلیں جاری ہوں گی جو اعدت للكفرین میں جاری ہوئی تھی۔

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظَّيْنِ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۴﴾

”وہ (پرہیزگار) جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگ دستی میں لے اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو لے اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے لے اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے لے۔“

لے جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں مال کی کمی میں۔ قاموس میں اسی طرح ہے، یعنی وہ کسی حال میں بھی انفاق کو نہیں چھوڑتے تھوڑا زیادہ اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔

امام بغوی نے کہا ان کے وہ اخلاق جو جنت کا مستحق بناتے ہیں۔ میں سے سب سے پہلے جس چیز کا ذکر کیا وہ سخاوت ہے (۱) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سخی اللہ کے قریب، جنت کے قریب، لوگوں کے قریب اور جہنم سے دور ہوتا ہے بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ جاہل سخی بخیل عابد سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اسے امام ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ (۲)

امام بغوی نے أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْعَالِمِ الْبَخِيلِ کے الفاظ ذکر کئے ہیں یعنی سخی جاہل بخیل عالم کی بنسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے امام بیہقی نے اسے حضرت جابر سے طبرانی نے حضرت عائشہ اور ابن عباس سے مرفوع روایت نقل کی ہے سخاوت اللہ تعالیٰ کا عظیم خلق ہے اسے ابن نجار نے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے اسکی ٹہنیاں دنیا میں لٹک رہی ہیں جس نے ان میں سے کسی کو پکڑ لیا یہ ٹہنی اسے جنت تک لے جائے گی۔ بخل جہنم کا ایک درخت ہے، اس کی ٹہنیاں دنیا میں لٹک رہی ہیں، جس نے اس کی ٹہنی پکڑ لی یہ ٹہنی اسے جہنم میں پہنچا دے گی۔ اسے دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (۳) حضرت بیہقی نے حضرت علیؓ، ابن عدی اور ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت جابر سے، خطیب نے ابو سعید سے، ابن عساکر نے حضرت انس سے، دیلمی نے مسند فردوس میں معادیہ سے اور ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درہم ایک لاکھ درہم پر سبقت لے گیا۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیسے آپ نے فرمایا ایک آدمی کے پاس کثیر مال ہے، جس نے مال میں سے ایک لاکھ درہم لیا جسے صدقہ کر دیا۔ ایک دوسرا آدمی ہے جس کے پاس کل دو درہم ہیں اس نے ایک لیا اور صدقہ کر دیا (۴) اسے نسائی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ نیز ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے بھی۔

۳۔ شدید غصہ کے وقت اپنے نفس کو روکنا، یعنی قادر ہونے کے باوجود غصہ پر عمل کرنے سے اپنے آپ کو روکنا یہ كظمت القربة سے مشتق ہے جب تو نے مشکیزہ کو بھرا ہو اور اس کے منہ کو باندھ دیا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو غصہ کو اس حال میں پی گیا کہ وہ اس کو پورا کرنے پر قادر تھا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا (۵) اسے امام احمد، عبد الرزاق اور ابن ابی الدنیا

(۱) اصل میں یہ الفاظ امید کیلئے وضع کیا گئے ہیں۔ امید کا تصور وہاں ہوتا ہے جہاں کسی چیز کا انتظار ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ کسی چیز کا انتظار کرے۔

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 352 (التجاریہ) 2- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 18 (وزارت تعلیم) 3- شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 345 (العلمیہ)  
4- سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 350 (وزارت تعلیم) 5- شعب الایمان، جلد 6، صفحہ 313 (العلمیہ)

نے غضب کی مذمت کے ضمن میں روایت کیا ہے۔

امام بغوی نے حضرت انس سے مرفوع روایت نقل کی ہے جس نے غصہ کو پی لیا جبکہ وہ اسے پورا کرنے پر قادر تھا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے اسے بلائے گا، اسے اختیار دے گا، جس حور کو چاہے اپنے لئے پسند کرے (۱) ابن ابی دنیا نے ابن عمر سے مرفوع روایت کیا ہے جس نے اپنے غصہ کو روک لیا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

سے کبھی نے کہا وہ اپنے غلاموں کی سوء ادبی کو معاف کرتے ہیں۔ زید بن اسلم اور مقاتل نے کہا جو ان پر ظلم کرے اور زیادتی کرے اسے معاف کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک ایسے لوگ میری امت میں تھوڑے ہیں مگر جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں مقاتل سے نقل کیا ہے۔ بیہقی نے مسند فردوس میں ابن مالک کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

سے احمسنین پر الف لام جنسی ہے اور لوگ بھی اس میں داخل ہیں یا الف لام عبد خارجی کا ہے۔ پھر اس سے مراد صرف معاف کرنے والے ہوں گے۔ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ان کی مدح کی جائے۔ ساتھ ہی یہ اشارہ کیا جائے کہ یہ محسنین کی صفات ہیں۔

ثوری سے مروی ہے احسان یہ ہے کہ تو زیادتی کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرے کیونکہ محسن کے ساتھ احسان کرنا تو اسے بدلہ دینے کی طرح ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخصین نے حضرت عمر کی حدیث میں روایت کیا کہ حضرت جبرئیل امین نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ما الاحسان تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت کرے، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (۲) میں کہتا ہوں کہ محسنین تو حقیقت میں صوفیاء ہی ہیں شاید کظم الغیظ نفس کو فناء کرنے سے کنا یہ ہو کیونکہ غصہ کا مبداء نفس کے رذائل جیسے تکبر، حسد، کینہ، بغل اور اس جیسے دوسرے امور بنتے ہیں۔ شائد العفو عن الناس یہ فناء قلب سے کنا یہ ہو کیونکہ فناء قلب سے لوگ نظر اعتبار سے گر جاتے ہیں تو وہ تمام افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منسوب دیکھتا ہے اس لئے انسان جو بھی کرتا ہے وہ اس سے مواخذہ کو جائز نہیں جانتا مگر حقوق اللہ کے معاملہ میں وہ اس بندے کا مواخذہ کرتا ہے۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی ہو اور اظہار بندگی ہو جائے اور شائد انفاق فی السراء والضرراء کا معنی اپنے دلوں کو دنیاوی مال و متاع میں مشغول نہ ہونے دینا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منفقین، محسنین اور عافین کا ذکر فرمایا تو ان کے پیچھے تائبین کا ذکر کیا۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ

وَمَنْ يَغْفِرَ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾

”اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کر بیٹھیں کوئی برا کام لے یا ظلم کریں اپنے آپ پر (تو فوراً) ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی

مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی سزا اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا۔ اور نہیں اصرار کرتے تھے اس پر جو ان سے سرزد ہوا

۱۔ اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں کہ

۱۔ اسم موصول مبتدا ہے اور اولنک جزا و ہم اسکی خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول کا عطف المتقین یا الذین ینفقون پر ہو۔ اس

صورت میں اولنک جزاء ہم جملہ مستاتھ ہوگا۔ زیادہ ظاہر پہلا قول ہے۔ ابن مسعود نے کہا مومنین نے عرض کی یا رسول اللہ بنو اسرائیل

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے زیادہ عزت والے تھے۔ ان میں سے جب کوئی گناہ کرتا، جب صبح ہوتی تو اس کا کفارہ ان کے دروازے پر لکھا

ہوتا، تیری ناک یا تیرا کان کا ناجائز (تو ذلیل رسوا ہو) فلاں کام کر۔ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (۱) عطاء نے کہا یہ آیت نبھان تمار کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی کنیت ابو معبد تھی۔ ایک خوبصورت عورت اس کے پاس آئی جو اسے کھجوریں خریدنا چاہتی تھی۔ ابو معبد نے کہا یہ کھجوریں عمدہ نہیں، گھر میں اس سے اچھی کھجوریں ہیں۔ اس عورت کو گھر لے کر چلے گئے، اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور اس کا بوسہ لیا۔ اس عورت نے اسے کہا اللہ سے ڈرو تو ابو معبد نے اسے چھوڑ دیا اور سخت شرمندہ ہوا۔ پھر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور سب واقعہ ذکر کیا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (۲) مقاتل اور کلبی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری اور شہین قبیلہ کے ایک آدمی کو بھائی بھائی بنایا ثقفی غزوہ میں شرکت کے لئے گیا اور انصاری کو گھر والوں کا ذمہ دار بنایا۔ ایک روز اس نے ان کے لئے گوشت خریدا۔ جب عورت نے اس سے گوشت لینے کا ارادہ کیا تو یہ انصاری اس کے پیچھے پیچھے داخل ہو گیا اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ پھر شرمندہ ہوا اور واپس چلا گیا۔ اپنے سر پر مٹی ڈالی اور جس طرف منہ آیا اسی طرف چلا گیا۔ جب ثقفی واپس آیا اس نے انصاری کو نہ پایا تو اس نے اپنی بیوی سے اس انصاری کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ ایسے بھائی نہ بنائے اور تمام واقعہ ذکر کیا جبکہ انصاری تو یہ استغفار کرتے ہوئے پہاڑوں میں تسیج کرتا رہا۔ ثقفی نے اسے تلاش کیا تو اسے پایا اور اسے حضرت ابو بکر صدیق کے پاس لے آیا یہ امید کرتے ہوئے کہ ان کے پاس کوئی رحمت یا تسلی پائے۔ انصاری نے کہا میں ہلاک ہو گیا اور تمام قصہ بیان کیا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا تو ہلاک ہو جائے کیا تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ غازی کے حق میں جتنی غیرت رکھتا ہے، متیم کے حق میں نہیں رکھتا۔ پھر دونوں حضرت عمر سے ملے۔ حضرت عمر نے بھی یہی بات کی۔ پھر دونوں حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے آپ کے سامنے سب کچھ بیان کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (۳) فحش کا معنی قبح اور حد سے نکلنا ہے (۴) یہاں فاحشہ سے مراد گناہ کبیرہ ہے کیونکہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا قبح اور عصیان میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔ حضرت جابر نے کہا فاحشہ سے مراد بدکاری ہے۔ (۵)

۲۔ گناہ صغیرہ کیے یا زنا سے کم درجے کا عمل کیا جیسے بوسہ لینا، معانقہ کرنا اور چھونا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جب انہوں نے قولاً برائے عمل کیا یا فعلاً اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا فاحشہ ایسے عمل کو کہتے ہیں جس کا اثر غیر تک پہنچے اور نفس کا ظلم جو ایسا نہ ہو یہ معنی زیادہ ظاہر ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی وعید کا ذکر کیا اور یہ یاد کیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس بارے میں پوچھے گا تو شرمندہ ہوتے ہوئے تو بہ کی اور استغفار کی۔ مقاتل نے کہا انہوں نے گناہوں کے ارتکاب کے وقت زبان سے ذکر کیا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد صلوة استغفار ہے کیونکہ حضرت علی شیر خدا نے حضرت ابو بکر صدیق سے روایت کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ارشاد فرماتے کوئی بندہ مومن، ایک روایت میں ہے کوئی آدمی گناہ کرتا ہے، پھر اچھی طرح وضو کرتا ہے، کھڑا ہوتا ہے، نماز پڑھتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے (۶) اسے ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے ان الفاظ کا اضافہ کیا پھر وہ یہ آیت تلاوت کرتا ہے۔

۴۔ من استغفبہا میغفر فیہ کے معنی میں ہے تو پھر استثناء مفرغ صحیح ہو گیا، یعنی گناہ کو اللہ تعالیٰ ہی معاف کرتا ہے کیونکہ لوگ جو لوگوں کی خطائیں معاف کرتے ہیں، وہ اپنے حقوق معاف کرتے ہیں، وہ ذنوب اور معاصی کو معاف نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں۔ یا یہ کہا جائے گا لوگوں کو معاف کرنے والا انسان وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کی امید پر معاف کرتا ہے۔ پس وہ تو بدلہ طلب کرنے والا ہو گیا۔ گناہ کی بخشش تو

۱۔ تفسیر بغوی، جلد ۱، صفحہ ۳۵۲-۳۵۳ (التجاریہ) ۲۔ تفسیر بغوی، جلد ۱، صفحہ ۳۵۳ (التجاریہ) ۳۔ ایضاً

۴۔ تفسیر خازن، جلد ۱، صفحہ ۳۵۳ (التجاریہ) ۵۔ ایضاً ۶۔ جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۲۵ (وزارت تعلیم)



بغیر غرض اور منفعت کے ہوتی ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ دو معظوفوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے جس کے یہاں لانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت، مغفرت کا عموم، استغفار پر براہیختہ کرنا اور توبہ کے قبول کرنے کے وعدہ کا بیان ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ قول کو مقدر مان کر اسے حال بنایا جائے، یعنی قائلین و من یغفر یا یہ ذکر و اذکار کے مفعول پر معظوف ہے، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، اس کی مغفرت طلب کی اور اس صفت میں اس کے یکتا ہونے کا ذکر کیا۔

۵۔ اصرار کا معنی گناہ میں منہک ہونا، اس میں سختی کرنا اور اس کا قلع قمع کرنے سے رکنا ہے۔ صحاح میں یہی معنی ذکر کیا گیا ہے، یعنی اس پر قائم نہیں رہتے۔

۶۔ جو انہوں نے گناہ کئے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ترک فعل پر عزم استغفار کے لئے شرط ہے جس طرح فعل پر شرمندگی کا اظہار کرنا شرط ہے۔ اس لئے استغفار کے لئے فعل چھوڑنے کا عزم ضروری ہے، اگرچہ اس کے بعد اس سے یہ فعل صادر ہی ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے استغفار کی اس نے اصرار نہیں کیا، اگرچہ وہ دن میں ستر دفعہ اعادہ کرے (۱) اسے ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابو بکر صدیق سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ سے بخشش طلب کرنے والا جبکہ وہ اس گناہ پر قائم بھی ہو وہ اپنے رب سے مذاق کرنے والا ہے۔ (۲) اسے بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے

مسئلہ: گناہ صغیرہ پر اصرار گناہ کبیرہ ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا استغفار کی صورت میں کبیرہ نہیں ہوتا اور اصرار کی صورت میں صغیرہ نہیں رہتا۔ اسے دیلمی نے مسند فردوس میں نقل کیا ہے۔

۷۔ یہ لَمْ یُصِرُوا میں جمع کی ضمیر سے حال ہے، یعنی انہوں نے اصرار اس لئے ترک کر دیا کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ معصیت ہے۔ انہوں نے گناہ کبیرہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے چھوڑا تھا، اپنی سستی، طبیعت کی نفرت، بندوں کے خوف یا سہولت نہ ہونے کی وجہ سے نہیں چھوڑا تھا کیونکہ جزا تو اس وقت مرتب ہوتی ہے، جب کوئی انسان اطاعت کی نیت کے ساتھ برائی سے رکے صرف فعل نہ کرنے سے جزا نہیں ملتی لیکن وہ جزا جو معصیت پر مرتب ہوتی ہے۔ عدم فعل اس سے بچا لیتا ہے کیونکہ قادر نہ ہونا بھی عصمت ہے۔ ضحاک نے کہا تقدیر کلام یوں ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی بخشش کا مالک ہے (۳) حسین بن فضل نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ بخشش طلب کریں گے تو انہیں بخش دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک بندے نے گناہ کیا، اس نے کہا اے میرے رب میں نے گناہ کیا میرے گناہ کو بخش دے تو اس کا رب فرماتا ہے میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بھی بخش دیتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ پھر جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ گناہ سے رکا رہا۔ پھر اس نے گناہ کیا۔ اس نے عرض کی اے میرے رب میں نے ایک اور گناہ کیا ہے، اسے بخش دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے جان لیا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور اس پر پکڑ بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا پھر وہ ٹھہرا رہا۔ جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اس نے ایک گناہ کیا۔ عرض کی اے میرے رب میں نے ایک اور گناہ کیا ہے، میرے گناہ کو بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے جان لیا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر پکڑ کرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو معاف

2- شعب الایمان، جلد 5، صفحہ 436 (العلینیہ)

1- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 195 (وزارت تعلیم)

4- ایضاً

3- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 354 (النجاریہ)

کر دیا پس وہ جو چاہے کرے (۱) متفق علیہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے یہ جان لیا کہ میں گناہ بخشے پر قدرت رکھتا ہوں، میں نے اسے بخش دیا، جب تک اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا مجھے کچھ پرواہ نہیں (۲) اسے طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

أُولَئِكَ جَزَاءُ وَهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿۳۱﴾

”یہ وہ (نیک بخت ہیں) ۱۔ جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنت رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں

گے ان میں ۲۔ کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا ۳۔“

۱۔ اگر یہ جملہ مستلفہ ہو تو اس کا مشار الیہ متقین اور تائبین سب ہوں گے۔ اگر یہ سابقہ اسم موصول کی خبر ہو تو پھر مشار الیہ صرف تائبین ہوں گے۔ ۲۔ جنات کو نکرہ اس لئے ذکر کیا تاکہ اس بات پر دلالت ہو کہ ان کے لئے جو جنت تیار کی گئی ہے۔ وہ مرتبہ میں اس سے کم ہے جو جنت ان متقین کے لئے تیار کی گئی ہے، جو متقین سابقہ آیت میں مذکورہ صفات سے متصف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کا اختتام محسنین پر کیا جو اللہ تعالیٰ کی محبت کے مستحق ہیں اور شریعت کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں جبکہ اس آیت کا اختتام العلمین پر کیا ہے۔

۳۔ اپنی کوتاہی کا تدارک کرنے والا اس عامل کی طرح ہوتا ہے جو اپنی فوت شدہ چیز کو حاصل کرنے کی تگ و دو کرے، لیکن محسن اور تدارک محبوب اور مزدور میں کتنا بعد اور مسافت ہے؟ یہ دانشمند پر مخفی نہیں۔ شاید اسی نکتہ لطیفہ کی وجہ سے جزاء کی جگہ اجر کا لفظ استعمال فرمایا۔ یہاں مخصوص بالمدح محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی نِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ الْمَغْفِرَةَ وَالْجَنَّاتِ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں (۳) اسے بیہقی اور ابن عساکر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ قشیری نے رسالہ میں اور ابن نجار نے حضرت علی سے روایت کیا ہے۔

فائدہ: جنت کو متقین اور تائبین کے لئے تیار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں اصرار کرنے والے داخل نہ ہوں گے، جس طرح جہنم کافرین کے لئے بطور جزاء تیار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا اس میں کافروں کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا۔ یہ کہنا جائز ہوگا کہ گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والے مومن جنت میں اس وقت داخل ہوں گے جب انہیں مغفرت کے بعد گناہوں سے پاک کیا جا چکا ہوگا، خواہ جہنم کے عذاب کے بعد کیونکہ مومن کے حق میں عذاب جہنم اس بھٹی کی مانند ہے جو تانبے کی میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے، خواہ بغیر عذاب کے مغفرت کی صورت میں اس وقت نافرمان کو پاکیزگی حاصل کرنے میں تاخیر کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ثابت بنانی نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو شیطان رونے لگا۔

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ﴿۳۲﴾

”گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج و زوال کے) قاعدے پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ

کیسا انجام ہوا (دعوت حق کو) جھٹلانے والوں کا ۱۔“

سنن سنت کی جمع ہے۔ سنت ایسے راستہ کو کہتے ہیں جس پر چلا جائے، خواہ خیر کا ہو یا شر کا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کے لئے اپنے عمل کا اجر ہے اور جس نے اس راہ پر عمل کیا اس کے عمل کا اجر بھی ہے جبکہ ان کے اجر میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا اس پر اپنے عمل کا بوجھ ہوگا اور جس نے اس پر عمل کیا اس کا بوجھ بھی اس پر ہوگا جبکہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی (۱) یہ بھی جائز ہے کہ کلام میں سے مضاف حذف ہو، تقدیر کلام یوں ہو اہل سنن ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ سنن کا معنی امتیں ہیں اور سنن سے مراد امت ہو ایک شعر ہے۔

لوگوں نے ان جیسا فضل نہیں دیکھا اور ان کی مثل سابقہ اقوام میں کسی کو نہیں دیکھا۔ آیت کا معنی یہ ہوگا تم سے قبل خیر اور شر کے راستے گزر چکے ہیں یا طرق والے گزر چکے ہیں۔ دیکھو تو جھٹلانے کا انجام کیا ہوا اور جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا، یعنی ہلاکت مجاہد نے کہا میری سنتیں ان میں گزر چکی ہیں جو تم سے پہلے کافر تھے کہ میں نے انہیں مہلت دی ان کے ساتھ استدراج کیا، یہاں تک کہ وقت مقررہ آ گیا جو میں نے ان کی ہلاکت کے لئے متعین کیا تھا۔ پھر میں نے انہیں ہلاک کر دیا میں نے اپنے انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی مدد کی۔ پس تم زمین میں گھومو پھرو، دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ عطاء نے کہا سنن سے مراد شریعتیں ہیں۔ کلبی نے کہا ہر امت کا طریقہ گزر چکا ہے، جب لوگوں نے اس کی اتباع کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا تم جھٹلانے والوں کے انجام دیکھو اس میں غور و فکر کرو۔

### هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٣٨﴾

”یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے واسطے۔“

۱۔ ہذا سے مراد قرآن حکیم یا اللہ تعالیٰ کا فرمان قد خلت یا اللہ تعالیٰ کے فرمان فا نظر واکا مفہوم ہے۔ الناس سے مراد عام لوگ ہیں۔ ہدی یعنی گمراہی سے ہدایت دینے والا ہے۔ متقین کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہی لوگ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ متقین اور تائبین کا خلاصہ ہذا کا اشارہ ہے اور قد خلت والا جملہ درمیان میں جملہ مقررہ ہے۔ اس کا مقصود ایمان اور توبہ پر برا بیعت کرنا ہے۔

### وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٣٩﴾

”اور نہ (تو) ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تمہیں سر بلند ہو گے اگر تم سچے مومن ہو۔“

۱۔ تم دشمنوں کیساتھ جہاد کرنے سے کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کرو محض اس لئے کہ تمہیں یوم احد کو قتل اور زخمی ہونے کا وار سہنا پڑا اس روز پانچ مہاجر شہید ہوئے جن میں حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر اور انصار میں سے ستر افراد شہید ہوئے۔ (۲) تم میں سے جو شہید ہوئے ان پر غمگین نہ ہو۔

۳۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ تم مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بلند ہو کیونکہ تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے اس پر تم اجر و ثواب کی امید رکھتے ہو جبکہ کفار اس کی کوئی امید نہیں رکھتے۔ تمہارے شہداء جنت میں ہیں جبکہ ان کے مقتول جہنم میں ہیں اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقُوَّةِ ۗ إِنْ تَكُونُوا تَائِبِينَ فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ كَمَا تَأْتُونَ ۗ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ کلبی نے کہا حضور ﷺ نے غزوہ احد میں صحابہ کے زخمی ہونے کے بعد دشمن کا پیچھا کرنے کی دعوت دی، تو یہ امر صحابہ پر بڑا شاق گزرا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انجام کار تمہیں غالب ہو گے کیونکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مراد اور کامیابی ملی۔ (۳) ابن عباس نے کہا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ

گھاٹیوں میں منتشر ہو گئے تو خالد بن ولید نے مشرکین کے گھڑسوار دستہ سے حملہ کیا۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ پہاڑ کی جانب سے ان پر حملہ آور ہو تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ اوپر نہ آئیں تیرے سوا ہماری قوت نہیں (۱) مسلمانوں کی ایک جماعت نے تیر اندازی کرتے ہوئے رات گزاری، وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اور مشرکین کے گھوڑسوار دستہ پر تیر اندازی کی، یہاں تک کہ انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے۔

یعنی اگر تمہارا ایمان پختہ اور صحیح ہے تو تم کمزوری کا اظہار کرو نہ غمگین ہو کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ثواب کی امید رکھی جائے، اللہ تعالیٰ کے بھروسہ سے دل کو مضبوط کیا جائے۔ یا اس کا معنی یہ ہے اگر تمہارا ایمان درست ہے تو آخر کار تم ہی غالب رہو گے کیونکہ مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

إِنْ يَسْسِكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۗ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا  
بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا  
يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾

” (احد میں) اگر گئی ہے تمہیں چوٹ لے تو (دوسرے میں) لگ چکی ہے (تمہاری دشمن) قوم کو بھی چوٹ ایسی ہی ہے اور یہ (بار جیت کے) دن ہم پھرتے رہتے ہیں انہیں لوگوں میں سے اور یہ اس لئے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے سے اور بنا لے تم میں سے کچھ شہید ہے اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو۔“

۱ یعنی یوم احد۔ حمزہ، کسائی اور ابو بکر نے جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے اسے قَرْح (قاف کے ضمہ کے ساتھ) پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ دونوں کا معنی ہتھیار یا کسی چیز کا کاٹنا ہے۔ مراد بدن میں زخم لگانا ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ قراء نے کہا جب فتح کے ساتھ ہو تو زخم مراد ہوگا اور جب ضمہ کے ساتھ ہو تو مراد زخم کی تکلیف ہوگا۔

۲ قریش میں سے کفار کی قوم بدر کے روز انہوں نے تمہارے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے سے کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا، تمہیں تو بدر جہاد اولی ایسا نہ کرنا چاہیے۔ یہ آیت حضور ﷺ اور مومنین کی تسلی کے لئے نازل ہوئی کیونکہ وہ احد سے اندرونی غم اور دکھ کے ساتھ لوٹے تھے اور اس لئے بھی تاکہ مسلمان اپنے دشمنوں کے خلاف جرات کا مظاہرہ کریں، یعنی فتح کے اوقات ہم پھیرتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان بھی ہمارا قاعدہ جاری و ساری ہے، کبھی فتح نہیں نصیب ہوتی ہے اور کبھی نہیں

۳ الايام تلک کی صفت ہے پھر یہ مبتدا ہے اور ندا ولها اس کی خبر ہے یا الايام خبر سے اور ندا ولها حال ہے اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہے۔ حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچاس پیادوں پر حضرت عبداللہ بن جبیر کو امیر بنایا اور فرمایا اگر تم یہ دیکھو کہ ہمارے جسموں کو پرندے نوج رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا، یہاں تک کہ میرا پیغام تمہیں پہنچے۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے اور ہم نے انہیں روند ڈالا ہے تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا یہاں تک کہ میں تمہیں پیغام بھیجوں۔ مسلمانوں نے کفار کو بھگا دیا قسم بخدا میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ بھاگ رہی ہیں، ان کے پازیب نظر آ رہے ہیں اور انہوں نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے ہیں۔ عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے کہا اے قوم غنیمت لو، تمہارے ساتھی غالب آ چکے ہیں، تم کیا دیکھ رہے ہو۔ عبداللہ بن جبیر نے کہا

رسول اللہ ﷺ نے جو تمہیں فرمایا تھا وہ بھول چکے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو لوگوں کے پاس جائیں گے اور مال غنیمت سے حصہ لیں گے۔ جب وہ آئے تو ان کے منہ پھیر دیئے گئے اور شکست خوردہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَالرُّسُولُ يَذْعُوكُمْ فِيْ اٰخِرِكُمْ كَمَا يٰبِيْ مَفْهُومٌ تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ انہیں پیچھے سے بلارہے۔ تھے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف بارہ مجاہد رہ گئے۔ پس ہمارے ستر افراد شہید ہو گئے (1) جبکہ غزوہ بدر کے روز حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ نے مشرکین کے ستر افراد کو قتل کیا تھا اور ستر کو قیدی بنا لیا تھا ابوسفیان نے کہا کیا قوم میں محمد ﷺ ہیں؟ یہ بات اس نے تین دفعہ دہرائی رسول اللہ ﷺ نے جواب دینے سے منع کر دیا۔ پھر اس نے تین دفعہ پوچھا کیا قوم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ پھر اس نے تین دفعہ پوچھا کیا قوم میں ابن خطاب ہیں؟ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف منہ کیا اور کہا یہ تینوں تو ہلاک ہو چکے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے۔ فرمایا اے اللہ کے دشمن جن کا تو نے ذکر کیا سب زندہ ہیں۔ تیرے لئے سوائے حیرت کے کچھ نہیں۔ اس نے کہا آج کا دن بدر کا بدلہ ہو گیا۔ جنگ ایک دفعہ ہمارے حق میں اور ایک دفعہ تمہارے حق میں رہی۔ تم اپنے مقتولوں میں مثلہ پاؤ گے جس کا میں نے حکم نہیں دیا اور نہ ہی مجھے اس کا کوئی دکھ ہے پھر وہ رجز پڑھنے لگا اور نعرہ لگایا اہل کی جے، اہل زندہ باد۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم اس کا جواب نہیں دو گے؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا کہیں؟ فرمایا تم کہو اللہ عظیم و برتر ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہمارا عزی ہے، تمہارا کوئی عزی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کیا تم اسے جواب نہیں دو گے؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے ابوسفیان نے کہا اے عمر تم خوشی کے ساتھ یہاں آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا دیکھو اسے کیا کام ہے۔ حضرت عمر اس کے پاس آئے۔ ابوسفیان نے کہا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کیا ہم نے محمد ﷺ کو شہید کر دیا ہے؟ حضرت عمر نے فرمایا نہیں، وہ اب بھی تیرا کلام سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا تو میرے نزدیک ابن قمیہ سے زیادہ سچا ہے۔ ابن قمیہ نے مشرکین مکہ سے کہا تھا کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ پھر ابوسفیان نے کہا خبردار سال کے اختتام پر تم سے بدر صغریٰ میں مقابلہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان وعدہ ہے۔ پھر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور کوچ کیا۔ ابن عباس سے بھی اسی معنی میں ایک روایت مروی ہے ان کی حدیث میں ہے، ابوسفیان نے کہا یہ دن کے بدلے دن ہے، دن پھرتے رہتے ہیں اور جنگ میں فتح و شکست کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا ہمارے درمیان کوئی برابری نہیں، ہمارے شہداء جنت میں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہوں گے۔ زجاج نے کہا مسلمانوں کا کفار پر غلبہ تو ہوتا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”بے شک ہمارے لشکر ہی غالب ہوتے ہیں یوم احد کو کفار اس لئے غالب رہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی تھی۔“ (2)

اس کا علت محذوف پر عطف ہے حذف کا فائدہ یہ خبر دینا ہے کہ علت محذوف متعدد ہیں جن کا ذکر طویل ہے اور لیعلم میں لام ندا و لہا کے متعلق ہے، یعنی ان ایام کو مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر پھیرتے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا اور اس لئے تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ مومن صبر اور ایمان پر ثابت قدم رہنے میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اس کا معطوف علیہ محذوف نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مفہوم ہے وَتِلْكَ الْاٰیٰتُ نُّدَاوِ لَهَا۔ گویا یوں فرمایا ہم نے تمہارے درمیان ایام کو گھمایا کیونکہ یہ ہمارا قانون ہے اور اس لئے کہ اللہ جان لے پیدا کرنا اور فنا کر دینا۔ یہ ایام کو پھیرنے کے قانون میں سے ہے۔ اس جیسی آیات اور اس کی تفسیروں میں مقصود اللہ تعالیٰ کے لئے علم کا ثبوت یا نفی نہیں ہوتا بلکہ جو چیز پہلے معلوم تھی اس کو بطریق برہان خارج میں ثابت کرنا اور نفی کرنا مقصود ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم

معلوم کو لازم ہوتا ہے اور عدم علم عدم معلوم کو مستلزم ہوتا ہے۔ پس معلوم کی نفی علم کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے تاکہ علم جبہل نہ بن جائے۔ یہاں ملزوم بولا گیا اور مراد لازم ہے آیت کا معنی یہ ہوگا تاکہ لوگوں کے ہاں مومنوں کا غیر مومنوں سے امتیاز ثابت ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا علم جان لے جس علم کے ساتھ جزاء متعلق ہے اور وہ کسی شے کے موجود ہونے کا علم ہے کیونکہ چیزوں کے موجود ہونے سے پہلے جو علم اسے حاصل ہے اس پر جزاء و سزا مرتب نہیں ہوتی۔

۵۔ تم میں سے کچھ افراد کو شہادت کی عزت سے نوازے۔ مراد شہداء احد ہیں، یعنی اس کا معنی یہ ہوگا تم میں سے ایسے افراد تیار کرے جو قیامت کے روز امتوں پر گواہی دینے کے اہل ہوں یہ ثابت قدمی اور شدائد پر صبر کرنے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے نقل کیا ہے جب عورتوں کو اطلاع نہ ہوئی تو وہ خبر لینے کے لئے نکلیں تو دو آدمیوں کو اونٹ پر آتے ہوئے دیکھا۔ ایک عورت نے کہا رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ دونوں نے کہا آپ زندہ سلامت ہیں۔ اس نے کہا اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کن کو شہید بناتا ہے تو عورت کے قول کے موافق قرآن حکیم نازل ہوا۔ (۱)

۶۔ ظالمین سے مراد کافر اور منافق ہیں جو ایمان پر ثابت قدم نہ رہے یہ دو معظوفوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ اس میں یہ تشبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں کفار کو غلبہ عطا نہیں فرماتا، انہیں بطور استدراج اور مومنوں کے امتحان کے طور پر غلبہ عطا فرماتا ہے۔

### وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيُبْحَثَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۱﴾

”اور اس لئے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور منادے کافروں کو۔“

۱۔ تمحیص کا معنی پاک اور صاف کرنا ہے، یعنی مومنوں کو گناہ سے پاک کرے۔ محق کا معنی کسی شے کو تھوڑا تھوڑا کر مٹا دینا ہے، یعنی اگر غلبہ مومنوں کے خلاف ہو تو مقصود تمیز دینا شہید بنانا اور پاک کرنا ہے اور فتح کافروں کے خلاف ہو تو مقصود انہیں نیست و نابود کرنا ہوتا ہے۔

### أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ

### الصَّابِرِينَ ﴿۳۲﴾

”کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے

جہاد کیا تم میں سے ۲۔ اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو ۳۔“

۱۔ یہ ام متصل ہے اور مل کے معنی میں ہے اور استفہام انکار کے لئے ہے۔

۲۔ یعنی ابھی تک تم میں سے بعض لوگوں سے عملاً جہاد واقع نہیں ہوا۔

۳۔ يعلم کو ان مضمرة کی وجہ سے نصب دی گئی۔ یہاں واو جمع (معیت) کے لئے ہے، جس طرح اس قول میں ہے لَا تَأْكُلُ السَّمَكُ وَتَشْرَبُ اللَّبَنَ يَاعْلَمُ اللَّهُ كَمَا مَعظوف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ سوال: پھر اس میم کو فتح کیوں دیا گیا۔ جواب: دوسرا کن جمع ہوئے، اس وجہ سے میم کو فتح دیا کیونکہ اس کا ما قبل مفتوح ہے۔

ابن ابی حاتم نے عوفی کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ صحابہ میں سے کچھ لوگ کہتے کاش ہم بھی اس طرح شہید ہوتے جس طرح اصحاب بدر شہید ہوئے یا ہمارے لئے بھی ایسا دن ہوتا جیسا یوم بدر کا تھا جس میں ہم مشرکوں سے جنگ کرتے، ہمارا بھلائی میں

امتحان ہوتا یا ہم شہادت، جنت، زندگی اور لذت تلاش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں احد میں موقع دیا مگر وہ ثابت قدم نہ رہ سکے مگر جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (۱)

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْا فَقَدَرْنَا ايمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۳۳﴾

”اور تم آرزو کرتے تھے موت کی لے اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرو۔ سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو اور تم آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہو۔“

لے تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں موت چاہتے تھے یا اس سے مراد جنگ ہے کیونکہ جنگ موت کا سبب ہے۔  
۳۳ تم اس کا مشاہدہ کرو اور اس کی شدت کو پہچانو۔

۳۳ یہ جملہ رایت موہ کے فاعل سے حال ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس بات کی وضاحت کی جائے۔ یہاں روایت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے صرف جاننا نہیں، یعنی تم نے اپنی آنکھوں سے اپنے بھائیوں کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس میں ان لوگوں کے لئے توبیح بھی ہے کہ انہوں نے جنگ کی آرزو کی اس کا سبب بنے پھر بزدلی دکھائی اور اس سے شکست کھا گئے یا انہیں محض شہادت کی طلب پر زبرد تو بیخ کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ کفار کے غلبہ کو لازم ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے ربیع سے نقل کیا ہے کہ جب ان صحابہ کو غزوہ احد میں تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو آواز دی۔ دوسرے صحابہ نے کہا وہ تو شہید ہو چکے۔ کچھ نے کہا اگر نبی ہوتے تو شہید نہ ہوتے۔ کچھ نے کہا اسی دین پر قائم رہتے ہوئے تم جہاد کرو جس کے لئے تمہارے نبی نے جہاد کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح سے نوازے یا تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ (۲) ابن منذر نے حضرت عمر سے روایت کیا ہم رسول اللہ ﷺ سے بکھر گئے، میں ایک پہاڑی پر چڑھ گیا، میں ایک یہودی کو یہ کہتے ہوئے سن رہا تھا کہ حضرت محمد ﷺ تو قتل کر دیئے گئے۔ میں نے کہا میں کسی آدمی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنوں گا مگر اس کی گردن اڑا دوں گا۔ پس میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ واپس آ رہے ہیں۔ یہی تھی نے دلائل میں ابی نوح سے نقل کیا ہے کہ مہاجرین میں سے ایک آدمی ایک انصاری کے پاس سے گزرا جبکہ وہ خون میں تڑپ رہا تھا۔ اس نے کہا کیا آپ کو علم ہے کہ محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس نے جواب دیا اگر آپ شہید کر دیئے گئے (تو کیا ہوا) وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا گئے ہیں۔ اب تم اپنے دین کی طرف سے جہاد کرو۔ اس پر بعد والی آیت نازل ہوئی۔ (۳)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ  
انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَ  
سَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۳۴﴾

”اور نہیں محمد (مصطفیٰ ﷺ) مگر (اللہ) کے رسول لے گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول ۳۴ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گئے تم لٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے لٹے پاؤں ۳۴ تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی ۳۴ اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو۔“

لے آپ رب نہیں ہیں کہ ان پر موت اور فنا محال ہو اور نہ ہی آپ اپنی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔ قاموس میں ہے حمد کا معنی

شکر، رضا، جزاء اور حق کی ادائیگی ہے اور تحمید اللہ تعالیٰ کی یکے بعد دیگرے حمد کرنا۔ اسی سے محمد کا لفظ ہے جس کا معنی ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے میں کہتا ہوں جس کی تعریف کی کوئی انتہا نہ ہو۔ امام بغوی نے کہا محمد وہ ہوتا ہے جو تمام محامد کو گھیرے ہوئے ہو کیونکہ حمد کامل اسی کو ہی زیبا ہوتی ہے اور تحمید کا مرتبہ حمد سے بھی اوپر ہے۔ پس تحمید کا مستحق وہی ہوگا جو تمام کمالات کو محیط ہو حضرت حسان بن ثابت نے کہا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو برہان کے ساتھ بھیجا، اللہ بزرگ و برتر ہے۔ آپ کی عظمت کے اظہار کے لئے آپ کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے پس عرش کا مالک محمود ہے اور یہ محمد ہے۔ (۱)

۲۔ آپ سے قبل رسول گزر چکے ہیں پس آپ بھی آنے والے وقت میں پردہ فرما جائیں گے۔

۳۔ یعنی تم کفر کی طرف لوٹ جاؤ۔ حضور ﷺ کی موت سے ان کے ارتداد اختیار کرنے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے جبکہ یہ معلوم تھا کہ آپ سے پہلے انبیاء اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں اور ان کا دین باقی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں فاء سببیہ ہے اور ہمزہ اس پر انکار کے لئے لایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی موت کو وہ اپنے ارتداد کا سبب بنائیں۔

۴۔ یعنی دین سے پھر گیا۔

۵۔ وہ مرتد ہونے سے اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں دیتا بلکہ وہ اپنے آپ کو نقصان دیتا ہے۔

۶۔ اسلام کی نعمت پر ثابت قدم رہ کر جو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بدلہ دے گا۔

اصحابِ معاذی (۱) نے ذکر کیا حضور ﷺ سات سو مجاہدین کے ساتھ احد کی گھاٹی میں فروکش ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر کو پیادہ جماعت پر قائد مقرر کیا جس کا ذکر ہم براء بن عازب کی حدیث میں کر آئے ہیں۔ قریش آئے ان کے میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل امیر تھا۔ ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جو دف بجاری تھیں اور اشعار گاری تھیں۔ قتال شروع ہوا اور زور کارن پڑا۔ حضور ﷺ نے تلوار پکڑی فرمایا اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا اور آخر دم تک دشمن کی گردنیں اڑائے گا؟ حضرت ابو دجانہ سماک بن حرمہ انصاری نے وہ تلوار لی۔ جب ابو دجانہ نے تلوار پکڑی سر پر سرخ عمامہ باندھا اور اترا کر چلنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس موقع کے علاوہ ایسی چال کو ناپسند کرتا ہے۔ اس تلوار کے ساتھ مشرکوں کے سرداروں کے سر قلم کئے۔ نبی کریم اور صحابہ نے مشرکین پر حملہ کیا انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل فرمائی۔ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ مسلمانوں نے مشرکوں کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ میدان سے بھاگا دیا اور قتل کیا مشرکوں کے گھڑ سوار دستہ نے تین دفعہ مسلمانوں پر حملہ کیا۔ ہر دفعہ ان پر تیر برسائے گئے وہ مغلوب ہو کر واپس لوٹ گیا۔ تیر انداز پشت کی جانب سے مسلمانوں کا دفاع کر رہے تھے اور مشرکین گھوڑوں پر تیر اندازی کر رہے تھے۔ تیر گھوڑے کو لگتا یا آدمی کو تو وہ مجبوراً بھاگ جاتا۔ حضرت علی شیر خدا نے طلحہ بن طلحہ جو کہ مشرک فوج کا علمبردار تھا اسے قتل کیا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور مشرکین پر شدید حملہ کر دیا۔ اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا زبیر بن عوام نے کہا میں نے ہندہ اور اس کی سہیلیوں کو دیکھا کہ وہ بھاگ رہی ہیں۔ اور پہاڑوں پر چڑھ رہی ہیں ان کے پازیب نظر آ رہے ہیں جب عبد اللہ بن جبیر کے تیر انداز ساتھیوں نے مشرکوں کو دیکھا کہ وہ شکست کھا گئے ہیں، وہ بھی مشرکوں کے لشکر کی طرف چلے گئے تاکہ مال سمیٹ لیں، جس طرح ہم نے حضرت براء کی حدیث میں ذکر کیا، یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن جبیر کے ساتھ دس سے بھی کم افراد رہ گئے۔ خالد بن ولید نے پہاڑ پر افراد کی کمی اور مسلمانوں کا مال غنیمت سمیٹنے کے منظر کو دیکھا اور یہ بھی مشاہدہ کیا کہ مسلمانوں کی پشت کی جانب خالی ہے تو مشرک گھڑ سوار دستہ کو بلایا۔ پھر پیچھے سے ان پر حملہ کر دیا۔ عکرمہ نے بھی خالد بن ولید کی



پیروی کی مسلمانوں کو تتر بتر کر دیا اور انہیں قتل کرنے لگے حضرت عبداللہ بن جبیر اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ قتال کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ مشرکین نے آپ کے لباس کو اتار اور شدید برے انداز میں مثلہ کیا جب مسلمان مال چھیننے اور مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ خالد بن ولید نے پیچھے سے اصحاب نبی پر حملہ کر دیا، انہیں منتشر کیا اور جلدی سے قتل کیا۔ مسلمان ہر طرف سے بکھر گئے، جو لوٹا تھا اسے ترک کیا، جو قیدی بنائے تھے انہیں چھوڑ دیا۔ دن کے پہلے پہر ہوا صبا کی صورت میں تھی۔ پھر وہ دبور بن گئی۔ لوگ شکست خوردہ واپس پلٹے۔ دو تین حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ زخمی ہوا، ایک حصہ بھاگ گیا اور ایک حصہ قتل کر دیا گیا۔ یہی نے مقداد سے روایت کیا ہے قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا رسول اللہ ﷺ ایک بالشت بھی اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ ہوئے۔ آپ دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ کبھی مسلمانوں کی جماعت آپ کی حفاظت کے لئے جمع ہو جاتی اور کبھی بکھر جاتی۔ کبھی دیکھتا تو آپ تیر چلا رہے ہوتے۔ کبھی دیکھتا تو پتھر مار رہے ہوتے۔ حضور ﷺ کے ساتھ چندہ افراد ثابت قدم رہے جن میں آٹھ مہاجر تھے، یعنی حضرات ابو بکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن جراح اور سات انصاری تھے جناب بن منذر، ابو جانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمد، اہل بن حنیف اور سعد بن معاذ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ سعد بن عبادہ تھے اور محمد بن مسلمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

عبدالرزاق نے زہری سے مرسل روایت نقل کی ہے حضور ﷺ کے چہرہ انور پر تلوار کے ستر وار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے آپ کو محفوظ رکھا۔ عتبہ بن وقاص اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے، نے چار پتھر آپ کو مارے جس نے آپ کی دائیں جانب نیچے والے چار دانت توڑ دیئے اور نچلے ہونٹ کو زخمی کر دیا۔ حافظ نے کہا یہاں دانتوں سے مراد وہ ہیں جو شعیہ اور داڑھ کے درمیان ہوتے ہیں۔ حاطب بن ابی بلعدہ نے کہا میں نے عتبہ بن وقاص کو قتل کیا اور اس کا سر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ اس سے خوش ہوئے اور میرے لئے دعا کی۔ اسے حاکم نے روایت کیا۔ عبداللہ بن شہاب زہری نے حضور ﷺ کو زخمی کیا تھا جبکہ وہ بعد میں مسلمان ہو گیا۔ آپ کا خون بہتا رہا یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی۔ عبداللہ بن قمریہ نے آپ کو پتھر مارا تھا اور آپ کے رخسار سے اوپر والے حصہ کو زخمی کر دیا تھا۔ آپ کے خود کے دو حلقے آپ کے وزن (رخسار کے اوپر والا حصہ) میں داخل ہو گئے تھے۔ عبداللہ بن قمریہ حضور ﷺ کے قتل کے لئے آگے بڑھا تو مصعب بن عمیر نے اسے پرے دھکیل دیا، جو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علمبردار تھے۔ ابن قمریہ نے حضرت مصعب کو قتل کر دیا جبکہ وہ یہ خیال کر رہا تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا ہے، تو واپس چلا گیا اور کہا میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے یا کسی چیخنے والے نے چیخ کر کہا خبردار محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے۔ ایک قول یہ کہا جاتا ہے کہ چیخنے والا شیطان تھا، اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے طبرانی نے ابی امامہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن قمریہ کے لئے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نیست و نابود کر دے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑی بکرے کو اس پر مسلط کر دیا وہ اسے سینگ مارتا رہا یہاں تک کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ ایک چٹان پر چڑھنے کے لئے اٹھے لیکن آپ تہہ بتہ دو زر ہیں پہنے ہوئے تھے۔ اسے لئے خود نہ چڑھ سکے۔ حضرت طلحہ نیچے بیٹھ گئے آپ کو اٹھایا یہاں تک کہ آپ پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طلحہ نے (جنت) واجب کر لی۔ ہندہ اور دوسری عورتیں صحابہ کرام میں شہداء کا مثلہ کرنے لگیں، وہ کان اور ناک کا شتیں یہاں تک کہ ہندہ نے اس سے ہار بنایا اور وحشی کو دیا۔ حضرت حمزہ کا دل نکالا، اسے چبایا لیکن نگل نہ سکی۔ پھر اسے باہر پھینک دیا۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بلارہے تھے اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، تمیں آدمی آپ کے گرد جمع ہو گئے سب کہہ رہے تھے ہمارا چہرہ زخمی ہو، آپ کا چہرہ سلامت رہے، میری جان قربان ہو، آپ کی جان سلامت رہے آپ محفوظ و مامون رہیں۔ ان صحابہ نے آپ کی حفاظت کی یہاں تک کہ مشرکوں کو آپ سے دور بھگا دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اتنے تیر چلائے کہ آپ کے ہاتھ سے چھ کمائیں ٹوٹ گئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا ترکش ان کے سامنے بکھیر دیا۔ فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان تیر چلاتے جائیں اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو طلحہ بھی زبردست تیر انداز تھے۔ آپ نے بھی دو یا تین کمائیں اس دن توڑ ڈالیں، جو بھی اپنا ترکش لے کر وہاں سے گزرتا رسول اللہ ﷺ اسے فرماتے اسے اپنے تیر دیتے جاؤ۔ جب وہ کوئی تیر چلاتے تو رسول اللہ ﷺ جھانک کر اسے دیکھتے کہ کہاں لگا ہے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے ہاتھ کو زخم، آیا وہ بعد میں خشک ہو گیا تھا۔ اسی ہاتھ کے ساتھ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا تھا۔ ابوداؤد، طیالسی اور ابن حبان نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا وہ سارا دن حقیقت میں ابو طلحہ کا دن تھا۔ محمد بن عمر نے ذکر کیا اس روز حضرت طلحہ کے سر کو زخم آیا کہ خون نچر گیا اور ان پر غشی طاری ہو گئی حضرت ابو بکر صدیق نے آپ کے چہرہ پر پانی کا چھڑکاؤ کیا جس وجہ سے آپ کو آفاقہ ہوا۔ انہوں نے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ جواب دیا آپ بالکل ٹھیک ہیں آپ نے ہی مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا الحمد للہ آپ کی موجودگی میں ہر مصیبت حقیر ہے۔ اسی موقع پر حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ کو زخم لگا، یہاں تک کہ وہ کینٹی پر بہہ پڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا تو وہ پہلے کی طرح حسین ہو گئی۔

جب رسول اللہ ﷺ واپس پلٹے تو آپ کو ابی بن خلف محمی ملاوہ کہہ رہا تھا میں زندہ نہ رہوں اگر آپ بچ جائیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم میں سے کوئی اس کا کام تمام نہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ جب آپ اس کے قریب ہوئے جبکہ ابی اس سے قبل حضور ﷺ سے ملتا تو کہتا میرے پاس ایک گھوڑی ہے جسے میں ہر روز ایک فرق (پیانہ) جوار کھلاتا ہوں۔ میں اسی پر سوار ہو کر تمہیں قتل کروں گا۔ حضور ﷺ اسے ارشاد فرماتے ایسا نہیں ہوگا بلکہ میں تجھے قتل کروں گا ان شاء اللہ۔ تو حضور ﷺ نے حارث بن صمد سے چھوٹا نیزہ لیا، اس کے سامنے تشریف لائے اس کی گردن میں نیزہ مارا اور معمولی سا زخمی کر دیا۔ وہ گھوڑے سے نیچے گر پڑا اور بتیل کی طرح آواز نکالنے لگا، کہا مجھے محمد ﷺ نے ہلاک کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھایا اور کہا کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ اس نے کہا کیوں نہیں اگر یہ نیزہ ربیحہ اور معز دونوں قبیلوں کو لگتا تو انہیں ہلاک کر کے رکھ دیتا کیا۔ انہوں نے مجھے کہا نہیں تھا میں تجھے قتل کروں گا۔ اگر اس گفتگو کے بعد وہ مجھ پر تھوک ہی دیتے تو مجھے قتل کر دیتے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ سرف کے مقام پر مر گیا (1) امام بخاری نے صحیح میں ابن عباس سے روایت نقل کی ہے جسے اللہ کا نبی قتل کر دے اس پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو زخمی کیا اس پر بھی اللہ کا شدید غضب ہوا۔ (2) صحابہ نے کہا لوگوں میں یہ بات عام ہو گئی تھی کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ بعض مسلمانوں نے کہا کاش ہمارا کوئی ایسا قاصد ہوتا جو عبد اللہ بن ابی کے پاس جاتا جو ابوسفیان سے ہمیں امان لے دیتا۔ بعض صحابہ مطلقاً بیٹھ گئے اور اپنے ہتھیار پھینک دیئے۔ منافقوں میں سے بعض نے کہا اگر محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے تو اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جاؤ۔ انس بن نضر نے کہا جو انس بن مالک کے چچا تھے اے میری قوم حضرت محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں (تو کیا ہوا) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا رب تو قتل نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد تم اس زندگی سے کیا لو گے؟ جس مقصد کیلئے رسول اللہ نے جنگ کی اسی مقصد کے لئے جہاد کرو اور جس دین کے لئے آپ نے اپنی جان دی تم بھی اسی مقصد کے لئے اپنی جان دے دو۔ پھر عرض کناں ہوئے اے اللہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر آپ نے کوارلی جہاد کیا یہاں تک کہ شہید کر دیئے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ چنانچہ تشریف لے گئے جبکہ آپ لوگوں کو بلارہے تھے سب سے پہلے جس نے آپ کو پہچانا وہ کعب بن مالک تھے۔ انہوں نے کہا میں نے آپ کو خود کے نیچے آنکھوں سے پہچانا جو چمک رہی تھیں میں نے بلند آواز سے ندا دی اے میری قوم تمہیں خوشخبری ہو، یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ نے

مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا صحابہ کا ایک طائفہ آپ کے گرد جمع ہو گیا، آپ نے انہیں فرار اختیار کرنے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے، تو ہمارے دل مرعوب ہو گئے پورہم بھاگ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت و ما محمد الا رسول کونازل فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبْنَا مُوَجَّلَاتٍ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا  
نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُنَوِّتْهُ مِنْهَا وَسَجَّزِيَ الشَّاكِرِينَ ﴿۳۱﴾

”اور نہیں ممکن کہ کوئی شخص مرے بغیر اللہ کی اجازت کے لکھا ہوا ہے۔ (موت کا) مقرر وقت ہے اور جو شخص چاہتا ہے دنیا کا فائدہ ہم دیتے ہیں اس کو اس سے ہے اور جو شخص چاہتا ہے آخرت کا فائدہ ہم دیتے ہیں اسے اس میں سے ہے اور ہم جلدی اجز دیں گے (اپنے) شکر گزار بندوں کو۔“

۱۔ اذن اللہ سے مراد اس کی مشیت اور قضاء ہے یا اس کا معنی ہے جب تک ملک الموت کو اس کی روح قبض کرنے کی اجازت نہ مل جائے۔  
۲۔ یہ مفعول مطلق ہے اور تاکید کا معنی دے رہا ہے، یعنی کتب کتاباً۔

۳۔ یہ کتاب کی صفت ہے، یعنی اس کے لئے ایک وقت معین ہے، نہ یہ پہلے آسکتی ہے اور نہ یہ بعد میں۔ اس میں مومنوں کو جہاد کرنے پر ابھارا اور تشجیح دلائی جا رہی ہے۔

۴۔ اپنے عمل سے دنیا کا ارادہ کرے اسے دنیا کا بدلہ دیتے ہیں۔ جو لوگ قتال چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے تھے ان سے اشارۃ کلام کی جا رہی ہے، یعنی جو ہم چاہیں اسے دے دیں اس میں سے جو ہم نے اس کے لئے مقدر کیا ہے۔  
۵۔ اور جو اپنے عمل سے آخرت کا ارادہ کرے تو اسے آخرت کا ثواب دے دیتے ہیں۔

۶۔ میں کہتا ہوں کہ شاید اس جملہ کا معنی یہ ہے جو اپنے عمل سے محض شکر بجالانے کا ارادہ کرے اس سے دنیا و آخرت کے ثواب کا ارادہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی جزاء دے گا جس کا نہ کوئی فہم ادراک کر سکتا ہے اور نہ وہم وہاں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ جزاء کا ابہام اسی معنی پر دلالت کرتا ہے تو اس کی جزاء اس کی ذات ہے۔ قاموس میں ہے شکر کا معنی احسان کو پہچاننا اور اس کا عرفان حاصل کرنا ہے۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کی نیت آخرت کی طلب ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غناء پیدا کر دیتا ہے اس کی ہمتوں کو جمع کر دیتا ہے اور دنیا میں اس کے پاس ناک رگڑتے ہوئے آتی ہے۔ جس کی نیت دنیا کی طلب ہو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں فقر رکھ دیتا ہے اس کی ہمت کو بکھیر دیتا ہے اور اسے اتنی دنیا ملتی ہے جو اس کے لئے لکھی ہوتی ہے (۱) اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ ہر ایک آدمی کے لئے وہ کچھ ہے جو وہ نیت کرے، جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہو کہ اسے پالے یا عورت کے لئے ہو کہ اس سے شادی کرے تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی (۲) متفق علیہ۔

وَكَايِنَ مَنْ نَبِيٍّ قَتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۳۲﴾

”اور کتنے ہی لے نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ہے ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے لے سونہ ہمت ہاری انہوں نے لے بوجہ ان تکلیفوں کے جو پہنچیں انہیں اللہ کی راہ میں لے اور نہ کمزور ہوئے لے اور نہ انہوں نے ہار مانی کی اور اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے (تکلیفوں میں) صبر کرنے والوں سے لے“

لے ابن کثیر نے کما تین ہمزہ اور مد کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی کائن کے وزن پر ابو جعفر نے ہمزہ میں تسہیل کر کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے ہمزہ کو مفتوح اور شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی کم ہے۔

لے کوفہ کے قراء نے اور ابن عامر نے قاتل کو باب مفاعلہ سے پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے مجرد سے مجہول پڑھا ہے۔

لے ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے اس کا معنی کثیر جماعتیں لیا ہے۔ ابن مسعود نے ربیون کا معنی ہزاروں لیا ہے۔ کلبی نے کہا جب اس کی واحد ربیۃ ہو تو اس کا معنی دس ہزار ہوتا ہے۔ ضحاک نے کہا اس کے واحد کا معنی ایک ہزار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ رب کی طرف منسوب ہے، یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اہل حجاز اور اہل شام کی قرأت کے مطابق فعل کی نسبت ربیون کی طرف ہوگی۔ نبی کی ضمیر کی طرف نہ ہوگی اور معہ ربیون اس سے حال ہوگا کیونکہ اس صورت میں فاعل کا اضاہ لازم ہے۔ پھر تقدیر کلام یوں ہوگی و معہ ربیون کثیر اور حال والی تعبیر اس لئے بھی ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا ہم نے کسی نبی کے بارے میں نہیں سنا کہ اسے جنگ میں قتل کیا گیا ہو۔ کابین کا کلمہ کثرت پر دلالت کرتا ہے پھر اس کا معنی یہ ہوگا کتنے ہی انبیاء شہید کئے گئے لشکر کے ساتھ جبکہ اس قتال میں کثیر تعداد تھی۔ اس طرح باقی قراء کی قرأت کے مطابق قتال کی نسبت ربیون کی طرف ہے اور نبی کا قتال بطور لزوم سمجھا جاتا ہے۔

لے قتل کے بعد جو باقی بچے تھے انہوں نے کمزوری دکھائی نہ بزدل ہوئے۔

لے ما اصابہم سے مراد زخم، مصیبتیں اور ساتھیوں کی شہادت ہے۔

لے وہ جہاد سے کمزور نہ ہوئے۔

لے انہوں نے دشمنوں کے سامنے عاجزی کا اظہار نہ کیا نہ ہی آہ وزاری کی بلکہ اپنے رب کے حکم پر نبی کی اطاعت اور دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے پر صابر رہے استکن کا اصل سکون ہے کیونکہ ذلیل و رسوا آدمی اپنے ساتھی کے سامنے پرسکون رہتا ہے۔ پس وہ دوسرا آدمی جو اس کے ساتھ چاہتا ہے سو وہ کرتا ہے۔ یہ حقیقت میں ان لوگوں سے اشارۃ بات کی جا رہی ہے جنہوں نے ابوسفیان سے امان طلب کی اور جنگ کرنے سے بزدلی کا مظاہرہ کیا۔

لے اسی لئے ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی شان بڑھاتا ہے۔

وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ

أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٤﴾

”اور نہیں تھی ان کی گفتگو لے بغیر اس کے کہ کہا انہوں نے لے اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں کیں ہم

نے اپنے کام میں لے اور ثابت قدم رکھ ہمیں لے اور فتح دے ہم کو قوم کفار پر لے“

لے قولہم کان کی خبر ہے۔

لے یہ کان کا اسم ہے۔ اسے اسم اس لئے بنایا گیا ہے کیونکہ قولہم کی نسبت زیادہ معروف ہے اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ مسند الیہ سے بنایا جائے

جو زیادہ معروف ہو۔ ان قالو اس میں نسبت بھی ہے اور زمانے پر دلالت بھی، اس لئے اسم بنانا درست ہے۔

۳۔ یہاں ذنوب سے مراد چھوٹے گناہ ہیں، جو ہم نے مقام عبودیت سے تجاوز کیا ہے اپنے معاملہ میں۔ اسرافنا سے مراد گناہ کبیرہ ہیں۔

۴۔ سیدھے راستے پر اور دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے میں ہمیں ثابت قدم رکھ۔

۵۔ مصائب کا سامنا کرنے کے بعد۔ اس قول کی کوئی اور توجیہ نہیں بنتی کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے نصرت اور غلبہ کا وعدہ کر رکھا ہے کیونکہ اس کا

ارشاد ہے حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ اور فرمایا إِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ انہیں جو مصیبت پہنچی تھی وہ ان کے گناہوں اور حد سے تجاوز کرنے کی

وجہ سے پہنچی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ... اس لئے مومن کو جب کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر لازم ہے کہ وہ

اپنے گناہ کا اعتراف کرے تاکہ اس سے ندامت اور استغفار واقع ہو۔ پھر غلبہ اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرے کیونکہ غلبہ تو اللہ تعالیٰ عزیز و

حکیم کی طرف سے ہوگا استغفار اور گناہوں کی پاکیزگی کے بعد دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

فَاتْلُهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ النَّبِيِّ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۸﴾

”تو دے دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ۱۔ دنیا کا ثواب (یعنی کامیابی) ۲۔ اور عمدہ ثواب آخرت کا ۳۔ (یعنی نعیم جنت اور لذت

و صل) اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکو کاروں سے ۴۔“

۱۔ اس قول کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا۔

۲۔ یعنی غلبہ، غنیمت، ملک اور اچھا ذکر۔

۳۔ یعنی جنت، قرب کے مراتب اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے۔ ثواب کو لفظ حسن کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ اس کی بارگاہ

میں یہی مقصود ہوتا ہے نیز اس لئے بھی کہ یہ اس کا فضل ہے۔

۴۔ محسنین کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس بات کا شعور دلایا جائے کہ یہی حقیقت میں محسن ہیں کیونکہ احسان حقیقت

میں یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت کرے۔ گویا تو اپنے رب کو دیکھ رہا ہے، یعنی کمال حضور اور غفلت کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرے۔ پس اس

کا نتیجہ یہ قول اور یہ معرفت ہے کہ خوشحالی اور تنگدستی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور کریم کسی قوم سے اپنی نعمت کو اس وقت تک تبدیل

نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہیں بدلتے جب وہ طاعت کو بدل دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے نعمت کو بدل دیتا ہے اور انہیں کوئی سزا

دیتا ہے تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں اور بخشش طلب کریں اور دنیا میں سزا پا کر گناہوں سے اپنے آپ کو پاک کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

فَتَنْقَلِبُوا خِسْرًا ﴿۱۳۹﴾

”اے ایمان والو! اگر پیروی کرو گے تم کافروں کی ۱۔ تو وہ پھیر دیں گے تمہیں اٹلے پاؤں (کفر کی طرف) ۲۔ تو تم لوٹو گے

نقصان اٹھاتے ہوئے ۳۔“

۱۔ حضرت علی شیر خدا کا قول ہے کہ الذین کفروا سے مراد منافقین ہیں احد میں شکست کے موقع پر انہوں نے مومنوں سے یہ کہا تھا اپنے

بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ (۱) اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا

معنی یہ ہے اگر تم ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی اطاعت کرو گے، ان کے لئے تو وضع کرو گے اور ان سے امان طلب کرو گے۔

۴ یعنی اسلام سے پہلے جو دین (شُرک) رکھتے تھے اس کی طرف لوٹادیں گے۔  
۵ تم دنیا و آخرت کا نقصان اٹھانے والے ہو گے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۵﴾

”بلکہ اللہ حامی ہے تمہارا اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔“

۱ اللہ تعالیٰ تمہارا محبت، مددگار اور اپنے دین پر قائم رکھنے والا ہے۔ پس تم کسی اور کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔ اس لئے تم کسی اور کی دوستی اور مدد سے غنی ہو جاؤ۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ ابو سفیان اور مشرکین جب سولہ شوال احد کے روز مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے جب کچھ فاصلہ طے کر چکے تو افسوس کرنے لگے کہ ہم نے کتنا برا کیا ہم نے مسلمانوں کو قتل کیا۔ جب ان میں زخمیوں کے سوا کوئی نہ بچا تو پھر ہم نے انہیں چھوڑ دیا واپس چلو اور انہیں مطلقاً ختم کر کے رکھ دو۔ جب انہوں نے یہ ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور جس چیز کا وہ ارادہ کر رہے تھے، اس سے واپس پلٹ آئے (۱) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

سَلِّقُوا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ  
سُلْطٰنًا وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَاِنَّهُمْ لَشٰمِسُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

”ابھی ہم ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں رعب ۱۔ رعب ۲ اس لئے کہ انہوں نے شریک بنا لیا ۳ اللہ کے ساتھ اس کو جس

کے لئے نہیں اتاری اللہ نے کوئی دلیل ۴ اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے اور بہت بری جگہ ہے ظالموں کی ۵۔“

۱ اللہ تعالیٰ نے کافروں سے مراد ابو سفیان اور اس کے حمایتی ہیں۔

۲ اس سے مراد خوف ہے۔ ابن عامر کسائی، ابو جعفر اور یعقوب نے تمام مواقع پر عین کے ضمہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے اس کے سکون کیساتھ پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ رعب ڈالنے والے کا عمل اس وقت ہو جب مشرکین مکہ نے کوچ کے موقع پر مدینہ طیبہ لوٹنے کا ارادہ کیا ہو۔ اگر اس آیت کا نزول واقع کے بعد ہوا ہو تو پھر محض تاکید کا معنی دے گی اور مستقبل کے معنی سے خالی ہوگی اور مضارع کا صیغہ حال ماضی کی حکایت ہوگا۔

۳ ان کے شرک کرنے کے باعث ان کے دلوں میں رعب ڈالا گیا۔

۴ سلطنت کا معنی قوت ہے۔ یہاں اس سے مراد حجت ہے، معنی یہ ہوگا انہوں نے اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا لیکن اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے توحید پر دلائل عقلیہ اور نقلیہ قائم کئے۔

۵ ہم ضمیر سے مراد شرک ہیں اس کا عطف منلقی پر ہے۔

۶ یعنی آگ مخصوص بالذم محذوف ہے۔ سختی اور علت بیان کرنے کے لئے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (الظلمین) ذکر کیا ہے۔

محمد بن کعب نے کہا جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ احد سے مدینہ طیبہ لوٹے جبکہ اس قدر عظیم تکلیف پہنچی تھی آپ کے بعض صحابہ نے کہا ہمیں تکلیف کیسے آئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ (۲)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهُ اِذْ تَحْسَبُوْنَهُمْ يٰۤاٰذِيْهِ حَتّٰى اِذَا قَسَيْتُمْ

تَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرْسَلْنَا مَا تَحِبُّونَ ۗ مِنْكُمْ مَّنْ  
يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ ثُمَّ صَرَّفْنَا عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۗ وَلَقَدْ  
عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٠﴾

”اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ ۱۔ جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو ۲۔ اس کے حکم سے ۳۔ یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے ۴۔ اور جھگڑنے لگے (رسول کے) حکم کے بارے میں ۵۔ اور نافرمانی کی تم نے ۶۔ اس کے بعد ۷۔ کہ اللہ تعالیٰ نے دکھادیا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے ۸۔ بعض تم سے طلبگار ہیں دنیا کے ۹۔ اور بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے ۱۰۔ پھر پیچھے ہٹا دیا تمہیں ۱۱۔ ان کے تعاقب سے ۱۲۔ تاکہ آزمائے تمہیں ۱۳۔ اور بے شک اس نے معاف فرمادیا تم کو ۱۴۔ اور اللہ تعالیٰ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر ۱۵۔“

۱۔ تقویٰ اور صبر کی شرط پر کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا، جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جنگ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی۔  
۲۔ اس کا تعلق صدقہ کیساتھ ہے یعنی تم انہیں قتل کر رہے تھے۔ یہ احسن سے مشتق ہے جس کا معنی حس کو ختم کرنا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا حس کا معنی قتل کے ذریعے نیست و نابود کرنا ہے۔ (۱)  
۳۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے۔

۴۔ یعنی تم نے بزدلی اور کمزوری دکھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ فشل کا معنی تمہاری رائے کمزور ہو گئی اور تم غنیمت کی طرف مائل ہو گئے کیونکہ حرص عقل کی کمزوری ہے۔

۵۔ جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے اس وقت جھگڑا کیا، جب انہوں نے مومنین کو غلبہ پاتے اور مشرکین کو شکست کھاتے ہوئے دیکھا اکثر نے کہا مشرک تو شکست کھا گئے۔ اب ہمارا یہاں ٹھہرنا کس کام کا تو عبداللہ بن جبیر نے کہا تھا کیا تم وہ بھول گئے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کا یہ مقصد نہیں تھا ہم ضرور لوگوں کے پاس جائیں گے اور غنیمت اکٹھی کریں گے۔ حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔

۶۔ اور تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ واؤ زائدہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے جب تم بزدل ہوئے تو تم جھگڑنے لگے لیکن یہ کوئی درست معنی نہیں کیونکہ یہ تنازع (جھگڑنا) پہلے فشل (بزدلی) کے وقوع کا تقاضا کرتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فشل تنازع اور عصیان (نافرمانی) کے بعد ہوا جھگڑے میں اس وقت پڑے جب انہوں نے مال لوٹنے کے لئے مشرکین کے لشکر پر حملہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی حتیٰ إِذَا تَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ لَفَفَشَلْتُمْ (یہاں تک کہ جب تم نے حکم میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی تو تم بزدل ہو گئے) تو پھر واؤ زائدہ ہونے پر کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ واؤ زائدہ نہیں اور اذا کا جواب محذوف ہے یعنی جب تم بزدل بن گئے تم نے حکم میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی مدد کو روک لیا اور تمہیں موجودہ مصیبت میں ڈال دیا۔ واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے، اس میں ترتیب ملحوظ خاطر نہیں ہوتی۔ اس لئے تنازع اور نسیان پر بزدلی کے مقدم ہونے کا تقاضا نہیں کرتی۔

کے یہ فہم کے متعلق ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دکھائی کامیابی اور غنیمت جسے تم پسند کرتے تھے۔

۹۔ یعنی انہوں نے مرکز کو چھوڑ دیا اور مال لوٹنے لگے۔

۱۰۔ یعنی عبد اللہ بن جبیر کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ عبد اللہ بن مسعود نے کہا میں اس کا احساس بھی نہیں رکھتا تھا کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی دنیا چاہتا ہو، یہاں تک کہ احد کے روز یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (۱)۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی دنیا کے حصول کا ارادہ نہیں کیا تھا مگر اس جماعت نے تو ان کے متعلق احد کے روز یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۱۔ اے مسلمانو! تمہاری نافرمانی کی نحوست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پھیر دیا۔

۱۲۔ ہم ضمیر سے مراد کفار ہیں یہاں تک کہ حالت بالکل بدل گئی اور وہ تم پر غالب آ گئے۔

۱۳۔ کہ تمہارا امتحان لے تاکہ مومنوں کو منافقین سے الگ کر دے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے اعمال سے تمام لوگوں کو امتحان اور مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔ یہ چیز نافرمان کیلئے تو سزا اور مطیع کے لئے زیادہ اجر کا باعث ہوتی ہے۔

۱۴۔ نافرمانی اور مخالفت کے بعد تمہیں بالکل ختم نہیں کر دیا بلکہ فضل و احسان سے باقی رکھا، یا مخالفت پر شرمندہ ہونے کی وجہ سے تمہیں معاف کر دیا۔

۱۵۔ جب چاہتا ہے معاف کر کے فضل و احسان فرماتا ہے، یا تمام احوال میں تم پر فضل و احسان کرتا ہے کیونکہ نافرمانی کے بعد مومنوں پر مصیبت نازل کرنا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہوتا ہے کیونکہ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے نقل کیا ہے، کہا میں تمہیں کتاب اللہ کی سب سے فضیلت والی آیت کے بارے میں باخبر نہ کروں، جس کے بارے میں حضور ﷺ نے ہمیں بتایا ہے وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ آيَاتُنَا لَكُمْ وَنُصِفُوا عَنْكُمْ غَيْبَاتِ اے علی میں خود تیرے لئے اس کی تفسیر کروں گا تمہیں جو مرض، سزا یا دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے، یہ سب تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ ان پر مصیبت لائے، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو معاف کر دیا ہے اور سزا نہیں دی تو آخرت میں پکڑنے پر قادر ہے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوَنَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَ الرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَابِكُمْ فَأَتَابَكُمْ عَمَّا

بِغَمِّ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۷﴾

”یاد کرو جب تم دور بھاگے جا رہے تھے۔ اور مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ کسی کو سزا اور رسول کریم بلارہے تھے تمہیں پیچھے سے۔ پس اللہ نے پہنچایا تمہیں غم کے بدلے غم۔ تاکہ تم نہ غمگین ہو اس چیز پر جو کھو گئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو پہنچی ہے تمہیں سے اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔“

۱۔ یا مقدر فعل اذکر کے متعلق ہے، یعنی اس کی ظرف ہے۔ ابو عبد الرحمن سلیمی، حسن اور قنادہ نے تصعدون مجرد سے عین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ وہ قرأت جس پر اجماع ہے وہ باب افعال سے تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ مفضل نے کہا تصعد، تصعد اور تصعد تینوں کا معنی ایک ہی ہے ابو حاتم نے کہا تصعدت تو اس وقت کہے گا جب تو اپنے سامنے ہموار زمین میں چلے اور تصعدت اس وقت کہے گا جب تو پہاڑ پر چڑھے مبرد نے



کہا اصدق کا معنی ابعداً یعنی دور چلا جاتا ہے۔ بغوی نے کہا یہ دونوں امر واقع ہوئے تھے، ان میں سے کچھ دور جانے والے تھے اور کچھ اوپر چڑھنے والے تھے۔

۳۔ تم گرد میں بھی نہ پھیرتے تھے۔

۴۔ خوف کی زیادتی کی وجہ سے تم ایک دوسرے کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتے تھے۔

۵۔ یعنی آپ ارشاد فرما رہے تھے اللہ کے بند و میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں، جو پلٹ آئے گا اس کے لئے جنت ہے۔ یہ جملہ حال بن رہا ہے۔

۶۔ تمہاری بزدلی اور نافرمانی پر تمہیں بدلہ دیا۔ اس کا عطف صرف حکم پر ہے۔ یہاں اثابہ (ثواب سے مشتق ہے) کو عقاب کی جگہ رکھا گیا ہے جس طرح قَبَشْرُهُمْ بِعَذَابِ الْيَمِّ میں بَشِيرٌ کو رکھا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے ثواب کی امید لگا رکھی تھی، اللہ تعالیٰ اس کی جگہ تمہیں عذاب دے گا۔

۷۔ یعنی ایسا غم جو دوسرے غم کے ساتھ متصل ہوگا۔ یہ اغتمام سے مشتق ہے، اس سے مراد قتل ہونا، زخمی ہونا، مشرکوں کی کامیابی اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر کا منتشر ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلا غم غنیمت کا چھن جانا اور دوسرا غم جو انہیں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا جیسے قتل، زخم اور شکست۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے غم سے مراد قتل ہونا اور زخمی ہونا اور دوسرے غم سے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے بارے میں سنا، پس دوسرے غم نے پہلے غم کو بھلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے غم سے خالد بن ولید کا گھوڑا سوار دستہ کے ساتھ حملہ کرنا اور دوسرا غم ابوسفیان کا اپنے لشکر کے ساتھ حملہ کرنا ہے۔ اس کا سبب یہ بنا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بلاتے گئے یہاں تک کہ ایک چٹان والوں تک جا پہنچے۔ جب ان لوگوں نے آپ کو دیکھا تو ان میں سے ایک نے اپنا تیر کمان پر چڑھایا اور چلانے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں۔ جب انہوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو خوش ہو گئے حضور ﷺ بھی اپنے جاننازوں کو پا کر خوش ہو گئے۔ لوگ فتح، جو چیز ان سے چھن گئی اور اپنے شہداء کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی طرف بڑھے تو ابوسفیان اور اس کے ساتھی گھائی کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ جب ان مسلمانوں نے انہیں دیکھا تو پریشان ہو گئے، انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ انہیں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پس انہیں قتل کر دیں گے تو انہیں پہلے جو تکلیف پہنچی تھی اس امر نے انہیں سب کچھ بھلا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ ہماری طرف نہیں چڑھ سکتے دعا کی اے اللہ اگر یہ جماعت قتل کر دی گئی تو تا قیامت زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ پھر آپ نے صحابہ کو بلایا صحابہ نے انہیں پتھر مارے۔ پس انہیں چٹان سے نیچے اتار دیا (۱) میں کہتا ہوں شاہد اللہ تعالیٰ کا فرمان سَلِّقْنِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرَّعْبَ اس مقام پر نازل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ میں کہتا ہوں یہ تعبیر کرنا بھی جائز ہے کہ غم ثانی وہ ہو کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ خوفزدہ ہو گئے کہ کہیں وہ مدینہ طیبہ پر حملہ نہ کر دیں اور بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کر دیں۔ آپ نے حضرت علی شیر خدا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو یہ دیکھنے کے لئے بھیجا کہ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہو گئے اور گھوڑوں کو چھوڑ دیا تو وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کر رہے ہوں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ مدینہ طیبہ کی طرف چلے گئے تو میں بھی ان کے مقابلہ کے لئے چلا جاؤں گا اور ان کی گردنوں کو اڑا دوں گا۔ حضرت سعد اور حضرت علی ان کے پیچھے پیچھے چلے، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اونٹوں پر

سوار ہو گئے اور گھوڑوں کو چھوڑ دیا جبکہ انہوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تھا۔ صفوان بن امیہ نے کہا ایسا نہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ اس غم کے بدلہ میں جو تم نے نبی کریم ﷺ کو نافرمانی کر کے دیا تھا تمہیں غم دیا۔

کے مافاتکم سے مراد فتح اور غنیمت ہے اور ما اصابکم سے مراد قتل، جرم اور شکست ہے۔ اس میں لازماً ہے۔ اس کا معنی پھر یہ ہوگا تا کہ جو چیز تم سے فوت ہوئی اور جو مصیبت تم کو پہنچی اس پر غم کا اظہار کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے تمہیں غم کے بعد غم دیا تا کہ تم میں مصائب پر صبر کرنے کی جرأت پیدا ہو اور اس کے بعد فوت شدہ نفع اور لائق ہونے والی تکلیف پر غمگین نہ ہو۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیغم پر ثواب دیا اور اس چیز کے متعلق تمہارے نبی کریم کی زبان پر تمہیں آگاہ کیا تا کہ جو چیز تم سے فوت ہوئی اور جو تکلیف تمہیں پہنچی اس پر غمگین نہ ہو بلکہ اس کے ثواب سے خوش رہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انا بکم میں ضمیر رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ غمگین ہونے میں تمہارے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس وقت اسبتہ بھالی (میں نے اسے اپنے مال میں شریک کر لیا) سے مشتق ہے۔ اس میں باء سببیہ اور بدلہ ہوگی، یعنی جو مصیبت تم پر نازل ہوئی اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ غمگین ہو گئے جس طرح تم غمگین ہوئے تھے اور تمہیں نافرمانی پر نہیں جہز کا مقصود تمہیں ثواب دینا تھا تا کہ جو چیز تم سے فوت ہو گئی اور جو تکلیف تمہیں پہنچی اس پر تم غمگین نہ ہو۔

۵۔ جو تم نے اعمال کئے اور جس کا تم نے قصد کیا سب کو جانتا ہے۔

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُّعَاسًا يَعْنِي طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَاتَلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٥﴾

”پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر ۱۔ غم واندوہ کے بعد راحت ۲۔ (یعنی) غنودگی ۳۔ جو چھاری تھی ۴۔ ایک گروہ پر تم میں سے ۵۔ اور ایک جماعت ایسی تھی ۶۔ جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا بے بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ ۷۔ بلا وجہ ۸۔ عہد جاہلیت کی بدگمانی ۹۔ کہتے ۱۰۔ کیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے ۱۱۔ آپ فرمائیے اختیار تو سارا اللہ کا ہے ۱۲۔ چھپانے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر ۱۳۔ کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کچھ دخل ۱۴۔ تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے دردی سے) آپ فرمائیے کہ اگر تم (بیٹھے) ہوتے اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وہ لوگ لکھا جا چکا تھا جن کا قتل ہونا ۱۵۔ اپنی قتل گاہوں کی طرف ۱۶۔ (یہ سارے مصائب اس لئے تھے) تا کہ آزمائے اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا) تھا ۱۷۔ اور صاف کر دے جو (میل کچیل) تمہارے دلوں میں تھا ۱۸۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کا ۲۰۔“

۱۔ کم ضمیر سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے۔

۲۔ یعنی دلوں میں اطمینان اور سیکنہ جسے نزولِ رحمت کے وقت صوفی محسوس کرتا ہے۔

۳۔ یہ ائمہ سے بدلِ اشتغال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ انزل کا مفعول بہ ہو اور ائمة نعاما سے حال مقدم ہو کیونکہ نعاما نکرہ ہے (۱) شائد یہاں نعاما سے مراد وہ استغراق ہو جو نزولِ رحمت کے وقت صوفی کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ اس وقت دوسری چیزوں سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔ اس استغراق کو نعاما سے اس لئے تعبیر کیا گیا کیونکہ دونوں کے اندر کمالِ مشابہت موجود ہوتی ہے۔

۴۔ حمزہ اور کسائی نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر ائمہ کی طرف لوٹے گی اور باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر نعاما کی طرف لوٹے گی۔

۵۔ وہ بچے مومن ہیں۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو طلحہ نے کہا ہم پر اونگھ غالب آگئی جبکہ ہم احد کے روز صفوں میں تھے میری تلوار گری جا رہی تھی اور میں اسے پکڑ رہا تھا (۱) وہ گری جا رہی تھی اور میں اسے پکڑ رہا تھا۔ حضرت ثابت حضرت انس سے، انہوں نے حضرت ابو طلحہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا میں نے احد کے روز سر اٹھایا، میں نے جس کو دیکھا وہ اپنی ڈھال کے نیچے جھکا ہوا تھا۔ (۲)

۶۔ یہ مبتدا ہے اور اس سے مراد منافقین ہیں۔

۷۔ قَدْ آهَتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ یہ طائفہ کی صفت ہے، یعنی ان کے نفوس نے انہیں پریشانی میں ڈال دیا تھا۔ یہ امن اور سیکنہ کے نزول سے محروم تھے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے نزدیک اہم ترین بات ان کی جانیں تھیں۔

۸۔ بظنون یہ طائفہ کی خبر ہے۔

۹۔ غیر الحق مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو گمان رکھنا چاہئے تھا وہ اس کے برعکس اور گمان رکھ رہے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی مدد نہیں فرمائے گا، یا ان کا گمان یہ تھا کہ اگر حضور ﷺ نبی ہوتے تو آپ کو قتل نہ کیا جاتا۔

۱۰۔ یہ غیر الحق سے بدل ہے، یا حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے۔ کلام مقدر کا پھر معنی یہ ہوگا جاہلیت اور شرک والوں کے گمان کی طرح یہ جملہ طائفہ کی دوسری صفت ہے یا یہ جملہ حال ہے یا ماقبل جملہ کے بیان کے طور پر جملہ مستأنف ہے اور طائفہ والا جملہ غنشی کے فاعل یا اس کے مفعول سے حال ہے۔

۱۱۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں یا اپنے آپ سے کہتے ہیں۔ یہ بظنون سے بدل ہے۔

۱۲۔ اس میں بل استفہام انکاری کے لئے ہے۔ امر سے مراد اللہ تعالیٰ کی مدد ہے جس کا اس نے وعدہ کیا، یعنی جو وعدہ کیا گیا ہمارے نصیب میں تو کبھی بھی واقع نہیں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ جب عبد اللہ بن ابی کوخزرج قبیلہ کے افراد کے قتل ہونے کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے یہ بات کہی تھی۔ اس کا معنی یہ ہوگا ہمیں اپنی تدبیر کرنے اور اپنے اختیار سے معاملات سرانجام دینے سے روک دیا گیا ہے۔ پس ہمارے لئے کوئی اور باقی نہ رہا یا اس کا معنی یہ ہوگا کیا ہم سے یہ جب ختم ہوگا کہ ہمارے لئے کوئی امر ہو۔ ابن راہویہ نے روایت نقل کی ہے کہ عبد اللہ بن زبیر نے اپنے والد حضرت زبیر بن عوام سے روایت کیا جب ہمارے اوپر خوف شدید ہو گیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اپنے آپ کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر نیند مسلط کر دی، ہم میں سے ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم!

(۱) جب ذوالحجہ نکرہ ہو تو حال کو اس سے پہلے لایا جاتا ہے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 582 (الفاظ مختلفہ) (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 125 (الفاظ مختلفہ) (وزارت تعلیم)

میں معتب بن قشیر کی بات سن رہا ہوں جبکہ نیند مجھ پر غالب ہے، میں اس کی بات خواب کی طرح سن رہا ہوں (۱) وہ کہہ رہا ہے اگر ہمارا اس معاملہ میں کچھ حصہ ہوتا تو ہم یہاں یوں قتل نہ کئے جاتے میں نے اس کی یہ بات یاد کر لی اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اس آیت کو نازل فرمایا۔ ۱۳ اے محمد ﷺ فرمادیجیے بے شک حکم سب اللہ تعالیٰ کا ہے جو چاہتا ہے دیتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے، یا حقیقی غلبہ کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتھیوں کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب ہے، اگرچہ بعض اوقات کسی حکمت کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا۔ ابو عمرو نے کلمہ کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اور اس کا بعد اس کی خبر ہے۔ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے اور یہ امر کی تاکید ہے اور جملہ معترضہ ہے۔

۱۴ یقولون میں جو ضمیر فاعل ہے۔ اس سے یہ جملہ حال بن رہا ہے۔ یہ ظاہر میں تو یہ کہتے ہیں کہ وہ ہدایت کے طلبگار ہیں، مدد کے طالب ہیں اور مخفی طریقہ سے بعض بعض سے اس کے برعکس کہتے ہیں اور آپ کے قول ان الامر کلمہ للہ کا انکار کرتے ہیں۔

۱۵ جس طرح حضرت محمد ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا ہے، یا جو انہوں نے گمان کیا ہے کہ معاملہ تمام کا تمام اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے لئے ہے، یا یہ معنی ہوگا اگر ہمارا اختیار اور تدبیر ہوتی تو ہم مدینہ طیبہ میں ہی رہتے جس طرح ابن ابی اور دوسرے لوگوں نے مشورہ دیا تھا۔ ۱۶ یعنی لوز محفوظ میں لکھ دیا گیا تھا اور اللہ نے ان کے حق میں قتل کو مقدر کر دیا تھا۔

۱۷ وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلتے اور مدینہ طیبہ میں ان کا ٹھہرنا نہیں کچھ نفع نہ دیتا بلکہ حقیقت میں وہ مدینہ طیبہ ٹھہر ہی نہیں سکتے تھے۔

۱۸ تاکہ تمہارے دلوں میں جو کچھ چھپا ہے اس کا امتحان لے اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو ظاہر کرے۔ یہ محذوف کلام پر معطوف ہے اور ہوز فعل کے متعلق ہوگا، تقدیر کلام یوں ہوگی لَبُرُوا الْيَوْمَ الْمَصْجِعِمْ یعنی وہ ضرور اپنے قتل کی طرف نکلتے تاکہ فیصلہ خداوندی ان پر نافذ ہو اور بے شمار مصلحتیں آشکارہ ہوں اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں آزمائے یا یہ فعل محذوف کے متعلق ہے اور جملہ سابقہ جملہ کا معطوف ہے۔ پھر تقدیر کلام یوں ہوگی: ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ وَفَعَلَ ذَلِكَ لِيُنْتَلَىٰ كَيْفَ تَقُولُونَ کہ اُس نے تمہارے اوپر سیکڑہ کو نازل کیا اور اس نے یہ عمل اس لئے کیا تاکہ تمہیں آزمائے یا اس کا عطف تَكِيلًا تحز نو پر ہے۔

۱۹ یعنی ظاہر فرمائے اور تمیز دے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، یا جملے کا معنی یہ ہوگا اے مومنو! تاکہ تمہارے دلوں میں جو وساوس ہیں انہیں پاک کر دے۔

۲۰ یعنی ان کے اظہار سے پہلے بھی باخبر ہے اور آزمائش کرنے سے غنی ہے۔ اس نے یہ عمل اس لئے کیا ہے تاکہ مومنوں کی مشق کرے منافقین کے حال کو ظاہر کرے اور ان پر حجت تمام کرے۔

إِنَّ الْمُنِفِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَبْعَيْنِ إِنَّمَا اسْتَكْرَلَهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۵۰﴾

”بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تم سے لے اس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر ۲ تو پھسلا دیا تھا انہیں شیطان نے ۳ بوجہ ان کے کسی عمل کے اور بیشک اب معاف فرمادیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے ۴“

۱۔ اے مسلمانوں کی جماعت تم میں سے جو بھاگ گئے۔

۲۔ یعنی احد کے روز مسلمانوں اور مشرکوں کی جماعتیں آپس میں ٹکرائیں اور مسلمانوں کی اکثریت بھاگ گئی اور حضور ﷺ کے ساتھ صرف تیرہ افراد رہ گئے جن کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے اور عبد اللہ بن جبیر کے ساتھ صرف دس آدمی رہ گئے۔

۳۔ شیطان نے انہیں پھسلا یا، یا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا، انہیں معصیت پر برا بھانتہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ازل اور استزل دونوں کا معنی ایک ہے۔

۴۔ ان کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے ان کے مرکز کو چھوڑنے کی وجہ سے۔ حضرت حسن بصری نے کہا ما کسبوا سے مراد ان کا شیطان کے وسوسہ کو قبول کرنا ہے۔

۵۔ یہی وہ دلیل تھی جو حضرت عبد اللہ بن عمر نے اس وقت پیش کی جب مصر کے بعض لوگوں نے حضرت عثمان پر حملہ کیا اور غزوہ احد سے فرار اور غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں حاضر ہونے کی تہمت لگائی۔ جہاں تک غزوہ احد سے آپ کے بھاگنے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خطا کو معاف کر دیا اور غزوہ بدر سے غیر حاضر رہنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے عقد میں حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ تھیں جو مریض تھیں، حضور ﷺ نے آپ کو ارشاد فرمایا آپ کے لئے اتنا ہی اجر ہے جتنا اجر بدری صحابی کا ہے اور مال غنیمت میں اس کے برابر حصہ ہے۔ رہا بیعت رضوان سے آپ کا غائب ہونا اگر مکہ کی سرزمین میں حضرت عثمان سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو آپ ضرور اسے ہی بھیجتے۔ حضور ﷺ نے آپ کو سفیر بنا کر مکہ مکرمہ میں بھیجا تھا اور بیعت رضوان حضرت عثمان کے مکہ مکرمہ جانے کے بعد ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اسے اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا۔ پھر فرمایا یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے۔ پھر ابن عمر نے فرمایا اب اسے (تفصیل) بھی اپنے ساتھ لے جلا (۱) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے اس لئے اب کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس فرار کی وجہ سے صحابہ کرام پر طعن کرے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ہے کہ یہ فرار نبی سے پہلے واقع ہوا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكُ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٥١﴾

”اے ایمان والو! نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کفر اختیار کیا اور وہ کہتے تھے: اپنے بھائیوں کو جسے جب وہ سفر کرتے کسی علاقہ میں سے یا ہوتے تھے جہاد کرنے والے تھے کہ اگر وہ ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ بنائے اللہ تعالیٰ کے اس (خیال باطل) کو اسے حسرت (کا باعث) ان کے دلوں میں اور (درحقیقت) اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے!“

۱۔ الذین کفروا سے مراد عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں کیونکہ جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں شمار ہوتا ہے (۲) ابوداؤد نے حضرت ابن عمر سے مرفوع روایت ذکر کی ہے اور ظہرانی نے حضرت حذیفہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے، خصوصاً جب مشابہت کفر کو ثابت کرتی ہو جس طرح کے معاملہ میں ہم اس وقت موجود ہیں کیونکہ یہ قول تقدیر کا انکار ہے جبکہ تقدیر کا انکار کفر ہے۔

۲۔ قالوا کا صیغہ اگرچہ ماضی کا ہے، تاہم معنی مستقبل کا دے رہا ہے کیونکہ اس کی ظرف کے طور پر اذا کا ذکر ہے، نہ کہ اذا کا اور اذا کا لفظ مستقبل کے لئے ہوتا ہے، اگرچہ ماضی پر ہی داخل ہو۔ یہاں ماضی کا صیغہ اس لئے ذکر کیا تا کہ اس کے تحقق پر دلالت کرے جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے: إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ

۳۔ بھائیوں سے یہ کہا یہ ان کے نسبی بھائی ہیں یا نفاق کی وجہ سے بھائی بند تھے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اس کا معنی وہ نہیں جو اوپر کیا گیا بلکہ اس کا معنی یہ ہے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا یا ان کے بارے میں کہا کیونکہ رب العالمین کا ارشاد لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان کے مخاطب نہ تھے بلکہ مخاطب اور لوگ تھے اور بات دوسروں کے متعلق کی جارہی تھی۔ تاہم یہ بھی جائز ہے کہ یہ قول ان کے بھائیوں کے لئے ہو۔ پھر اس کی صورت یہ ہوگی کہ ان میں سے کچھ حاضر تھے اور لوگ ان میں جو ضمیر ان کی طرف لوٹ رہی ہے وہ ان میں سے بعض مقتولوں یا مرے ہوئے افراد کے بارے میں ہو اور فعل بعض کا ہو اور نسبت تمام کی طرف کر دی جائے۔ یہ استعمال عام ہے اور مخاطبین میں اخوت کی تفسیر نفاق کے باعث کرنا درست ہے، کسی اور وجہ سے کرنا درست نہیں کیونکہ وہ لوگ جو جہاد پر گئے تھے ان کی اکثریت منافق نہ تھی۔

۴۔ یعنی زمین میں گئے اور تجارت یا کسی اور دوسری غرض کے لئے دور ہو گئے۔ اِذَا قَالُوا کے متعلق ہے۔ اس زمانہ سے مراد ایک طویل زمانہ ہو گا جس میں ضرب، موت اور یہ قول واقع ہوا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا مناسب تو یہ تھا کہ اذا کی بجائے اذ ہوتا کیونکہ فعل قالوا ہے (۱) لیکن حال ماضی کی حکایت کے لئے اِذَا قَالُوا ذکر فرمایا۔

اعترض: اگر یہ کہا جائے کہ فعل ماضی کا صیغہ جب اذا (جو زمانہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے) کے ساتھ استعمال ہو تو حال کا معنی نہیں دیتا تو یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ کو موجودہ زمانہ تصور کرتے ہوئے حال ماضیہ کی حکایت بیان کی جائے یا تو یہ فرض کرے کہ وہ زمانہ ماضی میں یوں متکلم ہے۔

زیادہ مناسب بات وہ ہے جو ہم نے کہی یہاں قالوا استقبال کا معنی دے رہا ہے۔

۵۔ غزی غازی کی جمع ہے جس طرح غازی کی جمع غزی آتی ہے، یعنی وہ مسافر ہوں یا غازی وہ فوت ہوں یا قتل کئے جائیں۔

۶۔ یہ قالوا کا مقولہ ہے۔ وہ تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ بات کہی قدر یہ فرقہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔

۷۔ لام عاقبت کا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِيَكُونَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

۸۔ یعنی وہ اعتقاد جس پر یہ قول دلالت کرتا ہے۔

۹۔ لِيَجْعَلَ یا تو قالوا کے متعلق ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا ان کے قول اور اس اعتقاد کا نتیجہ حسرت ہوگا، یا یہ لَانْكَوْنُوا کے متعلق ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ تم ایسا قول کرنے اور اعتقاد میں ان کی مثل نہ ہو جاؤ۔ ذلک کا مشار الیہ وہ چیز ہوگی جس پر نہی دلالت کرتی ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ تم ان کی مثل نہ ہو جاؤ تا کہ تمہارے ان جیسا نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسرت بنا دے کیونکہ تمہارا ان کی مخالفت کرنا انہیں غم میں مبتلا کرتا ہے۔

۱۰۔ موت و حیات میں سفر اور جہاد یا ان کی اضداد کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ بعض اوقات مقیم جو گھر میں بیٹھا ہوتا ہے وہ مرجاتا ہے اور مسافر غازی زندہ و سلامت رہتا ہے۔

۱۔ جب خطاب کا صیغہ پڑھا جائے تو مومنوں کو منافقوں کی مماثلت اختیار کرنے پر دھمکی ہوگی ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے اسے بھلموں پڑھا ہے اس صورت میں یہ کفار کے لئے وعید ہوگی۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا  
يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾

”اور واقعی اگر تم قتل کئے جاؤ یا تمہیں یا تمہیں مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت (جو تمہیں نصیب ہوگی) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“

۱۔ یعنی اس کے راستہ میں تمہیں موت آئے۔ نافع، حمزہ اور کسائی نے جہاں بھی یہ لفظ واقع ہوا میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ مات یمات بروزن مخاف بخاف پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابو عمر و ابن عامر اور ابو بکر نے جہاں بھی یہ فعل واقع ہوا ضمه کیساتھ پڑھا ہے یہ مات یموت بروزن قال بقول پڑھا ہے۔ حفص نے یہاں دونوں حرفوں میں خاص طور پر ضمه کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی میں کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

۲۔ حفص نے بجمعون پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط کے قائم مقام ہے۔ مراد یہ ہوگی کہ سفر اور جہاد موت میں موثر نہیں اور ان کی ضد زندگی میں کوئی تاثیر نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت عطا کرتا ہے۔ اگر عام قانون کے مطابق انہیں موت میں تاثیر ہو بھی تو موت پر اللہ تعالیٰ کی جو رحمت اور مغفرت مرتب ہوتی ہے، وہ اس سے بہت بہتر ہے جو حیات کی صورت میں وہ دنیا اور اس کے منافع جمع کرتے ہیں۔ اس لئے تمہیں اس خیر کو طلب کرنا چاہئے اور دنیاوی چیزوں میں سے جو فوت ہوگی ہیں ان پر کوئی حسرت نہیں کرنی چاہیے۔

وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

”اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ کے حضور جمع کئے جاؤ گے۔“

۱۔ یعنی تم کسی صورت میں بھی مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے، کسی غیر کی طرف نہیں لوٹنا۔ اس لئے تم پر یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انس اور اس کی محبت کے حصول کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرو تا کہ تمہیں اپنے محبوب تک رسائی حاصل ہو اور فراق کی قید سے تمہیں چھٹکارہ ملے۔

فِيمَا رَحِمَهُ مِّنَ اللَّهِ لَئِنْ لَمْ يَأْتِ الْوَيْلَ لَكَ بِشَيْءٍ مِّنْهُ لَتَرَى اللَّهَ فِي حُكْمِهِ  
حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ  
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾

”پس (صرف) اللہ کی رحمت سے لے آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لئے ۲۔ اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے ۳۔ تو آپ درگزر فرمائیے ان سے ۴۔ بخشش طلب کیجئے ان کے لئے اور صلاح مشورہ کیجئے ھ ان سے اس کام میں ۵۔ اور جب آپ ارادہ کر لیں (کسی بات کا) تو پھر توکل کرو اللہ پر بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے ۶۔“

۱۔ جار مجرور کو حصر کے لئے مقدم کیا۔ مازاندہ تاکید کے لئے اور حصر میں اضافہ کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ رحمت آپ پر اور آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۲۔ ہم ضمیر سے مراد مومنین ہیں آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور قلبی وجدان کی وجہ سے ان کے لئے نرم ہو گئے۔ انہوں نے اگرچہ آپ کی مخالفت کی تھی لیکن اسکے باوجود آپ ان کے لئے غمگین ہوئے۔ پھر اس بات کی وضاحت فرمائی کہ یہ نرمی رحمت ہے۔

۳۔ اگر آپ بد اخلاق اور خشک مزاج ہوتے دل کے سخت ہوتے وہ ضرور بکھر جاتے۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سکون حاصل نہ کرتے۔ تو پھر اسلام کے پندہ کو اپنی گردن سے اتار پھینکتے، جنت کے مستحق نہ رہتے اور قبیحین کے کم ہونے سے آپ کا اجر بھی کم ہو جاتا۔

۴۔ جو آپ کا حق ہے اس کو معاف کر دو۔

۵۔ جو حقوق اللہ انہوں نے پامال کئے ہیں ان کے بارے میں بخشش طلب کیجیے۔

۶۔ جنگ اور دوسرے معاملات میں ان سے مشورہ لیجیے ایسے امور میں جو مشورہ سے متعلق ہوں اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہ ہو۔ یہ مشورہ ان کی رائے لینے اور ان کو خوش کرنے اور امت کے لئے مشورہ کی سنت کو ثابت کرنے کے لئے ہو۔ امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مشورہ لینے والا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (۱)

۷۔ جب آپ مشورہ کے بعد کسی کام کا عزم کر لیں تو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں اور اسی پر بھروسہ کریں یہ حضور ﷺ کی شان تھی۔ اسی وجہ سے غزوہ احد کے لئے نکل کھڑے ہوئے فرمایا نبی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنی زرہ پہن لے اور جنگ سے پہلے اتار دے، یعنی مشورہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنی رائے یا مشورہ دینے والوں کی رائے پر بھروسہ نہ کر کیونکہ مشاورت کا مقصود ان کے پاس موجود علم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہترین رائے کا حصول ہوتا ہے کیونکہ عام قاعدہ یہی ہے کہ باہم افکار کے ملنے سے بہترین رائے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس واقعہ میں جو امر غیب ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، کوئی اور نہیں جانتا۔ بعض اوقات انسانی عقول نظر و فکر میں غلطیاں بھی کر جاتے ہیں۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ عام قاعدہ سے ہٹ کر بھی فعل صادر فرماتا ہے۔ اس وجہ سے آراء پر بھروسہ کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

توکل کا مفہوم یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے اور اس سے اس بات کا طالب ہو کہ اس کے عمل کے نتیجے کو اچھا کرے اور اس میں حسن ظن رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ توکل کا یہ معنی ہے کہ اپنے رزق کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ یہ قول اللہ کی پناہ لینے کو لازم کرتا ہے اور معصیت میں کوئی پناہ کا تصور نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کو مددگار نہ بنائے اور اپنے رزق کے لئے کسی اور کو خازن نہ جانے اور اپنے لئے کسی اور کو شاہد نہ جانے۔ میں کہتا ہوں ان امور کے بغیر پناہ کے لئے اسی کو خاص کرنا اور اسی سے پناہ کو طلب کرنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ وہ کون ہوں گے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو داغ نہیں لگواتے، شرکانہ منتر نہیں پڑھواتے، بد قالی نہیں پکڑتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں (۲) متفق علیہ۔ امام بغوی نے عمران بن حصین سے اسی طرح نقل کیا ہے حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرتے جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اسی طرح رزق دیتا جس



طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ وہ صبح بھوکے پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس لوٹتے ہیں (۱) اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابن عباس کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسباب عادیہ سے فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا جائے جس طرح داغ لگوانا اور جھاڑ پھونک کر دانا۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب پر بھروسہ کرنا ترک کر دیا جائے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ مشورہ طلب کرنا بھی تو اسباب سے فائدہ اٹھانے کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشورہ طلب کرنے کا حکم ارشاد فرمایا پھر اس پر بھروسہ کرنے سے منع کر دیا اور حضور ﷺ کا فرمان وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ بِه لَا يَكْتُونُونَ وَلَا يَسْتَرْفُونَ کی تفسیر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ درمیان میں حرف عطف موجود ہے جو مغائرت پر دلالت کرتا ہے۔ شانہ ستر ہزار افراد عموماً اسباب سے فائدہ نہ اٹھاتے ہوں گے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے بعض ناپسندیدہ اسباب کو چھوڑنا کیونکہ اسباب سے فائدہ اٹھانا، یہ اس زندگی کا لازمی حصہ ہے کیونکہ کھانا پینا بھی تو اس زندگی کے اسباب عادیہ ہیں اور نماز روزہ کی ادائیگی عموماً جنت میں داخل ہونے کے اسباب ہیں جبکہ ان کا بجالانا فرض ہے۔

۱۔ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور یہی سب سے بلند مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل انسان کو اس مقام کی طرف لے جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور صلاح کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ اس کیلئے کافی ہوتا ہے۔ حدیث قدسی ہے میرا بندہ میرے بارے میں جو گمان رکھتا ہے میں اس کے ساتھ اسی کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ (2)

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُمْ مِنْ

بَعْدِي ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾

”اگر مدد فرمائے تمہاری اللہ تعالیٰ تو کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر۔ اور اگر وہ (ساتھ) چھوڑ دے تمہارا تو کون ہے جو مدد کرے گا تمہاری۔ اس کے بعد۔ اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو۔“

۱۔ کیونکہ یہ امر محال ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ مدد کرے وہ مغلوب ہو کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے جبکہ وہ اس سے پاک ہے۔

۲۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنی مدد تم سے روک لے تو تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ تمام مخلوقات کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ مدد روک لے تو کسی سے مدد کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ یعنی اس کی مدد کے چھوڑنے کے بعد یا اس کا معنی یہ ہے جب تم مدد طلب کرنے میں اللہ تعالیٰ سے تجاوز کر چکے ہو تو کسی غیر سے مدد کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ جب امر کے صیغہ کے ساتھ دلیل نقلی سے توکل کا وجوب ثابت ہو گیا تو یہ آیت کریمہ دلیل عقلی کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر توکل کے وجوب کو ثابت کر رہی ہے۔

۴۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر مومنوں کو توکل کرنا چاہئے کیونکہ وہ جانتے بھی ہیں اور ان کا ایمان بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُغْلُ ۖ وَمَنْ يُغْلِلْ يَأْتِ بِمَاعَدَلٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٣١﴾

”اور نہیں ہے کسی نبی کی یہ شان کہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا تو لے آئے گا (اپنے ہمراہ) خیانت کی ہوئی چیز کو

قیامت کے دن ۲۔ پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا ۳۔ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ۴۔“

۱۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور عاصم نے یاء کے فتح اور غین کے ضمہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی یاء پر پیش اور غین پر زبر پڑھی ہے۔ غلول کا معنی غنیمت میں خیانت کرنا ہے۔ پہلی قرأت کے مطابق محمد بن اسحاق نے کہا وحی میں خیانت کرنا مراد ہے۔ پھر اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ کسی رغبت، خوف یا بزدلی کی وجہ سے وحی چھپائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قوی لوگوں نے حضور ﷺ نے مال غنیمت کے بارے میں اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُغْلِلْ کہ ایک قوم کو دے اور دوسری کو محروم کرے بلکہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ان میں برابر طور پر تقسیم کرے۔ ابو داؤد، ترمذی نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ یہ آیت ایک سرخ دھاری داری کھل کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ بدر میں گم ہو گیا تھا۔ بعض نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ نبی کے لئے مال غنیمت میں سے لینا حلال نہیں کیونکہ یہ خیانت ہے (۱) کلبی اور مقاتل نے کہا یہ آیت مال غنیمت کے بارے میں نازل ہوئی جب تیر اندازوں نے مال غنیمت کی خاطر اپنی جگہ چھوڑی تھی، انہوں نے کہا ہمیں خوف لاحق ہوا کہ کہیں حضور ﷺ یہ نہ فرمادیں کہ جس نے جو مال چھینا ہے وہ اسی کا ہوگا اور اسے تقسیم کرنے کا حکم نہ دیں جس طرح آپ نے غزوہ بدر میں تقسیم کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ پس وہ مال غنیمت سمیٹنے لگے نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا کیا میں نے تم سے پختہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم اپنے مرکز کو نہیں چھوڑو گے، یہاں تک کہ میری طرف سے تمہیں کوئی حکم پہنچے۔ انہوں نے عرض کی ہم باقی بھائیوں کو وہاں چھوڑ آئے تھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا بلکہ تم نے یہ گمان کیا کہ ہم مال غنیمت میں خیانت کریں گے اور اسے تقسیم نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔ (۲) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ابن جریر نے ضحاک سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا دستہ دشمنوں کی اطلاع کے لئے بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت حاصل ہوا۔ آپ کے ساتھ جو لوگ تھے۔ آپ نے انہیں مال غنیمت عطا کیا اور اس دستے کو کچھ عطا نہ فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں بعض مستحق لوگوں کو مال غنیمت سے محروم رکھنے پر بطور تغلیظ اور مبالغہ کے غلول کہا۔

دوسری قرأت کی صورت میں اس کی دو صورتیں ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ نبی کی شان نہیں کہ اس کی نسبت غلول کی طرف کی جائے اس صورت میں دونوں قرأتوں کا مرجع ایک ہی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا معنی یہ کیا جائے نبی کے ساتھ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس کی امت اس کے ساتھ خیانت کرے۔ قتادہ نے کہا ہمارے سامنے ذکر کیا گیا۔ ایک طائفہ نے حضور ﷺ سے خیانت کی ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طبرانی نے کبیر میں ثقہ راویوں کیساتھ حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، وہ ناکام لوٹا۔ پھر آپ نے لشکر بھیجا تو بہرن کے سر کے برابر سونے میں خیانت کی وجہ سے وہ ناکام لوٹا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (۳)

۲۔ کلبی نے کہا جہنم میں اس چیز کی صورت میں کوئی چیز ہوگی۔ اس سے کہا جائے گا نیچے اترو اور اسے اٹھا لو۔ وہ نیچے اترے گا اور اسے اپنی

پشت پراٹھا لے گا۔ جب اپنی جگہ پہنچے گا تو جہنم میں گر پڑے گا۔ پھر اسے مجبور کیا جائے گا۔ وہ نیچی اترے، اسے نکالے وہ اسی طرح کرے گا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ خیبر کے موقع پر نکلے۔ حضور ﷺ کو اس موقع پر سونا، چاندی نہیں ملا تھا بلکہ جانور کپڑے اور اور دوسرا سامان تھا۔ رسول اللہ ﷺ وادی قری کی طرف تشریف لے گئے۔ رفاعہ بن زید نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سیاہ غلام پیش کیا جسے مدعم کہتے۔ ہم چلے یہاں تک کہ ہم وادی قری پہنچے جب مدعم رسول اللہ ﷺ کا ہودج اتار رہا تھا ایک مبہم تیر آیا جو مدعم کو لگا اور اسے قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا اسے جنت کی بشارت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ چھوٹی چادر جو اس نے مال غنیمت سے لی، جو اس کے حصہ کے میں نہیں آئی تھی وہ آگ کی صورت میں اس پر بھڑکتی رہے گی۔ جب لوگوں نے یہ فرمان سنا تو ایک آدمی ایک یادو تھے لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک یادو تھے جہنم میں سے ہیں۔ (1)

صحیحین میں انہیں سے ایک روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک غلام ہدیہ کے طور پر پیش کیا جسے مدعم کہتے ہیں۔ باقی ماندہ حدیث اسی طرح ہے۔ یزید بن خالد سے روایت ہے کہ ایک آدمی خیبر کی جنگ میں فوت ہو گیا صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں ذکر کیا یزید کو گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ساتھی پر نماز جنازہ پڑھ لو۔ یہ بات سن کر لوگوں کے چہرے بدل گئے یزید نے گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیانت کی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے اس کا سامان کھولا تو ہم نے یہودیوں کے کچھ منکے دیکھے جن کی قیمت دو درہم کے برابر ہوگی (2) اسے امام مالک، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابو حمید ساعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ازدی شخص کو صدقات پر عامل بنایا جسے ابن لہیعہ کہتے۔ جب وہ صدقات وصول کر کے واپس آیا تو عرض کی یہ مال آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے تحفہ کے طور پر ملا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کی۔ پھر فرمایا میں تم میں سے کسی ایک کو ان معاملات میں والی بنانا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کئے ہیں۔ وہ میرے پاس واپس آتا ہے اور کہتا ہے یہ آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے بطور تحفہ پیش کیا گیا۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اس کے پاس ہدایا آتے۔ قسم بخدا تم میں سے جو بھی ناحق مال لے گا وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس چیز کو اٹھائے ہوئے ہوگا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بلبلا تے اونٹ، ذکارتی گائے یا منمناتی گائے کو اٹھائے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ملے گا (3) متفق علیہ۔ ایک اور روایت میں ہے آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے، فرمایا اے اللہ کیا میں نے پیغام حق پہنچا دیا، اے اللہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔

عدی بن عمیرہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا جس کو ہم کوئی ذمہ داری سونپتے ہیں وہ ہم سے دھاگہ یا اس سے بڑی چیز چھپائے وہ خیانت ہوگی اور وہ قیامت کے روز اس کے ساتھ آئے گا (4) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے آپ نے خیانت کو بڑا جرم بتایا اور فرمایا میں تمہیں قیامت کے روز اس حال میں نہ ملوں کہ تم اپنی گردن پر بلبلا تے اونٹ اٹھائے ہوئے ہو، پھر عرض کرو یا رسول اللہ ﷺ میری مدد فرماؤ۔ میں جواباً یہ کہوں میں تمہیں اللہ سے چھٹکارہ دلانے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تحقیق میں نے تجھے پیغام پہنچا دیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہو اس کی

2- سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 278 (وزارت تعلیم)

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 369 (التجاریہ)

4- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 124 (قدیمی)

3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 2، صفحہ 123 (قدیمی)



اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔<sup>۱</sup>

۱ یعنی جنہوں نے طاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا چاہا وہ مہاجرین و انصار ہیں۔ اس آدمی کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمانی اور خیانت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق بن گیا۔ وہ منافق اور بعض فاسق ہیں۔

هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝۳۳

”لوگ ۱ درجہ بدرجہ ہیں ۲ اللہ کے ہاں ۳ اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں ۴۔“

۱ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہی اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مستحق بنے سب مراد ہیں۔

۲ ثواب و عتاب میں جو تفاوت ہے۔ اسے درجات سے تشبیہ دی۔ معنی اس کا یہ ہے کہ وہ مختلف درجات والے ہیں۔

۳ بعض مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں بعض مومنوں سے زیادہ قریب ہیں اور بعض کفار بعض کفار کی نسبت جہنم کے نیچے والے درجے میں ہیں۔

۴ ان کے اعمال سے واقف ہے وہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا دیگا۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ

يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝۳۴

”یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے ۱ پڑھتا ہے ان پر اللہ کی

آیتیں ۲ اور پاک کرتا ہے انہیں ۳ اور سکھاتا ہے انہیں قرآن ۴ اور سنت ۵ اگرچہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی

میں تھے ۶۔“

۱ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں مومنین سے مراد قریش کے مومنین ہیں، اگرچہ نعمت بعثت عام ہے اور تمام مومنین کے بعد پھر بھی قوم کے

مومنین کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے زیادہ کمایا اور آپ کی وجہ سے زیادہ فضیلت کے مستحق ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا لوگ قریش کی اتباع کرنے والے ہیں مومن ان کے مومنین کی اتباع کرنے والے ہیں اور کافران کے کافروں کی اتباع کرنے

والے ہیں، متفق علیہ (۱)۔ حضور ﷺ نے فرمایا خلافت قریش میں ہی رہے گی، اگرچہ اس میں سے دو فرد ہی باقی ہوں متفق علیہ (۲)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں مومنین سے مراد عرب کے مومن ہیں کیونکہ بنی تغلب کے علاوہ ہر قبیلہ کا قریش کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبی

تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ اس میں من انفسہم سے مراد من جنسہم ہے، یعنی ان کی

جنس سے بنایا تاکہ آسانی سے اس کا کلام سن سکیں صدق و امانت میں اس کے حال سے واقف ہوں اور آپ پر فخر کریں۔

حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے بغض نہ رکھو کہ تو دین کو ہی چھوڑ جائے۔ میں نے عرض کی یا رسول

اللہ ﷺ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے بغض رکھوں جبکہ آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا تو

عربوں سے بغض رکھے گا تو گویا مجھ سے بغض رکھے گا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ (۳)

ایک قول یہ کیا گیا ہے یہاں مومنین سے مراد تمام مومن ہیں، جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ

أَنفُسِكُمْ یعنی انسانوں میں سے رسول آیا ہے، فرشتوں میں سے رسول نہیں آیا تاکہ کمال مناسبت کی وجہ سے تاثیر اور اثر ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ

کا فرمان ہے: قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مُشْرِكُونَ مَطَهَّرِينَ لَنَزَلْنَا عَلَيْهِمُ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا تَرُسُولًا اگر زمین میں فرشتے ہوتے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے۔

یعنی قرآن کی تلاوت فرماتے ہیں جبکہ یہ لوگ جاہل تھے۔

۳۔ اور فاسد عقائد، غیر اللہ میں مشغول ہونے سے ان کے دلوں کو برے اخلاق سے ان کے نفوس کو، نجاستوں، خباثوں اور برے اعمال سے ان کے بدنوں کو پاک فرماتا ہے۔

۴۔ کتاب سے مراد وہ علوم ہیں جو کتاب سے مستنبط ہوں یا وہ چیز جو صحیفوں میں لکھے جانے کے قابل ہو۔

۵۔ حق اور مستحکم علوم جنہیں حکیم حکمت سے حاصل کرتا ہے جس میں کتاب اور بیان کا واسطہ نہیں ہوتا۔

۶۔ یہ ان مشغلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان ہے، یعنی آپ کی بعثت سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔

أَوْلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۵﴾

”کیا جب پہنچی تمہیں کچھ مصیبت ہے حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دشمن کو) اس سے دگنی ہے تو تم کہہ اٹھے کہ کہاں سے آ پڑی یہ

مصیبت ہے فرمائیے یہ تمہاری طرف سے ہی آئی ہے ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ہے“

۱۔ یعنی احد کے روز ستر افراد شہید ہوئے اور شکست کا سامنا کرنا پڑا

۲۔ بدر کے روز تم نے کفار کو پہنچائی۔ اس کی دو مثل امام احمد، شیخین اور نسائی نے براء سے روایت نقل کی ہے کہ یوم احد کو مشرکین نے ہمارے ستر

آدمی شہید کر دیئے جب کہ یوم بدر کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ستر آدمیوں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنایا (۱) میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

نے اسیر کو قتل کی مثل قرار دیا ہے کیونکہ مسلمان نہیں قتل کرنے پر قادر تھے۔ ان کا قتل کیا جانا یہ اللہ تعالیٰ کو پسند تھا۔ ان کو قتل نہ کرنا یہ مومنوں کی

اپنی پسند تھی کہ انہوں نے قیدیوں کے عوض فدیہ وصول کیا طرف یعنی لمایہ قلم کے متعلق ہے۔

۳۔ تم نے تعجب کرتے ہوئے کہا یہ شکست اور قتل ہونا ہمارے اوپر کیسے واقع ہوا جبکہ ہم مسلمان بھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی ہم میں تشریف

فرما ہیں۔ ہمزہ اس قول کے انکار اور اس سے منع کرنے کیلئے ہے۔ یہ جملہ احد کے قصہ پر معطوف ہے، یا تو لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ يَا اسْتَرْ لِهْمُ

الشَّيْطَانُ پر معطوف ہوگا یا یہ لَقَدْ هَمَّتْ اللَّهُ پر ہوگا پھر معنی یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کا وجود تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور تم ارادہ کر رہے ہو کہ اس

کی طرف مصیبت کو منسوب کرو اور اس مصیبت کا سبب آپ کی ذات کو قرار دو، یا کلام محذوف پر اس کا عطف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِنَّمَا

وَعَدْتُمْ النَّصْرَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے صبر اور تقویٰ کی شرط پر تم سے مدد کا وعدہ کیا تھا جبکہ تم نے صبر نہ کیا اور جب تمہیں مصیبت پہنچی تو تم نے یہ

بات کہی یا کلام محذوف کی تقدیر یوں ہوگی اِنَّمَا نَعْتَمُ، یعنی کیا تم نے جھگڑا کیا، رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی، تم نے بزدلی اختیار کی اور جب

تمہیں مصیبت پہنچی تو تم نے یہ بات کہی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ قول محذوف پر معطوف ہو یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ ان کا قول ایک نہ تھا۔ اس صورت

ت میں تقدیر کلام یہ ہوگی کیا تم نے کئی قسم کی باتیں کی ہیں جو مناسب نہ تھیں اور جب تمہیں مصیبت پہنچی تم نے کہا یہ کیسے مصیبت آ گئی۔

۴۔ اے محمد ﷺ فرمادیجیے تم نے مرکز کو چھوڑ کر جس گناہ کا ارتکاب کیا اس وجہ سے مصیبت آئی ہے کیونکہ وہ وعدہ تو صبر و تقویٰ کے ساتھ

مشروط تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے تم نے خود بدر کے قیدیوں کے عوض فدیہ قبول کیا تھا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے مسلمانوں کو یوم احد کی سزا اس عمل کی وجہ سے دی گئی جو انہوں نے یوم بدر کو فدیہ لیا تھا۔ مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بھاگ گئے۔ آپ کے چار دانت ٹوٹ گئے اور خود ٹوٹ کر سر مبارک میں پیوست ہو گیا۔ چہرہ انور پر خون بہہ گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: **أَوْلَمَّا أَصَابَتْكُمْ آيَةٌ**۔ امام بغوی نے کہا عبیدہ سلمانی نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا ہے جبرئیل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیغام دیا کہ آپ کی قوم نے جو فدیہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسند کیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ انہیں اختیار ہے کہ یہ آگے بڑھیں اور قیدیوں کی گردنیں اڑادیں یا ان کے بدلے میں فدیہ لے لیں لیکن اس میں شرط یہ ہوگی کہ انہیں کی مثل مسلمانوں کے افراد شہید ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کے بارے میں صحابہ سے ذکر کیا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں اور ہمارے بھائی ہیں ہم ان سے فدیہ لیں گے جس کے ذریعے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے پر قوی ہو جائیں گے اور ہم میں سے ان کی تعداد کی مثل افراد شہادت کا مرتبہ پائیں گے تو غزوہ احد میں غزوہ بدر کے ستر قیدیوں کے عوض میں ستر آدمی شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان **مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ** کا یہ مفہوم ہے۔ (1)

سعید بن منصور نے ابو حمزہ سے ایک مرسل روایت ذکر کی ہے کہ غزوہ احد کو چار مہاجر اور باقی سب انصار میں سے شہید ہوئے تھے۔ مہاجرین میں سے حضرت حمزہ، مصعب بن عمیر، عبد اللہ بن حبش اور شماس بن عثمان، تھے۔ ابن حبان اور حاکم نے ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ غزوہ احد میں چونسٹھ انصار اور چھ مہاجرین شہید ہوئے۔ حافظ نے کہا چار وہی مذکور اور پانچواں حاطب بن ابی بلتعہ کا غلام اور چھنا ثقیف بن عمرو سلمی۔ امام بخاری نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ میں عرب کے کسی قبیلہ کو نہیں جانتا جس کے انصار کی نسبت زیادہ آدمی شہید ہوئے ہوں (2) یوں احد کو ستر بیر معونہ میں ستر اور جنگ یمامہ میں ستر حافظ (3) محبت طبری نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ احد کے شہداء کی کل تعداد 75 تھی جن میں 71 انصار اور چار مہاجرین میں سے تھے۔ امام شافعی سے یہ قول مروی ہے کہ وہ 72 تھے اور عیون میں شہداء احد کے نام بالترتیب درج ہیں ان کی تعداد چھیا نوے ہے۔ مہاجرین میں سے گیارہ اوس میں سے اڑتیس خزرج میں سے ستالیس اور عیون میں دمیاطی کے حوالے سے کل تعداد ایک سو چار یا پانچ ہے جبکہ قرآن حکیم کے الفاظ ستر پر ولالت کرتے ہیں۔

یہاں شی سے مراد دشمنی اور دوسری چیزیں ہیں۔

**وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقِي الْجَمْعِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣١﴾**

”اور وہ مصیبت جو پہنچی تھی تمہیں اس روز جب مقابلہ کو لکھے تھے دونوں لشکر تو وہ اللہ کے حکم سے پہنچی تھی لے اور (مقصد یہ تھا

کہ) دیکھ لے اللہ تعالیٰ مومنوں کو ۲۔“

۱۔ **مَا أَصَابَكُمْ** سے مراد مصیبت ہے۔ لشکروں کے ملنے سے مراد غزوہ احد میں مسلمانوں اور مشرکوں کے لشکروں کا برسر پیکار ہونا ہے  
۲۔ **إِذْنِ اللَّهِ** سے مراد قضاء و قدر ہے۔ قضاء و قدر کو اذن اس لئے کہا کیونکہ یہ امر تکوینی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے  
۳۔ **عَمْرَاضٍ** جائز امر تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتے ہیں لیکن جو جائز نہیں ہوتے اس کی اجازت سے نہیں ہوتے۔ پھر انہیں باذن اللہ سے کیوں تعبیر کیا۔

جواب: غیر مشروع امور میں سے جو محال ہیں وہ وہ ہیں جو امر تکلفی ہیں، یعنی جن کا انسان کو مکلف بنایا جاتا ہے جبکہ یہ امر تکوینی سے تعلق رکھتا ہے۔

۳ تاکہ خالص مومنوں کو جان لے اور مصلحتوں کو جان لے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا  
قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكَفَرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ  
يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٤٥﴾

”اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے ۱۴۵ اور کہا گیا ان سے ۱۴۵ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) ۱۴۵ بولے ۱۴۵ اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے ۱۴۵ وہ کفر سے اس روز زیادہ قریب تھے نسبت ایمان کے ۱۴۵ کہتے ہیں

اپنے منہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں ان کے دلوں میں ۱۴۵ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں ۱۴۵“

۱۴۵ یعنی لوگوں کے ہاں ممتاز ہو جائیں، لوگ ان کے ایمان اور ان کے کفر کو جان لیں۔

۱۴۵ ہم ضمیر سے مراد منافق ہیں۔ اس کا عطف نفاق پر ہے یا یہ نئی کلام ہے۔

۱۴۵ یہ قول کا مقولہ ہے اگر تم طاقت رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو یا مسلمانوں کا دفاع کرو کہ تمہارے ٹھہرنے سے ان کی تعداد زیادہ ہو

جائے گی یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ جہاد کرو اگر تم سچے مومن ہو یا دشمنوں سے اپنی اولادوں کا ہی دفاع کرو۔

۱۴۵ یعنی منافقین نے کہا یہ اس وقت بات ہوئی جب عبد اللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ احد سے واپس آیا ان کی تعداد تین سو تھی۔

۱۴۵ اگر ہم اس ٹکراؤ کو قتال جانتے تو ہم ضرور تمہاری اتباع کرتے۔ یہ جنگ نہیں بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر

تم حق پر ہوتے اور ہم اسے اللہ کی راہ میں جہاد خیال کرتے تو تمہارا ضرور ساتھ دیتے یا اس کا معنی یہ ہے اگر ہم اچھی طرح جنگ کرنا جانتے تو

ضرور تمہارا ساتھ دیتے انہوں نے یہ بات بطور استہزاء کی۔

۱۴۵ اس سے مراد منافق ہیں یہاں لام الی کے معنی میں ہے، یعنی منافق ایمان اور کفر کے درمیان متردد ہوتے ہیں جس طرح ایک بکری جو زکری

خواہشمند ہو اور ریوڑوں میں بھاگتی پھرتی ہے۔ اگر اسلام میں خیر دیکھتے ہیں تو اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی آزمائش پہنچتی ہے تو کفر کی

طرف پلٹ جاتے ہیں۔ جب احد کا دن آزمائش کا دن تھا تو وہ کفر کے زیادہ قریب ہو گئے تھے کیونکہ یہ وہ پہلا دن تھا جس دن ان کا کفر اور

نفاق ظاہر ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ مدد کرنے میں اس روز مومنوں کی نسبت کافروں کے قریب تھے کیونکہ ان کا الگ ہونا مشرکوں کے

لئے تقویت کا باعث تھا اور مومنوں کے لئے کمزوری کا باعث تھا۔

۱۴۵ وہ اپنی زبانوں سے اسلام ظاہر کرتے ہیں۔ قول کو منہ کی طرف مضاف کرنا ان کے اعتقاد کی نفی اور ان کی حقارت بیان کرنے کے لئے ہے

یعنی سوائے زبانی بات کے ان کا ایمان نہیں ہے یہ جملہ ان کے پورے حال کا بیان ہے، صرف اس دن کی حالت کی وضاحت نہیں کر رہا۔ اس

لئے حرف عطف ذکر نہیں کیا۔

۱۴۵ یعنی جو تم نفاق چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔

الَّذِينَ قَالُوا لِلْإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قَاتَلُوا قُلْ فَادْرَأُوْا عَنَّا



## أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣١﴾

”جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں کہ حالانکہ وہ خود (گھر) بیٹھے تھے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے

جاتے کہ آپ فرمائیے ذرا دور تو کر دکھاؤ اپنے آپ سے موت کو اگر تم سچے ہو۔“

(1) الَّذِينَ اسام موصول بکتمون میں ضمیر مرفوع سے بدل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے یا مذمت کے طور پر محل نصب میں ہے یا اللذین

نافقوا کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا بافواہم یا قلوبہم کی ضمیر سے بدل ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے۔ جو ان کے نسبی

بھائی تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے ان کے بارے میں کہا۔

کہ جبکہ یہ کہنے والے گھروں میں بیٹھے رہے۔ یہ کلام قد کی تقدیر کے ساتھ حال بن رہا ہے، یعنی انہوں نے یہ بات اس حال میں کہی جبکہ خود

گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔

کہ اگر وہ بیٹھے رہنے میں ہماری اطاعت کرتے وہ بھی قتل نہ کیے جاتے جس طرح ہم قتل نہیں کئے گئے ہشام نے اسے ماقتلو تشدید کے

ساتھ پڑھا ہے یہ کثرت کا معنی دے گا۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح متن میں ہے۔

کہ اے محمد ﷺ انہیں فرمادیں اگر احتیاط تقدیر کو روک سکتی ہے تو تم موت سے اپنا دفاع کر لو۔

امام ترمذی ابن ماجہ ابن خزیمہ اور امام بغوی نے حضرت جابر سے روایت کیا، امام ترمذی نے اسے حسن اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا، کہا رسول

اللہ ﷺ مجھے ملے، فرمایا اے جابر کیا وجہ ہے؟ میں تجھے پریشان دیکھتا ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے والد غزوہ احد میں

شہید ہو گئے جبکہ وہ آل اولاد اور قرض چھوڑ گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت جابر سے ارشاد فرمایا کیا میں تجھے اس امر کی خوشخبری نہ دوں جس

کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تیرے والد سے ملاقات کی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس سے

بھی ملاقات کی پردے کے پیچھے سے ملاقات کی جبکہ تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے بالمشافہ ملاقات فرمائی۔ فرمایا اے میرے بندے دعا

کر مجھ پر لازم ہے کہ میں تجھے عطا کروں۔ تیرے والد نے عرض کی اے میرے رب مجھے دوبارہ زندگی عطا کرنا کہ تیری راہ میں دوبارہ شہید کیا

جاؤں رب العالمین نے ارشاد فرمایا میری طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ جنتی دوبارہ دنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے تو ان کے بارے میں یہ

آیت نازل فرمائی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ الْآيَةِ (1)

امام مسلم، امام احمد، ابوداؤد، حاکم اور بغوی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب غزوہ احد

میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں میں رکھا جو جنت کی نہروں پر آتے، اس کے پھل کھاتے، جہاں

چاہتے جنت میں گھومتے پھرتے اور عرش کے نیچے جنت میں سونے کی قدیلوں میں لوٹ جاتے ہیں (2) جب انہوں نے قیلولہ کی عمدہ جگہ

کھانے اور پینے کی بہترین چیزوں کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو عزت و احترام کا اہتمام فرمایا، اس کو ملاحظہ کیا تو انہوں نے کہا کاش

ہماری قوم اس نعمت کو دیکھ لیتی جس میں ہم اب ہیں اور اسے بھی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بنایا ہے تاکہ وہ جہاد میں رغبت کرتے اور اس

سے اعراض نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں تمہاری طرف سے انہیں باخبر کر دوں گا۔ اس سے وہ لوگ خوش ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس

آیت کو نازل فرمایا۔

ابن منذر نے حضرت انس سے روایت کیا ہے جب حضرت حمزہ اور آپ کے ساتھی غزوہ احد میں شہید ہوئے تو انہوں نے کہا کاش کوئی اطلاع کرنے والا ہوتا جو ہمارے بھائیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اس کرامت و عزت کے بارے میں آگاہ کرتا تو ان کے رب نے انہیں ارشاد فرمایا میں تمہارے بھائیوں تک یہ بات پہنچا دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَب شہداء کے اولیاء کو کوئی نعمت حاصل ہوتی تو وہ شہداء پر حسرت کرتے اور کہتے ہم نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں جبکہ ہمارے آباء بیٹے اور بھائی قبروں میں پڑے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
يُرْزَقُونَ ﴿۱۳۱﴾

”اور ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کئے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں جسے اپنے رب کے پاس (اور) بھے رزق دیئے جاتے ہیں۔“

۱۔ ہشام نے لا یحسبن یاہ کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے خطاب شہداء کے اولیاء کو ہے، یا رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب ان منافقین کو ہو جنہوں نے یہ کہا تھا اگر یہ ہماری اطاعت کرتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ اس صورت میں یہ کلام قل کے تحت داخل یعنی مفعول ہوگی۔ ہشام کی قرأت کے مطابق ضمیر شہداء کے اولیاء کی طرف لوٹے گی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹے یا ضمیر منافقین کی طرف لوٹے جنہوں نے یہ کہا تھا لو اطاعونا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کی نسبت الذین قتلوا کی طرف ہو (یعنی الذین قتلوا اس کا فاعل ہو) اور مفعول بہ محذوف ہو کیونکہ وہ اصل میں مبتداء ہے۔ قرینہ کی صورت میں اس کا حذف جائز ہوتا ہے اور قرینہ کے بغیر دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف جائز نہیں ہوتا کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہوتا ہے۔

۲۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو آدمی بھلائیوں کے کاموں میں فوت ہوا سے بھی یہ شامل ہے لیکن قتل کا لفظ عبارتہ النص میں تو ایسے فوت ہونے والے کو شامل نہیں، تاہم دلالت النص کے ذریعے اسے بطریق اولیٰ یا برابری کی سطح پر یا اس حدیث پر قیاس کرنے کی وجہ سے شامل ہوگا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے نفس سے جہاد اکبر کیا کیونکہ یہ جہاد اصغر سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

۳۔ وہ لذتوں اور نعمتوں کا شعور نہیں رکھتے۔

۴۔ بلکہ وہ زندہ ہیں ابو جاتم نے ابو العالیہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان بل احياء کے بارے میں روایت کیا ہے وہ ہنز پرندوں کی صورتوں میں ہوں گے، جہاں چاہیں گے جنت میں اڑتے پھرتے ہوں گے۔ امام بغوی نے کہا ان کی رو میں عرش کے نیچے تا قیامت رکوع و سجود میں رہیں گی۔ (۱)

ابومندہ نے طلحہ بن عبد اللہ سے روایت کیا میں جنگل میں اپنے اونٹوں کی تلاش میں گیا۔ مجھے رات آگنی میں نے عبد اللہ بن عمرو بن حرام کی قبر کی پناہ لی۔ میں نے ان کی قبر سے وہ قرأت سنی۔ اتنی اچھی قرأت میں نے پہلے نہ سنی تھی۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام واقعہ گوش گزار کیا۔ فرمایا وہ عبد اللہ ہے کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو قبض کیا پھر انہیں زبرد اور یا قوت کی قندیلوں میں رکھا پھر جنت کے درمیان انہیں لٹکا دیا۔ جب رات ہوتی ہے تو ان کی رو میں ان کے جسموں کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں۔ یہ اسی طرح رہتی ہیں یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے تو پھر ان کی رو میں اسی جگہ کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں جہاں وہ پہلے تھیں۔ اس قول کے مطابق شہید درجے حاصل کرتا ہے

اور طاعت کے ثواب پاتا ہے۔ شہید قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی زمین اسے کھاتی ہے۔ یہ اس کی زندگی کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔ امام بیہقی نے اپنی سندوں سے حضرت جابر بن عبد اللہ سے اور ابن سعد اور بیہقی نے دوسری سندوں کے ساتھ ان سے اور محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ سے وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں جب حضرت معاویہ نے نہر کھدوائی تو شہداء احد کے لئے چیختے ہوئے گئے۔ ہم آئے، ہم نے انہیں یوں نکالا کہ وہ بالکل تازہ تھے ان کے اعضاء ادھر ادھر ہو جاتے (۱) محمد بن عمرو کے شیوخ نے کہا انہوں نے حضرت جابر کے والد کو پایا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا ہے ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو خون بہہ پڑا۔ پھر اسے اپنی جگہ رکھ دیا گیا تو خون رک گیا۔ حضرت جابر نے کہا میں نے اپنے والد کو قبر میں یوں پایا، گویا وہ سو رہے ہیں اور جس دھاری دار چادر میں انہیں کفن دیا گیا تھا۔ وہ بھی ویسی ہی تھی حالانکہ انہیں چھیالیس سال گزر چکے تھے۔ انہیں شہداء میں سے ایک کے قدم پر کدال لگ گئی۔ شیوخ نے کہا وہ حضرت حمزہ کا جسد مبارک تھا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔ ابو سعید خدری فرماتے ہیں اس کے بعد کوئی منکر شہداء کی زندگی کا انکار نہیں کر سکتا۔ لوگ ان شہداء کی قبروں کو کھودتے تو کستوری کی خوشبو مہکتی لگتی۔ امام بغوی نے کہا عبید اللہ بن عمیر نے بیان کیا ہے جب رسول اللہ ﷺ احد سے واپس تشریف لائے تو حضرت مصعب بن عمیر کے پاس سے گزرے جبکہ یہ شہید ہو چکے تھے۔ آپ ان کے پاس ٹھہرے ان کے لئے دعا کی۔ پھر یہ آیت پڑھی **وَمَنْ يَمُنْ بِالْغَيْبِ يُؤْتِ مِمَّا يَشَاءُ**۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ سب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے شہید ہوں گے، خبردار ان کے پاس آیا کرو، ان کی زیارت کیا کرو، انہیں سلام کیا کرو، قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا یہ اسے جواب دیں گے (۲) امام حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے بیہقی نے ابو ذر سے ابن مردویہ نے خباب بن ارت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت مصعب بن عمیر کے پاس سے گزرے جبکہ وہ شہید ہو چکے تھے۔ آپ ان کے پاس ٹھہر گئے۔ ان کے لئے دعا کی۔ پھر مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا میں نے تجھے مکہ ترمہ میں دیکھا، تجھ سے زیادہ مکہ میں کوئی خوش لباس تھا نہ حسین بالوں والا (اور آج تیرا مثلہ کر دیا گیا ہے)

مسئلہ: کیا غیر شہید شہید کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں ہاں پہنچ سکتا ہے۔ شہداء کے فضائل کے ضمن میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ دوسروں سے اس کی نفی کر دی جائے ابوداؤد اور نسائی نے عبید اللہ بن خالد سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان مواخات کرائی (بھائی بھائی بنایا)۔ ان میں سے ایک جہاد میں شہید ہو گیا۔ پھر دوسرا ایک جمعہ یا کچھ عرصہ بعد دوسرا بھی فوت ہو گیا۔ صحابہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا تم نے اپنے بھائی کے لئے کیا دعا کی؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے، اس پر رحم فرمائے اور اس کے بھائی کے ساتھ اسے ملا دے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس شہید کے بعد اس نے جو نمازیں پڑھیں اور جو عمل کئے ان کا کیا ہوگا یا فرمایا شہید کے روزوں کے بعد اس کے روزوں میں درجہ کے اعتبار سے اتنی مسافت ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان ہوتی ہے (۳) ہم نے سورہ مطففین میں انبیاء، شہداء صدیقین، مومنین اور دوسرے لوگوں کے مقام کے بارے بحث کی ہے اور شہداء کی زندگی کی بحث سورہ بقرہ کی آیت **وَلَا تَقُولُوا الْمَيِّتُ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتٌ** میں ذکر کی ہے۔

یہ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب حاصل ہے لیکن اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی شیخ شہید جو میرے شیخ اور امام ہیں آپ نے اپنے کشف سے شہداء پر تجلیات ذاتیہ کو دیکھا کیونکہ شہداء نے جہاد میں اپنی جانیں قربان کیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **”تم اپنے لئے جو خیر**

2- تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 376 (التجاریہ)

1- دلائل النبوة از امام بیہقی، جلد 3، صفحہ 291، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

3- سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 342 (وزارت تعلیم)

آگے بھیجتے ہو تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ انہوں نے اپنی ذاتوں کے لئے اپنے نفوس کو آگے بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خالص تجلیات ذاتیہ سے بدلہ عطا فرمایا۔

انہیں جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔ یہ ان کے زندہ ہونے کے لئے تاکید ہے۔

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ  
مَنْ خَلْفَهُمْ ۗ إِلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٠﴾

”شاد ہیں ان (نعمتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں انہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے لے اور خوش ہو رہے ہیں بسبب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آئے ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے لے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے لے“

لے اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہے۔ اسے مبہم رکھا کیونکہ نہ عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے اور نہ عبارت اس کی تفصیل کا احاطہ کر سکتی ہے۔ ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے مصنف میں، احمد، مسلم اور ابن منذر نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا تھا کہ ان کی روئیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں (۱) اور عبدالرزاق کی روایت کے الفاظ ہیں شہداء کی روئیں سبز پرندوں کی طرح ہیں، ان کے لئے سونے کی قدیلیں ہیں جو عرش کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر ان قدیلوں کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جلوہ فرمایا، پوچھا کیا تمہاری کوئی خواہش ہے؟ وہ اس طرح تین دفعہ پوچھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے جو چاہو مجھ سے سوال کرو۔ انہوں نے عرض کی ہم کیسے سوال کریں جبکہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سوال کرنے کے بغیر چھکارا نہیں تو انہوں نے عرض کی اے ہمارے رب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ تو ہماری روئوں کو ہمارے جسموں کی طرف لوٹا دے تاکہ ہم تیری راہ میں ایک اور دفعہ جہاد کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ملاحظہ فرمایا کہ انہیں کوئی حاجت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔ لے وہ خوش ہوتے ہیں ان کے بارے میں جنہیں وہ دنیا میں ایمان، طاعت اور جہاد کی راہوں پر زندہ چھوڑ آئے تھے یا اس کا معنی یہ ہے جو درجہ اور زمانہ میں ان تک نہ پہنچے تھے۔ جو زمانہ اور رتبہ میں ان کے پیچھے ہیں۔

لے اَلَا خَوْفٌ يَهْدِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ ۗ إِلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٠﴾۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ ان بھائیوں کے بارے میں جو ان کے پیچھے ہیں، خوش ہیں، یعنی شہداء پر کسی قسم کا خوف نہیں، یعنی شہداء ان بھائیوں کی طرف سے حقوق العباد کے حوالے سے کسی دعویٰ یا مخاصمت کی وجہ سے پریشان نہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان رشتہ داروں کو راضی کر دے گا اور شہداء کو ان کی مخاصمت سے محفوظ رکھے گا۔

میں کہتا ہوں اس میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں دوستوں کے بارے میں خوش ہوں گے جو ان کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچے کہ ان پر بھی کسی قسم کا خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو بھائیوں اور دوستوں کے بارے میں شفاعت کا مقام عطا فرمایا ہے۔ ابوداؤد اور ابن حبان نے ابودرداء سے روایت کی ہے، فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے

ہوئے سنا کہ شہید اپنے ستر رشتہ داروں کی شفاعت فرمائے (1) امام احمد اور طبرانی نے اسی کی مثل عبادہ بن صامت سے ترمذی اور ابن ماجہ نے اسی کی مثل مقدم بن معدیکرب سے روایت کی ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے عثمان بن عفان سے اور وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا قیامت کے روز انبیاء شفاعت فرمائیں گے پھر علماء، پھر شہداء (2)، ہزار نے اسی حدیث کو نقل کیا ہے اور یہ الفاظ زائد ذکر کئے پھر مؤذن شفاعت کریں گے۔

میں کہتا ہوں وہ علماء جنہیں اس حدیث میں شفاعت کرنے میں شہداء پر سبقت دی گئی ہے وہ علماء راسخین اور علماء حقیقت ہیں۔

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ①

”خوش ہو رہے ہیں۔ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر۔ اور (اس پر) کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا۔“

۱۔ تاکید کے لئے فعل کو مکرر ذکر فرمایا یا کہا جائے گا کہ پہلا فعل ضرر کو دور کرنے کی بشارت ہے اور دوسرا فعل جلب نفع کی بشارت ہے۔  
۲۔ ان کے اعمال کا ثواب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل سے زیادہ بدلہ۔ یہ فضل اللہ تعالیٰ کے دیدار اور قرب کے مراتب ہیں ان کو نکرہ برائے تعظیم لایا گیا ہے۔

۳۔ جمہور قراء نے ان پڑھا ہے کیونکہ یہ فضل کا معطوف ہے اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کے ساتھ وہ خوش ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے آدمی کا ذمہ لے لیا ہے جو گھر سے جہاد اور کلمہ حق کی تصدیق کے لئے نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا، یا اسے اس کے گھر کی طرف لوٹائے گا جس سے وہ نکلا تھا جبکہ ساتھ ہی ساتھ اسے اجر اور نعمت میسر ہو چکی ہوگی اور فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی آدمی جہاد میں زخمی نہیں ہوگا مگر قیامت کے روز وہ اس زخم کے ساتھ آئے گا جس سے خون نکل رہا ہوگا، رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو کستوری کی ہوگی (3) (اصل مسودہ میں مرجع کی جگہ خالی ہے تاہم حاشیہ میں بغوی کا حوالہ ہے) آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید قتل کا درد اتنا ہی محسوس کرتا ہے جتنا تم چیونٹی کے کانٹے کا درد محسوس کرتے ہو۔ اسے داری اور ترمذی (4) نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ طبرانی نے الاوسط میں ابو قتادہ سے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مؤمنین کا اجر ضائع نہیں کیا جاتا، خواہ وہ شہید ہوں یا نہ ہوں گویا شہداء تمام مومنوں کی حالت سے خوش ہوتے ہیں۔ امام کسائی نے ان پڑھا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ جملہ مستاتھ ہے اور معترضہ ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا اجر ہے اور جس کا ایمان نہ ہو، اس کے اعمال ضائع چلے جاتے ہیں ان کا کوئی اجر نہیں ہوتا ایک قول یہ کیا گیا یہ آیت بدر کے شہداء کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ نکل چودہ افراد تھے، آٹھ انصار اور چھ مہاجرین میں سے تھے۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ قتلوا کی تشدید کے ساتھ قرأت اس کا انکار کرتی ہے کیونکہ تشدید کی قرأت کثرت پر دلالت کرتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ آیت بیر معونہ کے شہداء کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا جو محمد بن اسحاق اور عبد اللہ بن ابی نے حضرت انس سے روایت کیا کہ عامر بن مالک بن جعفر ملاعب الاسنہ عامری حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا دو گھوڑے اور دو اونٹ بطور ہدیہ کے پیش کئے رسول اللہ ﷺ نے تحفہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، فرمایا میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تیرا ہدیہ قبول کروں تو اسلام قبول کر لے۔ نہ اس نے اسلام قبول کیا نہ اس کا انکار کیا اور عرض کی اے محمد ﷺ جس امر کی طرف آپ

1- سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 1، صفحہ 341 (وزارت تعلیم) 2- سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، صفحہ 330 (وزارت تعلیم)

3- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 376-377 (التجاریہ) 4- جامع ترمذی، ابواب الفضائل، جلد 1، صفحہ 200 (وزارت تعلیم)

دعوت دیتے ہیں وہ اچھا اور خوبصورت ہے، اگر آپ کچھ لوگ اہل نجد کی طرف بھیجیں تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اہل نجد سے ان کے بارے میں خوف آتا ہے۔ ابو براء نے کہا میں انہیں اپنی ضمانت میں لیتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے منذر بن عمر کو ستر صحابہ کی معیت میں روانہ کیا جو انصار میں سے بہترین لوگ تھے جنہیں قراء کہا جاتا، انہیں میں ایک حضرت ابو بکر صدیق کے غلام عامر بن فہیر بھی تھے۔ یہ چار ہجری ماہ صفر میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ یہ لوگ بمر معونہ میں فرود کش ہوئے۔ یہ بنی عامر اور بنی سلیم کے درمیان کھلی جگہ ہے۔ ان قراء صحابہ نے حرام بن ملحان کو رسول اللہ ﷺ کا خط دے کر عامر بن طفیل کی طرف بھیجا حرام بن ملحان نے کہا میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں میں گواہی دیتا ہوں اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پس تم بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ گھر کی ایک جانب سے ایک آدمی آپ کی طرف آیا اور آپ کے پہلو میں نیزہ مارا جو آپ کے جسم کی دوسری طرف نکل گیا۔ حضرت حرام بن ملحان نے کہا اللہ اکبر رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا پھر عامر بن طفیل نے ان صحابہ پر حملہ کرنے کے لئے بنی عامر کو کہا انہوں نے اس کی آواز پر لبیک کہنے سے انکار کر دیا اور کہا تم ابی براء کی پناہ کو نہ توڑو تو اس نے بنی سلیم سے عصیہ، رعل اور ذکوان کو دعوت دی انہوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔ وہ سب نکلے یہاں تک کہ صحابہ کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ ان سے جنگ کی یہاں تک کہ سب کو قتل کر دیا، صرف کعب بن زید کو چھوڑا جن میں زندگی کے کچھ آثار تھے۔ آپ زندہ رہے یہاں تک کہ آپ غزوہ خندق کے موقع پر شہید ہوئے اور عمرو بن امیہ کو قید کر لیا۔ جب عمرو بن امیہ نے انہیں یہ بتایا کہ وہ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے ہیں تو انہیں آزاد کر دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابی براء کا عمل ہے۔ یہ بات ابو براء تک پہنچی تو عامر بن طفیل کی طرف سے اس کی پناہ کو توڑنا بڑا شاق گزرا۔ محمد بن اسحاق نے روایت کیا عامر بن طفیل کہا کرتا تھا ان میں وہ شخص کون تھا جب وہ مارا گیا تو اسے زمین و آسمان کے درمیان اٹھالیا گیا یہاں تک کہ میں آسمان کو اس سے نیچے دیکھتا تھا؟ لوگوں نے بتایا وہ عامر بن فہیر تھا۔ پھر اس واقعہ کے بعد ربیعہ بن ابی براء نے عامر بن طفیل پر حملہ کر دیا۔ عامر گھوڑے پر سوار تھا۔ ربیعہ نے اسے نیزہ مارا اور قتل کر دیا۔ صحیحین میں یہ روایت ہے کہ حضرت قتادہ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لیثان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور اپنے دشمنوں کے خلاف مدد چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر انصاری مدد کے طور پر بھیجے جنہیں ہم اس زمانے میں قراء کہتے۔ یہ دن کو لکڑیاں اکٹھی کرتے اور رات کو نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ وہ بیر معونہ پہنچے تو ان قبائل نے صحابہ کو قتل کر دیا اور ان کے ساتھ دھوکہ کیا۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ ایک ماہ تک صبح کی نماز میں ان قبائل رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لیثان کے بارے میں بددعا کرتے رہے (۱) امام احمد، شیخین اور بیہقی نے حضرت انس سے بیہقی نے ابن مسعود سے اور بخاری نے حضرت عروہ سے روایت نقل کی ہے کہ کچھ لوگ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیجیں جو قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ آپ نے انصار کے ستر آدمی بھیج دیئے جنہیں قراء کہا جاتا۔ منزل پر پہنچنے سے قبل ہی دشمن قبائل نے ان پر حملہ کر دیا۔ اور قتل کر دیا ان شہداء نے عرض کی اے اللہ ہمارے نبی کو اس کی خبر پہنچا دینا۔ ایک اور روایت ہے ہمارے بھائیوں تک یہ خبر پہنچا دینا اے اللہ ہم نے تجھ سے ملاقات کی، ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی میں تمہیں انکا پیغام پہنچانے والا ہوں۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے راضی تھے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا حضرت انس نے کہا ”ہم یہ تلاوت کرتے رہے بَلِّغُوا عَنَّا اَنَا قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا فِرَضِي عَنَّا وَاَرْضَانَا ہماری طرف سے یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہے۔ اور اس نے ہم کو راضی کیا

ہے پھر یہ منسوخ کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ چالیس دن تک رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لیمان کے لئے بددعا کرتے رہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی۔ امام بغوی نے حضرت انس کی روایت میں یہ کہا ہے یہ آیت اٹھالی گئی جب کہ ہم ایک زمانہ تک اس کو پڑھتے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ الْآيَةِ۔ میں کہتا ہوں اگرچہ اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف موجود ہے لیکن لفظ کے عموم کی بناء پر تمام شہداء اس آیت کے حکم میں داخل ہیں۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ شہداء احد کو غسل نہیں دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ان شہداء سے لوہے اور چمڑے کی چیزیں اتار لی جائیں اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ اسے ابو داؤد اور ابن ماجہ (1) نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ عبد اللہ بن ثعلبہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں انہیں ان کے خون کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ جو زخم جہاد میں لگتا ہے تو شہید قیامت کے روز اس خون کے ساتھ آئے گا، اس کا رنگ تو خون کا ہوگا مگر خوشبو کستوری کی ہو گی (2) اس باب میں حضرت جابر کی حدیث بھی ہے، ایک آدمی کے سینے میں تیر لگا وہ مر گیا، جس طرح وہ تھا اسی طرح اس کو کپڑے میں لپیٹ دیا گیا جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے (3) ابو داؤد نے مسلم کی شرط پر اسے روایت کیا ہے۔

مسئلہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ایک جنسی آدمی شہید ہو جائے تو کیا اسے غسل دیا جائے گا یا کہ نہیں امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا نقطہ نظریہ ہے کہ اسے غسل دیا جائے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کا نقطہ نظریہ ہے اسے غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا قول زَمَلُوهُمْ بِدِمَائِهِمْ عام ہے۔ ہمارے پیش نظر حضرت حنظلہ بن ابی عامر کا قصہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں فرشتوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان ماہ مزین (بارش کا پانی) سے چاندی کے بڑے بڑے ٹشتوں میں غسل دے رہے ہیں، ابو اسید ساعدی نے کہا ہم حضرت حنظلہ کے جسد اطہر کے پاس گئے اس کو دیکھا تو اس کے سر سے پانی کی قطرات گر رہے تھے۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا سب کچھ بتایا آپ نے مجھے ان کی زوجہ کی طرف بھیجا تا کہ صورت حال سے آگاہی حاصل کروں آپ کی اہلیہ نے بتایا جب وہ گھر سے نکلے تھے تو جنسی تھے۔ ان کا بیٹا پیدا ہوا جسے لوگ ابن غسیل الملائکہ کہتے (اس کا بچہ جسے فرشتوں نے غسل دیا) (4) ابن جوزی نے محمد بن سعد کی حدیث سے مرسل نقل کی ہے۔ ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں حاکم اور بیہقی نے ابن اسحاق کی حدیث سے جو انہوں نے سحیحی بن عباد بن عبد اللہ بن زبیر سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں، حافظ کہتے ہیں ظاہر امر یہ ہے کہ جدہ کی ضمیر عباد کی طرف لوٹتی ہے۔ پس یہ حدیث مسند زبیر سے ہے اس حالت میں انہیں کا حضور ﷺ سے سماع ممکن ہے۔ حاکم نے الاکلیل میں ابی اسید کی حدیث سے روایت کیا ہے جبکہ ان کی سند میں ضعف ہے۔ حاکم نے متدرک میں طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ حاکم کی سند میں معلی بن عبد الرحمن متروک ہے طبرانی کی سند میں حجاج مدلس ہے اور بیہقی کی سند میں ابوشیبہ واسطی ضعیف ہے۔

مسئلہ: شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

(1) امام شافعی کا نقطہ نظریہ ہے شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی۔

(2) امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا نقطہ نظریہ ہے نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

(3) امام احمد سے دونوں مذہب منقول ہیں۔

2- سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 282 (وزارت تعلیم)

4- سنن کبریٰ بیہقی، جلد 4، صفحہ 154 مطبوعہ دار الفکر بیروت

1- سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، صفحہ 110 (وزارت تعلیم)

3- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 447 (وزارت تعلیم)

ہم کہتے ہیں نماز جنازہ گناہوں کی بخشش کے لئے پڑھی جاتی ہے یا درجات کی بلندی کے لئے مقصود میت کی تکریم ہوتی ہے۔ شہید تو اس عزت افزائی کا زیادہ مستحق ہوتا ہے اور اگر تکریم نماز جنازہ کے ترک میں ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے جبکہ اس پر اجماع ہے کہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے۔ جبکہ اصل نماز ہے جب تک شرعی عذر نہ ہو اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔

امام شافعی نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ شہداء میں سے دو کو ایک کپڑے میں جمع کرتے پھر پوچھتے ان میں سے کون زیادہ قرآن کا قاری تھا جب ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ لحد میں اسے آگے کر دیتے اور فرماتے میں قیامت کے روز ان پر گواہ ہوں گا اور ان کے دفن کرنے کا حکم دیتے اور آپ نے ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی اور انہیں غسل بھی نہ دیا گیا۔ اسے امام بخاری، نسائی، ابن ماجہ (1) اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو یا تین شہیدوں کو ایک کپڑے میں کفن دیا نہیں دفنایا اور ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی۔ اسے امام احمد، ابو داؤد اور ترمذی (2) نے روایت کیا اور فرمایا حدیث حسن ہے۔ حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ امام بخاری نے اسے معلل قرار دیا اور کہا اسامہ بن زید اس میں غلط ہے اور کہا زہری سے وہ حضرت انس روایت کرتے ہیں اور لیث کی روایت جو زہری سے مروی ہے وہ عبد الرحمن بن کعب سے اور وہ جابر سے پہلی والی روایت نقل کرتے ہیں، اسے ترجیح دی ہے۔

امام شافعی کے استدلال کا یہ جواب دیا گیا کہ حضور ﷺ نے شہداء کی نماز جنازہ شائد اس لئے نہ پڑھی ہو کہ آپ خود زخمی تھے اور چار دانت ٹوٹے ہوئے تھے اور آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی ہو اس نقطہ نظر کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے ابو داؤد نے مراسیل میں ذکر کیا اور حاکم اور طحاوی نے حضرت انس سے بھی روایت کیا کہ حضور ﷺ حضرت حمزہ کے پاس سے گزرے جبکہ آپ کا مثلہ کیا گیا تھا۔ آپ نے ان کے علاوہ کسی پر نماز جنازہ نہیں پڑھی (3) امام طحاوی نے یہ الفاظ زائد ذکر کئے ہیں میں قیامت کے روز تم پر گواہ ہوں۔ اگر یہ سوال کیا جائے اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور کہا اس زیادتی کو عثمان بن عمرو کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کیا اور یہ روایت محفوظ نہیں۔

ہم اس کا جواب دیں گے عثمان بن عمرو سے صحیحین میں بھی روایت نقل کی گئی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ امام طحاوی نے کہا اگر شہید پر نماز جنازہ چھوڑنا ہی سنت ہوتا تو حضور ﷺ حضرت حمزہ کی نماز جنازہ نہ پڑھتے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حضور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ ان کی فضیلت کی وجہ سے پڑھی جبکہ دوسروں کی نماز جنازہ درود کی وجہ سے نہ پڑھی (4)۔ مستخدمہ روایات کی معارض احادیث متعدد صحابہ سے مروی ہیں، انہیں میں ایک حضرت جابر سے مروی حدیث ہے جب لوگ جنگ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کو نہ پایا۔ ایک آدمی نے عرض کیا میں نے انہیں اس درخت کے پاس دیکھا ہے ان کے مثلہ کو دیکھا آپ کی چیخ نکل گئی اور آپ رونے لگے، ایک انصاری اٹھا اور ایک چادر آپ پر ڈال دی پھر حضرت حمزہ کو لایا گیا۔ آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی پھر دوسرے شہداء لائے جاتے رہے، انہیں حضرت حمزہ کے پہلو میں رکھا جاتا آپ ان کی نماز جنازہ پڑھتے پھر انہیں اٹھالیا جاتا اور حضرت حمزہ کے جسد اطہر کو وہاں ہی رہنے دیا گیا، یہاں تک کہ تمام شہداء پر نماز جنازہ پڑھ لی گی پھر حضور ﷺ نے فرمایا حمزہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سید الشہداء ہیں۔ اسے حاکم (5)

1- سنن ابن ماجہ، ابواب الجنائز، صفحہ 110 (وزارت تعلیم)

2- جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 121 (کچھ الفاظ کے اضافہ کے ساتھ)۔ ایضاً

3- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 447۔ ایضاً

4- شرح معانی الآثار، جلد 1، صفحہ 290 (مفہوم)، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

5- مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 119، مطبوعہ مکتبہ النصر الحدیث



نے روایت کیا اور کہا اس کی سند صحیح ہے۔ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی تاہم اس کی سند میں مفصل بن صدقہ ابو حماد حنفی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ متروک ہے۔ اسے نسائی اور یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن اصوازی نے کہا عطاء بن مسلم اس کی توثیق کرتا ہے۔ احمد بن محمد بن شعیب اس کی تعریف کرتا ہے۔ ابن عدی نے کہا میں نے اس میں کوئی حرج نہیں دیکھا۔ پس یہ حدیث حسن کے درجہ سے ساقط نہیں۔ اسی سے ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کے بارے میں حکم دیا، انہیں ایک چادر میں کفن دیا گیا پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور اس پر سات تکبیریں کہیں پھر دوسرے شہید لائے جاتے رہے، انہیں حضرت حمزہ کے ساتھ رکھا جاتا۔ آپ ان پر نماز جنازہ پڑھتے اور ساتھ ہی حضرت حمزہ پر (۱) یہاں تک کہ آپ نے ان پر 72 نمازیں پڑھیں۔ اسے ابن اسحاق نے روایت کیا ہے، کہا مجھے اس نے یہ روایت بیان کی جس پر میں تہمت نہیں لگاتا، انہوں نے مقسم سے جو ابن عباس کے غلام ہیں اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی اور مسلم کے مقدمہ میں ہے شعبہ، حسن بن عمارہ سے وہ حکم سے وہ مقسم سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شہداء احد پر نماز پڑھی، میں نے حکم سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ سہیل نے کہا حسن بن عمارہ ضعیف ہے۔ حافظ نے کہا اس حدیث کو حاکم، ابن ماجہ، طبرانی اور بیہقی نے یزید بن زیادہ کے واسطے سے، انہوں نے مقسم سے، انہوں نے ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ حافظ نے کہا یزید میں تھوڑا سا ضعف ہے۔ ابن جوزی نے کہا ابن مبارک نے کہا اسے رہنے دو۔ امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے نسائی نے کہا متروک ہے۔

اس کی مثل ابن مسعود کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حمزہ پر ستر نمازیں پڑھیں۔ اسے امام احمد نے روایت کیا (2) یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن ہمام نے کہا یہ درجہ حسن سے نہیں گری۔ اس ضمن میں ابو مالک غفاری کی حدیث ہے جسے ابو داؤد نے مراسیل میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دس دس کی نماز جنازہ پڑھی اور ہر دس میں حضرت حمزہ شامل تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کی ستر نمازیں پڑھیں۔ حافظ نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابو مالک تابعی ہے، اس کا نام غزو ان ہے۔ اعتراض: امام شافعی نے اس حدیث کو منعلل قرار دیا کیونکہ اس کے مضمون میں باہم ٹکراؤ ہے کیونکہ شہداء کی کل تعداد ستر تھی۔ جب آپ نے دس دس کی نماز جنازہ اکٹھی پڑھی تو حضرت حمزہ پر سات نمازیں ہوئیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضور ﷺ نے ستر افراد پر نماز جنازہ پڑھی حضرت حمزہ سب میں شامل تھے۔ ان تمام احادیث کو جمع کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ وہ روایات جن میں یہ ذکر تھا کہ ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی اور وہ روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور حضور ﷺ نے خود نماز نہیں پڑھی مگر پہلی دفعہ حضرت حمزہ پر پڑھی پھر آپ نے تمام لوگوں کو دوسرے شہداء پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا اور حضرت حمزہ پر نماز جنازہ دوسرے تمام شہیدوں کے ساتھ پڑھی جاتی رہی۔

جس نے شہداء کی نماز جنازہ پڑھنے کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی اس نے مجاز مراد لیا کیونکہ حضور نے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی نفی کی اس نے اسے حقیقت پر محمول کیا ہے، جس نے تفصیل بیان کی اور کہا آپ نے حضرت حمزہ کی نماز جنازہ پڑھائی کسی اور کی نہیں تو اس نے امر واقع کا ذکر کیا ہے۔

اس باب میں وہ مرسل روایت بھی ہے جسے امام نسائی اور امام طحاوی نے شداد بن ہاد سے نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ پر ایمان لایا اور آپ کے ساتھ چل دیا، عرض کی میں آپ کے ساتھ رہوں گا، حضور ﷺ نے کسی صحابی کو اس

بارے میں وصیت کی، جب غزوہ ہوا، رسول اللہ ﷺ کو نصیحت حاصل ہوئی حضور نے اسے تقسیم کیا تو اس کے لئے بھی حصہ رکھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے اعرابی نے کہا میں اس وجہ سے آپ کے ساتھ نہیں آیا تھا بلکہ میں تو اس لئے آیا تھا کہ مجھے یہاں تیر لگے اور اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا، پس اس کے نتیجہ میں مرجاؤں اور جنت میں داخل ہو جاؤں۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لایا گیا جبکہ اسے وہاں ہی تیر لگا تھا جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا یہ وہی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے سچ بولا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سچا کر دکھایا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے جبہ میں کفن دیا پھر اسے آگے رکھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی، اس پر نماز پڑھنے کے دوران جو چیز نمایاں ہوئی وہ آپ کی یہ دعا تھی اے اللہ یہ تیرا بندہ تھا جو تیری راہ میں گھر سے نکلا، شہید کی موت مرا، میں اس پر گواہ ہوں۔ یہ روایت مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل روایت حجت ہے۔

فصل: امام بخاری اور دوسرے محدثین نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے شہداء احد کی نماز آٹھ سال بعد اپنے وصال سے قبل پڑھی (۱)۔ امام بیہقی نے اسے دعا پر محمول کیا ہے۔ یہ تعبیر کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ آٹھ سال بعد دعا صرف ایک دفعہ نہیں ہوتی بلکہ یہ نماز جنازہ تھی۔ بعض الفاظ میں یہ آیا ہے کہ آپ (مدینہ طیبہ سے) نکلے اور آپ نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ اسے امام طحاوی (۲) اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ احناف تو دفنانے کے بعد تین دن بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں کہتے۔

میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کیونکہ میت تین دنوں میں پھٹ جاتی ہے رہا شہید تو یہ بات ثابت ہے کہ زمین اس کے جسم کو نہیں کھاتی وہ ہمیشہ اسی طرح رہتا ہے جس طرح اسے دفن کیا گیا تھا تو اس پر نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں یہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ فریبانی، نسائی اور طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب مشرک احد سے واپس آئے تو کہنے لگے نہ تو تم نے محمد ﷺ کو قتل کیا اور نہ ہی نوجوان عورتوں کو لوٹ کر ساتھ لائے، تم نے کتنا ہی برا کیا پس لوٹ چلو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو صحابہ کو بلایا۔ سب لوگ حاضر ہو گئے۔ محمد بن عمر نے کہا جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے ہفتہ کے روز واپس تشریف لائے تو پندرہ تاریخ تھی۔ دشمنوں کے حملہ کے ڈر سے اوس و خزرج کے سرداروں نے حضور ﷺ کے دروازہ پر رات گزار دی۔ جب سولہویں کی صبح طلوع ہوئی، حضرت بلال نے اذان دی تو رسول اللہ ﷺ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو مزنی قبیلہ کے ایک شخص نے اطلاع دی کہ ابوسفیان نے روجاء کے مقام پر یہ کہا واپس لوٹ چلو تا کہ جو باقی بچے ہیں ان کا خاتمہ کر دیں۔ صفوان بن امیہ نے اس رائے سے انکار کر دیا اور کہا اے میری قوم ایسا نہ کرو، بے شک وہ ہلکتے خوردہ ہیں، مجھے خوف ہے کہ خزرج کے جو افراد اس جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے وہ سب جمع ہو جائیں گے اس لئے مکہ مکرمہ لوٹ چلو، آج فتح تمہاری ہے۔ مجھے کوئی اطمینان نہیں اگر تم واپس جاؤ گے کہ تو فتح تمہاری ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوان نے ان کی صحیح راہنمائی کی جب کہ وہ خود ہدایت یافتہ نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان کے لئے پتھر نامزد کر دیئے گئے تھے، اگر پلٹتے تو نیست و نابود ہو جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم کو بلایا، ان کے سامنے سب چیزوں کا ذکر فرمایا۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دشمن کا پیچھا کیجیے، کہیں وہ ہمارے بال بچوں پر سر نہ اٹھائیں۔ آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دیتے ہیں لیکن آج ہمارے ساتھ وہی جائیں گے جو کل لڑائی میں حاضر تھے۔ حضرت اسید بن حضیر نے کہا مجھے نوزخم لگے تھے، ارادہ کر رہے تھے کہ علاج کریں۔ جب ندا

کو سنا تو کہا اللہ اور اس کے رسول کو حکم سنا اور اسکی اطاعت کی اور زخموں کی دوا کی طرف توجہ تک نہ کی۔ بنی سلمہ سے چالیس زخمی نکلے۔ طفیل بن نعمان کے تیرہ زخم، خراش بن صمہ کے دس، کعب بن مالک کے دس سے اوپر، عطیہ بن عامر کو نو زخم تھے۔ مسلمان اپنے اسلحہ پر جھپٹے اور اپنے زخموں کی دوائی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ابن عقبہ نے کہا عبد اللہ بن ابی آیا، عرض کی میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے کہا جابر بن عبد اللہ حاضر خدمت ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کے منادی نے یہ اعلان کیا ہے آج وہی ہمارے ساتھ نکلے جو کل جنگ میں شریک تھا۔ میں تو کل بھی جانے کا حریص تھا لیکن میرے والد نے مجھے سات بہنوں پر نگہبان بنا کر پیچھے چھوڑ دیا، ایک روایت میں نو کا ذکر ہے اور مجھے فرمایا تھا میرے اور تیرے لئے مناسب نہیں کہ ہم ان عورتوں کو ویسے ہی چھوڑ جائیں، ان کے ساتھ کوئی اور مرد نہیں میں ان میں سے نہیں ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جہاد کرنے میں تجھے ترجیح دوں۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے۔ میں اس کی امید رکھتا ہوں اس وجہ سے میں ان عورتوں کی حفاظت کے لئے یہاں رہ گیا تھا، انہوں نے مجھ پر شہادت کو ترجیح دی، یا رسول اللہ ﷺ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کیساتھ چلوں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر کو اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت جابر نے کہا میرے سوا کوئی آدمی بھی آپ کے اس سفر میں نہیں نکلا تھا جو کل جہاد میں شریک نہیں۔ تھا ان لوگوں نے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی جو کل شریک نہ ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا تھا۔ ابن اسحاق اور اس کے ہمنوا علماء نے کہا رسول اللہ ﷺ دشمن کو ڈرانے اور یہ بتانے کے لئے کہ آپ ان کی تلاش میں نکلے ہیں۔ اس مہم پر روانہ ہوئے تو مشرکین مکہ نے گمان کیا کہ آپ کے پاس بڑی طاقت ہے اور جو مصیبت انہیں پہنچی ہے اس نے انہیں کمزور نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نکلے آپ کے ساتھ ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبد الرحمن بن عوف، عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان، ابو عبیدہ بن جراح وغیرہ ستر آدمی تھے، یہاں تک یہ لشکر صحراء الاسد تک جا پہنچا جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جب تم ذوالحلیفہ کا ارادہ کرو تو یہ راستہ سے بائیں جانب مقام ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے سواری کے لئے تیس اونٹ پیش کئے اور کچھ ذبح کرنے کیلئے جانور حاضر کئے جو پیر اور منگن کو ذبح کئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دن کے وقت انہیں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم فرمایا۔ جب شام ہوئی تو انہیں جلانے کا حکم دیا۔ ہر ایک آدمی نے کئی آگیں جلائیں مجموعی طور پر پانچ سو آگیں انہوں نے روشن کیں۔

معد خزاعی جو اس وقت مشرک تھا جبکہ ابو عمرو اور ابن جوزی نے یقین سے یہ کہا ہے کہ وہ مسلمان تھا حضور ﷺ سے ملا خزاعہ قبیلہ کے مسلمان اور کافر حضور ﷺ سے تہامہ میں میل ملاقات رکھتے تھے۔ ان کا حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ تھا جو کچھ معاملہ ہوتا وہ حضور ﷺ سے نہ چھپاتے۔ عرض کی اے محمد ﷺ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جو تکلیف آئی ہے ہمارے اوپر بڑی شاق گزری۔ ہم پسند کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے محفوظ رکھتا پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے چلا اور روجاء کے مقام پر ابو سفیان کو ملا جبکہ لشکر کفار نے لوٹنے کا ارادہ کر لیا تھا اور کہا ہم نے جلیل القدر ساتھیوں اور سرداروں کو ہلاک کر دیا۔ اب باقی ماندہ پر دوبارہ حملہ کریں گے اور ان سے ہمیشہ کے لئے فارغ ہو جائیں گے۔

جب ابو سفیان نے معد کو دیکھا پوچھا کیا حال چھوڑ آئے ہو۔ معد نے کہا حضرت محمد ﷺ تمہاری تلاش میں اسی جمعیت کے ساتھ نکلے ہیں اس جیسا لشکر میں نے پہلے نہیں دیکھا وہ تم پر دانت پیس رہے ہیں، جو اس دن جنگ میں شریک نہ ہوئے وہ بھی اب آپ کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں اور اس دن کی حرکت پر شرمندہ ہیں، انہیں تم پر اتنا غصہ ہے کہ میں نے ایسا غصہ پہلے نہیں دیکھا۔ ابو سفیان نے کہا تو ہلاک ہو کیا کہہ رہا ہے؟ معد نے کہا قسم بخدا تم کوچ بھی نہ کرو گے کہ تم گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لو گے۔ ابو سفیان نے کہا قسم بخدا ہم نے ان پر

دوبارہ حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تا کہ ان کے باقی ماندہ افراد کو ختم کر دیں۔ معبد نے کہا قسم بخدا میں تجھے اس کام سے منع کرتا ہوں (۱۱) معبد کی گفتگو نے صفوان کے مشورہ کے ساتھ ملکر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو واپس کر دیا۔ وہ تلاش کے خوف سے جلدی مکہ مکرمہ لوٹ گئے۔ اسی اثناء میں عبدالقیس کا ایک قافلہ ابوسفیان کے پاس سے گزرا۔ ابوسفیان نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ وفد کے لوگوں نے کہا ہم مدینہ کا ارادہ کرتے ہیں تاکہ کھانا لے آئیں۔ ابوسفیان نے کہا کیا تم میری طرف سے محمد ﷺ کو ایک پیغام دو گے، میں اگلے سال عکاظ میں تمہارے بیہ اونٹ زبیب سے لا دوں گا۔ جب تم مجھے وہاں سے ملو گے انہوں نے کہا ہم پیغام دیں گے۔ ابوسفیان نے کہا جب تم آپ کے پاس پہنچو تو بتانا کہ ہم نے ان کے لئے اور ان کے صحابہ کے لئے لشکر جمع کر لئے ہیں تاکہ ان کا خاتمہ کر دیں۔ ابوسفیان مکہ چلا گیا اور قافلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا جبکہ آپ حمر الاسد کے مقام پر جلوہ افروز تھے۔ ابوسفیان نے جو کچھ کہا تھا سب کچھ بتا دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ حضور ﷺ حمر الاسد میں پیر، منگل اور بدھ کے روز ٹھہرے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ احْسَنُوا  
مِنْهُمْ وَاتَّقُوا اَجْرَ عَظِيمٍ ﴿۱۷۲﴾

”جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر۔ اس کے بعد کہ لگ چکا تھا انہیں (گہرا) زخم سے ان کے لئے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا ہے اجر عظیم ہے۔“

۱۔ حضور ﷺ نے جہاد کے لئے نکلنے کی دعوت دی تو انہوں نے قبول کی۔

۲۔ قرح سے مراد احد کے روز کا زخم ہے۔ اسم موصول بطور مدح محل نصب میں ہے یا اسم موصول مبتدا ہے اور مابعد جملہ اس کی خبر ہے۔  
۳۔ من بیانہ ہے۔ دونوں وصف ذکر کرنے کا مقصد مدح ہے اور علت بیان کرنا ہے، تعقید مقصود نہیں کیونکہ دعوت پر لبیک کہنے والے سارے ہی محسن اور متقی تھے۔

۴۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مومنین کی صفت ہو اور کلام ما اصابہم القرح پر مکمل ہو گئی ہو اور مابعد کلام منی ہو۔ مجاہد اور عکرمہ نے اکثر مفسرین کے برعکس یہ کہا کہ یہ آیت کریمہ بدرصغری کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی تھی کہ جب ابوسفیان نے احد کے میدان سے واپس جانے کا ارادہ کیا تو کہا تھا اے محمد ﷺ اگر تم چاہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان اگلی جنگ بدر کے مقام پر سالانہ میلہ کے موقع پر ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ہمارے اور تمہارے درمیان مقابلہ کی جگہ ہوگی، ان شاء اللہ جب اگلا سال آیا تو ابوسفیان مکہ مکرمہ سے دو ہزار لشکریوں کے ساتھ نکلا اس کے ساتھ پانچ سو گھوڑے بھی تھے، یہاں تک کہ مراظم ان کے قریب جمنہ کے مقام پر پڑا وڈالا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈالا اسے لوٹ جانا موزوں نظر آیا، وہ نعیم بن مسعود اشجعی سے ملا جو عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ آیا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے اسے کہا اے نعیم میں نے رسول اللہ ﷺ اور اس کے ساتھیوں سے بدر میں موسم (میلہ) کے موقع پر جنگ کا وعدہ کیا تھا۔ یہ خشک سالی کا سال ہے، ہمیں تو ایسا سال موزوں ہوتا ہے جو سرسبز و شاداب ہو جس میں ہم جانوروں کو سبزہ چرائیں اور خود دودھ پیئیں۔ مجھے یہ موزوں نظر آیا کہ اس سال میں مقابلہ کے لئے نہ نکلوں تاہم مجھے یہ بھی ناپسند ہے کہ محمد ﷺ تو نکلیں اور میں نہ نکلوں۔ اس طرح تو وہ زیادہ جری ہو جائیں

گے کیونکہ ان کی طرف سے وعدہ خلائی اپنی طرف سے وعدہ خلائی سے زیادہ محبوب ہے۔ تم مدینہ جاؤ اور انہیں باہر آنے سے روکو انہیں بتاؤ میرے پاس بھاری لشکر ہے جس کا مقابلہ کرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے۔ تیرے لئے انعام کے طور پر دس اونٹ ہیں جو میں سہیل بن عمرو کے پاس رکھتا ہوں۔ سہیل نے اس کی ضمانت دی نعیم بن مسعود مدینہ طیبہ آیا۔ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ابوسفیان کے وعدہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اس نے پوچھا کہاں کی تیاریاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا ہم نے ابوسفیان سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے بدر میلہ پر ہمارا ان سے مقابلہ ہوگا۔ نعیم نے کہا تم نے کتنی غلط رائے اپنائی۔ وہ تمہارے گھروں میں آئے اور تم میں سے سوائے بھاگ جانے والوں کے کوئی نہ بچا۔ اب تم اتنی دور جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ انہوں نے تو میلہ کے لئے بہت زیادہ لشکر جمع کیا ہے۔ اللہ کی قسم تم میں سے کوئی بھی باقی نہ بچے گا۔ بعض صحابہ نے یہ سن کر جہاد پر جانے کو ناپسند کیا۔ منافق اور یہودی یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے محمد ﷺ اس لشکر سے توجیح کرنا آئیں گے۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی اور یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شاید کوئی بھی آپ کے ساتھ جہاد پر روانہ نہ ہو یہاں تک کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر تشریف لائے۔ یہ دونوں کی باتیں سن چکے تھے۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بے شک اللہ اپنے دین کو غالب کرنے والا اور اپنے نبی کو عزت دینے والا ہے۔ ہم نے مشرکین مکہ سے میلہ کے موقع پر مقابلہ کا وعدہ کیا تھا ہم وعدہ خلائی کو پسند نہیں کرتے۔ وعدہ کے مطابق چلئے، قسم بخدا بے شک یہ خیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر خوش ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور نکلوں گا، اگرچہ مجھے اکیلا ہی جانا پڑے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے نعیم بن مسعود سے کہا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ یہاں تک کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بدر کے مقام پر پہنچے۔ زمانہ جاہلیت سے یہاں بازار لگتا تھا۔ لوگ یہاں ذی قعدہ کا چاند طلوع ہونے پر جمع ہوتے اور آٹھ دن تک یہاں رہتے۔ جب آٹھ دن گزر جاتے تو لوگ اپنے اپنے شہروں کو چلے جاتے۔ رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے انتظار میں یہاں رہے۔ ابوسفیان مجنہ سے مکہ واپس چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا ایک مشرک نے بھی سامنا نہ کیا۔ صحابہ اس بازار میں ٹھہرے۔ ان کے پاس سامان تجارت بھی تھا۔ اسے بیچا اور ایک درہم مال کے دو درہم لئے اور یہ مدینہ طیبہ کی طرف محفوظ و مامون اور خوب مال کما کر واپس لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ (1) جبکہ پہلا قول صحیح ہے۔ امام بخاری کا معمول بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ترجیح دی ہے میں کہتا ہوں کہ پہلے قول کی تائید آیت کا سابق بھی کرتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا آصَابَهُمُ الْقَرْعُ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح کی کہ وہ اس وقت جہاد کے لئے نکلے اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی جبکہ وہ زخمی تھے اور زخموں کے درد میں مبتلا تھے۔ یہ صورت حال حراء الاسد کے غزوہ میں تھی۔ جہاں تک غزوہ بدر صغریٰ کا تعلق ہے وہ ایک سال بعد ہوا تھا۔ اس وقت صحابہ صحیح اور تندرست تھے۔ اگر زخمی ہونے کے بعد کو تھوڑے وقت پر محمول نہ کیا جائے تو اس آیت کو غزوہ بدر صغریٰ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ اس صورت میں وہ غزوہ خندق اور دوسرے مابعد غزوات پر بھی محمول کی جاسکتی ہے۔

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَ

قَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿٤٦﴾

”یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا سامان اور لشکر)۔“

سوڈروان سے تو (اس دھمکی) نے بڑھا دیا ان کے (جوش) ایمان کو جسے اور انہوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ سے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“

اگر یہ دونوں آیتیں اکٹھی نازل ہوئی ہوں تو یہ آیت ماقبل آیت کا بدل ہوگی، اگر دونوں آیتیں پے درپے یا مختلف مواقع پر نازل ہوئی ہوں تو یہاں اسم موصول یا محل نصب میں ہوگا۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی هُمْ الَّذِينَ قَالَ لَهُمْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ خَيْرٌ فَاَنْقَلِبُوْهُ يٰۤاَكْثَرُ مَفْسِرِيْنَ نے یہ کہا یہاں الناس سے مراد عبد القیس کا قافلہ ہے جو ابوسفیان کی طرف سے پیغام لایا جبکہ حضور ﷺ حراء الاسد میں تشریف فرما تھے جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

مجاہد اور عکرمہ نے کہا یہاں الناس سے مراد نعیم بن مسعود اشجعی ہے جو مدینہ طیبہ میں ابوسفیان اور مشرکین کی خبر لایا تھا جبکہ نبی کریم ﷺ غزوہ بدر صفری کی تیاری کر رہے تھے۔ نعیم بن مسعود پر الناس کا اطلاق اس وجہ سے کیا کیونکہ ان میں سے ایک ہے جس طرح عرب کہتے ہیں فلان یو کب الخیل جبکہ جس گھوڑے پر وہ سوار ہوتا ہے وہ صرف ایک ہوتا ہے یا الناس کا اطلاق اس پر اس لئے کیا گیا کیونکہ مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ بھی اس کے ہمنوا بن گئے تھے اور ان سب نے اس خبر کو عام کیا تھا۔

میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ یہ آیت غزوہ بدر صفری کے متعلق نازل ہوئی الناس سے مراد نعیم بن مسعود اشجعی ہے۔ پہلی آیت غزوہ حراء الاسد کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان دونوں غزوات میں ایک سال کا عرصہ حائل ہے۔ میرے قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ یٰۤاَسْرٰٓءَ اللّٰہِیْنَ کہ انہوں نے اب نئے سرے سے لشکر جمع کیا ہے پہلے لشکر جمع نہیں تھا یہ صرف بدر صفری کے بارے میں تصور کیا جاسکتا ہے رہا وہ معاملہ جس میں احد کے واقعہ کے بعد حضور ﷺ مدینہ طیبہ سے نکلے تھے تو اس موقع پر مشرکین مکہ پہلے ہی جمع تھے تو اس صورت میں قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ کے الفاظ مناسب نہیں، واللہ اعلم۔

امام رازی نے بھی یہی بات کہی ہے، انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دو غزوات میں مومنوں کی تعریف کی جن میں سے ایک غزوہ حراء الاسد کے نام سے معروف ہے۔ پہلی آیت میں وہی مذکور ہے۔ دوسرا غزوہ بدر صفری ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔

الناس سے مراد ابوسفیان اور دوسرے مشرک ہیں، یعنی لشکر اور جنگ کے آلات۔

اس کا عطف قَالَ لَهُمُ النَّاسُ پر ہے۔ فَرَاذًا میں ضمیر مضمحل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا وہ بات ہے جو کہی گئی یا قال کا مصدر یا قال کا فاعل ہے اگر الناس سے مراد نعیم بن مسعود لیا جائے۔ ہم ضمیر اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا صحابہ متوجہ نہ ہوئے اور نہ ہی کمزور ہوئے، انہوں نے اسلام کی غیرت کا مظاہرہ کیا۔ اس عمل کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے اور رفعت کے مدارج پر بلند ہو گئے ایمان کی زیادتی قرب کے مدارج میں زیادتی کے ساتھ متحقق ہوگی۔ جن کا یہ نقطہ نظر ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں تو ان کی نظر ایمان مجازی پر محدود ہے۔

قَالُوا كَا عَطْفٍ زَادَهُمْ پر ہے۔ حسب اصل میں مصدر ہے جو اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی مُخْبِنًا وَكَافِرًا۔ یہ اَحْسَبُ سے مشتق ہے، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اس کے لئے کافی ہو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ حسب کے معنی میں ہے، تو جواب دیں گے یہ اضافت کے باوجود معرفہ نہیں بنتا جیسے ہذا رجل حسبک جس طرح اسم فاعل مضاف ہو کر معرفہ نہیں بنتا۔

وکیل وہ ذات امور جس کے پردے کئے جائیں یہاں مخصوص بالمدح محذوف ہے جو ضمیر ہے۔

نِعْمَ الْوَكِيلُ جملہ انشاء یہ ہے اور حَسْبُنَا اللَّهُ جملہ خبر یہ ہے یہاں جملہ انشاء کا عطف جملہ خبر پر کیسے ہوگا؟ یہ مسئلہ علماء نحو میں مختلف فیہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ عطف حکایت بیان کرنے والے کی طرف سے ہوا جس کلام کی حکایت بیان کی گئی ہے اس میں حقیقت میں عطف نہیں تھا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی قَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَقَالُوا نِعْمَ الْوَكِيلُ یعنی ان لوگوں نے یہ قول بھی کیا اور وہ قول بھی کیا۔ جبکہ ظاہر بات یہ ہے کہ کلام محکی میں عطف موجود تھا کیونکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ یہ کلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا جب کہ آپ کو آگ میں پھینکا گیا اور حضور ﷺ نے بھی یہ کلام کہا تھا جب لوگوں نے یہ بتایا تھا کہ مشرکین مکہ نے آپ کے ساتھ مقابلہ کے لئے بڑا لشکر جمع کیا ہے، جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (1) کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کو یوں ذکر کرنا قالحا (مفرد ضمیر لانا) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ واو عاطفہ کلام محکی سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر واو عاطفہ حکایت سے ہوتا تو حضرت ابن عباس یوں کہتے حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ قَالَهُمَا ابْنُ اِبْرَاهِيمَ یعنی شنیہ کی ضمیر ہمہذا کر فرماتے۔ بعض فضلاء نے اس عطف کے بارے میں یوں وضاحت فرمائی کہ ان کا قول حَسْبُنَا اللَّهُ یہ ان کے قول اِعْتَمَدْنَا عَلَى اللَّهِ سے کنایہ ہے اور نِعْمَ الْوَكِيلُ کا قول اِنَّا وَكَلْنَا اُمُورَنَا اِلَى اللَّهِ سے کنایہ ہے۔

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے وہ جملے جن کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو ان کا ایک دوسرے پر عطف کرنا صحیح ہوتا ہے، ان میں خبر و انشاء کے فرق کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ حدیث طیبہ میں آیا کہ ایک عورت حاضر ہوئی۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے باپ نے میری شادی اپنے بھتیجے سے کی میرا باپ کتنا اچھا ہے۔ الحدیث۔ اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے: اُولَئِكَ جَزَاءُ هُم مَّغْفُورَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّتْ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعَابِدِينَ۔

فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ اِلَى الْاَرْضِ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ  
اللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿٥٧﴾

” (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ لے نہ چھو ان کو کسی برائی نے نہ اور پیروی کرتے رہے رضائے الہی کی سچ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے سچ۔“

لے وہ واپس پلٹے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ۔ یہاں نعمت سے مراد ثواب کی کثرت کے ساتھ ایمان میں زیادتی تجارت میں نفع کے ساتھ اموال میں زیادتی اور عزت و احترام میں زیادتی ہے کیونکہ وہ دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے گئے تھے اور ان کے دشمن بزدل بن گئے اور ان کی زیادتی کا تصور غزوہ بدر صغریٰ میں ممکن ہے کیونکہ وہاں ہی صحابہ بازار میں ٹھہرے تھے، تجارت کی اور نفع کمایا، جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے جبکہ غزوہ حراء الاسد میں کوئی تجارت نہیں ہوئی تھی۔

۵۷ یہ جملہ لَمْ يُصِيبْهُمْ مِّنْ فَاغِلٍ سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ انہیں زخم، قتل اور مال چھین جانے کی کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ سچ جو دونوں جہانوں کی خیر پانے کی راہ ہے۔ امام بغوی نے کہا لوگوں نے کہا کیا یہ جنگ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ کا ثواب عطا فرمایا اور ان سے راضی ہو گیا (2) تو اس کلام سے انہیں جواب دیا گیا۔

سچ اس میں گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کے لئے حسرت ہے اور ان کی رائے کی غلطی کا اظہار ہے۔

اِنَّمَا ذِكْرُ الشَّيْطٰنِ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوْنَ اِن كُنْتُمْ

## مُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾

”یہ تو شیطان ہے لے جو ڈراتا ہے (تمہیں) اپنے دوستوں سے لے پس نہ ڈرو ان سے لے بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو لے اگر تم مؤمن ہو لے“

لے اسم اشارہ سے مراد نعیم اور ابوسفیان ہیں۔ الشیطان خبر ہے اور اس کا مابعد انکی شیطانیت کا بیان ہے یا اس کا مابعد اس کی صفت ہے، جس طرح اس شعر میں ہے یعنی معرف باللام نکرہ کے حکم میں موصوف ہے اور مابعد جملہ اس کی صفت ہے۔ وَلَقَدْ أَمَرْنَا عَلَى اللَّيْمِ بِسُبْحٰنِ مَحَلِّ اسْتِدْلَالِ اللَّيْمِ ہے جو نکرہ کے حکم میں ہے۔ ما بعد اس کی صفت ہے یا شیطن اسم اشارہ کی صفت ہے اور اس کا مابعد خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مشار الیہ ان کا یہ قول ہو اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا اور الشیطن اس کی خبر ہو جبکہ اس سے پہلے مضاف محذوف ہو، یعنی یہ قول شیطان کا فعل ہے جو اس نے ان کے منہ میں ڈالا تاکہ وہ تمہیں ڈرائیں اور تم ان سے خوفزدہ ہو جاؤ۔

لے یہاں اولیاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ نکلے تھے بلکہ گھروں میں بیٹھے رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے یہ منصوب ہو اور مفعول محذوف ہو، تقدیر کلام یوں ہو یُخَوِّفُكُمْ بِأَوْلِيَاءِهِ۔ ابی بن کعب کی قرأت بھی اسی طرح ہے۔ سدی نے کہا اس کا معنی یہ ہے وہ اپنے دوستوں کی تمہارے دلوں میں عظمت پیدا کرتا ہے تاکہ تم ان سے خوفزدہ ہو جاؤ کیونکہ ابن مسعود کی قرأت یہ ہے یخوفکم اولیاء فان دونوں صورتوں میں اولیاء سے مراد ابوسفیان اور اس کے ساتھی ہیں۔ (۱)

لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی قوت نہیں۔ یہاں ضمیر منصوب پہلی توجیہ کی صورت میں تاس ثانی کے لئے ہوگی اور آخری دونوں صورتوں میں اولیاء کے لئے ہوگی۔

لے مجھ سے ڈرتے رہو کہ میں انہیں تم پر غالب نہ کروں جس طرح میں نے احد کے روز کیا کیونکہ غلبہ تو میری طرف سے ہی ہوگا۔ پس تم میرے حکم اور نبی میں میری مخالفت نہ کرو اور میرے رسول کیساتھ جہاد کرو۔ خائفون میں ابو عمرو نے وصل کی صورت میں یاہ مشکلم کو باقی رکھا جبکہ باقی قراء نے وصل و فصل دونوں صورتوں میں حذف کیا۔

لے کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے کسی اور سے نہ ڈرا جائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، جب تو مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ جان لے اگر ساری امت تجھے نفع پہنچانے پر اتفاق کر لے وہ تجھے نفع نہ پہنچا سکے گی مگر اسی قدر جتنا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں وہ تجھے کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے مگر اس قدر جتنا اللہ تعالیٰ تیرے حق میں لکھ دیا ہے قلمیں اٹھالی گئی ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ اسے امام احمد اور امام ترمذی (۲) نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ

اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٥٦﴾

”اور (اے جان عالم) نہ غمزدہ کریں آپ کو لے جو جلدی سے کفر میں داخل ہوئے ہیں لے بیشک یہ لوگ نہیں نقصان پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی لے چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ نہ رکھے ان کے لئے ذرا حصہ آخرت (کی نعمتوں) سے لے اور ان کیلئے عذاب عظیم ہے لے“



۱۔ نافع نے فعل کو باب افعال سے پڑھتے ہوئے یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح انہوں نے لیحزننی اور لیحزن جہاں بھی واقع ہو باب افعال سے پڑھا، تاہم سورہ انبیاء میں لَا يَحْزَنُهُمْ الْقَرْعُ بِمَجْرَدٍ سے پڑھا ہے۔ ابو جعفر نے اس کے برعکس سورہ انبیاء میں باب افعال سے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے مجرد سے متن کے مطابق پڑھا ہے۔

۲۔ ضحاک نے کہا الذین سے مراد قریش کے کفار ہیں جبکہ دوسرے علماء نے کہا وہ منافق ہیں۔ کفار کے غلبہ کی صورت میں کفر میں جلدی کرتے تھے۔ یہی تعبیر زیادہ صحیح ہے، یعنی ان کی کفر میں جلدی تمہیں غمگین نہ کرے۔ اسلام اور مسلمانوں کو ان سے کچھ خوف نہیں۔ اس کی وجہ بعد میں بیان کی جا رہی ہے۔

۳۔ کفر میں جلدی کر کے وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وہ اس کے ذریعے اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچائیں گے شَيْنًا مَفْعُولٌ بِهٖ اور مَفْعُولٌ مَطْلُوقٌ دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اور نہ ہی منافق جو کفار کے بارے میں رحم کے جذبات رکھتے ہیں۔ وہ آپ کو غمگین کریں اس کی وجہ یہ ہے کہ۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو کیونکہ وہ اشیاء پیدا کئے گئے۔ ان کے تعین کا مبداء اللہ تعالیٰ کے اسم مطلق کی طرف منسوب ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و رسوا کیا، یہاں تک کہ انہوں نے کفر کی طرف جلدی کی۔

۵۔ ثواب سے محرومی کے ساتھ ساتھ ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اسْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَصُرُوا لِلَّهِ سِيًّا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾

”بے شک جنہوں نے خرید لیا کفر کو ایمان کے عوض میں ہرگز نقصان نہ پہنچائیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی۔ اور ان کیلئے دردناک

عذاب ہے۔“

۱۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے میں کفر اپنا لیا۔ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو آپ کی بعثت سے قبل آپ پر ایمان رکھتے تھے۔ جب آپ معجزات کیساتھ تشریف لے آئے تو انہوں نے کفر کو اختیار کر لیا اور ایمان کو چھوڑ دیا۔ وجہ دنیا کی حرص اور آپ کی ذات سے عناد بنی۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمِلُّ لَهُمْ خَيْرٌ لَّا نَفْسِهِمْ إِنَّمَا نُمِلُّ لَهُمْ

لِيُزِدَا دُورًا إِنَّمَا نَفْسِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۷۸﴾

”اور نہ خیال کریں کہ جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے ان کے لئے ہے۔ صرف اس لئے ہم تو

انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ اور زیادہ کر لیں گناہ سے اور ان کے لئے عذاب ہے ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔“

۱۔ حمزہ نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہوگا اور اشارۃً لکنفکو کفار سے ہوگی کیونکہ گمان وہی کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نہ کرتے تھے یا خطاب ہر گمان کرنے والے کو ہے، حضور ﷺ کو نہیں۔ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ جمہور کی قرأت کے مطابق فعل کا فاعل الَّذِينَ كَفَرُوا ہے۔

۲۔ انما سے جملہ مفعول بہ ہے جو دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ املاء کا معنی مہلت دینا اور عمر کو لمبا کرنا اور ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا ہے۔ وہ حمزہ کی قرأت کے مطابق الَّذِينَ كَفَرُوا مفعول بہ ہوگا اور مابعد اس کا بدل ہوگا جو دو مفعولوں کے قائم مقام ہے یا دو مفعولوں میں سے ایک میں مضاف کو محذوف مان کر اسے مفعول ثانی بنائیں گے۔ معنی پھر یہ ہوگا آپ گمان نہ کریں ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا ایسے

افراد جنہیں مہلت دینا ان کے حق میں بہتر ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا جن لوگوں نے کفر کیا ان لوگوں کی حالت کو گمان نہ کریں کہ انہیں مہلت دینا ان کے حق میں بہتر ہے۔ اس انما میں ما مصدریہ ہے۔ قاعدہ کے مطابق مناسب یہ تھا کہ اسے الگ لکھا جاتا لیکن مصحف عثمانی میں کیونکہ اکٹھا لکھا ہوا ہے اس لئے اس کی اتباع کی جاتی ہے۔

۳۔ یہ جملہ مستأنفہ ہے اور ما قبل حکم کی علت بیان کر رہا ہے۔

۴۔ یہ لام لام ارادہ ہے۔ یہ آیت اصلح للعبد اور معاصی کے ارادہ دونوں مسئلوں میں معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ معتزلہ کے نزدیک اس میں لام لام عاقبت ہے۔

۵۔ مقاتل نے کہا یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی۔ عطاء نے کہا یہ آیت بنو قریظہ اور بنو نضیر کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت سیدنا ابو بکر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا لوگوں میں سے کون بہترین ہے؟ آپ نے فرمایا جسکی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں۔ عرض کی گئی لوگوں میں سے کون سب سے برا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی اور عمل برے ہوں۔ اسے امام احمد، ترمذی اور دارمی نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ندا کرنے والا ندا کرے گا ساٹھ سال عمر کے لوگ کہاں ہیں؟ یہی وہ عمر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا **أُولَٰئِكَ نَعْتَمِدُكُمْ قَمَا يَشْكُرُونَهُ**۔ امام بیہقی نے اسے شعب میں روایت کیا ہے۔ (۱)

مَا كَانَ لِلَّهِ لِيُدْرِيَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ لِلَّهِ لِيُطَّلِعَ كُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ سُلَيْمٍ مَنْ يَشَاءُ ۗ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۗ وَإِنْ تَوَمَّنُوا أَتَقْتُوا فَلَئِنْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۹﴾

”نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے۔ مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو۔ جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے۔ اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر۔ البتہ اللہ (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ اور اگر تم ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔“

۱۔ لیدر میں لام نفی کی تاکید کے لئے ہے۔

۲۔ مخلص منافقوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ یہاں خطاب مخلص اور منافق لوگوں کو ہے جو حضور ﷺ کے دور میں آپس میں ملے ہوئے تھے۔

۳۔ حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورہ انفال میں باب افعال سے یاہ پر ضمہ اور میم پر کسرہ کے ساتھ یجیز پڑھا ہے اور باقی قراء نے مجرد سے یاہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس وقت یہ مازیمیز سے مشتق ہوگا، یعنی وہ جدا جدا کر دے۔ خبیث سے مراد کافر ہے اور طیب سے مراد مومن ہے یا تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ پر وحی کریں گے، جس طرح اس ارشاد میں ہے **يَخَذُ مِنَ الْمُنَافِقِينَ ۗ إِنَّ اللَّهَ مُخَوِّجٌ مِّنْهُمُ الْخَبِيثِينَ** یا احد جیسے واقعات کے ساتھ انہیں الگ الگ کر دے گا کیونکہ غزوہ احد میں منافقین مومنوں سے الگ ہو کر ممتاز ہو گئے تھے۔

۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمیز دینے سے پہلے تمہارے لئے ممکن نہیں کہ تم منافقوں کو مومنوں سے پہچان سکو۔

ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً بعض علوم غیبیہ پر اپنے رسول کو مطلع کرتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نور فرست کے ساتھ منافقین پر مطلع فرمایا۔ اسی کی مثل سورہ جن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے عَلِيمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿١﴾ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولِهِ۔ ہم نے علم غیب پر اطلاع کی بحث اس آیت کے ضمن میں کی ہے۔

امام بغوی نے کہا سدی کا قول ہے میری امت دعوت مجھ پر مٹی کی صورتوں میں پیش کی گئی ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام پر آپ کی اولاد پیش کی گئی، ان میں سے جو مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور جو انکار کرنے والے تھے، سب کو میں نے پہچان لیا۔ یہ بات منافقین تک پہنچی تو استہزاء کرتے ہوئے کہا محمد ﷺ کا گمان یہ ہے کہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے انہیں بھی جانتے ہیں کہ کون ان پر ایمان لائے گا اور کون انکار کرے گا جبکہ ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمیں نہیں پہچانتے یہ بات حضور ﷺ کو پہنچی نبی کریم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا اس قوم کا کیا حال ہوگا جس نے میرے علم کے بارے میں طعن کیا؟ تم مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گے جو تمہارے اور قیامت تک کے امور میں سے ہوگا مگر میں تمہیں اس بارے میں آگاہ کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی اٹھے، عرض کی يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَبِي (میرا باپ کون ہے) حضور نے ارشاد فرمایا حذافہ۔ حضرت عمر کھڑے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ تعالیٰ کے رب، اسلام کے دین اور قرآن کے امام اور آپ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ آپ ہمیں معاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم باز نہیں آؤ گے؟ کیا تم باز نہیں آؤ گے؟ پھر آپ منبر سے نیچے اترے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا (1) شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا میں اس روایت پر مطلع نہیں ہوں۔ میں کہتا ہوں اگر یہ روایت صحیح ہے تو آیت کے ساتھ اس کی مناسبت کی صورت یہ ہوگی کہ آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے بھتیجی اور غیب پر مطلع ہونے کی صراحت ہے (جبکہ حدیث میں منکرین کے قول کا رد ہے) آپ کو یہ اجازت نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر دوسرے لوگوں کو اس خدا داد علم میں شریک کریں، آپ تمہارے کفر کو جانتے ہیں لیکن معرفت میں بھتیجی (خاص) ہونے کی وجہ سے اپنا علم ظاہر نہیں فرماتے۔

۱۔ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ تاکہ ذلیل و رسوا نہ ہو، یعنی اگر تم اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور نفاق و معاصی سے بچو تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنشَأَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ ۚ بَلْ هُوَ  
شَرٌّ لَّهُمْ ۚ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ  
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٠﴾

”اور ہرگز نہ گمان کریں کہ جو بخل کرتے ہیں اس میں جو دے رکھا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ۱۰ کہ یہ بخل بہتر

ہے ان کے لئے ۱۰ بلکہ یہ بخل بہت برا ہے ان کے لئے طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے

دن ۱۰ اور اللہ کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی ۱۰ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے ۱۰۔“

۱۰۔ يَحْسَبَنَّ كَوْحَمَزَه نِي تَاء كِي سَاتَه پُز هَا هِي۔ يِي نِي كَرِيم ﷺ كُو خَطَاب هُو كَا يَاهِر اِس شَخْص كُو جُو گمان كِر تَا هِي۔ بَاتِي قِرَاء نِي اِسِي يَاء كِي سَاتَه پُز هَا هِي۔ عَاب كِي صَوْرَت مِي فَاعِل كِي ضَمِير نِي كَرِيم ﷺ كِي طَرَف لُو نِي كِي يَا جُو هِي گمان كِر تَا هِي۔

۲. جو زکوٰۃ ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ یہ مضاف کے مصدر ماننے کے ساتھ مفعول اول ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وَلَا تَحْسَبَنَّ بُخْلَ الدِّينِ مَا كَادَ دُونِ مَفْعُولِوْنَ كِي مَطَابَقَتِ هُوَ جَاءَ۔

۳. ضمیر فصل ہے، خیر مفعول ثانی ہے جمہور کی قرأت کے مطابق یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول فعل کا فاعل ہو اور مفعول اول محذوف ہو یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر مرفوع منفصل (هو) یہ مفعول اول ہو جسے ضمیر منصوب کی جگہ رکھا گیا ہے۔ ہر تقدیر کی صورت میں معنی یہی ہوگا جو زکوٰۃ دینے میں بخل کرتے ہیں وہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے یا اللہ تعالیٰ کا انہیں مال عطا کرنا ان کے حق میں بہتر ہے یا اللہ تعالیٰ نے جو انہیں عطا کیا ہے وہ بہتر ہے۔ یہ تقدیر سَيَطْوُ فَوْنَ مَا بَخَلُوْا کے زیادہ موافق ہے۔

۴. ہو سے مراد اللہ تعالیٰ کا مال عطا کرنا یا اللہ تعالیٰ نے جو انہیں عطا کیا۔ آیت مانعین زکوٰۃ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن مسعود، ابوہریرہ، شعیب اور سدی نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ مال عطا کرے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، قیامت کے روز اس کے مال کو ایسے سانپ کی شکل میں کر دیا جائے گا جو گمجا ہوگا جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے۔ قیامت کے روز اس کا وہی مال اس کا طوق ہوگا پھر وہ سانپ اس کی بانٹھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (۱)

حضرت ابو ذر نے حضور ﷺ سے ایک روایت نقل کی ہے کوئی آدمی ہو، جس کے اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں ہوں، وہ ان میں سے زکوٰۃ نہیں دیتا، قیامت کے روز اس کے یہی مال زیادہ بڑے اور زیادہ موٹے ہو کر آئیں گے اپنے کھروں کے ساتھ اس مالک کو روندیں گے اور اسے سینگوں سے ماریں گے۔ جب آخری جانور آئے گا تو پھر پہلے کو لوٹا جائے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ متفق علیہ (۲) عطیہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور ﷺ کی صفت اور نبوت کو چھپایا یہاں بخل سے مراد علم کا چھپانا ہے اور سَيَطْوُ فَوْنَ مَا بَخَلُوْا سے مراد یہ ہے کہ ان کے بوجھ اور گناہ ان پر لادے جائیں گے۔ (۳)

۵. یعنی مخلوقات کے فناء ہونے کے بعد وہی باقی رہے گا، وہ مرتے ہیں اور اموال چھوڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ورثاء میں سے یا کسی اور کو جسے چاہتا ہے مال عطا فرماتا ہے۔ ان کے لئے حسرت اور سزا ہی باقی رہ جاتی ہے، تو پھر وہ کیوں بخل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ نہیں کرتے۔

۶. ابن کثیر اور ابو عمرو نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور ضمیر الدین کی طرف لوٹ رہی ہے۔ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ خطاب تمام لوگوں کو ہے یا الذین یبخلون سے بطور التفات مخاطب کا صیغہ ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ اعمال سے باخبر ہے اس لئے وہ جزاء عطا فرمائے گا۔

محمد بن اسحاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ ایک خط بنو قریظہ کی طرف بھیجا جو یہودی قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا جس میں انہیں اسلام کی طرف دعوت دی گئی نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کو قرض دینے (اس کی راہ میں خرچ کرنے)، کی ترغیب دی گئی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق ایک روز ان کے مدرسہ تشریف لے گئے وہاں آپ نے بہت زیادہ یہودی دیکھے جو ایک آدمی کے گرد جمع تھے جسے فحاص بن عازوراء کہتے۔ یہ یہودی علماء میں سے تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور یہودی عالم بھی تھا جسے اشع کہتے حضرت ابو بکر صدیق نے فحاص سے کہا اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو۔ قسم بخدا تم جانتے ہو کہ

محمد ﷺ کے رسول ہیں جو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لائے ہیں جسے تم اپنی کتابوں میں لکھا پاتے ہو۔ پس تم ایمان لاؤ، اس کی تصدیق کرو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو، وہ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا، تمہارے لئے ثواب کئی گنا فرمائے گا۔ فحاص نے کہا ابے ابو بکر کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اموال سے قرض مانگ رہا ہے۔ قرض تو فقیر غنی سے مانگتا ہے۔ اگر تم جو کچھ کہتے ہو وہ حق ہے پھر تو اللہ تعالیٰ فقیر ہوا اور ہم غنی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ربوا سے منع کرتا ہے اور ہمیں زیادہ دیتا ہے۔ اگر وہ غنی ہو بھی تب بھی ربوا (زیادہ) نہیں دے گا۔ حضرت ابو بکر اس کی یہ گستاخانہ بات سن کر غضبناک ہو گئے اور فحاص کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا، اے اللہ کے دشمن، تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ فحاص حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا عرض کی اے محمد ﷺ دیکھو تو آپ کے ساتھی ابو بکر نے کیا کیا۔ حضور ﷺ نے ابو بکر صدیق سے دریافت کیا اس عمل کی کیا وجہ بنی؟ ابو بکر صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس اللہ کے دشمن نے بہت بڑی گستاخی کی، اس نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور یہ غنی ہیں۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ فحاص نے اس بات کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فحاص کا رد اور ابو بکر کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱)

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ

مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْآبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۱۷﴾

”بیشک سنا اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے

کہا۔ نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا)۔ اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کا مزہ)۔“

۱۔ عکرمہ، سدی اور مقاتل نے اسی طرح کہا۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے کہا جب یہ آیت من ذالذی یقرض اللہ نازل ہوئی تو یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ فقیر ہے، ہم سے قرض کا مطالبہ کرتا ہے (۲) حسن نے کہا یہ گفتگو کرنے والا جی بن اخطب تھا۔

۲۔ کرانا کاتبین کے صحیفوں میں ہم لکھیں گے، یعنی کرانا کاتبین ہمارے حکم سے لکھیں گے۔ یہ اسی کی مثل ہے وَاِنَّا لَءَكْتُبُوْنَ۔ حمزہ نے اسے سَيَكْتُبُ پڑھا ہے۔ یہ غائب مجہول کا صیغہ ہے اور قتلہم کو مرفوع پڑھا ہے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ متکلم معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور قتلہم کو منصوب پڑھا ہے۔ ان کے آباء نے ناحق انبیاء کو قتل کیا تھا اور یہ ان کے فعل پر راضی تھے۔ اس لئے فعل کی نسبت ان کی طرف کی مقصود اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ یہ ان کا پہلا جرم نہیں تھا بلکہ وہ پہلے بھی ایسی حرکتیں کرتے رہے ہیں۔

۳۔ ہم فرشتوں کی زبانوں سے آخرت میں اس کا بدلہ دینے کیلئے کہیں گے جو کچھ انہوں نے کہا اور عمل کیا۔ جمہور قراء نے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ حمزہ نے واحد غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ حریق فعلیل کے وزن پر ہے اور فاعل کے معنی میں ہے، یعنی آگ کا جلانے والا عذاب جس طرح عذاب الیم میں ہے یا یہاں اضافت بیانیہ ہے۔ یہ بات انہیں اس وقت کہی جائے گی جب انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔ ذوق کا معنی کھانے کو چکھنا ہے، مجازاً تمام محسوسات کے ادراک کرنے کو ذوق کہتے ہیں۔ جب یہود کا کفر اپنے پیروکاروں کی رشوتیں کھانے کے لئے تھا اس لئے جزاء میں ذوق کا ذکر کیا۔

## ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيِّدِيكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعٰبِدِ ۝۱۷۲

”یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر۔“

اس اسم اشارہ سے مراد عذاب ہے۔ ما قدمت سے مراد قتل اور دوسرے معاصی ہیں۔ نفوس کو ایدی سے اس لئے تعبیر کیا کیونکہ اکثر اعمال محسوس ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں۔ دل اور زبان کے اعمال انہیں لازم ہوتے ہیں اور اعضاء ظاہر یہ کے افعال ہی انہیں ظاہر کرتے ہیں۔ وان اللہ کا عطف ما قدمت پر ہے۔ کفار کو عذاب دینے میں اللہ تعالیٰ سے ظلم کی نفی کی وجہ یہ ہے کہ ظلم کی نفی عدل کو لازم ہوتی ہے اور عدل محسن کو ثواب اور گناہ گار کو سزا دینے کا تقاضا کرتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ظلم کی نفی اس کی ذات کو لازم ہے کیونکہ ظلم قبیح ہے اور قبح کی اللہ تعالیٰ سے نفی واجب ہے اور اگر ظلم کی نفی عدل کو لازم ہے جو محسن کو جزا اور گناہ گار کو سزا دینے کو مستلزم ہے تو پھر جزاء و سزا واجب ہوئے۔ یہ معتزلہ کا مذہب ہے، اہل سنت کا مذہب نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں لغت میں ظلم کسی شے کو اس کی اپنی جگہ کی بجائے کسی اور جگہ رکھنا ہے، خواہ زیادتی کے ساتھ ہو یا نقصان کے ساتھ ہو یا اس کو اپنے مقررہ وقت یا جگہ سے ہٹانا ہے۔ مفہوم اللہ تعالیٰ سے تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کیا جائے یا اسکے حکم کے خلاف تصرف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اگر تمام اہل زمین اور اہل آسمان کو جرم کے بغیر عذاب میں مبتلا کرے۔ یہ ظلم نہیں ہوگا کیونکہ وہ علی الاطلاق مالک ہے، جیسے چاہتا ہے اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے۔ یہاں جس ظلم کی نفی کی جارہی ہے وہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہیں بلکہ یہاں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کے ساتھ ایسا فعل ہے اگر وہ فعل بندوں کے درمیان جاری ہوتا تو لوگ اسے ظلم شمار کرتے، جبکہ یہی جب اللہ تعالیٰ نے صادر ہو تو وہ ظلم نہ ہوگا۔ اس معنی میں ظلم کی نفی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ یہ تو اس کے فضل پر مبنی ہوگا۔ آیت کا یہ معنی کرنا جائز ہے جن انبیاء کو لوگوں نے قتل کیا ان پر ظلم کیا اور ان کی تکذیب کی ان کی طرف سے انتقام نہ لینا یہ انبیاء پر ظلم کی صورت ہوگی۔ یہ چیز اگرچہ بالذات تو اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں لیکن انبیاء پر اس کا فضل اس بات کا متقاضی ہے کہ انبیاء کے دشمنوں سے انتقام لیا جائے اور انہیں عذاب دیا جائے۔ یہاں عبید سے مراد انبیاء ہیں۔ اس میں انبیاء کی تعریف ہے کہ وہ خوشی خوشی طاعت اور عبودیت میں کمال پر فائز ہیں جبکہ دوسری مخلوقات مجبور محض ہونے کی حیثیت سے اس کی اطاعت کر رہی ہیں۔ یہاں ایک اور توجیہ بھی ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ کفار عذاب کے مستحق ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دیتا تو یہ ان پر ظلم ہوتا اور انکے حق کو روکنا لازم آتا۔ گویا یہ جملہ ان پر عذاب کے وقوع کی تاکید کے لئے ہے۔

کلبی نے کہا کعب بن اشرف، مالک بن حنیف، وہب بن یہودا، زید بن تابوت فحاص بن عازوراء اور جیح بن اخطب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، آپ پر اس نے کتاب نازل فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم سے پختہ وعدہ لیا ہے کہ ہم کسی ایسے رسول پر ایمان نہ لائیں جو یہ گمان کرتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے قربانی کرے جسے آگ کھا جائے، اگر تم ایسا کرو تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (1)

الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُوْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يٰتِيَنَا بَقْرٰبٍ

تَاْكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالذِّمَى قُلْتُمْ قَلِمًا  
قَتَلْتُمُوهُمْ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۷۳﴾

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ نے اقرار لیا ہے ہم سے کہ ہم نہ ایمان لائیں کسی رسول پر نہ یہاں تک کہ وہ لائے ہمارے پاس ایک قربانی کھالے اس کو آگ سے آپ فرمائیے آپچکے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے بھی دلیلوں کے ساتھ اور اس معجزہ کے ساتھ بھی جو تم کہہ رہے ہو سچے تو کیوں قتل کیا تھا تم نے انہیں ہے اگر تم سچے ہو۔“

۱۔ اسم موصول کل جر میں ہے جو سابقہ اسم موصول کا بدل ہے یا یہ عمل رفع میں ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ضمیر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تورات میں حکم دیا ہے کہ ہم کسی ایسے رسول کی تصدیق نہ کریں جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر مبعوث ہوا ہے۔

۳۔ قربان سے مراد ہر وہ عمل ہوتا ہے جس کے ذریعے سے انسان اللہ کا قرب حاصل کرتا ہو، خواہ وہ قربانی ہو صدقہ ہو یا عمل صالح ہو۔ یہ قربت سے فعلان کے وزن پر ہے پھر یہ اس ذبیحہ کا نام بن گیا جس کے ذریعے سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے تھے۔ یہ قربانیاں اور غنیمتیں بنی اسرائیل کے لئے حلال نہ تھیں۔ جب کبھی وہ قربانی کرتے یا مال غنیمت پاتے آسمان سے ایک سفید آگ آتی جس میں کوئی دھواں نہ ہوتا جس میں جھنڈناہٹ کی سی آواز ہوتی، وہ قربانی کو کھا جاتی اور اس قربانی اور غنیمت کو جلا کر خاکستر کر دیتی۔ یہ اس کی قبولیت کی علامت ہوتی تھی۔ جب وہ قبول نہ ہوتی تو اسی طرح پڑی رہتی۔

سدی نے کہا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دے رکھا تھا کہ جو تمہارے پاس آئے اور یہ گمان رکھتا ہوں کہ وہ اللہ کا رسول ہے تو تم اس وقت تک اس کی تصدیق نہ کرنا، یہاں تک کہ وہ قربانی پیش کرے جسے آگ کھا جائے، یہاں تک کہ تمہارے پاس مسیح علیہ السلام اور محمد ﷺ تشریف لے آئیں۔ جب یہ دونوں تمہارے پاس آئیں تو دونوں پر ایمان لے آنا کیونکہ یہ اس معجزہ کے بغیر تشریف لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کرتے ہوئے فرمایا۔ (۱)

۴۔ اے محمد ﷺ فرمادیجیے کم ضمیر سے مراد یہودی ہیں رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ بَيِّنَات سے مراد قربانی کے علاوہ معجزات ہیں۔ الذی سے مراد قربانی کا معجزہ ہے۔ وہ بھی لائے جس طرح حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور دوسرے انبیاء جنہیں تم نے قتل کیا۔

۵۔ ان کے اسلاف کو جھٹلایا نہیں قتل کیا اور ان کی اولادوں نے حضور ﷺ کے زمانے کی تکذیب میں ان کی پیروی کی اور ان کے کفر پر راضی رہے۔ اسی وجہ سے استفہام انکاری کی صورت (فَلِمَ) میں ان سے کلام کی۔

۶۔ یہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے، یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو تو تمہارا ایمان نہ لانا اس وعدہ کی وجہ سے ہے تو پھر حضرت زکریا، یحییٰ اور ان جیسے انبیاء پر کیوں ایمان نہیں لائے، جب تم ان پر ایمان نہیں لاتے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ تمہارا ایمان نہ لانا اس وعدہ کی وجہ سے نہیں بلکہ عناد اور تعصب کی وجہ سے تھا۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوكَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ  
الْمُنِيرِ ﴿۱۷۴﴾

”اگر یہ جھٹلاتے ہیں آپ کو لے تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے ۱۰ جولائے تھے معجزات

اور صحیفے اور روشن کتاب ۱۰“

۱۰ اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو غمگین نہ ہوں

۱۰ اس تاویل کی بناء پر جزاء کی شرط محذوف ہے جزاء کے سبب کو جزاء کے قائم مقام رکھ دیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اگر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو تجھے جھٹلانا پہلے رسولوں کو جھٹلانا ہے کیونکہ انہوں نے آپ کی بعثت کی خبر دی تھی۔

۱۰ بیانات سے مراد واضح معجزات ہیں، الزبر سے مراد ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے، کتاب منیر سے مراد تورات و انجیل۔ پہلی تاویل کی صورت حضرت محمد ﷺ کو تسلی دی، یعنی صبر کرو جس طرح انہوں نے صبر کیا۔ دوسری تاویل کی صورت میں یہود پر الزام ہے کیونکہ حضور ﷺ کی تکذیب ان انبیاء کی تکذیب ہے جو قربانی کا معجزہ لائے تھے۔ ہشام نے بِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ پڑھا ہے، یعنی دونوں میں باء زائدہ موجود ہے، جبکہ ابن ذکوان نے صرف الزبر میں باء زائدہ پڑھی ہے جبکہ باقی تمام قراء نے دونوں میں باء زائدہ نہیں پڑھی۔ زبر زبور کی جمع ہے یہ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صرف احکام ہوں زبور الشنی سے مشتق ہے یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اسے اچھا کرے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ فَمَن زُحِرَ

عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْعُرُورِ ﴿۱۰۵﴾

”ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو لے اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن ۱۰ پس جو شخص بچا لیا گیا آتش

(دوزخ) سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر ساز و سامان دھوکہ میں ڈالنے والا ۱۰“

۱۰ نفس سے مراد مومن اور فاجر دونوں ہیں۔ امام بغوی نے حدیث میں کہا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو زمین نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی کہ آدم بنانے کے وقت اس سے مٹی لی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین سے وعدہ فرمایا کہ جو کچھ اس سے حصہ لیا گیا ہے اس کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ ہر ایک انسان کو اسی زمین میں دفن کیا جائے گا۔ اسے بناتے وقت جس مٹی سے مٹی لی گئی تھی (۱) خلاصہ یہ ہے کہ دنیاوی زندگی اور اس کی نعمتیں طاعت کی جزاء نہیں۔

۱۰ یعنی تمہارے اعمال کی پوری پوری جزاء دی جائے گی۔ اچھائی کی جزاء اچھائی کی صورت میں اور برائی کی جزاء برائی کی صورت میں آپ کو صبر اور طاعت پر جزا دوں گا اور کفار کو حق کی تکذیب پر بدلہ دوں گا۔ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی ہے۔ توفیہ کا لفظ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ بعض اجر دنیا میں بھی ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَآتَيْنَاهُ أَجْرًا فِي الدُّنْيَا ہم نے ابراہیم کا اجر دنیا میں دے دیا۔

حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے (۲) طبرانی نے اوسط میں ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔

۱۰ جسے جہنم سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو اس نے مطلوب اور مراد پالی، یعنی دنیاوی زندگی نہیں ہے مگر دھوکے کا سامان۔ متاع اسے کہتے ہیں جس سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے اور نفع حاصل کرتا ہے۔ غرور یا تو مصدر ہے غرہ بغرہ سے مشتق ہے، یعنی اسے دھوکہ دیا اور باطل چیز کا طمع دلا یا یہ غار کی جمع ہے۔ دنیا کو اس سامان کے ساتھ تشبیہ دی جس میں بائع مشتری پر کوئی چیز چھپاتا ہے اور اسے دھوکہ دیتا





دینا، مشرکوں کو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کے خلاف بھڑکانا اور مسلمانوں کی عورتوں کا ذکر کرتا۔

میں کہتا ہوں یہ غزوہ بدر کے بعد ہوا جب اس نے اسلام کی شوکت بڑھتی ہوئی دیکھی اور قریش کے سردار قتل ہوتے دیکھے وہ مکہ مکرمہ گیا اور مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا۔ قریش نے کہا کیا ہمارا دین صحیح ہے یا محمد ﷺ کا دین؟ اس نے جواب دیا تمہارا دین زیادہ صحیح ہے۔ حضرت حسان نے حضور ﷺ کی اجازت سے اس کی ہجو کی۔

صحیح میں یہ روایت بھی موجود ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے لئے کون کعب بن اشرف کا کام تمام کر سکتا ہے کیونکہ اس نے اپنے شعروں کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے (1) اور مشرکوں کو قوت بہم پہنچائی ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری نے کہا یا رسول اللہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں وہ میرا خالو ہے، میں اسے قتل کروں گا۔ فرمایا تو اگر اس پر قادر ہو سکے تو کر گزر۔ محمد بن مسلمہ واپس آئے، تین دن ٹھہرے، نہ کچھ کھاتے نہ پیتے مگر اتنا ہی جس سے زندگی کا سلسلہ باقی رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اس کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے پوچھا تو نے کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے ایک بات کی اب میں یہ نہیں جانتا کہ اسے پورا کر سکوں گا یا نہیں۔ فرمایا کوشش کر دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سعد بن معاذ سے مشورہ کرو۔ سعد بن معاذ نے اسے کہا اس کے پاس جاؤ اپنی تنگدستی کی شکایت کرو اور اس سے کچھ کھانا لینے کا سوال کرو۔ محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر، ابونا نکلہ سلکان بن سلامہ جو کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی تھا، حارث بن عیس، حارث بن اوس بن معاذ حضرت سعد بن معاذ آپ کے چچا تھے اور ابو عیس بن حمر جمع ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ہم اسے قتل کریں گے تاہم اپنے بارے میں ہمیں کچھ باتیں کرنے کی اجازت دیں کیونکہ آپ کے متعلق باتیں کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ آپ نے فرمایا جو مناسب سمجھو وہ کر لینا تم سے اس بارے میں کوئی گرفت نہ ہوگی۔ سب نے ابونا نکلہ کو آگے کیا۔ ابونا نکلہ اس کے پاس آئے اس کے ساتھ باتیں کیں، شعر کہے۔ ابونا نکلہ بھی شعر کہتا تھا۔ پھر کہا اے ابن اشرف تجھ پر افسوس! میں ایک ضرورت کے لئے تیرے پاس آیا تھا میں اس کا ذکر تیرے سامنے تو کرتا ہوں تاہم اسے مخفی رکھنا۔ ابن اشرف نے کہا میں ایسے ہی کروں گا۔ کہا اس آدمی (نبی مکرم) کا ہمارے شہر میں آنا ہمارے لئے مصیبت بن گیا۔ سارے عرب ہمارے دشمن بن گئے ہیں اور ہمارے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔ ہمارے راستے منقطع ہو چکے ہیں یہاں تک کہ ہماری آل اولاد ضائع ہونے لگی ہے اور جانیں مصیبت کا شکار ہو گئیں۔ کعب نے کہا میں نے تو تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ آخر کار ایسا ہی ہوگا۔ ابونا نکلہ نے کہا میرے کچھ ساتھی ہیں۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ تو ہمارے ہاتھ خوراک بیچے ہم تیرے پاس رہیں رکھیں گے اور تیرا اعتماد بحال کریں گے۔ اس میں تو ہم پر احسان کرے گا۔ کعب نے کہا اپنے بیٹے میرے پاس رہیں کے طور پر رکھ دو۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ ہم اپنی اولاد کو عار دلاتے پھریں کہ یہ ایک دست کار رہن ہے، یہ دوسرا دست کار رہن ہے۔ کعب بن اشرف نے کہا تم اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو انہوں نے کہا ہم اپنی عورتیں کیسے تیرے پاس رہن رکھ سکتے ہیں جبکہ تو عرب کا خوبصورت ترین مرد ہے، ہم تجھ سے امن میں نہیں۔ کوئی ایسی عورت نہیں جو تیرے جمال کو دیکھ کر تجھ سے محفوظ رہے گی۔ البتہ ہم اپنا اسلحہ تیرے پاس بطور رہن رکھ سکتے ہیں اور تجھے بخوبی علم ہے کہ ہمیں اسلحہ کی کتنی ضرورت ہے۔ اس نے کہا ہاں اسلحہ میں معاہدہ پورا کرنے کی امید ہے۔ ابونا نکلہ نے ارادہ کیا کہ کہیں یہ اسلحہ دیکھ کر انکار نہ کر دے تو شام کے آنے کا وعدہ کیا۔ ابونا نکلہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا۔ انہیں سب کچھ بتایا سب نے اتفاق کیا رات کے وقت وہ حسب وعدہ آئیں گے پھر رات کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سب کچھ بتایا (2) ابن اسحاق اور امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یقیناً غرقہ تک ان کے ساتھ تشریف لائے پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے

فرمایا اللہ کے نام کے ساتھ چلے جاؤ اے اللہ ان کی مدد فرما۔ پھر رسول اللہ ﷺ چاندنی رات میں اپنے گھر تشریف لے گئے۔ ربیع الاول کی چودھویں رات تھی جو دن کی طرح روشن تھی یہ چلے یہاں تک کہ کعب بن اشرف کے قلعہ تک پہنچے ابونا مکہ نے کہا میں اس کے بالوں کو بنوں گا جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے سر کو قابو کر لیا ہے تو اپنا کام کرنا اور اسے مار ڈالنا۔ ابونا مکہ نے اسے آواز دی کعب بن اشرف نے ابھی ابھی ایک شادی کی تھی وہ اپنی چادر میں ہی اٹھ کھڑا ہوا اس کی بیوی نے چادر کا دامن پکڑ لیا، کہا تو دشمنی والا آدمی ہے اور دشمنی والے اس لمحہ گھر سے نہیں نکلتے۔ میں ایسی آوازیں سنتی ہوں جن سے خون ٹپک رہا ہے ان سے قلعہ کے اوپر سے ہی بات کر لو۔ اس نے کہا میرا ان سے وقت مقرر ہے یہ میرا بھانجا ہے، محمد بن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابونا مکہ ہے۔ اگر یہ مجھے سوتا ہوا پاتے تب بھی جگا لیتے۔ شریف آدمی کو رات کے وقت بھی جب مقابلہ کے لئے بلایا جائے تب بھی وہ جواب کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ چادر لپیٹے قلعہ سے نیچے اتر آیا۔ اس سے خوشبو کی مہک آ رہی تھی۔ کعب بن اشرف نے ان سے بات چیت کی انہوں نے کہا کیا تیرے لئے ممکن ہے کہ ہم شعبہ عجز تک گھومتے پھرتے جائیں چند لمحات ہی چلے تھے۔ ابونا مکہ نے کہا میں تجھ سے خوشبو پاتا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا میری فلاں بیوی ہے جو تمام عرب عورتوں سے زیادہ خوشبو لگانے والی ہے۔ ابونا مکہ نے کہا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اسے سونگھوں کعب نے کہا اجازت ہے۔ ابونا مکہ نے اپنا ہاتھ کعب کے سر میں رکھا پھر ہاتھ کو سونگھا کہا میں نے اس رات سے بہتر کبھی خوشبو نہیں سونگھی۔ کعب بن اشرف کستوری کو پانی میں بھگو کر اور عنبر سے ملا کر تیل لگا تا اور اسے کپٹی پر تہہ در تہہ جمع کر دیتا۔ یہ گھنگریالے بالوں والا اور مضبوط انسان تھا پھر ابونا مکہ چند لمحات چلا۔ پھر پہلے والا کام کیا یہاں تک کہ کعب اس بالکل مطمئن ہو گیا۔ پھر ابونا مکہ تسلسل سے یہی عمل دہرانے لگا پھر اس نے یہی کیا اور اس کے سر کی مینڈھیاں پکڑ لیں اور خوب اسے قابو کر لیا اپنے ساتھیوں سے کہا اللہ کے دشمن کو مار ڈالو۔ ان کی تلواریں پے در پے حملہ آور ہوئیں لیکن کچھ فائدہ نہ دیا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا مجھے ایک خنجر یاد آیا جو تلوار کی نیام میں تھا۔ میں نے وہ لیا جبکہ اللہ تعالیٰ کے دشمن نے زور سے چیخ ماری۔ ارد گرد کوئی گڑھی نہ رہی جس میں آگ نہ روشن کر دی گئی ہو۔ میں نے خنجر اس کے پیٹ میں چھبھو یا اس پر پورا زور لگایا یہاں تک وہ اس کی ناف کے نیچے تک پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہلاک ہو گیا۔

ابن سعد کے پاس یہ روایت ہے کہ ابو عیسٰی نے اس کے پہلو پر نیزہ مارا، پھر انہوں نے کعب کا سر کاٹا، حارث بن اوس سر پر کسی کی تلوار لگی تھی۔ ہم یہودیوں کے پہرہ داروں کے خوف سے بھاگے۔ ہمارے ساتھی حارث بن اوس کے سر کے زخم کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے ساتھیوں کو کہا رسول اللہ ﷺ کو میرا سلام کہنا۔ سب ان کی طرف لوٹے، انہیں اٹھایا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ جب رات کے پچھلے پہر بقیع غرقہ کے مقام پر پہنچے تو اللہ اکبر کہا جبکہ رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی تکبیر کو سنا۔ آپ نے بھی اللہ اکبر کے کلمات کہے اور پہچان لیا کہ وہ کعب بن اشرف کو قتل کر آئے ہیں پھر وہ دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ ﷺ کو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوئے پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چہرے با مراد ہوں۔ انہوں نے عرض کی آپ بھی با مراد ہوں یا رسول اللہ ﷺ۔ صحابہ نے کعب بن اشرف کا سر آپ کے سامنے پھینک دیا۔ حضور ﷺ نے اس کے قتل پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی پھر انہوں نے اپنے ساتھی حارث کو پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے زخم پر لعاب دہن لگایا۔ پھر اس زخم نے آپ کو کوئی تکلیف نہ دی پھر وہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔

جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جس یہودی کو پاؤ اے قتل کر دو تو حضرت محیصہ بن مسعود نے شغینہ پر حملہ کر دیا جو ایک یہودی تاجر تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ میل جول رکھتا تھا اور ان کے ساتھ بیع و شراء کرتا۔ حضرت محیصہ نے اسے قتل کر دیا جو محیصہ بن مسعود بھی تک مسلمان نہ ہوا تھا جو محیصہ سے عمر میں بڑا تھا۔ جب محیصہ نے اس یہودی کو قتل کر دیا تو بڑا بھائی جو محیصہ انہیں مارنے لگا اور کہتا اللہ کے دشمن

تو نے اسے قتل کر دیا خبردار قسم بخدا تیرے پیٹ میں جڑبی کا اکثر حصہ اس کے مال کی وجہ سے بنا۔ حضرت حمیصہ نے کہا جس ہستی نے مجھے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر وہ تجھے قتل کرنے کا حکم دیں تو میں تجھے بھی قتل کر دوں گا۔ بڑے بھائی خوبصورت نے کہا اگر محمد ﷺ تجھے میرے قتل کا حکم دیں تو تو مجھے قتل کر دے گا۔ حمیصہ نے کہا ہاں میں قتل کر دوں گا۔ کہا قسم بخدا بیشک دین نے تجھے اس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے پھر خوبصورت مسلمان ہو گیا۔ یہودی خوف زدہ ہو گئے۔ پھر ان کے سرداروں میں سے کسی نے بھی سر نہ اٹھایا اور گفتگو نہ کی وہ خوفزدہ ہو گئے کہ کہیں انہیں بھی رات کے اندھیرے میں خاموشی سے قتل نہ کر دیا جائے۔

ابن سعد کے پاس یہ روایت ہے یہودی خوفزدہ ہو گئے، وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، عرض کی ہمارے سردار کو خفیہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے کردار کا ذکر فرمایا اور جو وہ لوگوں کو اکساتا، جنگوں کو بھڑکاتا اور آپ کو اذیت دیتا پھر آپ نے ان لوگوں کو دعوت دی کہ آپس میں صلح کا معاہدہ کر لیں۔ یہ معاہدہ حضرت علی شیر خدا کے پاس تھا۔ مسئلہ امام شافعی نے اس قصہ سے ایسے کافر کو قتل کرنے کے جواز کا استدلال کیا ہے جو حضور ﷺ کو گالی دے یا آپ کی تنقیص کرے یا آپ کو اذیت دے خواہ اس کے ساتھ معاہدہ ہو یا نہ ہو۔

امام اعظم ابو حنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس کافر کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے اگر وہ حضور ﷺ کو گالی دی تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ گالی دینا کفر ہے اور کفر معاہدہ کے منافی نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کعب بن اشرف کو اس لئے قتل کیا گیا کہ کیونکہ اس نے معاہدہ توڑا تھا اور مشرکوں کو حضور ﷺ کے ساتھ جنگ پر ابھارنے کے لئے مکہ مکرمہ گیا تھا جبکہ اس کا معاہدہ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا جبکہ اس نے مدد کی۔

مسئلہ یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ محمد بن مسلمہ اور ابونا نعلہ کی طرف سے دھوکہ تھا۔ حضرت امیر المومنین علی شیر خدا کی مجلس میں ایک دفعہ ایک آدمی نے ایسی بات کہی تھی تو آپ نے اس کی گردن اڑادی کیونکہ خدا رمان دینے کے بعد ہوتا ہے۔ محمد بن مسلمہ اور آپ کے ساتھیوں نے کعب کو امان نہیں دی تھی۔ انہوں نے بیع اور رہن کے معاملہ میں اس لئے گفتگو کی تاکہ اس کے قتل پر قادر ہو سکیں۔

فائدہ صحیح میں یہ موجود ہے کہ جس آدمی نے کعب سے بات چیت کی وہ محمد بن مسلمہ ہے، جب کہ اکثر اہل مغازی نے ابونا نعلہ کا نام ذکر کیا ہے دونوں کو تطبیق دینا اس طرح ممکن ہے کہ گفتگو دونوں نے کی ہو۔

جس امتحان میں تمہیں ڈالا گیا ہے اس میں صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے بچو۔  
www.nafseislam.com  
صبر اور تقویٰ۔

صبر عزم مصدر ہے مفعول کے معنی میں ہے، یعنی یہ ان امور میں سے ہے جن میں عزم واجب ہے یا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور مبالغہ کیا۔ عزم اصل میں کسی اور کو گزرنے پر رائے کا ثابت ہونا ہے۔ عطاء نے کہا یہاں اس سے مراد ایمان کی حقیقت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صبر سے مراد جزع فزع کرنا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو آزمائے تو اس کی اتباع کرنا اعتراض نہ کرنا یہ چیزیں کفار سے انتقام لینے کے منافی نہیں جب وہ مسلمانوں کو اذیت دیں جس پر کعب بن اشرف کا قصہ دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمتوں سے دور کرے۔ واللہ اعلم

وَإِذَا خَدَّ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْفُرُونَهُ  
فَبَدُّوْا وَرَأَوْا ظُهُورَهُمْ وَاسْتَرَوْا بِهٖ ثُمَّ قَلِيْلًا فَبَيْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿٢٥﴾

”اور یاد کرو جب لیا اللہ نے پختہ وعدہ ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی۔ کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے اور نہ چھپانا اس کو ۲۔ تو (النا) انہوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے ۳۔ اور انہوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی سی قیمت ۴۔ سو بہت بری ہے وہ چیز جسے وہ خرید رہے ہیں ۵۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے کو یاد کرو الذین سے مراد علماء ہیں جن سے تورات میں وعدہ لیا گیا۔

۲۔ ضمیر سے مراد کتاب ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابو بکر نے دونوں میں یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

۳۔ ضمیر سے مراد کتاب ہے، یعنی انہوں نے ضائع کر دیا، اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور حضور ﷺ کی نعت کو چھپایا۔

۴۔ اس کے بدلے میں لی کھانے کی چیزیں اور رشوت۔

۵۔ جو وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ کتنی بری چیز ہے۔ قتادہ نے کہا ہر وہ معاہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے علماء سے لیا جو کسی چیز کا علم رکھے اس پر لازم ہے کہ اوروں کو بھی سکھائے تمہیں علم چھپانے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ سراسر ہلاکت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک دن کہا اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا کہ جو کچھ میں تمہیں بیان کروں (تو اسے نہیں چھپاؤ گے) پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی سے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا گیا جس سے وہ آگاہ تھا۔ اس نے اسے چھپایا اسے قیامت کے روز آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ اسے امام احمد اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے (۱) بغوی نے کہا حسن بن عمارہ نے کہا میں زہری کے پاس آیا جبکہ آپ نے اس وقت حدیث پڑھانا چھوڑ دیا تھا۔ میں آپ کو دروازے پر ملا، میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے حدیث بیان کریں گے انہوں نے جواب دیا کیا تجھے علم نہیں؟ میں نے حدیث میں روایت کرنا چھوڑ دی ہے۔ میں نے ان سے عرض کی یا تو آپ مجھے حدیث بیان کریں۔ یا پھر میں آپ کو حدیث سنا تا ہوں۔ انہوں نے فرمایا تم بیان کرو۔ میں نے کہا مجھے حکیم بن عیینہ نے یحییٰ جزار سے روایت کی ہے، کہا میں نے علی بن ابی طالب سے سنا، وہ فرما رہے تھے اللہ تعالیٰ نے جبلاء سے علم سیکھنے کا وعدہ اس وقت نہیں لیا جب تک علماء سے علم سکھانے کا وعدہ نہیں لے لیا۔ یہ سن کر زہری نے مجھے چالیس احادیث بیان کیں (۲) ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اسے حارث سے وہ ابو اسامہ سے نقل کرتے ہیں۔ یہ مسند فردوس میں حضرت علی سے مرفوع انداز میں منقول ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُجِبُونَ أَنَّ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

فَلَا تَحْسَبَنَّاهُمْ بِسَفَاذَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۸﴾

”ہرگز آپ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنی کارستانیوں پر۔ اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے

کاموں سے جو انہوں نے کئے ہی نہیں ۲۔ تو ان کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ امن میں ہیں ۳۔ عذاب سے ۴۔ ان کے لئے

ہی تو دردناک عذاب ہے ۵۔“

۱۔ ما اتوا سے مراد جو انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا حق و باطل کو ملایا، حق کو چھپایا یا مطلق گناہ ہیں۔

۲۔ ما لم يفعلوا سے مراد وعدہ کو پورا کرنا، حق کا اظہار کرنا سچی خبر دینا یا اس جیسی دوسری نیکیاں ہیں۔ ان کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ جو کچھ انہوں نے کیا

وہ حضور ﷺ کی نبوت کی تکذیب میں مددگار تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول سے مراد منافق ہوں جو حقیقت میں طاعت نہیں کرتے تھے اور یا کاری کے طور پر اسے ظاہر کرتے تھے۔ پسند یہ کرتے کہ زاہد اور اطاعت گزاروں کی حیثیت سے ان کی تعریف کی جائے۔

۳۔ کوفہ کے قراء نے دونوں جگہ واحد مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے اور خطاب حضور ﷺ کو ہے۔ اس صورت میں پہلے فعل کا مفعول اول اسم موصول ہوگا اور دوسرا بمفازة ہوگا جبکہ دوسرا فعل پہلے فعل کی تاکید ہوگا اس کا فاعل اور مفعول پہلے والے فعل کے فاعل و مفعول ہی ہوں گے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے دونوں میں غائب کے صیغے پڑھے ہیں۔ دوسرے فعل کو جمع کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ ضمیر فاعل الذین اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس صورت میں پہلے فعل کا فاعل اسم موصول ہوگا اور اس کے دونوں مفعول محذوف ہوں گے جن پر فعل تاکید کے مفعول دلالت کر رہے ہیں یا پہلا مفعول تو اس کا محذوف ہے اور دوسرا مفعول بمفازة ہے۔ دوسرا فعل پہلے فعل کی تاکید کے لئے اس کا فاعل اور مفعول پہلے والے فعل کا ہے۔

نافع، ابن عامر پہلے فعل کو غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں جن پر دوسرے فعل کے مفعول دلالت کرتے ہیں۔ دوسرے فعل کو واحد مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے اور خطاب رسول ﷺ کو ہے۔

۴۔ دنیا میں عذاب کی صورت رسوائی، مذمت اور عدم قبول ہے۔

۵۔ اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ شیخین اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے حمید بن عبدالرحمن بن عوف سے روایت کیا ہے، اسی طرح امام بغوی نے بخاری کی سند سے علقمہ بن وقاص سے کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا اے رافع ابن عباس کے پاس جاؤ، ان سے سوال کرو کہ ہم میں سے ہر اپنے کئے پر خوش اور جو اس نے اچھا عمل نہیں کیا اس پر تعریف کا خواہشمند ہے تو کیا ہم سب کو عذاب دیا جائے گا؟ ابن عباس نے کہا تمہارا اس آیت سے کیا واسطہ، اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو بلایا، ان سے ایک چیز کے بارے میں سوال کیا۔ یہودیوں نے اس بات کو چھپایا بلکہ اس کے برعکس خبر دی، جبکہ یہ ظاہر کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے کہ ان سے جو پوچھا گیا تھا وہی بتایا ہے اور اس عمل پر تعریف کے خواہشمند ہوئے، ساتھ ہی ساتھ اس بات پر بھی خوش تھے کہ آپ نے جو بات پوچھی تھی وہ انہوں نے چھپائے رکھی ہے۔ پھر ابن عباس نے ان سابقہ دو آیات کی تلاوت کی۔ (۱)

شیخین نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر پر تشریف لے جاتے تو کچھ منافق گھروں میں بیٹھے رہتے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش ہوتے۔ جب آپ واپس تشریف لاتے تو معذرت پیش کرتے، قسمیں اٹھاتے اور خواہشمند ہوتے کہ ان کی ایسے اعمال پر بھی تعریف کی جائے جو انہوں نے کئے نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی (۲) عبد نے اپنی تفسیر میں زید بن اسلم سے روایت نقل کی ہے کہ رافع بن خدیج اور زید بن ثابت مروان کے پاس تھے۔ مروان نے کہا اے رافع یہ آیت مذکورہ کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ رافع نے کہا منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ جب نبی کریم ﷺ غزوہ بدر کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ معذرت پیش کرتے اور کہتے ہمیں بعض مصروفیات نے آپ کے ساتھ جانے سے روک رکھا ہم پسند کرتے تھے کہ آپ کے ساتھ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اس آیت کو نازل فرمایا، گویا مروان نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ رافع اس کے پاس سے اٹھا، زید سے کہا میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا جو کچھ میں نے کہا اسے تو جانتا ہے؟ زید نے کہا ہاں، میں جانتا ہوں۔ حافظ ابن حجر نے کہا دونوں میں تطبیق ممکن ہے کہ یہ آیت دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ فراء نے کہا یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی، وہ کہتے تھے ہم اہل کتاب ہیں نماز اور طاعت

والے ہیں۔ اس کے باوجود حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے تابعین کی ایک جماعت سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ ابن جریر نے اسے ترجیح دی ہے۔ ایسا کوئی مانع نظر نہیں آتا کہ یہ کہا جائے کہ یہ ان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ امام بغوی نے کہا عکرمہ نے کہا یہ فخاص اور شیعی اور دوسرے یہودی علماء کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگوں کو گمراہ کر کے اور علماء کہلا کر خوش ہوتے تھے، جبکہ وہ اہل علم نہ تھے۔ مجاہد نے کہا یہ یہودی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم کو جن نعمتوں سے نوازا تھا اس سے خوش ہو گئے، جبکہ وہ خود اس سے بری تھے۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا خیبر کے یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہا ہم آپ کو پہچانتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں آپ کی رائے پر ہیں اور آپ کے مددگار ہیں جبکہ بیان کے دلوں میں نہ تھا۔ جب آپ کی مجلس سے باہر آئے مسلمانوں نے ان سے کہا تم نے بہت اچھا کیا ایسا کرو۔ مسلمانوں نے ان کی تعریف کی اور ان کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱)

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۳۸﴾

”اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

۱۔ یعنی بارش، رزق، نباتات اور دوسری چیزوں کے خزانے اسی کے پاس ہیں، جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس لئے تمہیں عذاب دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کے اس قول کا رد ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے۔ طبرانی، ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ قریش یہودیوں کے پاس آئے پوچھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کون سے معجزات لائے تھے؟ یہودیوں نے کہا عصا، ید بیضاء وہ انصاری کے پاس آئے تو پوچھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کیا معجزات تھے؟ تو انصاری نے جواب دیا وہ مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہمارے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ صفا کو سونا بنا دے تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اٰخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۳۹﴾

”بیشک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے میں ۱۔ اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں ۲۔ (بڑی) نشانیاں ہیں اہل عقل کیلئے۔“

۱۔ زمین و آسمان میں جو عجائبات ہیں، ان سب کی تخلیق اور ایسی ماہیات میں انہیں وجود عطا کرنا جبکہ ممکن ہونے کی بنا پر یہ بالذات وجود کے متقاضی نہیں (ممکن میں وجود عدم دونوں برابر ہوتے ہیں)

۲۔ خوبصورت انداز اور پختہ نظام کے تحت ان کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔

۳۔ صانع کے وجود اور اس کے علم، قدرت، ارادہ اور اس کی حکمت کے کمال پر واضح دلائل ہیں۔ ایسے عقول والے ہیں جو اوہام کے شائبوں اور شیطان کے وساوس سے پاک ہیں۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آدمی کے لئے ہلاکت ہو جو اسے پڑھے اور اس میں غور و فکر نہ کرے۔ ابن حبان نے صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ایک رات وہ

آقائے دو عالم ﷺ کے ہاں سوئے آپ کو بیدار ہوتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے مسواک کیا، وضو کیا جب کہ آپ یہ ارشاد فرما رہے تھے إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّمَنْ يَعْقِلُ۔ پھر آپ نے یہ عمل تین دفعہ کیا۔ چھ رکعت ادا فرمائیں، ہر لمحہ مسواک کرتے، وضو کرتے ان آیات کی تلاوت کرتے۔ پھر آپ نے تین وتر ادا کئے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (۱)

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۱

”وہ عقل مند جو یاد کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے ۱۱ اور غور کرتے

رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سے (اور تسلیم کرتے ہیں) اے ہمارے مالک! انہیں پیدا فرمایا تو نے یہ (کارخانہ

حیات) بے کار ۱۱ پاک ہے تو (ہر عیب سے) بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے ۱۱“

۱۱۔ الذین یہ اولی الالباب کی صفت ہے کیونکہ عقل کا مقتضی اپنے آپ کو ذکر، فکر، تسبیح، ایمان، استغفار دعا اور تضرع سے متصف کرنا ہے، جو انسان ان سے متصف نہ ہو وہ چوپاؤں کی مانند ہے بلکہ ان سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ چوپائے بھی تو کسی نہ کسی انداز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔

۱۲۔ امام بغوی نے کہا حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس، نجفی اور قتادہ نے کہا یہ نماز کے بارے میں ہے وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، اگر طاقت نہ رکھے تو بیٹھ کر، اگر یہ بھی طاقت نہ رکھے تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔ اس آیت کی مثل سورہ نساء میں بھی ہے: فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ (۲)۔ عمران بن حصین کی حدیث ہے کہ مجھے بوا سیر کا مرض تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے مریض کی نماز کے متعلق دریافت کیا فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر طاقت نہیں رکھتے تو بیٹھ کر پڑھو، اگر اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھو۔ اسے امام بخاری (۳) اور سنن اربعہ کے مصنفین نے نقل کیا ہے۔ نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر اس کی طاقت نہیں رکھتے تو چپ لیٹ کر نماز ادا کرو، اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف بناتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر طاقت رکھتا ہے، اگر طاقت نہیں رکھتا تو بیٹھ کر نماز پڑھے، اگر سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اشاروں سے نماز پڑھے اور سجدہ کے اشارہ کو رکوع کے اشارہ سے پست کرے، اگر اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو دائیں پہلو کے بل سجدہ کرے جبکہ قبلہ شریف کی طرف منہ کئے ہوئے، ہو اگر دائیں پہلو کے بل بھی نماز نہیں پڑھ سکتا تو چپ لیٹ کر نماز پڑھے کہ پاؤں قبلہ کی جانب ہوں۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں حسین بن زید ہے، اسے ابن مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے اور ایک راوی حسن بن حسن مغربی ہے جو متروک ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی نے کہا جب مریض قیام کرنے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے، جب بیٹھنے سے عاجز ہو تو دائیں پہلو کے بل قبلہ کی طرف منہ کرتے ہوئے نماز پڑھے، اگر اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو پشت کے بل لیٹ جائے، اپنی ٹانگیں کعبہ کی جانب کرے، یہاں تک کہ اس کا رکوع اور سجود قبلہ کی جانب ہو۔ یہی امام مالک اور احمد نے کہا ہے۔ ہاں تھوڑا اختلاف یہ کیا ہے کہ اگر اس نے پشت کے بل لیٹ کر نماز پڑھی جبکہ دائیں پہلو کے بل نماز پڑھنے پر قادر تھا تو اس کی نماز جائز ہوگی، جبکہ امام شافعی نے اس مسئلہ میں





سے ہوتا ہے جن کی دل میں صورت کا حاصل ہونا ممکن ہو اسی وجہ سے روایت ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں سوچ و بچار کرو، اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کسی صورت میں اسے بیان کیا جائے۔ بعض علماء نے کہا فکر فرک سے منقول ہے (2) لیکن فکر کنی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ امور کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ان میں بحث و تمحیص کرنا (صحاح)

میں کہتا ہوں ہر چیز میں تفکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان اور اس کی کرسی کے درمیان سات ہزار نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بھی بلند و بالا ہے۔ ابو الشیخ نے ابن عباس سے اعظمۃ میں نقل کیا ہے، آپ سے ہی اس لفظ کے ساتھ مروی ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تفکر کرو، خالق کی ذات میں تفکر نہ کرو۔ کیونکہ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے حضرت ابو ذر سے اسی کی مثل ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تفکر کرو، اللہ تعالیٰ میں تفکر نہ کرو اور نہ ہلاک ہو جاؤ گے ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عباس سے یوں روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو ابو الشیخ طبرانی نے اوسط ابن عدی اور بیہقی نے سند ضعیف کے ساتھ اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو۔ (3) یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مرتبہ ذات میں تفکر سے منع کیا گیا اور تفکر کو افعال، صفات اور اسماء تک محدود رکھنے کا حکم ہے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ اسماء اور صفات کے تعلق کے بغیر ذات کا علم تصوری ممتنع ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا علم حضوری بھی اس مرتبہ عالیہ سے ساقط ہے کیونکہ اس کا گزر صرف عالم کی ذات کی جانب ہوتا ہے، یعنی مرتبہ اتحاد و عینیت کی طرف ہوتا ہے۔ پس اس سے حقیقت کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے پس وہ جانب قرب میں وراء الوراء ہے، پھر وراء الوراء پھر وراء الوراء ہے، نہ کہ وہ جانب بعد میں وراء الوراء ہے لہذا مرتبہ ذات میں اس کی ذات کا علم حضوری بھی ممکن نہیں۔ بعض صوفیاء کو ذات کے متعلق جو دائمی حضوری اور بسیط علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔ وہ ان دونوں علموں (دائمی، علم لدنی) سے دارہ ہوتا ہے اس کی حقیقت کو کچھ بھی نہیں جانا جاسکتا۔ اس پر حقیقت کے اعتبار سے تفکر کا اطلاق جائز نہیں ہوتا بلکہ مجاز اس کا ذکر کر دیا جاتا ہے جس طرح بعض صوفیاء نے اس کیلئے تفکر کا ذکر کیا ہے۔ شرع میں اسے ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے، یہ ذکر لسانی نہ ہوتا کیونکہ اس پر دوام ممکن ہی نہیں۔ دوام ذکر اہم ترین چیز ہے اور فکر اس تک پہنچنے کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اولی الالباب کی صفت دوام ذکر سے بیان فرمائی، بعد میں ان کی صفت تفکر سے بیان کی جو علم تک پہنچانے والا ہے اور تفکر کی حیثیت ذکر کے لئے ایسے ہی ہے جس طرح کسی چیز کا سایہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَلَّذِي يَنْبَغِي كُرْؤَنَ اللّٰهِ قِيَمًا وَقُؤُوْدًا عَلٰى جُؤُوْدِهِمْ۔ یعنی وہ تمام احوال میں ذکر جاری رکھتے ہیں، وہ زمین و آسمان کی تخلیق میں تفکر کرتے ہیں۔ نیز ذکر کو فکر پر مقدم کرنے میں اس بات پر بھی تشبیہ ہے کہ عقل احکام حقہ تک پہنچانے میں غیر مستقل ہے جب تک وہ فکر کے نور اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت سے روشن نہ ہو (تفکر اسی وقت کام آتا ہے جب پہلے عقل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی ہدایت سے منور ہو۔

یہ مقولہ ہے اور قول محذوف ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی يَتَفَكَّرُوْنَ فَاَلْبَلِيْنَ رَبَّنَا..... باطل حق کی ضد کو کہتے ہیں۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ لفظ حق کا اطلاق بعض اوقات ایسی ذات پر ہوتا ہے جو موجود ہو اور واجب الوجود ہو وہ اپنے ثبوت اور وجود میں کسی اور کا محتاج نہ ہو اور نہ ہی کسی محل میں پایا جائے وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔

بعض اوقات اس کا اطلاق ایسی چیز پر ہوتا ہے جو خارج میں متحقق ہو محض وہم اور خیال کی پیداوار نہ ہو اگرچہ اس کا وجود وجود حق سے مستفاد ہو۔ بعض اوقات اس کا اطلاق ایسی چیز پر ہوتا ہے جس کا وجود حکم و مصالح پر مشتمل ہو، وہ فضول بے فائدہ باطل اور ضائع ہونے والا نہ ہو، باطل تمام

معانی کے اعتبار سے حق کی ضد ہے۔ پہلے معنی کی صورت میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہماری راہنمائی کرتا ہے خبردار بہترین قول لبید کا قول ہے کُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ یعنی اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے کیونکہ کوئی دوسری چیز اپنا اصلی وجود نہیں رکھتی بلکہ ہر اعتبار سے محتاج ہے۔ شعر میں دوسرے معنی کا اعتبار کرنا بھی صحیح ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر معبود باطل ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ وہم و خیال کا تراشیدہ ہے۔ تیسرے معنی کا اعتبار کیا جائے تو باطل کا اطلاق شیطان پر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۗ اَگر یہاں باطل دوسرے معنی میں ہو تو آیت کا معنی وہ ہوگا جو اہل حق (اہل سنت) نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرتے ہوئے سوسفٹائیہ کے خلاف جسے اس قرار دیا ہے کہ اشیاء کی حقیقت ثابت ہے اور ان کا علم مستحق ہے (۱) اگر حق کا تیسرا معنی لیا جائے تو پھر اس کے مقابل آیت میں باطل کا معنی یہ ہوگا کہ اے اللہ تو نے مخلوق کو فضول پیدا نہیں فرمایا بلکہ حکمت عظیم کے تحت پیدا فرمایا جو تیری معرفت پر دلیل اور تیرے شکر و طاعت پر براہینتہ کرنے والی ہے۔ ہذا سے سموات اور ارض کی طرف اشارہ ہے۔

سوال: اب اسم اشارہ مونث آنا چاہیے تھا کیونکہ اشاریہ مونث ہے۔

جواب ۱:- ان کو متفکر فیہ کی تاویل میں کرتے ہوئے اسم اشارہ مذکر ذکر کیا۔ 2- کیونکہ یہ دونوں مخلوق کے معنی میں ہیں اس لئے اسم اشارہ مذکر ذکر کیا۔ یا ہذا سے اشارہ خلق کی طرف ہے اور اس سے مراد مخلوقات ہے جیسے آسمان و زمین یا اس سے مراد تخلیق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے تمام اجزاء میں سے ہر جزء میں تقرر مراد لیا جائے اور ہذا سے اشارہ اس ایک جزء کی طرف ہو۔ باطلا ہذا سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یہ بھی جائز ہے باطلا بمعنی ہا ذلّا ہو اور خلقت کے فاعل سے حال ہو اس صورت میں اگلا ارشاد اس کی تاکید ہوگا۔

۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ بے مقصد کام کرنے سے پاک ہے کیونکہ یہ عمل کمینہ حرکت ہے۔ اگر باطلا میں پہلی تاویل کی جائے تو پھر یہ جملہ معترضہ ہوگا۔ ۳۔ نظر و فکر کرنے میں جو کوتاہی ہوئی اور اس کے تقاضا کے مطابق جو امور سرانجام دینے چاہئیں تھے۔ ان میں جو کمی ہوئی تھی اس کے بدلے میں واقع ہونے والے آگ کے عذاب سے ہمیں محفوظ رکھ۔ فقنا میں فاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق (جو اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال، اس کا شکر بجالانے اور طاعت کے لئے ہے) اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مطیع کو ثواب دیا جائے اور نافرمان کو سزا دی جائے اور ان کے باطل اور فضول نہ ہونے کا علم امید اور خوف کا تقاضا کرتا ہے۔ امید اور خوف ثواب طلب کرنے اور عذاب سے پناہ مانگنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہاں استعاذہ (پناہ مانگنے) کو پہلے اس لئے ذکر کیا کیونکہ ضرر کا دور کرنا نفع کے حصول سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ فاء جزاء کے معنی کی وجہ سے داخل ہوئی، تقدیر کلام یوں ہوگی۔ اب ہم نے تیری تصدیق کر دی تو تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۱﴾

”اے ہمارے رب! بے شک تو نے جسے داخل کر دیا آگ میں تو رسوا کر دیا تو نے اسے اور نہیں ہے ظالموں کا۔“

کوئی مددگار ہے۔“

۱۔ ربنا کا لفظ چند مقاصد کے لئے مکرر ذکر فرمایا۔ 1- آہ و زاری میں مبالغہ کے لئے۔ 2- اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ ہر مطلب مستقل ہے۔ 3- ہر ایک بڑی شان رکھتا ہے۔ 4- صفت ربوبیت سے تمسک کرنے کے لئے۔ 5- ان کے اس اعتراف پر دلالت کرنے کے

(۱) اہل حق کا یہ نکتہ نظر ہے کہ کائنات میں جو چیزیں ہمیں نظر آ رہی ہیں ان کی حقیقت ثابت ہے اور ان کا علم ہو سکتا ہے، یہ کہنا درست نہیں کہ یہ سب وہم کی پیداوار ہے اور ان کا علم حاصل کرنا ممکن نہیں۔

لئے وہی اُن کا رب ہے۔ خزواہ کا معنی ہے اس پر غالب آ گیا اور اسے خواہش سے روک دیا۔ خزوی کا معنی ہے وہ مصیبت میں پھنس گیا۔  
اخزواہ اللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے رسوا کر دیا۔ قاموس کے اندر یہی معانی مذکور ہیں۔

۲۔ یعنی جو جہنم میں داخل ہوا یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ ان کا ظلم ہی ان کے جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

۳۔ کیونکہ نصرت کا معنی ہوتا ہے زبردستی کسی کا دفاع کرنا۔ اللہ تعالیٰ جو قہار ہے اس کے مقابلہ میں قہر کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کا بجز لازم آئے گا جو ربوبیت کے منافی ہے۔ یہ ارشاد شفاعت کے منافی نہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ** اس روز اللہ تعالیٰ نبی اور اس پر ایمان لانے والوں کو رسوا نہ کرے گا جبکہ اہل ایمان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو جہنم میں داخل ہوں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فَمَنْ يُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْنَاهُ** یعنی جسے تو جہنم میں داخل کرتا ہے تحقیق تو نے اسے رسوا کر دیا تو پھر دونوں میں تطبیق کیسے ہوگی۔

ہم یہ کہیں گے اس کا معنی یہ ہے جب تک وہ جہنم میں ہے تو اسے رسوا کر دیا۔ یاد ہاں مومنین سے مراد کامل مومن ہیں۔ حضرت انس اور قتادہ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے جسے تو ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کرے تو نے اسے رسوا کر دیا۔ (۱) سعید بن منصور نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو جہنم سے نہیں نکلیں گے۔ حضرت جابر سے مروی ہے مومن کو اخزواہ (رسوا) کرنے کا مطلب اسے ادب سکھانا ہے اور خزوی اخزواہ سے بڑھ کر ہے۔

رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا  
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿۹۳﴾

”اے ہمارے رب! بے شک سنا ہم نے منادی کرنے والے کو، کہ بلند آواز سے بلاتا تھا ایمان کی طرف ۲۔ (اور کہتا تھا)  
کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر ۳۔ تو ہم ایمان لے آئے ۴۔ اے ہمارے مالک! پس بخش دے ہمارے گناہ اور منادے ہم سے ہماری برائیاں ۵۔ اور (اپنے کرم سے) موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ۶۔“

۱۔ حضرت ابن مسعود، ابن عباس اور دوسرے کثیر علماء نے کہا منادی سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ (۲) قرطبی نے کہا اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ ہر ایک تو حضور ﷺ سے ملاقات نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں جس نے حضور ﷺ کا ارشاد تو اتر سے سنا۔ تحقیق اس نے آپ کو سنا یہاں فعل کا مفعول سنانے والے کو بنایا مسوع (سنی جانے والی بات) کو نہیں بنایا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ وصف اس مسوع پر دلالت کرتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں مبالغہ ہے جو فعل کو مسوع پر واقع کرنے میں نہیں۔ منادی کو نگرہ ذکر کرنا پہلے اسے مطلق ذکر کرنا پھر اس کو مقید لانا یہ منادی اور ندا کی شان کو بلند کرنے کیلئے ہے کیونکہ جو ایمان کی طرف دعوت دیتا ہے اس سے بڑھ کر عظمت والا منادی کوئی نہیں اور اس ندا سے بڑھ کر کوئی اور ندا نہیں۔

۲۔ نداء الی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، جبکہ یہاں لام کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنے ضمن میں انتہاء اور اختصاص کا معنی لئے ہوئے ہے۔

۱۔ یہاں ان مفسرہ ہے۔ یہ کلام بنادی کی تفسیر کر رہا ہے کیوں نہ اپنے ضمن میں قول کا معنی لئے ہوئے ہے اور ان تفسیر یہ کے لئے یہی شرط ہوتی ہے یا یہ ان مصدر یہ ہے اس صورت میں اس سے پہلے باء حرف جار محذوف ہوگا۔

۲۔ سو ہم اس پر ایمان لے آئے اس میں اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ ایمان حقیقت میں دلائل سمعیہ پر مرتب ہوتا ہے ابو منصور ی الماتریدی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے ہے کہ ایمان میں استثناء باطل ہے (۱) بلکہ یہ کہنا لازم ہے انا مو من حقا میں پکا مومن ہوں۔  
۳۔ یہاں فاء سببیہ ہے کیونکہ ایمان مغفرت کا سبب ہے اور مغفرت ایمان کے بغیر متصور نہیں ہوتی، یعنی ہمارے گناہ کبیرہ کو بخش دے۔ یعنی ہمارے گناہ صغیرہ پر پردہ ڈال دے۔ یہاں تفعلیل کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ چھوٹے گناہ کثیر ہوتے ہیں۔

۴۔ ابرار ہر بار کی جمع ہے جس کا معنی سچا، زیادہ بھلائی کرنے والا اور احسان میں وسعت والا ہے۔ توفی مع الابرار کا معنی ہے ہمیں ان کے زمرہ اور جماعت میں شامل کر کے موت عطا فرما۔ یہاں ان کی موت کے وقت موت کو طلب کرنا نہیں کیونکہ یہ عادت متصور بھی نہیں ہوتا اور فائدہ مند بھی نہیں ہوتا۔ یہاں توفی بارین کے الفاظ ذکر نہیں کئے، مقصود تو اضع ہے اور اپنے آپ کو ان نیک لوگوں میں شمار نہ کرنا ہے۔ اس میں حد درجہ کا خضوع ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

اگر یہ کہا جائے یہ تو موت کا سوال ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا کرنے اور وقت سے پہلے اس کے آنے کی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے جس کا ذکر ہم نے سورۃ بقرہ کی آیت قَسَمُوا الْمَوْتَ اِنْ لَّمْ تُنْتُمْ صِدِّقِيْنَ میں کیا ہے۔

ہم جواب دیں گے ہم نے اس مسئلہ کی وہاں تحقیق پیش کر دی ہے کہ موت کی تمنا اس وقت ناجائز ہوتی ہے جب کسی تکلیف اور مصیبت کے نازل ہونے پر کی جائے، خواہ یہ مصیبت مال، جسم اور اس جیسی چیزوں میں کی جائے مطلقاً اس کی تمنا کرنا ممنوع نہیں۔

یہاں اس دعاء سے مقصود نیکی اور احسان کے وصف سے موت تک متصف ہونے کی تمنا کرنا ہے اس سے مقصود موت کو جلدی طلب کرنا نہیں جس طرح رب العالمین کا یہ ارشاد ہے وَلَا تَمُوتُنَّ اِذْ اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ یہاں اس سے مقصود موت سے نہیں کیونکہ یہ بندے کی طاقت میں نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ کسی زمانہ میں بھی اسلام کے علاوہ کوئی حالت نہ ہو، یہاں تک کہ جب موت آئے تو وہ حالت اسلام میں ہو۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ

الْبِيعَادَ ﴿۳۳﴾

”اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں جو وعدہ کیا تو نے ہمارے ساتھ ہے اپنے رسولوں کے ذریعے اور نہ رسوا کر ہمیں“

قیامت کے دن ہمیں شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے“

۱۔ ما سے مراد جنت میں ثواب، دیدار، رضا اور قرب اور دنیا میں دشمنوں کے خلاف مدد ہے۔

۲۔ تیرے رسولوں کی تصدیق کرنے کی وجہ سے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے رسولوں کی زبانوں پر جو تو نے وعدہ کیا ہے۔ یہ علی رُسُلِكَ محذوف کے متعلق ہے مَا وَعَدْتَنَا مِنْزِلًا عَلٰی رُسُلِكَ پیغمبروں پر جو وعدہ نازل کیا تھا وہ عطا کر۔ یہ بھی جائز ہے کہ علی مع کے معنی میں ہو یعنی اپنے رسولوں کے ساتھ ہمیں بھی عطا کر اور جو اجر تو نے انہیں دینا ہے ہمیں بھی اس میں شریک کر۔ اس سے غرض رسالت کا حق ادا کرنا ہے اور رسولوں کی مشارکت کی برکت سے اپنے لئے فضل میں اضافہ کرنا ہے۔

(۱) یہ کہنا میں ان شاء اللہ مومن ہوں، یہ باطل ہے۔

مَا وَعَدْتَنَا فِي جَوْعٍ مُّتَكَلِّمٍ كِي ضَمِيرٍ هِيَ يَا مُسْلِمَانُونَ كِي جَمَاعَتِ كِي لِي لِي هِيَ، يَعْنِي هُمُوس وَهُ عَطَا كَرِجُو تُوْنِي صَاخِ مُسْلِمَانُونَ سِي وَعَدَهُ كَرِ  
رَكَّاهُ هِيَ يِي سَوَالِ اللّٰهِ تَعَالَى كِي طَرَفِ سِي وَعَدَهُ خَلَاْفِي كِي خَوْفِ كِي وَجْهٍ سِي نِيْسِي بَلَكُ اسِ خَوْفِ كِي وَجْهٍ سِي هِيَ كِي كَيْسِي سَأَلِ اِن لُوْغُوْنِ مِيْسِي سِي نِي  
هُوَ جِنِّ سِي بَرِّ سِي اِنْجَامِ كَا وَعَدَهُ كِيَا كِيَا هِيَ، هُمُ بَرِّ سِي اِنْجَامِ اُوْر اِيْمَانِ وَطَاعَتِ مِيْسِي كُو تَا هِيَ سِي اللّٰهِ تَعَالَى كِي پَنَاهِ چَا هِيْتِي هِيْسِي۔ يِي هِيْجِي جَا نَزَّ هِيَ كِي يِي  
سَوَالِ مَبُودِيْتِ كِي اِظْهَارِ اُوْر عَا جَزِي كِي طَوْرِ پَرِ هِيَ كِيُوْنَكِي اللّٰهِ تَعَالَى هِرَا مِرِ پَرِ غَا لِبِ هِيَ جُو چَا هِيْتَا هِيَ كَرِ تَا هِيَ اُوْر جُو اِرَادَهُ كَرِ تَا هِيَ حَكْمِ دِيْتَا هِيَ  
كِيُوْنَكِي اسِ كِي شَانِ يِي هِيَ جُو وَهُ كَرِ تَا هِيَ اسِ سِي پُوْچَا نِيْسِي جَا سَكْتَا جَبَكِي بِنْدُوْنِ سِي بَا زِ پَرِ سِي هُوْ كِي۔ اِيْكِي قَوْلِ يِي كِيَا كِيَا كِي يِي لَفْظًا تُو دَعَا هِيَ لِيْكِي  
مَعْنَا خَبِرِ هِيَ يَعْنِي تُو هُمُوس عَطَا كَرِي كَا جُو تُوْنِي رَسُوْلُوْنِ كِي زَبَانُوْنِ سِي فَضْلِ وَرَحْمَتِ كَا وَعَدَهُ كِيَا هِيَ۔ اِيْكِي قَوْلِ يِي كِيَا كِيَا هِيَ كِي اللّٰهِ تَعَالَى نِي  
دُشْمَنُوْنِ كِي خَلَاْفِ اِن سِي جُو مَدِ كَا وَعَدَهُ كِيَا هِيَ اسِ كِي وَعَدَهُ خَلَاْفِي نِيْسِي كَرِي كَا لِيْكِي هُمُ تِيْرِي حَكْمِ تِكِ مَبْرُ نِيْسِي كَرِ سَكْتِي اِنِيْسِي جَلْدِ ذَلِيْلِ وَرَسُوَا كَرِ  
اُوْر اِن كِي خَلَاْفِ هِمَارِي مَدِ فَرَمَا۔

سِي هُمُوسِ ذَلِيْلِ وَرَسُوَانِهِ كَرِ اُوْر نِيْ هِيَ هُمُوسِ جَنَنِمِ مِيْسِي دَاخِلِ كَرِ۔

سِي يَعْنِي اسِ دِنِ جَبِ سَبِ لُوْغِ اِيْكِي هِيَ دَفْعِ قَبْرُوْنِ سِي اِثْمِ كَهْرِي هُوْنِ كِي۔ مَعْنَى اسِ كَا يِي هُوْ كَا هُمُوسِ اِيْنِي اَعْمَالِ كَرِنِي سِي مَحْفُوْظِ رَكَّاهُ جُو  
رَسُوَالِي كَا تَقَا ضَا كَرِ تِي هِيْسِي بَخْشِ دِي اُوْر هُمُوسِ جُو كُو تَا هِيَا لِي صَا دِرِ هُوْ كِيْسِي اِن سِي پَرِ دِهِ پُوْشِي فَرَمَا۔ حَضْرَتِ اَبُو هُرَيْرَةَ سِي مَرُوِي هِيَ اللّٰهِ تَعَالَى  
قِيَا مَتِ كِي رُوْزِ اِپْنِي بِنْدِي كُو قَرِيْبِ كَرِي كَا، اِپْنَا هَاتَهْ اسِ كِي كِنْدِ هِي پَرِ رَكَّاهُ كَا مَحْلُوْقَاتِ سِي اِسِي چَهَا لِي كَا۔ اسِ رَا زِ كِي عَالَمِ مِيْسِي اسِ كَا  
نَا مَ اَعْمَالِ اسِ كِي سَا نِي كَرِي كَا۔ اِرْشَادِ فَرَمَا كِي اِپْنِي كِتَابِ پُرْ هُ جَبِ وَهُ اِپْنِي نِيْكِ عَمَلِ كِي پَا سِ سِي كَرِي كَا تُو اسِ كَا چِهْرَهُ رُوْشِنِ هُوْ كَا اُوْر  
اسِ كَا دِلِ خُوْشِ هُوْ كَا۔ اللّٰهِ تَعَالَى فَرَمَا كِي اِيْمَانِ مِيْرِي بِنْدِي تُو كِيَا اِسِي پِيْچَا نَتَا هِيَ؟ وَهُ عَرْضِ كَرِي كَا بَا لِي مِيْرِي رُبِّ، مِيْسِي اِسِي پِيْچَا نَتَا هُوْنِ۔ تُو  
اللّٰهِ تَعَالَى فَرَمَا كِي اِيْسِي نِي تِيْرِي اِسِي عَمَلِ كُو قَبُوْلِ كِيَا۔ بِنْدَهُ سَبَدَهُ مِيْسِي كَرِ جَا كِي كَا۔ اللّٰهِ تَعَالَى اسِ كُو فَرَمَا كِي اِسِي رَا ثَمَا اُوْر اِپْنِي كِتَابِ دِيْكِي۔ اسِ كَا  
كَرِ رِ بْرَا لِي پَرِ سِي هُوْ كَا جِسِ كِي بَا عِثِ اسِ كَا چِهْرَهُ سِيَا هُوْ جَا كِي اِدِلِ خُوْفَزِدَهُ هُوْ كَا۔ اللّٰهِ تَعَالَى اِرْشَادِ فَرَمَا كِي اِيْمَانِ مِيْرِي بِنْدِي كِيَا تُو اِسِي  
پِيْچَا نَتَا هِيَ وَهُ عَرْضِ كَرِي كَا بَا لِي اِسِي مِيْرِي رُبِّ مِيْسِي اِسِي پِيْچَا نَتَا هُوْنِ۔ اللّٰهِ تَعَالَى اِرْشَادِ فَرَمَا كِي اِيْسِي تِيْرِي اِسِي عَمَلِ كُو پِيْچَا نَتَا هِيَ مِيْسِي نِي  
تِيْرِي اِسِي عَمَلِ كُو بَخْشِ دِيَا۔ وَهُ لَكَا تَارِيْكِي كِي پَا سِ سِي كَرِي كَا۔ اللّٰهِ تَعَالَى اِسِي قَبُوْلِ كَرِي كَا۔ بِنْدَهُ سَبَدَهُ كَرِي كَا بْرَا لِي كِي پَا S سِي كَرِي كَا  
اللّٰهِ تَعَالَى اِسِي بَخْشِ دِي كَا بِنْدَهُ سَبَدَهُ كَرِي كَا مَحْلُوْقِ صَرَفِ اسِ كَا سَبَدَهُ دِيْكِي كِي يِيَا لِي تِكِ كِي مَحْلُوْقِ اِيْكِي دُو سَرِي سِي سِرْ كُوْشِي كَرِي كِي اِسِ بِنْدِي  
كُو مَبَارَكِ هُو اسِ نِي كِي اللّٰهِ تَعَالَى كِي نَا فَرَمَا نِي نِيْسِي كِي لُوْغُوْنِ كُو كِيْچِ خَبِرِنَهُ هُوْ كِي كَا اِسِ كَا اُوْر اِسِي كِي اللّٰهِ كِي دَرِ مِيَا نِ كِيَا مَعَا مَلَهُ هُوَا۔ اِسِي عِبْدِ اللّٰهِ بِنِ اِحْمَدِ  
نِي زُوَا نِدْزِ هِدْمِ رُوَا يْتِ كِيَا هِيَ۔ تِيْهِي نِي اِسِي كِي مِثْلِ رُوَا يْتِ نَقْلِ كِي هِيَ۔ اِسِ بَابِ مِيْسِي اِبْنِ عَمْرِو سِي صِيْحِيْنِ مِيْسِي رُوَا يْتِ مَوْجُوْدِ هِيَ۔

هِيَ يَعْنِي مَوْسِمِ كُو بَدَلِ دِيْنِي اُوْر سَوَالِ كَرِنِي وَا لِي كُو جَوَابِ دِيْنِي كَا جُو وَعَدَهُ تُوْنِي كَرِ رَكَّاهُ هِيَ اسِ كِي خَلَاْفِ وَرِزِي نِيْسِي كَرِ تَا۔ جَبِ بِنْدِي كَا  
سَوَالِ اِنْتَا مَا وَعَدْتَنَا وَعَدَهُ پُوْرَا نِي كَرِنِي كَا وَهُ مَدِلَا تَا تَا تَا تُو اسِ وَهُ مَدِ كُو دُوْرِ كَرِنِي كِي لِي اللّٰهِ تَعَالَى نِي اِسِ جَمَلِهِ كُو بَعْدِ مِيْسِي ذِكْرِ كِيَا۔

فَا سْتَجَابَ لَهُمْ رَأْيُهُمْ اَنِّي لَا اُضِيْعُ عَمَلِ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشِي  
بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۗ فَا لَّذِيْنَ هَا جَرُوْا وَا اُخْرِجُوْا مِّنْ دِيَارِهِمْ وَا اُوْذُوْا فِي  
سَبِيْلِي وَا قُتِلُوْا وَا قُتِلُوْا اَلَا كُفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَا لَّذِيْنَ خَلَنَّهُمْ جَنَّتِ تَجْرِيْ مِّنْ  
تَحْتِهَا اَلْاَنْهَارُ ۗ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٥﴾

”تو قبول فرمائی ان کی التجا ان کے پروردگار نے لے (اور فرمایا) میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم سے خواہ مرد ہو یا عورت لے بعض تمہارا جزء ہے بعض کی سچ تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے وطن سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور (دین کیلئے) لڑے اور مارے گئے سچ تو ضرور میں مٹا دوں گا ان (کے نامہ عمل) سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا انہیں باغوں میں۔ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ (یہ) جزء ہے (ان کے اعمالِ حسنہ کی) اللہ کے ہاں لے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے کے“

۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی طلب کو قبول کر لیا۔ یہ اجاب سے خاص ہے یہ فعل بغیر واسطہ کے متعدی ہوتا ہے اور لام کے واسطہ کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے اور امام بیضاوی نے کہا ہے ایک قول یہ کیا گیا کہ اجاب اور استجاب دونوں کا معنی ایک ہے۔ (۱) اس سے پہلے باء حرف جار محذوف ہے یا قول محذوف ہے۔ اس صورت میں اپنی لا اُضْبِعُ ہوگا، یعنی میں ضائع نہیں کروں گا اے مومنو! تمہارا عمل، مرد ہو یا عورت۔ حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں یہ تو سنتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہجرت کے بارے میں مردوں کا ذکر فرماتا ہے، عورتوں کا ذکر نہیں فرماتا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اسے امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا۔ حاکم نے اسے صحیح کہا نیز ابن ابی حاتم، عبدالرزاق اور سعید بن منصور نے نقل کیا ہے۔

۲۔ کبھی نے کہا تم دین، نصرت اور موالات میں بعض بعض سے ہو۔ (۲) ایک قول یہ کیا گیا کہ تم نسب اور انسانیت میں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہو کیونکہ تم سب حضرت آدم و حوا سے ہو، مذکر مونث کے بطن سے اور مونث مذکر کی صلب سے پیدا ہوتا ہے، جس طرح مردوں کو اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اسی طرح عورتوں کو اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ یہ وضاحت کی جائے کہ مردوں کے ساتھ جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے عورتیں بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ پھر عمل کرنے والوں کے لئے اعمال کی عظمت بیان کرنے کے لئے الگ الگ ذکر کیا۔

۳۔ مسیبل سے مراد میری طاعت اور دین ہے یا مجھ پر ایمان لانے یا میری وجہ سے انہیں اذیتیں دی گئیں۔ ابن عامر اور ابن کثیر نے اسے قتلواتاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ مراد کثرت کا اظہار ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا انہیں جنگ میں نکلنے نکلنے کیا گیا۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے اسے قتلوا اور قتلوا پڑھا جبکہ جمہور کی قرأت اس کے مخالف ہے ذکر میں ترتیب کا الٹ جانا معنی میں کچھ فرق پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ واؤ جمع کے لئے آتی ہے اس میں ترتیب کا اعتبار نہیں ہوتا حمزہ اور کسائی کی قرأت کے وجہ سے یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بعض قتل کر دیئے گئے اور باقی لوگوں نے جہاد کیا۔ انہوں نے اپنے دوستوں کے قتل ہونے کی وجہ سے کمزوری اور بزدلی کا اظہار نہیں کیا۔ عرب کہتے ہیں ہم نے بنی فلاں کو قتل کر دیا، حالانکہ قتل تو بعض کو کیا گیا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے انہیں قتل کیا گیا جبکہ انہوں نے اس سے قبل قتال کیا تھا، یعنی وہ بھاگتے ہوئے قتل نہ ہوئے بلکہ مقابلہ کرتے ہوئے قتل ہوئے۔

۴۔ میں ضرور انہیں پوشیدہ رکھوں گا اور انہیں مٹا دوں گا۔ مبرد نے کہا ثوابنا مفعول مطلق ہے جو تاکید کے لئے آیا ہے، یعنی میں اسے ضرور ثواب دوں گا۔ تاہم زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ثوابنا جنات سے حال ہو، گویا اللہ تعالیٰ نے ثوابنا من عند اللہ سے ایسی جزاء کا ارادہ فرمایا ہے جو جنات سے بھی بلند مرتبہ والی ہے۔

۵۔ اس کے اعمال کی جزاء سے بڑھ کر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل و احسان ہوگا۔ اس کلام میں تکلم سے غیب کی طرف التفات ہے

لَا كُفْرَانَ اور جو اس کا معطوف ہے یہ محذوف قسم کا جواب ہے، قسم اور جواب قسم اسم موصول کی خبر ہے۔  
یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اچھا ثواب یا بہترین ثواب ہے جس پر کوئی اور قادر نہیں ہو سکتا یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب کے کئی درجات ہیں اور عندیت جنات اور جو کچھ ان میں ہے از روئے ثواب کے ان سے بہترین ہے۔

امام بغوی نے کہا مشرک خوشحال تھے تجارت کرتے تھے اور عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بعض مومنوں نے کہا ظاہر میں جو ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن خوش باش ہیں جبکہ ہم مشقت کا شکار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (3)

لَا يَعْزُرُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۗ

” (اے سننے والے) نہ دھوکہ میں ڈالے تجھے، چلنا پھرنا ان کا جنہوں نے کفر کیا ملکوں میں ہے۔“

۱۔ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے، مراد آپ کی امت ہے یا ہر ایک کو خطاب ہے۔

۲۔ یعنی ان کا زمین میں سفر کرنا اور ان کا تصرف کرنا ملکوں میں تجارت اور کام کاج کے لئے، یعنی ان کی خوشحالی کو نہ دیکھ اور زندگی میں جو ان کا عیش و آرام ہے اس سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو۔ معنی میں یہ نبی مخاطب کے لئے ہے اور مبالغہ کے اظہار کے لئے سبب کو مسبب کے قائم مقام رکھا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کسی گناہ پر رشک نہ کرو کیونکہ تو نہیں جانتا کہ موت کے بعد وہ عذاب کا سامنا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایسا قاتل موجود ہے جسے موت نہیں آئے گی، یعنی جہنم کی آگ۔ اسے امام بغوی نے شرح السنہ میں نقل کیا ہے۔ (2)

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۗ لَّهُمْ مَا وَلَّهُمْ جَهَنَّمَ ۗ وَيَسَّ الْبِهَادُ ۗ

” یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لئے ہے، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔“

۱۔ مَتَاعٌ قَلِيلٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ذلک ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ظرف ہے جو محذوف ہے یعنی لَّهُمْ مَتَاعٌ قَلِيلٌ سے قلیل سے اس لئے تعبیر کیا کیونکہ اس کی مدت تھوڑی ہے اور یہ کم اور کیف کے اعتبار سے قلیل ہے۔ حضرت مسور بن مقداد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخرت میں دنیا کی مثال ایسے ہی ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر دیکھے کہ انگلی پر کتنا پانی موجود ہے (دنیا آخرت کے مقابلہ میں اس پانی جتنی حیثیت بھی نہیں رکھتی)۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (3)

۲۔ مہاد: جو چیز انہوں نے اپنے لئے تیار کی ہے یعنی جہنم کتنا برا ٹھکانہ ہے۔

لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۗ

” لیکن وہ جو ڈرتے رہے اپنے رب سے ان کے لئے باغ ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے ندیاں (وہ متقی) ہمیشہ

رہیں گے ان میں۔ یہ تو مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے۔ اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ بہت بہتر ہیں نیکیوں

کے لئے۔“

۱۔ نحو یوں کے نزدیک لیکن استدراک کے لئے ہوتا ہے۔ استدراک کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جو وہم ماقبل کلام سے پیدا ہوا اس کو ختم کر دینا وہ وہم یہ



تھا کہ وہ کفار جو دنیا میں مال و متاع سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ جب ان کا مال قلیل ہے تو متقین جو لذات سے اعراض کرتے رہے تو ان کا مال تو اور تھوڑا ہوگا اللہ تعالیٰ نے ان کے اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا لیکن الَّذِينَ اتَّقَوْا یعنی متقین نے دنیا میں وہ کمایا جو اخروی نعمتوں کے لئے وسیلہ ہے تو انہوں نے دنیاوی نعمتوں سے اتنا فائدہ اٹھا لیا جس سے زیادتی کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور علماء معانی کے نزدیک لکن کا لفظ مخاطب کے اعتقاد کو رد کرنے کے لئے آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ دنیا سے لطف اندوز ہونے والے ہیں اور متقین سخت خسارے میں ہیں۔

۴. مَنْ عِنْدَ اللَّهِ يَهَيِّئُ لَكُم مِّنْهُ نَزْلًا مِّن سَمَاءٍ مَّجِيدَةٍ لِّذِي الْقُرْبَىٰ ۚ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ نزلا کے لفظ میں متقین کی شان کو بلند کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہمان قرار دیا ہے اور کریم آدمی کے پاس جو کچھ ہوتا ہے۔ اس میں سے مہمان کے لئے بہترین چیز تیار کرتا ہے۔ نزلا جنات سے حال ہے، اس میں عامل ظرف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے، کہ یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام اَنْزَلُوْهَا نَزْلًا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ تمیز کی حیثیت سے منصوب ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تقدیر کلام یوں ہے جَعَلَ ذٰلِكَ نَزْلًا۔

۵. ثَوَابٌ قَرِيبٌ ۖ وَسَعْيٌ يُّرِيدُكَ لِيَكُونَ بِكَ كَرَاهٍ ۚ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ مدح اور تعظیم کے لئے اسم ظاہر (ابرار) کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کے پاس بالا خانے میں حاضر ہوا۔ آپ ایک چٹائی پر استراحت فرماتے تھے۔ سر کے نیچے چھوے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی شاخوں کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ قدموں میں کچھ پکا چیز اتہہ کیا پڑا تھا۔ سر ہانے کچی کھال لٹک رہی تھی اور چٹائی کے نشان پہلو مبارک میں پڑ گئے تھے۔ یہ دیکھ کر میں رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کس چیز نے تجھے رلایا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کسری اور قیصر تو اس آرام میں رہیں جبکہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ہو (۱) ایک روایت میں ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ آپ کی امت پر رزق میں فرانی پیدا فرمادے کیونکہ اہل فارس اور اہل روم پر اللہ تعالیٰ نے رزق میں فراوانی کر رکھی ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا اے عمر کیا تم اس خیال میں ہو، وہ ایک ایسی قوم ہے جنہیں ان کی پسندیدہ چیزیں دنیاوی زندگی میں جلدی سے عطا کر دی گئیں۔ متفق علیہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور قحط کا دور ہے، جب وہ دنیا کو چھوڑتا ہے تو قید خانے اور قحط کے دور سے خلاصی پاتا ہے۔ اسے امام بغوی نے شرح السنہ میں نقل کیا ہے۔ (۲) قتادہ بن نعمان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے بچاتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو پانی سے بچاتے ہو۔ اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (۳) واللہ اعلم

امام نسائی نے حضرت انس سے ابن جریر نے اسی کی مثل حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ جب نجاشی کی موت کی خبر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس پر نماز جنازہ پڑھو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم ایک حبشی پر نماز جنازہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ  
خَشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ  
رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

”اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں۔ جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ۲ اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف ۳ اور جو اتارا گیا ان کی طرف ۴ عاجزی (اور نیاز مندی) کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ۵۔ نہیں سوا کرتے اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر ۶۔ یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے ۷۔“

۱۔ مستدرک میں عبد اللہ بن زبیر سے بھی اسی کی مثل مروی ہے کہ یہ آیت نجاشی کے بارے میں نازل ہوئی۔ بغوی نے کہا جب نجاشی فوت ہوا تو جبریل نے اسی روز رسول اللہ ﷺ کو اس کی موت کی خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا باہر نکلو، اپنے بھائی نجاشی کی نماز پڑھو جو غیروں کی زمین پر فوت ہوا۔ آپ بیعت کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کے لئے حبشہ کی سر زمین ظاہر کی گئی۔ آپ نے نجاشی کی چار پائی دیکھی۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی، چار کبیرات کہیں اور ان کے لئے بخشش کی دعا کی۔ منافقوں نے کہا اسے دیکھو، ایسے حبشی پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں جو نصرانی تھا جسے انہوں نے دیکھا تک نہیں، نہ ہی وہ آپ کے دین پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (۱)

عطاء نے کہا یہ نجران کے چالیس حبشہ کے تھے اور روم کے آٹھ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ ابن جریر نے ابن جریج سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا یہ اہل کتاب مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کی صفات و اسماء کے ساتھ صحیح ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے اسم پر لام داخل کیا کیونکہ ظرف کے ساتھ یہاں

فاصلہ آ گیا ہے۔

۳۔ یعنی قرآن۔

۴۔ یعنی تورات، انجیل اور زبور۔

۵۔ خصوصاً اور تو واضح کرنے والے ہیں۔ یہ یومن کے فاعل سے حال ہے۔ جمع کا صیغہ من کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر کیا۔

۶۔ یہ جملہ حال کے بعد حال ہے۔ تورات کی وہ آیات جن میں حضور ﷺ کی نعت ہے ان کے بدلے میں ثمن لکھنا حاصل نہیں کرتے جس طرح تحریف کرنے والے علماء کرتے ہیں۔

۷۔ یعنی مخصوص اجر جو دوسرے کے اجروں سے زائد ہے جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے: **أُولَٰئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّةً ثَلَاثِينَ**۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے تین آدمیوں کے دو اجر ہیں، ان میں سے ایک وہ آدمی ہے جو اہل کتاب میں سے ہے، اپنے نبی پر ایمان لایا (۱۳) اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر بھی ایمان لایا، متفق علیہ۔

۸۔ کیونکہ وہ اعمال، ان کے اوپر مرتب ہونے والی جزاء کو جانتا ہے اور وہ تامل کرنے سے بے نیاز ہے۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے ایام کے نصف دن کے برابر میں مخلوق کا حساب مکمل کر لے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اجر جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے بہت جلد ان تک پہنچ جائے گا کیونکہ سرعت حساب سرعت جزاء سے کنایہ ہے۔

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَاصْبِرُوا وَابْتَغُوا فَاذْكُرُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝**

”اے ایمان والو! صبر کرو۔ اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) اور کمر بستہ رہو (خدمت دین کیلئے) ۳۔“

اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہتا کہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤں۔“

۱۔ تم اپنے دین امور مکلفہ کی مشقتوں خواہش نفس کی مخالفت، اپنے رب کی محبت اور اس کی طاعت پر صبر کرو، نہ سختی میں چھوڑو، نہ خوشحالی میں، نیز دشمنوں سے جہاد کرنے اور مصائب و تکالیف میں بھی صبر کرو۔ حضرت جنید بغدادی نے کہا صبر کا معنی ہے نفس کو بغیر جزع فزع کے مصائب پر روکے رکھنا۔

۲۔ جنگ کی تکالیف کے دوران صبر میں اللہ کے دشمنوں پر غالب آ جاؤ کیونکہ انہیں بھی دکھ ہوتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے، تم اللہ تعالیٰ سے بدلہ کی امید رکھتے ہو جبکہ وہ بدلہ کی امید نہیں رکھتے۔ مصابروہ جس طرح جہاد اصغر میں کفار کے مقابلہ میں ہوتا ہے اسی طرح جہاد اکبر میں نفس کے مقابلہ میں بھی واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ نفس دنیا اور اس کی خواہشات کے حصول میں تکالیف اور مصائب برداشت کرتا ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں اور یقیناً انسان کے نفس کو جنتوں میں باقی رہنے والی نعمتوں کے حصول کے لئے بھی تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ پھر صوفی کو مولیٰ کی طلب میں اس سے زیادہ مشقتوں کو برداشت کرنا ہوگا۔

۳۔ جنگ کی انتظار میں اپنے بدنوں اور گھوڑوں پر سرحدوں پر پابند کرنا ہوگا، یا اپنے نفوس قلوب اور بدنوں کو ذکر الہی، طاعات، نماز کی ادائیگی کے بعد مساجد میں ہی اگلی نماز کا انتظار اور ذکر کے حلقوں کا پابند بنانا ہوگا۔ ربط کا اصل معنی باندھنا ہے، یعنی گھوڑوں کو سرحدوں پر باندھنا پھر اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہونے لگا جو سرحدوں کی حفاظت کے لئے وہاں مقیم ہوتا ہے اگرچہ اس کے پاس سواری نہ ہو۔ پھر اس کا اطلاق ہر ایسے شخص پر بھی ہونے لگا جو کسی چیز کا دفاع کرنے پر کمر بستہ ہو۔ مرابطہ کا معنی دشمنوں پر رباط میں غلبہ پانا یعنی دشمن بھی تم سے جنگ کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ پس تم ان پر اس معاملہ میں غالب آ جاؤ۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن کا رباط دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں تمہارے لئے ایک سوط (چھڑی) کے برابر جگہ کا ہونا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو شام یا صبح کو نکلتا ہے یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (۱) اسے امام بغوی نے بخاری کی سند سے نقل کیا ہے پہلا حصہ صحیحین میں حضرت سہل سے مروی ہے، تیسرا حصہ صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے۔

سلمان خیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایک دن رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں رباط (سرحد کی نگرانی) کی اسے ایک ماہ مقیم کے روزوں کا ثواب ہوگا اور جو نگرانی کرتے ہوئے فوت ہو گیا اسے تا قیامت اسی قدر اجر ملتا رہے گا (شہیدوں کی طرح اسے رزق دیا جائے گا اور اسے فتنہ (قبر کے فتنہ) سے محفوظ رکھا جائے گا۔ (۲) امام مسلم نے اس روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ایک دن رات کی سرحدوں کی نگرانی ایک ماہ روزوں اور انہیں زندہ کرنے سے بہتر ہے۔ اگر وہ اس عمل میں مر گیا تو قیامت تک اس کا عمل جاری رہے گا (یعنی اس کے عمل کا ثواب لکھا جاتا رہے گا) اس پر (شہید کا) رزق جاری کیا جائے گا اور اسے (قبر کی) آزمائش سے محفوظ رکھا جائے گا۔

امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے جس نے ایک دن اور ایک رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرحدوں کی نگرانی کی تو اس کا یہ عمل رمضان شریف کے روزوں اور رات بھر کی نمازوں کے برابر ہوگا جس میں نہ افطار کرتا ہے اور نہ ہی ضرورت طبعی کے بغیر نماز چھوڑتا ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں ہر میت کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر وہ آدمی جو سرحدوں کی نگرانی کرتے

ہوئے فوت ہو کیونکہ اس کا عمل تا قیامت بڑھتا ہی رہتا ہے اور وہ قبر کی آزمائش سے محفوظ رہتا ہے (۱) اسے امام ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا۔ اسے داری نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرحدوں پر ایک دن کی چوکیداری دوسرے مقامات پر ہزار دنوں کی چوکیداری سے بہتر ہے۔ اسے ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے (۲) امام بغوی نے کہا ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے کہا نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایسے غزوات نہیں ہوتے تھے جن میں سرحدوں پر نگرانی کی ضرورت پڑتی ہو لیکن نماز کے بعد نماز کے انتظار کی صورت میں رباط ہوتا (۳) اس تاویل کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں مٹا دے اور جس کے وسیلہ سے تمہارے درجات بلند فرما دے۔ پس وہ رباط ہے پس وہ رباط ہے، (نماز کے بعد نماز کا انتظار)۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا (۴) امام مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

یہ فلاح کا معنی ناپسندیدہ چیز سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد پسندیدہ چیز کو پالینا ہے۔ لعل کا لفظ اس لئے استعمال ہوا کیونکہ عواقب تو مخفی ہیں کہ کہیں لوگ اعمال کے بغیر ہی آرزوؤں پر انحصار نہ کر لیں۔

حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے جس نے سورہ آل عمران کی آخری آیات رات کو پڑھیں اس کے حق میں پوری رات کی عبادت لکھ دی جائے گی۔ اسے داری نے روایت کیا ہے۔ ابو امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زہرا وین (سورہ بقرہ، سورہ آل عمران) پڑھو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے روز آئیں گی، گویا وہ قرأت کرنے والے پر دو بادل ہیں یا دو سائبان ہیں یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ ہیں، دونوں اپنے قاریوں کے بارے میں جھگڑا کریں گی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ (۵) نو اس بن سمان سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا قیامت کو قرآن اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں کو لایا جائے گا۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران سب سے آگے ہوں گی گویا یہ دو بادل ہیں یا دو سیاہ سائبان ہیں جن میں چمک ہے اور یا پر پھیلائے پرندوں کے دو جھنڈ ہیں، یہ اپنے پڑھنے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں کی حمایت کریں گی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ (۶)

مکھول سے مروی ہے جس نے جمعہ کے روز سورہ آل عمران پڑھی رات تک فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

2- سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 51 (وزارت تعلیم)

4- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 395 (التجاریہ)

6- ایضاً

1- جامع ترمذی، ابواب الجہاد، جلد 1، صفحہ 195 (وزارت تعلیم)

3- تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 395 (التجاریہ)

5- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 270 (قدیمی)

Nafse Islam



WWW.NAFSEISLAM.COM

## سورة النساء

﴿ آیتها ۱۷۶ ﴾ ﴿ سورة النساء مكية ۴ ﴾ ﴿ رکوعها ۲۴ ﴾

سورة النساء مدنی ہے اس کی ایک سو چھتر آیت اور چوبیس رکوع ہیں۔

بیہقی نے دلائل میں ابن عباس سے کئی طرق سے روایت کیا ہے کہ سورة نساء مدینہ میں نازل ہوئی اسی طرح ابن منذر نے قتادہ سے روایت کیا اور امام بخاری نے بھی قتادہ سے نقل کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا  
رُؤُسَهُمْ وَبَثَّ مِنْهُمۡ اَرۡجَالَ كَثِیْرًا وَّوَسَّعَ ۙ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسۡۤاءَلُوْنَ بِهٖ  
الۡاَرۡحَامَ ۙ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ۝۱

”اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے ۱۔ جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے ۲۔ اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا ۳۔ اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں) ۴۔ اور ڈرو اللہ سے وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطے سے ۵۔ اور (ڈرو) رحموں (کے قطع کرنے) کے سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔“ ۱۔

۱۔ اصل میں خطاب تو ان لوگوں کو ہے جو حضور ﷺ کے پاس موجود تھے، باقی تمام لوگ ان کے تابع ہوں گے۔

۲۔ اپنے رب کے عتاب سے ڈرو اس طرح کہ تم اس کی اطاعت کرو۔

۳۔ ابتداء میں ایک نفس یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔

۴۔ اس جملہ کا عطف خلقکم پر ہے یا اس کا عطف کلام محذوف پر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی خَلَقَهَا وَخَلَقَ مِنْهَا رُؤُسَهُمْ یعنی حضرت حواء کو ان کی پسلی سے پیدا کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرو، بے شک یہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں متفق علیہ۔ (۱) ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے حضرت حواء حضرت آدم (علیہما السلام) کی چھوٹی پسلی سے پیدا کی گئیں (۲) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت حواء کو حضرت آدم سے پیدا کیا گیا جبکہ حضرت آدم سوئے ہوئے تھے پس آپ بیدار ہو گئے الحدیث (۳)۔ خَلَقَهَا مِنْهَا رُؤُسَهُمْ جملہ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی تقریر ہوگی۔

حضرت آدم اور حضرت حواء سے پھیلائے کثیر مرد اور عورتیں۔ اے مخاطب تو تمہارے علاوہ بے شمار افراد پیدا کئے۔ یہاں رجالات کی صفت کثیر پر اکتفا کیا۔ نساء کی صفت ذکر نہیں کی۔ مقصود مردوں کی کثرت کے ضمن میں عورتوں کی کثرت بیان کرنا ہے۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ اسی لئے شریعت مطہرہ میں ایک مرد کے لئے چار عورتوں سے شادی جائز قرار دی۔ کثیر اکو مذکر اس لئے ذکر کیا کیونکہ رجال سے مراد مجموعہ لیا گیا۔ تقویٰ کے حکم کو اس قصہ کے آخر میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال نعمت پر دلالت کرتا ہے جو دونوں خشیت اور طاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ جو بعد میں صلہ رحمی اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں تقویٰ کا جو حکم دیا گیا اس کی یہ تمہید ہے۔

کوفہ کے قراء نے سین کو مخفف پڑھا ہے اور ایک نے تاء کو حذف کیا ہے جبکہ باقی قراء نے سین کو مشدد پڑھا ہے اور ایک تاء کو سین سے بدل کر سین کو سین میں ادغام کیا ہے، یعنی تم میں سے بعض بعض سے سوال کرتے ہیں اور وہ کہتا میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کے واسطے کے ساتھ سوال کرتا ہوں۔

یہ منصوب ہے اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے، یعنی تم قطع رحمی سے بچو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رحم عرش کے ساتھ معلق ہے، وہ کہتی ہے خبردار جس نے مجھے جوڑا اللہ تعالیٰ اسے جوڑے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ تعالیٰ اسے توڑے گا۔ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ جب وہ اس سے فارغ ہوا تو رحم اٹھی اور اللہ تعالیٰ سے چٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا رک جا۔ رحم نے عرض کی یہ اس کا مقام ہے جو کانے جانے سے تیری پناہ چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس پر راضی نہیں کہ میں اس سے تعلق قائم رکھوں جو تجھے جوڑے اور میں اس سے تعلق منقطع کر لوں جو تجھے توڑے۔ اس نے عرض کی اے میرے رب میں راضی ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ متفق علیہ۔ (2) حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوڑنے والا وہ نہیں جو بدلے میں جوڑے بلکہ جوڑنے والا وہ ہے جو اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے جو اس سے قطع رحمی کرے (3) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر لمبی کر دی جائے پس وہ صلہ رحمی کرے متفق علیہ۔ (4) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ میرے کچھ رشتہ دار ہیں جن سے میں صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں، میں ان سے احسان کرتا ہوں اور وہ مجھ سے زیادتی کرتے ہیں، میں ان سے بردباری سے پیش آتا ہوں، وہ مجھ سے جاہلوں والا رویہ اپناتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے کہا تو گویا ان پر خاک ڈال رہا ہے۔ جب تک تو ایسا کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرا ایک مددگار رہے گا (5) اسے امام مسلم نے روایت کیا، حمزہ نے الارحام کو مجرور پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ ضمیر مجرور پر معطوف ہوگا۔ یہ آیت کریمہ اہل کوفہ کے ان علماء و نحوین کی دلیل ہے جو ضمیر مجرور پر حرف جار کے اعادہ کے بغیر عطف جائز سمجھتے ہیں کیونکہ یہ قراء سے بھی متواتر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رحم کا واسطہ دے کر باہم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں، کسی کی شفقتیں حاصل کرنا ہوں تو یہ جملہ کہا جاتا ہے۔ باللہ وبالرحم الفعل کذا۔

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 315 (قدیمی) 2- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 716 (وزارت تعلیم) 3- ایضاً، جلد 2، صفحہ 886 (ایضاً)

4- ایضاً، جلد 2، صفحہ 885 (وزارت تعلیم) 5- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 315 (قدیمی)

۱۔ رقیب کا معنی پورا پورا باخبر اور نگہبان ہے۔ پس تم اس سے غافل نہ ہو مقاتل اور کلبی نے کہا کہ غطفان کے ایک آدمی کے پاس اپنے یتیم بھتیجے کا بہت سا مال تھا۔ جب یتیم بالغ ہوا تو اس نے اپنے مال کا مطالبہ کیا۔ چچا نے اسے مال دینے سے انکار کر دیا۔ دونوں اپنا معاملہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آئے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۱)

وَأْتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْأَنْحِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ  
إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝

”اور دے دو یتیموں کو ان کے مال لے اور نہ بدلو (اپنی) ردی چیز کو (ان کی) عمدہ چیز سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر سچے واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے۔“

۱۔ جب چچا نے یہ آیت کریمہ سنی تو کہا ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس رسول مکرم کی اطاعت کی۔ ہم بڑے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور بھتیجے کا مال اس کے حوالے کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے آپ کو نفس کے حرص سے بچایا اور اس طرح اپنے رب کی اطاعت کی وہ ضرور اس کی جنت میں داخل ہوگا۔ جب اس نوجوان نے اپنا مال لیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اجر ثابت ہو گیا اور بوجھ باقی رہا۔ اسے ثعلبی اور واحدی نے روایت کیا ہے۔ اسے بغوی نے بھی روایت کیا ہے۔ خطاب اولیاء اور وصیوں کے لئے ہے۔ یتامی یتیم کی جمع ہے۔ یہ اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ دادا موجود نہ ہو۔ یہ یتیم سے مشتق ہے جس کا معنی منفرد ہونا ہے۔ اسی سے در یتیم بولا جاتا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا جب یہ اسم کے قائم مقام ہو گیا (اصل میں صفت مشبہ کا صیغہ ہے لیکن بطور اسم استعمال ہوتا ہے) جس طرح فارس اور صاحب اصل وضع میں اسم فاعل ہیں لیکن اسم کے قائم مقام ہو گئے۔ تو اس لئے انہیں موصوف کی ضرورت نہیں تو اس کو جمع یتام بنی۔ پھر اس میں قلب ہوا تو جمع یتامی بن گئی۔ یا یتیم کی جمع یتمی بنی جس طرح اسیب کی جمع اسیب آتی ہے پھر اس کی جمع یتامی آئی۔ اسی طرح اسری کی جمع اساری آتی ہے۔ اس کا اشتقاق تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا وقوع چھوٹوں اور بڑوں سب پر ہو کیونکہ باپ سے منفرد ہونے کا معنی موجود ہے لیکن عرف نے اسے اس بچے کے ساتھ خاص کر دیا ہے جو ابھی بالغ نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں اور دن سے رات تک خاموش رہنا کوئی روزہ نہیں (۲) اسے ابو داؤد نے حضرت علی سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث یا تو عرف پر محمول ہے یا شریعت کے حکم کا بیان ہے، یعنی بالغ ہونے کے بعد یتیمی کا حکم نہ لگایا جائے گا تو پھر بالا جماع آیت کا معنی یہ ہوگا ان یتیموں کو مال دے دو جب وہ بالغ ہو جائیں، نیز یہ آیت بھی اسی مفہوم پر دال ہے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ کیونکہ جب سفیہ جو عاقل بالغ ہے کو بھی مال دینے سے روک دیا گیا تو نابالغ کو بدرجہ اولیٰ مال دینا ممنوع ہوگا، یا تو آیت میں یتیم کا اطلاق اپنے اصل کے اعتبار سے ہے کیونکہ لغت میں یتیم کا اطلاق نابالغ اور بالغ دونوں پر ہو سکتا ہے۔ بطور مجاز اس بالغ پر یتیم کا اطلاق کیا کیونکہ اس کی یتیمی کا دور بہت ہی قریب ہے مقصود یہ ہے کہ جو نبی وہ بالغ ہوں انہیں ان کے اموال دے دیئے جائیں۔

۲۔ تم مال بدلنے کی طلب نہ کرو۔ باب تفعّل کا باب استفعال میں استعمال جائز ہے جس طرح تعجّل استعجّل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یتیم کا مال جو تم پر حرام ہے اور خبیث ہے۔ اپنے اموال میں سے جو حلال ہے کے ساتھ نہ بدلو۔ سعید بن جبیر زہری اور سدی نے کہا کہ



یتیموں کے اولیاء یتیم کے مال میں سے عمدہ لے لیتے اور اس کی جگہ ردی رکھ دیتے۔ بعض اوقات وہ یتیم کے مال میں سے موٹی بکری لے لیتے اور اس کی جگہ کمزور بکری رکھ دیتے۔ عمدہ درہم لیتے اور ردی درہم رکھ دیتے اور کہہ دیتے درہم کے بدلے درہم ہو گیا ان لوگوں کو اس امر سے منع کر دیا گیا۔ مجاہد نے کہا آیت کا معنی یہ ہے حرام رزق کی طرف جلدی نہ کرو قبل اس کے کہ تم تک وہ رزق حلال پہنچے جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم خبیث امر کو طلب نہ کرو، یعنی ان کے اموال کو بغیر حفاظت کے نہ چھوڑے رکھو طیب امر کے بدلے میں یعنی اس کی حفاظت کرنا اور اصل مالک کو دینا۔

۳۔ ہم ضمیر سے مراد یتامی ہیں، یعنی ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ یہاں الی بمعنی مع ہے۔ ابن منذر نے قتادہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

۴۔ بے شک یہ کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ابن عباس نے حضرت ابو ہریرہ سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات بلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، ان میں سے ایک یتیم کا مال کھانا بھی ہے۔ متفق علیہ (۱)

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّا ضَرَبْتُمْ لَهَا ذِكْرًا وَرُبِمَا كُنْتُمْ تَوَّابِينَ ﴿١٠٤﴾

”اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تم ۱۔ یتیم بچوں کے معاملہ میں (تو ان سے نکاح نہ کرو) ۲۔ اور نکاح کرو جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دوسری) عورتوں سے ۳۔ دو دو تین تین اور چار چار اور ۴۔ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی عورت یا کنیزیں جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ ۵۔ یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم ایک طرف ہی نہ جھک جاؤ۔“

۱۔ اے اولیاء اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے اور ظلم کرو گے۔ یہ قسط بمعنی جاز سے مشتق ہے۔ اسی سے ایک لفظ قاسطون استعمال ہوتا ہے، یعنی ظلم کرنے والے۔ تقسطوا باب افعال سے ہے اور اس میں یہاں سلب کا خاصہ پایا جا رہا ہے، یعنی اگر تمہیں ظلم کا خوف ہو۔

۲۔ وہ بچیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں۔ جب تم ان سے نکاح کرو گے تو تم انصاف نہ کر سکو گے۔

۳۔ یعنی تم ان یتیم عورتوں کے علاوہ اجنبی عورتوں سے شادی کر لو۔ یتامی کا لفظ مذکر اور مونث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں زہری سے روایت کیا ہے، وہ عروہ بن زبیر سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس آیت کے متعلق حضرت عائشہ سے پوچھا انہوں نے جواب دیا یہاں یتامی سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اولیاء کی پرورش میں ہوں اور غیر محرم ولی جیسے چچا زاد بھائی ان کے جمال اور مال کی وجہ سے ان میں رغبت رکھتا ہے اور ارادہ کرتا ہے کہ ان جیسی عورتوں کو جو مہر دیا جاتا ہے اس سے کم مہر دے کر ان سے نکاح کر لے تو ان کے ساتھ انصاف کئے بغیر نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ وہ دوسری عورتوں سے شادی کرے۔ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا پھر لوگوں نے حضور ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَ يَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ..... وَ تَزْعُبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ نازل فرمائی (۱) اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرمایا کہ جب یتیم لڑکی خوبصورت اور صاحب مال ہوتی ہے تو اولیاء اس میں رغبت رکھتے اور اسے پورا مہر نہ دیتے اور جب خوبصورت نہ ہوتی اور صاحب مال نہ ہوتی تو کوئی رغبت نہ رکھتے تو دوسری عورتوں کو تلاش کرتے تو فرمایا جس طرح تم ان کو اس وقت چھوڑ دیتے ہو جب تم ان سے رغبت نہیں رکھتے تو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم ان سے نکاح کرو جب تم ان سے رغبت رکھتے ہو مگر صرف اس صورت میں کہ تم ان کے حقوق ادا کرو جیسے پورا مہر دو اور دوسرے حقوق ادا کرو۔

امام بغوی نے کہا حسن بصری نے کہا مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ تھے ان کے زیر پرورش کچھ یتیم بچیاں تھیں ان میں سے کچھ ایسی لڑکیاں تھیں جو ان پر حلال تھیں تو یہ ان کے مال کی وجہ سے شادی کر لیتے کیونکہ انہیں یہ پسند نہ تھا کہ ان کے مال میں کوئی اجنبی شریک ہو۔ (2) عکرمہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اور یہی عطاء کی ابن عباس سے بھی روایت ہے کہ قریش کے آدمی دس دس عورتوں سے شادی کر لیتے جب ان کا بیویوں کے اخراجات سے ہاتھ تنگ پڑتا تو پرورش میں رہنے والی یتیم کے مال کی طرف راغب ہوتے اور اسے خرچ کر ڈالتے تو انہیں حکم دیا گیا کہ چار عورتوں سے زیادہ شادی نہ کرو کہ تمہیں یتیموں کا مال لینے کی ضرورت پڑے۔ (3) جب یتیموں کے مال کے متعلق وعید نازل ہوئی تو ان کے مال لینے میں احتیاط کرتے اور عورتوں سے نکاح کرنے میں پرواہ نہ کرتے اور جن سے چاہتے نکاح کر لیتے، بعض اوقات عدل بھی نہ کرتے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ تمہیں عورتوں کے درمیان عدل کرنے کے بارے میں بھی ڈرنا چاہئے، تمہیں اتنی عورتوں سے شادی کرنی چاہئے جن کے حقوق کی ادائیگی تمہارے لئے ممکن ہو۔ اسے ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ یہی سعید بن جبیر ضحاک اور سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کی کفالت کرنے سے تو پرہیز کرتے اور زنا سے پرہیز نہ کرتے تو انہیں کہا گیا اگر تم یتیموں کے بارے میں خوفزدہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو زنا سے بھی بچو جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کر لو۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔

سوال:- ذوی العقول کے لئے من کا لفظ استعمال ہوتا ہے جبکہ یہاں ما کا لفظ ذکر ہوا ہے۔

جواب:- یہاں صفت کا اعتبار کرتے ہوئے ما کا ذکر کیا کیونکہ ذوی العقول کی صفات کیلئے ما کا لفظ ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی عورتوں میں سے جو پاکیزہ ہیں ان سے نکاح کرو۔ یا عورتوں کو غیر ذوی العقول کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عقلیں کم ہیں جس طرح رب العالمین کے اس فرمان میں عورتوں کو ما سے تعبیر کیا ہے مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مَا طَابَ لَكُمْ کا معنی ہے وہ عورتیں جو بالغ ہوں۔ عرب کہتے ہیں طَابَتِ التَّمْرَةُ یعنی کھجور پک گئی۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ سے جو روایت کی ہے۔ یہ تاویل اس کے زیادہ قریب ہے، یعنی تم یتیم عورتوں سے شادی نہ کرو اور بالغ عورتوں سے شادی کرو لیکن لکم کا کلمہ اس تاویل کے اولیٰ ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اس صورت میں مناسب کلام یوں ہوتی فَاَنْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ عورتوں سے جو حلال ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جو حرام ہیں، جن کا آیت التحريم میں ذکر

ہے یہ مجاہد کے قول کے زیادہ مناسب ہے، یعنی زنا سے بچو اور جو تمہارے لئے حلال ہیں ان سے نکاح کرو۔ لیکن اس تاویل کی صورت میں آیت مجمل بنتی ہے اور اجمال اصل کے خلاف ہے۔ زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کا معنی یہ ہے جنہیں تمہارے نفس اچھا جانیں اور تمہارے نفس ان کی طرف مائل ہوں۔ یہ تمام تاویلات کے مناسب ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا اگر تمہیں خوف ہو کہ تم قیموں کے ضعف اور ان کے حمایتی نہ ہونے کی وجہ سے انصاف نہ کر سکو گے تو جن عورتوں کو تم پسند کرتے ہو ان سے شادی کر لو کیونکہ اس صورت میں تمہارا میلان ہی ان کے حقوق کا محافظ ہوگا، خواہ وہ یتیم ہو یا بالغ۔ ہوساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر منکوحہ عورت نفس کو محبوب ہو تو یہ انسان کو زنا سے بھی بچاتی ہے اور یہ کہنا بھی مناسب ہوگا کہ چار سے زیادہ عورتوں سے شادی نہ کرو بلکہ پسندیدہ عورتوں پر اکتفاء کرو کیونکہ پسندیدہ عورتوں کا وجود کم ہوتا ہے۔

مسئلہ:- نکاح کا پیغام بھیجنے والے کے لئے بالا جماع سنت یہ ہے کہ وہ نکاح سے پہلے عورت کا منہ اور ہاتھ دیکھ لے۔ داؤد نے کہا سوائے شرمگاہ کے تمام جسم دیکھنا جائز ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی عورت کو نکاح کا پیغام دے اگر وہ عورت کی ان چیزوں کو دیکھ سکتا ہے جن کی وجہ سے وہ دعوت دے رہا ہے تو ضرور دیکھے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ (1) حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ کہا میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا اسے دیکھ لے کیونکہ یہ تم دونوں میں اتفاق پیدا کرانے کے زیادہ مناسب ہے (2) اسے امام احمد امام ترمذی نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

یہ یہ کلمات اعداد مکررہ سے معدول ہیں جو ثمنین ثمنین، ثلاث ثلاث اور اربع اربع ہیں۔ یہ دو اسباب عدل اور وصف کی وجہ سے غیر منصرف ہیں کیونکہ یہ کلمات صفت کے طور پر وضع کئے گئے ہیں۔ جبکہ جن کلمات سے یہ بنے ہیں وہ صفت کے لئے وضع نہیں کئے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ غیر منصرف اس لئے ہیں کیونکہ ان میں عدل کا تکرار ہے کیونکہ یہ لفظ ثمنین سے اور اس کے معنی سے معدول ہیں یہ کلمات ما طاب لکم جو فائیکم کا مفعول بہ ہے اس سے حال ہیں۔ بھریوں کے نزدیک یہ مکررہ ہیں، جبکہ کوفیوں کے نزدیک یہ معرفہ ہیں کیونکہ ان پر الف لام معرفہ کا داخل نہیں ہوتا، جبکہ یہ معرفہ ہوں گے تو یہ ما طاب سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے۔

مسئلہ:- رافضیوں نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ قول کیا ایک وقت میں نو عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے۔ نخعی اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی اسی طرح منقول ہے کیونکہ ان کلمات کے درمیان داؤد عاطفہ ہے جو مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا آیت کا معنی یہ ہے تم دو اور تین اور چار سے نکاح کرو، ان کا مجموعہ نو ہوتا ہے۔ خارجیوں نے کہا اٹھارہ عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ ان کلمات میں تکرار کا معنی پایا جاتا ہے۔

یہ دونوں قول باطل ہیں۔ خارجیوں کا قول تو اس لئے باطل ہے کہ ثنی اور اس کے اخوات عدد مکرر سے ماخوذ ہیں وہ کسی حد پر موقوف نہیں ہوتے یہ دو دفعہ کے تکرار پر منحصر نہیں جس کسی شخص نے قوم سے کہا ان دراہم سے دو دو لے لو تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ سارے کے سارے ان میں سے دو دو درہم لے لیں۔ اس کا معنی یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ صرف چار درہم لو۔ اگر مذکورہ معنی ہوتا تو آیت کا معنی درست نہ رہتا کیونکہ تمام مردوں کے لئے دو یا تین یا چار یا اٹھارہ عورتوں تک نکاح کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وجہ سے صاحب کشاف

نے کہا اگر ان کلمات کو عدل کیے بغیر مفرد ذکر کیا جائے تو کوئی معنی بھی نہ بنے۔ (1)

جو رافضیوں نے کہا اس کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بلغاء کے ہاں نو کے عدد کو بیان کرنے کے لئے یہ انداز اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہ امر کسی پر بھی مخفی نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے دو عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ہر ایک کے لئے تین عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ہر ایک کے لئے چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔

امام بیضاوی نے کہا اگر آیت میں واؤ عاطفہ کی جگہ او کا لفظ ذکر کیا جاتا تو عدد میں اختلاف کا جواز ختم ہو جاتا (2) لیکن اس پر یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ واؤ کی وجہ سے عدد کے اتفاق کا جواز بھی جاتا رہتا ہے۔ حق بات یہی ہے کہ منشی او ثلث اور منشی و ثلث کے مفہوم میں کوئی تفاوت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں نہ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ تمام امت کا ان تینوں اقسام میں سے کسی ایک پر اجتماع ضروری ہے نہ اس طرف ذہنی التفات ہوتا ہے کہ مختلف اقسام پر ہونا لازم ہے۔ یہاں واؤ کو اس لئے ذکر کیا کیونکہ جب مجموعہ کا مجموعہ سے مقابلہ ہو تو واؤ افراد کی تقسیم میں زیادہ موثر ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور مسلمانوں کے نزدیک ایک ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ بعض لوگوں سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ بغیر تعداد کی تعیین کے عورتوں سے نکاح کرنا مباح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَاَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور منشی کا لفظ یہ عرفی تعداد ہے، کوئی قید وغیرہ نہیں، جس طرح یہ کہا جاتا ہے اس سندر سے ایک دو یا تین مشکیزے لے لو۔ اگر ہم ان الفاظ کو بطور قید بھی تسلیم کر لیں تب بھی چار کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس سے زیادہ کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں۔ ہاں عدد کے ذکر سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں مگر مفہوم کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور نہیں کرتے جَاعِلِ السَّكِّينَةِ سُرْسُلًا اَوْ يَ اَجْحَقَةَ مَنِيَّ وَ ثَلَاثَ وَ مَرْبَعَةً یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے کوئی ایسا رسول نہیں بنایا جس کے چار سے زائد پرند ہوں۔ یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل امین کو دیکھا تو ان کے نو سو پر تھے اور نکاح میں اصل عمومی حلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَا وَّرَاءَ ذٰلِكُمْ وَاٰتٰتُ اللّٰهِ تَعَالٰی كَا فَرْمٰنٍ وَاَلْمُحْصَنٰتُ مِنَ النُّؤْمٰنِ وَاَلْمُحْصَنٰتُ مِنَ الذّٰنِیْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ اِنْ بَسَّ عَمُوْمٌ ثَابِتٌ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے نو عورتوں سے شادی فرمائی۔ اصل حکم میں عدم تخصیص ہے۔ ہاں اگر کوئی تخصیص کی دلیل ہو تو معاملہ الگ ہے۔

ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ قیس بن حارث کے حق میں نازل ہوئی۔ امام بغوی نے کہا روایت کی گئی ہے کہ قیس بن حارث کی آٹھ بیویاں تھیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار کو طلاق دے دو اور چار کو روک رکھو تو اس نے کہا میری وہ بیوی جس سے میری کوئی اولاد نہ تھی اسے کہتا جاتا تو آزاد ہے اور جس سے میری اولاد تھی اس سے کہتا تو میرے پاس ہی رہ (3) پس حضور ﷺ کی طرف سے آیت کی وضاحت ہو گئی اور آپ اللہ تعالیٰ کی مراد کو بہتر جاننے والے ہیں تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ نکاح میں اصل حرمت اور تنگی ہے جس طرح ہم نے سورہ بقرہ کی آیت فَاِذَا انْكَحَرْتُمْ فَاَنْتُمْ هُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ میں بیان کیا ہے اور جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ عورتوں سے نکاح کے معاملہ میں اصل حلت ہے، یہ ممنوع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان و احل لکم ما وراہ

ذکرکم سے مراد مذکورہ عورتوں کے علاوہ عورتیں ہیں۔ یہ عام اور خاص ہونے کی بناء پر عدد پر دال نہیں بلکہ ان عورتوں میں ہر ایک عورت کی حلت پر دال ہے۔ اسی طرح رب العالمین کا یہ ارشاد وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ کیونکہ جب جمع کا جمع کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ہر ایک فرد کے ہر ایک فرد پر منقسم ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ آیت کریمہ نفس حلت کو بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ حلال عورتوں کی تعداد کو بیان کرنے کے لئے چلائی گئی کیونکہ نفس حلت تو اس آیت کے نزول سے پہلے بھی آیات و احادیث سے ثابت ہو چکی تھی۔ یہاں اس کا عدد کے ساتھ مقید کر کے ذکر حلت کو اسی عدد تک محدود کرنے کے لئے کیا گیا یا اس کی وضاحت کرنے کے لئے کہ عورتیں مطلقاً حلال نہیں بلکہ اس عدد میں حلال ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ یہ اسماء مطاب سے حال بن رہے ہیں تو یہ عامل میں بھی قید ہوں گے جو فانک حوا ہے۔

نیز چار سے زیادہ عورتوں کی عدم حلت حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوئے تو دور جاہلیت کی دس بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں تو نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا چار کو اپنے پاس رکھو اور باقی کو چھوڑ دو (1) اسے امام شافعی، امام احمد، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

نوفل بن معاویہ کی حدیث بھی اس کی وضاحت کرتی ہے انہوں نے کہا میں مسلمان ہوا تو میری پانچ بیویاں تھیں۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا ایک کو طلاق دے دو۔ میں نے اسے طلاق دی جو سب سے زیادہ میرے پاس رہی، جو بانجھ تھی اور اس کی عمر ساٹھ سال تھی (2) اسے امام شافعی نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے، چار عورتوں کی حلت پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ اجماع کے مقابلے میں بعض لوگوں کا قول باطل ہے۔ بدعتیوں میں سے کوئی بھی حلت کے عموم کی طرف نہیں گیا بلکہ خارجیوں نے اٹھارہ اور افضیوں نے نو کی تعداد معین کی ہے۔

مسئلہ:- جب کوئی آدمی مسلمان ہو جائے جبکہ اس سے قبل اس کی چار سے زیادہ بیویاں ہوں یا دو بہنیں ہوں یا ماں اور اس کی بیٹی ہو وہ عورتیں بھی اسی کے ساتھ مسلمان ہو جائیں یا وہ اہل کتاب میں سے ہوں تو امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام محمد کے نزدیک کہ چار سے زیادہ کی صورت میں چار کا انتخاب کر لے دو بہنوں یا اس جیسی صورت میں ایک کا انتخاب کرے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے اگر ان سب عورتوں سے ایک ہی وقت میں عقد کیا تھا تو مرد اور عورتوں کے درمیان جدائی کر دی جائے گی (یعنی کسی کا نکاح بھی باقی نہیں رہے گا)۔ اگر نکاح ایک ہی وقت میں نہیں ہوا تو جن کا نکاح حلال تھا اور پہلے ہوا وہ جائز ہوگا اور جن کا نکاح بعد میں ہوا اور اس کی وجہ سے جمع کی صورت بنی یا چار سے زیادہ کی صورت بنی تو اس کا نکاح باطل ہوگا مگر اس صورت میں دونوں عورتیں اس سے جدا ہو جائیں گی جب وہ ماں بیٹی ہوں اور اس نے ان کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں۔

جو احادیث ہم نے اوپر ذکر کی ہیں اور ضحاک بن فیروز دیلمی کی حدیث جو اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں مسلمان ہوا ہوں اور میرے عقد میں دو بہنیں ہیں۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے پسند کرتا ہے اپنے پاس رکھ لے (3) اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے جو جمہور کی امام ابوحنیفہ کے خلاف دلیل ہیں۔

مسئلہ:- ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غلام کے لئے دو سے زیادہ عورتوں کے ساتھ عقد نکاح کرنا جائز نہیں جبکہ امام مالک، داؤد اور ربیعہ کا یہ کہنا ہے کہ وہ چار سے شادی کر سکتا ہے کیونکہ آزاد اور غلام دونوں اس آیت کے ضمن میں داخل ہیں۔ (1)

ہم یہ کہتے ہیں اس آیت کے مخاطب آزاد ہیں، غلام نہیں۔ اس کی دلیل آیت کا آخری حصہ ہے فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْبُدُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کیونکہ غلام کے لئے ملکیت کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ ابن جوزی نے تحقیق میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غلام دو عورتوں سے شادی کرے گا، دو طلاقیں دے گا اور لونڈی دو حیض عدت گزارے گی۔ امام بغوی نے معالم میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ ساتھ ہی ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے اگر اسے حیض نہیں آتا تو دو ماہ عدت گزارے گی یا ایک ماہ اور پندرہ دن عدت گزارے گی۔ ابن جوزی نے کہا حاکم نے کہا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا اجماع ہے کہ غلام دو سے زیادہ عورتوں کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا (2) اسے ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

اے وہ لوگو جو نکاح کا ارادہ کرتے ہو اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم متعدد بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک عورت کے ساتھ نکاح کرو اور زیادہ کو چھوڑ دو۔ ابو جعفر نے واحدة (مرفوع) پڑھا ہے کہ یہ فعل محذوف کا فاعل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہو گی فَتَكْفِيكُمْ وَاحِدَةٌ يٰۤاَلْمُؤْمِنِيْنَ وَاحِدَةٌ

لونڈیاں کیونکہ ان کے وہ حقوق نہیں ہوتے جو بیویوں کے ہوتے ہیں اس کی باری نہیں ہوتی اور ان کی تعداد بھی معین نہیں ہوتی۔ مسئلہ:- ظلم سے خوف کی صورت میں ایک آزاد عورت یا باندی کے ساتھ نکاح پر اکتفاء کرنے کی شرط اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیویوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان میں عدل کرنے پر قادر ہونے کی صورت میں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا افضل ہے۔ جب شہوت کا غلبہ ہو تو بالا جماع نکاح فرض عین ہے بشرطیکہ نان و نفقہ دینے پر قادر ہو اور شہوت کا غلبہ نہ ہونے کی صورت میں مسنون اور مستحب ہے جبکہ اسے فتنہ اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا خوف نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جو انو! جو تم میں سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے اور جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کی شہوت کو توڑنے کا باعث ہے (خصی کرنے والا ہے) (3) متفق علیہ

صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں (4) حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم دیتے تھے اور ترک نکاح کی سخت ممانعت کرتے تھے، ارشاد فرماتے جتنے والی اور محبت کرنے والی عورتوں سے شادی کرو کیونکہ میں قیامت کے روز تم میں سے متقیوں کی کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عکاف بن خالد سے فرمایا کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے عرض کی نہیں۔ فرمایا لونڈی؟ اس نے عرض کی وہ بھی نہیں۔ فرمایا تم خوشحال ہو؟ عرض کی خوشحال ہوں۔ فرمایا پھر تو شیطان کے بھائی ہو، ہمارا طریقہ تو نکاح کرنا ہے۔ تم میں سے سب سے برے نکاح نہ کرنے والے ہیں۔ ذلیل ترین موت مرنے والے نکاح نہ کرنے والے اور وہ شیطان کے باپ ہیں۔ داؤد نے کہا جو آدمی وطنی اور نفقہ دینے پر قادر ہو اس پر

1- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 289 (وزارت تعلیم)

2- سنن بیہقی، جلد 7، صفحہ 149 (الفکر)

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 448-449 (قدیمی)

4- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 757 (وزارت تعلیم)

نکاح کرنا فرض عین ہے۔ وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

بے ایک عورت سے نکاح کرنا اور باندیوں پر اکتفاء کرنا ایک طرف جھک نہ جانے کے زیادہ قریب ہے عرب کہتے ہیں۔ عَالِ الْجِزَابِ پر نالہ ایک طرف جھک گیا، عَالِ الْخَاكِمِ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ظلم کرے۔ عُولِ الْفَرِيضَةِ سے مراد معین حصوں سے پھرنا۔ مجاہد نے کہا الا تعولوا کا معنی ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ (1) فراء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تم پر فرض کیا ہے اس سے تجاوز نہ کر جاؤ، عول کا اصل معنی حد سے تجاوز کرنا ہے اسی سے ایک اصطلاح عُولِ الْفَرَاغِ استعمال ہوتی ہے۔

امام شافعی نے کہا تم زیادہ عیال دار نہ ہو جاؤ۔ امام بغوی نے کہا کہ امام شافعی نے جو معنی کیا ہے کسی اور عالم نے یہ تعبیر نہیں کی کیونکہ کثرت عیال کے لئے باب افعال استعمال ہوتا ہے (2) ابو حاتم نے کہا امام شافعی ہم سے زیادہ عربی لغت سے واقف تھے۔ شاید یہ ایک لغت میں مجرد بھی اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حمیر کی لغت ہے۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں یہ عَالِ الرَّجُلِ عِيَالَهُ سے مشتق ہے، یعنی اس نے بیوی بچوں کا بار اٹھایا یہاں کثرت عیال کو کنایہ کے طریقہ پر کثرت مؤنث سے تعبیر کیا۔ طلحہ بن مصرف نے کہا اس کا معنی الا تعیلوا ہے۔ پس امام شافعی کا ترجمہ درست ہو گیا۔ شاید عیال سے مراد ازواج (بیویاں) ہوں۔ اگر عیال سے مراد اولاد ہو تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ باندیوں میں عزل کی اجازت کی وجہ سے بیوی کی نسبت اولاد کا امکان کم ہوتا ہے، جس طرح چار عورتوں کی نسبت ایک عورت سے شادی ہونے کی صورت میں اولاد کا امکان کم ہوتا ہے۔

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ  
هَنِيئًا مَّرِيئًا ③

”اور دیا کرو اپنی عورتوں کو ان کے مہر۔ خوشی خوشی۔ پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے سچے خوشدلی سے سچے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے۔“ ④

1۔ صدقات سے مراد مہر ہے۔ مہر کو صداق اور صدقہ کا نام دیا۔ کلبی اور ایک جماعت نے کہا یہ اولیاء کو خطاب ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابوصالح سے روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بیٹی کا نکاح کرتا تو اس کا مہر خود وصول کرتا، بیٹی کو مہر نہ دیا جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (3) اسی طرح امام بغوی نے کہا کہ عورت کا ولی جب اس کی شادی کرتا، اگر وہ عورت قبیلہ میں ہی رہتی تو اس کے مہر میں سے کچھ بھی نہ دیا جاتا، اگر اس کا خاندان جنبی ہوتا تو ایک اونٹ پر اسے سوار کر کے خاوند کے پاس بھیج دیا جاتا اور اس کے مہر میں سے اسے کوئی چیز نہ دیتے۔ (4)

حضرمی کا قول ہے کہ عورتوں کے اولیاء یہ کہتے ہیں اسے اپنی بہن اس شرط پر دیتا ہوں کہ دوسرا بھی اسے اپنی بہن عقد میں دے گا تو دونوں کا مہر نہیں ہوگا تو اولیاء کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا اور عقد میں دونوں عورتوں کا مہر معین کرنے کا حکم دیا گیا، اس نکاح کو شغار کہتے۔ مسئلہ: نکاح شغار امام مالک اور امام احمد کے نزدیک باطل ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی یہی حکم ہے، بشرطیکہ انہوں نے عقد کرتے وقت یہ کہا ہو کہ ان میں سے ہر ایک کا بضع دوسری کا مہر ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں بلکہ یہ کہیں میں نے اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے اس شرط پر کی کہ تو اپنی بیٹی کی شادی بغیر مہر کے میرے ساتھ کرے گا تو اس نے کہا میں نے بیٹی کا نکاح تجھ سے کر دیا تو امام شافعی

کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہوگا۔ دونوں پر مہر لازم ہوگا جبکہ امام مالک اور امام احمد کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف شغار کی تعبیر کے اختلاف پر مبنی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دونوں عقد جائز ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم آئے گا۔

اگر ایک نے یہ کہا میں تجھ سے اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر کرتا ہوں کہ تو اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرے گا اور مہر کا ذکر نہ کیا تو ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ نکاح بالاتفاق جائز ہے، یہ نکاح شغار نہیں ہوگا۔

اگر پہلے نے اپنے قول میں یہ اضافہ کیا کہ میری بیٹی کا بضعہ تیری بیٹی کا مہر ہوگا دوسرے نے قبول نہ کیا بلکہ اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور اس کا مہر معین نہ کیا تو دوسرا نکاح بالاتفاق صحیح ہوگا اور پہلا امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح ہوگا لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک صحیح نہ ہوگا۔

علماء ثلاثہ نے نکاح شغار کے بطلان پر حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا۔ نکاح شغار یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دے گا جبکہ دونوں کا مہر نہیں ہوگا (۱) متفق علیہ اسے سنن اربعہ کے اصحاب نے بھی نقل کیا ہے۔ امام مسلم کے ہاں ایک روایت ہے کہ اسلام میں شغار نہیں اس حدیث سے استدلال کی صورت یہ ہوگی کہ نفی اس کے حکم شرعی ہونے کو ختم کر رہی ہے اور پہلی احادیث میں نہیں ہے اور نہ ہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے اور فساد نکاح بالاتفاق ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔

اس کی عقلی توجیہ یہ ہے کہ نکاح شغار کی صورت میں ہر بضعہ مہر بھی ہوتا ہے اور اسی پر عقد نکاح بھی واقع ہوتا ہے۔ پس یہ بدل بھی ہوا اور مبادل بھی ہوا جو باطل ہے۔

احناف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نفی اور نفی کا متعلق شغار کا مسمی ہے اور اس کے مفہوم سے جو چیز ماخوذ ہے وہ یہ ہے کہ اس کا مہر سے خالی ہونا اور بضعہ کا مہر بننا ہے، جبکہ ہم اس کی نفی کے قائل ہیں، یعنی ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ چیز مہر بن جائے گی، بلکہ ہم اسے باطل قرار دیتے ہیں۔ تاہم نکاح اس طرح ہو جائے گا کہ اس میں ایسی چیز کو مہر ذکر کیا گیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس یہ ایسا عقد نکاح ہوگا جو مہر مثل کو ثابت کرے گا جس طرح وہ نکاح ہوتا ہے جس میں خمر اور خنزیر کو بطور مہر معین کیا جاتا ہے۔ جو چیز یہاں نفی کا متعلق ہے اسے ثابت نہیں کرتے اور جسے ہم ثابت کرتے ہیں نفی اس سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ دوسری عام آیات اس کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم نے اس کے مہر ہونے کو باطل قرار دے دیا اور ان میں سے ہر ایک منکوحہ ہوگئی۔

ایک جماعت نے کہا یہاں خطاب مردوں کو ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو مہر ادا کریں۔ (۲)

۳۔ ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے خوشدلی سے یہ اتوا فعل سے مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یا اتوا فعل کے فاعل سے حال ہے یا صدقات سے حال ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال دیا ہے اس میں سے دو، نہ کہ کسی اور کے مال میں سے یا ایسے مال میں سے جس میں شبہ ہو۔

ابو عبیدہ نے کہا نخلہ وہ مال ہوتا ہے جو معین اور معلوم ہو (۳) ایک قوم نے کہا نخلہ کا معنی عطیہ اور ہبہ ہے، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عطیہ اور فضل و احسان ہے۔ یہ صدقات سے حال ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔



جب یہ مہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لئے عطیہ ہے تو خاندانوں پر عورتوں کے لئے فرض ہو گیا۔ اسی چیز کو دیکھتے ہوئے قتادہ نے نحلۃ کا معنی فریضہ کیا ہے۔ ابن جریج نے کہا اس کا معنی معین فریضہ ہے۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا ہوا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے انتحل فلان کذا۔ اس صورت میں نحلۃ ماقبل فعل کا مفعول لہ ہو گا یا یہ صدقات سے حال ہوگا، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کیا ہوا قانون ہے۔ اس لئے تم اس کی پیروی کرو۔

یعنی اگر وہ عورتیں خوشی سے تمہیں کچھ دیں۔ جب اُنَّوَالنِّسَاءِ صَدَّقْتِهِنَّ کا معنی یہ تھا کہ تم ان میں سے ہر ایک کو اس کا مہر دو تو مہنہ میں ضمیر مفرد ذکر کی جو صدق کی طرف لوٹ رہی ہے جو کلام کے مفہوم سے سمجھا جا رہا ہے، یعنی ان عورتوں میں سے ہر ایک مہر میں سے جو خوشدلی سے دے آپ کے لئے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تم مہنہ کی ہضمیر کو اس صدق کی طرف لوٹائیں جو جمع کے ضمن میں مذکورہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ضمیر ایتاء کے لئے ہے۔

ہے نفسا طین کے اسناد سے تمیز ہے، یعنی اگر وہ خوشی کے ساتھ تمہیں مہر میں سے کوئی چیز دیں۔ یہاں مبالغہ کے لئے طیب نفس کو فعل کی بنیاد بنایا ہے، پھر فعل کو نفسہن سے اصحاب نفوس کی طرف پھیرا ہے اور عن حرف جار صلہ ذکر کیا ہے کیونکہ یہ تجانی اور تجاوز کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ من بعضیہ ذکر کرنے میں یہ حکمت کار فرما ہے کہ جو چیز تمہیں ہبہ کی گئی ہے اسی پر اکتفاء کرو، اگر چہ وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو تمام کی یا زیادہ کی طمع کرنا چھوڑ دو۔

۵۔ جو چیز تمہیں ہبہ کی گئی اسے لے لو۔ یعنی حلال بلا اعتراض ہبہ کی پاکیزہ خوشگوار جو گلے میں نہانکے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جس سے انسان لذت حاصل کرے۔ مریء کا معنی جو انجام کے اعتبار سے اچھا ہو، مکمل ہضم ہو جاتا ہو، جو تکلیف نہ دیتا ہو۔ یہ دونوں صفت مشبہ کے صیغے ہیں، ہنی بھنی اور مری بمری سے مشتق ہیں۔ یہ مصدر کی جگہ رکھے گئے ہیں۔ یا یہ مصدر محذوف کی صفت ہیں یا یہ ضمیر سے حال ہیں۔ ابو جعفر نے انہیں ہنیا مریا بغیر ہمزہ کے مشدد پڑھا ہے۔ اسی طرح ہوی ہویون اور خَطِیۃ جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

”اور نہ دے دو نادانوں کو اپنے مال جنہیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری (زندگی کے) لئے سہارا اور کھلاؤ انہیں

اس مال سے اور پہناؤ انہیں اور کہو ان سے بھلائی کی بات۔“ ۵

۱۔ سفہاء سے مراد عورتیں اور بچے ہیں، انہیں سفہاء اس لئے کہا کیونکہ یہ جلد باز اور نا سمجھ ہوتے ہیں۔ ضحاک، مجاہد، زہری، کلبی اور دوسرے علماء نے بھی یہی کہا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے یہ زیادہ موافق ہے۔

۲۔ جس کے ساتھ تم گذر اوقات کرتے ہو۔ ضحاک نے کہا اسی کے ساتھ حج، جہاد اور نیکی کے کام کئے جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ لوگ جہنم سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں (۱) حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو مال تمہیں عطا فرمایا اور زندگی گزارنے کا سہارا بنایا وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے حوالے نہ کرو کہ وہ تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ پھر تو ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھتا رہے بلکہ اس کو اپنے

پاس رکھا اس کو بڑھانے کی کوشش کرتا رہ، خود ان کی ضروریات اور ان کی تربیت پر خرچ کر (۱) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔  
 ۳۔ یہاں فی من کے معنی میں ہے۔

۴۔ نرم گفتگو کرو جس سے ان کے نفوس خوش رہیں۔ حضرت سعید بن جبیر اور عکرمہ نے کہا یہ آیت اس یتیم کے بارے میں ہے جو تیری پرورش میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے مال اسے نہ دو بلکہ اس پر خرچ کرو۔ یہاں اموال کی نسبت اولیاء کی طرف کی کیونکہ وہی اس کے نگہبان اور تدبیر کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ تاویل پہلی آیات اور بعد والی آیات کے مناسب ہے کیونکہ پہلی اور بعد والی تمام آیات کے مخاطب اولیاء ہی ہیں۔ آیت میں فیہا فرمایا تھا منہا نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر دلالت ہو کہ تم ان کے اموال کو ان کے رزق کی جگہ بنا دو وہ اس طرح کہ تم اس میں تجارت کرو اس میں نفع حاصل کرو، تا کہ ان کے اخراجات نفع میں سے ہوں نہ کہ اصل مال سے کہ کہیں ایسا ہی نہ ہو کہ اخراجات اصل مال ہی کھا جائیں۔

وَ ابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۗ فَاِنْ اَنْتُمْ مِنْهُمْ رٰشِدًا ۙ فَاَدْفَعُوْا  
 اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۗ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَاقًا ۗ وَاِنْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَسْرَاقًا ۙ وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا  
 فَلْيَسْتَعْفِفْ ۗ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ  
 اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهَدُوْا عَلَيْهِمْ ۗ وَ كَفَىٰ بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۱

”اور آزماتے رہو یتیموں کو۔ یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) تک کو پس اگر محسوس کرو تم ان میں دانائی سے تو لوٹا دو انہیں ان کے مال سے اور نہ کھاؤ انہیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی سے اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے بے اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ کھالے مناسب مقدار سے پھر جب لوٹاؤ تم ان کی طرف ان کے مال تو گواہ بنا لو ان پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔“

۱۔ ان کے بالغ ہونے سے پہلے ان کی عقلوں کو آزمائش کا طریقہ ہے کہ تم انہیں تھوڑا سا مال دو تا کہ وہ خرچ کریں اور اس کی صورت حال واضح ہو اگر وہ سمجھدار ہو چکا ہوگا تو پہلی دفعہ ہی اس کا دانا ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ اس آیت میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ عقلمند نابالغ کو تجارت کی اجازت دینا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ امام شافعی کا قول یہ ہے چھوٹے بچے کو تجارت کا اذن دینا جائز نہیں۔ ابتلاء سے مراد یہ ہے کہ عقد کے مقدمات اس کے ذمہ لئے جائیں، تاہم پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔

۲۔ یعنی نکاح اور عمل تو والد کے قابل ہو جائے لڑکے میں اس کی علامات یہ ہیں کہ احتلام، وحی کے ساتھ حمل کا ٹھہرنا وحی کے ساتھ مادہ منویہ کا خارج ہونا۔ بچی میں بھی یہ علامات ہوتی ہیں حیض، بدخوابی اور حمل کا ٹھہرنا۔ اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو دونوں کی عمر جب پندرہ سال ہو جائے۔ یہ امام مالک، امام احمد، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد کا نقطہ نظر ہے۔ ایک روایت امام ابو حنیفہ سے بھی یہی مروی ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مشہور قول یہ ہے کہ جب یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو لڑکی سترہ سال اور لڑکا اٹھارہ یا انیس سال کا ہو جائے تو وہ بالغ ہو جاتا ہے۔ جمہور علماء نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بچے کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے تو وہ مکلف بن جاتا ہے، اس کی نیکیاں اور برائیاں لکھی جاتی ہیں، اس پر حد تو قائم کی جائے گی۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیحین میں مروی ہے کہ انہیں غزوہ احد کے روز رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا گیا جبکہ ان کی عمر چودہ سال تھی۔ آپ نے اجازت نہ دی پھر آپ کو غزوہ خندق کے روز پیش کیا گیا تو عمر پندرہ سال سے بڑھ کر تھی تو حضور ﷺ نے غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی (۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیر ناف بالوں کا اگنا بھی بالغ ہونے کی علامت ہے۔

امام شافعی نے کہا یہ مشرکوں میں علامت ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں آپ سے دو قول مروی ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس باب میں دلیل عطیہ قرظی کی حدیث ہے۔ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ پر یوم قرظہ کو پیش کیا گیا صحابہ کرام نے میرے بارے میں شک کیا تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کے مخفی بال دیکھے جائیں کہ کیا اگے ہیں یا نہیں صحابہ نے دیکھا انہوں نے بال اگے ہوئے نہ پائے۔ مجھے چھوڑ دیا گیا اور مجھے قیدیوں کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ اسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے کہ امام ترمذی ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

سے اگر تم دیکھو بالغ ہونے کے بعد تصرفات میں دانشمندی اور معاملات میں درستگی دیکھو۔ امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام احمد نے یہی کہا۔ امام شافعی نے کہا دین میں درستگی مال کی حفاظت اور مناسب چیز کا علم دیکھو۔

امام بیہقی نے علی بن طلحہ سے وہ ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں قولہ تعالیٰ انستم منهم رشدا یعنی بالغ ہونے کے بعد تم ان کے دینی معاملات میں بہتری اور اسماول کی حفاظت کو دیکھو۔ امام ثوری اپنی جامع میں منصور سے وہ مجاہد سے یوں ہی نقل کرتے ہیں۔ امام بیہقی یزید بن ہارون سے، وہ ہشام بن حسان سے اور وہ حسن سے نقل کرتے ہیں۔ فاسق امام شافعی کے نزدیک رشید نہیں جبکہ دوسرے لوگوں کے نزدیک رشید ہے۔

یعنی بالغ ہونے کے بعد بغیر تاخیر کے انہیں مال دے دو۔ یہ جواز ہے کیونکہ اذا بلغوا میں شرط کا معنی موجود تھا جو حقیقت میں فادفعوا کی ظرف ہے۔ حتی ابتداء کے لئے ہے، اس کا ماقبل مابعد کا سبب ہے۔ حتی کو حرف جار بنا کر ماقبل جملہ کے متعلق کرنا صحیح نہیں کیونکہ اذا جوئی کا معنی دے اس پر حتی کو داخل کرنا صحیح نہیں۔ معنی یہ ہوگا قیموں کو آزماؤ جب آزما چکو تم انہیں ان کے مال دے دو جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور تم ان سے دانشمندی جان لو پس آزمائش کرنا مال دینے کے لئے سبب ہے اور مال دینا دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے (۱) بالغ ہونا اور دانشمندی سے آگاہی ہونا۔ اسی وجہ سے امام شافعی امام مالک امام احمد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ نے کہا جب تک ان سے دانشمندی ظاہر نہ ہوگی کبھی بھی انہیں مال نہ دیا جائے گا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب اس کی عمر پچیس 25 سال ہو جائے تو اس کا مال اسے دے دیا جائے گا کیونکہ مال نہ دینے کی وجہ بلوغت کا آغاز تھا جبکہ اب وقت کافی گذر چکا ہے تو مانع باقی نہ رہا۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اگر کوئی لڑکا دانشمند بالغ ہو پھر بے وقوف بن جائے تو اس کا مال نہیں روکا جائے گا کیونکہ اس پر

بچنے کا کوئی اثر نہیں۔

امام ابوحنیفہ نے رشد فرمایا آیت میں اشد کی تکمیل کا فائدہ دیتی ہے، یعنی کچھ دانشمندی ظاہر ہو جائے، اس کی مکمل دانشمندی کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ جب اس کی عمر 25 سال ہو جائے تو اس عمر میں کچھ نہ کچھ رشد ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس کا مال اس لئے روکا جائے کہ اس کو ادب سکھایا جائے جبکہ اس عمر کے بعد ادب سکھانے کی کوئی صورت نہیں۔ اس وجہ سے مال روکے رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ پس مال دینا لازم ہے۔

مسئلہ:- وہ سفیہ جسے مال نہیں دیا جاتا اس کا اپنے مال میں تصرف قوی نافذ نہیں ہوتا، خواہ بیع ہو غلام کرنا ہو یا کوئی اور تصرف۔ یہ امام شافعی کا نقطہ نظر ہے۔ امام محمد کا نقطہ نظر یہ ہے جو عقد فسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو۔ اس میں اس کا تصرف مالی نافذ ہو جاتا ہے جس طرح آزاد کرنا اور جو فسخ کا احتمال رکھتا ہو اس میں تصرف نافذ نہیں ہوتا جیسے بیع و شراء ان میں جب تک ولی اجازت نہ دے نافذ نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف اور اکثر علماء کے نزدیک اس کا اپنے مال میں تصرف نافذ ہوگا جب تک قاضی اسے مجبور قرار نہ دے۔ قاضی کے لئے اس پر حجر کرنا جائز ہوگا۔ جب قاضی حجر کر دے تو اس کی بیع نافذ نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس کا وہ تصرف جن میں ہنسی مذاق موثر ہوتا ہے۔ اگر اس نے غلام کو آزاد کیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور غلام پر ضروری ہوگا کہ وہ اپنی قیمت کما کر دے۔ یہ صاحبین کے نزدیک ہے۔ امام محمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ قیمت کما کر دینا غلام پر لازم نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ عاقل بالغ پر بے وقوفی، قرضہ اور فسخ کی وجہ سے حجر کرے کیونکہ اس میں اس کو آدمیت کے مرتبہ سے گرانا ہے اور چوپاؤں کے ساتھ اسے شامل کرنا ہے۔ یہ فضول خرچی سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اس لئے چھوٹی تکلیف دور کرنے کیلئے بڑی تکلیف اٹھانے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد اور دوسرے علماء کی اس آیت میں دلیل یہ ہے کہ یہ آیت بے وقوف کو مال دینے سے مانع ہے جبکہ یہ بغیر حجر کے کوئی فائدہ مند نہیں کیونکہ وہ اپنی زبان سے نقصان کر دے گا جو اس کے ہاتھ سے محفوظ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ کا فرمان یہ ہے مال نہ دینا فائدہ مند ہے کیونکہ عموماً بے وقوفی کا اظہار بہہ کرنے اور صدقہ کرنے میں ہوتا ہے۔ یہ امور (قبضہ) پر موقوف ہیں کیونکہ بہہ اس وقت مکمل نہیں ہوتا جب تک موصوبہ چیز پر قبضہ نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت انس کی حدیث ہے کہ ایک آدمی اپنے عقد میں کمزور تھا، وہ خرید و فروخت کرتا، اس کے گھر والے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اسے عقد کرنے سے روک دیجیے۔ نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کو بلایا اسے بیع کرنے سے منع کیا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں خرید و فروخت سے باز نہیں رہ سکتا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تو خرید و فروخت کرے تو کہنا کوئی دھوکہ نہیں ہونا چاہیے (یعنی مجھے خیار ہوگا)۔ اسے امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ اس استدلال کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان پر حجر نہیں کیا اور نہ ہی تحریم کی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ آدمی قصداً جلد باز نہیں تھا بلکہ عقل کی کمزوری کی وجہ سے بیع و شراء میں نقصان اٹھاتا تھا تو اس کے نقصان کا تدارک لاخلاف (کوئی دھوکہ نہیں ہونا چاہئے) سے ممکن تھا جبکہ ہماری گفتگو سفیہ کے بارے میں ہے جو فضول خرچ بھی ہے اور اپنے اختیار سے مال ضائع کرتا ہے۔

امام بغوی نے کہا حجر کے جواز کی دلیل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اتفاق ہے (۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن حسن سے، انہوں نے امام ابو یوسف سے، انہوں نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن جعفر نے شوریدہ زمین ساٹھ ہزار درہم میں خریدی۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا میں حضرت عثمان کے پاس جاتا ہوں اور تجھ پر حجر کرتا ہوں۔ عبد اللہ بن جعفر حضرت زبیر کے پاس آئے۔ تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔ حضرت زبیر نے کہا میں تیری اس بیع میں شریک کار ہوں۔ حضرت علی شیر خدا حضرت عثمان کے پاس آئے عبد اللہ پر حجر لگائے۔ حضرت زبیر نے کہا میں اس بیع میں ان کا شریک کار ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا میں کسی ایسے آدمی پر میں بیع کیسے حجر کر سکتا ہوں جس کے ساتھ حضرت زبیر شریک ہوں۔ ابو عبیدہ نے اپنی کتاب الاموال میں اپنی سند سے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت علی سے فرمایا کیا تو اپنے بھتیجے (عبد اللہ) کا ہاتھ نہیں پکڑے گا اور اس پر حجر نہیں کرے گا۔ اس نے ناکارہ زمین ساٹھ ہزار درہم میں خریدی ہے۔ مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میں اسے اپنی اس جوتی کے بدل میں خریدوں پھر تمام قصہ ذکر کیا جس طرح پہلے گزرا ہے۔ امام بغوی نے کہا یہ مشورہ حجر کے جواز پر ان کی طرف سے اتفاق تھا لیکن حضرت زبیر نے حجر روکنے کے لئے یہ حیلہ کیا۔

مسئلہ :- جب چھوٹا بچہ دانشمند حالت میں بالغ ہو جائے پھر وہ جلد باز فضول خرچ ہو جائے تو ان علماء کے نزدیک اس کو بیع و شراء سے روک دینا جائز ہے جو جلد بازی کی حالت میں بالغ ہونے کی صورت میں بیع و شراء سے روک دینا جائز سمجھتے ہیں، جس طرح ابن جعفر کا قصہ اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ مدیون پر حجر کے جواز کی دلیل کعب بن مالک کی حدیث ہے جو وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ پر قرض کی وجہ سے حجر کیا تھا اور اس کا مال قرض میں بیچ دیا تھا۔ اسے دارقطنی حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد نے مراہیل عبدالرزاق کی مرسل روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح سعید نے اپنی سنن میں اور ابن جوزی نے ابن مبارک کی حدیث جو وہ معمر سے معمر زہری سے، وہ عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے مرسل روایت نقل کرتے ہیں، کہا معاذ بن جبل نو جوان نجی تھے وہ اپنے پاس کوئی بھی چیز نہ روکتے، وہ لگاتار ادھار کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا تمام مال ادھار کی نذر ہو گیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ سے عرض کریں کہ آپ قرض خواہوں سے ارشاد فرمائیں۔ اگر وہ کسی کو چھوڑتے تو حضور ﷺ کی وجہ سے حضرت معاذ کو چھوڑتے حضور ﷺ نے قرض کے عوض میں ان کا سارا مال بیچ دیا اور حضرت معاذ کے پاس کچھ بھی نہ بچا۔ عبد الحق نے کہا مرسل متصل سے زیادہ صحیح ہے۔

ابن اصلاح نے احکام میں کہا یہ حدیث ثابت ہے۔ یہ ہجرت کے نویں سال واقع ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے قرض خواہوں کے مطالبہ کا 5/7 حصہ ادا کیا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ باقی ماندہ بھی ہمارے لئے بیچ دیجیے۔ آپ نے فرمایا اب تمہارا اس پر کوئی حق نہیں۔

امام ابو حنیفہ نے کہا کہ مقرض پر قاضی حجر کر سکتا ہے نہ ہی اس کا مال زبردستی بیچ سکتا ہے کیونکہ یہ بھی حجر کی ایک صورت ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ ایسی تجارت ہوگی جو باہمی رضامندی سے نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے الا ان تكون تجارة عن تراض لیکن اس کو قید

کر سکتا ہے تاکہ وہ قرض خواہوں کے حقوق کی ادائیگی میں اپنا مال بیچے تاکہ اس کا ظلم ختم ہو۔

حضرت معاذ کے قصہ کا جواب یہ ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضور ﷺ نے مال بیچا ہو اور حضرت معاذ اس سے راضی نہ ہوں، یہ حال ہے کہ حضرت معاذ حضور ﷺ کے عمل پر راضی نہ ہوں، حضور ﷺ نے ان کا مال ان کی اجازت سے بیچا۔ پس یہ وکیل کی بیع بنی یا فضولی کی بیع بنی جس کو بعد میں جائز قرار دیا گیا اور راوی کا قول حجر علی معاذ مالہ اباہ یہ گمان ہے کہ حضور ﷺ کی بیع کو حجر قرار دیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ امام بیہقی نے واقندی کے واسطے سے اس حدیث کا ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد انہیں یمن بھیجا تاکہ اس کا نقصان پورا ہو جائے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حج کیا تو حضرت معاذ کو یمن بھیجا یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مال میں تجارت کی۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ پر حجر نہیں کیا۔

مسئلہ:- جب کوئی مفلس قرار دے دیا جائے اس کا مال قرض خواہوں میں تقسیم کر دیا جائے کچھ قرض باقی بھی رہ جائے وہ ایک ایسا پیشہ جانتا ہو جس کی اجرت ضروریات سے بچ جاتی ہو۔ امام احمد نے کہا حاکم اسے قرض کی ادائیگی کے لئے مزدوری کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اجازت دے گا۔ یہ دوسرے ائمہ کا قول بھی ہے۔ امام احمد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے دارقطنی نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک بوڑھے کو اسکندر یہ میں دیکھا جسے سرق کہتے ہیں نے پوچھا یہ کیسا نام ہے؟ اس نے بتایا یہ وہ نام ہے جو رسول اللہ ﷺ نے میرا رکھا میں اسے کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے پوچھا تیرا یہ نام رسول اللہ ﷺ نے کیوں رکھا؟ اس نے بتایا میں مدینہ طیبہ آیا، میں نے لوگوں کو بتایا میرا مال آنے والا ہے۔ لوگوں نے آنے والے مال کو مجھ سے خرید لیا۔ اتفاق سے تمام مال ہلاک ہو گیا۔ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو سرق (چور) ہے۔ حضور ﷺ نے مجھے چار اونٹوں کے عوض بیچ دیا۔ جس نے مجھے خریدا اس سے دوسرے قرض خواہوں نے پوچھا تو اس کا کیا کرے گا۔ اس نے جواب دیا میں اسے آزاد کر دوں گا۔ انہوں نے کہا ہم تجھ سے اجر کے کم خواستگار نہیں۔ انہوں نے مجھے آزاد کر دیا۔ پس میرا نام باقی رہ گیا۔ ابن جوزی نے کہا وہ صحابی یہ جانتا تھا کہ میں اسے بیچ تو نہیں سکتا کیونکہ یہ آزاد ہے۔ وہ صرف اس کی خدمات بیچ سکتا تھا (مزدوری کر سکتا تھا)۔ معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے خدمت لینے سے آزاد کر دیا۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کو اجارہ پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ مجہول عمل پر اجارہ ہے۔ یہ حدیث بالا جماع متروک ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو لوگوں میں تصرف کرنے کا اختیار تھا جبکہ کسی اور کو ایسا تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ امام مسلم نے ابوسعید سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی کو پھلوں کی خریداری میں نقصان ہو گیا۔ اس کا قرض بہت زیادہ ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس پر صدقہ کرو لیکن وہ اس کے قرضہ تک ہی پہنچا۔ آپ نے قرض خواہوں سے فرمایا یہ لے لو اس کے بعد تمہارا اس پر کوئی حق نہیں (۱) یہ حدیث اس بات میں صریح ہے کہ مدیون کے لئے پورا قرض ادا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں واللہ اعلم۔

۵۔ اے رشتہ دارو تم یتیم کا مال نہ کھاؤ فضول خرچی اور جلدی جلدی۔ قاموس میں ہے سرف اعتدال کی ضد ہے۔ صحاح میں ہے سرف ہر فعل میں حد سے تجاوز کرنا جو انسان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۝ اور فرمایا لِيُعَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ

لیکن مال خرچ کرنے میں اس لفظ کا استعمال زیادہ مشہور ہے۔ اسی لئے سفیان ثوری نے کہا جو تو نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر خرچ کیا وہ فضول خرچی ہے (بعض اوقات اس لفظ کا استعمال کثرت کے معنی میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا بعض اوقات یہ کیفیت میں استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ مال تھوڑا ہی ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّ السَّرِفِيْنَ هُمْ اَصْحَابُ النَّارِ۔ میں کہتا ہوں یتیم کا مال خواہ تھوڑا ہی کھایا جائے اسراف ہوگا۔ اگر ولی خود خوشحال ہو مگر جب وہ فقیر ہو تو ضرورت سے زیادہ لینا اسراف ہوگا۔

وہ تم سے اپنا مال لیں اسراف اور بداریہ دونوں مصدر ہیں اور حال کی جگہ واقع ہیں۔ ان یکبر و امصدر کے حکم میں ہے اور بداریہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لَا تَأْكُلُوا مَسْرَفِيْنَ وَ مُبَادِرِيْنَ كِبْرَهُمْ۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ دونوں اکل سے مفعول لڑ ہوں اور یہ بھی جائز ہے ان یکبر و ابدا را کا مفعول لڑ ہو۔

کے جو غنی ہو وہ یتیم کے مال سے رک جائے نہ تھوڑا لے نہ زیادہ لے استعف (باب استعجال) عف (مجرد) سے زیادہ بلیغ ہے۔ گویا اس نے زیادہ عفت کو طلب کیا۔

۵ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی میں فقیر ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں اور میری کفالت میں ایک یتیم بھی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یتیم کے مال میں سے کھا سکتے ہو نہ فضول خرچی کرتے ہوئے، نہ جلدی کرتے ہوئے اور نہ ہی اپنا مال جمع کرتے ہوئے (۱) اسے ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری زیر کفالت ایک یتیم ہے، کیا میں اس کے مال میں سے کھا سکتا ہوں، فرمایا نیکی کے ساتھ کھا سکتے ہو، یعنی اس کا مال اپنے پاس جمع نہ کرنے اور نہ ہی اس کے مال کے ساتھ اپنا مال بچاؤ اسے ثعلبی نے روایت کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جتنی تم اس کے مال کی حفاظت کرتے ہو اتنی ہی اجرت لے سکتے ہو۔ یہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے اور اسی پر ہم عمل کرتے ہیں۔

حضرت عطاء اور عمرہ نے کہا وہ انگلیوں کے سروں کے ساتھ کھائے فضول خرچی نہ کرے اور نہ اس کے مال سے لباس زیب تن کرے۔ امام نخعی نے کہا یتیم کے مال میں سے کتان اور حلہ خرید کر نہ پہنے، بلکہ اتنا ہی لے جو اس کی بھوک مٹا دے اور شرمگاہ چھپا دے۔ ان تمام اقوال میں بعد میں اس کی ادائیگی لازم نہیں۔

حضرت حسن بصری اور ایک جماعت کا نقطہ نظریہ ہے کہ اس کے درختوں کی کھجوریں اور چوپاؤں کا دودھ نیکی سے کھا سکتا ہے۔ ان کی کوئی قضا نہ ہوگی مگر سونے چاندی کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس نے ان میں سے کوئی چیز لی تو اس پر لوٹانا لازم ہوگا۔

کلبی نے کہا معروف سے مراد چوپائے پر سواری کرنا اور خادم سے خدمت لینا ہے۔ وہ اس کے مال میں سے کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔ (۲) امام بغوی نے اپنی سند سے قاسم بن محمد سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس کے پاس آیا۔ عرض کی میرے پاس ایک یتیم ہے اس کی اونٹنیاں ہیں، کیا میں ان کا دودھ پی سکتا ہوں۔ فرمایا اگر تم گم شدہ اونٹ تلاش کرو خارش زدہ اونٹوں کی مالش کرو پانی کے دن انہیں پانی پلاؤ تو اس کا دودھ پی سکتے ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ اونٹ کے بچوں کو نقصان نہ پہنچاؤ اور نہ ہی دودھ مکمل نچوڑ لو۔ (۳) امام شععی نے کہا اس وقت تک نہ کھائے جب تک اس طرح مجبور نہ ہو جائے، جس طرح مردار کھانے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔

ایک قوم نے یہ کہا معروف سے مراد قرض ہے، یعنی جب ضرور تمند ہو تو یتیم کے مال سے قرض لے لے جب خود خوشحال ہو تو قرض ادا کر دے۔ یہ مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے مال میں اپنے آپ کو وہی حیثیت دے رکھی ہے جو یتیم کے ولی کی ہوتی ہے۔ اگر میں خود غنی ہوں تو اس سے پچتا ہوں۔ اگر ضرور تمند ہوتا ہوں تو معروف طریقے سے کھاتا ہوں، جب خوشحال ہوتا ہوں تو واپس کر دیتا ہوں۔

۹۔ ان کے بالغ ہونے اور دانشمندی کے ظاہر ہونے کے بعد جب تم انہیں مال دو تو گواہ بنا لو۔ یہ امر ارشاد ہے و جوہ کے لئے نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تہمت اور خصومت کو ختم کرنے کے لئے گواہ بنا لو۔ امام شافعی اور امام مالک نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نگہبان کے مال دینے کے دعویٰ میں اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی جب تک وہ گواہ نہیں بنائے گا۔

امام ابوحنیفہ نے کہا جب اس کے بینہ نہ ہوں قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ وہ امین ہے۔ اپنے اوپر رمضان کا انکار کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔

ملے محاسبہ کرنے والا بدلہ دینے والا اور گواہ کافی ہے۔ کسی اور گواہ کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ولی کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ باء زائدہ ہے اور لفظ اللہ اسم جلال کفی فعل کا فاعل ہے۔

ابو الشیخ ابن حبان نے کتاب الفرائض میں کلبی کے واسطے سے، وہ ابو صالح سے، وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ اہل جاہلیت بچیوں اور چھوٹے بچوں کو وارث نہ بناتے۔ ایک انصاری فوت ہو گیا جسے اوس بن ثابت کہتے اس نے دو بچیاں اور ایک چھوٹا بچہ پیچھے چھوڑے۔ اس کے چچا زاد بھائی خالد اور عطفہ آئے۔ یہی اس کے عصبہ تھے۔ ان دونوں نے اس کی تمام میراث لے لی۔ اس کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تمام واقعہ گوش گزار کیا۔ آپ نے فرمایا میں کچھ نہیں جانتا کہ اس مسئلہ میں کیا فیصلہ کروں تو ما بعد آیت نازل ہوئی۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۖ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٥﴾

”مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرہمی رشتہ دار اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرہمی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے۔“ لے والدین یا قرہمی رشتہ دار جو ترکہ چھوڑ جائیں ان میں مردوں کا حصہ ہے اور عورتوں کا بھی عورتوں کے حصہ کے اہتمام کے لئے یہ انداز کلام اپنایا مِمَّا قَلَّ، او کثُر فرما کر ان کو تنبیہ کر دی جو اس کا لحاظ نہیں رکھتے۔ یہ معاً ترکہ سے بدل ہے اور ان حرف جار کو مکرر ذکر کیا ہے۔ نصیباً مفروضاً یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور تاکید کا فائدہ دے رہا ہے جس طرح رب العالمین کا یہ فرمان ہے فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ۔ ظرف کے فاعل سے حال ہے کیونکہ معنی یہ ہے ان کے لئے حصہ ثابت ہے اس حال میں کہ یہ قطعی ہے۔ حقیقت میں حال اللہ تعالیٰ کا فرمان مفروضاً ہے لیکن ظاہر کے اعتبار سے نصیباً کو حال بنایا اور مفروضاً اس کی صفت ہے اور اسے حال موطنہ (تمہید) کہتے ہیں کیونکہ جو اصل حال ہے۔ اس سے یہ پہلے ہے یا یہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی تقدیر کلام یوں ہوگی اعنی نصیباً مقطوعاً، یعنی ان پر واجب ہے اس میں کسی کو تبدیلی کی اجازت نہیں اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ اگر وارث اپنے حصہ



سے اعراض کرے یا برأت کا اظہار کرے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ آیت میں دو اعتبار سے اجمال ہے، ان میں سے ایک حصہ کی تعیین اور دوسرا قرب سے مراد کیا ہے۔ دونوں کا بیان شرع (حدیث) میں وارد ہے۔ والدین کا ذکر جبکہ وہ اقربین میں بھی شامل ہیں۔ ایک تو عظمت شان کے لئے ہے اور دوسرا اس لئے کہ آیت کا سبب نزول والد کی میراث ہے۔

امام بغوی نے ذکر کیا کہ اوس بن ثابت انصاری فوت ہوئے۔ انہوں نے ایک عورت جسے ام کہہتے اور تین بیٹیاں چھوڑیں۔ دو آدمی آئے جو میت کے چچا زاد اور اس کے وصی تھے، جن کا نام سوید اور عرفجہ تھا۔ دونوں نے مال لے لیا اس کی بیوی اور بیٹیوں کو کچھ مال بھی نہ دیا (۱) یہ لوگ دور جاہلیت میں عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت نہ دیتے تھے اگرچہ وہ چھوٹا بچہ لڑکا ہی کیوں نہ ہوتا۔ وہ مردوں کو ہی وراثت دیتے اور کہتے ہم اسے ہی وراثت دیتے ہیں جو جنگ کر سکے اور مال غنیمت جمع کر سکے۔ ام کہہ حاضر ہوئی اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اوس بن ثابت فوت ہو گیا ہے وہ میرے ذمہ بیٹیاں چھوڑ گیا ہے میں اس کی بیوی ہوں میرے پاس کچھ مال نہیں جو ان پر خرچ کروں۔ ان کے والد نے بہت کچھ مال چھوڑا تھا۔ وہ سوید اور عرفجہ کے پاس ہے۔ انہوں نے مجھے اور میری بیٹیوں کو کچھ بھی نہیں دیا جبکہ بیٹیاں میری گود میں ہیں۔ وہ کچھ کھاتی ہیں نہ پیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو بلایا۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ اس کا بیٹا گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا نہ یہ بیٹیاں تاوان دے سکتی ہیں، نہ دشمن سے جنگ کر سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی طرف پیغام بھیجا کہ اوس بن ثابت کے مال میں سے کچھ تقسیم نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیٹیوں کے لئے حصہ معین فرما دیا ہے لیکن یہ واضح نہیں فرمایا کہ کتنا ہے میں انتظار نہیں کروں گا کہ دیکھوں اللہ تعالیٰ اس بارے میں کیا نازل فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا **يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي آيَاتِهِ مَا تَرْتَدُونَ** جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو پیغام بھیجا کہ ام کہہ کو آٹھواں حصہ اس کی بیٹیوں کو دو ٹکٹ اور باقی ماندہ مال تمہارے لئے ہے۔

میں کہتا ہوں جب اس کے بعد یو صیکم اللہ کا حکم نازل ہو تو ضرورت کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا لازم نہیں آتا واللہ اعلم۔ سعد نے کہا کتب معتبرہ اور روایات صحیحہ میں یہ بات واقع ہوئی ہے کہ اوس بن ثابت جو حسان بن ثابت کے بھائی تھے۔ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ جب وہ حسان کے بھائی تھے تو بھائی کی موجودگی میں چچا زاد بھائی کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ابن حجر نے اصحاب میں اسے ابن مندہ سے نقل کیا ہے اور غلط قرار دیا ہے کیونکہ حسان بن ثابت کا اوس بن ثابت بھائی نہیں تھا اور نہ ہی ان کے چچا زاد عرفجہ اور خالد تھے۔ شیخ سیوطی نے ذکر کیا کہ صحابہ کی ایک جماعت کا نام اوس تھا جن کے والد کے نام مختلف تھے۔ شاید آیت ان میں سے ایک کے بارے میں نازل ہوئی۔ واللہ اعلم

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَنزِلُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ①

”اور جب حاضر ہوں (ورثہ) کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار یتیم بچے اور مسکین تو دو انہیں بھی اس سے اور کہو ان سے اچھی بات۔“

قسمہ سے مراد میراث کی تقسیم ہے، یعنی تقسیم کے وقت ان کے قریبی وارث رشتہ داروں کے علاوہ رشتہ دار آ جائیں۔ تو ترکہ یا جسے

تقسیم کیا جا رہا ہے اس میں سے بطور صدقہ انہیں دے دو۔ حضرت حسن بصری نے کہا وہ اس کا تابوت برتن بوسیدہ کپڑے استعمال کا سامان اور وہ چیز جس کی تقسیم سے وہ حیا محسوس کرتے وہ ان کو دے دیتے۔

سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا یہ آیت یو صبیکم اللہ کی آیت سے منسوخ ہے۔ ابن عباس، شععی، نخعی، زہری، مجاہد اور ایک بناءت نے کہا یہ محکم ہے۔ قتادہ نے یحییٰ بن یسر سے نقل کیا ہے تین آیتیں محکم ہیں، مدنی ہیں جنہیں لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔ یہ آیت آیت استیذان، یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ امر و جواب کے لئے ہے یہ ایسا حق ہے جو چھوٹے بڑے سب لوگوں کے حق میں واجب ہے۔ اگر وارث بڑے ہوں تو وہ اپنے حصہ کے خود والی بنیں گے اگر چھوٹے ہوں تو ان کے ولی کو دے دیا جائے گا۔

محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے کہ عبیدہ سلمانی نے یتیموں کے مال کو تقسیم کیا۔ ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا پھر اس آیت میں مذکور لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا گیا۔ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ کھانا میرے مال میں سے ہوتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ ابن عباس نے فرمایا اگر وارث بڑے ہوں وہ ان لوگوں کو کچھ دیں، جو دیں اسے قلیل جانیں، ان پر کسی قسم کا احسان نہ جتلائیں۔ اگر وہ وارث چھوٹے ہوں تو ان کا ولی یا وصی معذرت کر دے، کہے میں اس مال کا مالک نہیں، یہ ان چھوٹے بچوں کا ہے۔ اگر یہ مال میرا ہوتا میں تمہیں ضرور دیتا۔ جب یہ خود بڑے ہوں گے تو تمہارے حقوق پہچانیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا کا یہی معنی ہے۔

وَلِيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضَعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا  
اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ①

”اور چاہئے کہ ڈریں جو (یتیموں کے سر پرست ہیں اور سوچیں کہ) اگر چھوڑ جاتے وہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے تو وہ کتنے فکر مند ہوتے ان کے متعلق۔ پس چاہئے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو۔“

ان کے ضائع ہونے کا انہیں خوف ہوتا۔ ظاہر بات یہ ہے کہ امر قوی وارثوں کے لئے ہے۔ یہ آیت رب العالمین کے اس ارشاد للرجال نصيب ..... اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَإِذَا أَحْضَرَ الْقِسْمَةَ کے ساتھ متصل ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ قوی وارث عورتوں اور کمزوروں کا حصہ دیں اور غیر وارثوں جیسے محتاج، فقراء اور مساکین کو کچھ صدقہ کر دیں اور ان ضعفاء کے ضائع ہونے سے ڈریں، جس طرح اگر وہ بھی اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو ان کے ضائع ہو جانے کا خوف ہوتا۔ انہیں ان بچوں پر اسی طرح شفقت کرنی چاہئے جس طرح وہ اپنی اولادوں پر شفقت ہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کمزور وارثوں کو ضائع کرنے میں اللہ سے ڈریں۔ گویا یہاں لفظ اللہ میں تنازع فعلین ہے۔ ایک فعل لیخش اور دوسرے یَتَّقُوا۔

یعنی لفظ اللہ میں بصریوں کے مذہب کے مطابق یہاں دوسرا فعل عمل کر رہا ہے اور پہلے فعل کا مفعول حذف ہے۔ اگر پہلا فعل عامل ہوتا تو کلام یوں ہوتی فليتقوه انہیں تقویٰ کا حکم دیا جو خشیت کی انتہاء ہے، جبکہ پہلے انہیں خشیت کا حکم دیا گیا۔ مقصود مبداء اور ملتحصی کی رعایت ہے۔

کلبی نے کہا یہ اوصیاء اور اولیاء کو امر ہے کہ وہ یتیموں کے معاملہ میں اللہ سے ڈریں، ان پر احسان کریں اور ان کے ساتھ وہی

سلوک کریں جو وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی کمزور اولاد کے بارے میں معاملہ کیا جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وابتلوا الیتیمی کے ساتھ متصل ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے للرجال نصیب سے لیکر یہاں تک جملہ معترضہ ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ یتیموں کی ولایت انہیں آزمانا اور ترک کی تقسیم، یہ اس موصولہ ضابطہ کو دور کرنے کے بعد متصور ہو سکتی ہے۔ دور جاہلیت میں یہ ضابطہ تھا کہ ضعیفوں کے لئے کوئی میراث نہیں، یہ صرف اس کا حق ہے جو جنگ کر سکے۔

یہ بھی جائز ہے کہ یہ وارثوں کے لئے امر ہو وہ ان پر شفقت کریں جو غیر وارث قریبی رشتہ دار یتیم اور مساکین ترک کی تقسیم کے وقت حاضر ہو جائیں، یہ تصور کرتے ہوئے کہ اگر یہ ان کی اولاد ہوتی اور ان کے پیچھے کمزور رہ جاتی۔ کیا انہیں محروم رکھنے کو وہ جائز جانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ آیت اس آدمی کے بارے میں ہے جس کے فوت ہونے کا وقت قریب ہو، اس کے پاس بیٹھنے والے اسے کہیں کہ تیری اولاد اور وارث تیرے کچھ کام نہ آئیں گے، غلام آزاد کر دے، فلاں کو اتنا دے دے، یہاں تک کہ وہ تمام خرچ کر دے۔ یہ اس مریض کے پاس حاضر لوگوں کو امر دیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں یا مریض کی اولاد کے بارے میں ڈریں۔ وہ اس کی اولاد پر بھی اسی طرح شفقت کریں جس طرح وہ اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہیں۔ اسے اس حال میں نہ چھوڑیں کہ وہ اپنی اولاد کو نقصان پہنچائے اور انہی مال نہ دے یا وصیت کرنے والوں کو حکم ہے کہ وہ کمزور وارثوں کی طرف نظر کریں جن کے ضائع ہونے کا خوف ہے۔ وہ وصیت میں اسراف سے کام نہ لیں اور ملک مال سے زیادہ وصیت نہ کریں تاکہ وارث محروم نہ رہ جائیں لوگ کا جواب خائفوا ہے۔

یعنی قوی وارث کمزور وارثوں کو شفقت اور حسن ادب کا قول کریں یا اولیاء یتیموں کو شفقت کرتے ہوئے اچھی بات کریں جس طرح وہ اپنی اولادوں کے لئے کرتے ہیں یا وصیت کے وقت جو لوگ حاضر ہیں۔ وہ موسیٰ (وصیت کرنے والا) کو مال کے تیسرے حصے سے کم کی وصیت کرنے کی بات کریں۔ تقسیم کے وقت حاضر ہونے والے فقراء کو معذرت کریں۔ یا وصیت کرنے والا وصیت میں اچھی بات کرے، یعنی تیسرے حصے سے کم میں وصیت کرے اور وصیت میں حسن نیت کی رعایت کرتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو۔

امام بغوی نے کہا مقاتل نے کہا جب مرثد بن زید جو بنی غطفان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنے بھتیجے کا مال کھایا تو ما بعد آیت نازل ہوئی۔ (1)

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَ  
سَيَصْلُونَ سَعِيرًا ⑩

”بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے، وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ جلتی اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں۔“

ظلم یا تو مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے اکلا ظلماً یا یہ حال ہے۔ تقدیر کلام ظالمین ہے۔

یعنی ایسی چیز کھاتے ہیں جو انہیں جہنم کی طرف لے جائے گی۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے شب معراج میں ایک ایسی قوم دیکھی جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے۔ ان میں اوپر والا ہونٹوں کے ساتھ سمٹا ہوا تھا اور دوسرا

پیٹ پر لٹکا ہوا تھا اور جہنم کے داروغے جہنم کے انکار سے اور پتھر ان کے منہ میں ڈال رہے تھے۔ میں نے پوچھا جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل امین نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو تیسوں کا مال ظلم کرتے ہوئے کھا جاتے ہیں (۱) اسے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابو سعید خدری کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابن ابی حبان نے اپنی صحیح میں ابی بردہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قبروں سے ایک قوم کو اٹھائے گا کہ ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ پوچھا گیا یہ کون ہیں؟ فرمایا کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ مِمَّا حَبَسَ عَلَيْهِمُ اللَّهُ لِيُظْلَمُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِينَ يَرْتَضَوْنَ بِهِنَّ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ فَهُمْ فِيهَا مَصْرُوفُونَ۔ یعنی وہ اس میں داخل ہوں گے۔ ابن عاصم اور ابو بکر نے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا اور انہیں جلایا جائے گا۔ مَعْبُورٌ فَعِيلٌ کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ سعرت النار سے مشتق ہے یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اسے روشن کر دے۔

ائمہ ستہ نے جابر بن عبد اللہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق نے میری بی بی مسلمہ میں عیادت کی نبی کریم ﷺ نے مجھے اس حالت میں پایا۔ مجھے کوئی ہوش نہ تھا آپ نے پانی منگوایا۔ آپ نے وضو کیا۔ پھر مجھ پر چھینٹے مارے۔ مجھے افاقہ ہو گیا۔ میں نے عرض کی اے میرے آقا آپ مجھے میرے حال کے بارے میں کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں۔ تو آیت کریمہ یٰٰصِبْكُمْ اللَّهُ نازل ہوئی (2) امام احمد ابو داؤد ترمذی ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت جابر سے نقل کیا ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں جو آپ کی معیت میں غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے بچانے ان کا تمام مال لے لیا ان کے لئے کچھ مال بھی نہ چھوڑا۔ اب مال کے بغیر ان سے کوئی نکاح بھی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بارے میں فیصلہ فرمائے گا تو آیت میراث نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بچا کی طرف پیغام بھیجا۔ فرمایا سعد کی دونوں بیٹیوں کو کل مال کا دو ٹکٹ اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ دے دو جو باقی بچے وہ تمہارا ہے۔ (3) حافظ نے کہا ہے جس نے یہ استدلال کیا کہ یہ آیت سعد کی بیٹیوں کے بارے میں نازل ہوئی، خصوصاً حضرت جابر کے قصہ میں نازل نہیں ہوئی کیونکہ جابر کا ان دنوں میں کوئی بیٹا نہ تھا۔ کہا جواب اس کا یہ ہے کہ آیت دونوں معاملوں میں اکٹھے نازل ہوئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا پہلا حصہ سعد کی بیٹیوں کے متعلق اور آخری وَانْ كَانَ رَجُلٌ يُؤْتِرُكَ كَلَّةً جو اس آیت کے ساتھ متصل ہے۔ جابر کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی ہو اور جابر کے قول فنزلت یٰٰصِبْكُمْ سے مراد وہ آیت ہو جو اس کے ساتھ متصل ہے۔ اس کا ایک تیسرا سبب بھی روایت کیا گیا ہے۔ ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ عورتوں اور نابالغ بچوں کو وارث نہیں بناتے تھے۔ آدمی کی اولاد میں سے وہی وارث بنتا جو جنگ کر سکتا تھا عبدالرحمن حضرت حسان کے بھائی فوت ہوئے۔ انہوں نے اپنی بیوی ام کہ اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں۔ وارث مال لینے کے آئے۔ ام کہ نے اس امر کی شکایت حضور ﷺ کی خدمت میں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا فَاَنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اٰلِهِنَّ يَنْتَسِبْنَ۔ پھر ام کہ کے بارے میں فرمایا وَلَكِنَّ الزُّبُرُ مِمَّا تَرَكْتُمْ۔

سعد بن ربیع کے قصہ میں ایک اور وجہ بھی وارد ہے۔ قاضی اسماعیل نے احکام القرآن میں عبد الملک بن محمد بن حزم کی سند سے نقل کیا ہے کہ عمرہ بنت حرام حضرت سعد بن ربیع کی بیوی تھیں جو غزوہ احد کو شہید ہو گئے۔ ان کی اس سے ایک بیٹی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کی

میراث طلب کرنے کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ  
اثنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلَا يُورِثُ  
لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسَ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ  
وَلَدٌ وَوَرِثَةٌ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِمَّا  
بَعْدَ وَصِيَّتِهِ يُوصِي بِهَا أَوْلَادِيْنَ ۚ أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ  
لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّا اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

”علم دیتا ہے اللہ تمہاری اولاد کی (میراث) کے بارے میں لے ایک مرد (لڑکے) کا (حصہ) برابر ہے دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے ۲ پھر اگر ہوں صرف لڑکیاں دو سے زائد سے تو ان کے لئے دو تہائی ہے جو میت نے چھوڑا ہے اور اگر ہو ایک ہی لڑکی تو اس کے لئے نصف ہے ۳ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد نہ ہو ۴ اور اگر نہ ہو اس کی اولاد اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ ہے (باقی سب باپ کا) ۵ اور اگر میت کے بہن بھائی ہوں ۶ تو ماں کا چھٹا حصہ ہے ۷ (اور یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے ۸ جو میت نے کی ۹ اور قرض ادا کرنے کے بعد ۱۰ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تمہیں نفع پہنچانے میں ۱۱ یہ حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۲ بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جاننے والا ہے بڑا دانہ ہے۔“ ۱۵

۱۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے تم سے وعدہ کرتا ہے۔ میراث میں اولاد کے حصہ کے بارے میں یہ بھی جائز ہے کہ فی حرف جار لام کے معنی میں ہے۔ جس طرح حضور ﷺ کے ارشاد ذخلت امرأة النار في هرة۔ ایک عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی، میں فی حرف جار لام کے معنی میں ہے۔ مابعد کلام ماقبل کی تفصیل ہے۔

۲۔ یعنی ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا، یعنی اگر دو صنفیں جمع ہو جائیں اور دو عورتوں یا زیادہ کے ساتھ ایک بچہ یا زیادہ بچے ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا اور دلالت النص سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر بچہ ایک یا زیادہ ہوں اور بچی ایک ہو تو بچی کو بچے کا نصف ملے گا۔

مذکر کے حصہ کا خصوصاً ذکر اس کی فضیلت کو بیان کرنے کے لئے اور اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے ہے کہ اس کا دگنا حصہ فضیلت بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔ اولاد ہونے کی وجہ سے ان بچیوں کو محروم نہ رکھا جائے گا جبکہ وہ اولاد ہونے کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں۔ یہ حکم اس وقت ہوگا جب دونوں صنفیں جمع ہوں۔ اگر اولاد صرف بچیاں ہوں تو پھر حکم یہ ہوگا۔

۳۔ ہن ضمیر سے مراد اولاد ہے۔

سوال :- ضمیر مونث کیوں ذکر کی گئی؟ جواب: کیونکہ خبر مونث ذکر کی یا ضمیر ان مذکورہ بچیوں کی طرف لوٹ رہی ہے جو اولاد کے ضمن میں مذکور ہیں۔

فوق الثنین دوسری خبر ہے یا نساء کی صفت ہے۔ مراد ہے بچیاں دو سے زیادہ ہوں۔

یہ تمہارا فوت ہونے والا جو چھوڑ جائے اس کا دو ٹکٹ۔

یہ اولاد کے ضمن میں جس بچی کا ذکر تھا۔ وہی ضمیر اس طرف لوٹ رہی ہے۔

وہ ایک ہو تو اس کے لئے نصف ہے نافع نے واحدہ کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ ان کے نزدیک کا ن تامہ ہے۔ باقی قرآن نے خبر ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے۔

آیت میں دو بچیوں کا ذکر نہیں فرمایا ابن عباس نے کہا ان کا حکم وہی ہے جو ایک بچی کا ہے کیونکہ یہ دو مذکورہ حصوں سے کم ہے اور کم یقیناً ثابت ہوتا ہے، جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ دو کے لئے بھی ٹکٹ ہے۔ اسی پر علماء کا اجماع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فوق کا لفظ زائدہ ہے جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے قَاصِرُ بُوَاقِوُفِی الْاَعْنَاقِ اور اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جو ہم نے سعد بن ربیعہ کے سے ذکر کی ہے۔ آیت ان دونوں میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حکم دو بہنوں پر قیاس کرنے سے ثابت ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہن کے لئے نصف حصہ فرمایا جس طرح ایک بچی کے لئے نصف حصہ معین فرمایا۔ بھائیوں اور بہنوں کی صورت میں مذکور دو گنا حصہ دیا جس طرح بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں تو ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ دیا دو بہنوں کے لئے دو ٹکٹ اسی طرح دو بیٹیوں کے لئے دو ٹکٹ ہوگا۔ سنت اور اجماع سے یہ ثابت ہوا کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حصہ دو بہنوں کی طرح ہے جو نص سے واضح ہے۔ دو بچیوں کا حصہ دو سے زیادہ بچیوں کی طرح ہوگا جن کا حصہ نص سے ثابت ہے، یعنی دو ٹکٹ اس وجہ سے دو بچیوں کو ایک کے ساتھ شامل کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ جب بیٹی ایک لڑکے کے ساتھ شامل ہو تو اس کو ٹکٹ ملے گا جب اس کے ساتھ صرف ایک اور بیٹی شامل ہو تو پھر ٹکٹ سے کم کیسے ہو سکتا ہے اس لئے ثابت ہوا کہ دو بیٹیوں کو بھی دو ٹکٹ ملے گا واللہ اعلم۔

جب لڑکا ایک ہی ہو اور اس کے ساتھ کوئی عورت شامل نہ ہو تو اس کا ذکر نہیں۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مال سارے کا سارا اسی کا ہوگا کیونکہ وہ مونث کے مقابلہ میں زیادہ وراثت کا مستحق ہوتا ہے۔ اسے محروم کرنا جائز نہیں ہوگا اگر اس کا بھی بعض حصہ ہوتا تو ضرورت کے وقت اس سے خاموشی اختیار کرنا جائز نہ ہوتا۔ اس کے ساتھ کوئی اور عصبہ شریک نہ ہوگا کیونکہ یہ سب سے قرہبی عصبہ ہے۔ اب وہ کسی اور کے لئے کوئی حصہ نہ چھوڑے گا۔

ایک اور دلیل یہ بھی ہے جب اللہ تعالیٰ نے مرد کے لئے عورت کا دو گنا معین کیا ہے۔ جب لڑکی اکیلی ہو تو اسے نصف ملتا ہے تو لازماً جب لڑکا اکیلا ہوگا تو لڑکی سے دو گنا ملے گا وہی کل ہے۔ جب اکیلے لڑکے کی صورت میں تمام مال اس کا ہوتا ہے تو صلبی بچہ ہونے کی صورت میں پوتے مذکور ہوں یا مونث ہوں یا ملے جملے ہوں، بالا جماع وہ اس سے محروم ہوں گے۔

مسئلہ :- تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بیٹا نہ ہونے کی صورت میں پوتے بیٹیوں کے قائم مقام ہوں گے، پوتے زیادہ ہوں یا ایک ہو جبکہ پوتیاں نہ ہوں تو تمام مال ان کا ہوگا۔ اگر صرف ایک پوتی ہو تو اسے نصف ملے گا۔ اگر زیادہ ہوں تو انہیں دو ٹکٹ ملے گا۔ اگر ملے جملے ہوں تو مذکورہ کو مونث سے دو گنا ملے گا۔ اگر پوتے پوتیاں ملے جملے ہوں۔ ساتھ ہی ایک صلبی یا زیادہ صلبی لڑکیاں ہوں تو صلبی بچی یا بچیوں کو

حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ مرد کو عورت کے مقابلے میں دو گنا دیا جائے گا۔ امام طحاوی نے حضرت عائشہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دو حقیقی بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے پوتیوں کو تیسرے حصہ میں اور دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں باپ کی طرف سے بہن بھائیوں کو تیسرے حصہ میں حسب ضابطہ شریک کیا (۱) اور ایک بیٹی یا زیادہ بیٹیوں کی صورت میں ایک مذکر یا زیادہ مذکروں کے لئے جو کچھ باقی بچے گا وہ ہوگا کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے فرائض (معین حصہ) صاحب فرائض کو دو جو فرائض سے بچے وہ مذکر ولی کو دو (۲) متفق علیہ حضرت ابن عباس سے روایت مروی ہے کہ ایک صلبی بچے کی موجودگی میں ایک پوتی یا زیادہ پوتیوں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا تا کہ دو ٹکٹ مکمل ہو جائیں (کیونکہ اس صورت میں بیٹی کو نصف مل چکا ہوگا) کیونکہ امام بخاری نے ہذیل بن شریک سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابو موسیٰ اور حضرت سلمان بن ربیعہ کے پاس آیا۔ دونوں سے پوچھا ایک آدمی فوت ہوا ہے جس کی اپنی ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن موجود ہے۔ دونوں نے فرمایا بیٹی کے لئے نصف اور بہن کے لئے نصف ہے اور حضرت ابن مسعود کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری موافقت کرے گا۔ وہ حضرت ابن مسعود کے پاس آیا آپ نے فرمایا اگر میں ایسا کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ میں اس میں وہ فیصلہ کروں گا جو حضور ﷺ نے فرمایا بیٹی کے لئے نصف پوتی کے لئے چھٹا اور باقی ماندہ بہن کے لئے ہوگا پھر ہم حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس گئے اور حضرت ابن مسعود کے قول سے انہیں آگاہ کیا۔ انہوں نے فرمایا جب تک یہ عالم موجود ہے۔ مجھ سے اپنے مسائل نہ پوچھا کرو بہنیں صلبی بچیوں کے ساتھ وارث نہ بنیں گی جب تک انہیں دو ٹکٹ نہ مل جائے۔ باقی ماندہ انہیں مل سکتا ہے مگر اس صورت میں جب صلبی بچیوں کے ساتھ کوئی مذکر بھی شامل ہو جائے تو پھر صلبی بچیاں عصب بن جائیں گی۔ (۳)

۶۔ میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے لکل واحد منہما لا بویہ سے بدل ہے۔ ان میں عامل کا تکرار ہے۔ حرف جار کو مکرر لانے کا فائدہ یہ ہے کہ سدس میں دونوں کے شریک ہونے کا جوہم ہے۔ اس کو دور کیا جائے اجمال کے بعد تفصیل تاکید کے لئے ہے۔

اگر چہ وہ بچہ مذکر ہو یا مونث ہو صلبی ہو یا پوتا ہو، جب مرنے والے کا بچہ نہ ہو بلکہ بچی ہو یا پوتی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور اصحاب فرض کو دینے کے بعد جو بچے گا وہ بھی باپ کو عصب کی حیثیت سے ملے گا کیونکہ دوسرے عصبیات کے مقابلہ میں یہ زیادہ قریبی ہے۔ بچے ولد سے مراد بیٹا یا پوتا ہے یعنی تمام مال کا ٹکٹ دیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہوگا جبکہ ان کے ساتھ کوئی اور صاحب فرض وارث نہ ہو۔ اگر مرنے والے (میاں بیوی) ہو تو ان کا حصہ دینے کے بعد اس کو تیسرا حصہ ملے گا۔ میاں بیوی کے علاوہ کسی اور وارث کا کوئی تصور نہ ہوگا کیونکہ ماں باپ کی موجودگی میں دادی دادا اور بہن بھائی وارث نہیں بنتے۔ یہ اس صورت میں ہے جب بچہ نہ ہو۔ یا اس کا معنی یہ ہے اس کے صرف ماں باپ وارث ہوں گے جو کچھ اس میت نے چھوڑا ہے۔ اس کا تیسرا حصہ ماں کا ہوگا کیونکہ بچے کی موجودگی میں پہلے ان کے لئے چھٹے حصے کا ذکر ہو چکا ہے۔ جب میت کا زوج (میاں بیوی) ہو تو قیاس کے ذریعے ہم والدہ کا حصہ نکال سکتے ہیں۔ جب میت کا زوج نہ ہو تو ماں کو باپ کا نصف ملتا ہے جو کل مال کا ٹکٹ ہوتا ہے۔ اسی طرح جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک ہو تو اس کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے گا۔ اس میں سے ٹکٹ ماں کا اور باقی ماندہ باپ کا ہوگا تا کہ مذکر کو مونث کا دگنا ملے کیونکہ یہاں رشتہ داری ایک جیسی ہے، یعنی کل کا ٹکٹ اور دو ٹکٹ یا باقی ماندہ کا ٹکٹ اور دو ٹکٹ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب جس راہ چلتے ہم بھی اسی کی اتباع کرتے، اسے آسان پاتے آپ سے ایک عورت اور والدین کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا بیوی کے لئے چوتھائی باقی ماندہ میں سے ماں کے لئے تیسرا حصہ بقایا سب باپ کا۔ (1)

حضرت زید بن ثابت نے بھی یہی کہا ایک عورت اور والدین یا خاوند اور والدین میں یوں وراثت تقسیم ہوگی کہ میاں بیوی کا حصہ ادا کرنے کے بعد مال کو باقی ماندہ کا تیسرا حصہ اور بقایا باپ کو مل جائے گا۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے اگر باپ کی جگہ دادا ہو تو اس کے لئے کل کا تیسرا حصہ ملے گا۔

بیہتی نے عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ماں کے لئے دونوں مسئلوں میں کل کا تیسرا حصہ ہے (2) شرح نے یہی کہا ہے۔ ابن سیرین نے بیوی اور والدین کے مسئلہ میں تو ان کی موافقت کی ہے اور خاوند اور والدین کے مسئلے میں اختلاف کیا ہے ابام بیہتی نے نخعی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس مسئلہ میں تمام علماء فرانس سے مختلف نقطہ نظر اپنایا ہے۔ وورثہ ابو اہ کے قول کے بعد باپ کے حصہ سے خاموشی اختیار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ باقی دو ٹکٹ باپ کا ہوگا کیونکہ میراث میں ماں کی نسبت وہ زیادہ مستحق ہے۔ اسے محروم رکھنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی میراث پر وورثہ ابو اہ سے آگاہ کر دیا۔ اگر باقی ماندہ مال اس کا نہ ہوتا تو اس کے بیان سے سکوت جائز نہ ہوتا، باپ کے ساتھ کوئی اور عصبہ وارث نہ ہوگا کیونکہ بیٹے کی عدم موجودگی میں وہی سب سے قریبی عصبہ ہے۔ پس وہ کسی غیر کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑے گا۔ یہ آیت اس بات پر بھی دال ہے کہ اگر اکیلی ماں وارث ہو تو بدرجہ اولیٰ اس کو تیسرا حصہ ملے گا، زیادتی پر اس کی کوئی دلیل نہ ہوگی۔

حقیقی بھائی باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے اخوة کا اطلاق ایک سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے، خواہ وہ مذکر ہوں یا مونث ہوں یا ملے جملے ہوں۔ فرائض اور وصیت کے باپ میں جمع کا صیغہ جہاں بھی استعمال ہو اس کی صورت حال یہی ہو گی۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔

حضرت ابن عباس نے کہا تین سے کم بہن بھائی ماں کے حصہ کے تیسرے حصہ سے چھٹے حصہ تک کم نہیں کر سکتے۔ حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت عثمان کے پاس گئے اور کہا دو بھائیوں کی وجہ سے آپ ماں کے حصہ کو ایک تہائی سے کم کر کے چھٹے حصہ تک کیسے کر دیتے ہیں حالانکہ دو بھائی اخوة نہیں۔

حضرت عثمان غنی نے جواب دیا میں اس امر کو کیسے رد کر سکتا ہوں جو مجھ سے پہلے جاری و ساری ہے، شہروں میں عام ہے اور لوگ اس پر عامل ہیں۔ گویا حضرت عثمان غنی نے اجماع سے استدلال کیا۔

زید بن ثابت نے ایک اور جواب دیا لوگوں نے آپ سے پوچھا اے ابو سعید اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فان كان له اخوة جبکہ آپ دو بھائیوں کی وجہ سے ہی محروم کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا عرب دو بھائیوں کو بھی اخوة کہتے ہیں۔

یہ آیت مفہوم مخالف اور ماقبل آیت مفہوم موافق کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ماں کو میت کے بھائی یا ایک بہن کی موجودگی میں ٹکٹ ہی ملے گا کیونکہ جب اسے باپ کے ساتھ ٹکٹ ملتا ہے تو بھائی یا بہن کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ ٹکٹ ملے گا۔ حمزہ اور



کسانی یہاں دونوں جگہوں میں فلامہ نقص میں اٹھا زحرف میں اِم الکتب پڑھا ہے ہمزہ کو کسرہ ما قبل حرف کو کسرہ کی اتباع کے طور پر ہے۔ باقی قراء نے ہمزہ کو اپنے اصل پر رکھتے ہوئے مضموم پڑھا ہے۔ جب ام کا کلمہ جمع کی طرف مضاف ہو اس کا ہمزہ کسرہ کے بعد آئے گا۔ یہ کل چار مواقع ہیں سورہ نخل میں من بطون امہا تکم، اسی طرح سورہ نور زمر اور نجم میں تو ہمزہ وصل میں ہمزہ اور میم دونوں کو کسرہ دیتے ہیں۔ کسائی وصل میں صرف ہمزہ کو کسرہ دیتے ہیں۔ اور میم کو فتح دیتے ہیں باقی قراء دونوں حالتوں میں ہمزہ کو ضمہ اور میم کو فتح دیتے ہیں۔

مسئلہ :- تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دو بھائی اور بہنیں ماں کو ثلث (تیسرا حصہ) سے سدس (چھٹا حصہ) کی طرف لونا دیتی ہیں، اگرچہ یہ خود باپ کی موجودگی میں محروم رہتی ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ چھٹا حصہ لیں گی جس سے انہوں نے ماں کو محروم کیا، جبکہ یہ نقطہ نظر جمہور علماء کے خلاف ہے۔

مسئلہ :- باپ کی عدم موجودگی میں حقیقی داد ایا باپ دادا کی عدم موجودگی میں پر دادا کا وہی حکم ہوگا جو باپ کا ہے، لیکن نانا باپ کے قائم مقام نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ باپ کی طرف سے دادا نہیں ہوتا، نہ وہ ماں کے قائم مقام ہو سکتا ہے کیونکہ نانا اس کی (عورت) جنس سے نہیں۔ اس کو جفا سہ کہتے ہیں۔ جد صحیح تو بچہ نہ ہونے کی موجودگی میں عصبہ بنتا ہے۔ اگر لڑکا ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملتا ہے اور اگر لڑکی ہو تو باپ کا چھٹا حصہ اور باقی ماندہ بھی اسی کو ملتا ہے۔ اس کا حکم باپ کے حکم سے مختلف بھی ہے کہ یہ ماں کو ثلث سے سدس کی طرف (ا) نہیں لونا تا اور نہ ہی چوتھائی (ب) کی طرف لونا تا ہے جبکہ میت کا میاں یا بیوی ہو جبکہ باپ ایسا کر دیتا ہے۔

علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کیا داد باپ کی طرح بھائیوں کو محروم کرتا ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ سب بھائیوں کو محروم کر دیتا ہے، خواہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے ہو دونوں جانب سے حضرت ابو بکر صدیق اور دوسرے کثیر صحابہ سے یہی مروی ہے۔ امام مالک امام شافعی امام احمد امام ابو یوسف اور امام محمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دادا انہیں محروم نہیں کرتا بشرطیکہ وہ اس کے حقیقی بھائی یا باپ کی طرف سے بھائی ہوں اگر ماں کی طرف سے بھائی ہوں تو پھر دادا انہیں محروم کر دے گا۔

ابن جوزی نے ان کے محروم نہ ہونے کا استدلال کرتے ہوئے کہا کہ بھائیوں کا وارث ہونا نص سے ثابت ہے اس لئے ان کی محرومی بھی نص سے ہی ثابت ہوگی۔

ہم اس کا جواب دیتے ہیں اگر معاملہ اس طرح ہے تو پھر ماں کی طرف سے بھائیوں کو تم کیوں محروم رکھتے ہو جبکہ ان کا وارث ہونا بھی قرآن میں منصوص ہے۔ ساتھ ہی تم یہ بھی کہتے ہو کہ پوتا تمام بھائیوں کو محروم کر دیتا ہے کیونکہ وہ بیٹے کے قائم مقام ہے تو پھر تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ دادا تمام بھائیوں کو محروم کرے گا کیونکہ وہ باپ کے قائم مقام ہے۔ ہمارے پیش نظر حضور ﷺ کا ارشاد ہے فرأبناض (مقررہ حصے) ان کے حقداروں کو دے دو جو باقی بچے تو جو قرہ ہی مرد ہو اس کو دیدو (۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ دادا بھائی سے قرہ ہی ہے کیونکہ بھائی کی بنسبت وہ میت کی اصل ہے۔

(۱) جب وارث دادا، ماں اور شوہر ہوں۔ دادا کو ایک حصہ، ماں کو دو حصے اور شوہر کو تین۔ گویا ماں کو تیسرا حصہ ملا۔

(ب) جب وارث دادا، ماں، اور بیوی ہوں تو دادا کو پانچ حصے، ماں کو چار اور تین بیوی کے ہوں گے۔ گویا ماں کو تیسرا حصہ ملا جبکہ باپ کی عدم موجودگی میں ماں کو پہلے مسئلہ میں ماں کو چھٹا اور دوسرے مسئلہ میں ماں کو چوتھا حصہ ملے گا۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ جب دادا بھائیوں کے ساتھ جمع ہو جائے تو باہم تقسیم کی کوئی صورت نہیں کیونکہ قرابت کی جہت مختلف ہے اور دادا بھائیوں کے ساتھ بالاجماع ساقط نہیں ہوتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابن حجر نے کہا اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے کیونکہ ابن حزم نے اس سلسلہ میں کئی اقوال ذکر کئے ہیں کہ بھائی دادا سے مقدم ہیں تو پھر اجماع کیسے ہو گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسے اقوال کے قائلین نہ ہونے کے بعد امت کا اس بات پر اتفاق ہے یا تو بھائیوں کو محروم کیا جائے گا یا مقاسمہ جاری ہوگا پس اجماع ثابت ہو گیا۔

مقاسمہ کا مذہب زید بن ثابت سے مروی ہے، ان کے نزدیک بھائیوں (ج) کے ساتھ دادا کا حکم یہ ہے کہ دادا کے لئے دو باتوں میں سے جو بہتر ہوگی وہ ہی نافذ ہوگی مقاسمہ یا تمام کا تیسرا حصہ جبکہ ان کے ساتھ کوئی اور صاحب فرض نہ ہو۔

مقاسمہ کی تفسیر یہ ہے کہ دادا کو تقسیم میں ایک بھائی کے قائم مقام رکھا جائے اور علاتی بہن بھائی حقیقی بہن بھائیوں کے ساتھ حصہ بنانے میں شریک ہوں گے۔ جب دادا کو حصہ دے دیا جائے گا علاتی بھائیوں کو تقسیم سے خارج کر دیا جائے گا۔ باقی ماندہ حقیقی بہن بھائیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا جس طرح عام قاعدہ ہے کہ مرد کو عورت کے مقابلہ میں دو گنا ملے گا۔ لیکن اگر ایک حقیقی بہن ہو تو وہ دادا کے حصہ کے بعد کل مال کا نصف لے گی۔ پھر اگر کوئی چیز بیچ گئی تو علاتی بہن بھائیوں کو قاعدہ کے مطابق حصہ دیا جائے گا، یعنی مرد کو عورت کے مقابلہ میں دو گنا ورنہ ان کے لئے کوئی شی نہ ہوگی۔ اس کی صورت یہ بنتی ہے کہ وارث دادا حقیقی بہن اور علاتی بہنیں ہیں۔ تقسیم اسی طرح ہوگی دادا بھائی کے قائم مقام ہے۔ مسئلہ میں حصے بنانے میں پورا ہوگا۔

حقیقی بہن کو کل کا نصف یعنی دس حصے دادا کو آٹھ اور دو علاتی بہنوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

اگر اس مسئلہ میں ایک علاتی بہن ہو تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ صورت یہ ہوگی دادا بھائی کے قائم مقام جو دو بہنوں کے برابر کل بہنیں چار بنیں جن میں تقسیم ہونا ہے۔ حقیقی بہن نصف لے گی دادا دو بہنوں کے برابر وہ بھی نصف لے جائے گا۔ علاتی بہن کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔

اگر دادا اور بہن بھائیوں کے علاوہ کوئی اور صاحب فرض بھی ہو تو دادا کو تین امور میں سے جو افضل صورت ہوگی وہ ملے گی، یا تو تمام مال کا چھٹا حصہ دیا جائے گا، جس طرح وارث جب دادا دادی بیٹی اور دو بھائی موجود ہوں تو دادا کو چھٹا دادی کو چھٹا بیٹی کو کل کا نصف یعنی تین حصے اور دو بھائیوں کو ایک حصہ برابر برابر۔

مذکورہ صورت میں بعض اوقات کوئی چیز نہیں بچتی جس طرح وارث اگر دادا دو بیٹیاں ماں اور شوہر موجود ہو اس صورت میں دادا کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ عول میں اضافہ کیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں اصل تو یوں ہونا چاہئے تھا بیٹیوں کو دو ٹکٹ خاوند کو ایک چوتھائی ماں کو سدس تو یہ مخرج پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے عول میں اضافہ کر کے پندرہ حصے بنائے جائیں گے۔ تقسیم اس طرح ہوگی بیٹیوں کو آٹھ شوہر تین ماں دو اور دادا بھی دو بعض اوقات کچھ بچتا تو ہے لیکن چھٹے حصے سے کم بچتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وارث دادا دو بیٹیاں اور خاوند کیونکہ ضابطہ کے مطابق بارہ حصے بنانے میں تقسیم ہو سکے گی بیٹیوں کو دو تہائی یعنی آٹھ خاوند کو ایک چوتھائی یعنی تین باقی ایک حصہ بچتا ہے جبکہ دادا کو چھٹا حصہ ملنا چاہئے اس لئے عول تیرہ کرتے ہیں۔

بعض اوقات چھٹا حصہ بچتا ہے جس طرح وارث جب دادا دو بیٹیاں اور ماں ہوں دادا کو پورا چھٹا حصہ ملے گا ان تمام صورتوں (ج) بھائی حقیقی ہوں یا باپ کی طرف سے ہوں۔

میں بھائی محروم رہیں گے۔ کل چھ حصے کئے جائیں، چار حصے بیٹیاں ایک ماں اور ایک دادا۔ یا باقی ماندہ کا تیسرا حصہ۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ دوسرے صاحب فرض کو حصہ دینے کے بعد دادا کو باقی ماندہ کا تیسرا حصہ دیا جائے اس کی صورت یہ بنتی ہے وارث دادا دادی دو بھائی اور ایک بہن ہو۔ یا مقاسمہ کی صورت میں جب وارث خاوند دادا اور بھائی ہو حقیقی بہن یا علاتی بہن ان کے نزدیک دادا کی موجودگی میں صاحب فرض نہیں بنتی مگر مسئلہ کدریہ میں وہ صاحب فرض بنتی ہے۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے۔ کہ وارث خاوند ماں دادا اور بہن ہو وراثت اس طرح تقسیم ہوگی۔ خاوند کو نصف ماں کو تیسرا حصہ دادا کو چھٹا حصہ ملے اور بہن کو نصف کیونکہ چھ حصے بنانے میں تقسیم ممکن نہیں۔ اس لئے حصے نو بنائے جائیں گے پھر دادا کے حصہ، یعنی نو کو بہن کے حصہ یعنی تین کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔ کل حصے ستائیس بن جائیں گے جو اس طرح تقسیم ہوں گے۔ نو حصے خاوند کے چھ ماں کے آٹھ دادا کے اور چار بہن کے یہ صورت اس لئے اپنائی جائے گی کیونکہ دادا کو مقاسمہ میں فائدہ ہے۔ اس مسئلہ کو کدریہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ بنی اکدر کی عورت کے متعلق سامنے آیا تھا۔

اگر بہن کی جگہ بھائی یا دو بہنیں ہوں تو کوئی عول نہیں ہوگا نہ ہی کوئی مسئلہ کدریہ جاری ہوگا۔ اس صورت میں بھائیوں کے لئے کوئی چیز نہ ہوگی۔

فائدہ:- صحابہ کرام کے درمیان دادا کے مسئلہ میں جبکہ بھائی بھی موجود ہوں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ امام بیہقی نے شععی سے نقل کیا ہے کہ حجاج نے شععی سے ماں بہن اور دادا کے بارے میں پوچھا تو امام شععی نے جواب دیا کہ اس مسئلہ میں پانچ صحابہ نے آپس میں اختلاف کیا ہے، وہ حضرت عثمان غنی، حضرت علی شیر خدا، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت اور عبداللہ بن عباس رضوان علیہم اجمعین ہیں۔ امام شععی نے کہا حضرت عثمان نے فرمایا میں اس ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کروں گا اور ہر ایک کو تیسرا حصہ دوں گا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اسے چھ حصوں میں تقسیم کروں گا بہن کے لئے تین حصے ہوں گے ماں کے دو اور دادا کے لئے ایک حصہ ہوگا۔ حضرت بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کے چھ حصے کروں گا، بہن کے لئے تین دادا کے لئے دو اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس کے نو حصے کروں گا، تین حصے بہن کو چار حصے دادا اور اور ماں کو دو حصے دوں گا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابرہیم نخعی کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بھائی کو دادا پر فضیلت نہ دیتے تھے۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بہن کے لئے نصف ماں کیلئے چھٹا اور دادا کو باقی ماندہ ملے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف گئے ہیں وہ نص اور قیاس کے زیادہ موافق ہے۔

مسئلہ:- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جدہ صحیحہ وہ ہوتی ہے کہ میت اور اس کے درمیان جد فاسد داخل نہ ہوں۔ آپ کے نزدیک جدہ صحیحہ وارث ہوتی ہے، اگر چہ ان کی تعداد کثیر ہو اگر وہ ہم پلہ ہوں اور ساقط نہ ہوں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دادیوں میں سے صرف دو وارث بنیں گی باپ کی ماں اور اس کی امہات ماں کی ماں اور اس کی امہات ان میں سے قرہبی بعیدی کو ساقط کر دے گی (۱) امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا راجح قول ہے ان میں سے تین وارث ہوں گی، نانی دادی اور پردادی، یہ ایک ہو یا زیادہ ہوں بالا اتفاق ترکہ میں سے ان کا حصہ

چھٹا ہوگا۔

جب ایک دادی ایک قرابت رکھتی ہو جس طرح دادی کی ماں اور دوسری دو قرابتیں رکھتی ہو، جس طرح پڑنانی اور وہ دادی کی ماں بھی ہو تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ابدان کا اعتبار کرتے ہوئے سدس کو نصف نصف کر کے دونوں کو دیا جائے گا جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہات کا اعتبار کرتے ہوئے ثلث کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس باب میں قبیسہ بن ذویب کی حدیث ہے کہ ایک دادی میراث کے لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کتاب اللہ میں تیرے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں اور سنت رسول ﷺ میں بھی تیرا کوئی حصہ نہیں تو واپس چلی جاتا کہ میں لوگوں سے اس بارے میں پوچھ لوں تو آپ نے صحابہ سے اس بارے میں پوچھا تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ایک دادی حاضر ہوئی تو حضور ﷺ نے اسے چھٹا حصہ دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تیرے ساتھ کوئی اور بھی ہے جو یہی کہے تو محمد بن مسلمہ نے مغیرہ بن شعبہ کی مثل آپ کو بتایا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہی نافذ کر دیا۔ پھر ایک دادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی جو میراث کا سوال کر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا چھٹا حصہ ہے، اگر تم دو جمع ہو جاؤ تو یہ تمہارے درمیان برابر ہوگا اگر تم میں سے ایک ہو تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ (۱) اسے امام مالک امام احمد امام ترمذی ابو داؤد و دارمی ابن ماجہ نے روایت کیا۔

ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ وہ دادی جسے رسول اللہ ﷺ نے حصہ عطا فرمایا وہ نانی تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی نانی ہی آئی تھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو آئی تھی وہ دادی تھی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا تو کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو آپ کو اس بارے میں آگاہ کرے تو بنی حارثہ کے ایک لڑکے نے عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ اس دادی کو کیوں وراثت نہیں دیتے؟ اگر یہ دادی مر جاتی اور یہ دنیا کے برابر مال چھوڑ جاتی تو یہ مرنے والا اس کا وارث ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے وارث تسلیم کر لیا۔

موطا امام مالک اور سنن بیہقی میں ہے کہ دو دادیاں حضرت ابو بکر صدیق کے پاس آئیں تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ جو دادی ماں کی طرف سے ہے اسے چھٹا حصہ دے دیں۔ تو ایک انصاری نے عرض کیا آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ اسے محروم رکھ رہے ہیں جو مرتی اور یہ مرنے والا زندہ ہوتا تو یہ اس دادی کا وارث بنتا تو حضرت ابو بکر صدیق نے چھٹا حصہ ان دونوں میں برابر تقسیم کر دیا (۲) دارقطنی نے اسے ابن عیینہ سے نقل کیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ وہ انصاری عبدالرحمن بن بہل بن حارثہ تھے۔

علماء نے کہا نانی ماں کے قائم مقام ہوتی ہے تو اسے ماں کا کم سے کم حصہ دیا اور دادی کو نانی پر قیاس کر کے حصہ دیا کہ یہ والدین میں سے ایک کی ماں ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین دادیوں کو چھٹا حصہ دیا دو ماں کی طرف سے تھیں اور ایک باپ کی طرف سے تھی اسے دارقطنی نے سند مرسل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ابو داؤد نے مراسیل میں ایک اور سند سے ابرہیم نخعی سے نقل کیا ہے۔ دارقطنی اور بیہقی نے حسن کی مرسل سے نقل کیا بیہقی نے محمد بن نصر سے ذکر کیا ہے کہ اس پر صحابہ اور تابعین کا اتفاق منقول ہے مگر سعد بن ابی وقاص کی رائے مختلف ہے، تاہم انکار کی سند صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ ماں تمام دادیوں کو محروم کر دیتی ہے کیونکہ بریدہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دادی کے لئے چھٹا حصہ معین کیا ہے

جبکہ اس کے نیچے ماں نہ ہو (1) اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عبید اللہ عسکری ہیں جس میں اختلاف ہے۔ ابن سکین نے اس کی تصحیح کی ہے

مسئلہ :- باپ ان دادیوں کو محروم کرتا ہے جو صرف باپ کی طرف سے دادیاں ہوں۔ یہ تینوں ائمہ کا نقطہ نظر ہے جبکہ امام احمد کا ایک قول ان سے مختلف ہے۔ آپ کا دوسرا قول وہی ہے جو دوسرے ائمہ سے منقول ہے۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے استدلال کیا ہے، آپ نے ایک دادی کو بیٹے کے ساتھ وراثت میں حصہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ پہلی دادی ہے جسے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی وراثت سے چھٹا حصہ دیا (2) اسے امام ترمذی اور دارمی نے نقل کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں امام ترمذی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ جمہود کی دلیل یہ ہے کہ قرمی عبیدی کو محروم کر دیتا ہے واللہ اعلم

۱۱ من بعد وصیة یہ لفظ کے اعتبار سے طرف مستقر ہے وہ فلامہ السدس ہے فاو معنی کے اعتبار سے تازع فعلین کے طریقہ پر سابقہ جملہ میں جو بھی ظروف مستقرہ ہیں، ان کے متعلق ہو سکتا ہے جیسے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ، فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ان تمام میں وہی مقدر کیا جائے گا جو پہلے گذر چکا ہے یعنی هَذِهِ الْأَنْصِبَاءُ لِهَذَا الْوَرَثَةِ مِنْ مَا بَقِيَ مِنْ بَعْدِ انْفَازِ وَصِيَّةِ وَصِيَّةٍ نَافِذٍ کرنے کے بعد جو مال باقی بچے گا یہ حصے ان ورثاء کو ملیں گے۔

۱۱ یوصی بھا کو ابن کثیر ابن عامر اور ابو بکر نے صاد کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ میت کا ذکر پہلے سے چل رہا ہے۔ اس لئے ضمیر لو مانا صحیح ہے۔ اگر وصیت ہوگی تو پھر یہ احکام جاری ہوں گے۔

۱۲ اگر میت پر قرض ہوگا تو اس کا قرض ادا کرنے کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔ یہاں او حرف عطف ذکر کیا ہے، واؤ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک میراث پر مقدم ہیں، خواہ ان کے ساتھ دوسرا ہو یا نہ ہو۔ یہاں وصیت کو قرض پر مقدم کیا ہے جبکہ حکم میں یہ قرض سے موخر ہے کیونکہ تمام لوگوں کو وصیت کرنے کی دعوت دی گئی اور قرض کیونکہ اسلامی طریقہ کے مطابق بخشش سے مانع ہوتا ہے تو یہ شاذ ہی اس پر پایا جائے گا۔

حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بتائیے اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر کرتے ہوئے، اس کی رضا کا طالب ہوتے ہوئے، آگے بڑھتے ہوئے، نہ کہ پیٹھ کے بل بھاگتے ہوئے شہید ہو جاؤں، اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف کر دے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں، مگر قرض۔ جبرئیل امین نے اسی طرح کہا (3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید کا ہر گناہ بخش دیا جاتا ہے مگر قرض (4) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ :- تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ترکہ میں سے سب سے پہلا حق میت کی تجہیز و تکفین کا ہوتا ہے۔ پھر باقی ماندہ مال کے تیسرے حصے سے وصیت ادا کی جائے گی۔ پھر باقی ماندہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو من بعد وصیة رسول اللہ ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض ادا فرمایا (5) اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

1- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 401 (وزارت تعلیم) 2- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 31- ایضاً 3- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 135- ایضاً 4- ایضاً 5- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 30 (وزارت تعلیم)

مسئلہ:- مال کے تیسرے حصے سے وصیت کا نفاذ حضرت سعد بن وقاص کی حدیث سے ثابت ہے۔ انہوں نے کہا فتح مکہ کے سال میں ایسا شدید بیمار ہو گیا کہ موت کے قریب جا پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ عیادت کرنے کے لئے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت زیادہ مال ہے۔ میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے۔ پس میں تمام مال کی وصیت کر جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کی دو ٹکٹ کی وصیت کرتا ہوں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کی نصف کی وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کی تیسرے حصے کی وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیسرا حصہ ٹھیک ہے تیسرا حصہ کافی ہے۔ اگر تم اپنی اولاد کو غنی چھوڑ کر جاؤ گے۔ یہ ان کو فقیر چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کا منہ دیکھتے رہیں تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر جو مال خرچ کرو گے۔ تمہیں اس کا اجر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تو اپنی بیوی کو کھلاتا ہے۔ اس پر بھی تمہیں اجر دیا جائے گا (1) متفق علیہ۔ امام ترمذی نے اسے اور الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس میں ہے دسویں حصے کی وصیت کرو۔ میں حضور ﷺ سے لگا تار کم مال چھوڑنے کے بارے میں گذارش کرتا رہا۔ آخر کار آپ نے فرمایا تیسرے حصے کی وصیت کرو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔ حضرت معاذ کی مرفوع حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے تمہاری وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے مال کے تیسرے حصے کی وصیت کرنے کی اجازت دے دی ہے تاکہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کرے اور تمہارے مالوں کو پاک کر دے۔ اسے طبرانی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسے طبرانی اور احمد بن یوسف اور ابودرداء سے مرفوع نقل کیا ہے۔ اسے ابن ماجہ بزار اور بیہقی نے ابو ہریرہ سے اور عقیلی نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (2)

۱۳ تم نہیں جانتے کہ دنیا و آخرت میں اصول و فروع میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع مند ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی جنت میں داخل ہوگا۔ وہ اپنے والدین بیوی اور اولاد کے بارے میں پوچھے گا۔ اسے بتایا جائے گا وہ تیرے مقام اور عمل تک نہیں پہنچے۔ وہ عرض کرے گا اے میرے رب میں نے اپنے لئے اور ان کے لئے عمل کیا تو اس کے رشتہ داروں کو بھی اس کے ساتھ ملانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ اسے طبرانی نے کبیر میں ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں روایت کیا۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس نے کہا تم میں سے جو اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت کرنے والا ہے وہی قیامت کے روز زیادہ بلند مرتبے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بعض مومنوں کی بعض مومنوں کے حق میں شفاعت قبول کرے گا۔ اگر والد جنت میں بلند مرتبہ پر فائز ہوگا تو بیٹے کو اس کے مرتبہ تک بلند کر دیا جائے گا۔ اگر بیٹا بلند مرتبہ پر فائز ہوگا تو والد کو اس کے مقام تک پہنچا دیا جائے گا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جب لوگ یہ نہیں جانتے کہ اصول و فروع میں سے کون ان کے لئے زیادہ نفع کا باعث ہے۔ اسی لئے ترکہ کی تقسیم ان کے سپرد نہ کی (3) یعنی اگر تم جانتے ہو تو تم زیادہ نفع دینے والے کی طرف مائل ہو جاتے اور جب تم نہیں جانتے تو بعض وارثوں کو بعض وارثوں پر ترجیح دینا جائز نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ سب وارث اسے جائز قرار دیں۔ اسے دارقطنی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور دارقطنی نے عمرو بن شعیب کی حدیث جو انہوں نے باپ سے اور انہوں نے دادا سے نقل کی ابوداؤد نے ابی امامہ سے نقل کی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو حق دیدیا ہے کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں یا اس کا معنی یہ ہے تم نہیں جانتے کہ کون مورث تمہارے حق میں

زیادہ نفع رساں ہے جو وصیت کرتا ہے اور وصیت پر عمل کر کے تم کو ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے یا وہ زیادہ نفع رساں ہے جو وصیت نہیں کرتا (۱) اور تمام مال تمہارے لئے چھوڑ جاتا ہے۔ ایہم اقرب لکم نفعا یہ جملہ مفعول ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ لا تدرون یہ ابانکم کی خبر ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے جو تقسیم کے امر یا وصیت کی تنفیذ میں تاکید کے لئے آیا ہے۔

۴۴ فریضۃ مصدر ہے، یعنی مفعول مطلق ہے، تاکید کیلئے آیا ہے اور ایسے فعل کے ساتھ منصوب ہے جس کا حذف واجب ہے، جسے نحوی تاکید نفسی کہتے ہیں کیونکہ یہ سابقہ جملہ کا مضمون ہے، اس میں غیر کا کوئی احتمال نہیں کیونکہ جملہ مفصلہ یو صیکم اللہ یہ فریضۃ ہونے کے علاوہ کسی اور مضمون کا احتمال نہیں رکھتا۔

یا یہ فعل یو صیکم اللہ کی وجہ سے منصوب ہے اور مفعول مطلق ہے کیونکہ یو صیکم اللہ کا معنی بھی یفرض علیکم ہے۔  
۵۵ وہ مصالح کو جانتا ہے اور اس نے میراث اور تقسیم کے جو احکام جاری کئے ہیں وہ حکمت سے لبریز ہیں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُنَّ وَلَدٌ  
فَلَكَمُ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُوْصِيْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ وَلَكُنَّ الرُّبْعُ  
مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَكَهْنُ الثُّمَنِ مِمَّا  
تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ تُوْصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَّةً  
أَوْ امْرَأَةً وَآخٌ أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ  
مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُوْصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ غَيْرَ  
مُضَآءٍ ۚ وَصِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝

”اور تمہارے لئے نصف ہے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں بشرطیکہ نہ ہو ان کی اولاد اور اگر ہو ان کی اولاد تو تمہارے لئے چوتھائی ہے اس سے جو وہ چھوڑ جائیں (یہ تقسیم) اس وصیت کے پورا کرنے کے بعد ہے جو وہ کر جائیں اور قرض ادا کرنے کے بعد اور تمہاری بیویوں کا ۱/۲ چوتھا حصہ ہے اس سے جو تم چھوڑو بشرطیکہ نہ ہو تمہاری اولاد اور اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں حصہ ہے اس سے جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو تم نے کی ہو اور (تمہارا) قرض اتارنے کے بعد ۱/۳ اور اگر ہو وہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے ۱/۳ کلالہ ہے وہ مرد ہو یا عورت ۱/۴ اور اس کا بچے بھائی یا بہن ہو ۱/۴ تو ہر ایک کے لئے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب شریک ہیں تہائی میں ۱/۴ (یہ تقسیم) وصیت پوری کرنے کے بعد ہے جو کی گئی ہے اور قرض ادا کرنے کے بعد بشرطیکہ اس سے نقصان نہ پہنچایا گیا ہو ۱/۴ (یہ نظام وراثت) حکم ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱/۴ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔“ ۱۳

۱۔ یعنی جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس کا نصف تم خاوندوں کے لئے ہے۔

اگر ان کی اولاد نہ ہو، یعنی اولاد میں سے کوئی صاحب فرض یا عصبہ، خواہ وہ واسطہ کے ساتھ ہو یا بغیر واسطہ کے ہو۔

۲۔ بیویوں کے لئے خواہ ایک ہو یا زیادہ۔

۳۔ چوتھا حصہ ہوگا اگر تمہارا بیٹا یا پوتا نہ ہو۔ اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو انہیں آٹھواں حصہ دیا جائیگا۔ لیکن یہ حصہ وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگا۔ اسی طرح وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی ہو وہ بھی وارث ہوگی۔ لیکن جسے طلاق بائنہ دی گئی ہو وہ وارث نہ ہوگی، اگر خاوند نے اسے حالت صحت میں طلاق دی ہو۔ اسی طرح اگر خاوند نے مرض الموت میں عورت کو طلاق رجعی دی تو وہ بالاتفاق وارث ہوگی جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ اس وقت بھی وارث ہوگی جبکہ خاوند مر گیا اور عورت ابھی عدت گزار رہی تھی۔ امام احمد کا قول یہ ہے اگر عورت کی عدت ختم بھی ہوگئی جبکہ اس نے ابھی کسی اور مرد سے شادی نہیں کی اور خاوند مر گیا تب بھی وہ عورت وارث ہوگی۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر اس نے شادی کر بھی لی تب بھی وہ وارث بنے گی۔ امام شافعی کے مذہب ثلاثہ کی طرح اقوال ہیں۔

اسی طرح اگر کسی مرد نے مرض الموت میں طلاق بائنہ دی تب بھی امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک وارث بنے گی، مگر امام ابوحنیفہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ یہ طلاق عورت کے مطالبہ پر نہ دی گئی ہو کیونکہ اگر اس نے مطالبہ کیا ہوگا تو وہ اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی تھی۔ امام شافعی کے اس ضمن میں دو قول ہیں ان میں سے اظہر یہ ہے کہ وارث نہ ہوگی۔ امام احمد نے معمر سے روایت کیا ہے کہ غیلان بن سلمہ مسلمان ہوا تو اس کی دس بیویاں تھیں نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا انہا میں سے چار کا انتخاب کر لو۔ جب حضرت عمر کا دور آیا تو اس نے اپنی بیویوں کو طلاق دی اور اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ خبر حضرت فاروق اعظم تک پہنچی، فرمایا میں گمان کرتا ہوں کہ اس شیطان نے تیری موت کی خبر سن لی، ہے جو چوری چھپے باتیں سننا ہے اس نے تیرے دل میں اس بات کا القاء کیا اور تجھے بتایا کہ تو تھوڑا عرصہ ہی زندہ رہے گا۔ خدا کی قسم یا تو تو اپنی عورتوں سے رجوع کرے گا اور تو اپنا مال واپس لے گا یا میں ان عورتوں کو تیرا وارث بنا دوں گا اور تیری قبر کے بارے میں حکم دوں گا کہ اس پر رجم کیا جائے، جس طرح ابو رغال کی قبر پر رجم کیا جاتا ہے (۱) امام بخاری نے موقوف کو صحیح قرار دیا۔ سند یوں بیان کی زہری سے، وہ سالم سے، وہ اپنے باپ سے، نقل کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث اس اجماع کی دلیل ہے کہ طلاق رجعی کے بعد عدت کے اندر فوت ہونے کی صورت میں عورت وارث ہوگی۔

جمہور علماء کے نزدیک طلاق بائن کے بعد عدت میں مرد کے فوت ہونے کی صورت میں عورت کے وارث ہونے کی دلیل یہ

روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی نے تماظر بنت اصمغ بن زیاد کلبیہ کو ایک قول کے مطابق بنت عمرو بن شرید سلمیہ کو وارث قرار دیا تھا جو عبد

الرحمن بن عوف کی بیوی تھی، جنہیں حضرت عبد الرحمن بن عوف نے مرض الموت میں طلاق بائنہ دی اور خود اس کی عدت میں فوت ہو گئے

تھے۔ حضرت عثمان غنی نے صحابہ کی موجودگی میں یہ فیصلہ کیا اور کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہ کیا۔ پس یہ صحابہ کا اجماع بن گیا۔ فرمایا میں

عبد الرحمن بن عوف پر تہمت نہیں لگاتا لیکن میں نے یہ فیصلہ اس لئے کیا تا کہ سنت قائم کروں۔ ہمارے مذہب کے مطابق ہی حضرت عمر

حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عثمان، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت مغیرہ بن شعبہ کی رائے بھی ہے۔ ابو بکر رازی نے حضرت علی

حضرت ابی بن کعب، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت عائشہ اور حضرت زید بن ثابت سے بھی یہی نقطہ نظر نقل کیا ہے اور کسی صحابی



سے اس سے مختلف رائے نہیں جانی گئی۔ یہی امام نخعی، امام شعبی، سعید بن مسیب، ابن سیرین، عروہ شریح، ربیعہ بن عبد الرحمن، طاؤس بن شبرمہ ثوری، حماد بن ابی سلیمان اور حارث کا مذہب ہے۔

یہ رجل سے مراد میت یا وارث ہے یورث فعل رجل کی صفت ہے۔ اگر رجل سے مراد میت ہو تو معنی ہوگا جس کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہے، اگر مراد وارث ہو تو معنی ہوگا جو وارث بنے

یہ یہ کان کی خبر ہے یا اسکی خبر یورث ہے اور کلامتہ یورث میں موجود ضمیر سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کلامتہ اس کا مفعول نہ ہو یہ اس وقت ہوگا جب کلام سے مراد ایسی رشتہ داری نہ ہو جس میں تو والد کا سلسلہ نہ ہو۔ یہ اصل میں مصدر ہے جو کلام کے معنی میں ہے، جس کا معنی تھکنا اور عاجز آنا ہے۔ عرب کہتے ہیں کُلُّ الرَّجُلِ فِي مَشِيهِ كَلَامًا یعنی آدمی چلنے میں عاجز آ گیا، كَلَّمَ السَّيْفُ عَنْ ضَرْبِهِ كَلْمًا وَ كَلَامًا تَلَوَّار كَنْدُ هُوَ مَعْنَى كَلَّمَ اللِّسَانُ عَنِ الْكَلَامِ زَبَانَ كَفْتَلُو كَرْنَةَ سَ عَاجِزًا آ گئی۔ بعد میں یہ ایسی رشتہ داری کے لئے مجازاً استعمال ہونے لگا جس میں تو والد کا سلسلہ نہ ہو کیونکہ یہ دوسرے کی طرف منسوب ہونے سے عاجز ہوتا ہے۔ پھر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا وارث والد یا بچہ نہ ہو جو کسی ایسے شخص کا وارث بنے، جس کا والد اور لڑکا نہ ہو اسے ذی کلام کہتے ہیں۔ امام بیضاوی نے اسی طرح کہا۔ امام بغوی نے کہا کلام ایسے مورث کہ کہتے ہیں جس کی اولاد اور والد نہ ہو (۱) یہ حضرت علی شیر خدا اور عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کیونکہ وہ فوت ہو تو اس کی دونوں طرفیں موجود نہ تھیں۔ گویا اس کے نسب کے ستون کمزور ہو چکے تھے۔

سعید بن جبیر نے کہا یہ اس وارث کو کہتے ہیں جو میت کا والد اور ولد نہیں ہوتا کیونکہ یہ میت کو دو طرف سے گھیرے ہوتے ہیں لیکن نسب کے ستون میں کوئی نہیں ہوتا، جس طرح پٹی سر کو گھیرے ہوتی ہے جبکہ درمیانی سر خالی ہوتا ہے۔ اس پر حضرت جابر کی حدیث دلالت کرتی ہے بے شک میرے وارث کلام ہوں گے، یعنی ایسے لوگ وارث ہوں گے جو نہ میری اولاد ہوں گے اور نہ ہی والدین۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کلام کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا میں اپنی رائے سے اس کی وضاحت کروں گا۔ اگر تعبیر صحیح ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اگر غلط فیصلہ ہو تو میری طرف اور شیطان کی طرف سے ہوگی۔ میں خیال کرتا ہوں کلام اسے کہتے ہیں جو والد اور ولد نہ ہو۔ جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو کہا میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں حضرت ابو بکر کا قول رد کروں، اسے امام بیہقی نے امام شعبی سے روایت کیا۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں کہا حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے انہوں نے حضرت عمر سے نقل کیا ہے حضرت ابو ہریرہ سے ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے کلام کی تفسیر یوں کی وہ وارث جو والد اور ولد نہ ہو۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔

ابو الشیخ نے براء سے نقل کیا ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے کلام کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا والد اور ولد کے علاوہ وارث کو کلام کہتے ہیں۔ اسی طرح ابو داؤد نے مراسل میں ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جو والد اور ولد نہ چھوڑے اس کے وارث کلام ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کلام کی تفسیر میں والد اور ولد سے مراد اصول و فروع کے مذکر ہیں، یہاں تک کہ اگر میت کی کوئی بیٹی یا ماں ہو وہ بھی کلام ہوگی، جس کے اوپر حضرت جابر کی حدیث دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے کے حضرت جابر کی صرف ایک بیٹی تھی، ان کے والد موجود نہ تھے کیونکہ ان کے والد عبد اللہ بن حرام اس سے قبل غزوہ احد

میں شہید ہو گئے تھے۔ بھائی اور بہنیں ماں کے ساتھ بالا جماع وارث ہوتے ہیں۔ یہاں ولد کا لفظ پوتے کو بھی عام ہے۔ یہاں تک کہ بھائی پوتے کی موجودگی میں بلا جماع وارث نہیں ہوتے۔ (۱) اسی طرح والد دادا کو بھی عام ہے کیونکہ کلالہ کی تفسیر میں والد اور ولد میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

۸۔ امراة کا عطف رجل پر ہے۔ نظم آیت یوں ہوئی وان كان رجل امراة یورث یعنی ان میں سے ایک کلالہ ہو۔ بے لہ کی ضمیر رجل کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ وہ مذکر ہے۔ اس سے کلام کا آغاز ہے یا من رجل وامراة میں سے ایک ہے۔ ضمیر مذکر ہے جملہ ظرفیہ کان کی خبر پر معطوف ہے اگر رجل سے مراد میت ہو، اگر اس سے فرار وارث ہو تو ضمیر مورث کی طرف لوٹے گی جو سیاق کلام سے سمجھا جا رہا ہے، جس طرح لایقہ کی ضمیر میں ہو اور جملہ ظرفیہ یورث میں موجود ضمیر سے حال ہوگا۔

۹۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں اخ اور اخت سے مراد ماں کی طرف سے بھائی اور بہن ہے جس پر ابی اور سعد بن ابی وقاص کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ امام بیہقی نے روایت کیا ہے بے شک سعد (راوی نے کہا میں گمان کرتا ہوں یہاں سعد سے مراد ابن ابی وقاص ہیں، آپ یوں تلاوت کرتے وَلَهُ اخ او اخت من ام ابوبکر بن منذر نے بھی حضرت سعد سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ زبمشری نے آپ سے اور ابی بن کعب سے اسی کی مثل بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت ابن مسعود نے بھی اسی کی مثل قرأت کی۔ حافظ ابن حجر نے کہا میں اسے ابن مسعود سے خیال نہیں کرتا اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرأت غیر متواترہ پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے، جس طرح امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر ہے، جبکہ اس کی سند صحیح ہو، جبکہ امام شافعی نے اس سے مختلف رائے قائم کی ہے۔

امام بغوی نے کہا حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا وہ آیت جو اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء کے شروع میں فرمائش کے بیان کے متعلق نازل فرمائی وہ ولد اور والد کے متعلق نازل فرمائی۔ دوسری آیت خاوند بیوی اور ماں کی طرف سے بھائیوں کے متعلق نازل فرمائی، وہ آیت جس پر سورت کا اختتام ہے وہ حقیقی بھائیوں اور حقیقی بہنوں کے بارے میں نازل فرمائی۔ وہ آیت جس پر سورہ انفال کا اختتام ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اولی الارحام کے متعلق نازل فرمائی بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ (2)

۱۰۔ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ماں کی طرف سے جو اولاد ہوگی وہ صرف تیسرے حصے میں شریک ہوں گی۔ جب ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو وہ مذکر یا مؤنث ہوں وہ استحقاق اور تقسیم میں برابر ہوں گے۔

۱۱۔ علماء نے مسئلہ حمار یہ میں اختلاف کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب وارث خاوند ماں ماں کی طرف سے دو بھائی اور ایک ماں باپ کی طرف سے بھائی ہو، اس صورت میں خاوند کے لئے نصف ماں کے لئے چھٹا ماں کی طرف سے بھائیوں کے لئے تیسرا حصہ اور حقیقی بھائی کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا، خواہ وہ بھائی ایک ہو یا زیادہ ہوں۔ یہ نقطہ نظر امام ابوحنیفہ، امام احمد اور داؤد کا ہے کیونکہ یہ عصبہ ہے اور اصحاب فرائض کو ادا کرنے کے بعد کوئی چیز بچی ہی نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حقیقی بھائی ماں کی طرف سے بھائیوں کے ساتھ ترکہ کے اس تیسرے حصے میں شریک ہوں گے جو ماں کی طرف سے بھائیوں کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حقیقی بھائیوں کو شریک نہ کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ایک مسئلہ میں مبتلا ہوئے حقیقی بھائی نے عرض کی اے امیر المؤمنین فرض کیجئے ہمارا باپ ایک گدھا تھا، کیا ہم ایک ماں کی اولاد نہیں، تو حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی شریک کر لیا۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ کو حمار یہ کہتے ہیں۔ حاکم نے اسے مستدرک اور بیہقی نے سنن میں زید بن ثابت کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ اس سند میں ابوامیہ بن یعلیٰ ثقفی ہے جو ضعیف ہے اور شعبی کے واسطے سے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ باپ نے تو ان کے قرب میں اضافہ کیا ہے۔ دارقطنی نے وہب بن منبہ کے واسطے سے مسعود بن حکم ثقفی سے نقل کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت کے بارے میں مسئلہ پیش ہوا جس نے اپنے پیچھے اپنا خاوند ماں کی طرف سے بھائی اور ماں باپ کی طرف سے بھائی چھوڑے تھے۔ آپ نے ماں کی طرف سے بھائیوں کو حقیقی بھائیوں کے ساتھ شریک کیا۔ ایک آدمی نے سوال کیا آپ نے فلاں سال انہیں شریک نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح رہے گا جو ہم نے فیصلہ کیا تھا۔ یہ بھی اسی طرح رہے گا جس طرح ہم نے فیصلہ کیا۔ اسے عبدالرزاق نے نقل کیا ہے۔ بیہقی نے ابن مبارک کے واسطے سے معمر سے نقل کیا لیکن کہا حکم سے وہ ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں۔ نسائی نے اسے صائب قرار دیا، بیہقی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھائیوں کو شریک کیا اور حضرت علیؓ شریک نہیں کیا۔

مسئلہ:۔ ماں کی اولاد حقیقی بچے پوتے باپ اور دادا کے ساتھ بالا جماع ساقط ہو جاتی ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کیا دادا کی موجودگی میں علاقائی بھائی یا حقیقی بھائی ساقط ہوں گے یا نہیں، جس طرح یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ماں کی موجودگی میں اخیانی بھائی ساقط ہوں کیونکہ جو فرد میت تک رشتہ کا ذریعہ ہو۔ اگر وہ خود موجود ہے تو دوسرے افراد ساقط ہو جائیں گے۔ لیکن ہم نے اجماع کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا اور اس لئے بھی کہ ماں تمام مال کی وارث نہیں بنتی۔

ابن کثیر ابن عامر اور عاصم نے صاد کے فتح کے ساتھ فعل مجہول کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے صاد کے کسرہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ جس نے یوصی کو معروف کا صیغہ پڑھا ہے اس نے غیر مضار کو اس کے فاعل سے حال پڑھا ہے، جنہوں نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اس صورت میں یہ اس فعل مضمحل کے فاعل سے حال ہوگا جس پر یہ کلام دلالت کرتی ہے کیونکہ مجہول فعل معروف پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی وصیت میں تیسرے حصہ سے زیادہ کی وصیت کر کے وہ در ثناء کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو یا جھوٹا اقرار کر کے نقصان پہنچانے والا نہ ہو یا وصیت کے ذریعے محض وارثوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہو اللہ تعالیٰ کا قرب مقصود نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک ایک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ پھر ان کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے۔ وہ وصیت کر کے نقصان پہنچاتے ہیں تو ان کے لئے جہنم کی آگ ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ نے یہ آیت پڑھی **مَنْ بَعْدَ وَصِيَّتِهِ تَوَلَّىٰ بِهَا آوْدُنَيْنِ غَيْرِ مَضَاتِرٍ..... ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (۱)**

اسے امام احمد ترمذی ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے وارث کی میراث کو قطع کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جنت سے اس کا حصہ ختم کر دے گا (۲) اسے ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ چوتھے حصے کی بجائے پانچواں حصہ وصیت کرنا مجھے زیادہ پسند ہے اور چوتھا حصہ وصیت کرنا تیسرے حصہ سے وصیت کرنا مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے وہ آدمی جو پانچویں حصہ کی وصیت کرتا ہے وہ چوتھے حصہ کی وصیت کرنے سے بہتر ہے۔

فائدہ:- اللہ تعالیٰ نے یہاں وصیت اور دین کو غیر مضار کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے، جبکہ سابقہ میں کوئی قید نہیں تھی، جبکہ یہ سب میں معتبر اور ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولادت کی رشتہ داری اور زوجیت کا حسن معاملہ عموماً نقصان پہنچانے سے مانع ہوتا ہے، جبکہ اخلاقی رشتہ میں قربت کم ہوتی ہے نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو سکتا تھا اس لئے اس کے ساتھ اسے مقید کیا۔

فصل:- وصیت کی کئی صورتیں ہیں (1) واجب (2) مندوب (3) مباح (4) حرام (5) مکروہ

جس آدمی کے ذمہ قرض، زکوٰۃ، نذر حج، فوت شدہ نماز اور فوت شدہ روزہ ہو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اوپر فرض کے بارے میں وصیت کر جائے نماز اور روزہ کے بارے میں اپنے مال سے فدیہ کی وصیت کرے، قرضے اس کے تمام مال سے ادا کئے جائیں۔ سب سے پہلے وہ قرضے ادا کئے جائیں گے جن کے اسباب معروف ہوں گے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے جن قرضوں کے اسباب معروف ہوں اور جن کے اسباب معروف نہ ہوں دونوں کو برابر حیثیت حاصل ہوگی اور قرض کے علاوہ جو ذمہ میں ہوگا اس کو مال کے تیسرے حصے سے پورا کیا جائے گا۔ یہ جائز نہیں، اس جیسی وصیت کو مہمل چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان پر کوئی حق ہو اور اس کے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہو جس میں وہ وصیت کر سکتا ہے تو وہ دو راتیں بھی نہ گزارے مگر اس حال میں کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو (1) متفق علیہ۔ امام مسلم کی روایت میں تین راتوں کا ذکر ہے اور جس پر کسی کا کوئی حق نہ ہو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ تیسرے حصے سے کم میں صدقہ کی وصیت کرے، دسویں حصہ پانچویں حصہ یا چوتھائی حصہ کی وصیت کرے، تاہم اگر ورثاء غنی ہوں تو اسے تیسرے حصہ کی وصیت کرنا بھی جائز ہے جس طرح پہلی احادیث میں گذر چکا ہے، اگر ورثاء فقیر ہوں تو پھر وصیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور وصیت کو ترک کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں قریبی پر صدقہ کی صورت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے (2) اسے امام احمد ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ ایسی وصیت حرام ہے جس میں وارثوں کو ضرر ہو یا انہیں نقصان پہنچانے کا قصد کیا گیا ہو۔

ایہ مفعول مطلق ہے اور تاکید کے لئے آیا ہے، یعنی تقدیر کلام یوں ہوگی یو صیکم و صبیۃ یا یہ غیر مضار سے مفعول بہ کے طور پر منصوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہے اس کو نقصان نہ پہنچایا جائے، یعنی ٹلٹ سے زیادہ کی وصیت کر کے یا اولاد ازواج اور اقارب کے حق میں وصیت میں اسراف کر کے یا جھوٹے اقرار کذریعے۔

۱۲۔ جو نقصان پہنچائے اسے اور دوسری چیزوں سے وہ آگاہ ہے۔ اور وہ جلدی سزا نہیں دیتا۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۲﴾

”یہ حدیں اللہ (کی مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کرے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا

اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں بہتی ہوں گی جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گی وہ ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی۔“ ۱۔  
۱۔ یہاں بخلک سے مراد تیسوں کے بارے میں احکام وصیتیں اور وراثتیں ہیں۔ حدود اللہ سے مراد اس کے وہ شرعی احکام ہیں جن سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہوتا۔

## وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

”اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا اللہ کی (مقررہ) حدود سے داخل کرے گا اسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔“ ۱۔

۱۔ نافع اور ابن عامر نے دونوں مقامات پر ندخلہ جمع حکم کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور ندخلہ کی ضمیر کو دونوں مواقع پر من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مفرد ذکر کیا ہے۔ خالد بن اور خالد احوال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔ ایک دفعہ جمع اور دوسری دفعہ مفرد من کے لفظ اور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ خالد کو ناری صفت بنانا جائز نہیں، ورنہ ضمیر کو ظاہر کرنا۔ ضروری ہوتا حقیقی اور علاقائی بہن بھائیوں کا ذکر سورت کے آخر میں ہوگا یہاں فرائض کے باقی ماندہ مسائل ذکر کرتے ہیں۔

مسئلہ:- تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب فرائض ترکہ کے حصوں سے بڑھ جائیں تو حصہ کے مطابق ان میں سے ہر ایک میں نقص واقع ہوگا۔ اس مسئلہ کو عالمہ کہتے ہیں یہ نام دینے کی وجہ سے اصحاب فرائض کے حصوں میں باہم تعارض ہوتا ہے اور ان میں سے کسی حصہ کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے ان کے اصل حصوں سے دوسروں کو طرف میلان کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے یہ نام دیا گیا۔ اس مسئلہ کو دیون (قرضوں) پر بھی قیاس کیا جاتا ہے۔ جب لوگوں کے قرض میت پر اس کے ترکہ سے زائد ہوں تو قرض خواہوں کے حصہ میں تناسب سے کمی کر دی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس مسئلہ پر اجماع ہوا، جب ایک عورت فوت ہوئی تو اس نے اپنے پیچھے ایک خاوند اور دو بہنیں چھوڑی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو جمع کیا، ان سے مشورہ طلب کیا، ارشاد فرمایا اگر ایک آدمی مر جاتا وہ اپنے پیچھے چھ درہم چھوڑ جاتا ہے، جبکہ اس پر ایک آدمی کے تین درہم اور دوسرے کے چار درہم تھے، کیا اسکے مال کے سات حصے نہیں بنائے جائیں گے؟ تو صحابہ نے آپ کے قول کو پسند کیا۔ پھر حضرت ابن عباس نے حضرت عمر کے وصال کے بعد اس کی مخالفت کی اور اس مسئلہ کا انکار کر دیا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے حضرت عمر کی موجودگی میں یہ نہ کیا تھا تو حضرت ابن عباس نے کہا میں نے آپ کے خوف کی وجہ سے ایسا کیا تھا جب کہ آپ کا بڑا دبدبہ تھا۔ حضرت ابن عباس سے کہا گیا آپ کی جماعت کے ساتھ رائے آپ کی اکیلی رائے سے ہمیں زیادہ محبوب ہے۔ اسے امام بیہقی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ ایک آدمی عاج صحراء کے ریت کے ذرے شمار کرے وہ مال میں نصف نصف کرے پھر اس میں تیسرا حصہ نکالے جب نصف نصف کرنے سے مال ختم ہو گیا تو تیسرے حصے کی گنجائش کہاں۔ آپ سے پوچھا گیا سب سے پہلے میراث میں عول کا قاعدہ کس نے جاری کیا۔ فرمایا حضرت عمر نے اور پھر سارا قصہ ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا قسم بخدا اگر اسے مقدم رکھا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے مقدم رکھا ہے تو عول کے قاعدہ کو جاری نہ کرنا پڑے گا۔ حاکم نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے آپ سے پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے کسے مقدم کیا جواب

دیا اللہ تعالیٰ نے جس کے حصہ کو دوسرے حصہ کی صورت میں بیان کیا ہے، مکمل ختم نہیں کیا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا ہے اور بروہ حصہ جب اسے زائل کیا تو اس کے لئے باقی ماندہ کے سوا کچھ بیان نہ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے مؤخر کیا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا وہ میاں بیوی اور ماں ہے جسے مؤخر کیا وہ بہنیں اور بیٹیاں ہیں جب ایسے ورثاء جمع ہو جائیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم و مؤخر کیا ہے تو وراثت کی تقسیم ان سے شروع ہوگی، جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا اسے پورا حق دیا جائیگا۔ اگر کوئی چیز باقی بچی تو اسے مؤخر کر دے دیا جائے گا۔ اگر کوئی چیز نہ بچی تو ان کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا۔ محمد بن حنفیہ نے اس قول میں حضرت ابن عباس کی موافقت کی۔

مسئلہ:- تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصحاب فرائض ترکہ میں سے جو چھوڑ دیں گے وہ سب سے قریبی مرد کو ملے گا جس طرح گذشتہ حدیث سے ثابت ہے اس آدمی کو عصبہ کہتے ہیں جب کوئی صاحب فرضی نہ ہو تو یہی مرد تمام مال کا وارث ہوتا ہے۔ میت کے سب سے قریب اس کا بیٹا پھر اس کا پوتا پھر اس سے نیچے اگر ہو تو اس کا باپ پھر دادا پھر اس سے اوپر اگر ہو پھر حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی (باپ کی طرف سے) پھر حقیقی بھتیجا پھر علاتی بھائی کا بیٹا، ان سے جو نیچے ہوں ان کا حق اسی طریقہ پر ہوگا، پھر حقیقی چچا پھر باپ کی طرف سے چچا پھر ان کے بیٹے اسی طرح پھر اسی طرح اگر ان سے نیچے ہوں پھر والد کے چچا پہلے حقیقی اور پھر علاتی پھر ان کی اولاد پھر ان کے نیچے اسی طرح دادوں کے چچا الیٰ نہایت تک حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حقیقی بھائی باہم وارث ہوتے ہیں علاتی بھائی باہم وارث نہیں ہوتے ایک آدمی حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے علاتی بھائی کا وارث نہیں ہوتا (۱) اسے امام ترمذی ابن ماجہ حاکم نے روایت کیا اس میں کوئی اختلاف نہیں صرف وہی اختلاف ہے جو بھائیوں کا دادا کے ساتھ تقسیم کرنے میں ہے۔

مسئلہ:- تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں میں سے جس کا حصہ نصف اور دوثلث ہو وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **لِلذَّكَوٰتِ كَمَا لِلنِّسَاءِ** یہ معاملہ اولاد اور بھائیوں میں ہوگا اور عورتوں میں سے جو اہل فرائض نہیں جبکہ ان کا بھائی عصبہ ہے وہ عورتیں عصبہ نہ ہوں گی جس طرح پھوپھی اور بھتیجی۔

مسئلہ:- عصبات میں سے آخری عصبہ بالاجماع آزاد کرنے والا آقا ہوگا، یعنی اگر مرنے والے کے اصحاب فرض اور نسبی عصبات نہ ہوں تو آزاد کرنے والے آقا کو وراثت ملے گی۔ امام بیہقی اور عبدالرزاق نے روایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی ایک شخص کو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لایا۔ عرض کی میں نے اسے خرید اور آزاد کر دیا۔ اس کی میراث کا معاملہ کیا ہوگا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اگر اس نے کوئی عصبہ چھوڑا تو اس کا عصبہ زیادہ حقدار ہوگا، وگرنہ ولاء (آزاد شدہ غلام کا مال) تیرے لئے ہوگی۔ صحیحین میں ہے ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہوگی۔ (2) پھر آزاد کرنے والے کے عصبات اس کے مستحق ہوں گے، عورتوں کے لئے کوئی ولاء نہیں مگر جنہوں نے غلاموں کو آزاد کیا یا ان کے آزاد کردہ غلاموں نے آزاد کیا۔ امام نسائی اور ابن ماجہ نے بنت حمزہ کی حدیث روایت کی ہے کہ بنت حمزہ نے ایک غلام آزاد کیا، اس کا غلام فوت ہو گیا جس نے اپنی بیٹی اور بنت حمزہ کو پیچھے چھوڑا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی بیٹی کو نصف اور سابقہ مالکہ بنت حمزہ کو نصف نصف عطا فرمایا۔ دارقطنی اور طحاوی نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے۔ بیہقی نے کہا، تمام راوی اس بات پر متفق ہیں کہ بنت حمزہ نے اسے آزاد کیا تھا، اس کے باپ نے اسے آزاد نہیں کیا تھا۔ اس باب میں ابن عباس سے روایت بھی مروی ہے۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:- اصحاب فرائض کو حصہ دینے کے بعد اگر ترکہ میں سے کوئی حصہ بیچ جائے اور میت کے لئے کوئی عصبہ نہ ہو تو اصحاب فرائض کے حصہ کے مطابق باقی ماندہ مال بھی انہیں دے دیا جائے گا لیکن زوجین اس میں شامل نہ ہوں گے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا نقطہ نظر ہے امام مالک اور امام شافعی نے کہا باقی ماندہ مال انہیں نہیں دیا جائے گا بلکہ باقی ماندہ مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ اصحاب شافعی میں سے متاخرین نے یہ فتویٰ دیا کہ بیت المال کا نظام مناسب نہ ہونے کی وجہ سے اصحاب فرائض کو ہی باقی ماندہ دے دیا جائے گا۔ قاضی عبدالوہاب مالکی نے ابو الحسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت علی، حضرت ابن عباس اور ابن مسعود سے صحیح امر یہی ہے کہ وہ ذوالارحام کو وارث نہیں بناتے تھے اور اصحاب فرائض کی طرف باقی ماندہ مال نہیں لوٹاتے تھے۔ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ذی رحم محرم رشتہ داروں کو وارث بناتے تھے۔ راوی نے کہا میں نے پوچھا کیا حضرت علی شیر خدا بھی ایسا کرتے تھے؟ کہا وہ ایسے معاملہ میں سب سے سخت تھے (1) آپ نے اپنی سند سے دو ذریعوں سے سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی فوت ہوا اس نے بیٹی بیوی اور مالکہ چھوڑی۔ سوید نے کہا میں حضرت علی شیر خدا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس قسم کا مسئلہ آپ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت علی شیر خدا نے بیٹی کو نصف بیوی کو آٹھواں حصہ پھر باقی ماندہ بیٹی کو ہی دیدیا اور مالکہ کو کوئی چیز نہ دی۔ ابو جعفر سے دو سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا باقی ماندہ میراث کو بھی حصہ کے مطابق اصحاب فرائض کو دے دیتے تھے (2) امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ مسروق سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ کے پاس ماں کی طرف سے بھائیوں اور ماں کا مسئلہ پیش ہوا۔ آپ نے بھائیوں کو تیسرا حصہ اور باقی ماندہ ماں کو دے دیا۔ فرمایا جس کا کوئی اور عصبہ نہ ہو ماں اس کا عصبہ ہے وہ ماں کی موجودگی میں ماں کی طرف سے بھائیوں، حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتیوں حقیقی بہن کی موجودگی میں باپ کی طرف سے بہنوں، بیوی، دادی اور خاوند کی طرف کوئی چیز نہیں لوٹاتے تھے (3) امام طحاوی نے فرمایا ہمارے نزدیک صحیح وہ ہے جس طرف حضرت علی شیر خدا گئے ہیں نہ وہ جس طرف عبداللہ بن مسعود گئے ہیں کہ میراث میں سے جو چیز بیچ جائے وہ اصحاب فرائض کو ان کے حصہ کے مطابق دیدیا جائے۔ اسی طرح قریب کے رشتہ داروں کو دور کے رشتہ داروں پر مقدم نہ کیا جائے، بلکہ باقی ماندہ مال کو حصہ کے مطابق ان میں تقسیم کر دیا جائے کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے مقررہ حصہ کے اعتبار سے وارث ہیں، جبکہ رشتہ داری مختلف ہے، ان میں سے بعض قریبی رشتہ داری کی وجہ سے بعیدی رشتہ دار سے میراث میں زیادہ کا مستحق نہیں۔ یہی ائمہ احناف (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد) کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ:- تمام علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ فرض اور عصبہ دو جہتوں کے اجتماع کی صورت میں دونوں جہتوں کا اکٹھے اعتبار کیا جائے گا جب ایک عورت تین چچا زاد بھائی چھوڑ کر مر جاتی ہے۔ ایک اس کا ماں کی طرف سے بھائی ہے۔ دوسرا اس کا خاوند ہے ماں کی طرف سے بھائی کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ دوسرے کو زوجیت کی وجہ سے نصف ملے گا جو باقی بچے گا۔ وہ ان تینوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا مسئلہ اٹھارہ اجزاء کرنے سے صحیح ہوگا پانچ حصے پہلے کو ملیں گے گیارہ حصے دوسرے کو ملیں گے اور دو حصے تیسرے کو ملیں گے۔

جب فرض کی دو جہتیں اکٹھی ہو جائیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا وہ اقوی صورت کے اعتبار سے وارث ہوگا، جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک دونوں جہتوں کے اعتبار سے وارث ہوگا۔ یہ چیز ایک مجوسی میں ہی متصور ہو

سکتی ہے کہ وہ ذی محرم عورت سے شادنی کرتا ہے پھر وہ مسلمان ہو جاتا ہے یا مسلمان جو شبہ کی وجہ سے محرم سے وطی کرتا ہے اور مر جاتا ہے۔ ایک مجوسی اپنی بیٹی سے نکاح کرتا ہے۔ اس نے ایک بیٹی جنی پھر دوسری بیٹی سے نکاح کرتا ہے۔ اس نے ایک لڑکا جناس بچے کی ماں اس کی ماں بھی ہے اور باپ کی طرف سے بہن بھی پہلی بیٹی اس بچے کی نانی بھی ہے اور باپ کی طرف سے بہن بھی۔

مسئلہ :- اصحاب فروض اور عصبات کے علاوہ ذوی الارحام کی میراث کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، جبکہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ زوجین کے علاوہ اگر اصحاب فروض میں سے کوئی ایک ہو اور عصبات میں سے کوئی ایک ہو تو ان ذوی الارحام کو وارث تسلیم نہیں کیا جائے گا مگر وہ روایت جو سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ ماموں کی لڑکی کی موجودگی میں وارث بنے گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے انہیں وارث بنایا اور حضرات علی شیر خدا، ابن مسعود اور ابن عباس سے یہی منقول کیا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی ان کے وارث نہ بنانے کی طرف گئے ہیں۔ اگر وارث نہ ہوں تو مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ علماء نے کہا یہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت زید زہری اور اوزاعی سے مروی ہے۔ شافعیہ میں سے متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ انہیں وارث بنایا جائے گا کیونکہ بیت المال کا نظام ٹھیک نہیں۔

ہمارے پیش نظر ذوی الارحام کے وارث بننے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِی كِتَابِ اللَّهِ** امام بغوی نے ابو بکر سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے خطبہ میں کہا کہ یہ آیت کریمہ اولی الارحام کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان میں سے بعض بعض سے قریبی ہیں۔

علماء نے اعتراض کیا اس آیت میں تمہارے لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ لوگ منہ بولے بیٹوں کو ورثہ دیتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کو متبنی بنایا تھا۔ لوگ دور جاہلیت میں یہ عہد و پیمان بھی کرتے تھے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کو نازل فرمایا تاکہ اس طرز عمل کا خاتمہ ہو اور میراث کو ذوی الارحام کی طرف پھیر دیا جائے، فرمایا لوگوں کو ان کے آباء کے اعتبار سے بلاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ انصاف پر مبنی ہے۔ آیت میں اولی الارحام سے مراد عصبات ہیں اور اصحاب فروض ہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں اگر یہ شان نزول مان بھی لیا جائے تب بھی اعتبار عموم لفظ کا ہوگا، خصوص سبب کا نہ ہوگا۔ یہ لفظ عام ہے یہ اصحاب فروض عصبات اور دوسرے لوگوں کو بھی شامل ہے۔ ہمارے پیش نظر کئی احادیث ہیں ایک امامہ بن سہل کی حدیث ہے کہ ایک آدمی کو تیر لگا وہ مر گیا ماموں کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں حضرت ابو عبیدہ نے اس بارے میں حضرت عمر کی طرف خط لکھا۔ حضرت عمر نے یہ جواب ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو (1) اسے امام احمد اور بزار نے روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس کا سر پرست ہے جس کا کوئی سر پرست نہ ہوگا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ حضرت مقدم بن معدیکرب کی رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث ہے کہ ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے دیت بھی دے گا (2) اسے امام احمد ابو داؤد نسائی ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے، نیز حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے





پھر فرمایا ان کے لئے کچھ بھی نہیں (۱) اسے امام طحاوی نے مختلف طرق سے روایت کیا ہے۔ نیز دارقطنی اور نسائی نے روایت کیا حدیث مرسل ہے۔ ابوداؤد نے اسے مراسیل میں ذکر کیا۔ حاکم نے مستدرک میں ابوسعید کے ذکر کے ساتھ اسے متصل نقل کیا۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ طبرانی نے بھی صغیر میں اسے ابوسعید کی حدیث سے متصل نقل کیا ہے۔ جبکہ یہ روایت انہوں نے محمد بن حرث مخزومی کے تعارف میں نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ابوسعید کے علاوہ کوئی اور شخص قابل اعتراض نہیں۔ ان احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے پھوپھی اور خالہ کو میراث دینے کے بارے میں پوچھا گیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی ذٰلوا الا نسا حاور بعضہنم اذنی ببعض پہلے کیونکہ ان کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا ان کے لئے کوئی چیز نہیں۔ پھر ذوی الارحام کو وراثت دینے کے بارے میں حکم نازل ہوا تو آپ نے فرمایا خالو اس کا وارث ہے جس کا کوئی اور وارث نہ ہو واللہ اعلم۔

مسئلہ:- ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں (۱) میت کے فروع (نسل) (۲) میت کے اصول (آباء و اجداد) (۳) میت کے قریبی اصل کے فروع (۴) میت کے بعیدی اصل کے فروع۔

پہلی قسم دوسری قسم کو، دوسری تیسری کو اور تیسری چوتھی قسم کو محروم کر دیتی ہے۔ ہر قسم سے قریبی دور والے کو محروم کر دے گا۔ اگر وہ برابر ہوں تو جس کا رشتہ ہے وارث کی وجہ سے ہوگا۔ وہ ذی رحم کی وجہ سے رشتہ دار کو محروم کر دے گا۔ بھائیوں، بہنوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالہ میں قرابت کی قوت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر دائرہ قرابت ایک ہو تو حقیقی چچا کی بیٹی علائی چچا کی بیٹی سے اولیٰ ہوگی۔ جب دائرہ قرابت ایک نہ ہو تو قرابت کی قوت کا اعتبار نہ ہوگا جس طرح ایک باپ کی علائی بہن ہے اور ایک حقیقی خالہ ہے، ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو محروم نہ کرے گی۔ باپ کی قرابت کی وجہ سے اسے دو تہائی اور ماں کی قرابت کی وجہ سے ایک تہائی ملے گا۔ امام طحاوی نے حضرت عمر سے روایت کیا جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا اور جسے دو قریبیں حاصل ہوں اس کا حصہ دو گنا ہو جائے گا اور مال ذوی الارحام میں افراد کے اعتبار سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ نقطہ نظر امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام حسن کا ہے، جبکہ امام محمد کا نقطہ نظر یہ ہے افراد کے اعتبار کے ساتھ ساتھ میت سے ان کی قرابت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔ تفصیلی گفتگو طوالت کا تقاضا کرتی ہے جبکہ یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

مسئلہ:- تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جان بوجھ کر قاتل کو مقتول کی وراثت سے محروم کر دیتا ہے۔ اسی طرح قتل خطا بھی قاتل کو مقتول کی وراثت سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ ائمہ ثلاثہ (۱) کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ قتل کی صورت میں قاتل وراثت کا حقدار ہوگا تاہم دیت میں اس کا حصہ نہ ہوگا۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا عمومی ارشاد ہے قاتل (مقتول کا) وارث نہیں ہوتا (۲) اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اس سند میں اسحاق بن عبد اللہ ہروی متروک الحدیث ہے۔ امام نسائی دارقطنی نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے باپ سے، انہوں نے دادا سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بیہقی اور دارقطنی رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

حضرت امام مالک نے عبد اللہ بن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا دو دینیوں

(۱) امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

۱- شرح معانی الآثار، جلد ۲، صفحہ ۳۹۶ (امدادیہ)

۲- صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۱۳۳ (قدیمی)

والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنے عورت خاوند کی دیت اور اس کے مال کی وارث ہوگی اور خاوند بھی عورت کی دیت اور اس کے مال کا وارث ہوگا، جبکہ ان میں سے ایک دوسرے کو جان بوجھ کر قتل نہ کرے۔ اگر ان میں سے ایک نے دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کیا تو وہ اس کی دیت کا وارث نہ ہوگا۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں حسن بن صالح ہے جو مجروح ہے۔

ہشام بن عروہ کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی ولی کو خطا قتل کر دیتا ہے۔ وہ اس کے مال کا وارث ہوگا لیکن مقتول کی دیت کا وارث نہیں ہوگا۔ اس سند میں مسلم بن علی ہے۔ یحییٰ نے اس کے متعلق کہا یہ کچھ بھی نہیں۔ دارقطنی نے کہا یہ متروک ہے۔ دارقطنی نے اسے سعید بن مسیب کی حدیث سے مرسل روایت کیا ہے کہ جان بوجھ کر یا خطا سے قتل کرنے والا مقتول کی دیت کا وارث نہیں ہوتا۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

مہم کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ احادیث قتل خطا کی صورت میں بطریق مفہوم قاتل کو مقتول کے وارث ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ہمارے نزدیک مفہوم حجت نہیں۔ پھر یہ اصول کے بھی خلاف ہے کہ بعض ترکہ میں وارث مانا جائے اور بعض میں وارث نہ مانا جائے۔

مسئلہ :- تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ اسے شیخین اور اصحاب سنن اربعہ نے اسامہ بن زید کی حدیث سے روایت کیا حضرت معاذ بن مسیب اور نخعی سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان تو کافر کا وارث ہوگا لیکن اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ جس طرح مسلمان کتابیہ عورت سے شادی کر سکتا ہے لیکن کتابی مرد مسلمان عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ امام احمد نے اس حکم سے دو اموروں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے مسلمان اس کافر غلام کا وارث ہوگا جس کو اسی نے آزاد کیا تھا اور آزاد شدہ غلام کا کوئی اور وارث بھی نہ تھا۔ وہ حضرت جابر کی مرفوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں مسلمان کسی نصرانی کا وارث نہیں ہوگا مگر اس صورت میں کہ مرنے والا اس کا آزاد کردہ غلام یا لونڈی ہو۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ دارقطنی نے کہا اسے موقوفہ روایت کیا گیا ہے اور یہ محفوظ ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں یہاں غلام اور لونڈی سے مراد وہ غلام اور لونڈی ہے جنہیں تجارت کا اذن دیا گیا ہو کیونکہ ان دونوں کا مال آقا کا مال ہے اس کے اوپر میراث کے لفظ کا اطلاق مجازاً ہوگا کیونکہ آزاد شدہ حقیقت میں اب غلام نہیں ہوتا۔

دوسری صورت میں یہ ہے کہ جب مسلمان میت کے رشتہ دار کافر ہوں، ترکہ کی تقسیم سے پہلے وہ مسلمان ہو جائیں تو اس صورت میں آپ کے نزدیک وہ وراثت کے مستحق ہوں گے۔ ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ آپ کے نزدیک بھی جمہور مذہب کے مطابق مستحق نہ ہوں گے۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تقسیم دور جاہلیت میں کی گئی وہ اسی طرح رہے گی اور ہر وہ تقسیم جو اسلام میں کی گئی وہ اسلام کے ضابطہ کے مطابق ہوگی۔ (1) اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

ابن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو میراث دور جاہلیت میں تقسیم کی گئی وہ اسی کے مطابق رہے گی اور جو دور اسلام میں تقسیم کی گئی اسی کے مطابق رہے گی (2) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ ان دونوں احادیث میں امام احمد کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں وراثت کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین کردہ حصوں کے مطابق ہوگی نہ جاہلیت کے طریقوں کے مطابق تقسیم ہوگی۔ اسی طرح عروہ بن زبیر کی حدیث سے جو وہ استدلال کرتے ہیں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں روایت

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان ہونے کے وقت جو چیز جس کی تھی اسی کی ہوگی۔ اسے ابن جوزی نے روایت کیا ہے۔  
 مسئلہ :- نصرانی یہودی کا وارث ہوگا۔ اسی طرح یہودی نصرانی کا وارث ہوگا۔ اسی طرح کفر کی دو ملتوں والے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کیونکہ ایک ملت ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا نقطہ نظر ہے اور اصل میراث ہے۔  
 امام مالک اور امام احمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو مختلف دینوں والے ایک دو کے وارث نہیں ہوتے (1) اسے امام احمد نسائی، ابوداؤد ابن ماجہ اور دارقطنی نے عمرو بن شعیب سے، وہ اپنے باپ، وہ دادا سے روایت کرتے ہیں۔ اس سند میں یعقوب بن عطاء ضعیف ہے۔ اسے ابن حبان نے عبد اللہ بن عمر کی حدیث سے بیان کیا اور اسے ترمذی نے حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا اور اسے غریب کہا۔ ان کی سند میں امن ابی لیلیٰ ہے جو ضعیف ہے۔ بزار نے اسے ابو ہریرہ کی حدیث سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ایک ملت کے لوگ دوسری ملت کے لوگوں کے وارث نہیں بنتے۔ اس سند میں ایک راوی عمرو بن راشد ہے جو لین الحدیث ہے۔ اسے امام نسائی، حاکم اور دارقطنی نے اسامہ بن زید کی حدیث سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔ دارقطنی نے کہا اسامہ کی حدیث میں یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں۔ عبدالحق کو وہم ہوا۔ اس نے اسے امام مسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ بیہقی نے اسامہ کی حدیث سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ دو ملتوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے (2) اس کی سند میں ظلیل بن مسرہ ضعیف ہے۔ پھر ملتین سے مراد اسلام اور کفر ہے واللہ اعلم۔

مسئلہ :- تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ وہ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے وہ مسلمانوں کی بھلائی کے کاموں پر خرچ کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں شیعہ مخالف ہیں۔ وہ اس مسئلہ میں انبیاء کے بعد افضل المخلوق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمہ الزہراء کو وراثت سے محروم رکھا۔ شیعہ نے یوں استدلال کیا کہ یہ حدیث نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكَهَا صَدَقَةٌ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ کر جائیں گے وہ صدقہ ہوتا ہے "فرد ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے قرآن حکیم کا یہ حکم ہو صيْكُمْ اللَّهُ چھوڑ دیا گیا جبکہ یہ حدیث قرآن کی اس آیت کے بھی خلاف ہے وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان قَهَبْنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ﴿١٠١﴾ يَرْثُكَ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ۔

اللہ تعالیٰ انہیں برباد کرے، عجیب باتیں کرتے ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے اگرچہ یہ حدیث ہمارے لئے آجاد ہے لیکن حضرت ابوبکر نے جب خود حضور ﷺ کی زبان اقدس سے اسے سنا تو یہ ان کے لئے متواتر سے بھی درجہ میں بلند ہو گئی کیونکہ محسوسات متواترات سے بھی بلند مرتبہ ہیں۔ نیز ان کا یہ کہنا کہ اسے صرف ابوبکر صدیق نے روایت کیا اور وہ فرد ہے۔ یہ بھی باطل ہے۔ بلکہ اسے صحابہ کی جماعت نے روایت کیا جن میں حذیفہ بن یمان، ابودرداء، حضرت عائشہ اور ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں کہا جن میں حضرت علی شیر خدا، حضرت عباس، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص تھے میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہے، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس سے مراد آپ کی ذات

تھی صحابہ نے جواب دیا جی ہاں ہم جانتے ہیں پھر آپ حضرت علی شیر خدا اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا دونوں نے کہا بالکل ہم اس کو جانتے ہیں (1) ان تمام صحابہ کی روایات احادیث کی کتابوں میں صحیح اور ثابت ہیں۔ یہ حدیث ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے درجہ شہرت تک پہنچی ہے۔ امت نے اسے قبول کیا۔ اس پر اجماع کیا۔ شیعہ کی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں جو اس کی تائید کرتی ہیں۔ محمد بن یعقوب رازی نے کافی میں ابوالمثنیٰ سے انہوں نے ابو عبد اللہ جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما سے روایت کیا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء درہم اور دینار ورثہ چھوڑ کر نہیں جاتے، بیشک انہوں نے اپنی احادیث کا ورثہ چھوڑا، جس نے ان میں سے کچھ حصہ لیا اس نے وافر حصہ لے لیا۔ انما کلمہ حصر کا فائدہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَوَرِثَتْ سُلَيْمُنُ دَاوُدَ سے مراد علم کی میراث ہے جس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے کیونکہ جہاں یہ فرمایا وَوَرِثَتْ سُلَيْمُنُ دَاوُدَ وہاں آگے یہ ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْنَا مَطْلُوعُ الظُّلُمِ كَيْونکہ عَلَيْنَا کا قول اس میراث کا بیان ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان يَرْثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ، اس سے مراد بھی علم کی میراث ہے کیونکہ حضرت یحییٰ بن زکریا حضرت یعقوب کی تمام اولاد کے مال کے وارث نہیں ہو سکتے تھے، جس چیز کے وارث بن سکتے تھے۔ وہ علم تھا واللہ اعلم۔

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ  
فَإِنْ شَهِدُوا فَامْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَقَّهِنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ  
لَهُنَّ سَبِيلًا ۝

”اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) ان پر چار مرد اپنوں میں سے۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کر دو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ پورا کر دے ان (کی زندگی) کو موت یا بنا دے اللہ تعالیٰ ان کی رہائی کے لئے کوئی رستہ۔“

۱۔ یہاں فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ عورت اگر عورت سے ایسا عمل کرے تو اسے بھی یہ شامل ہے کیونکہ لفظ عام ہے نیز اجنبی عورت کی دبر میں لواطت کرنے کو بھی یہ شامل ہوگا۔ اے حکام تم ان لوگوں سے گواہ طلب کرو جو ان عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں۔ گواہ کہیں کہ ہم نے یوں دیکھا جس طرح سرچھوسرمدانی میں ہوتا ہے۔ گواہ چار مرد ہوں، مومن ہوں، عادل ہوں۔ بالا جماع حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔ اگر چار آدمی گواہی دے دیں۔ تو عورتوں کو گھروں میں قید کر دو۔ یہاں تک کہ ان عورتوں کو موت آ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں او بمعنی الی ہے۔ سبیل سے مراد کوئی حکم شرعی جاری کر دے۔ امام مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھ سے لے لو۔ مجھ سے لے لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حکم جاری کر دیا۔ غیر شادی شدہ عورت جب غیر شادی شدہ مرد سے بدکاری کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی ہے۔ غیر شادی شدہ جب شادی شدہ سے بدکاری کرے تو سو کوڑے اور رجم ہے۔ (2)

فائدہ:۔ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کیا گھر میں قید رکھنا حد تھی جو منسوخ ہو چکی ہے یا حد کے ظاہر ہونے تک انہیں قید رکھنا تھا؟

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حد کے ہول کو سنبھالنے تک انہیں مجبوس رکھنے کا حکم دیا اور حد کا حکم نازل ہونے کے بعد بھی منسوخ نہیں ہوا۔ ہدایہ میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ حاکم اسے قید کر دے پھر گواہوں کی عدالت کے بارے میں سوال کرے۔ ہم سورہ نور میں زنا کے کچھ مسائل بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهُا مِنْكُمْ فَادُّوهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ①

”اور جو مرد عورت ارتکاب کریں بدکاری کا تم میں سے تو خوب اذیت دو انہیں۔ پھر اگر دونوں توبہ کر لیں اور (اپنی)

اصلاح کر لیں تو چھوڑ دو انہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔“

ابن کثیر نے یہاں سورہ طہ میں اِنَّ هٰذَا نِ، سورہ حج میں هٰذَا نِ، سورہ قصص میں هٰذَا نِ، سورہ فصلت میں اَرِنَا الَّذِيْنَ نُوْنِ كِے مشدّد کے ساتھ اور پانچوں (۱) مواقع پر اس سے قبل الف مدہ کو قائم رکھتے ہوئے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حاضمیہ سے مراد قاحت ہے، یعنی بدکاری اور لواطت۔

اکثر علماء کے نزدیک اللذان سے مراد زانی اور زانیہ ہے۔ اسی طرح فاذوہما میں ہما سے مراد زانی اور زانیہ ہے۔ عطاء اور قتادہ نے کہا یہاں اذیت سے مراد یہ ہے کہ انہیں زبانی شرمندہ کیا جائے، یہ کہا جائے تجھے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں، کیا تجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء نہیں آتی۔ ابن عباس نے کہا اس کا معنی ہے زبان اور ہاتھ دونوں سے اسے اذیت دی جائے، یعنی شرمندہ کیا جائے اور جو توں سے اسے مارا جائے۔ اگر اس آیت سے مراد زانی اور زانیہ لیا جائے تو اشکال پیدا کرتا ہے کہ پہلی آیت میں اسے قید کرنے کا ذکر ہے اور اس آیت میں اسے اذیت دینے کا ذکر ہے تو ان میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلی آیت شادی شدہ کے بارے میں تھی اور یہ غیر شادی شدہ کے بارے میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے پہلی آیت سے مقدم ہے۔ زنا کی سزا پہلے اذیت، پھر قید کرنا اور پھر کوڑے مارنا نازل ہوئی۔

میرے نزدیک اس آیت سے مراد وہ مرد ہیں جو قوم لوط جیسا عمل کریں۔ یہی مجاہد کا قول ہے۔ اس صورت میں کوئی اشکال بھی پیدا نہیں ہوتا ایذا شرع کے اندر معین نہیں۔ یہ امام کی رائے پر منحصر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی نقطہ نظر ہے کہ امام جو مناسب سمجھے گا انہیں سزا دے گا۔ جب وہ فعل بار بار کرے اور اسے بار بار تعزیر لگائی جا چکی ہو اور وہ باز نہ آئے تو پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسے بطور سیاست قتل کیا جاسکتا ہے، وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ ابن ہمام نے کہا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں، لیکن اسے تعزیر لگائی جائے گی اور اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ قید میں ہی مر جائے۔ اگر وہ لواطت کا عادی ہو تو امام اسے قتل کر دے گا۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا لواطت حد کو واجب کر دیتی ہے۔ امام مالک اور امام احمد کی اظہر روایت میں اور امام شافعی کے ایک قول میں یہ ہے کہ ایسے آدمی کی ہر حالت میں سزا جرم ہے، وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

امام شافعی کا ایک قول یہ ہے اس کی حد تلوار سے اسے قتل کرنا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا راجح ترین قول ہے۔ یہی صاحبین کا قول ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت مروی ہے کہ اس کی حد حد زنا ہے غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور شادی شدہ

(۱) یہ صرف تین مواقع پر ہے، پانچ کا ذکر شائد اکثر کو غلطی دینے کی بنا پر ہے۔

کو رجم کیا جائے گا کیونکہ یہ بھی زنا کے حکم میں ہے۔ کیونکہ یہ بھی شہوت کے عمل میں بصورت کمال شہوت کو پورا کرنا ہے جو محض حرام ہے کیونکہ اس میں پانی کو ضائع کیا جاتا ہے، بلکہ یہ زنا سے بھی زیادہ شدید ہے کیونکہ زنا کی حرمت تو نکاح کر لینے سے ختم ہو جاتی ہے جبکہ لواطت کی حرمت کسی حالت میں ختم نہیں ہوتی۔ اس میں زنا کا حکم دلالت النص سے ثابت ہوگا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی حکم ثابت ہوتا ہے جو امام بیہقی نے حضرت ابوموسیٰ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جب کوئی ایک مرد دوسرے مرد کے پاس آتا ہے تو وہ دونوں زانی ہیں۔ اس سند میں محمد عبدالرحمن قشیری ہیں جس کی ابو حاتم نے تکذیب کی ہے۔ ابوالفتح ازدی نے اسے ضعیف میں شمار کیا ہے۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوموسیٰ سے ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں مبشر بن فضل بجلی مجہول ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے ان سے اپنی سند میں روایت نقل کی ہے۔

امام ابو حنیفہ کا یہ قول ہے کہ لغت میں یہ زنا نہیں اسی وجہ سے صحابہ نے اس کے حکم میں اختلاف کیا۔ یہ زنا سے کم درجہ میں ہے کیونکہ اس میں جانین سے داعی موجود نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے یہ زنا کے حکم میں نہیں۔

جس نے یہ کہا کہ اسے حد کے طور پر قتل کیا جائے گا وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے تم قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو (۱) اسے امام احمد ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ حاکم بیہقی نے عکرمہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ حضرت ابن عباس کی یہ حدیث اسی سند سے معروف ہے۔ حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ امام بخاری نے کہا عمرو بن ابی عمر جو عکرمہ سے روایت کرتے ہیں وہ صدوق ہیں، لیکن انہوں نے عکرمہ سے منکر روایت کی ہیں۔ نسائی نے اسے منکر کہا اور کہا یہ قوی نہیں ہے۔ ابن معین نے کہا یہ ثقہ ہے۔ عکرمہ کی یہ حدیث جو وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں اسے منکر قرار دیا جاتا ہے۔ ایک جماعت نے اس کی تخریج کی۔ حاکم نے کئی اور سندوں سے اسے روایت کیا اور اس کے بارے میں رائے ظاہر کرنے سے سکوت اختیار کیا۔ امام ذہبی نے اس پر اعتراض کیا اور عبدالرحمن عمری ساقط الحدیث ہے۔ اسے ابن ماجہ اور حاکم نے ابو ہریرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند پہلی سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ حافظ نے بھی اسی طرح کہا اور کہا حضرت ابو ہریرہ کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسے بزار نے عاصم بن عمری کی سند سے روایت کیا جبکہ عاصم متروک ہے۔ ابن ماجہ نے اپنی سند سے اسے روایت کیا اور یہ الفاظ ذکر کئے کہ اوپر والے اور نیچے والے کو رجم کر دو۔ ابن صلاح نے احکام میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے لواطت کی وجہ سے کسی کو رجم کیا ہو اور نہ ہی اس بارے میں حکم دیا آپ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے یہ فرمایا فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

امام ابو حنیفہ نے کہا جب اس حدیث میں یہ تردد موجود ہے تو قتل کو حد تسلیم کرتے ہوئے قتل کا اقدام کرنا درست نہیں، جبکہ ہمارے نزدیک خبر واحد سے بھی کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں، اگرچہ خبر واحد صحیح ہو۔ کتاب اللہ سے اس مجرم کے بارے میں ایذا ثابت ہے اور وہ تعزیر ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیت کا لواطت کے بارے میں ہونا قطعی نہیں، بلکہ اکثر مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد زانی اور

زانیہ ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ لفظ عام ہے، اس وجہ سے یہ اسے بھی شامل ہوگی، اگرچہ یہ زنا کے متعلق ہی نازل ہوئی ہو کیونکہ فاحشہ کا اطلاق جس طرح زنا پر ہوتا ہے اسی طرح لواطت پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے بارے میں فرمایا **أَتَاكُمُونَ الظَّالِمِينَ**۔

اس باب میں صحابہ سے مختلف روایات ہیں۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابن ابی الدنیا کی سند سے محمد بن منکر سے نقل کیا ہے کہ خالد بن ولید نے حضرت ابو بکر صدیق کی طرف خط لکھا کہ عرب کے علاقہ میں ایک ایسا آدمی دیکھا ہے کہ اس سے اسی طرح جماع کیا جاتا ہے جس طرح عورت سے تو حضرت ابو بکر صدیق نے صحابہ کرام کو جمع کیا۔ آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا سب سے سخت قول حضرت علی شیر خدا کا تھا۔ فرمایا یہ ایسا گناہ ہے جس میں صرف ایک قوم نے نافرمانی کی۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ تم جانتے ہو۔ ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہم اسے آگ کے ساتھ جلا دیں تو صحابہ کرام کی رائے اس پر جمع ہوگئی۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بستی میں کوئی بڑی عمارت تلاش کی جائے، اسے وہاں سے الٹا کر دیا جائے پھر اس کے بعد اس پر پتھر برسائے جائیں۔ اس قول کا ماخذ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو اسی طرح ہلاک کیا گیا کہ ان کی بستیوں کو اٹھالیا گیا اور انہیں الٹ دیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب انہیں گرایا گیا تو عمارت بھی ان پر گریں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ان دونوں کو بدبودار جگہ میں قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مرجائیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی سندوں سے روایت کیا کہ انہوں نے ایک لواطت کرنے والے کو رجم کیا۔ ان اقوال ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث اور جو اس کے معنی میں روایات ہیں، ان میں یوں تطبیق کی جائے گی کہ ایک آدمی جب لواطت کا عادی ہو اس سے یہ فعل بار بار صادر ہو اور تعزیر سے بھی باز نہ آئے تو اسے کسی طریقے سے بھی قتل کیا جائے گا۔ تکرار اور عادت پر مرفوع حدیث کے یہ الفاظ **مَنْ وَجَدْتُمْ يَعْمَلُ دَلَالَتِ كَرْتِهِ**۔ حدیث میں یہ الفاظ نہیں من عمل قوم لوط امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نقطہ نظر ہے واللہ اعلم۔

۱۔ اگر وہ بدکاری سے باز آ جائیں اور وہ اپنے عمل کو درست کر لیں۔ تو ان دونوں سے اذیت کو ختم کر دو۔

۲۔ توبہ کا لغوی معنی رجوع کہنا ہے بندے کی طرف سے توبہ کا مطلب گناہ سے رجوع ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجوع کا مطلب عذاب کے ارادے سے رجوع ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا مطلب بندے کی توبہ کو قبول کرنا ہے یا بندے کو توبہ کی توفیق دینا ہے۔ رحیم یعنی وہ توبہ کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

**إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ**

**قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۱۴**

”توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ ان کی توبہ ہے جو کہ بیٹھے ہیں گناہ بے سمجھی سے۔ پھر توبہ کرتے ہیں

جلدی سے۔ پس یہی لوگ ہیں (نظر رحمت سے) توجہ فرماتا ہے اللہ ان پر۔ اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا

اور بڑی حکمت والا۔“

۱۔ بندے کو عذاب دینے کے ارادہ سے رجوع یا توبہ کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی وجہ سے یعنی ہے۔

۲۔ جو نا سمجھی سے برائی کر بیٹھیں۔ امام بغوی نے کہا قتادہ نے کہا تمام صحابہ کرام نے اس بات پر اجماع کیا کہ ہر معصیت جہالت ہے،



وہ ارادہ سے ہو یا بغیر ارادہ کے ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے (۱) ابن جریر نے ابو العالیہ سے اسی طرح بیان کیا۔ کلبی نے کہا وہ اس کے گناہ ہونے سے تو جاہل نہیں لیکن اس کی سزا سے ناواقفیت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ جہالت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے فانی لذت کو باقی رہنے والی لذت پر ترجیح دی (۲) میں کہتا ہوں جہالت کا معنی یہ ہے کہ نفس کے بھڑکنے اور شہوتِ بہیمیہ کے غلبہ کے وقت ان کا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے غافل ہونا ہے۔

من قریب میں من تبعیضیہ ہے، یعنی وہ قریبی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قریب کا معنی یہ ہے کہ قبل اس کے گناہ اس کی اچھائیوں کو گھیر لے اور ان کو ختم کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس سے پہلے ان کے دل میں اس کی محبت رچ بس جائے اور اس کے دل پر مہر لگا دی جائے اور رنگ اس کے دل پر غالب آ جائے۔ سدی اور کلبی نے کہا قریب کا معنی یہ ہے کہ وہ مرضِ موت سے قبل حالتِ صحت میں توبہ کرے، تاہم صحیح بات یہ ہے کہ موت کے آنے اور عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے وہ اپنی زندگی میں توبہ کرے۔ عکرمہ اور ضحاک نے یہی کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی اس پر دلالت کرتا ہے حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

حضور ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک اس کی سانس اکھڑ نہ جائے (۳) اسے امام احمد ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے، حدیث صحیح ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک شیطان نے کہا تیری عزت اور جلال کی قسم میں بنی آدم کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روح ہے۔ تو رب العالمین نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم جب تک وہ مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے میں انہیں بخشا رہوں گا۔ (۴) اسے امام احمد اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ دن کے وقت گناہ کر نیوالا توبہ کرے، وہ دن کو ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ رات کے وقت گناہ کرنے والا توبہ کر لے، یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے۔ (۵) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مغرب سے سورج طلوع ہونے سے پہلے توبہ کر لی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا (۶) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر کی مدت کو قریب فرمایا کیونکہ اس کے بعد والا عرصہ بہت طویل اور دور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے فرما دیجئے دنیا کی متاعِ قلیل ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ کرے اس کی خلاف ورزی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ پس یہ جملہ سابقہ جملہ کے لئے نتیجہ کے طور پر ہے۔

۵۔ جو اخلاص سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور توبہ کے بعد سزا نہیں دیتا۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ  
قَالَ إِنِّي تَبْتُ النَّارَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا ۗ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ  
عَذَابًا أَلِيمًا ۝

3- سنن ابن ماجہ، صفحہ 324 (وزارت تعلیم)

2- ایضاً

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 415 (التجاریہ)

6- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 346 (قدیمی)

5- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 358 (قدیمی)

4- مسند احمد، جلد 3، صفحہ 41 (دارصادر)

”اور نہیں یہ توبہ (جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے) ان لوگوں کے لئے جو کرتے رہے ہیں برائیاں (ساری عمر) یہاں تک کہ جب آجائے کسی ایک کو ان میں سے موت لے (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب ۱۰ اور نہ ان لوگوں کی توبہ جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں ۱۱ انہیں کے لئے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دردناک ۱۲۔“

۱۰ موت حاضر ہونے سے مراد نزع کا واقع ہونا اور عذاب کے فرشتوں کا دیکھنا۔

۱۱ جب اس کی روح نکالی جا رہی تھی تو وہ اس وقت توبہ کر لے کیونکہ اس وقت کافر کا ایمان اور نافرمان کی توبہ قبول نہیں ہوتی ۱۲ ولا الذین اس کا عطف للذین پر ہے۔ اس لئے یہ محل جر میں ہے، یعنی نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو حالت کفر میں مر جائیں وہم کفار یہ ترکیب کلام میں یہو تون کی ضمیر سے حال بن رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشا اور ان کو عذاب دینے کے ارادہ سے رجوع نہیں فرماتا یا آخرت میں ان کی توبہ قبول نہیں فرماتا جب وہ یہ کہتے ہیں رَبَّنَا ابْصُرْنَا ..... اِنَّا مُؤْمِنُونَ۔ یا اس کا معنی یہ ہے جب وہ لوگ کفر پر مریں گے تو دنیا میں بعض گناہوں سے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی بلکہ ان کے کفر اور تمام گناہوں پر انہیں عذاب دیا جائے گا ۱۳ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اعتدنا یہ عتید سے مشتق ہے جس کا معنی حاضر ہے۔ یہ کلام ماقبل کلام کے لئے تاکید ہے یعنی ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

امام بخاری ابو داؤد اور نسائی نے ابن عباس سے روایت کی جب کوئی آدمی فوت ہوتا تو اس کے قریبی عزیز اس کی بیوی کے بھی حقدار سمجھے جاتے، اگر ان میں سے کوئی اس سے شادی کرنا چاہتا تو وہ اس سے شادی کر لیتا اور اگر چاہتا تو کسی اور سے شادی کر دیتا۔ مرد کے عزیز و اقارب عورت کے عزیز و اقارب سے زیادہ حقدار سمجھے جاتے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِيَتَذَهَبُوا  
بِبَعْضِ مَا كَتَبْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ  
فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ①

”اے ایمان والو! نہیں حلال تمہارے لئے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی ۱ اور نہ روکے رکھو انہیں ۲ تاکہ لے جاؤ کچھ حصہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے انہیں ۳ بجز اس صورت کے کہ ارتکاب کریں کھلی بدکاری کا ۴ اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے ۵ پھر اگر تم ناپسند کرو انہیں ۶ تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لئے) خیر کثیرے“

۱ تم ان عورتوں کو بھی لے لو جس طرح تم ان کا مال لیتے ہو، وہ نہ چاہتی ہوں تب بھی تم ان سے شادی کر لو۔ حمزہ اور کسائی نے اسے کھو پڑھا ہے۔ اسی طرح سورہ توبہ میں بھی کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسائی نے کہا اس کی یہ دونوں لغتیں ہیں۔ قراء نے کہا جب اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی یہ ہوگا کسی دوسرے کو مجبور کیا جائے اور جب اسے فتح کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی ہوگا کہ جب وہ بادل ناخواستہ کام کرے۔

امام بغوی نے کہا دور جاہلیت میں جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا اور اس کی بیوی ہوتی، کسی دوسری بیوی سے اس کا بیٹا آتا یا میت کا

کوئی اور قرہبی رشتہ دار آتا۔ اپنا کپڑا اس عورت پر یا اس کے خیمہ پر ڈال دیتا تو وہ اس عورت کا زیادہ حقدار ہوتا۔ اگر چاہتا تو میت نے اس عورت کو جو مہر دیا ہوتا اسی پر اس سے شادی کر لیتا، اگر چاہتا تو کسی اور سے اس کی شادی کر دیتا اور مہر خود وصول کر لیتا، اگر چاہتا تو اسے شادی کرنے سے روک دیتا۔ یہ تکلیف اس لئے دیتا تا کہ میت کے ترکہ میں سے اسے جو ورثہ ملا ہے وہ اسے بطور فدیہ دے دے (۱) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے یہی نقل کیا ہے فرمایا لوگوں کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ بغوی نے یہ زیادہ کیا ہے اگر وہ عورت مر جاتی تو جس نے اس پر کپڑا پھینکا ہوتا وہ اس کا وارث ہوتا اور اگر کپڑا ڈالنے سے پہلے وہ اپنے رشتے داروں کے پاس چلی جاتی تو وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے کی مستحق ہوتی۔ یہ لوگ دور جاہلیت کے اسی دستور پر قائم تھے کہ ابو قیس بن اسلت انصاری فوت ہو گئے۔ انہوں نے اپنی بیوی کبیشہ بنت معن انصاریہ پیچھے چھوڑی۔ اس کا سوتیلا بیٹا اٹھائیس حصن کہا جاتا۔ ابن حبان نے کہا اس کا نام قیس بن ابی قیس تھا۔ اس نے اپنا کپڑا کبیشہ پر ڈالا۔ اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس سے حقوق زوجیت ادا نہ کرتا، نہ ہی اسے خرچہ دیتا۔ یہ تکلیف اس لئے دیتا تا کہ کبیشہ وراثت کا حصہ اسے دے دے۔ کبیشہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کی یا رسول اللہ کہ اس کا خاوند ابو قیس فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا میرے نکاح کا وارث بنا۔ وہ مجھ پر خرچ کرتا ہے نہ حقوق زوجیت ادا کرتا ہے۔ اور نہ ہی مجھے آزاد کرتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا تو اپنے گھر میں بیٹھ جا، یہاں تک کہ تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (۲)

۲۔ ولا تعضلوہن اس کا عطف ان ترثوا پر ہے۔ یہ اس کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور لافنی کی تاکید کے لئے ہے۔ عضل کا اصل معنی تنگ کرنا ہے۔ یہاں اس کا معنی ہوگا تم انہیں شادی کرنے سے نہ روکو۔

۳۔ یہاں بعض ما سے مراد مہر ہے۔ خطاب مومنوں کو ہے اور عام ہے لہذا ہوا کی ضمیر مخاطبین کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی میت کے بعض وارث مراد ہیں اور ایتھموہن میں تم ضمیر سے مراد فوت ہو جانے والے خاوند مراد ہیں۔ اب اس کا معنی یہ ہوگا اے میت کے وارثو تم ان عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ یہ عورتیں تمہیں فدیہ دیں اور تم وہ مال لے لو جو انہیں فوت ہونے والے خاوندوں نے بطور مہر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ خطاب دونوں صورتوں میں خاوندوں کو ہے جو بغیر ضرورت اور بغیر دلی رغبت کے انہیں اپنے عقد میں روک رکھتے تھے تا کہ ان کے وارث بن جائیں یا وہ اپنے مہر واپس کر کے ان مہروں سے خلع لے لیں۔

میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ لا یحل لکم میں خطاب وارثوں کو ہے اور کما کلام مکمل ہو جاتی ہے اور یہ نئی کلام ہے جس میں خاوندوں سے خطاب کیا جا رہا ہے اور لا تعضلوہن یہ نئی کا صیغہ ہے اور مجزوم ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس کا قول ہے یہ اس آدمی کے بارے میں خطاب ہے جس کی ایک بیوی ہے، جس کی صحبت کو یہ پسند نہیں کرتا، ساتھ ہی ساتھ عورت کا مہر خاوند کے ذمہ ہے۔ خاوند اسے اس لئے تکلیف دیتا ہے تا کہ عورت اسے فدیہ دے اور جو مہر اس نے لیا ہے وہ خاوند کو واپس کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر سے اسے معاف کر دیا۔ اس تعبیر کی بناء پر لا تعضلوہن کا عطف لا یحل لکم پر ہوگا۔ یہ جملہ کا جملہ پر عطف ہو گا، مفرد کا مفرد پر عطف نہیں ہوگا۔

اعتراض:- اگر یہ قول کیا جائے کہ اس صورت میں جملہ انشائیہ کا جملہ خبریہ پر عطف لازم آتا ہے۔

جواب:- ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ لا یحل لکم اگرچہ لفظاً جملہ خبریہ ہے، تاہم معنی میں انشائیہ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ

مردوں کو عورتوں کی وراثت لینے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک ایسے جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف جن کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو وہ خبریہ و انشائیہ میں اختلاف کے باوجود جائز ہے۔

ابن کثیر اور ابو بکر نے یہاں سورہ احزاب اور طلاق میں مبینہ کو اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے۔ مستثنیٰ ظرف ہونے کی وجہ سے مفعول نہ ہونے کی وجہ سے یا حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ ذوالحال لا تعضلوہن کا مفعول ہے۔ تینوں تعبیروں کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا بطور ظرف تم فدیہ لینے کے لئے کسی وقت بھی انہیں تنگ نہ کرو مگر ایسے وقت میں کہ وہ برائی کریں۔ مفعول نہ ہونے کی صورت میں تم فدیہ لینے کے لئے کسی سبب کے ساتھ بھی انہیں تنگ نہ کرو، مگر اس سبب سے کہ وہ برائی کریں۔ حال ہونے کی صورت میں تم فدیہ لینے کے لئے انہیں کسی حال میں بھی تنگ نہ کرو مگر اس حال میں کہ وہ بدکاری کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور قتادہ نے کہا کہ فاحشہ سے مراد نافرمانی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا اس کا معنی زنا ہے (۱)۔ یعنی جب عورت نافرمانی کرے یا بدکاری کرے تو خاوند کے لئے جائز ہے کہ اس کے ساتھ خلع کی بات چیت کرے۔ ہم نے خلع کے مسائل سورہ بقرہ میں بیان کر دیئے ہیں۔ عطاء نے کہا جب عورت بدکاری کا ارتکاب کرتی تو جو مہر اس نے دیا ہوتا وہ واپس لے لیتا اور اسے گھر سے نکال دیتا پھر حدود کے احکام کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا گیا۔

یہ معروف کا معنی حقوق کی ادائیگی میں انصاف اور گفتگو میں احسان ہے۔ اس کا عطف لا تعضلوہن پر ہے یا لا یحل لکم پر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا یہ کلام کے پہلے حصہ کے ساتھ متعلق ہے، یعنی تم عورتوں کو خوشی خوشی مہر دو اور ان سے اچھا سلوک کرو۔ لا اس کی بری شکل اور برے اخلاق کی وجہ سے تم انہیں ناپسند کرو تو تم صبر کرو ان سے جدائی اختیار نہ کرو اور نہ ہی انہیں تکلیف دو۔ بے فیہ خیر اکثر افیہ میں ضمیر سے مراد ذلک الشیء ہے اور خیر کثیر سے مراد بڑا ثواب اور نیک لڑکا مراد ہے۔ عسی والا جملہ اصل میں شرط کی جزاء کی علت ہے، تاہم اسے جزاء کے قائم مقام رکھا گیا اور عسی کا فاعل معطوف علیہ اور معطوف دونوں ہیں اور امید کا متعلق حرف معطوف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ناپسندیدگی کی صورت میں بھی خیر کی امید رکھنی چاہئے۔

وَ اِنْ اَرَادْتُمْ اَسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ لَّوَاتَيْتُمْ اِحْدٰہُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْہُمْ شَیْئًا اَتَاْخُذُوْنَہُ بُہْتَانًا وَاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝۱۰

”اور اگر تم ارادہ کر لو کہ بدلوا ایک بیوی کو پہلی بیوی کی جگہ لے اور دے چکے ہو تم اسے ۲ ڈھیروں مال سے تو نہ لو اس مال

سے کوئی چیز سے کیا تم لینا چاہتے ہو اپنا مال (زمانہ جاہلیت کی طرح) بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے لے“

لے تم نافرمانی اور فاحشہ کے ارتکاب سے پہلے کسی بیوی کو طلاق دینا چاہو اور کسی دوسری عورت سے شادی کرنا چاہو۔

۲۔ ہن ضمیر زوج کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ جمع کا ارادہ کیا کیونکہ زوج جنس ہے جو واحد اور جمع پر بولا جاتا ہے۔ اگر جمع کا ارادہ نہ کیا جائے تو مردوں کی جماعت سے مقابلہ درست نہ ہوگا اور اتیتم میں مضاف حذف ہے۔ تقدیر کلام کا معنی ہوگا جس عورت کو تم میں سے کسی نے دیا ہو۔

۳۔ یعنی کثیر مال بطور مہر۔ ابن جریر نے حضرت انس سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قنطار سے مراد ایک ہزار دو

سو ہے (۱) اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے ایک عورت نے اس وقت زیادہ مہر لینے کو جائز کہا تھا، جب حضرت عمر نے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع کیا۔ حضرت عمر نے عورت کا استدلال سن کر فرمایا تمام لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں، یہاں تک کہ باپردہ عورتیں بھی، تاہم بالا جماع یہ مستحب ہے کہ مہر زیادہ نہ مقرر کیا کرو کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ کی چیز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود یا اپنی بیٹی کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کیا ہو۔ اسے امام احمد، چاروں سنن کے مصنفین اور دارمی نے روایت کیا۔ ابن حبان نے اپنی صحیح اور خطابی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین عورت وہ ہے جس کا مہر کم ہو۔ ابن حبان نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی برکت میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے نفقہ کا معاملہ آسان اور مہر کم ہو۔ امام احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے عورتوں میں سے سب سے بابرکت وہ ہے جس کا مہر سب سے کم ہو۔ اس کی سند عمدہ ہے حضرت ابوسلمہ سے مروی ہے، کہا میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے کتنا مہر مقرر تھا؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا آپ کی تمام ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور نش تھا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کیا تو جانتا ہے نش کیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا اوقیہ کا نصف (2) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ یہ کل پانچ سو درہم تھا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے آپ کی بیویوں کا مہر تھا۔ لیکن ام حبیبہ اس حکم میں داخل نہیں۔ انہیں نجاشی نے چار ہزار درہم مہر حضور ﷺ کی طرف سے دیا تھا۔ اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ ابن اسحاق نے ابو جعفر سے نقل کیا ہے کہ نجاشی نے حضور ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر دیا تھا۔ خلاصہ میر میں ہے کہ حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح میں حضور ﷺ نے آپ کو بارہ اوقیہ سونا بطور مہر پیش کیا تھا۔ سیرنے کا اوقیہ سات مثقال کا ہوتا ہے۔ امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ جویریہ ثابت بن شماس اور ان کے چچا زاد کے حصے میں آئیں۔ حضرت ثابت نے مدینہ طیبہ میں باغات کے عوض اپنی ملک میں لے لیا، پھر جویریہ سے عقد مکاتبہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت کو مکاتبہ کا مال عطا فرمایا اور جویریہ کو عقد نکاح میں لے لیا۔ یہی مال مکاتبہ ان کا مہر بنا۔ سہیل الرشاد میں ہے کہ ثابت بن قیس اور ان کے چچا زاد بھائی نے جویریہ سے نو اوقیہ سونے پر عقد مکاتبہ کیا تھا۔

یہ میں ہضمیر سے مراد قنطار ہے۔

۱۰۰ آتَا خُدُونَهُ يَه اسْتَفْهَام انْكَار اور تَوْبِيخ کے لئے ہے۔

۱۱ بُهْتَانًا وَاِشْمًا مَبِينًا یہ دونوں حال کی وجہ سے منصوب ہیں اور مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ معنی یہ ہوگا کیا تم بہتان لگاتے ہوئے اور گناہ کھاتے ہوئے مال لیتے ہو یا بہتان کے سبب اور گناہ کے ارتکاب کے سبب تم مال لیتے ہو بہتان باطل قول کو کہتے ہیں۔ بعض اوقات فعل کو بھی باطل کہہ دیتے ہیں۔ یہاں فعل ہی مراد ہے۔ اس وجہ سے یہاں بہتان کی تفسیر ظلم سے کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جب کوئی آدمی نئی عورت سے شادی کرنا چاہتا تو پہلی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگاتا۔ یہاں تک کہ اسے فدیہ دینے پر مجبور کر دیتا۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا

## غَلِيظًا

”اور کیوں کر (واپس) لیتے ہو تم مال کو۔ حالانکہ اس جمل پتے ہو تم (تنبہائی میں) ایک دوسرے سے اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ“

۱۔ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَہَ یہ استفہام بھی انکار ہے کہ مہر کے معین ہونے اور ادائیگی کے واجب ہونے سے بعد تم واپسی کا مطالبہ کیسے کر سکتے ہو۔

۲۔ وَقَدْ أَقْضَىٰ میں واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ حال بن رہا ہے، یعنی اس حال میں کہ تم ان سے حقوق زوجیت ادا کر چکے ہو۔ امام شافعی نے فرمایا یعنی تم ان سے دخول کر چکے ہو کیونکہ آپ کے نزدیک افضاء جماع سے کنایہ ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی کے ظاہر قول میں خلوت صحیحہ کی صورت میں وطی کے بغیر مہر ثابت نہیں ہوتا، اگر خاوند نے اس خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دے دی، جس خلوت میں وطی کے بغیر مہر ثابت نہیں ہوتا، اگر خاوند نے اس خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دیدی، جس خلوت میں کوئی طبعی اور شرعی مانع موجود نہ تھا تو آپ کے نزدیک خاوند پر نصف مہر واجب ہوگا۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک خلوت صحیحہ کی صورت میں مہر لازم ہو جاتا ہے، اگرچہ اس نے وطی نہ کی ہو افضاء کا معنی فضاء میں داخل ہونا ہے اور لغت میں فضاء سے مراد صحراء ہے یہاں اس سے مراد خالی جگہ ہے۔

امام مالک نے فرمایا اگر اس نے خلوت کی اور خلوت کی مدت طویل ہوگئی تو مہر ثابت ہو جائے گا، اگرچہ اس نے وطی نہ کی ہو۔ ابن قاسم نے خلوت کی حد ایک سال بیان کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلوت صحیحہ کے بعد وطی سے قبل طلاق کی صورت میں نصف مہر کے وجوب کا استدلال اس آیت کریمہ سے کیا ہے وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْسُوهُنَّ... اگر تم انہیں چھوٹنے سے قبل طلاق دے دو جبکہ تم نے ان کا مہر متعین کیا تھا جو تم نے مہر معین کیا اس کا نصف ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْسُوهُنَّ میں مجاز قطعی ہے کیونکہ مس کا حقیقی معنی جماع نہیں۔ یہ جو قول کیا گیا ہے کہ یہ جماع کے معنی میں ہے کہ تسمية الاخص باسم الاعم یعنی خاص کو عام کا نام دینا، یہ اس قول سے اولی نہیں کہ یہ خلوت سے مجاز ہے کیونکہ خلوت مس کا سبب ہے مس خلوت کی غایت ہے۔ پس یہ تسمية السبب باسم المسبب بنا یعنی سبب کو مسبب کا نام دے دیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ صدر اول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خلوت کی صورت میں پورا مہر واجب ہوگا، خواہ اس نے وطی کی یا نہ کی شیخ ابو بکر راضی نے احکام میں اسی طرح نقل کیا۔ امام طحاوی نے اس میں اجماع صحابہ نقل کیا ہے۔ ابن منذر نے کہا یہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت جابرؓ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے۔

امام بیہقی نے احنف سے انہوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ دونوں نے کہا جب خاوند نے دروازہ بند کر لیا اور پردہ لٹکا دیا تو عورت کو کامل طے گا اس پر عدت لازم ہوگی۔ اس کی سند میں انقطاع ہے۔

موطا امام مالک میں یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ وہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب پردے لٹکا دیئے گئے تو مہر واجب ہو گیا۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنفہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسی کی مثل کہا۔ دارقطنی

نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا کہ جب خاوند نے دروازہ بند کر دیا اور پردہ لٹکا دیا مرد نے عورت کی شرمگاہ دیکھ لی تو اس پر مہر واجب ہو جائے گا۔ ابو عبید نے کتاب النکاح میں زراہ بن اونی سے روایت نقل کی ہے کہ خلفاء راشدین نے یہ فیصلہ کیا جب مرد نے دروازہ بند کر دیا اور پردہ لٹکا دیا تو مہر اور عدت واجب ہو جائے گی۔

دارقطنی نے اس باب میں ایک مرفوع حدیث محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان سے مرسل روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عورت کی اوڑھنی ہٹا دی اور اسے دیکھ لیا تو مہر واجب ہو جائے گا، اس نے وطی کی یا نہ کی۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف ہے، لیکن ابن جوزی نے کہا کہ ابن لہیعہ سے علماء نے احادیث روایت کی ہیں۔ ابوداؤد نے ابن ثوبان سے مراسیل میں ذکر کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔ حضرات ابن مسعود اور ابن عباس سے امام شافعی کے مذہب کی طرح روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ امام بیہقی نے امام شععی سے، وہ حضرت ابن مسعود سے اس آدمی کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ جس نے عورت سے خلوت کی لیکن وطی نہ کی، اس عورت کے لئے نصف مہر ہے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ امام شافعی نے ابن عباس سے اس کی مثل روایت کی ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ابی شیبہ نے انہیں سے ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

یعنی مضبوط وعدہ لیا اس جملے کا عطف الفیضی پر ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن سیرین، ضحاک اور قتادہ نے کہا یہ ولی کا وہ قول ہے جو وہ عقد نکاح کے وقت کرتا ہے کہ میں نے اسے تیرے عقد نکاح میں دیا۔ ان شرائط کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے مردوں پر عورتوں کے حق میں لازم کی ہیں کہ تم اچھے طریقے سے اپنے پاس رکھو گے یا انہیں آزاد کرو گے۔ امام شععی اور عمرہ نے کہا اس سے مراد وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا کہ تم عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی امان کے ساتھ عقد میں لیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے اوپر حلال کیا۔ اسے امام مسلم نے حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا اور ابن جریر نے ابن عمر کی حدیث سے اسی کی مثل روایت کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حق میں تم پر کچھ پابندیاں لگائی ہیں گویا عورتوں نے تم سے پختہ وعدہ لیا ہے۔

ابن ابی سعد نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے جب کوئی آدمی بیوی کو چھوڑ کر فوت ہوتا تو اس کا بیٹا اس عورت کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا، اگر چاہتا تو خود نکاح کر لیتا، اگر چاہتا تو کسی اور سے نکاح کر دیتا جب ابوقیس بن سلمہ فوت ہوا، اس کا بیٹا محسن اٹھا اور اس کی بیوی کے نکاح کا وارث بن گیا اور ترکہ میں سے اس کو کچھ بھی نہ دیا۔ وہ بیوہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئی اور آپ کی خدمت میں گزارش کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا واپس لوٹ جا۔ شاید اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے۔ اسے ابن ابی حاتم، فریانی اور طبرانی نے عدی بن ثابت سے، انہوں نے ایک انصاری سے اسی کی مثل روایت کی ہے کہ ابوقیس بن سلمہ فوت ہوا یہ انصاری سے ایک صالح آدمی تھا تو اس کے بیٹے نے اس کی بیوہ کو پیغام نکاح دیا۔ اس بیوہ نے کہا میں تجھے بیٹا شمار کرتی ہوں اور تو اپنی قوم کے صالح لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ بیوہ عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور معاملہ پیش کیا۔ حضور نے فرمایا تو اپنے گھر لوٹ جا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۗ وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۳۱﴾

”اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا۔ مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سو وہ معاف ہے) ۲۔ بے شک یہ فعل بہت بے حیائی ہے اور نفرت کا فعل تھا ہے اور بہت برا طریقہ تھا ہے“

۱۔ مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ فِي مَا مَوْصُولَهُ بِهِيَ یعنی ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا یہاں ما کا ذکر کیا من کا ذکر نہیں اس سے صفت مراد ہے ذات مراد نہیں ایک قول یہ کیا گیا کہ ما مصدر یہ ہے اور مفعول کے معنی میں ہے۔ من النساء دونوں صورتوں میں ما کا بیان ہے یہ ظاہر ہونے کے باوجود کہ آباء کی منکوحات عورتیں ہی ہوں گی۔ اس بیان کا فائدہ تعمیم ہے (عمومیت کا اظہار) ۲۔ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ میں ظاہر ہے کہ یہاں مستثنیٰ منقطع ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ مگر جو گذر چکا کیونکہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ استثناء اس معنی سے ہے جو نبی کو لازم ہے۔ گویا یہ کہا گیا جن عورتوں سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ان کے ساتھ نکاح کرنے سے تمہیں عذاب دیا جائے گا مگر جو گزر چکا۔

۳۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبیح ترین صورت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کسی امت کو بھی رخصت نہیں دی۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ اور صاحب مروت لوگوں کے نزدیک سخت ناپسندیدہ جو بچہ باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کی وجہ سے پیدا ہو جاتا۔ عرب اسے مقیت کہتے۔ انہیں میں سے اشعث بن قیس اور ابو معیط عمرو بن امیہ بھی تھے۔ مقیت کا معنی سخت بغض ہے۔ ۵۔ جو اس راہ پر چلتا ہے وہ سخت برے راہ پر چلتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میرا ماموں میرے پاس سے گزرا اور اس کے ساتھ جھنڈا بھی تھا۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟ کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کی، میں اس کا سر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کروں (۱) اسے امام ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ انہیں کی ایک روایت نسائی ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اور اس کا مال چھین لوں۔ اس روایت میں ماموں کی جگہ بچا کے الفاظ ہیں۔

فائدہ:- یہاں آباء سے مراد عموم مجاز کی بنا پر بالا جماع اصول ہیں، یہاں تک کہ دادا کی منکوحہ بھی حرام ہے، اگرچہ وہ کتنا ہی اوپر چلا جائے، خواہ وہ دادا باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نکاح کا حقیقی معنی وطی کرنا ہے۔ ابن جوزی نے تحقیق میں یہی کہا ہے۔ اس آیت میں استدلال کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آباء و اجداد کی موطوءہ عورتوں سے وطی نہ کرو، خواہ وہ نکاح صحیح کی وجہ سے موطوءہ ہوں یا نکاح فاسدہ سے ملک یمین کی وجہ سے موطوءہ ہوں یا شبہ کی وجہ سے یا زنا کی وجہ سے موطوءہ ہوں۔ قاموس میں ہے نکاح کا معنی وطی کرنا اور وطی کے لئے عقد کرنا ہے۔ یہ عبارت اشتراک کا فائدہ دیتی ہے۔ صحاح میں ہے نکاح کا اصل معنی عقد کرنا ہے، پھر جماع کے لئے مجاز استعمال ہوا۔ یہ محال ہے کہ اصل میں یہ جماع کے لئے ہو اور مجاز کے طور پر عقد کے لئے استعمال ہو کیونکہ جماع کے تمام نام کنایات سے ہیں، جس طرح یہ عمل کرنا قبیح ہے۔ اسی طرح اس کا ذکر بھی قبیح ہے اس لئے یہ بھی محال ہے کہ فحش لفظ بول کر غیر فحش معنی مراد لیا جائے وَآفِكُمْ وَالْآيَامِي مِنْكُمْ

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد عقد نکاح ہے، جماع نہیں کیونکہ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ باپ کی



منسوخہ جس پر عقد نکاح واقع ہو اور اس نے اس سے وطی نہ کی ہو وہ بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں اور زنا کی وجہ سے حرمت مصاہرت کا ثبوت مختلف فرم ہے۔ آیت کو ایسے معنی پر محمول کرنا جو متفق علیہ معنی ثابت کرے اس سے زیادہ بہتر ہوتا ہے کہ غیر متفق علیہ معنی ثابت کیا جائے۔

اعتراض :- اگر کوئی یہ کہے جب آیت میں نکاح سے مراد عقد ہے تو ملک یمین کی وجہ سے باپ کی موطوءہ کی حرمت کا قول کیوں کیا گیا جبکہ اس عورت کی حرمت بھی متفق علیہ ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں اس عورت کی حرمت کی وجہ والدہ النص ہے کیونکہ عقد نکاح کا مقصود وطی ہی ہوا کرتا ہے اور وطی جزئیت کا سبب ہے۔ جب نکاح جو حلال وطی کا سبب ہے اور وہ حرمت مصاہرت کے ثابت کرنے کا سبب ہے تو حلال وطی بطریق اولیٰ اس کو ثابت کرے گی۔

مسئلہ :- امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک بدکاری حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرے گی جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک زنا حرمت مصاہرت کو ثابت کرے گا۔ یہ امام مالک سے بھی ایک روایت ہے۔ امام احمد نے اس پر ایک اضافہ یہ کیا جب کوئی مرد کسی عورت سے بد فعلی کرتا ہے یا کسی مرد سے بد فعلی کرتا ہے تو وطی کرنے والے پر مفعول بہ کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی، خواہ مفعول بہ مرد ہو یا عورت ہو۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس آیت سے حرمت مصاہرت ثابت کرنا ضعیف ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ حلال وطی پر قیاس کیا جائے کیونکہ حرمت کے ثبوت کی علت وہ وطی ہے جو ولد کا سبب ہے۔ حلت کا وصف (۱) شرعاً لغو ہے کیونکہ مشترک لونڈی بیٹے کی لونڈی مکاتبہ جس عورت سے ظہار کیا ہوا ہو مجوسیہ لونڈی حائضہ نفاس والی عورت احرام باندھنے والی عورت اور روزہ دار کی وطی سب حرام ہیں، جبکہ بالا جماع ان تمام سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اصل میں معتبر وطی ہے خواہ حلال ہو یا حرام۔

ابن ہمام نے کہا ہمارے اصحاب نے اس ضمن میں کئی احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے دور جاہلیت میں ایک عورت سے بدکاری کی کیا میں اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہوں؟ فرمایا میں اس کو جائز نہیں سمجھتا، یہ درست نہیں کہ ایک عورت کے جن مخفی حصوں پر تو مطلع ہوا اس کی بیٹی کے ان حصوں پر بھی تو مطلع ہو یہ روایت مرسل ہے اور منقطع ہے۔ اس کی سند میں ابو بکر عبد الرحمن بن بنت حکیم ہے۔ ابن وہب کی سند سے جو وہ ایوب سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جو کسی عورت سے شادی کرے وہ اسے صرف ہاتھ سے دبائے، اس سے زیادہ کچھ نہ کرے وہ اس کی بیٹی سے شادی نہ کرے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ ہمارے نزدیک مرسل قدح کا باعث نہیں جبکہ راوی ثقہ ہوں کلام اپنے انتہام کو پہنچی۔

امام شافعی نے دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حرام حلال کو فاسد نہیں کرتا، اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس سند میں عثمان بن عبد الرحمن وقاصی ہیں یحییٰ بن معین نے کہا وہ کچھ بھی نہیں، وہ جھوٹ بولتا تھا۔ ابن معین نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

(۱) حلال وطی یا حرام وطی کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام بخاری، امام نسائی، امام رازی اور ابو داؤد نے کہا وہ کچھ بھی نہیں۔ دارقطنی نے کہا وہ متروک ہے۔ ابن حبان نے کہا وہ ثقہ لوگوں سے موضوعات روایت کرتا تھا۔ اس کی روایت سے استدلال کرنا درست نہیں۔ دوسری حدیث عبد اللہ بن عمر کی حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ کی طرح ہے۔ اسے دارقطنی نے اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس میں عبد اللہ بن عمر جو عبید اللہ کے بھائی ہیں۔ ابن حبان نے کہا اس کی غلطیاں فحش ہیں۔ پس یہ اس بات کا مستحق ہو گیا کہ اس کی روایت ترک کی جائے۔ اسی سند میں اسحاق بن محمد عروہی ہے۔ یحییٰ نے کہا یہ کوئی چیز نہیں، یہ کذاب ہے۔ امام بخاری نے کہا لوگوں نے اس کی روایات کو ترک کر دیا۔

مسئلہ :- وہ عورت جس سے بدکاری کی گئی اس کے بیٹے پر زانی باپ کی منکوحہ حرام ہے جس طرح مزنیہ کی بیٹی زانی باپ پر حرام ہے کیونکہ لغت کے اعتبار سے یہ اس کا بیٹا اور بیٹی ہیں۔ جب تک منقول ثابت نہ ہو خطاب لغت کے اعتبار سے ہوتا ہے، جس طرح لفظ صلوة وغیرہ، یہ منقول شرعی ہیں۔ اسی طرح جب ایک مرد نے اپنی بیوی سے بچے یا بیٹی کے نسب کی نفی کرتے ہوئے لعان کیا، قاضی نے دونوں کا نسب باپ سے ختم کر دیا اور اسے ماں کے ساتھ شامل کر دیا تو لعان کرنے والی عورت کے بیٹے کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ لعان کرنے والے مرد کی منکوحہ کے ساتھ شادی کرے، نہ ہی ملاعن (ا) کے لئے یہ جائز ہے کہ ملاعن (ب) کی بیٹی سے نکاح کرے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ملاعن اپنے آپ کو جھٹلا دے اور ان کے بارے میں نسب کا دعویٰ کر دے۔ پس ان دونوں کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔

مسئلہ :- مرد نے عورت کو یا عورت نے مرد کو شہوت کے ساتھ چھوا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک مصاہرت کے ثبوت میں اس کا وہی حکم ہو گا جو وطی کا ہے۔ اسی طرح مرد کا عورت کی فرج داخل کو دیکھنا اور عورت کا مرد کے آلہ تناسل کو شہوت کے ساتھ دیکھنا حرمت مصاہرت کو ثابت کر دیتا ہے۔ اگر مرد نے عورت کو چوما تو اسے انزال ہو گیا یا عورت کی شرمگاہ کو دیکھا تو اسے انزال ہو گیا یا عورت کی دبر میں دخول کیا تو اسے انزال ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مصاہرت کو ثابت کرتا ہے جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کے نزدیک مصاہرت کو واجب نہیں کرتا۔ جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک چھونا اور دیکھنا حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ چھونا اور دیکھنا دونوں ایسے سبب ہیں جو وطی کے داعی ہیں، تو محل احتیاط میں یہ دونوں وطی کے قائم مقام ہیں۔ جب اسے انزال ہو جائے تو پھر یہ دونوں وطی کے داعی نہیں رہتے۔ شہوت کے ساتھ چھونے کا مطلب یہ ہے کہ آلہ تناسل منتشر ہو جائے یا اس کے انتشار میں اضافہ ہو جائے۔

حُرْمَتُ عَلَیْكُمْ اُمَّهَاتِكُمْ وَبَنَاتِكُمْ وَاَخَوَاتِكُمْ وَعَمَّاتِكُمْ وَخَالَاتِكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ  
الْاُخْتِ وَ اُمَّهَاتُكُمُ الَّتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُم مِّن الرِّضَاعَةِ وَاُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَ  
رَبَابِیْكُمُ الَّتِیْ فِی حُجُورِكُمْ مِّن نِّسَائِكُمُ الَّتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُونُوا  
دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ وَاَحْلَالُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ

## تَجْعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۳

”حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں ۱ اور تمہاری بیٹیاں ۲ اور تمہاری بہنیں ۳ اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں ۴ اور بھتیجیاں اور بھانجیاں ۵ اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بہنیں رضاعت سے ۶ اور مائیں تمہاری بیویوں کی ۷ اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں ۸ جو تمہاری گودوں میں (پرورش پا رہی) ہیں ۹ ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو ۱۰ اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) ۱۱ اور (حرام کی گئیں) بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں ۱۲ (اور یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کر دو بہنوں کو ۱۳ مگر جو گزر چکا ہو (سو وہ معاف ہے) ۱۴ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ۱۵“

۱۔ امہات سے عموم مجاز کی بناء پر اصول مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ لغت میں ام کا معنی اصل ہے۔ قاموس میں ہے تمام چیزوں کی ام اس کی اصل ہے۔ اسی سے ام القرئی مکہ مکرمہ کو ام الکتاب سورۃ الفاتحہ یا لوح محفوظ کو کہتے ہیں۔ پس یہ لفظ ماں اور باپ دونوں طرف سے تمام جدات کو شامل ہوگا، خواہ وہ کتنی ہی اوپر چلی جائیں۔

۲۔ تمہاری بیٹیاں۔ یہ لفظ تمام نسل کو عموم مجاز کی بناء پر شامل ہوگا۔ پس یہ لفظ پوتیوں اور نواسیوں کو شامل ہوگا، خواہ کتنی ہی دور ہوں۔  
۳۔ تمہاری بہنیں علاتی ہوں یا خیانی ہوں یا حقیقی ہوں

۴۔ تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں، یہ باپ کی تمام بہنوں اور ماں کی تمام قسم کی بہنوں کو شامل ہے۔ بالا جماع انہیں کے ساتھ باپ اور ماں کی پھوپھیاں اور خالائیں دادا اور دادی کی پھوپھیاں اور خالائیں شامل ہوں گی، خواہ وہ کتنی ہی اوپر چلی جائیں، وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے، وہ باپ کی بہنیں ہوں یا ماں کی دادا کی بہنیں ہوں یا دادی کی حقیقی ہوں یا ماں باپ میں سے ایک کی طرف سے۔ گویا عموم مجاز کی بناء پر فرع قریب اصل بعید کے لئے حرام ہے۔ لیکن اصل بعید کی فرع بعید بالا جماع حلال ہے، جس طرح چچا پھوپھی ناموں اور خالہ کی بیٹی حلال ہے۔

۵۔ بھائی اور بہن کی بیٹیاں ان کی پوتیاں اور نواسیاں، اگر چہ وہ دور چلی جائیں، خواہ بہن بھائی حقیقی ہوں یا علاتی یا خیانی۔ اللہ تعالیٰ نے نسب کی وجہ سے سات محرمات کا ذکر فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار قسم کی عورتیں حرام ہیں۔ (۱۔ اصل۔ ۲۔ فرع۔ ۳۔ اصل قریب کی فرع، اگر چہ وہ دور چلی جائے۔ ۴۔ اصل بعید کی فرع قریب۔ اس سے بھی مختصر یوں کہا جاسکتا ہے کہ دو ایسے افراد میں نکاح حرام ہوگا کہ ان دونوں کے درمیان ولادت کا رشتہ ہو یا ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے والدین کی فرع ہو۔

۶۔ اسی طرح رضاعی پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں بالا جماع حرام ہیں، جن کا نسبی رشتہ کے اعتبار سے حرام ہونا تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے رشتے حرام تھے۔ ایک روایت میں جو ولادت سے رشتے حرام ہوتے تھے (۱) متفق علیہ۔ یہ حضرت عائشہ سے مروی حدیث ہے۔ حضرت علی شیر خدا سے یہ حدیث مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو اپنے چچا حضرت حمزہ کی بیٹی میں کچھ رغبت ہے کیونکہ وہ قریش کی

خوبصورت ترین نوجوان لڑکی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا آپ کو علم نہیں کہ حضرت حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے رضاعت سے بھی ان رشتوں کو حرام قرار دیا جو نسب سے حرام قرار دیئے (1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میرے رضاعی چچا آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھ لوں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، میں نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے، اسے اجازت دے دینا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے دودھ تو نہیں پلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے، وہ تیرے گھر میں آ سکتا ہے۔ یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد ہوا (2) متفق علیہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرماتے تھے کہ انہوں نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ وہ آدمی آپ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا خیال ہے یہ فلاں ہے جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر فلاں زندہ ہوتا جو حضرت عائشہ کا رضاعی چچا تھا، کیا میں اسے اپنے گھر آنے کی اجازت دے سکتی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں (3) اسے بغوی نے روایت کیا۔

فائدہ:- امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے اسی آیت اور حضور ﷺ کے مطلق ارشاد سے استدلال کیا، ارشاد یہ ہے رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں کہ رضاعت خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، رشتہ حرمت ثابت ہو جاتا ہے۔ امام احمد کے اقوال میں سے بھی ایک قول یہی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا حرمت ثابت نہیں مگر پانچ دفعہ مختلف اوقات میں سیر ہو کر دودھ پلایا جائے جبکہ بچہ بھوکا ہو تو حرمت ثابت ہوگی۔ امام احمد کا دوسرا قول یہی ہے۔ امام احمد کا تیسرا قول یہ ہے تین دفعہ دودھ پلانا حرمت کو ثابت کر دیتا ہے۔ ابو ثور ابن منذر داؤد اور ابو عبیدہ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ تین دفعہ پلانے کی دلیل حضرت ابن زبیر کی حضرت عائشہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک دفعہ اور دو دفعہ چوتنا حرمت کو ثابت نہیں کرتا (4) ام فضل سے مرفوع حدیث میں مصدقہ کی جگہ رضعہ کے الفاظ ہیں۔ انہی سے ایک روایت میں املا جہ کے الفاظ ہیں۔ سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ان تمام روایات کو امام مسلم نے روایت کیا۔ اسی طرح امام احمد، امام نسائی، ابن حبان اور ترمذی نے حضرت ابن زبیر کی حدیث اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ طبری نے اضطراب کی وجہ سے اسے معلل قرار دیا ہے کیونکہ یہ روایت اس طرح روایت کی گئی ہے۔ ایک صورت میں حضرت ابن زبیر اپنے باپ حضرت زبیر سے وہ حضرت عائشہ سے وہ رسول ﷺ سے۔ دوسری صورت میں ابن زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، وہ رسول اللہ ﷺ سے۔ تیسری صورت میں حضرت ابن زبیر براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے تطبیق کی صورت ذکر کی ہے، ممکن ہے حضرت ابن زبیر نے سب سے یہ روایت سنی ہو۔ امام بخاری نے کہا صحیح یہ ہے حضرت ابن زبیر نے حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ روایت سنی اور حضرت زبیر کے ذکر میں محمد بن دینار اکیلے

1- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 467 (قدیمی)

2- ایضاً

3- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 419 (التجاریہ)

4- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 468 (قدیمی)

ہیں۔ اس میں ضعف اور اختلاف ہے اور حضرت عائشہ کے سقوط میں ارسال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام نسائی نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے ابن عبدالبر نے کہا مرفوع روایت صحیح نہیں۔ علماء نے کہا اگر اس حدیث سے ایک دفعہ یا دو دفعہ دودھ پینا حرمت کو ثابت نہیں کرتا تو تین دفعہ دودھ پینے میں حرمت کا ثبوت باقی رہے گا۔

پانچ دفعہ دودھ پینے میں حرمت کی علت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ قرآن حکیم عشر رضعات معلومات (دس دفعہ دودھ پینا جو معلوم ہو) پر نازل ہوا پھر خمس معلومات سے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو یہ اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے یوں روایت کی ہے قرآن حکیم میں دس دفعہ پینے کا حکم نازل ہوا پھر اس میں سے پانچ کو منسوخ کر دیا گیا۔ اور پانچ دفعہ پینے کا حکم دیا گیا جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا تو یہ حکم اس طرح تھا۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اخبار آحاد متواتر نفس کے معارض نہیں ہو سکتیں۔ جب تعارض واقع ہوگا تو بطور احتیاط حرمت کو مقدم کیا جائے گا۔ اسی ضمن میں حضرت عائشہ کی حدیث بھی ہے، اگرچہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن معنوی انقطاع کی وجہ سے متروک ہے کیونکہ یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اس کی قرأت کی جاتی تھی جبکہ یہ بات قطعی ہے کہ معاملہ ایسا نہ تھا، ورنہ ردائض کا یہ قول صحیح ہوگا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد قرآن کا بہت سا حصہ چھوڑ دیا گیا، جبکہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس سے قرآن حکیم کے اس ارشاد کا انکار لازم آتا ہے **إِنَّ آيَةَ الْكُفْرَانِ**۔ ہاں اگر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا یہ معنی کیا جائے کہ آپ کے وصال کا زمانہ قریب تھا تو یہ اس بات کا تقاضا کرے گا کہ جس طرح پہلے دس کا حکم منسوخ ہوا، پھر پانچ کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ یہ تعبیر صحیح ہوگی جب لوگوں نے کہا کہ ایک دفعہ دودھ پینا حرمت ثابت نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ پہلے اسی طرح تھا پھر حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رضاعت کا معاملہ آخر کار اس طرف لوٹ آیا کہ رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ حرمت ثابت کرے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ تھوڑی رضاعت بھی حرمت ثابت کرے گی۔ آپ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر سے کہا گیا ایک یا دو دفعہ دودھ پینے سے کوئی نیا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عبداللہ بن زبیر کے فیصلے سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَأَمَّهُتُكُمْ الَّتِي أَرْضَعْتَكُمْ** اس حکم میں کوئی استثناء نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے قول **توفی ﷺ** کی یہ تعبیر کہ آپ کے وصال کے قریب اس کے حکم کی قرآن میں قرأت کی جاتی تھی۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ قرأت کا تعلق لفظ سے ہوتا ہے، حکم سے نہیں ہوتا۔ مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدت رضاعت کے بعد رضاعت حرمت ثابت نہیں کرتی کیونکہ اس وقت دودھ پینے کے ساتھ نشوونما نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اس مدت کے بعد دودھ پلانے والی کو ماں نہیں کہا جاتا۔ داؤد نے کہا جب بھی دودھ پلایا جائے حرمت ثابت ہوگی۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ ابی حذیفہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کی یا رسول اللہ میں سالم کے آنے سے ابو حذیفہ کے چہرے میں ناگواری دیکھتی ہوں جبکہ وہ ابو حذیفہ کا حلیف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو سالم کو پانچ دفعہ دودھ پلا دے تو اس پر حرام ہو جائے گی (۱) اسے امام شافعی نے روایت کیا جبکہ امام مسلم اور دوسرے محدثین نے عدد کے ذکر کے بغیر یہ روایت نقل کی۔



کرنے والے کیوں نہ ہوں گے۔

(2) تیس ماہ میں حقیقت و مجاز کو جمع کرنا لازم آتا ہے کہ حمل کے اعتبار سے تو چوبیس ماہ مقرر کئے جائیں گے اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ۔  
(3) اس تاویل سے یہ بھی لازم آتا ہے تیس کو چوبیس پر معنوی اعتبار سے محمول کیا جاسکتا ہے، جبکہ اسماء اعداد میں سے کسی کو بھی دوسرے پر محمول کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اپنے مسمیات میں اعلام کی طرح ہیں۔ یہ کثیر محققین کا نقطہ نظر ہے۔

امام ابوحنیفہ اور دوسرے لوگوں کے قول کی ایک اور توجیہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ غذا کی تبدیلی بھی لازمی ہے تاکہ دودھ کے ساتھ اس کی پرورش ختم ہو جائے۔ یہ وہ زیادہ سے زیادہ مدت ہے جس میں بچہ کسی دوسری خوراک کا عادی ہو جائے۔ امام مالک نے اس زیادتی کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ امام زفر نے ایک سال معین کیا ہے کیونکہ ایک سال چار موسموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس کی مدت چھ ماہ معین کی ہے کیونکہ یہ حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جنین کی غذا، رضیع کی غذا سے مختلف ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ شرع نے دو سال پہلے بچے کو دودھ کے علاوہ کوئی خوراک دینا حرام قرار نہیں دیا کہ دو سال سے زیادہ میں اس کے عادی ہونے کا اعتبار کیا جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ دودھ کے ساتھ دو سال سے کم میں خوراک کا عادی ہو جائے۔ یہ ابن ہمام اور طحاوی کا نقطہ نظر ہے۔

بے اہمیت کا لفظ دادیوں کو شامل ہے خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے وہ قرہمی ہوں یا بعیدی حدیث کی وجہ سے ان کی رضاعی مائیں اور دادیاں ان کے ساتھ شامل ہیں اور اجماع کی وجہ سے ملک بھین اور شہبہ کی وجہ سے موطوءہ شامل ہیں جبکہ زنا کی وجہ سے موطوءہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شامل ہے۔ اسی طرح جس عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا گیا ہو وہ بھی شامل ہے۔

ربانہ ربیب کی جمع ہے ربیب عورت کے اس بچے کو کہتے ہیں جو کسی اور مرد سے ہو۔ اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ عموماً خاوند اس کی بھی اسی طرح تربیت کرتا ہے جس طرح وہ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے۔ یہ فعلیل کا وزن ہے اور مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کے آخر میں تاء اس لئے ہے کیونکہ اب یہ اسم بن چکا ہے۔ ربائب کا لفظ عموم مجاز یا قیاس کی وجہ سے بیویوں کی پوتیاں ان کی نواسیاں اگر چہ مزید نیچے ہوں اور ملک بھین یا شہبہ کی وجہ سے موطوءہ عورتوں کی بیٹیاں ایک واسطے سے ہوں یا کئی واسطوں سے ہوں مزنیہ عورتوں کی بیٹیاں اگر چہ دور تک چلی جائیں۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سب کو شامل ہے۔

۹۰ التی فی حُجُورِکُمْ یہ صفت بطور عادت مذکور ہے۔ یہ صفت احترازی نہیں، یعنی اگر یہ عورتیں زیر پرورش نہ ہوں تو حلال ہیں، یہ مراد نہیں۔ داؤد نے کہا وہی ربائب حرام ہیں جو تمہاری گود میں پرورش پاری ہیں۔ عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم نے اپنی صحیح سند کے ساتھ حضرت علی شیر خدا سے یہی روایت کیا ہے۔ یہاں اجماع سے مراد پہلے قرن کے بعد کا اجماع ہے۔

۹۱ مَن نَسَاکُمْ صِلَہ موصولہ کر نساکم کی صفت مقیدہ ہے اور بالا اجماع یہ قید احترازی ہے، یعنی جن عورتوں سے تم نے دخول نہیں کیا ان کی بچیوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اسے دونوں نساکم کی صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ دونوں کے عامل مختلف ہیں اور دو مختلف عاتوں کا ایک معمول صحیح نہیں ہوتا۔ صرف فراء کی ایک روایت ہے ترکیب اور من نساکم ظرف مستقر ہے۔ اسے موصول اول کا صلہ بنانا جائز ہے اور فی حجور کم اس کا متعلق۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے حجور کم میں ضمیر سے حال بنایا جائے۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ ربانہکم سے حال ہو جب اسے ربانکم سے حال بنایا جائے تو اسے اہمیت کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں

کیونکہ من کے کلمہ کو جب آپ ربائب کے متعلق کریں گے تو یہ ابتدائیہ ہوگا اور جب آپ اسے امہات کے متعلق کریں گے تو اس صورت میں اسے ابتدائیہ بنانا جائز نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اسے نسانکم کا بیان بنانا واجب ہوگا۔ جمہور اداء کے نزدیک ایک کلمہ کو دو معنوں پر محمول نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ امام شافعی کے نزدیک عموم مشترک جائز ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واجب آئے گا جب یہ نسانکم کا بیان ہو تو یہ اس سے حال بھی ہو ایک ہی چیز دہانہ نسانکم اور نسانکم سے حال ہو جبکہ ذوالحال کے عامل مختلف ہیں۔ یہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں کیونکہ دہانہ نسانکم فاعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور نسانکم مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

امام بیضاوی نے کہا ایک صورت ہے جب تو من کو اتصالیہ بنائے (1) بیانیہ اور ابتدائیہ نہ بنائے تو دو مختلف معنی نہ ہوں گے بلکہ من دونوں میں قدر مشترک کے طور پر استعمال ہوگا۔ وہ معنی اتصال یعنی ملا بست ہے اسی صورت میں ظرف امہات اور ربائب سے حال ہو گی۔ یہ دونوں ایک ہی جہت سے مرفوع ہوں گی۔ یہ تاویل حدیث مرفوع اور اجماع سے مردود ہے۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس سے دخول کیا اس کے لئے اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اگر اس نے دخول نہ کیا تو بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے اور جس مرد نے کسی عورت سے شادی کی اس نے اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اس کی ماں سے نکاح حلال نہیں (2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث سند کے اعتبار سے درست نہیں۔ اسے ابن لہیعہ اور ثنی بن صباح عمرو بن شعیب سے روایت کیا۔ یہ دونوں حدیث میں ضعیف قرار دیئے جاتے تھے۔ شیخ بن حجر نے کہا اس باب میں حضرت ابن عباس کا قول بھی مردی ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں قوی سند سے ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل طلاق دے یا وہ مر جائے تو اس کی ماں اس خاوند پر حلال نہیں ہوتی۔ طبرانی نے اس میں اجماع نقل کیا ہے۔

زید بن ثابت سے اس میں روایت مختلف ہے۔ ابن ابی شیبہ کی مسند میں ان سے روایت ہے۔ جب خاوند سے حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل طلاق دے دے تو اس کی بیٹی سے نکاح میں کوئی حرج نہیں مگر جب وہ عورت پہلے ہی فوت ہو جائے تو اس کی بیٹی سے نکاح مکروہ جانتے تھے۔ امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے زید بن ثابت سے روایت کی کہ حضرت زید بن ثابت سے ایک ایسے آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ایک عورت سے شادی کی، پھر وہ عورت حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے ہی فوت ہو گئی کیا اس مرد کے لئے اس کی ماں سے نکاح کرنا حلال ہے؟ فرمایا نہیں ماں کا حکم مبہم ہے، بے شک شرط (وطی کی) پرورش پانے والی بچیوں کے بارے میں ہے۔ حضرت علی شیر خدا سے ایک قول منقول ہے کہ دونوں کی حرمت وطی سے مشروط ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے۔ مجاہد نے بھی یہی کہا ابن ابی شیبہ اور دوسرے محدثین نے زید بن ثابت اور ابن عباس سے نقل کیا۔ عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن زبیر سے اسی طرح روایت کیا۔ اگر حضرت علی مجاہد اور دوسرے علماء سے حرمت کے لئے وطی کی قید صحیح ہو تو شاید طبرانی کے اجماع کے قول سے مراد قرن اول اور قرن ثانی کے بعد کا اجماع ہوگا اور دخلتم بہن میں باء تعدیہ اور مصاحبت کے لئے ہوگی، یعنی تم نے انہیں پردہ میں داخل کر لیا، یہ حقوق زوجیت سے کنایہ ہے، جس طرح عرب کہتے ہیں بنی علیہا و ضرب علیہا الحجاب ان دونوں جملوں سے مراد حقوق زوجیت ادا کرنا ہے، شہوت کے ساتھ چھوٹا اور شہوت کے ساتھ فرج داخل کی طرف دیکھنا۔ امام ابو



حنیفہ کے نزدیک اس کا حکم وہی ہے جو جماع کا حکم ہے۔

۱۱ قیاس کو رد کرنے کے لئے اشارہ کے بعد وضاحت کر دی (یہ ممکن تھا کہ غیر مدخولہ) پر قیاس کر لیا جاتا اور ان کی بیٹیوں کو بھی حرام تسلیم کر لیا جاتا)

۱۲ حلال یہ حلیلہ کی جمع ہے جس کا معنی بیوی ہے۔ اس کو حلیلہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ خاوند کے لئے حلال ہوتی ہے یا اس لئے کہ یہ خاوند کے بستر پر فردکس ہوتی ہیں۔ بیویوں کے ساتھ ملک یمین کی وجہ سے موطوءہ یا شہ کی وجہ سے موطوءہ بالا جماع شامل ہوں گی اور زنا کے ساتھ موطوءہ صرف امام ابوحنیفہ کے نزدیک شامل ہوگی۔ انباء کم یہ لفظ عموم مجاز کی وجہ سے پوتوں اور نواسوں سب کو شامل ہو گا، اگرچہ وہ دور کے ہوں۔ **مِنْ أَصْلَابِكُمْ** کی قید سے منہ بولا بیٹا نکل گیا کیونکہ عرب منہ بولے بیٹے پر ابن کا اطلاق کرتے تھے، اگرچہ مجاز ہی کسی ابن جریر نے اب جرج سے نقل کیا ہے، کہا میں نے عطاء سے **وَحَلَالِيْلُ أَبْنَانِكُمْ** الذین **مِنْ أَصْلَابِكُمْ** کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ ہم آپس میں یہ بات چیت کیا کرتے کہ یہ آیت حضور ﷺ کے متعلق اس وقت نازل ہوئی۔ جب آپ نے زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی سے عقد نکاح کیا تو مشرکین نے آپ کے متعلق باتیں کیں تو یہ آیت اور **وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ** اور **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ تَرَجَالِكُمْ** نازل ہوئیں۔

پوتا اور نواسا واسطہ کے ساتھ ہو یا بغیر واسطہ کے وہ اس قید سے خارج نہیں کیونکہ یہ بھی اصلا ب سے ہیں، اگرچہ واسطہ کے ساتھ ہیں رضاعی بیٹا اور اس کی نسل اگرچہ اس قید کی وجہ سے حکم سے خارج ہیں۔ لیکن ان کی بیویوں کی حرمت نص حدیث سے ثابت ہے۔ میری مراد حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ رضاع سے وہ چیز حرام ہو جاتی ہے جو نسب سے حرام ہو جاتی ہے۔ اسی پر اجماع ہے۔

۱۳ **وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ** یہ محل رفع میں ہے اور اس کا عطف امہاتکم و بناتکم پر ہے یعنی تم پر دو بہنیں نکاح میں اور ملک یمین کی وجہ سے وطنی میں جمع کرنا حرام ہے۔ ایسی دو بہنیں جو نسبی ہوں انہی کے ساتھ رضاعی بہنیں بھی شامل ہوں گی۔ ان کا حکم حدیث سے ثابت ہے، خواہ یہ علاقائی ہوں، اخیانی ہوں، یا دونوں ہوں نسبی ہوں۔ یا رضاعی ہوں ایک بہن کے ساتھ بدکاری سے دوسری کا نکاح حرام نہیں ہوتا جس طرح ایک کی موت کے بعد دوسری کا نکاح یا ایک کی طلاق کے ختم ہونے کے بعد دوسری کا نکاح حرام نہیں ہوتا۔ سنت اور اجماع کی وجہ سے اسی حکم میں ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا بھی حرام ہوگا جن میں عورت اور اس کی پھوپھی عورت اور اس کی خالہ اسی طرح عورت اور اس کے والد کی پھوپھی یا ماں کی پھوپھی یا ان دونوں میں سے ایک کی خالہ یا اجداد اور جدات کی پھوپھی یاں، اگرچہ دور کی ہوں اور کسی جہت سے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت اور اس کی پھوپھی عورت اور اس کی خالہ کو جمع نہ کرے (۱) متفق علیہ۔ اسے ابو داؤد ترمذی اور دارمی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر اور پھوپھی سے اس کی بھتیجی پر اور کسی عورت سے اس کی خالہ پر اور خالہ سے اس کی بھانجی پر بڑی سے چھوٹی پر اور چھوٹی سے بڑی پر نکاح نہ کیا جائے۔ نسائی نے اسے بھانجی تک کے الفاظ کو روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام بخاری نے جابر سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ (۲)

ابن عبد البر نے کہا ابو ہریرہ کی حدیث کے طرق متواتر ہیں۔ اس باب میں حضرت ابن عباس سے مروی روایت بھی ہے جسے امام

احمد ابوداؤد ترمذی ابن حبان نے روایت کیا۔

ابوسعید سے روایت ہے جسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت علی سے روایت مروی ہے جسے بزار نے روایت کیا۔ عبداللہ بن عمر سے روایت مروی ہے جسے ابن حبان نے روایت کیا۔ اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص، زینب زوجہ مسعود ابی امامہ، حضرت عائشہ، حضرت ابوموسیٰ اور سرہ بن جندب سے روایت مروی ہیں۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی اور ابن عدی نے عکرمہ کی حدیث وہ ابن عباس سے یہی روایت نقل کرتے ہیں۔ اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا جب تم یہ کرو گے تم ان کی رشتہ داری کو ختم کرو گے۔ ابوداؤد نے مراسل میں عیسیٰ بن طلحہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت سے اس کی رشتہ دار پر نکاح کرنے سے قطع رحمی کے خوف سے منع کیا (۱) ابن حبان نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے ان کی رحموں کو قطع کر دیا۔ رضاعی بہنوں کی نکاح میں جمع کرنے کی حرمت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس طرح نسبی رشتہ داری کو ختم کرنا حرام ہے۔ اسی طرح رضاعی رشتہ داری کو ختم کرنا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ سے دودھ پلانے والی کی نکریم مروی ہے۔ ابوالطفیل غنوی سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی تو نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے چادر بچھادی، یہاں تک کہ وہ اس پر بیٹھ گئی جب وہ چلی گئی تو کہا گیا یہ وہ عورت ہے جس نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ نسب اور رضاع سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک دوسرے کی فرع ہو یا اصل قریب کی فرع ہو اور مصاہرت سے عورت پر مرد کے اصول و فروع اور مرد پر عورت کے اصول مطلقاً اور فروع حقوق زوجیت کی شرط کے ساتھ حرام ہو جاتے ہیں اور مصاہرت سے خاوند اور عورت کے قریبی حرام نہیں ہوتے مگر جو نسب کے ستون ہوتے ہیں۔ ہاں بیوی اور اس کی اصل قریب کی فرع کو نکاح میں جمع کرنا اس لئے جائز نہیں تاکہ قطع رحمی سے بچا جاسکے اور رضاعت کی رشتہ داری کو ختم ہونے سے بچایا جائے واللہ اعلم۔

۱۴۔ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یہ نبی کے معنی لازم سے مستثنیٰ ہے، یعنی ان عورتوں سے نکاح کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا مگر جو گزر چکا ظاہر بات یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے اور لیکن کے معنی میں ہے۔ لیکن جو گزر چکا بے شک اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اس کا مواخذہ نہیں کرے گا۔

۱۵۔ اللہ انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا کیونکہ وہ شرعی احکام جاننے سے ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کو زیبا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد انہیں گمراہ کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہمیں زیبا نہیں کہ ہم عذاب دیں یہاں تک کہ ہم رسول مبعوث کریں۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَأُجَلَ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرْضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

”اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں۔ مگر (کافروں کی وہ عورتیں) جو تمہارے ملک میں آ جائیں۔ فرض کیا ہے اللہ تعالیٰ نے (ان احکام کو) تم پر سے اور حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لئے۔ سو ان کے لئے تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعے۔ پاکدامن بنتے ہوئے کے نہ زنا کار بنتے ہوئے۔ پس جو تم نے لطف اٹھایا ہے ان سے تو دو ان کو ان کے مہر ۹ جو مقرر ہیں ۱۰ اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ مقرر کئے ہوئے مہر کے بعد اللہ بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے ۱۲“

۱۔ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ کا عطف امہاتکم پر ہے، یعنی تم پر خاوندوں والی عورتیں حرام ہیں۔ کسی بھی مرد کے لئے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جب تک ان کے خاوند فوت نہ ہو جائیں یا وہ انہیں طلاق نہ دے دیں۔ نیز وفات اور طلاق کی عدت ختم نہ ہو جائے شادی شدہ عورتوں کو محسنات کا نام دیا کیونکہ عقد نکاح یا خاوندوں نے انہیں پاکدامن بنا دیا ہے۔

امام بغوی نے کہا ابوسعید خدری نے کہا یہ ان عورتوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی جبکہ ان کے خاوند بھی تھے۔ بعض مسلمانوں نے ان عورتوں سے شادیاں کر لیں پھر ان کے خاوند ہجرت کر کے آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا۔ (۱)

میری رائے یہ ہے کہ شاید حدیث کا مفہوم یہ ہے۔ مہاجر عورت کا خاوند جب مسلمان ہو تو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں، اگرچہ وہ دارالحرب میں ہی ہو کیونکہ حقیقتاً دین میں اختلاف نہیں اور دار میں حکماً اختلاف نہ ہو گا مگر جب وہ مسلمان ہو جائے اور ہجرت کرے اور اس کا خاوند دارالحرب میں کافر ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ..... وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ یعنی ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن ائمہ احناف کے نزدیک دارالحرب سے ہجرت کے ساتھ ہی میاں اور بیوی میں جدائی واقع ہو جائے گی کیونکہ دارین میں حقیقتاً اور حکماً اختلاف واقع ہو چکا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس فرقت کے بعد عدت بھی نہیں، جبکہ صاحبین کے نزدیک ان پر عدت بھی لازم ہوگی، جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس عورت کے اسلام قبول کرنے کے بعد تین حیضوں سے فرقت واقع ہو جائے گی اگر اس نے دخول کیا ہو اگر اس نے دخول نہ کیا ہو تو اسلام قبول کرنے کے وقت سے فرقت واقع ہو جائے گی۔ وطن کے مختلف ہونے سے ان ائمہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں پڑتا۔

إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ عطاء نے کہا اس استثناء سے مراد یہ ہے کہ اس کی لونڈی اس کے غلام کے نکاح میں ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس لونڈی کو اس غلام خاوند سے الگ کرے۔ یہ قول بالا جماع مردود ہے۔ صحیح وہ ہے جسے امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے ابوسعید خدری سے نقل کیا۔ ہم نے اوٹاس کی قیدی عورتیں اپنے قبضے میں لیں جن کے خاوند بھی تھے۔ ہم نے ناپسند کیا کہ ان سے وطی کر لیں ہم نے نبی کریم ﷺ سے ان کے متعلق پوچھا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (۲) جس میں یہ بیان فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنگ میں تمہیں جو عورتیں عطا کیں تم ان سے لطف اندوز ہو طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا یہ آیت غزوہ حنین کے موقع پر نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ حنین میں مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی تو مسلمانوں نے اہل کتاب کی چند عورتیں گرفتار کیں جن کے

خاوند بھی موجود تھے جب کوئی مرد اپنے زیر قبضہ عورت سے خواہش پوری کرنا چاہتا تو وہ کہتی میرا خاوند موجود ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب عورت خاوند کے ساتھ قید کی جائے یا خاوند کے بغیر قید کی جائے تو میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہوتی ہے اور استبراء رحم کے بعد اس عورت کا جو مالک بنتا ہے اس کے لئے وطی کرنا جائز ہوتا ہے کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے غزوہ اوطاس کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ حاملہ عورتوں کیساتھ وطی نہ کی جائے جب تک وہ وضع حمل نہ کریں اور جو حاملہ نہیں ہیں ان سے اس وقت تک وطی نہ کرو جب تک انہیں حیض نہ آجائے۔ جو آدمی اس عورت کا مالک بنتا ہے یہ بھی حق تھا کہ وہ اس عورت کی شادی کسی اور مرد سے کر دے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ قید جس طرح قید کرنے والے کو قیدی کا مالک بنا دیتی ہے۔ اسی طرح یہ اس سے ہر طرح کا انتفاع بھی کر سکتا ہے۔ ان حقوق میں کسی اور کو کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی نقطہ نظر ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اوطاس کی قیدی عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ قید کی گئی تھیں۔

امام ابوحنیفہ نے کہا محض قید کرنے سے میاں بیوی میں فرقت واقع نہیں ہوتی۔ ہاں اس صورت میں جدائی واقع ہو جاتی ہے جب میاں بیوی میں سے ایک گرفتار کیا جائے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دارین کا حقیقتاً اور حکماً مختلف ہونا جدائی کا موجب ہوتا ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے جب میاں بیوی مختلف داروں میں ہوں تو نکاح کے مصالحوں باقی نہیں رہتے تو پس یہ محرمیت کے مشابہ ہو گیا۔ قید ملک رقبہ کو خاص کرنے کا سبب ہے۔ ملک بضع کو خاص کرنے کا سبب نہیں کیونکہ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم نہیں۔ یہ استدلال نص کے مقابل ہے۔ ابن ہمام نے کہا کہ اوطاس کے قیدیوں میں یہ روایت کیا گیا کہ صرف عورتیں گرفتار ہوئیں تھیں۔ امام ترمذی کی روایت اسی کا فائدہ دیتی ہے۔ ابو سعید سے مروی ہے کہ ہم نے اوطاس کی عورتیں گرفتار کیں جن کے خاوند بھی تھے۔ لوگوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

میں کہتا ہوں ترمذی کے الفاظ میں ایسی کوئی چیز نہیں جو قطعی طور پر اس پر دلالت کرے کہ وہ ساری عورتیں خاوندوں کے بغیر گرفتاری گئیں۔ اس میں ظاہر امام شافعی کا قول ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو کہ وہ سب خاوندوں کے بغیر گرفتاری گئیں تو اعتبار لفظ کے عموم کا ہوگا، سب کے خاص ہونے کا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے خاوند والیوں سے ملک بئیمین کے عنوان کے ساتھ استثناء کی ہے، اختلاف دارین سے استثناء نہیں کی۔ احناف یہ کہتے ہیں آیت بالا جماع اپنے عموم پر نہیں کیونکہ لفظ کا مقتضی مملوک کے حلال ہونے کا تقاضا کرتا ہے، خواہ وہ قید کرنے خریدنے وارث ہونے یا کسی اور طریقہ سے مالک ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لونڈی سے خرید گیا ہو اور اس کی شادی بھی ہو چکی ہو تو وہ بالا جماع اس حکم سے خارج ہے۔ پس ہم نے ان عورتوں کو اس حکم سے خارج کر دیا جو مردوں کے ساتھ گرفتار ہوئیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ عام کی تخصیص کے لئے کسی دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے، اگرچہ وہ عام ظنی ہو یہاں دلیل شرعی سے مراد نص جماع یا قیاس ہے، زائے کے ساتھ تخصیص کرنا جائز نہیں، جبکہ شادی شدہ خریدی گئی لونڈی کا اس حکم سے خارج ہونے کے بارے میں جماع ممنوع ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن مسعود نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ ارادہ کیا ہے کہ جب شادی شدہ لونڈی کو خریداجائے تو میاں بیوی میں تفریق ہو جاتی ہے اور اس کی بیع طلاق بن جاتی ہے (۱) اسے ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور عبد بن حمید نے عبد

اللہ بن مسعود سے روایت کیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں محسنات سے مراد وہ آزاد عورتیں ہیں جن کے خاوند ہوں اور قیاس کے ذریعے شادی شدہ لونڈیوں کو ان کے ساتھ ملا دیا گیا ہو تو آیت کا یہ معنی ہوگا کہ تم پر آزاد شادی شدہ عورتیں حرام ہیں مگر جن کے تم قید کرنے اور غلبہ پانے کے ذریعے مالک بنے ہو اس صورت میں خریدنے یا وراثت کے ذریعے مملوکہ کو حکم سے خارج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ شہداء سے پہلے وہ محسنات (آزاد) نہیں تھیں بلکہ وہ مملوکہ تھیں جب کہ وہ عورت جسے قید کیا گیا وہ گرفتاری سے پہلے آزاد تھی۔

سے كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ يه مفعول مطلق ہے اور تاکید کے لئے آیا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ كِتَابًا، یعنی وہ عورتیں جن کا ذکر ہوا ان کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ابن جریر نے عبیدہ کے واسطے سے حضرت عمر بن خطاب سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ تمہارے لئے چار عورتیں مقرر کر دی ہیں۔ ابن منذر نے ابن جریج کے واسطے سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک سے چار تک نکاح میں جائز رکھ دی ہیں۔

یہ وَأُجِّلْ لَكُمْ کو ابو جعفر حمزہ کسائی اور حفص نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ معروف کی صورت میں فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لونی گی جو لفظ کتاب اللہ میں ہے اس کا عطف حرمت پر ہے یا اس فعل مضمر پر ہے جس نے کتاب اللہ کو نصب دی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے عطف مشارکت کا تقاضا کرتا ہے اور کتاب اللہ والا جملہ تو سابقہ حرمت کی تاکید ہے تو اس جملہ کی اس تاکید کے ساتھ کیا مشارکت ہوگی۔

ہم جواب یہ دیں گے کہ دوسری عورتوں کی حلت اس حرمت کی تاکید بیان کرتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اس کا عطف حرمت پر ہے تو حرمت کو مجہول اور اطل کو معروف لانے میں کیا نکتہ ہے (معروف جمہور کی قرأت ہے) ہم جواب دیں گے کہ حلت انعام ہے جبکہ حرمت اس کے برعکس ہے انعام کی نسبت اپنی ذات کی طرف صراحت سے کی جبکہ تحریم کی نسبت صراحت نہیں کی۔

یہ مَآ وَرَاءَ ذٰلِكُمْ سابقہ آیات میں جو محرمات ذکر کی گئی ہیں ان کے علاوہ اس حکم سے جو عورتیں سنت اجماع اور قیاس سے خارج کی گئیں۔ وہ وہ ہیں جن کا ہم نے شرح میں ذکر کر دیا اسی طرح چار سے اوپر بھی حرام ہیں۔  
۶ حرام کردہ عورتوں کے علاوہ تم نکاح کے ساتھ مہر دے کر یا انہیں خرید کر چاہو۔  
۷ بے پاکدامن بنتے ہوئے یہ تجھوا کے فاعل سے حال ہے کیونکہ عفت کا معنی شرمگاہ کو بے حیائی سے محفوظ رکھنا اور نفس کو ملامت اور سزا سے بچانا ہے۔

۸ نہ کہ بے حیاء بنتے ہوئے۔ یہ حال کے بعد حال ہے۔ سفاح کا معنی زنا ہے جو سلخ سے مشتق ہے، جس کا معنی منی کو بہانا ہے کیونکہ بے حیائی کی صورت میں مقصود صرف شہوت پوری کرنا ہوتا ہے نسل کی بقاء مقصود نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان اَنْ تَبْتَغُوا بِمَا مَوَالِكُمْ قَوْلٌ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ سے بدل اشتمال ہے کیونکہ حلت کو محرمات کے علاوہ عورتوں کی طرف منسوب کرنے کا مقصود حلال طریقے سے انہیں چاہنا ہے کیونکہ محرمات کے علاوہ عورتیں مطلق حلال نہیں بلکہ ان کی حلت نکاح (۱)

(۱) اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَأُجِّلْ لَكُمْ عام نہیں جو مذکورہ محرمات کے علاوہ عورت کی حلت پر دلالت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحیح یا ملک بھین کے ساتھ مقید ہے۔ ابتغاء بالاموال کا بھی یہی مفہوم ہے کیونکہ تیرا قول اعجبنی زید علمہ میں مقصود زید کی ذات نہیں ہوتی بلکہ اس کا علم بھی ہوتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان تبتغوا کا تعلق احل لکم کے ساتھ ہو اور باء حرف جار کو مقدر مانا جائے، یعنی تمہارے لئے مذکورہ محرمات کے علاوہ عورتیں حلال کی گئیں اس سبب کیساتھ تم انہیں اپنے اموال سے چاہو نکاح کی صورت میں مہر دے کر یا انہیں خرید کر اسی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے ”اور مومن عورت اگر وہ اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کو بیہ کرے اگر نبی کریم ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہیں وہ آپ کے لئے خاص ہے نہ کہ مومنین کے لئے“ یہ ارشاد تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بغیر مہر کے نکاح حضور ﷺ کی خصوصیت ہے اور اگر مہر مقرر نہ کیا جائے تو قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ نکاح ہی ثابت نہ ہو، لیکن ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ.....“ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ مہر معین کئے بغیر نکاح صحیح ہے ہم کہتے ہیں مہر نکاح کے لوازم اور احکام میں سے ہے۔ نکاح کی شرائط میں مہر کا ذکر کرنا نہیں۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ لیکن امام شافعی کا نقطہ نظر یہ ہے اگر مرد نے شادی کی اور عورت کا مہر مقرر نہ کیا یا اس شرط پر شادی کی کہ اس عورت کا کوئی مہر نہ ہوگا اور دخول سے پہلے فوت ہو گیا اس عورت کے لئے کوئی مہر نہ ہوگا۔

جبکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کے لئے مہر مثل واجب ہوگا جس طرح دخول کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر حق شرع کے طور پر ثابت ہے کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حلت مال کے بدلے میں چاہنے سے ثابت ہوگی (۱) دوسری وجہ یہ ہے کہ باء الصاق کا معنی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چاہنے کو حلال قرار دیا ہے جو مال کے ساتھ ملا ہوا سے وطی کے پائے جانے تک موخر کرنا باء کے معنی پر عمل کرنے سے ترک لازم آتا ہے جس طرح امام شافعی نے اس عورت کے بارے میں فرمایا جس نے بغیر نکاح کے اپنے آپ کو پیش کیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علقمہ کی حدیث ہے کہ حضرت ابن مسعود سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس نے ایک عورت سے شادی کی اور اس کے لئے کوئی مہر معین نہ کیا اس نے دخول بھی نہ کیا تھا کہ خود فوت ہو گیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا عورت کے لئے مہر مثل ہے نہ کم نہ زیادہ اور اس عورت پر عدت بھی لازم ہوگی اور اس عورت کیلئے میراث بھی ہوگی۔ معقل بن سنان اشجعی اٹھ کھڑا ہوا اس نے کہا حضور ﷺ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ کیا۔ حضرت ابن مسعود اس سے خوش ہو گئے۔ اسے ابو داؤد و ترمذی نسائی اور دارمی نے اسی کی مثل کہا۔ بیہقی نے کہا اس حدیث کی تمام روایات اور سندیں صحیح ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے اگر مہر نکاح کے لوازم میں سے ہے تو یہ اس عورت کے حق میں بھی لازم ہونا چاہیے جس نے بغیر مہر کے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دے دی گئی جبکہ اس کے بارے میں سوائے امام احمد کی ایک روایت کے کسی امام کا قول نہیں امام احمد نے فرمایا مہر مثل کا نصف واجب ہوگا جبکہ آپ کا صحیح ترین قول وہی ہے جو جمہور علماء کا مذہب ہے کہ کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کرتا ہے اور نہ ہی مال کے بدلے میں چاہنے کے جواز میں ظاہر ہے بلکہ یہ مجمل ہے۔ اس میں نکاح صحیح بھی آتا ہے جو احسان کو ثابت کرتا ہے اور زنا بھی شامل ہے کیونکہ مال کے بدلے میں طلب دونوں میں موجود ہے۔ پس سنت یا اجماع سے نکاح کی جو شرائط (گوہیاں، اعلان اور ولی کی اجازت) وہ اس مجمل کا بیان ہیں۔ ان شرائط کو خبر واحد یا اجماع کے ساتھ قرآن پر زیادتی تصور نہ کیا جائے گا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ متعہ (تین کپڑے) نصف مہر کے عوض میں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے متعہ کے وجوب کا قول کیا ہے۔ مسئلہ:- جب ایک مرد نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کے لئے کوئی مہر نہ ہوگا تو اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا یہ نکاح صحیح نہیں کیونکہ نکاح عقد معاوضہ ہے، جس طرح خرید و فروخت ہوتی ہے، ایسی بیع جس میں ثمن نہ دینے کی شرط ہو بالا جماع صحیح نہیں اسی طرح نکاح بھی صحیح نہ ہوگا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ نکاح عقد معاوضہ نہیں بلکہ مہر شرعی حق کے طور پر لازم ہوا۔ مقصد اس محل کے شرف کا اظہار تھا۔ اگر یہ محض معاوضہ ہوتا تو مہر ذکر نہ کرنے کی صورت میں نکاح نہ ہوتا، جس طرح ثمن ذکر نہ کی جائے تو بیع نہیں ہوتی۔ یہ شرط لگانا کہ مہر نہ ہوگا یہ شرط فاسد ہے اس کے ساتھ نکاح فاسد نہ ہوگا اور شرط لغو چلی جائے گی۔ ثمن بیع کا رکن ہے۔ ثمن کے بغیر بیع نہ ہوگی پس نکاح اور بیع دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

فائدہ: یہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے کیونکہ حلت مال کے ساتھ عورت کو چاہنے کے ساتھ مقید ہے اور منافع معلوم شرعی طور پر مال کے ساتھ لاحق کر دیئے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے نصوص اور اجماع کے ساتھ اجارہ جائز ہے جبکہ اجارہ منافع (۱) کی بیع ہوتا ہے، جبکہ قیاس ان کے عدم جواز کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ جس چیز پر عقد کیا جا رہا ہے وہ مال نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ معدوم بھی ہے جو چیز بعد میں پائی جائے اس کی طرف تملیک کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہوتی۔ لیکن شرع نے اس کو مال مانا ہے اور ضرورت کی بنا پر اجارہ کو جائز قرار دیا اور جس چیز سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے اسے منفعیت کے قائم مقام رکھا ہے، جس طرح گھر کو کرایہ پر دینا۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ منافع اموال کے ساتھ شامل کر دیئے گئے ہیں تو پھر یہ جائز ہوگا کہ مرد عورت سے اس شرط پر نکاح کر لے کہ اس کا مہر خاوند کے گھر میں رہائش خاوند کے غلام کی خدمت خاوند کے گھوڑے پر سواری اس پر بوجھ لادنا خاوند کا عورت کی زمین کاشت کرنا یا اسی طرح کے دوسرے منافع جو معین مدت تک کے لئے ہوں، کیونکہ نکاح کی ضرورت ثابت ہے جس طرح اجرت پر لینے حاجت اور محل کے سپرد کر دینے سے انہیں ادا کرنا بھی ممکن ہے۔ پس یہ بھی مال کے بدلے میں چاہنے کی صورت ہوگی۔

مسئلہ:- اگر مرد نے اس شرط پر عورت سے نکاح کیا کہ وہ خود ایک سال تک اپنی بیوی کی خدمت کرے گا تو امام محمد فرماتے ہیں ایک سال کی خدمت کی قیمت لازم ہوگی کیونکہ خدمت نفع ہے اور منافع اموال کے ساتھ ملا دیئے گئے ہیں مگر خاوند کا بیوی کی خود خدمت کرنا عقد نکاح تقاضا کے برعکس ہے کیونکہ نکاح کا تقاضا تو یہ ہے کہ خاوند مالک ہے اور خدمت کرنا مملوک ہونے کا نتیجہ ہے جب معین کردہ چیز سپرد کرنے سے عاجز ہے تو قیمت واجب ہوگی۔ جبکہ شخصین کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ منافع کو مال اس وقت سمجھا جاتا ہے جب ان کا سپرد کرنا ممکن ہو۔ جب یہاں مناقضہ کی وجہ سے یہ ممتنع ہے تو اسے مال تسلیم نہیں کیا جائے گا پس یہ مہر مقرر کرنا درست نہ ہوا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

مسئلہ:- اگر مرد نے اس شرط پر عورت سے عقد نکاح کیا کہ دوسرا آزاد مرد عورت کی ایک سال خدمت کرے گا تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ دوسرا مرد عورت کی خدمت پر راضی نہ ہو تو مرد پر بالاتفاق سال بھر کی اجرت بطور مہر لازم ہوگی یا یہ خدمت ایک اجنبی مرد کی مخالفت کا باعث بنے تب بھی یہی حکم ہوگا۔

مسئلہ:- اگر مرد نے عورت سے اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ خاوند عورت کی بکریاں چرائے گا یا اس کی زمین کاشت کرے گا ایک روایت میں یہ جائز نہیں کیونکہ یہ بھی عورت کی خدمت کرنے کے مترادف ہے، جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ محض عورت کی خدمت نہیں کیونکہ عمومی طریقہ یہی ہے کہ وہ دونوں اپنے مال کی حفاظت اور پرورش میں شریک ہوتے ہیں۔ اس کی صحت کی دلیل حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا قصہ ہے اور ہماری شریعت میں اس کی نفی نہیں کی گئی۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے عقبہ بن منذر سے روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سورۃ القصص کی آیات کی تلاوت کی، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک پہنچے تو فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب کی بیٹی سے نکاح اور کھانے کی شرط پر آٹھ یا دس سال تک خدمت کی۔ لیکن یہ قصہ اس وقت دلیل بن سکتا ہے جب بکریاں بیٹی کی ملکیت ہوں، حضرت شعیب کی ملکیت نہ ہوں، جبکہ ظاہر اس کے برعکس ہے کیونکہ بکریاں حضرت شعیب کی ملکیت تھیں۔

مسئلہ:- اگر مرد نے عورت سے اس شرط پر شادی کی وہ عورت کو قرآن کی ایک سورت پڑھائے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ جائز ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت مروی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد کی دوسری روایت میں یہ جائز نہیں، ان دونوں کے نزدیک مرد پر مہر مثل دینا لازم ہوگا۔ یہ اختلاف حقیقت میں علماء کے درمیان اس اختلاف پر مبنی ہے کہ کیا عبادات کے لئے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز ہے یا نہیں جس طرح حج، اذان، قرآن کی تعلیم اور اس جیسی دوسری چیزیں جس نے عبادات کے لئے اجرت پر رکھنا جائز قرار دیا۔ انہوں نے اسے بطور مہر بھی صحیح قرار دیا جس نے عبادات کے لئے اجرت پر رکھنا جائز قرار نہیں دیا۔ اس نے مہر معین کرنا بھی صحیح قرار نہیں دیا۔

تعلیم قرآنی کو مہر معین کرنے کے لئے امام شافعی کے نزدیک دو طریقے ہیں (1) عبادات کی اجرت لینا جائز ہے (2) خصوصی طور پر قرآن کی تعلیم کو مہر بنانا۔ پہلی صورت کے لئے آپ کے پیش نظر دو حدیثیں ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابوسعید سے مروی ہے کہ چند صحابہ کرام ایک عرب قبیلہ کے پاس آئے، انہوں نے صحابہ کی ضیافت نہ کی۔ اسی اثناء میں ان کے سردار کو کسی چیز نے ڈس لیا قبیلہ والوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی دوائی ہے یا دم کرنے والا ہے؟ صحابہ نے کہا تم نے ہماری ضیافت نہیں کی ہم بھی اس وقت تک دم نہیں کریں گے جب تک تم اجرت مقرر نہ کرو گے تو قبیلہ والوں نے چند بکریاں ان کے لئے متعین کر دیں۔ صحابی سورۃ فاتحہ پڑھنے لگا، وہ اپنے منہ میں لعاب کو جمع کرنا اور اس کے زخم پر تھمھکا رتا رہا۔ وہ سردار صحت یاب ہو گیا۔ وہ بکریاں لے۔ آئے صحابہ نے کہا ہم اس وقت تک نہ لیں گے جب تک حضور ﷺ سے نہ پوچھ لیں۔ حضور ﷺ سے پوچھا۔ آپ مسکرائے۔ پوچھا تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم ہے؟ بکریاں لے لو اور میرے لئے بھی ان میں سے حصہ نکالو۔

دوسری حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت ایک پانی (چشمہ) کے پاس سے گذری جہاں ایک ایسا آدمی موجود تھا جسے کسی چیز نے ڈس لیا تھا۔ چشمہ والوں میں سے ایک آدمی صحابہ سے ملا پوچھا کیا تم میں سے کوئی دم کرنے والا ہے۔ یہاں چشمہ پر ایک ایسا آدمی ہے جسے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ ایک صحابی اس آدمی کے پاس آئے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ وہ آدمی صحت یاب ہو گیا۔ وہ صحابی بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ صحابہ نے اسے ناپسند کیا اور کہا تو نے اللہ کی کتاب پر اجر لیا، ہے یہاں تک کہ سب صحابہ مدینے پہنچے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے اللہ کی کتاب پر اجر لیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس چیز پر تم اجر لیتے ہو ان میں سے زیادہ حقدار اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ایک روایت میں ہے تم نے ٹھیک کیا میرے لئے حصہ



متعین کر دو دنوں حدیثیں صحیحین میں ہیں۔ امام احمد اور ابو داؤد نے اسی کی مثل خارج بن صلت سے انہوں نے اپنے چچا سے نقل کیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کا جواب یہ دیا گیا جن سے مال لئے گئے وہ کافر تھے۔ ان کے مال لینا جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دم محض عبادت نہیں اس پر اجرت لینا جائز ہے۔

امام شافعی کی دوسری صورت میں دلیل ہل بن سعد کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں بہہ کر دیا۔ وہ طویل وقت تک کھڑی رہی۔ ایک آدمی اٹھا۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ کو اس سے غرض نہ ہو تو میری اس سے شادی۔ کر دیں پوچھا کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے جو بطور مہر تو اسے دے گا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس تو اس چادر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ فرمایا کوئی چیز تلاش کر دو، خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے تلاش کی مگر کوئی چیز نہ پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تجھے قرآن حکیم کا کچھ حصہ یاد ہے؟ اس نے عرض کی مجھے فلاں سورت یاد ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا میں نے تیرا نکاح اس عورت کے ساتھ فلاں فلاں سورت پر کر دیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے جاؤ میں نے اس سے تیرا نکاح کر دیا، اسے قرآن حکیم سکھا دینا (1) متفق علیہ۔

اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ کے خصائص میں ہے کہ آپ بغیر مہر کے اس عورت سے شادی کر لیں جو اپنے آپ کو حضور کے لئے پیش کرے اسی طرح حضور ﷺ کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ بغیر مہر کے اس عورت کی شادی کر دیں جس نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے لئے بہہ کر دیا ہو، ابن جوزی نے مکحول سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرد کا نکاح قرآن کے ایک حصہ کی تعلیم پر کر دیا جو اس کے پاس موجود تھا۔ مکحول یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی ایک کے لئے جائز نہیں۔ امام طحاوی نے لیث سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ کسی کے لئے جائز نہیں۔

ابن جوزی نے اس حدیث کا جواب یہ دیا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں غربت کی وجہ سے یہ جائز تھا۔ میں یہ کہتا ہوں گویا ابن جوزی نے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نسخ محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ایک بات ہوئی۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے ساتھیوں کے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں (1) عموماً عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں (2) تعلیم مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ پہلے طریقے کا ثبوت چند احادیث سے ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک عبادہ بن صامت کی حدیث ہے، فرمایا میں نے اصحاب صفہ میں سے کچھ افراد کو لکھنا سکھایا اور قرآن کی تعلیم دی۔ ان میں سے ایک نے مجھے کمان تھنہ میں پیش کی۔ میں نے کہا جہاد میں اس کے ساتھ تیرا اندازی کروں گا۔ میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اگر تجھے یہ بات خوش کرتی ہے کہ تو آگ کا ایک طوق پہنے تو اسے لے لے۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ (2) اس میں ایک راوی مغیرہ ہے، ابن جوزی نے کہا وہ ضعیف ہے۔ ان میں سے ایک ابی بن کعب کی حدیث ہے، فرمایا میں نے ایک آدمی کو قرآن کریم کی تعلیم دی، اس نے مجھے ایک کمان تھنہ میں پیش کی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر تو نے اسے لے لیا ہے تو نے جہنم کی کمان لی ہے تو میں نے وہ کمان اس آدمی کو واپس کر دی۔ اسے ابن جوزی نے روایت کیا۔

انہیں میں سے ایک عبدالرحمن بن ہبل انصاری کی حدیث ہے اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا قرآن پڑھو اور

اس میں غلو (۱) نہ کرؤ اس سے دور نہ (ب) ہو جاؤ اس کے ذریعے نہ کماؤ اور اس کے ذریعے تکبر نہ کرو۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔  
انہیں میں ایک مطرف بن عبد اللہ کی حدیث ہے کہ عثمان بن ابی العاص نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے میری قوم کا امام بنا دیں۔ فرمایا  
کنز و ترین آدمی کا خیال رکھنا اور ایسا موزن مقرر کرنا جو آذان پر اجرت نہ لے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔

دوسرے طریقے میں ان کی دلیل یہ ہے اگر ہم عبادت پر اجرت لینا جائز تسلیم کر بھی لیں تو قرآن کی تعلیم پر خاص کر اجرت لینا جائز  
نہیں کیونکہ اجارہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ عمل معلوم ہو یا وقت معلوم ہو تعلیم کبھی تھوڑے عمل سے حاصل ہو جاتی ہے اور بعض  
اوقات زیادہ عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ نیز تعلیم متعلم میں ایک وصف پر موقوف ہے جسے پیدا کرنا معلم کی قدرت میں نہیں ہوتا۔ اس وجہ  
سے جو چیز اس کی قدرت میں نہ ہو اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جب اس پر اجرت لینا جائز نہ ہو اور اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ شرع  
نے اسے اموال کے ساتھ شامل نہیں کیا۔ پس اسے مہر بنانا جائز نہ ہوا کیونکہ حلت اموال کے ساتھ عورتوں کو چاہنے کے ساتھ مشروط ہے۔  
ابن سعد کی حدیث خبر واحد ہے۔ جب یہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں ہوئی تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں نص ان تبتغوا بما هو الکم ہے۔  
امام بیضاوی نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ان تبتغوا یہ احل لکم کامفعول لہ ہے۔ یہ حلال کرنے کی علت نہیں۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ  
دوسری عورتیں اس لئے تم پر حلال کی گئیں تاکہ تم عورتوں کو اپنے مال کے ساتھ حاصل کرو، یعنی مال کو ان کے مہر میں صرف کر کے یا ان کی  
شمن کے طور پر خرچ کر کے اس حال میں تم پاک دامن بنو نہ کہ بدکار (۱) امام بیضاوی نے یہاں مضاف مقدر کیا ہے تاکہ مفعول لہ بھی  
اس فاعل کا فعل بن جائے جو مفعول لہ فعل کا فاعل ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہاں مضاف کو مقدر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان اور ان کے ساتھ حرف جار کا حذف قیاسی ہے۔ پس  
لام کو مقدر ماننا جائز ہے جس میں ایک فاعل ہونا شرط نہیں۔ پھر امام بیضاوی نے اس تاویل کی طرف نظر کرتے ہوئے فرمایا کہ احناف  
نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے، جبکہ اس آیت میں اس امر کی کوئی دلیل نہیں۔ امام بیضاوی  
کے قول لا حجة لہ کا معنی یہ ہے کہ مال کو بے حیائی کے کاموں میں صرف کرنا جو دنیا و آخرت میں نقصان کا موجب ہے، اس سے  
بچاؤ کے لئے حلال قرار دینا اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ حلت مال کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تاویل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ محرمات کے علاوہ عورتوں کی حلت مطلق ہے اور اس بات کا بھی تقاضا  
کرتی ہے کہ ان تبتغوا کا قول قید نہ ہو، جبکہ حقیقت حال ایسے نہیں کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ حلت نکاح کے ساتھ اور ملک یمین کے ساتھ  
مقید ہے اور مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے جس پر سب کا اتفاق ہے، یہاں تک کہ جس نے مردار مٹی یا راکھ کو مہر معین کر کے شادی  
کی تو بالاجماع اس پر مہر مثل لازم ہوگا، جس طرح اس آدمی پر مہر مثل لازم ہوتا ہے جس نے بغیر مہر کے نکاح کیا ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن حکیم کی ایک سورت کی تعلیم کو مہر معین کر کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ اس تعلیم کو مال  
کے ساتھ ملائے ہیں جس طرح آپ اس پر اجرت لینا جائز سمجھتے ہیں۔ ہم نے اس کے حق میں اور مخالفت میں دلائل ذکر کر دیئے ہیں۔

(۱) حد سے تجاوز نہ کرو۔ نہایہ میں ہے آپ نے یہ اس لئے فرمایا کیونکہ آپ کے اخلاق و آداب میں یہ چیز تھی کہ امور میں میانہ روی کا حکم دیتے اور بہترین امر  
درمیانی امر ہے اور میانہ روی کی دونوں طرفیں مذموم ہیں۔

(ب) جفا کا معنی کسی شے سے دور ہونا۔

1- تفسیر بیضاوی، صفحہ 108 (فراس)

صحیح تاویل وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کر دیا، جس سے اجماعی مسائل مستحکم ہوتے ہیں۔

مسئلہ :- جس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا اور اس کی آزادی کو ہی اس کا مہر قرار دیا، یعنی یہ کہا میں نے تجھے اس شرط پر آزاد کیا کہ تو مجھ سے اس آزادی کے عوض شادی کرے گی، بالا جماع یہ آزادی صحیح ہوگی۔

امام احمد نے کہا اگر یہ دو گواہوں کی موجودگی میں ہو تو نکاح صحیح ہوگا کیونکہ حضرت صفیہ کے نکاح کا قصہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ امام احمد سے دوسری روایت میں یہ صحیح نہیں، جس طرح جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے۔ اس عورت کو نکاح کرنے کا اختیار ہوگا، اگر وہ اپنے سابقہ مالک سے شادی کر لے تو جمہور علماء کے نزدیک اسے مہر مثل ملے گا جبکہ امام ابو یوسف اور سفیان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان کی دلیل ایک صحیح حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت صفیہ سے شادی کی اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر بنا دیا اور بنی مصطلق کے قیدیوں میں حضرت جویریہ کا قصہ بھی ایسا ہی ہے۔ جویریہ ثابت بن قیس اور ان کے چچا زاد بھائی کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے جویریہ سے عقد مکاتبہ کیا۔ جویریہ مکاتبہ کے مال میں مدد طلب کرنے کی غرض سے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں تیری طرف سے مکاتبہ کا مال دے دیتا ہوں اور تجھ سے شادی کرتا ہوں۔ اس نے عرض کی مجھے منظور ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے ایسا کر دیا۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت عائشہ کی حدیث سے بیان کیا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بغیر مال کے نکاح تھا کیونکہ لونڈی اپنی رقبہ کی مالک نہیں ہوتی۔ پس اس نکاح کا حکم بغیر مہر کے نکاح کے حکم جیسا ہوگا پس مہر مثل واجب ہوگا۔ حدیث حجت نہیں بن سکتی کیونکہ مہر کے بغیر نکاح حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے خَالِصَةٌ لِّكَ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ

اگر وہ آزاد شدہ عورت سے شادی کر دے تو اس پر لازم ہوگا کہ اپنی قیمت کے برابر کما کر مالک کو دے۔ یہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک اور امام زفر نے کہا آزاد شدہ لونڈی پر اپنی قیمت کما کر دینا لازم نہیں۔ احناف اور امام شافعی کے قول کی دلیل یہ ہے کہ آقا نے آزادی کو بضع کا عوض بنایا ہے جب اس عورت نے شادی سے انکار کر دیا تو بغیر عوض کے آزادی باقی رہے گی جبکہ آقا اس پر راضی نہیں اس لئے کما کر دینا اس پر لازم ہوگا، جس طرح اگر آقا نے غلام اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ ایک سال تک سابقہ مالک کی خدمت کریگا تو غلام پر اپنی قیمت کما کر دینا لازم ہوگی۔ یہ شیخین کا نقطہ نظر ہے، جب کہ امام محمد کے نزدیک ایک سال کی اجرت لازم ہوگی۔ امام مالک اور امام زفر کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جب آزادی نکاح کا عوض نہیں بن سکتی تو بغیر عوض کے آزادی باقی رہے گی۔ اس لئے اگر اس نے شادی سے انکار کر دیا تو اس پر کما کر دینا لازم نہ ہوگا، جس طرح اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لے تو اس پر کما کر دینا لازم نہیں یہ قول زیادہ واضح ہے۔

مسئلہ :- زیادہ سے زیادہ مہر کی بالا جماع کوئی حد نہیں جس کی وضاحت ہم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِخْلُصْتُمْ لَهَا قَطْرًا میں کر دی ہے کم سے کم مہر میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا فرمان یہ ہے کہ کم سے کم مہر کی کوئی حد نہیں، ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے۔ ان دونوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلق ہونا ہے اَنْ تَبْتَغُوا بِهَا مَوَالِئَكُمْ

امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار شرعاً مقرر ہے۔ یہ مال کی وہ مقدار ہے جس میں چور کا ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے جبکہ اس کی مقدار میں دونوں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی مقدار دس درہم یا ایک دینار ہے جبکہ امام

مالک کے نزدیک اس کی مقدار دینار کا چوتھائی حصہ یا تین درہم ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے اپنے نقطہ نظر کو اس آیت سے ثابت کیا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَعَرَضْنَا عَلَيْكُمْ فِي آذَانِهِمْ علماء نے فرمایا فرض کا معنی تقدیر ہے، پس مہر شرع کی طرف سے متعین ہے جس نے اسے معین نہ کیا وہ کتاب اللہ کے حکم کو باطل کرنے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تقدیر کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی، جس نے اس کی تقدیر بندے کے سپرد کی وہ متکلم کی ضمیر "نا" کو باطل کرنے والا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں یہ آیت نفقہ کے متعلق ہے، مہر کے متعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَعَرَضْنَا عَلَيْكُمْ فِي آذَانِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ کیونکہ مملوکہ کا کوئی مہر نہیں ہوتا۔ اگر اس آیت سے مہر کی تعیین ثابت ہو تو پھر لونڈی کی قیمت کی تعیین بھی لازم آئے گی، جبکہ یہ قول کسی نے بھی نہیں کیا۔

امام شافعی نے مہر کی کم سے کم مقدار شرع کی طرف سے متعین نہ ہونے کو احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے ایک سہل بن سعد کی حدیث ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں تلاش کر دخواہ لو ہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ انہیں میں سے ایک عامر بن ربیعہ کی حدیث ہے کہ فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتیوں پر عقد نکاح کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو جوتے کے ایک جوڑے پر راضی ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے جائز قرار دے دیا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ (1)

ابن جوزی نے کہا یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہے یحییٰ بن معین نے کہا یہ ضعیف ہے، اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ ابن حبان نے کہا وہ فحش غلطیاں کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کی حدیث کو چھوڑ دیا گیا۔ انہیں میں سے ایک جابر بن عبد اللہ کی حدیث ہے، فرمایا اگر ایک آدمی مٹھی بھر کھانا بطور مہر ادا کرے تو وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی۔ ایک روایت میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ جس نے نکاح میں ہتھیلی بھر چیز دی تو اس نے عورت کو حلال کر لیا۔ یہ بھی کہا وہ آٹا ہو کھانا ہو۔ یا ستو ہو اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ ابو داؤد نے ان الفاظ کیساتھ روایت کیا ہے چلو بھرا آٹا یا ستو۔ تمام سندوں میں صالح بن مسلم بن رومان راوی ہے جسے یحییٰ اور رازی نے ضعیف قرار دیا۔ بعض سندوں میں صالح بن مسلم کی جگہ موسیٰ بن مسلم آیا ہے۔ موسیٰ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔ اسے دارقطنی نے عبد اللہ بن مؤمل سے اور انہوں ابو الزبیر سے، انہوں نے جابر سے روایت کیا ہے، کہا عورتوں سے ایک مٹھی یا دو مٹیوں پر نکاح کیا کرتے تھے۔ امام احمد نے کہا ابن مؤمل کی احادیث منکر ہیں۔ یحییٰ نے کہا وہ ضعیف ہے اور انہیں میں سے ایک حدیث ابو سعید خدری سے مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا بیوہ عورتوں سے شادی کرو اور علائق ادا کرو۔ عرض کی گئی علائق کیا ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا جس پر دونوں کے اولیاء راضی ہو جائیں، خواہ وہ پیلو کے درخت کی ٹہنی ہو (2) اسے دارقطنی نے اسماعیل بن عیاش، سے انہوں نے برد بن سنان سے انہوں نے ابو ہارون عبدی سے روایت کیا۔ اسماعیل بن عیاش کو علماء نے ضعیف قرار دیا۔ ابن حبان نے کہا وہ قابل حجت نہیں۔ ابو ہارون عبدی کا نام عمارہ بن جون ہے۔ حماد بن زید نے کہا وہ جھوٹا تھا۔ امام احمد نے کہا وہ کچھ بھی نہیں۔ شعبہ نے کہا کہ وہ آگے بڑھ کر اگر میری گردن بھی اڑا دے، یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس کی بنسبت کہ میں ابو ہارون عبدی سے حدیث روایت کروں۔ سعدی نے کہا وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔

دارقطنی اور بیہقی نے اسی کی مثل محمد بن عبدالرحمن سلمان سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے ابن عباس سے روایت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت ابن عمر سے دارقطنی اور طبرانی نے روایت کیا۔ یحییٰ بن معین نے کہا محمد بن عبدالرحمن کچھ بھی نہیں۔ ابن حبان نے کہا اس نے اپنے والد کی احادیث لکھ کر اس سے روایت کی ہیں جو سب موضوع ہیں۔ بیہقی نے حضرت عمر سے ایک روایت نقل کی ہے، اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے مراہیل میں عبدالملک بن مغیرہ طاہمی سے، اس نے عبدالرحمن سلیمانی سے مرسل روایت کی ہے۔ عبدالحق نے بیان کیا مرسل زیادہ صحیح ہے۔ بیہقی نے یحییٰ بن عبدالرحمن سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے جس نے ایک درہم کے بدلے میں حلال کرنا چاہا پس وہ حلال ہے۔ ابن شاہین نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ دو یا دو سے زیادہ درہموں کے ساتھ نکاح صحیح ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار عورتوں کی شادی اولیاء کریں اور ان کی شادی کفو میں ہی کی جائے اور دس درہم سے کم مہر نہیں۔ اسے دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ ابن جوزی نے کہا ہم نے اس حدیث کو کئی طرق سے روایت کیا جن کا دارودمدار مبشر بن عبید پر ہے۔ ابن منہل نے کہا مبشر کوئی چیز نہیں، اس کی احادیث موضوع اور جھوٹی ہیں، وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ دارقطنی نے کہا وہ جھوٹ بولتا تھا۔ ابن حبان نے کہا وہ ثقہ لوگوں سے موضوع روایات نقل کرتا تھا۔ ابن ہمام نے کہا اس حدیث کے کئی شواہد ہیں جو اس کو قوی بناتے ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے جو موقوف ہے کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے اور دس درہم سے کم مہر نہیں ہوگا۔ امام محمد نے کہا ہمیں یہ خبر حضرت علی بن عبد اللہ بن عمر عامر اور ابراہیم سے پہنچی ہے اور طحاوی کی شرح میں اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر تک سند چلائی ہے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کی لیکن اس حدیث میں علی داؤد ازدی ہے جو شععی سے، وہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا داؤد کی حدیث کچھ بھی نہیں ابن حبان نے کہا داؤد رجوع کر لیتا تھا۔ نیز شععی نے حضرت علی سے براہ راست نہیں سنا۔ بعض سندوں میں غیاث بن ابراہیم ہے۔ امام احمد بخاری اور دارقطنی نے کہا غیاث بن ابراہیم متروک الحدیث ہے۔ یحییٰ نے کہا وہ کذاب تھا۔ ابن حبان نے کہا وہ حدیث گھڑ لیتا تھا۔ حضرت علی شیر خدا سے یہ بھی مروی ہے کہ مہر پانچ درہم سے کم نہیں۔ اس سند میں حسن بن دینار ہے۔ امام احمد نے کہا اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی تھی۔ یحییٰ نے کہا یہ کچھ بھی نہیں ابو حاتم نے کہا یہ کذاب ہے۔

میں کہتا ہوں اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دس درہم مہر مقرر کرنے والی حدیث صحیح نہیں بلکہ اس کی مخالف حدیث صحیح ہے، وہ بہل بن سعد کی حدیث ہے۔ اگر دس درہم مہر مقرر کرنے والی حدیث صحیح ہوتی تب بھی مطلق کتاب اللہ پر اس سے زیادتی صحیح نہ ہوتی۔ جو یہ قول کیا گیا ہے کہ مہر حق شرع کے طور پر واجب ہے اور اس کا سبب بضع کے شرف کو ظاہر کرنا ہے اور مطلق مال اس شرف کا تقاضا نہیں کرتا جس طرح گندم کا دانہ اور روٹی کا ٹکڑا تو ایک ایسی تعلیل ہے جو کتاب اللہ کے مطلق حکم کو باطل کر دیتی ہے۔ پس اسے رد کر دیا جائے گا۔

۹ ایک جماعت نے کہا یہاں استمتاع سے مراد نکاح متعہ ہے۔ یہ وہ عقد ہوتا ہے جس میں مخصوص وقت کے لئے معین مہر کے ساتھ بضع کی ملکیت کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو بغیر طلاق کے عورت جدا ہو جاتی ہے۔ عورت اپنے رحم کو پاک کرتی ہے۔ متعاقبین کے درمیان کوئی وراثت جاری نہیں ہوتی نہ ہی اس عورت کو بیوی اور نہ ہی اس مرد کو خاوند کہا جاتا ہے۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابن جریج سے، وہ عطاء سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسے اب بھی حلال خیال کرتے تھے اور دلیل

کے طور پر یہ آیت پڑھتے اور کہتے ابی بن کعب کی قرأت میں اس آیت میں الی اجل مسمى کے الفاظ ہیں۔ وہ کہتے اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم فرمائے، متعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھا جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں پر رحم فرماتا۔ اگر حضرت عمر سے منع نہ کرتے تو کسی کو زنا کی ضرورت نہ ہوتی (1) ابن عبد البر نے روایت کیا ہے کہ ابن عباس سے متعہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ متعہ کیا بدکاری ہے یا نکاح ہے انہوں نے جواب دیا یہ نہ نکاح ہے نہ بدکاری۔ پوچھا گیا پھر یہ کیا ہے؟ کہا یہ متعہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے پوچھا کیا اس عورت پر رحم پاک کرنے کے لئے ایک حیض گزارنا لازم ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ میں نے پوچھا ان دونوں میں وراثت جاری ہوگی؟ فرمایا نہیں صحابہ کی ایک جماعت سے بھی اس کی حلت روایت کی گئی ہے۔ امام نسائی اور طحاوی نے کہا اسماء بنت ابی بکر سے نقل کیا ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں متعہ کیا۔ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم کے ابتدائی دور میں ایسا کیا (2) جب حضرت عمر کی خلافت کا آخری دور آیا تو آپ نے ہمیں اس چیز سے روک دیا پھر ہم نے ایسا نہ کیا۔

سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، آپ نے متعہ کی اجازت دی۔ صحیحین میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک معین وقت تک عورت سے نکاح کرنے کی رخصت دی، پھر ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنْهُمْ حَبْلٌ..... (3) یہ تمام آثار اس بات کے مانع نہیں کہ یہ حکم منسوخ نہیں۔ صرف حضرت ابن عباس اور ابن مسعود کی روایت اس کے غیر منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت معاد یہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے طائفہ میں ایک عورت سے متعہ کیا عمرو بن شیبہ نے اخبار مدینہ میں اپنی سند سے ذکر کیا کہ سلمہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا۔ یہ بات حضرت عمر تک جا پہنچی آپ نے اسے دھمکی دی۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں معبد بن امیہ سے متعہ کی حلت کے بارے میں روایت نقل کی ہے۔ حافظ نے کہا تابعین میں سے ابن جریج، طاؤس، عطاء ابن عباس کے شاگردوں سعید بن جبیر اور مکہ مکرمہ کے فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ اسی وجہ سے اوزاعی نے کہا جسے حاکم نے علوم الحدیث میں روایت کیا ہے، اہل حجاز کے پانچ قول چھوڑ دیئے گئے۔ ان میں سے ایک اہل مکہ کا یہ قول ہے کہ عورتوں سے متعہ کرنا جائز ہے اور اہل مدینہ کا یہ قول کہ عورتوں سے دبر میں وطی کرنا جائز ہے۔

مسئلہ:- متعہ کے عدم جواز اور اس کی حرمت پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ صرف شیعہ کا ایک طائفہ اس کے جواز کا قائل ہے۔ متعہ کی حرمت پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَالَّذِينَ هُمْ يُغْتَرَبُونَ..... کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس عورت کے ساتھ متعہ کیا گیا ہو اسے زوجہ نہیں کہتے۔ اسی وجہ سے ان میں باہم وراثت بھی تقسیم نہیں ہوتی۔ اگر آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا وہ معنی لیا جائے جو حضرت ابن عباس نے لیا ہے تو پھر یہ منسوخ ہوگی۔ امام مسلم نے ربیع بن بسرہ بن معبد جہنی سے روایت کی ہے کہ ان کے باپ نے بیان کیا کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک حرام کر دیا ہے۔ جس کسی کے پاس ایسی عورت ہو تو اسے آزاد کر دے اور جو مال تم نے اسے دیا ہے وہ مال واپس نہ لے (4)

2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 451 (قدیمی)

4- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 451 (قدیمی)

1- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 252 (العلویہ)

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 450 (قدیمی)

امام مسلم نے انہیں سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں متعہ کی اجازت دی میں اور ایک دوسرا آدمی بنی عامر کی ایک عورت کے پاس گئے۔ گویا وہ نو جوان اور لمبی گردن والی تھی۔ ہم نے اپنے آپ کو اس پر پیش کیا۔ اس نے پوچھا تو مجھے کیا دے گا؟ میں نے کہا اپنی چادر دوں گا۔ میرے ساتھی نے کہا میں بھی اپنی چادر دوں گا۔ میرے ساتھی کی چادر مجھ سے بہتر تھی، جبکہ میں اس سے زیادہ جوان تھا۔ جب اس نے میرے ساتھی کی چادر دیکھی تو اسے وہ اچھی لگی اور جب اس نے مجھے دیکھا تو مجھے پسند کیا۔ پھر اس نے کہا تو اور تیری چادر مجھے کافی ہے۔ میں اس کے پاس تین دن تک رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس ایسی عورت ہو جس کے ساتھ اس نے عقد متعہ کیا ہے اسے آزاد کر دے۔ (1)

ابن ماجہ نے صحیح سند سے حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تین دن متعہ کی اجازت دی تھی پھر اسے حرام قرار دیا، مجھے اللہ کی قسم اگر مجھے علم ہوا کہ کسی نے شادی شدہ ہو کر کسی عورت سے متعہ کیا تو میں اسے پتھروں سے رجم کر دوں گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ ارشاد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو عقد متعہ کرتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا، جس کو میرے پاس لایا گیا کہ اس نے عقد متعہ کیا ہوگا تو میں اسے رجم کر دوں گا۔ حضرت ابن عمر سے متعہ کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا حرام ہے۔ آپ سے عرض کیا گیا ابن عباس اس کی حلت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ فرمایا حضرت عمر کے دور میں ایسا فتویٰ کیوں نہیں دیا۔ امام مسلم نے سلمہ بن اکوع سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے غزوہ اوطاس میں تین دن کے لئے متعہ کی رخصت دی پھر ہمیں اس سے منع کر دیا۔ امام مسلم نے سبرہ بن معبد سے روایت کیا جب ہم مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو حضور ﷺ نے ہمیں اس کی اجازت دی۔ ابھی مکہ مکرمہ سے نہیں نکلے تھے کہ آپ نے ہمیں منع بھی کر دیا حازمی نے اپنی سند سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک پر گئے۔ جب ہم شام کے علاقہ میں عقبہ کے مقام پر پہنچے تو کچھ عورتیں آگئیں۔ ہم نے ان سے عقد متعہ کیا۔ وہ ہمارے کجاووں میں سوار ہونا چاہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے ان عورتوں کو دیکھ لیا۔ پوچھا یہ عورتیں کون ہیں؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے ہم نے عقد متعہ کیا ہے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سخت غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ رخسار سرخ ہو گئے، چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر آپ نے متعہ سے ہمیں منع کر دیا۔ ہم مردوں اور عورتوں نے ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ ہم نے دوبارہ ایسا نہ کیا اور نہ آئندہ ایسا کریں گے۔

امام طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے کہ آپ منیۃ الوداع کے مقام پر فرود کش ہوئے۔ آپ نے چراغ اور روتی ہوئی عورتیں دیکھیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ سے عرض کی گئی یہ وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ متعہ کیا گیا اور ابھی انہیں مردوں نے چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے طلاق نکاح عدت اور میراث کے احکام کے ساتھ متعہ کو حرام کر دیا ہے اور دارقطنی کے نزدیک سند حسن کے ساتھ عدم المعصہ کے الفاظ ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حسن اور عبد اللہ سے جو محمد بن علی کے صاحبزادے ہیں، ان دونوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت علی سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ابن عباس کے متعلق سنا کہ وہ عورتوں کے متعہ کے بارے میں نرمی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابن

عباس اس کو چھوڑ دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز متعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا (۱) حضرت علی شیر خدا سے ہی ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا تم میں کچھ گمراہی ہے۔ امام مسلم نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر مکہ مکرمہ میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، فرمایا کچھ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہے جس طرح ان کی آنکھوں کو بے بصر کیا، وہ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ وہ حضرت ابن عباس کی طرف اشارہ کر رہے تھے کیونکہ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت ابن عباس نے حضرت عبد اللہ بن زبیر کو بلا بھیجا اور کہا تو جلف (بے وقوف) (۱) اور رسنگدل آدمی ہے مجھے اپنی زندگی کی قسم متعہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں کیا جاتا تھا جو امام المتقین تھے۔ تو حضرت عبد اللہ بن زبیر نے کہا تم خود ایسے کرو، اللہ کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو میں تجھے پتھروں سے رجم کر دوں گا۔ (۲)

ابن ابی عمرہ انصاری نے کہا اسلام کے ابتدائی دور میں اس کی اسے رخصت تھی جو ایسا کرنے پر مجبور تھا، جس طرح مردار خون اور خنزیر کا گوشت مجبوری میں جائز ہے پھر اللہ تعالیٰ نے دین کو مضبوط کر دیا اور ہمیں متعہ سے منع کر دیا۔ امام بیہقی نے زہری سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنی وفات سے پہلے متعہ کی حلت سے رجوع کر لیا تھا۔ ابو عوانہ نے بھی اپنی صحیح میں یہی کہا۔ ابو داؤد نے اپنی ناخ ابن منذر اور نحاسی نے عطاء سے، انہوں نے ابن (ب) سے اس آیت کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ اس آیت کو یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ الْآیۃ نے منسوخ کر دیا ہے۔ امام بیہقی اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن مسعود ابو داؤد اور بیہقی نے حضرت سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ آیت میراث نے متعہ کو منسوخ کر دیا۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ متعہ ابتداء اسلام میں تھا۔ ایک آدمی کسی شہر میں آتا جہاں اس کی کسی سے جان پہچان نہ ہوتی۔ جتنا عرصہ اس نے وہاں قیام کرنا ہوتا وہ عورت سے عقد متعہ کر لیتا۔ وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کی ضروریات کا خیال رکھتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ..... الْآیۃ حضرت عبد اللہ بن عباس نے کہا ان کے علاوہ تمام عورتیں حرام ہیں۔

میرا خیال ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے حضرت عبد اللہ بن زبیر اور دوسرے علماء کے ساتھ مناظرہ کے بعد اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔ جب آپ حقیقت حال پر مطلع ہوئے تھے اور آپ پر ظاہر ہو گیا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

آپ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ حالت اضطراب اور سفر میں زنا سے خوف کی حالت میں اس کو مباح کہتے تھے۔ اس کی دلیل حاری کی وہ روایت ہے جو انہوں نے خطابی کی سند سے ابو المنہال سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے نقل کی کہا میں نے حضرت ابن عباس سے کہا قافلے آپ کے فتویٰ کو ہر طرف لے گئے اور شعراء نے بھی اس بارے میں طبع آزمائی شروع کر دی ہے۔ پوچھا شعراء نے کیا کہا میں نے بتایا:-

ترجمہ:- میں نے شیخ سے کہا جب اس کا قیام طویل ہو گیا، اے میرے ساتھی کیا آپ کو حضرت ابن عباس کے فتویٰ سے دلچسپی ہے؟ کیا آپ کو ایسی عورت سے غرض ہے جس کے اطراف نرم ہوں جو لوگوں کو واپس آنے تک آپ کا ٹھکانہ رہے؟ تو حضرت ابن عباس نے کہا سبحان اللہ (تعجب کرتے ہوئے) میں نے تو ایسا فتویٰ نہیں دیا۔ یہ تو اسی صورت میں جائز ہے جس صورت میں مردار خنزیر کا گوشت

۱- صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ 452 (قدیمی) 2- صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ 452 (قدیمی)

(۱) جلف کا معنی احمق ہے۔ اس کا حقیقی معنی وہ مذبح بکری جس کی جلد اتار دی گئی ہو اور اس کا سر اور پاؤں کاٹ دیئے گئے ہوں۔ دنی کو بھی جلف کہتے ہیں۔ احمق کو ان دونوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ (ب) شاید ابن عباس مراد ہیں۔



جو صرف مجبور آدمی کے لئے جائز ہوتا ہے۔

ابن منذر نے اپنی تفسیر میں یہ بتاتی ہے کہ اپنی سنن میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ نہیں ہرگز نہیں قسم بخدا میں نے ایسا فتویٰ نہیں دیا اور نہ ہی اس کا میں نے ارادہ کیا، میں نے اسے صرف مجبور کے لئے مباح کیا ہے۔

ابن جریج نے بھی اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔ ابو عوانہ اپنی صحیح میں ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بصرہ میں کہا لوگو گواہ رہنا میں نے متحہ کی حلت کے فتویٰ سے رجوع کر لیا ہے، جبکہ آپ اٹھارہ سال تک اس کے مباح ہونے کو بیان کرتے رہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام مسلم کی بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ متحہ کی رخصت موجود ہے اور اس کی حرمت غزوہ اوطاس میں ہوئی اور بعض میں ہے فتح مکہ کے روز حرمت ہوئی، جبکہ صحیحین میں ہے کہ غزوہ خیبر کو حرمت ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حرمت ہوئی تو ان سب میں تطبیق کیسے ہوگی۔

ہم اس کا جواب دیں گے کہ غزوہ اوطاس فتح مکہ کے قریب ہی واقع ہوا۔ پس اوطاس کا سال اور فتح مکہ کا روز ایک ہی ہے۔ اب فتح مکہ اور غزوہ خیبر میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ متحہ کی رخصت دو دفعہ ہوئی۔ پھر ہر دفعہ اسے منسوخ کر دیا گیا اور حرمت کا معاملہ تا قیامت باقی رہے گا۔ ابن ہمام نے اسی طرح کہا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے نکاح متحہ کا باب کہ اسے مباح کہا گیا، پھر اسے منسوخ کیا گیا، پھر اسے مباح کیا گیا، پھر اسے منسوخ کیا گیا، اب اس کی حرمت تا قیامت باقی ہے۔

بغوی نے کہا بیچ بن سلیمان نے کہا میں نے امام شافعی سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ متحہ کے بغیر اسلام میں کوئی ایسا امر نہیں جانتا جسے مباح کیا گیا ہو، پھر حرام قرار دیا گیا، پھر اسے مباح کیا گیا ہو پھر حرام قرار دیا گیا ہو (1) بعض علماء نے کہا یہ تین دفعہ منسوخ ہوا۔ ایک قول کیا گیا کہ یہ اس سے زیادہ دفعہ منسوخ کیا گیا۔ رہا غزوہ تبوک کا معاملہ تو اس سے یہ مراد نہیں لی گئی کہ اس سے پہلے رخصت تھی۔ وہاں تو جس نے بھی یہ فعل کیا اس نے اسکے ہمیشہ کے لئے حرام ہونے سے عدم واقفیت کے طور پر کیا۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ ناراض ہوئے، یہاں تک کہ آپ کا چہرے متغیر ہو گیا۔ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور متحہ سے قطعی نہی کی۔ حاری نے کہا رسول اللہ ﷺ نے حالت اقامت میں تو کبھی بھی اسے مباح نہیں کیا۔ آپ نے اسے بعض مخصوص اوقات میں ضرورت کے مطابق مباح کیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر اسے حرام قرار دے دیا اور اسکی حرمت دائمی ہو گئی واللہ اعلم۔

اکثر مفسرین نے کہا اس آیت سے متحہ مراد ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ سے مراد نکاح صحیح کے ساتھ اپنی عورتوں سے جماع کے ساتھ انشاع اور لذت حاصل کرنا ہے۔ پس تم انہیں ان کے مہر دو۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد نے یہی کہا۔ ابن جریر ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ استمتاع سے مراد نکاح ہے اور مہر کی ادائیگی کا حکم وہی ہے جو آیت وَاَتُوا النِّسَاءَ صِدْقَتِهِنَّ مِنْهُنَّ میں ہے۔

مسئلہ:- ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا اگر یہ معنی لیا جائے تو یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت حقوق زوجیت کے بغیر مہر کی مستحق نہیں بنتی۔ پس یہ آیت امام مالک کی دلیل ہے کیونکہ آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بیوی حقوق زوجیت کی ادائیگی اور خاوند کی موت کے

بغیر مہر کی مستحق نہیں بنتی، وہ عقد کے ساتھ نصف مہر کی مستحق بنتی ہے۔ جبکہ جمہور علماء کا نقطہ نظر اس سے مختلف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک عورت عقد کے ساتھ مکمل مہر کی مستحق تو بن جاتی ہے، تاہم حقوق زوجیت سے قبل طلاق دینے کی صورت میں نصف مہر ساقط ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان **أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ** میں باء الصاق کے لئے ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مہر کا وجوب عقد کے ساتھ ہو اور حقوق زوجیت کی ادائیگی تک تراخی اس کے منافی ہے، جس طرح ہم نے اس کا ذکر اس آیت کے ضمن میں کر دیا۔ یہ آیت مہر کی ادائیگی کے وجوب اور حقوق زوجیت کی ادائیگی کی صورت میں مہر ساقط نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ اس پر دلالت نہیں کرتی کہ نفس عقد کے ساتھ مہر واجب ہی نہیں ہوگا بلکہ اس آیت میں اس بارے میں سکوت ہے۔ پس دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہ ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ امام مالک کے لئے بھی دلیل نہ بن سکی۔ جب عورت نفس عقد کے ساتھ مہر کی مالک بن جاتی ہے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ خاوند کو حقوق زوجیت سے رک دے یا سفر پر جانے سے انکار کر دے، یہاں تک کہ وہ مہر ادا کرے۔ اسی لئے جو غلام بطور مہر معین کیا گیا اس تعین کے بعد اگر عورت اسے آزاد کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا، اگر مرد آزاد کرے تو وہ آزاد نہیں ہوگا واللہ اعلم۔

۱۱۔ فریضۃ اجور سے حال ہے اور اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی **إِنْتَاء مَفْرُوضًا** یا یہ خود مفعول مطلق ہے اور برائے تاکید ذکر کیا گیا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی **فَرِيضَةٌ**۔

۱۲۔ جن علماء نے ما قبل حصہ کو متعہ پر محمول کیا ہے۔ انہوں نے کہا اس کا معنی یہ ہے جب کسی آدمی نے مال کے بدلہ میں ایک مدت تک عقد کیا جب مدت مکمل ہوگئی، اگر عورت چاہے تو مدت میں اضافہ کرے اور مرد اجرت میں اضافہ کر دے، ورنہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ اور جن علماء نے ما قبل حصہ کو نکاح صحیح کے ساتھ لطف اندوز ہونے پر محمول کیا ہے انہوں نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے عورت نے اپنے مہر میں سے جو کمی کی ہے یا تمام مرد کو بہہ کر دیا یا خاوند نے مہر میں اضافہ کر دیا اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ:۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مہر میں زیادتی اصل عقد کے ساتھ شامل کر دی جائے گی۔ یہی حکم کی کرنے کا ہوگا عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ زیادتی کا اس طرح مطالبہ کرے جس طرح اصل مہر طلب کرنے کا اسے حق حاصل ہے۔ یہ پھر امام شافعی کے خلاف دلیل ہوگی کیونکہ آپ کا قول یہ ہے زیادتی ایک جدید بہہ ہے۔ اگر عورت نے اس پر قبضہ کر لیا تو یہ نافذ ہو جائے گا، اگر قبضہ نہ کیا تو یہ باطل ہو جائے گا۔ ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر امر اسی طرح ہو جس طرح امام شافعی نے فرمایا تو اس آیت کا کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوگا کیونکہ جدید بہہ تو کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے، اس وقت کے ساتھ تو اسے کچھ تخصیص حاصل نہیں۔

امام احمد نے فرمایا اگر خاوند مر جائے یا اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لئے جائیں تو مہر زیادتی کے ساتھ ثابت ہو جائے گا۔ اگر مرد نے حقوق زوجیت سے قبل اسے طلاق دے دی تو اس مہر کے ساتھ زیادتی بھی نصف لازم ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر بھی یہی ہے تاہم تھوڑا سا اختلاف ہے کہ اگر حقوق زوجیت سے قبل اسے طلاق دے دی تو زیادتی کے ساقط ہو جائے گی اور اس کا نصف لازم نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **كَلَّمْتُمُوهُنَّ... فَنُصِفْنَ مَا قَدَرْتُمُنَّ**۔ یہاں عقد کے موقع پر جو مہر معین کیا گیا تھا۔ اس کے نصف کے وجوب کو خاص کیا ہے۔

امام مالک کا فرمان ہے کہ اگر جماع ہو تو زیادتی ثابت ہو جائے گی، اگر دخول سے پہلے طلاق دی تو نصف مہر کے ساتھ نصف زیادتی بھی لازم ہوگی، اگر وطی اور مہر پر قبضہ سے پہلے مرد فوت ہو گیا تو زیادتی باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر عورت نے بعض مہر کو معاف کر دیا تو یہ بالاتفاق صحیح ہے۔ اگر نصف سے کم بہہ کر دیا اور باقی پر قبضہ کر لیا اور وطی سے پہلے

خاوند نے اسے طلاق دے دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نصف سے زائد جو عورت نے لیا خاوند اسے واپس لے سکتا ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک جس مہر پر قبضہ کیا ہے اس کا نصف لے سکتا ہے۔

۱۲ اللہ تعالیٰ مصالح کو جانتا ہے اور جو احکام اس نے دیے اس میں حکمتیں رکھیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مِمَّا مَلَكَتْ  
 أَيْمَانُكُمْ فَمَنْ فَتَيْتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ  
 فَانكِحُوهُنَّ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ وَاتَّوَهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ  
 مُسَفَّحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَ فَإِنَّهُنَّ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ  
 نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ  
 تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑩

”اور جو نہ رکھتا ہو تم میں سے اس کی طاقت ۱۔ کہ نکاح کرے ۲۔ آزاد مسلمان عورتوں سے ۳۔ تو وہ نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں ۴۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو ۵۔ بعض تمہارے بعض (کی جنس) سے ہے ۶۔ تو نکاح کر لو ان سے ان کے سر پرستوں کی اجازت سے بے اور دو ان کے مہر ۷۔ ان کے دستور کے موافق ۸۔ (تا کہ نکاح سے) وہ پاکدامن بن جائیں نہ (اعلانیہ) زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یا ر ۹۔ اور جب وہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں ۱۰۔ پھر اگر وہ ارتکاب کریں بدکاری کا تو ان پر اس سزا کا نصف ہے ۱۱۔ جو آزاد عورتوں کے لئے ہے (لوٹھ یوں سے نکاح کی اجازت) اس کے لئے ہے جسے خطرہ ہو بدکاری میں مبتلا ہونے کا تم سے ۱۲۔ اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لئے ۱۳۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۱۴۔“

۱۔ طول؛ طائل اور طائلہ سب کا معنی فضل، قدرت غنا اور وسعت ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ یہاں اس کا معنی استطاعت ہے جس کا معنی قدرت ہے۔ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

۲۔ یہ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ طولاً مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو، جس کا معنی بلند ہوتا ہے، جو فضل اور غناء کو لازم ہے اور ان ینکح حرف جار کے حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہو جو طولاً کے متعلق ہے، یعنی جو اتنی طاقت نہ رکھتا ہو کہ نکاح کر سکے۔ یہ بھی جائز ہے کہ طولاً لم يستطع کا مفعول لہ ہو اور ان ینکح مفعول بہ ہو، یعنی جو غنا کے سبب نکاح کی طاقت نہ رکھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ طول غنا کے معنی میں ہو اور ان ینکح ایک محذوف فعل کے ساتھ متعلق ہو۔

۳۔ یعنی آزاد مومن۔ ان کو محصنات کا نام اس لئے دیا کیونکہ یہ غلامی کی ذلت سے محفوظ ہیں۔

۴۔ تقدیر کلام یوں ہوگی پس اس مرد کو چاہئے کہ وہ ایسی عورت سے شادی کرے جو لوٹھی ہو۔ یعنی جن کے تم میں سے بعض مالک ہوں وہ لوٹھی کسی اور کی ہو کیونکہ انسان اپنی لوٹھی سے شادی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے ساتھ نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد نے اس آیت سے آزاد عورت کے ساتھ شادی کرنے کی قدرت کی صورت میں لوٹھی سے نکاح کرنے کی حرمت پر

استدلال کیا اور کتابیہ لوٹڈی کے ساتھ نکاح کرنا مطلقاً حرام قرار دیا ہے کیونکہ جو فعل مقدر ہے وہ امر غائب کا صیغہ ہے، یعنی فلینکح یہاں امر اباحت کے لئے ہے۔ لوٹڈی کے ساتھ نکاح کی اباحت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آزاد عورت کے ساتھ شادی کی طاقت نہ رکھتا ہو اور اگر وہ لوٹڈی ہو تو مؤمن ہو کیونکہ وصف شرط کے قائم مقام ہے اور شرط کا نہ پایا جانا حکم کے نہ پائے جانے کو مستلزم ہے۔ جب اباحت نہ رہی تو حرمت ثابت ہو گئی۔ یہی قول حضرات جابر اور عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ امام بیہقی نے ابولزبیر کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت جابر سے سنا، وہ فرماتے آزاد بیوی کی موجودگی میں لوٹڈی سے شادی نہیں کی جاسکتی اور لوٹڈی بیوی کی موجودگی میں آزاد عورت سے شادی کی جاسکتی ہے اور جو انسان آزاد عورت کو مہر دے سکے وہ کبھی بھی لوٹڈی سے شادی نہ کرے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن منذر نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوٹڈیوں سے نکاح کرنا ان کے لئے حلال کیا ہے جو آزاد عورتوں کو خرچہ نہ دے سکتا ہو اور زنا کے ارتکاب کا خوف رکھتا ہو۔

احناف نے کہا پہلی بات تو یہ ہے مفہوم مخالف سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ 2۔ شرط کا نہ پایا جانا حکم کے نہ پائے جانے کو مستلزم نہیں کیونکہ شرط کا بلند ترین درجہ علت ہونا ہے اور علت کا نہ پایا جانا معلول کے نہ پائے جانے کو مستلزم نہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ معلول کسی اور علت کی وجہ سے تحقق ہو۔ پس حکم کو کسی شرط کے ساتھ مطلق و مشروط کرنا یا کسی وصف کے ساتھ مقید کرنا یہ اس چیز کو ثابت کرتا ہے کہ جب شرط اور وصف پایا جائے تو حکم بھی پایا جائے (جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو) لیکن شرط اور وصف کا نہ پایا جانا حکم کے نہ پائے جانے کے بارے میں خاموش رہے گا۔ اگر کسی اور علت کی وجہ سے حکم پایا گیا تو بہتر ورنہ حکم اصل کے اعتبار سے معدوم ہو گا نہ حکم (۱) شرعی کے طور پر معدوم ہم جس مسئلہ میں بحث کر رہے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ لوٹڈیوں سے مطلق نکاح کرنا مباح ہے وہ مؤمن ہوں کتابیہ ہوں۔ خاوند آزاد عورت کے ساتھ نکاح پر قادر ہو یا قادر نہ ہو۔ یہ حکم ان آیات سے ثابت ہے جن میں عموم پایا جاتا ہے جیسے فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اُولٰٓئِكَ مِمَّا وَّرَاٰ ذٰلِكُمْ

احناف کے نزدیک استدلال کی دوسری صورت یہ ہے کہ جو علماء مفہوم مخالف سے استدلال کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مفہوم سے استدلال اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ قید بطور عادت ذکر نہ کی گئی ہو اور اس قید سے احتراز کے علاوہ کوئی اور فائدہ متصور نہ ہو، جبکہ یہاں یہ جائز ہے کہ کلام بطور عادت ذکر کی گئی ہو کیونکہ عادت یہی ہے کہ آزاد آدمی لوٹڈی سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتا مگر جب وہ آزاد کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو پھر وہ لوٹڈی سے نکاح کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عادتاً مسلمان ایک کافرہ کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے یہاں المعصنات المؤمنات کی قید ذکر کی یہ قید بالا جماع احترازی نہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعی نے کہا کہ جب ایک آدمی آزاد کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو لوٹڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ قید افضلیت کے بیان کے لئے ہو۔

تیسری صورت یہ ہے اگر ہم یہ تسلیم کر ہی لیں کہ مفہوم مخالف سے اباحت کی نفی کا فائدہ دیتا ہے تو اباحت کی نفی حرمت کے ثبوت کو مستلزم نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات اباحت کی نفی کراہت کے ضمن میں تحقق ہوتی ہے۔ ہم بھی اسے مکروہ کہتے ہیں، جس طرح بدائع میں ہے کتابیہ لوٹڈی بلکہ کتابیہ آزاد کے ساتھ نکاح کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے کفار کے ساتھ دوستی لازم آتی ہے، جبکہ ہمیں اس

(۱) حکم اصل کے اعتبار سے معدوم ہوتا ہے اور شرط یا وصف کے پائے جانے سے عارضی طور پر تحقق ہوتا ہے کیونکہ حکم کو ان کے ساتھ مطلق کرایا گیا ہوتا ہے۔

بات سے منع کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نکاح سے بڑھ کر کوئی اور رشتہ دو محبت کرنے والوں کی محبت میں اضافہ کا سبب نہیں دیکھے گا اسے ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ اور فرمایا لَا تَتَّوَلَوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک عورت سے چار وجوہ کی بناء پر شادی کی جاتی ہے، اس کے مال، نسبی شرافت، جمال اور دینداری تم دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو (۱) متفق علیہ۔

یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ امام مسلم کے نزدیک حضرت جابر سے حدیث مروی ہے کہ عورت سے نکاح اس کی دینداری، مال اور خوبصورتی کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دیندار عورت سے نکاح کرنا لازم پکڑ۔ اسے حاکم اور ابن حبان نے ابوسعید کی حدیث سے ابن ماجہ بزار اور بیہقی نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اولاد کو غلام بنانے رکھتا ہے اور غلامی حکماً موت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے نطفہ کے لئے اچھی بیویوں کا انتخاب کرو۔ یعنی تم اپنی کفو میں شامی کرو اپنی کفو میں شادی کرو۔ اسے ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا۔ بیہقی نے حضرت عائشہ سے اسے صحیح قرار دیا۔

۵۔ تم میں باہم فضیلت ایمان اور اعمال کی وجہ سے ہے۔

۶۔ تم میں سے بعض بعض کی جنس سے ہیں۔ آزاد اور غلام سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے عیب اور اپنے آباء پر فخر کرنے کو ختم کر دیا۔ اب انسان مومن متقی ہے یا فاجر بد بخت، یہ سب بنو آدم ہیں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا ہوئے (۲) اسے امام ترمذی نے اور ابوداؤد نے ابو ہریرہ کی مروی حدیث سے بیان کیا۔ امام احمد اور بیہقی نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے یہ نسب کسی کے لئے کوئی عیب نہیں، سب حضرت آدم کی اولاد ہیں تو صاع کو صاع کے ساتھ کمائے اور اسے نہ بھر سکے گا۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں۔ ہاں اگر فضیلت ہے تو دین اور تقویٰ کی وجہ سے کسی آدمی کے عیب کے لئے یہی کافی ہے کہ بد زبان، فحاش اور بخیل ہو (۳) یہ دونوں جملے مردوں کو لونڈیوں سے نکاح کرنے کی طرف رغبت دلانے کے لئے ہیں اور ان سے نفرت کرنے سے منع کرنے کے لئے ہیں۔

۷۔ عین سے مراد مومن عورتیں ہیں، یعنی ان کی مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو۔ یہاں حن ضمیر فقہیات کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ان سے مراد لونڈیاں ہیں۔ یہ باندی (ا) مکاتبہ (ب) مدبرہ (ج) اور ام ولد (د) سب کو شامل ہے۔ یہاں امر و وجوب کے لئے ہے، یعنی لونڈیوں کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر نہیں ہوگا۔ اسی طرح غلام کا نکاح بھی آقا کی اجازت کے بغیر نہیں ہوگا۔ یہ امر و وجوب کے لئے ہے۔ اسی طرح دوبارہ اس کو ذکر کیا اور فِعْمًا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پر اکتفا نہیں کیونکہ وہاں امر اباحت کے لئے تھا اور یہاں وجوب کے لئے ہے۔ ایک ہی صیغہ میں وجوب اور اباحت کو جمع کرنا جائز نہیں۔ غلام کا آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہ ہونا متفق علیہ امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بھی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرے وہ بد کردار ہے (۴) اسے ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 762 (وزارت تعلیم)

2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 234 (وزارت تعلیم)

3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 145 (وزارت تعلیم)

4۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 132 (وزارت تعلیم)

(ا) جو مکمل طور پر مملوک ہو۔

(ب) جس کے ساتھ مالک نے معاہدہ کر لیا ہو کہ اتنی رقم کما کر دے دو تو تم آزاد ہو۔

(ج) جس کو مالک نے کہا کہ اس کی وفات پر وہ آزاد ہے

(د) جس کے بطن سے مالک کی اولاد ہو چکی ہو۔

جابر کی حدیث سے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے اور سنن میں حضرت ابن عمر سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا جب غلام نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔

مسئلہ:- غلام جب آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اسکے نکاح میں علماء کا اختلاف ہے، کیا وہ منعقد ہو جاتا ہے اور اس کا نفاذ آقا کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے یا وہ منعقد ہی نہیں ہوتا؟ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ اس صورت میں نکاح موقوف ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ غلام اپنی اہلیت کے ساتھ تصرف کرتا ہے مولیٰ کی اجازت اس لئے ضروری ہے کہ اگر نکاح لوٹڈی نے کیا تو آقا کو ملک یمین کی وجہ سے جو وطی کا حق تھا وہ فوت ہو گیا اور غلام کی طرف سے مہر دینا اس پر لازم ہو گیا۔ آیت میں مولیٰ کی اجازت کا ذکر ہے اس کے عقد کرنے کا ذکر نہیں۔ امام شافعی حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں فنکاحہ باطل۔ آیت میں باء الصاق کے لئے ہے۔ اس لئے عقد نکاح کے ساتھ اجازت ملی ہونی چاہئے پس نکاح بعد کی اجازت پر موقوف نہیں ہو سکتا۔

۸ امام مالک نے کہا اس آیت کے ظاہر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مہران لوٹڈیوں کا حق ہے۔ جبکہ جمہور علماء کا یہ کہنا ہے کہ اس لوٹڈی کا مہر اس کے مالک کی ملکیت ہوگا کیونکہ یہ مملوک ہے اور مملوک کا حکم جمادات کا ہوتا ہے۔ اسے مالک تصور نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا انہیں مہران کے گھر والوں کی اجازت سے دو اذن کا لفظ پہلے ذکر ہونے کی وجہ سے محذوف کر دیا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ مہران کے مالکوں کو دو یہاں مولیٰ کا لفظ اس لئے حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ ہر کسی کو معلوم ہے کہ مہر آقا کی ملکیت ہے اور یہ ضرورت دینیہ ہے۔ ان دونوں تاویلوں میں کمزوری موجود ہے کیونکہ عطف متاخر قید میں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مشارکت کا تقاضا نہیں کرتا۔ ان دونوں کے درمیان متقدم قید میں اشتراک کا تقاضا کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مضاف کے حذف کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل بھی ہونی چاہئے اتوہم کی بجائے اتوہن کو ترجیح دینے میں کوئی نہ کوئی نکتہ ہے جبکہ پہلے لفظ اہل کا ذکر ہو چکا ہے۔

علامہ محقق تفتازانی نے فرمایا اس میں نکتہ یہ ہے کہ مہر واجب ہے اور اس بات کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ یہ بضعہ کا اجر ہے۔ اس وجہ سے مہران عورتوں کو دیا جانا چاہئے اور آقا ملک یمین کی وجہ سے مہر وصول کریں گے۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ لوٹڈی مہر پر قبضہ کرنے کی مالک ہوگی جس طرح عبد ماذون (جس غلام کو تجارت کی اجازت ہو) کو مالک کی طرف سے نکاح کی اجازت اسی طرح ہے جس طرح تجارت کی اجازت ہوتی ہے۔ مہر عورتوں کے حوالے کرنا ضروری ہے۔ آپ کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اجورہن کا معنی خرچہ کریں تو پھر اذن کا اعتبار نہ ہوگا۔

۹ یعنی ٹال مثل اور کمی کے بغیر یہ مراد لینا بھی ممکن ہے کہ معروف سے مراد ان کے مالکوں کی اجازت سے انہیں مہر دیا جائے کیونکہ مالک کی اجازت کے بغیر انہیں مہر دینا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔

۱۰ پاکدامن بنتے ہوئے نہ کہ اعلانیہ بدکار بنتے ہوئے۔ اخدان کا معنی ایسے دوست جو ان سے خفیہ طریقے سے بدکاری کریں۔ حسن نے کہا مسافحہ یہ ہے کہ جو مرد بھی اسے دعوت دے وہ عورت اس کی پیروی کرے اور ذات خدان اس عورت کو کہتے ہیں کہ وہ صرف ایک

مرد کے ساتھ دوستی اختیار کرے اور صرف اس سے ہی بدکاری کرے عرب پہلے طریقہ کو تو حرام کہتے دوسرے طریقہ کو جائز سمجھتے (۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان غَيْرَ مُسْلِفِيٍّ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ یہ محسنات کا بیان ہے اور اس کا فرمان محصنت یہ فَاَنْكِحُوْهُنَّ اور انہوں سے ایک کے مفعول سے حال ہے۔ ان میں تنازع **عَلَيْنَ** (۱) کا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ان کے نکاح میں احسان کی قید افضلیت کے بیان کے لئے ہے۔ امام احمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ زانیہ کے ساتھ نکاح کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اس سے توبہ نہ کرے، خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي لَا يَمْلِكُ اِمْرَاؤُهُمْ اَنْ يَكُوْنُوْا مِمَّنْ سُوْا** ..... ہم اس کی تفسیر سورہ نور میں بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

امام مالک کا فرمان ہے زانیہ کے ساتھ نکاح کرنا مطلقاً مکروہ ہے (خواہ وہ توبہ کر لے) مہر کی ادائیگی کو احسان کے ساتھ مقید کرنا۔ اس امر پر مبنی ہے کہ نکاح کرنے میں یہ پہلے ہی شرط ہے کیونکہ جب ایک آدمی حالت احسان میں اس عورت سے شادی کرے گا تو قاعدہ استحباب کی وجہ سے مہر کی ادائیگی بھی غالباً اسی حالت میں ہوگی۔ اس لئے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ مہر کی ادائیگی پاکدامنی کے ساتھ مقید نہیں۔

۱۱۔ حمزہ کسائی اور ابو بکر نے حمزہ اور صاد کے فتح کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ یعنی وہ عورتیں جنہوں نے شادی کیساتھ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ کر لیا جبکہ دوسرے قراء نے متن کے موافق مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی ان کے خاوندوں نے انہیں محسن بنایا لغت میں احسان کا معنی روکنا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ آزادی پاکدامنی نکاح اور اسلام کے معنی میں آیا ہے۔ ہر موقع محل کے مطابق اس کے معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔ ہر معنی میں روکنے کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہے۔ یہاں اس سے مراد شادی کرنا ہے کیونکہ کلام امت مسلمہ میں ہو رہی ہے۔ عفت معنی لیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے مابعد ارشاد کے منافی ہوگا۔

۱۲۔ فاحشہ سے مراد زانیہ ہے۔ محسنات سے مراد آزاد ہیں، یعنی آزاد باکرہ عورتیں یہاں آزاد شادی شدہ مراد لینا جائز نہیں کیونکہ ان کی حد رجم ہے۔ اس میں نصف کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ:۔ آزاد مرد اور آزاد عورت جب غیر شادی شدہ ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک زانیہ کی حد سو کوڑے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ**

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی مردوں میں ہے۔ عورتوں میں نہیں سو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کی جلاوطنی کے ثبوت کی دلیل عبادہ بن صامت کی دلیل ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جب غیر شادی شدہ مرد غیر شادی شدہ عورت سے بدکاری کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے (۲) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت پہلے گذر چکی ہے۔ زید بن خالد سے مروی ہے، کہا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا جو آدمی بدکاری کرتا اور شادی شدہ نہ ہوتا تو اس بارے میں آپ سو دروں اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم دیتے ہیں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ امام مالک نے فرمایا بکر کا لفظ عورت کو شامل نہیں۔ اس لئے ایک سال کی جلاوطنی عورتوں کے حق میں لازم نہیں۔ یہ استدلال کوئی چیز نہیں

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 426 (التجاریہ) 2- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 65 (قدیمی)

(۱) مسلم نحو کا قاعدہ ہے جب عامل دو ہوں اور معمول ایک ہو۔ یہاں بھی فعل دو ہیں اور حال ایک ہے۔ دونوں فعل اس میں عمل کر سکتے ہیں۔ تاہم افضلیت میں اختلاف ہے۔

کیونکہ حدیث کا سیاق عورتوں کے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے حکم جاری کر دیا پھر آپ نے یہی ارشاد بیان فرمایا (1) لفظ بکر عورت کو شامل نہ ہونے کا قول قابل تسلیم نہیں۔ یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْبِكْرُ تُسْتَاذَنُ۔ یعنی باکرہ سے اجازت لی جائے گی اور حضرت زید کی حدیث میں من زنی کا کلمہ مذکور اور مونث دونوں کو شامل ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا یہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی ہے جو جائز نہیں۔ ہم اس بارے میں مزید بحث سورہ نور میں کریں گے۔

مسئلہ:۔ غلام مرد ہو یا عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ بدکاری کی صورت میں اس کی حد پچاس درے ہیں۔ یہ ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر ہے۔ لوٹڈی کا حکم تو عبارت النص سے ثابت ہے۔ غلام کا حکم دلالت النص سے بطریق مساوات ثابت ہوتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق غلام پر ایک سال جلا وطنی نہیں، جبکہ امام شافعی کے صحیح ترین قول میں نصف سال کی جلا وطنی ہوگی۔ ابو ثور نے کہا غلاموں میں سے جو شادی شدہ ہے اس کو رجم کر دیا جائے گا۔ یہ آیت کریمہ ان کے خلاف جمہور علماء کی دلیل ہے کیونکہ یہ غلاموں کی نصف حد پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا تصور صرف کوڑوں میں ہو سکتا ہے جہاں تک رجم کا تعلق ہے وہ سنیعیف کو قبول نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر اس طرف گئے ہیں کہ غلاموں میں سے غیر شادی پر کوئی حد نہیں۔ وہ اس آیت کی شرط کے مفہوم پر عمل کرتے ہیں جبکہ شرط کا مفہوم امام ابوحنیفہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس آیت میں شرط کا مفہوم معتبر نہیں بلکہ مراد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ مملوک اگر چہ شادی کی وجہ سے محسن بھی ہو تب بھی اس پر رجم نہیں ہوگا۔ اس کی حد صرف کوڑے ہیں جبکہ آزاد کا حکم اس سے مختلف ہے۔ یہ حکم حضور ﷺ کے عمومی ارشاد سے ثابت ہوتا ہے، فرمایا جب تم میں سے کسی کی لوٹڈی بدکاری کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو اس پر کوڑوں کی حد جاری کر دو اور اسے لعن طعن نہ کرو پھر اگر وہ بدکاری کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو اسی پر کوڑوں کی حد جاری کر دو اور اسے لعن طعن نہ کرو۔ اگر وہ تیسری بار بدکاری کرے اور اس کا زنا عام ہو جائے تو اسے بیچ دو۔ اگر چہ بالوں کی ایک رسی کے عوض متفق علیہ۔ یہ ابو ہریرہ سے حدیث مروی ہے کیونکہ ائمہ کا لفظ نکرہ ہے جو شرط کے ضمن میں ہے۔ پس یہ عموم کا فائدہ دے گا۔ اسی پر اجماع ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا اے لوگو اپنے غلاموں پر حد جاری شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ایک لوٹڈی نے بدکاری کی تو آپ نے مجھے اسے مارنے کا حکم دیا جبکہ اس کے نفاس کا وقت قریب ہی گذرا تھا۔ مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے اس پر حد جاری کی تو میں اسے مار ڈالوں گا۔ میں نے اس بارے میں حضور ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا (2) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ عبد اللہ بن عیاش بن ربیعہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے مجھے قریش کے چند جوانوں کے ساتھ حکومت کی زیر ملکیت لوٹڈیوں کو بدکاری کے جرم میں پچاس پچاس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

۱۳۔ یہ حد تم میں سے اس آدمی کے لئے ہے جو کوڑے لگنے کی تکلیف سے ڈرے تاکہ وہ زنا کے قریب نہ جائے۔

۱۴۔ شہوت پوری کرنے سے صبر کرنا اور زنا کے قریب نہ جانا دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ لوٹڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا ان لوگوں کے ساتھ مختص ہے جن کو زنا میں پڑنے کا خوف ہو کیونکہ بدکاری دنیا و آخرت میں مشقت کا باعث ہے اور پاکدامن بنتے ہوئے لوٹڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا یہ بھی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اولاد میں غلام بن جائیں اور



تا کہ تم مکروہ فعل کا ارتکاب نہ کرو کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے آزاد عورتیں گھر کی آبادی اور لونڈیاں اس کی تباہی ہیں۔ اسے ثعلبی اور دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ تحریر میں ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں شائد گھر کی ہلاکت اس معنی میں ہو کہ لونڈیوں کی اولاد ان کے مالکوں کی غلام ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے خاوندوں کے گھر ان کی اولاد سے خالی رہ جاتے ہیں۔ یہ تاویل اس ارشاد باری تعالیٰ کے مناسب ہے۔

۵۱ یعنی جو لونڈیوں سے نکاح کرنے سے صبر نہ کرے اس کو بخشے والا ہے اور اس پر رحم فرمانے والا ہے کہ اس نے لونڈیوں کیساتھ اجازت کی رخصت عطا فرمادی۔ اس آیت کا یہ معنی کیا جائے تو یہ امام شافعی اور امام مالک کی دلیل ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت زنا کے خوف کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ لام اختصاص کے لئے ہے۔ امام بغوی نے کہا یہی جابر کا قول ہے۔ طاؤس اور عمرو بن دینار نے بھی یہی کہا جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ کوئی شرط نہیں۔ لیکن وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت کی وجہ سے بغیر ضرورت کے لونڈیوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے۔

فائدہ:۔ امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا لونڈیوں کے ساتھ مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اولاد غلام رہتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب آدمی آزاد عورت کو خرچہ نہ دے سکتا ہو تب لونڈی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مومن لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کی شرط ہے کیونکہ ایک لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک سے زیادہ لونڈیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے۔ یہ صرف مجبوری کی وجہ سے جائز نہیں لونڈی مسلمان ہو یا کتابیہ آزاد عورت کو خرچہ دے سکتا ہو۔ یا نہ دے سکتا ہو اگرچہ بغیر ضرورت کے مکروہ ہے۔ حلت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَ اٰجُلٌ لَّكُمْ مَّا وُتِرَ اَعْدِلُكُمْ اور فَاَنْكِحُوا صَاطِبِ لَكُمْ اولاد کا غلام رہنا۔ اگر بغیر ضرورت کے لونڈی سے نکاح کرنے کے لئے عدم جواز کے لئے علت ہوتا تو اس غلام کے لئے بھی لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوتا جو آزاد عورت کے اخراجات برداشت کرنے کی قدرت رکھتا ہو حالانکہ ایسا قول کسی نے بھی نہیں کیا۔ نیز تمہارے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ایک غلام دو لونڈیوں کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے تو آزاد کے لئے تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے کیونکہ غلام کی بنسبت آزاد کی حلت بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے آزاد کے لئے چار عورتوں سے شادی کرنا نص سے ثابت ہے اور غلام کا دو عورتوں سے شادی کا جواز حدیث سے ثابت ہے، جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ نیز چار عورتوں کو مباح کرنے والی نص مطلق ہے اسے آزاد عورتوں کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ آزاد کے لئے چار عورتیں لونڈیاں ہوں اور آزاد کے جواز میں امام مالک کا قول امام ابو حنیفہ کے قول کی طرح ہے۔

مسئلہ:۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں مگر امام مالک کے نزدیک جواز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر آزاد عورت اس بات پر راضی ہو تو لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کرنا بالاجماع جائز ہے اور لونڈی کا نکاح فاسد نہ ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ نے آزاد پر لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کے عدم جواز پر اس آیت کے مفہوم سے استدلال کیا ہے فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا کیونکہ جس کے نکاح میں پہلے آزاد عورت ہو وہ آزاد کے ساتھ نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہ استدلال آزاد اور

غلام آزاد عورت کی رضامندی یا غیر رضامندی میں تفریق کا تقاضا نہیں کرتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لونڈی کے ساتھ نکاح کے عدم جواز کا استدلال حدیث طیبہ سے کرتے ہیں، حضور نے فرمایا آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح نہ کیا جائے اور فرمایا لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کر لیا جائے۔ امام بیہقی نے اسے روایت کیا اور طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت حسن بصری تک متصل سند سے روایت کیا اور عامرا حول کی روایت کو غریب قرار دیا۔ عمرو بن عبید کی حضرت حسن بصری سے روایت معروف ہے۔ سعید بن منصور کی روایت میں یہ مبہم ہے۔ عبدالرزاق نے اسے حسن بصری سے مرسل نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ نے اسے روایت کیا ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ اسی طرح امام شافعی کے نزدیک بھی حجت ہے۔ جب اقوال صحابہ اس کی تائید کریں یہاں اسے اقوال صحابہ سے تائید حاصل ہے۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے حضرت علیؓ شیر خدا سے موقوف روایت نقل کی ہے کہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح نہیں کرنا چاہئے اور ان الفاظ کے ساتھ بھی وہ مروی ہے کہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح کیا جانا چاہئے۔ اس کی سند حسن ہے۔ حضرت ابن مسعود سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ عبدالرزاق نے ابی الزبیر کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت جابر سے سنا وہ فرماتے تھے کہ آزاد عورت پر لونڈی سے عقد نہ کیا جائے اور لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کر لیا جائے۔ امام بیہقی کے ہاں ایسی ہی روایت ہے۔ انہوں نے ان الفاظ کا اضافہ کیا جو آزاد عورت کا مہر رکھتا ہو وہ کبھی بھی لونڈی سے شادی نہ کرے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ عبدالرزاق کے نزدیک یہ روایت فرد ہے۔ ابن ابی شیبہ نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ لونڈی پر آزاد عورت سے شادی کی جائے اور آزاد پر لونڈی سے شادی نہ کی جائے۔ اس باب میں حضرت عائشہ کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلام کی دو طلاقیں ہیں..... لونڈی پر آزاد سے شادی کی جائے اور آزاد پر لونڈی سے شادی نہ کی جائے۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ اس کی سند میں مظاہر بن اسلم ضعیف ہے۔

اعتراض :- یہاں امام ابوحنیفہ کے قاعدہ پر ایک اعتراض لازم آتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَجَلٌ لَّكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ کی اخبار احاد سے تخصیص لازم آتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے۔ یہ حدیث اجماع کی وجہ سے قوی ہوگئی۔ اس لئے اعتراض باقی نہیں رہا۔

امام شافعی کے نزدیک غلام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح کرے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ غلام کے لئے بھی ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ جو مرسل روایات ہم نے ذکر کی ہیں وہ مطلق ہیں۔ اسی طرح ائمہ ثلاثہ نے آیت کے مفہوم سے آزاد کے لئے عدم جواز کا استدلال کیا ہے اس میں غلام بھی موجود ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنْنَ الذِّنِّنِ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ  
وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢١﴾

”چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ کھول کر بیان کر دے (اپنے احکام) تمہارے لئے۔ اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دادا ہے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے دین کے احکام اور تمہارے امور کے مصالح بیان کرے۔ یہاں لام زائدہ ہے۔ فعل میں مستقبل

کا جو معنی پایا جا رہا ہے اس کی تاکید کے لئے ہے یا تعلیل کے لئے ہے۔

۲۔ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ سابقہ شریعتوں کے وہ احکام جو منسوخ نہیں ہوئے، ان پر عمل کرنا ہم پر لازم ہے۔ جب وہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور سنت سے ثابت ہوں۔ یہودیوں کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ وہ کافر اور متہم ہیں مگر ان میں سے وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کچھ بیان کریں جیسے عبداللہ بن السلام اور کعب الاحبار۔

۳۔ جن گناہوں کا تم نے وضاحت سے پہلے ارتکاب کیا ہے انہیں وہ بخش دے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق دے یا ایسے امور کرنے کی توفیق دے جو تمہارے گناہوں کو مٹادیں۔

۴۔ وہ مصالح کو جانتا ہے اور احکام دینے میں حکیم ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيدُ اَنْ يُّثَوِّبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهْوَاتِ اَنْ تَبِيْلُوْا مَيْلًا  
عَظِيْمًا ﴿۳۰﴾

”اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی خواہشوں کی کہ تم (حق سے) بالکل منہ موڑ لو۔“

۱۔ تاکید اور مبالغہ کے لئے ثوب کو مکرر ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ سے مراد فاجر ہیں کیونکہ وہ انسان جو شرع کے حکم کے مطابق شہوت پوری کرے وہ شرع کی اتباع کرنے والا ہے۔ وہ شہوت پوری کرنے والا تو نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الذین سے مراد بدکار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ مجوسی ہیں جو محرمات کو بھی حلال جانتے اور ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہودی ہیں کیونکہ وہ علاقائی بہنوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو حلال جانتے ہیں۔ میل سے مراد حق سے اعراض کرنا، یعنی وہ حرام کو حلال جانتے کیونکہ گناہ کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کے ارتکاب کرنے کی ہنسبت گناہ کو حلال جانتا یہ باطل کی طرف زیادہ میلان پر دلالت کرتا ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانَ ضَعِيْفًا ﴿۳۱﴾

”اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہلکا کرے تم سے (پابندیوں کا بوجھ)۔ اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور۔“

۱۔ وہ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس نے تمہیں ایسی شریعت عطا فرمائی جو برحق آسان اور نرم ہے۔ کچھ ایسے احکام جو سابقہ شریعتوں میں حرام تھے تمہارے اوپر حلال کر دیئے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف ابن منذر نے تفسیر میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر جو آسانی کی ان میں لوٹھی نصرانیہ اور یہودیہ سے نکاح بھی ہے۔ مدارک میں یہ ابن عباس کا قول ذکر کیا گیا۔

۲۔ وہ شہوات سے صبر نہیں کرتا اور طاعات کی مشقت برداشت نہیں کرتا۔ جتنا زمانہ قیامت کے قریب ہوگا ان میں کمزوری بڑھتی جائے گی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت میں تخفیف کی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً  
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَاحِيْمًا ﴿۳۲﴾

”اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں۔ ناجائز طریقہ سے۔ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی

سے اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے۔  
 ۱۔ تم میں سے کوئی غیر کامل نہ لے خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو حربی جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ نہ ہو اس کا مال لینے میں کوئی حرج نہیں۔  
 ۲۔ ایسے ذریعے سے جو شرع میں ممنوع ہے، جس طرح غصب، سرقت و چوری، خیانت، جوا، سود اور فاسد معاہدے۔  
 ۳۔ کوفہ کے قراء نے تجارت کو منسوب پڑھا ہے کیونکہ یہ تھکون کی خبر ہے۔ اس کا اسم ضمیر ہے جو پوشیدہ ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اَلَا  
 اَنْ تَكُوْنَ جِهَةً اَلَا تَكُلُ بِتَجَارَةٍ۔ باقی قراء نے اسے فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ اس صورت میں کان نامہ ہوگا اور  
 مستثنیٰ منقطع ہوگا۔ لیکن اس وقت کھاؤ جب کھانے کی صورت تجارت کی ہو یا اس وقت جب تجارت رضامندی سے واقع ہو۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیع باہم رضامندی سے ہوتی ہے۔ اسے ابن ماجہ اور ابن منذر نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ دینے  
 والے اور لینے والے کی رضامندی ہو۔ یا معنی یہ ہے لیکن تم یہ قصد کرو کہ کھانے کی صورت تجارت کی ہو۔ تجارت زبانی بیع کرنا یا بغیر قول کے  
 مال کا تبادلہ کر لینا ہے۔ بیع حقیقت میں مال کو مال سے بدلنے کو کہتے ہیں۔ اجارہ مال کو معلوم منافع سے بدلنا ہے۔ وہ وجوہ جن کے ذریعے  
 دوسرے کا مال لینا جائز ہوتا ہے ان میں سے صرف بیع کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ عموماً یہی صفت پائی جاتی ہے اور زیادہ پاکیزہ (۱) ہے رافع بن  
 خدیج سے مروی ہے کہ کہا عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کو کسی کمائی پاکیزہ ہے؟ فرمایا جو آدمی کے ہاتھ کی کمائی ہے اور ہر شرط فاسد سے  
 پاک بیع ہو (۱) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ مقدم بن معدیکرب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی نے کبھی بھی اپنے  
 ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ حضرت  
 عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جو تم کھاتے ہو ان میں سب سے پاکیزہ تمہارے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ بے شک تمہاری  
 اولاد بھی ہاتھ کی کمائی ہے (۲) اسے امام ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ یہ آیت تجارت کے علاوہ دوسرے طریقوں کی نفی پر دلالت  
 نہیں کرتی، جس طرح مہربہ صدقہ عاریہ اور دوسری صورتیں کیونکہ وہ باطل نہیں بلکہ یہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہیں۔

احتلاف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایجاب و قبول کے بعد مجلس میں متعاقدین میں سے کسی کے لئے بھی کوئی اختیار نہیں۔  
 امام مالک نے بھی یہی کہا کیونکہ یہ آیت باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعے ایک دوسرے کا مال لینے پر دلالت کرتی ہے، اگر چہ وہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 141 (صادر)

2۔ جامع ترمذی کتاب الاحکام، جلد 1، صفحہ 162 (وزارت تعلیم)

حاشیہ (۵) اسمہانی نے ابوامامہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ تاجر میں جب چار خصالتیں ہوں تو اس کی کمائی پاکیزہ ہوتی ہے۔ جب خریدے تو چیز کی برائی نہ کرے،  
 جب بیچے تو چیز کی مدح نہ کرے، بیع میں جعل سازی نہ کرے اور اس بارے میں قسم نہ اٹھائے۔ امام احمد اور حاکم نے عبدالرحمن بن شبلہ سے روایت کیا میں نے  
 رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا تاجر ہی فاجر ہیں۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا کیوں  
 نہیں، بیع حلال ہے۔ لیکن وہ قسم اٹھاتے ہیں تو گناہ گار ہو جاتے ہیں۔ بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔ حاکم نے روایت نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ  
 رافع بن رافع نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تاجر قیامت کے روز فاجر اٹھائے جائیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا، نیکی کی  
 اور بیع بولا۔ امام ترمذی نے نقل کیا اور اسے حسن قرار دیا۔ حاکم نے ابوسعید خدری سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ سچا امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین  
 اور شہداء کے ساتھ ہے۔ ابن ماجہ اور حاکم نے ابن عمر سے مرفوعاً نقل کیا ہے سچا، امین اور مسلمان تاجر قیامت کے روز شہداء کے ساتھ ہوگا۔ طبرانی نے صفوان  
 بن امیہ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صالح تجارت کے ساتھ ہے۔ اسمہانی نے حضرت انس سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے سچا تاجر قیامت کے روز عرش کے  
 سائے میں ہوگا۔ اسمہانی نے معاذ بن جبل سے روایت نقل کی، فرمایا سب سے پاکیزہ کمائی ان تاجروں کی کمائی ہے جو بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں، وعدہ  
 کریں تو اسے نہ توڑیں، جب ان کے پاس امانت رکھتی جائے تو اس میں خیانت نہ کریں، جب خریدیں تو چیز کی مذمت نہ کریں، جب بیچیں تو تعریف نہ  
 کریں، جب ان پر قرض ہو تو مال منول نہ کریں اور جب انہوں نے قرض لینا ہو تو مقروض کو عار نہ دلائیں۔ از مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ابھی مجلس سے جدا نہ ہوئے ہوں ایک دوسرے کے مال لینے کا جواز بیع کے مکمل ہونے پر مبنی ہے اور بیع کی تکمیل خیار کے باقی نہ رہنے کا تقاضا کرتی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد نے کہا جب تک وہ مجلس سے الگ نہیں ہوتے تو دونوں متعاقدین کو بیع توڑنے کا اختیار ہوتا ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا جب تک وہ جدا نہ ہوں، اگر وہ دونوں سچ بولیں اور اپنی چیزوں کے عیوب بیان کر دیں تو ان کی تجارت میں برکت ڈالی جاتی ہے، اگر وہ عیوب کو چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو تجارت کی برکت ختم کر دی جاتی ہے (1) متفق علیہ۔

احناف نے کہا یہ ایسی احادیث ہیں کہ کتاب کے مقتضی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرنا جائز نہیں اور کتاب کا مقتضی یہ ہے کہ فسخ کرنے کا اختیار نہ ہو جس طرح ہم نے ذکر کیا۔ یہ احادیث خیار قبول پر محمول ہوں گی۔ کتاب اللہ کے حکم میں اسی چیز کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب تک وہ خرید و فروخت کر رہے ہیں تو متبايعان ہیں۔ اس کے بعد ہو وہ متبايعان نہیں یا یہ خیار قبول کا احتمال رکھتا ہے۔ اس لئے اسی معنی پر اسے محمول کیا جائے گا۔ یہاں تفرق سے مراد باہم گفتگو کا رد بدل ہے۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ ابن ہمام نے کہا تفرق سے مراد اقوال کا رد بدل ہے۔ شرع اور عرف میں اکثر واقع ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا تَنقَرُ مِنَ الَّذِينَ آذَوْا آلَ كَثِبَ إِلَّا حَبِئًا بَعْدَ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ۔

میں یہ کہتا ہوں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے بیع اور ثمن میں تصرف اور بیع کے مکمل ہونے پر دلالت کرتی ہے، لیکن اس کے فسخ کی ولایت کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔ اولیٰ بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ خیار مجلس میں متعاقدین کو حاصل ہوگا جس طرح امام ابوحنیفہ نے عقد کے مکمل ہونے کے بعد خیار رد ویت اور خیار عیب کو ثابت کیا ہے تاکہ حدیث صحیح پر عمل کرنے سے ترک لازم نہ آئے۔ جو انہوں نے یہ کہا کہ حالت مباشرہ میں متابعین ہیں اس کے بعد نہیں تو یہ بات قابل تسلیم نہیں کیونکہ دوسرے متعاقد کے قبول کرنے سے قبل وہ صرف بائع ہے وہ متابعین نہیں بنے اور ایجاب و قبول کے بعد جب تک مجلس باقی رہے گی حالت مباشرہ بھی عرف اور شرع کے اعتبار سے قائم رہے گی کیونکہ مجلس کی تمام ساعتیں ایک ہی ساعت مانی جاتی ہیں۔ اس لئے جب تک مجلس باقی رہے گی اس وقت تک حقیقت میں وہ متابعین ہی ہوں گے۔

یہ قول کہ تفرق سے اقوال میں رد و بدل مراد لینا یہ مجاز ہے، جبکہ حقیقت کا اعتبار کرنا ممکن ہے کیونکہ حدیث کے بعض الفاظ اس تاویل سے انکار کرتے ہیں کیونکہ امام مسلم نے حضرت ابن عمر کی حدیث ان الفاظ سے بیان کی ہے جب دو آدمی آپس میں بیع و شراء کریں تو جب تک وہ جدا نہیں ہو جاتے اس وقت تک انہیں فسخ کرنے کا اختیار ہوگا (2) کیونکہ ف کُل واحد منهما بالخيار میں فاء کا کلمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں اختیار بیع و شراء کا قول کرنے کے بعد بھی حاصل ہے۔ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا متعاقدین جب تک جدا نہ ہوں انہیں فسخ کا اختیار ہوگا مگر جب وہ عقود خیار والے ہوں (خیار شرط خیار رد ویت خیار عیب) تو انہیں عقد کے بعد بھی خیار فسخ ہوگا۔ کسی بھی متعاقد کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے اس لئے جلدی جدا ہو جائے کہ وہ بیع کو فسخ ہی نہ کر دے۔ (3) اسے امام ترمذی ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ متعاقدین باہم رضامندی سے ہی مجلس سے جدا جدا ہوں۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا حضرت جابر سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عقد بیع کے بعد ایک اعرابی کو اختیار دیا۔ امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ یہ احادیث بیع کے بعد مجلس سے جدا ہونے سے پہلے اقالہ (۱) کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

یہ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے تم میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو قتل نہ کرے۔ ثابت بن ضحاک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں کسی بھی چیز سے اپنے آپ کو ہلاک کیا قیامت کے روز اسی چیز کے ساتھ اسے عذاب دیا جائے گا۔ امام بغوی نے اسے امام شافعی کی سند سے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو پہاڑ سے لڑھکا (چھلانگ لگائی) وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوپر سے نیچے کی طرف لڑھکتا رہے گا، جس نے اپنے آپ کو لوہے سے قتل کیا اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ اپنے آپ کو تکلیف دیتا رہے گا (۱) اسے امام بخاری اور امام مسلم نے کچھ تقدیم و تاخیر کے ساتھ روایت کیا اور نسائی نے روایت کیا۔ ابو داؤد کی روایت میں ہے جس نے زہر کھایا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، جہنم کی آگ میں زہر کھاتا رہے گا (۲) جناب بن عبد اللہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں پہلی قوموں میں ایک آدمی کے اعضاء پر زخم آ گیا جس کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے چھری نکالی، اس نے اپنا ہاتھ کاٹ لیا، اس کا خون بہتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے بندے نے اپنے آپ کو ہلاک کرنے میں جلدی کی۔ میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا (۳) اسے بغوی نے روایت کیا۔ ابو داؤد ابن حبان اور حاکم نے اپنی صحیح میں حضرت عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کا معنی سردی کے خوف سے تیمم کرنا مراد لیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس کا انکار نہ کیا۔ جب انہوں نے عرض کی مجھے ایک سخت سردرات میں احتلام ہو گیا جبکہ میں غزوة السلاسل میں تھا۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ میں نے تیمم کیا۔ پھر میں نے نماز پڑھی۔ اس بات کا ذکر حضور ﷺ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا اے عمرو تو نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھادی جبکہ تو جنبی تھا۔ میں نے عرض کی کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سناؤ لَّا تَقْتُلُواْ اَنْفُسَكُمْ رسول اللہ ﷺ نے اسے سکرانے اور کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ حضرت حسن بصری حضرت عکرمہ عطاء بن ابی رباح اور سدی نے کہا اس کا معنی ہے تم اپنے بھائیوں کو قتل (ب) نہ کرو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لَمْ اَنْتُمْ اَهْلًا تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ یہاں نفس سے مراد نبی بھائی ہیں۔ کسی مسلمان کو قتل کرنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ حضرت جریر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو خاموش کراؤ۔ پھر فرمایا میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑاتے رہو (۴) اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ تم اپنے آپ کو باطل طریقے سے مال کھانے کے ساتھ ہلاک نہ کرو۔ یہ ارشاد دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی غیر کا مال باطل طریقے سے

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 428 (الہجاریہ) 2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 72 (قدیمی) 3- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 428 (الہجاریہ)

4- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 23 (وزارت تعلیم)

(۱) اقالہ: لغوی معنی اٹانا۔ اصطلاح فقہ میں اس سے مراد بیع کی پہلی شرطوں پر بیع کو ختم کرنا۔

(ب) عاصم بن بہدلہ سے مروی ہے کہ سردق جنگ صفین میں آئے اور دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ فرمایا، لوگو! خاموش ہو جاؤ، مجھے بتاؤ اگر آسمان سے تمہیں ندا کرنے والا ندا کرے، تم اس کو دیکھ بھی رہے ہو، اور کلام بھی سن رہے ہو، وہ تمہیں کہے کہ اس کام سے رک جاؤ جو تم کر رہے ہو تو کیا تم رک جاؤ گے؟ لوگوں نے کہا سبحان اللہ! کیوں نہیں۔ کہا: جبریل یہی تو لے کر رسول اللہ ﷺ پر اترے اور ان کلمات کی تلاوت کی۔ فرمایا اس ارشاد سے اس منادی کی ندا زیادہ واضح نہ ہوگی از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

کھانا اپنے آپ کو قتل اور ہلاک کرتا ہے کیونکہ یہ جہنم میں داخل کرنے کا سبب ہے دوسرا غیر کامل کھانا اس کو تباہ کر دے گا۔  
۱۔ اپنی رحمت کی زیادتی کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمہیں نیکیوں کا حکم دیا اور تمہیں برائیوں سے روکا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تاکہ قتل ہی ان کی توبہ بن جائے اور وہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے کہ اس نے توبہ کے لئے تمہیں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ تمہاری توبہ کو شرمندگی اور استغفار بنا دیا۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا ۗ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ

يَسِيرًا ﴿۳۱﴾

”اور جو شخص کرے گا یوں سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اسے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔ ۱۔“  
۱۔ یعنی جس نے غیر کامل کھایا یا اس نے معصوم نفس کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اور اپنے آپ پر ظلم کرتے ہوئے ایسا کیا کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو عتاب کے لئے پیش کرتا ہے۔ عدوان اور ظلماً یہ دونوں مصدر ہیں اور حال بن رہے ہیں یا دونوں مفعول لہ ہیں۔ آیت میں نار سے مراد جہنم کی آگ ہے اور جہنم کی آگ میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ وہ آدمی جو معصیت کو حلال جانتا ہے یہ وعید اس کو ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایجنڈا بنانے کے بارے میں ہے اور جو اس کو حلال نہیں جانتا۔ تو یہ اس امر کی وضاحت کیلئے ہے کہ وہ آدمی جہنم میں داخل ہونے کا مستحق بن جاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت بھی جائز ہے۔

إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَاءَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ  
مُدْخَلًا كَرِيمًا ﴿۳۲﴾

”اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے روکا گیا ہے تمہیں جن سے ۱۔ تو ہم محو کر دیں گے تمہارے (اعمال نامہ سے) تمہاری برائیاں ۲۔ اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت کی جگہ میں ۳۔“  
۱۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جہنم، غضب، لعنت اور عذاب کا فیصلہ فرمایا ہو۔ سخاک نے بھی یہی کہا ہے ہر وہ عمل جس پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حد کی اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی۔  
میں یہ کہتا ہوں گناہ کبیرہ کے تین مراتب ہیں (۱) پہلا مرتبہ جو سب سے بڑا گناہ کبیرہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ ہر وہ عمل مل جائے گا جس میں رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی تکذیب ہو اور یہ امر دلیل قطعی سے ثابت ہو، خواہ وہ صریح تکذیب ہو اور اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو، اس کو کفر کہتے ہیں۔ یا اس میں تاویل کی گنجائش ہو، اس کو خواہش نفس اور بدعت کہتے ہیں۔ جس طرح روافض، خوارج، قدریہ، مجسمہ اور ان جیسے لوگوں کے اقوال۔ اسی ضمن میں حضرت علی شیر خدا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے سب سے بڑا کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور اور اللہ تعالیٰ کے کرم (۱) سے ناامید ہونا۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَا يَأْمُرُ مَكْرًا اللَّهُ إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ، وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ، إِنَّهُ لَا يَأْمُرُ مِنَ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرُونَ

حاشیہ (۱) بزار اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے نقل کیا، کہا رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا گناہ کبیرہ کون سے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اللہ تعالیٰ کے کرم سے ناامید ہونا اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا۔

دوسرا مرتبہ جس میں بندوں کے حقوق کا اہتمام ہوتا ہے جس طرح جان مال اور عزت کی پامالی سفیان ثوری نے کہا گناہ کبیرہ وہ ہیں جن میں تیرے اور بندوں کے درمیان مظالم ہوں کیونکہ تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو کچھ ہے اس سے یہ امر بڑا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کبیر ہے جو تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے ہر چیز اس کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تین دیوان ہیں: ایک دیوان ایسا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرتا، ایک دیوان ایسا ہے جس میں سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز بھی نہیں چھوڑتا، ایک دیوان ایسا جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا۔ وہ دیوان جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا وہ شرک ہے وہ دیوان جس کی اللہ تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرتا وہ بندے کا اپنے اوپر ان معاملات میں ظلم ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہیں جیسے روزے اور نماز کا ترک، بے شک اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے درگزر کرتا ہے وہ دیوان جس میں اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں چھوڑتا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم ہے اس میں بدلہ لازمی ہے۔ اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا۔ طبرانی نے اسی کی مثل حضرت سلمان اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث بیان کی بزار نے اسی کی مثل حضرت انس کی روایت ذکر کی۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک منادی کرنے والا عرش کے اندر سے منادی کرے گا اے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین اور مومنات کو معاف کر دیا تم اپنے حقوق ایک دوسرے کو بخش دو اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اسے بغوی نے روایت کیا (1) حضرت ابو بکرہ سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر دسویں ذوالحجہ کو خطبہ میں ارشاد فرمایا بے شک تمہارے خون مال اور عزت میں ایک دوسرے پر حرام کر دی گئیں، جس طرح اس دن کی اس شہر اور مینے میں حرمت ہے (2) متفق علیہ۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور عمرو بن احوص سے صحیح قرار دیا۔ اسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی آدمی پر کوئی حرج نہیں مگر جس نے مسلمان کی عزت کو پامال کیا جبکہ وہ ظالم تھا۔ پس یہ وہ ہے جو نقصان میں رہا اور ہلاک ہو گیا۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان **إِنَّ الَّذِينَ يُؤْخَذُونَ اللَّهُ دَرَسُونَ..... فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ إِذَا أَثْمَرَ** میں دو مرتبوں کا بیان ہے جو کفر اور لوگوں پر ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ** میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندوں کے اموال اور ان کی جانوں پر ظلم بہت بڑے گناہوں میں سے ہے۔ وہ احادیث جو کبیرہ گناہوں کو شمار کرنے کے بارے میں وارد ہوئیں۔ وہ عموماً بندوں کے حقوق اور شرک کرنے کے بارے میں ہیں۔ انہیں میں سے حضرت انس اور عبد اللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا والدین کی نافرمانی کرنا، نفس کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم (3) امام بخاری کے ہاں حضرت عبد اللہ کی روایت اور حضرت انس کی روایت میں یمن غموس کی جگہ جھوٹی گواہی ہے متفق علیہ۔ ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ یہ کل بات ہیں اور ان چیزوں کا اضافہ کیا پاکدامن عورت پر تہمت لگانا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا اور میدان جنگ سے فرار اختیار کرنا۔ انہیں میں سے ایک حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کردینے والی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کونسی ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، ناحق کسی انسان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگ جانا اور پاکدامن غافل مومن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانا (4) متفق

2- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 234-235 (وزارت تعلیم)

4- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 907 (وزارت تعلیم)

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 428 (الہجاریہ)

3- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 987 (وزارت تعلیم)



علیہ۔ ایک دوسری روایت میں ابن راہویہ اور دوسرے علماء نے اس چیز کا اضافہ کیا والدین کی نافرمانی کرنا اور بیت اللہ شریف میں بے دینی پھیلانا۔ انہیں میں سے حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے جب کہ اس نے تمہیں پیدا کیا پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا اپنی اولاد کو اس لئے قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی (۱) وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ الْآيَةَ وَهِيَ اللَّهُ تَعَالَى کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے، وہ کسی ایسے نفس کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا مگر حق کیساتھ اور وہ بدکاری نہیں کرتے۔ یہ متفق علیہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پڑوسی کی بیوی کو خاص کر ذکر فرمایا کیونکہ اس میں پڑوسی کے حق کا اتلاف بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا دس عورتوں سے بدکاری کرنے سے بڑھ کر ہے۔ اسے امام احمد نے مقدمات بن اسود سے روایت کیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ طبرانی نے انہیں سے کبیر اور اور اوسط میں روایت کیا۔

انہیں میں سے ایک حدیث عبد اللہ بن عمرو کی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ عرض کی وہ اپنے والدین کو گالی کیسے دے گا؟ فرمایا وہ دوسرے آدمی کے والد کو گالی دیتا ہے، جواب میں وہ اس کے والد کو گالی دیتا ہے۔ وہ دوسرے آدمی کی والدہ کو گالی دیتا ہے، جواب میں وہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے اسے امام بغوی اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔ (2)

انہیں احادیث میں سے ایک ابو بکرہ کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو تین بڑے گناہ کبیرہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ لوگوں نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، (آپ پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے) خبردار اور جھوٹی بات، خبردار اور جھوٹی بات خبردار اور جھوٹی بات۔ آپ اسے بار بار دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم یہ کہنے لگے کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ (3)

فائدہ:- ڈراتے وقت حضور ﷺ کا جھوٹی بات میں مبالغہ کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ بہت سارے کبار کو جامع ہے جیسے (1) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (2) جھوٹی شہادت (3) جھوٹی قسم (4) بہتان لگانا (5) باطل دعویٰ کرنا (6) نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنا لے۔ متفق علیہ (7) غیبت زنا سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسے بیہقی نے ابو سعید اور جابر سے مرفوع روایت کیا (8) چغل خوری۔ عبد الرحمن بن غنم اور اسماء سے مرفوع روایت ہے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے برے چغل خور ہیں۔ اسے امام احمد نے روایت کیا (9) فاسق کی تعریف کرنا۔ حضرت انس سے مرفوع روایت مروی ہے جب فاسق کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اور عرش الہی اس کی وجہ سے کاٹنے لگتا ہے۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا (10) ایسے آدمی پر لعنت کرنا جو لعنت کا مستحق نہ ہو کیونکہ جس آدمی پر لعنت کی جائے اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو لعنت لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔ اسے امام ترمذی نے حضرت ابن عباس اور ابو داؤد نے حضرت ابن عباس اور ابو درداء سے مرفوع نقل کیا (11) طعن اور فحش گوئی کرنا۔ حضرت ابن مسعود سے مرفوع روایت منقول ہے مومن طعن کرنے والا لعنت کرنے والا فحش گوئی کرنے والا اور بے حیائی کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ ان کے علاوہ بھی کئی اور گناہوں کو جھوٹا قول

شامل ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ دو چیزوں سے مراد زبان اور شرمگاہ ہے اسے امام بخاری نے سہل بن سعد سے روایت کیا۔ امام مالک اور امام بیہقی نے صفوان بن سلیم سے مرسل روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں ہو سکتا ہے۔ عرض کی گئی کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ عرض کی گئی کیا جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسے توڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا اور امام بخاری نے بھی اسی طرح روایت کیا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مرفوع روایت ہے جس میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے، جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب جھگڑا کرے تو گالی دے (۱) واللہ اعلم۔

تیسرا مرتبہ :- یہ وہ گناہ کبیرہ ہیں جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسے بدکاری اور شراب پینا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمرو سے روایت کیا کہ ان سے خمر کے بارے میں سوال کیا گیا فرمایا میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا، فرمایا یہ سب سے بڑا گناہ ہے اور تمام فواحش کی جڑ ہے جس نے شراب نوشی کی وہ نماز چھوڑ دیتا ہے اور کبھی اپنی ماں پھوپھی اور خالہ پر جا پڑتا ہے۔ عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ایک بدکار بدکاری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، ایک چور جب چوری (۱) کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، ایک شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، ایک ڈاکو جب ڈاکہ ڈالتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، تم میں سے جب کوئی مال غنیمت سے چوری کرتا ہے تو چوری کرتے وقت مومن نہیں ہوتا، تم اس چیز سے بچو بچو۔ متفق علیہ (۲) حضرت ابن عباس سے یہ روایت مروی ہے جب کوئی قاتل قتل کرتا ہے تو قتل کرتے وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

میں یہ کہتا ہوں بد فعلی بھی زنا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **أَتَأْتُونَ النَّعَاجَةَ** ..... **الآیۃ** ڈاکہ مارنا چوری سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ**۔ کم تو لٹا چوری کے ساتھ شامل ہے **وَيُنَالُ لِمُطَفِّفِينَ**۔ خیانت بھی بڑی خیانت ہے اور یہ نفاق کی علامت ہے۔ اس باب میں سب سے بڑا گناہ وہ ہے جسے کرنے والا حقیر جانتا ہے اور آسان خیال کرتا ہے کیونکہ گناہ کو حقیر جانتا اگرچہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو بخشش سے دور کر دیتا ہے اور سرکشی پر دلالت کرتا ہے۔ بعض اوقات اسے کفر تک لے جاتا ہے اور جو چھوٹے گناہ کو بڑا خیال کرے، اس سے ڈرے وہ بخشش کا مستحق ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن گناہ کو یوں خیال کرتا ہے گویا پہاڑ اس کے سر پر آن پڑا ہو اور منافق گناہ کو یوں خیال کرتا ہے جس طرح اس کے ناک پر کبھی بیٹھی ہو کہ اس کی طرف اشارہ کیا اور وہ اڑ گئی۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ فرمایا تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی باریک ہیں جب کہ ہم انہیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہلاک کرنے والے اعمال میں شمار کرتے تھے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا اور امام احمد نے صحیح سند سے اسی

1- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 56 (قدیمی)

2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 55 (مختصر) (قدیمی)

(۱) چوری، خیانت اور تول میں کمی کرنا دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

کی مثل روایت کیا اس تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ کو سات کے عدد میں محصور کیا اس نے غلطی کی کیونکہ گناہ صغیرہ (۱) اصرار اور حقیر جاننے کے ساتھ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا گناہ کبیرہ کل سات ہیں؟ فرمایا سات کے قریب ہیں مگر استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ نہیں اور اصرار کی صورت میں کوئی صغیرہ نہیں۔ فرمایا ہر وہ عمل جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے وہ کبیرہ ہے۔ ان میں سے انسان کوئی بھی عمل کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرنی چاہئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کا کوئی فرد بھی ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں کرے گا مگر اسے ہی جو اسلام سے پھر جائے یا کسی فرض کا انکار کر دے یا تقدیر کی تکذیب کرے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے کہ استغفار کی صورت میں کوئی گناہ کبیرہ نہیں تو اس کبیرہ سے وہ گناہ مراد ہے جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتا ہے مگر جو حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے تو اس میں مظالم کو ختم کرنا اور مظلوم کو راضی کرنا ضروری ہے۔

فائدہ:- تمام تر معاصی کی بنیاد دل کی سختی ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہونے کا سبب ہے اور نفس کے رذائل ہیں جو درندگی اور حیوانی شہوات کے داعی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹوٹھڑا ہے، جب وہ تندرست ہو جائے تو سارا جسم تندرست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، خبردار وہ دل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ..... فَلَا تَلْمُزُونِي وَلَوْ مَوَّأَلْتُمْ مَعْصِيَةَ اللَّهِ مِنْكُمْ..... فلا تلمزونی ولو مواءلتكم معاصی سے بچاؤ اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتا جب داعی حضور قلب دل اور نفس کی صفائی نہ ہو۔ یہ چیزیں مشائخ کے وسیلہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جذبہ سے ہی ممکن ہیں۔ اس لئے ان مشائخ کی صحبت و اتباع کو لازم پکڑو کیونکہ یہ وہ قوم ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہو سکتا اور ان سے محبت کرنے والا خائب و خاسر نہیں ہو سکتا۔

فائدہ:- جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ بندہ ایسے مقام پر بھی فائز ہو جاتا ہے جہاں اسے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ بعض لوگوں سے امور شرعیہ ساقط ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے محرّمات مباح ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ تصور کرنا کفر محض اور زندیقہ ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک انسان کا دل اور نفس جب پاک ہو جاتے ہیں تو جب تک حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رہتی ہے ان سے شاذ و نادر ہی گناہ صادر ہوتے ہیں اور جب بھی ان سے کبیرہ اور صغیرہ گناہ صادر ہوتا ہے اسے عظیم خیال کرتے ہیں شرمندگی کا اظہار کرتے ہیں اور غمگین ہوتے ہیں۔ گویا ان کا نفس گھروالے مال اور اولاد سب ہلاک ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ شرمندگی توبہ اور غمگین ہونا ان کے درجات کی بلندی اور نزول رحمت کا سبب ہوتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ جن کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح کی نماز کے لئے شیطان کی طرف سے جگانے کا واقعہ ذکر کیا اس قصہ کی سند پر اگرچہ میں بذات خود مطلع نہیں ہو سکا، لیکن محض فرض کرتے ہوئے تمثیل کے لئے کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم تمہاری جگہ لے آتا جو گناہ کرتی اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتی۔ پس اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا۔ گویا یہ حدیث اس حالت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

۱۔ سینات سے مراد چھوٹے گناہ ہیں، جس طرح بری نظر دیکھنا، چھوٹا بوسہ لینا اور ان کے مشابہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا آنکھیں بدکاوی کرتی ہیں ہاتھ بدکاری کرتے ہیں، اور پاؤں بدکاری کرتے ہیں۔ شرمگاہ تو ان کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔ ان

(۱) امام ترمذی اور ابن حاتم نے ابن عباس سے اور ابن عباس نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس طرح ابن ابی شیبہ نے حضرات عمر، ابو موسیٰ اور ابو قتادہ سے اقوال نقل کئے ہیں۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

تمام گناہوں کو نماز، روزہ اور اذکار منادیتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچوں نمازیں ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک، ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیان میں وقوع پذیر ہونے والے گناہوں کو منادیتے ہیں، جب وہ کبیرہ گناہ سے اجتناب کرے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ (۱)

سے نافع نے مجرد سے مدخلاً پڑھا ہے۔ اسی طرح حج میں بھی مدخلاً پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے متن کے مطابق پڑھا ہے۔ دونوں قرأتوں کی بناء پر یہ مکان کا احتمال رکھتا ہے۔ پس یہ مفعول بہ ہوگا اور مصدر کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اس صورت میں مفعول بہ محذوف ہے۔ دونوں صورتوں میں معنی اس طرح ہوگا، یعنی ہم تمہیں خوبصورت جنت میں داخل کریں گے یا تمہیں جنت میں اچھی طرح داخل کریں گے واللہ اعلم۔

مجاہد نے کہا ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ بے شک مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتیں۔ ان کے لئے وراثت میں ہم سے دو گنا ہے۔ اگر ہم بھی مرد ہوتیں ہم بھی اسی طرح جہاد کریں جس طرح وہ کرتے ہیں اور جو وہ میراث لیتے ہم بھی اتنی ہی وراثت لیتیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے امام ترمذی اور حاکم نے ام سلمہ سے روایت کیا۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

وَلَا تَسْتَمْتُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۗ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا  
اَكْتَسَبُوا ۗ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اَكْتَسَبْنَ ۗ وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ  
كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

”اور نہ آرزو کرو کہ اس چیز کی بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر ۲ مردوں کیلئے حصہ ہے ۳ اس سے جو انہوں نے کمایا ۴ اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا ۵ اور مانگتے رہو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کو ۶ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۷“

۱۔ ایک قول یہ کیا گیا جب اللہ تعالیٰ نے وراثت میں عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کا دو گنا حصہ رکھا تو عورتوں نے عرض کی ہم مردوں کے مقابلہ میں زیادتی کی زیادہ حقدار اور ضرورت مند تھیں کیونکہ ہم کمزور اور مرد قوی اور ذریعہ معاش کی تلاش میں زیادہ قدرت رکھنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ قنادہ اور سدی نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اَكْتَسَبُوا تو مردوں نے کہا ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمیں آخرت میں بھی نیکیوں میں فضیلت دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

۲۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقسیم کی وجہ سے ہے جو حکمت و تدبیر سے صادر ہوئی آرزو حسد کی طرف لے جاتی ہے جو کچھ فائدہ نہیں دیتی بلکہ جو انسان کو اپنی استطاعت کے مطابق نیکیاں حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث اور دار آخرت میں فضیلت کا باعث ہوگی۔

۳۔ مردوں کا مال، ثواب اور فضل کا حصہ اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا ہوا ہے۔

۴۔ جو انہوں نے اعمال کئے جیسے جہاد اور وہ عبادات جو ان کے ساتھ خاص ہیں اور جو خاص نہیں ان کے باعث مذکورہ چیزوں اور اس کے علاوہ نعمت وراثت اور تجارت میں حصہ موجود ہے۔

ہے عورتوں نے جو خاندن کی اطاعت کی بچوں کی پرورش کی عزت اور ناموس کی حفاظت کی ان کے علاوہ جو امور ان کے ساتھ خاص ہیں یا ان کے ساتھ خاص نہیں جیسے عبادات ان کی وجہ سے ان کے لئے مہر نفقات وراثت اور دوسری چیزیں ان کے لئے مقدر ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں زیادہ ثواب کا سوال کرنا چاہئے (۱) کیونکہ اس کے خزانے ختم نہیں ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے میں دس سے لے کر سات سو گنا تک یا اس سے بھی زیادہ جتنا چاہتا ہے بدلہ عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں کمائی میں برکت عطا فرماتا ہے اور رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرماتا ہے تو کچھ فائدہ نہیں دیتی اور حسد جائز نہیں ہوتا۔ ابن کثیر اور کسائی نے وائلوا پڑھا ہے۔ اسی سے سل اور فصل امر حاضر کے صیغے پڑھے جب اس سے پہلے فاء یا واو ہو کیونکہ ہمزہ کی حرکت نقل کر کے سین کو دی اور ہمزہ کو حذف کر دیا ہمزہ نے وقف میں اصل پر پڑھا ہے اور باقی قراء نے سین کو سکون کے ساتھ مہوز کے ساتھ پڑھا ہے۔

۲۔ جو انسان جس فضیلت کا مستحق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے۔ یہ علم اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس فضیلت سے نوازا ہے۔ اس کی استعداد بھی اسے عطا فرمائی اور استعداد اللہ تعالیٰ کے علم اجمالی کا پرتو ہے جس طرح صوفیاء کرام نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ  
أَيْمَانَكُمْ فَاتُوهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝۳۱

”اور ہر ایک کے لئے لے بنا دیئے ہیں ہم نے وارث اس مال سے جو چھوڑ جائیں ۲۔ ماں باپ اور قرہبی رشتہ دار ۳۔ اور وہ لوگ جن سے بندہ چکا ہے تمہارا عہد و پیمانہ ہے تو دو انہیں ان کا حصہ ۴۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے ۵۔“

۱۔ یہاں کل کا مضاف الیہ محذوف ہے اور جار مجرور مابعد کے متعلق ہے۔

۲۔ یعنی ہم نے ہر مال اور میت کے وارث بنا دیئے ہیں جو مال کی حفاظت کرتے ہیں اور میت کے وارث بنتے ہیں۔ مِمَّا تَرَكَ جار مجرور ظرف مستقر ہے، یعنی محذوف شبہ فعل کے متعلق ہے اور پھر مال کی صفت ہے۔ یہ پہلی تعبیر کی صورت میں ہے۔ عامل سے جدائی کی صورت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں صرف اس کا مقدم ہونا ضروری ہوتا ہے اور دوسری تقدیر کی صورت میں یہ ظرف لغو ہے اور فعل مقدر کے متعلق ہے جس پر موالی کا لفظ دلالت کرتا ہے اور وہ فعل موالی کی صفت ہوگا۔

۳۔ پہلی تقدیر کی صورت میں یہ ترک فعل کا فاعل ہے اور دوسری تقدیر کی صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی هُمْ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ۔ یہ بھی کہنا جائز ہے کہ لکل خبر ہو اور جَعَلْنَا مَوَالِيَ صفت ہو صفت میں ضمیر عائد محذوف ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان مِمَّا

(۱) امام ترمذی نے ابن مسعود سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ ابن جریر نے صحابہ میں سے ایک سے نقل کیا اس کا نام نہیں لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ بہترین عبادت فرانی کا انتظار ہے۔ امام احمد نے حضرت انس سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ سے تین دفعہ جنت کا سوال نہیں کرتا کہ جنت اللہ تعالیٰ سے عرض کرتی ہے کہ اے اللہ سے جنت میں داخل کر دے۔ کوئی مسلمان جہنم سے چھٹکارے کی تین دفعہ اللہ تعالیٰ سے التجا نہیں کرتا مگر جہنم کہتی ہے اے اللہ سے جہنم سے پناہ دے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے وائلوا من فضله کے بارے میں نقل کیا عادت نیاوی امور میں سے نہیں بلکہ خود عبادت ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

تَرَكَ الْوَالِدَانَ ..... یہ مبتدا محذوف کی صفت ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لِكُلِّ جَمَاعَةٍ مِّنْ وَرَثَةٍ جَعَلْنَا۔  
سے الذین (۱) کا عطف الْوَالِدَانَ وَالْأَقْرَبُونَ پر ہے۔

یہ سابقہ جملہ کا بیان ہے یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مبتدا ہو جو اپنے ضمن میں شرط کا معنی لئے ہوئے ہے اور فاتوہم اس کی خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے اسم موصول فعل مضموم کی وجہ سے منصوب ہو جس کا مابعد اس کی تفسیر بیان کر رہا ہے، جس طرح اس مثال میں ہے زیذا فاضربہ لیکن دوسری تاویل کی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ خبر جملہ طلبیہ واقع ہو اضماع علی شرط تفسیر کی صورت میں ترکیب اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔ یہاں کوئی اختصاص نہیں۔ زیادہ مناسب پہلی تاویل ہے اور اقربوں پر وقف کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے منقول نہیں۔ وہ تاویل امام ابوحنیفہ کے مذہب کے منافی ہے کیونکہ آپ کے نزدیک مولیٰ اعلیٰ تمام ترکہ یا جو باقی بچے اس کا وارث ہوتا ہے جبکہ مولیٰ اسفل وارث نہیں ہوتا۔ یہ صورت اس وقت ہوتی ہے جب میاں بیوی کو حصہ دے دیا جائے اور میت کا کوئی عصبہ اور نسبی صاحب فرض اور نہ کوئی ذی رحم محرم ہوتا ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک بھی پایا جائے تو بالا جماع مولیٰ اس کی کوئی میراث نہیں ہوتی۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم دور جاہلیت اور ابتداء اسلام میں تھا اور حلیف کا چھنا حصہ تھا۔ پھر یہ حکم اس ارشاد کے ساتھ منسوخ ہو گیا وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ جمہور کے نزدیک موالات کی صورت میں مولیٰ کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا بلکہ وارث نہ ہونے کی صورت میں ترکہ بیت المال کے لئے ہوگا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ نسخ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب تعارض پایا جائے۔ یہاں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اولوالارحام میں حلیف کی وراثت کی نفی پر کوئی دلیل نہیں۔

(۱) ابو داؤد نے ناخ میں داؤد بن حصین سے نقل کیا ہے میں ام سعد بنت ربیع کو قرآن سنا تا تھا جنہوں نے چھوٹی عمر میں یتیم ہونے کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق کے ہاں پرورش پائی۔ میں نے جب یہ آیت یوں تلاوت کی وَالذِّينَ عَاقَدْتَ اٰیْمَانَكُمْ تُوْفِرْ بِمَا اٰیَسَیْے نہیں بلکہ وَالذِّينَ عَقَدْتَ۔ فرمایا یہ حضرت ابو بکر اور ان کے بیٹے کے حق میں نازل ہوئی۔ جب عبدالرحمن نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابو بکر نے قسم اٹھائی کہ وہ اسے وارث نہیں بنائیں گے۔ جب عبدالرحمن مسلمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وراثت میں انہیں حصہ دیں۔ میں کہتا ہوں اس تاویل کی بناء پر اس آیت میں باہم معاہدہ کرنے والوں کا کوئی ذکر نہیں۔ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ دور جاہلیت میں ایک آدمی ایک برادری کے پاس آتا۔ قبیلہ والے اس اجنبی سے معاہدہ کر لیتے کہ وہ ان کی قوم کا ایک فرد ہوگا۔ ہر دکھ، خوشی اور دیت کے معاملہ میں وہ ان میں ایک قبیلہ کے فرد کی طرح ہوگا۔ وہ اپنی طرف سے اسے وہی چیز پیش کرتے جو اس سے لیتے تھے۔ جب کبھی جنگ ہوتی تو کہتے اے فلاں تو ہم میں سے ہے۔ پس ہماری مدد کر اگر اسے کوئی منفعت ہوتی تو کہتے ہمیں عطا کر تو ہم میں سے ہے۔ جب وہ مدد طلب کرتا تو اس کی اس طرح مدد نہ کرتے جس طرح انہوں کی مدد کرتے۔ اگر اسے کوئی مصیبت آجاتی تو کوئی کچھ دے دیتا اور کوئی نہ دیتا، جس طرح اس سے لیتے اس طرح اسے نہ دیتے۔ ایسے لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی ان معاہدوں کی وجہ سے وہ پریشان تھے۔ گزارش کی ہم نے دور جاہلیت میں معاہدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَالذِّينَ عَقَدْتَ اٰیْمَانَكُمْ یعنی انہیں بھی اسی طرح دو جس طرح تم ان سے لیتے ہو۔ دونوں نے ایک اور سند سے ابو مالک سے روایت کیا فرمایا وہ ایک قوم کا حلیف ہوتا تھا جو لوگوں سے اپنے معاملہ میں حاضری اور مشورہ طلب کرتا۔ عبد بن حمید اور ابن جریر نے ابن عمرو سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا دور جاہلیت کے معاہدے پورے کرو کیونکہ اللہ ان میں مضبوطی پیدا فرماتا ہے۔ دور اسلام میں نئے معاہدے نہ کرو۔ امام احمد اور مسلم نے جبیر بن مطعم سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں جو معاہدہ دور جاہلیت میں تھا اسلام اس کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔ عبد بن حمید نے ابن عباس سے مرفوعاً نقل کیا ہے فرمایا ہر وہ معاہدہ جو دور جاہلیت میں تھا اسلام صرف اس کی سختی میں اضافہ کرتا ہے۔ عبد الرزاق اور عبد بن حمید نے زہری سے نقل کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت حلیف کے وارث بننے کی نفی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آیت کا آخری حصہ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَيَّ أَوْلِيَاءَ كُمْ مَعْرُوفًا اس امر میں صریح ہے کہ موالی کے حق میں وصیت ضروری ہے اور وصیت کے بغیر ان کے لئے کچھ بھی نہیں مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حلیفوں کی وراثت ذوی الارحام میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے بھی منسوخ ہے۔ ہم یہی کہتے ہیں ذی الارحام نہ ہونے کی صورت میں ان کی وراثت کا حکم باقی ہے۔ کیسے نہ ہو اس کا مال اس کا حق ہے وہ جس طرح چاہے اس کو صرف کرے (۱) بیت المال کے حوالے مال اس وقت کیا جائے گا جب مستحق نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ بیت المال خود حقدار ہے۔ اس طرح امام شافعی فرماتے ہیں کیونکہ بیت المال کے وارث مجہول ہیں اور مجہول مستحق نہیں بن سکتا۔

مسئلہ:- مولیٰ اسفل (جو باہر سے آکر کسی سے معاہدہ کرے اور پناہ لے) وہ مولیٰ اعلیٰ (جس کی پناہ لی گئی ہو اور اس کے ساتھ معاہدہ کیا گیا ہو) سے اپنی دوستی معاہدہ ختم کر سکتا ہے جب تک کہ اس کی طرف سے دیت نہ دی گئی ہو کیونکہ یہ عقد لازم نہیں اور اس کا مقام وصیت جیسا ہے۔ اسی طرح مولیٰ اعلیٰ کو بھی حق ہے کہ اس کی ولاء (معاہدہ) سے براءت کا اظہار کر دے کیونکہ یہ چیز لازم نہیں ہوتی مگر اس معاہدہ کو توڑنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دوسرا فریق بھی مجلس میں موجود ہو جس طرح وکیل کو معزول کیا جائے تو اس کو اطلاع کرنا ضروری ہوتا ہے مگر جب مولیٰ اسفل پہلے کی عدم موجودگی میں کسی غیر کے ساتھ معاہدہ کرے تو پہلے کی ولاء ساقط ہو جاتی ہے۔ جب اعلیٰ نے اسفل کی طرف سے دیت دی ہو اس صورت میں غیر سے ایسا معاہدہ کرنا جائز نہیں۔

۱۔ ان کا حصہ روکنے پر ڈرایا جا رہا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ خاوند کے خلاف دعویٰ کرے کہ اس نے اسے طمانچہ مارا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قصاص لازم ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

الرِّجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۗ قَالَ صَلِحَتْ فَتَبْتَ حِفْظًا لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۗ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْبِصَاحِجِ وَأَضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ﴿۳۳﴾

”مرد محافظ و نگران ہیں عورتوں پر لہذا اس وجہ سے فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر لہذا اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت اور آرام کے لئے) لہذا تو نیک عورتیں اطاعت گزار ہوتی ہیں حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے لہذا اور وہ عورتیں اندیشہ ہوتی ہیں جن کی نافرمانی کا ڈر ہے تو (پہلے نرمی سے) انہیں سمجھاؤ اور پھر الگ کر دو انہیں خواب گاہوں سے لہذا اور (پھر بھی باز نہ آئیں) تو مارو انہیں بے پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر (ظلم کرنے کی) راہ لے یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت و کبرائی میں) سب سے بالا سب سے بڑا ہے ۹“

(۱) زندگی میں اس نے ان سے معاہدہ کیا تھا، جبکہ شرعی حکم اس کے معارض نہیں تو مناسب یہی ہے کہ انہیں حصہ دیا جائے۔

۱۔ جب آیت نازل ہوئی تو وہ عورت بغیر قصاص کے واپس آگئی۔ ابن ابی شیبہ اور ابو داؤد نے مر اسیل میں اس کا ذکر فرمایا۔ ابن جریر نے حسن بصری سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ثعلبی اور واحدی نے بھی اسے روایت کیا۔ امام بغوی نے بھی اسی طرح ذکر کیا کہ یہ آیت سعد بن ربیع کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔ ان کی ایک بیوی کا نام حبیبہ بنت زید تھا۔ یہ مقاتل کا قول ہے۔ کلبی نے کہا اس کی بیوی محمد بن مسلمہ کی بیٹی تھی۔ اس نے سعد بن ربیع اپنے خاوند کی نافرمانی کی تو انہوں نے بیوی کو طمانچہ مارا ان کے والد اسے لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ آپ نے میری بیٹی سعد بن ربیع کو دی تو اس نے میری بیٹی کو طمانچہ مارے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو اس سے قصاص لے لے۔ پھر فرمایا واپس چلے جاؤ، یہ جبرائیل امین میرے پاس تشریف لائے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو مجھ پر نازل کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم نے ایک امر کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ایک اور چیز کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ کا ارادہ بہتر ہے اور قصاص کو معاف فرما دیا (1) ابن مردویہ نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا کہ ایک انصاری ایک عورت کو لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے مجھے مارا ہے اور میرے چہرے کو نشان زدہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے اس کا حق نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر یوں غالب ہیں جس طرح حاکم رعیت پر وہ ان کو ادب سکھانے کے ذمہ دار ہیں۔ مردوں کو توام اسی لئے کہا گیا۔ توام اور قیم کا معنی ایک ہی ہے، تاہم توام قیم سے بلیغ ہے۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے جو مصالح تدبیر اور تادیب کا خیال رکھتا ہے۔ اس کی علت دو امور سے بیان کی گئی ہے، ایک عطائی اور دوسری کبھی۔

۲۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت دی مردوں کو عورتوں پر خلقت میں فضیلت دی جیسے کامل عقل دیا، حسن تدبیر سے نوازا، علم و جسم میں وسعت عطاء فرمائی اعمال کو بروئے کار لانے اور استعداد و صلاحیت میں زیادتی بخشی۔ اسی وجہ سے انہیں نبوت، امامت، ولایت، قضا، حدود و قصاص اور دوسرے معاملات میں گواہ بنایا اور ان پر جہاد، جمعہ و عیدین کو واجب کیا، اذون، خطبہ، جماعت و راشت میں زیادہ حصہ نکاح میں مالک، کئی عورتوں سے نکاح، طلاق کا اختیار اسی طرح نماز اور روزہ میں بغیر انقطاع کے کمال کی صلاحیتیں بخشی۔ یہ وہی امر ہے۔ اسی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو خاوند کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا (2) اسے امام احمد نے حضرت معاذ سے اور حضرت عائشہ سے اسی کی مثل روایت کیا۔ امام ترمذی نے ابو ہریرہ اور ابو داؤد نے قیس بن سعد سے روایت کیا۔

۳۔ یعنی مہر اور لازمی اخراجات خرچ کرتے ہیں۔ یہ امر کبھی ہے پھر عورتوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا پہلی قسم یہ ہے۔

۴۔ وہ اپنے خاوندوں کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں جن چیزوں کی حفاظت کرنا واجب ہے ان کی حفاظت کرتی ہیں جیسے شرمگاہیں، خاوندوں کے مال اور ان کے راز یہاں غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دوسرے لوگوں سے پوشیدہ ہوں جیسے خاوندوں کے راز اور ان کے مخفی خزانے۔ لام حفظت کا صلہ ہے۔ ابن جریر نے طلحہ بن مطرف سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے فَالضَّلِحْتُ قَبِيْتُ حَفِظْتُ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ فَالضَّلِحُوا إِلَيْهِنَّ۔ سدی سے یہ نقل کیا ہے فَاحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ۔ ابو جعفر نے اسم جلالہ کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں ما موصولہ ہوگا اور فعل میں فاعل ضمیر ہوگی جو ما کی طرف لوٹے گی۔ معنی یہ ہوگا اس امر کے باعث جو اللہ تعالیٰ کے حق یا اس کی اطاعت کی حفاظت کرے وہ پاکدامنی اور شفقت ہے۔ عام قراء



نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ اس صورت میں مایا تو مصدر یہ ہے۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے انہیں غیب کی حفاظت کا حکم دے کر اور اس کی توفیق عطا کر کے ان کی حفاظت کی یا یہ معنی کیا جاتا ہے کہ عورتوں کی طرف حفاظت کی نسبت کسب کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق کے اعتبار سے ہے اور پیدا کرنا کسب کا سبب ہوتا ہے۔ یا ما موصولہ ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے مردوں پر مہر نفقہ ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اور ان کی حفاظت کو لازم کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین (۱) عورت وہ ہے جب تو اسے دیکھے تو وہ تجھے خوش کر دے تو اسے حکم دے تو تیری اطاعت کرے، جب تو اس سے غائب ہو تو تیرے مال اور اولاد کی حفاظت کرے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا (۱) ابن جریر نے مالک و نفسہا کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ نسائی حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کونسی عورت بہترین ہے؟ فرمایا جب وہ اسے دیکھے تو وہ خوش کر دے، جب حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، جو مرد کو پسند نہیں ان میں وہ مرد کی مخالفت نہ کرے جیسے مال و اولاد۔ ایک روایت میں تحفظ فی نفسہا و مالہ کے الفاظ ہیں۔ سیوطی نے کہا حدیث کے اکثر طرق میں فی نفسہا و مالہا کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح ابن ماجہ نے ابی امامہ کی حدیث نقل کی ہے۔ بعض طرق میں فی نفسہا و مالہ کے الفاظ ہیں طیبی نے کہا ما لہا سے مراد خاوند کا مال ہے۔ مال کی نسبت عورت کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ قریبی تعلق ہوتا ہے اور وہی اس میں تصرف کرتی ہے۔ حضرت انس سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت جب پانچ نمازیں پڑھے رمضان کے روزے رکھے اپنی عزت کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے، وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو ابو نعیم نے اسے حلیہ میں روایت کیا۔ حضرت ام سلمہ سے مرفوع روایت مروی ہے جو عورت فوت ہو جائے اور اس کا خاوند اس سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہوگی (۲) اسے امام ترمذی نے روایت کیا دوسری قسم کی عورتیں یہ ہیں۔

۵۔ نشوز سے مراد نافرمانی اور تکبر ہے۔ نشوز کا اصل معنی بلند ہونا ہے۔ اس سے ایک لفظ نشز ہے جس کا معنی ہے بلند جگہ ایک قول یہ کیا گیا تخافون کا معنی تعلمون ہے۔ قاموس میں خوف کا معنی علم بھی ہے۔ اسی سے یہ بھی ارشاد ہے وَإِنْ أَمْرًا ذَا خَافْتُمْ مِنْ بَعْضِهَا تُشْوَروا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ نشوز کے خوف سے مراد اس کا ہمیشہ کے لئے نافرمانی کا خوف ہو، تاہم جب تک نافرمانی کا ظہور نہ ہو اس وقت تک سزا جائز نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں نشوز کا صرف خوف و عطف کے لئے کافی ہے۔

۶۔ زبانی نصیحت کرو، یعنی اللہ تعالیٰ کی پکڑ مارنے اور علیحدگی کی سزا سے ڈراؤ۔ جب انہیں نصیحت کام نہ دے تو ان کے بستروں پر نہ جاؤ۔ یہ حقوق زوجیت ادا کرنے سے کتنا یہ ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ بستر میں اس کی طرف پشت کرے۔ یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ

3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 138 (وزارت تعلیم)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 433 (التجاریہ)

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اچھے اخلاق والی، محبت کرنے والی اور بچے جننے والی بیوی پالے تو اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنے کے بعد بد اخلاق اور ترش زبان والی عورت پالے تو اس سے بڑھ کر مصیبت کوئی نہیں۔ حضرت عمر سے ہی مروی ہے فرمایا عورتیں تین طرح کی ہیں (۱) پاکدامن، اطاعت شعار، نرم خو، محبت کرنے والی، بچے جننے والی جو حادثات زمانہ کے خلاف اپنے خاوند کی مدد کرتی ہیں، مصائب میں اضافہ نہیں کرتیں۔ ایسی عورتیں تو کم ہی پائے گا۔ (۲) دوسری عورتیں وہ ہیں جو صرف بچے ہی جننتی ہیں۔ (۳) تیسری عورتیں وہ ہیں جو کینہ پرور اور چھڑی نما، اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اس کے گٹھے میں ڈال دیتا ہے، جب گلو خلاصی کا ارادہ کرتا ہے تو چھکارا دے دیتا ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے نقل کیا۔ از مؤلف رحمۃ اللہ

فی المضاجع فرمایا ہے عن المضاجع نہیں فرمایا۔

بے اگر ہم بستری نہ کرنا بھی نفع نہ دے تو انہیں مارو۔ اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اس سے مراد ایسا مارنا ہے جو زیادہ تکلیف نہ دے۔ مفسرین نے یہ قید اس لئے لگائی کیونکہ امام مسلم نے حضرت جابر سے حجۃ الوداع کے قصہ میں یہ روایت کی کہ حضور ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے آدمی کو نہ بٹھائیں جو تمہارے لئے ناپسند ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن وہ خفیف ہو شدید نہ ہو۔ ان کا تمہارے اوپر یہ حق ہے۔ تم انہیں اچھے طریقے سے رزق اور لباس دو۔ میں یہ کہتا ہوں یہ خبر واحد ہے مطلق کتاب اللہ کو اس سے مقید کرنا جائز نہیں۔ کتاب اللہ کا اطلاق اور اس کا سیاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ اس کے جرم کے مطابق ہو۔ اگر اس سے نافرمانی کا خوف یوں ہو کہ اس سے درشتگی کے آثار نمایاں ہوں تو اسے نصیحت کرے، اگر وہ نافرمانی کی علامات کو ظاہر کرنے لگے تو اس سے بستر الگ کرے، اگر اسی طرز عمل پر اصرار کرے تو اس کی نافرمانی کے مطابق اسے مارے، اگر وہ بدکاری کا ارتکاب کرے فرض نماز رمضان کے روزے جنابت اور حیض کا غسل چھوڑے تو اسے مارے اور ان چیزوں سے روکنے کے لئے جتنا مناسب سمجھے اسے محبوس رکھے، اگر اس کی نافرمانی اس سے کم درجہ کی ہو اور وہ اصرار بھی کرے وہ وعظ اور بستر علیحدہ کرنے سے بھی نہ رکے تو اسے خفیف سا مارے۔

۷ اگر وہ ابتداء سے ہی تمہاری اطاعت کریں یا نشوز کے بعد اطاعت کریں اور نافرمانی سے توبہ کر لیں تو تم ظلم کی راہ تلاش نہ کرو۔ کہتے ہیں بغوت الامر جب تو اسے طلب کرے۔ سببلا بتسوا کا مفعول بہ ہے، یعنی ان میں جو نشوز پایا جا رہا ہے اس سے توبہ کے بعد تم ان سے یوں رویہ رکھو گویا ان میں یہ چیز موجود نہ تھی کیونکہ گناہ سے تائب ایسے ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

۸ تم ان پر ظلم نہ کرو جو تمہارے زیر نگیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو بلند ہے بڑا ہے، کیونکہ جو تمہارے زیر دست ہیں ان پر تمہاری قدرت سے زیادہ قدرت رکھتا ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی بلند شان کے باوجود تمہاری سیئات سے درگزر کرنے والا ہے، تمہاری توبہ قبول فرماتا ہے، تو تمہیں عورتوں کے معاملہ اپنے حقوق معاف کر دینے چاہئیں۔ حضرت عبد اللہ بن زمعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اپنی عورت کو غلاموں کی طرح نہ مارتا رہے پھر پچھلے پہر اس سے ہم بستری کر رہا ہو متفق علیہ۔ (۱) حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہماری بیویوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ فرمایا جب وہ کھانے کی خواہش کرے تو مرد اسے کھانا کھلائے، جب وہ لباس طلب کرے تو یہ اسے لباس عطا کرے، اس کے منہ پر نہ مارے اس کی قباحت کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی اس سے الگ تھلگ ہو مگر گھر میں ایسا کرے (۲) اسے امام احمد ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ایسا بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو نہ مارو تو حضرت عمر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی عورتیں خاوندوں کی نافرمان ہو جائیں گی تو حضور ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ تو رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے پاس کثیر عورتیں آنے لگیں جو اپنے خاوندوں کی شکایت کرتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کثیر عورتیں ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئیں جو اپنے خاوندوں کی شکایت کرتی ہیں۔ ایسے لوگ تم میں سے اچھے نہیں (۳) اسے ابوداؤد

ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے حسن سلوک کرنے والا ہو، میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم میں سے بہترین ہوں (۱) اسے امام ترمذی اور دارمی نے روایت کیا اور اسے ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكْمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكْمًا مِنْ أَهْلِهَا ۚ إِنَّ  
يُرِيدُ إِصْلَاحًا يُوَفِّقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝

”اور اگر خوف کرو تم ناچاقی کا ان کے درمیان لے تو مقرر کرو ایک شیخ مرد کے کنبہ سے اور ایک شیخ عورت کے کنبہ سے لے۔ اگر وہ دونوں (شیخ) ارادہ کریں گے صلح کرانے کا تو موافقت پیدا کر دے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان لے بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات سے خبردار ہے لے۔“

لے اے حکام اگر تمہیں خوف ہو شقاق کا معنی دشمنی اور اختلاف ہے کیونکہ دشمنوں میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو اسے تکلیف دے یا ایسے پہلو کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے جس کی طرف اس کا دوسرا ساتھی جھکاؤ نہیں رکھتا۔ ہمارے مراد میاں بیوی ہیں۔ میاں بیوی کا پہلے صراحۃً ذکر نہیں پھر بھی ضمیر ذکر کی جو ان کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ اس چیز کا ذکر ہوتا رہا ہے جو اس پر دال ہے وہ نشوز ہے کیونکہ نشوز کا معنی بیوی کا اپنے خاوند کی اطاعت سے انکار کرنا ہے، یا یہ کہا جائے گا کہ عورت کا صراحۃً ذکر ہوا اور خاوند کے لئے پہلے ضمیر کا ذکر ہے جیسے وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ۔ یہاں شقاق کی نسبت مجازاً ظرف کی طرف کی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے مَكْرُؤَاتِئِيلَ وَالنَّهَارِ۔ یہاں خوف بمعنی ظن ہے۔ سنی جب میاں بیوی سے ایسی چیزیں ظاہر ہوں جنہیں تم باہمی بغض شمار کرو اور ان کا حال حق و باطل میں مشتبه ہو جائے۔

لے تو ایک دانا عادل آدمی جو فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اسے خاوند کی طرف بھیجو اور ایک دوسرا آدمی جو عورت کے خاندان سے تعلق رکھتا ہو اسے عورت کی طرف بھیجو۔ یہاں دونوں حکموں کے لئے اہل کی قید ذکر کی ہے کیونکہ قرہی رشتہ دار حقیقی صورت حال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں اور صلح کی زیادہ خواہش رکھتے ہیں۔ یہ قید استحباب کے لئے ہے۔ ورنہ اجنبی بھیج دیں تب بھی جائز ہے۔ دونوں حکم ان کے احوال کی تفتیش کریں گے اور ان میں سے ظالم کو پہچانیں گے۔ اگر ظلم خاوند کی طرف سے ہو گا تو دونوں خاوند کو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنے یا طلاق دینے کا کہیں گے اور اگر ناچاقی عورت کی طرف سے ہوگی تو اسے خاوند کی اطاعت یا فدیہ دینے کا کہیں گے۔ امام بغوی نے اپنی سند سے امام شافعی اور انہوں نے عبیدہ سے نقل کیا ہے انہوں نے اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک مرد اور عورت حضرت علی شیر خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے، دونوں کے سر پرست بھی ساتھ تھے۔ حضرت علی نے انہیں حکم بھیجنے کا ارشاد فرمایا انہوں نے اپنے اپنے حکم بھیجے (۱) پھر حضرت علی نے انہیں فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ تمہاری ذمہ

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 138 (وزارت تعلیم)

(۱) حضرت ابن عباس سے مروی ہے مجھے اور حضرت معاویہ کو ثابت بنا کر بھیجا گیا۔ ہمیں کہا گیا اگر مناسب سمجھو تو دونوں کی صلح کرادینا، مناسب سمجھو تو طلاق کا فیصلہ کرادینا، ہمیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا۔

داری یہ ہے کہ اگر مصالحت مناسب سمجھو تو مصالحت کر دینا اگر طلاق مناسب سمجھو تو تفریق کر دینا۔ عورت نے یہ کہا میں کتاب اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوں، جو مجھ پر فرض ہے یا میرا حق ہے وہ تسلیم ہے۔ مرد نے کہا جدائی تو قابل قبول نہیں حضرت علی شیر خدا نے فرمایا تو نے جھوٹ بولا، قسم بخدا فیصلہ اس وقت تک نہ ہوگا جب تک تو بھی اسی طرح اقرار نہ کرے جس طرح اس نے اقرار کیا۔ (۱)

امام مالک کا فرمان ہے خاوند کے ثالث کو اختیار ہے کہ خاوند کی رضا کے بغیر بھی عورت کو طلاق دے دے اور عورت کے ثالث کو اختیار ہے کہ عورت کی اجازت کے بغیر خلع کا فیصلہ کر دے۔ جب ثالث خلع میں ہی بہتری دیکھے تو مال کی ادائیگی عورت کے ذمہ لازم ہوگی کیونکہ حضرت علی شیر خدا نے دونوں ثالثوں کو جمع و تفریق کا اختیار دیا تھا اور جب خاوند نے جدائی کی نفی کی تھی تو آپ نے اس کی تکذیب کی تھی۔

جمہور علماء کے نزدیک دونوں ثالثوں کو یہ حق نہیں۔ ہاں اگر دونوں میاں بیوی نے ثالثوں کو اختیار دیا ہو تو بہتر ورنہ وہ حتی المقدور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے اصلاح کی کوشش کریں۔ بصورت دیگر حاکم کے سامنے ظالم کے بارے میں رائے دے دیں۔ پھر حاکم ظالم کو مجبور کرے خاوند کو حسن معاشرہ کے ساتھ بیوی اپنے پاس رکھنے یا احسان کے ساتھ طلاق دینے کا حکم دے اور بیوی کو نافرمانی چھوڑنے اور فدیہ دینے کا حکم دے۔ حضرت علی شیر خدا کا مرد کو یہ فرمانا حتی تفرق جدائی کے لئے اس کا راضی ہونا بھی شرط ہے جب تک وہ ثالث کو طلاق کا وکیل نہ بنائے اور اپنا معاملہ اس کے سپرد نہ کرے اس کی طلاق نافذ نہ ہوگی۔

۳۔ الف تشنیہ کی ضمیر ثالثوں کے لئے ہے اور ضمیر میاں بیوی کے لئے ہے، یعنی اگر دونوں ثالث ناراض میاں بیوی کے درمیان اصلاح احوال کا ارادہ کریں اور نیت بھی ان کی صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی کوشش سے میاں بیوی کے درمیان موافقت اور محبت پیدا کر دے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اصلاح موافقت اور جدائی سے عام ہو، یعنی اگر دونوں نے جو امر مناسب تھا اس کی کوشش کی، خواہ وہ نکاح کو باقی رکھنا تھا یا طلاق واقع کرنا، اللہ تعالیٰ اسی مناسب ترین کو آسان فرمادے گا۔ یا دونوں ضمیریں ثالثوں کے لئے ہیں، یعنی اگر دونوں نے اصلاح اور مظلوم کی مدد کا قصد کیا اور ان میں سے کسی کا بھی اپنے رشتہ دار کی غلط مدد کرنے کا ارادہ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں موافقت پیدا فرمادے گا۔ وہ دونوں ایک فیصلہ پر متفق ہو جائیں گے، یہاں تک کہ مراد مکمل ہو جائے گی۔ یا دونوں ضمیریں میاں بیوی کے لئے ہیں، یعنی اگر دونوں میاں بیوی باہم اصلاح کا ارادہ کریں اور جو مناسب ہو اس کا مطالبہ کریں اللہ تعالیٰ ان کے درمیان الفت ڈال دے گا یا جو مناسب ہوگا اس کی توفیق دے گا۔ اس آیت میں اس بات پر تشبیہ ہے کہ جس نے اپنی نیت کو عمل میں درست رکھا اللہ تعالیٰ عمل کا انجام خیر کرے گا۔

۴۔ وہ دلوں میں پوشیدہ اسرار اور امور کے نتائج سے آگاہ ہے اور میاں بیوی میں سے جو ظالم ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کا بدلہ دے گا۔

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ  
وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ  
السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿۱۶﴾

”اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی لے اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو لے اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو سچے نیز رشتہ

داروں سے اور قیموں اور مسکینوں سے اور پڑوسی جو رشتہ دار ہیں نہ اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں کے اور ہم مجلس سے اور مسافر سے اور جو (لوٹنی غلام) تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو۔“

۱۔ صحاح میں ہے عبودیت سے مراد عاجزی کا اظہار ہے عبادت عبودیت سے بھی بلیغ ہے کیونکہ یہ انتہاء درجے کی عاجزی ہے۔ اس کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جس میں حد درجے کی عظمت اور احسان و فضل پایا جائے۔ میں کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ شیئا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور یہاں تو نین حقارت بیان کرنے کے لئے ہے۔ اس میں انہیں شرمندہ کرنا ہے، یعنی تم اس کے ساتھ کسی حقیر چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ اس کی کبریائی غیر متناہی ہے کیونکہ ممکنات میں سے ہر چیز واجب کے مقابلہ میں بہت حقیر ہے۔ یا یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی تم اس کیساتھ کسی قسم کا بھی شرک نہ کرو، یعنی شرک خفی نہ شرک جلی۔ عبادت کی دو قسمیں ہیں (1) اضطراری ممکنات میں سے کسی چیز کے لئے بھی اس سے انحراف ممکن نہیں (سب اس کے احکام نگویندے کے سامنے مسخر ہیں) (2) دوسری اختیار کے ساتھ عبادت کرنا۔ آیت کریمہ میں اسی کا حکم دیا گیا۔ یہاں اس سے مراد اس کے احکام کی تعمیل اور منہی عنہ سے رکنا ہے۔ صوفیاء نے فرمایا عبادت کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو احکام کی تعمیل میں معدوم الارادہ (جس کا ارادہ نہ ہو) اور معدوم الاختیار (جس کا اختیار نہ ہو) بنا دے، جس طرح میت غسل دینے والے کے سامنے ہوتی ہے اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو۔ یہاں تک کہ امور مکلفہ اور امور نگویندے اس کے لئے ایک طرح کے ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔

حضرت معاذ بن جبل سے ایک روایت مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ آپ نے فرمایا اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے خود ہی فرمایا اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں، کسی چیز کو اس کیساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ اے معاذ کیا تو جانتا ہے جب وہ یہ کر لیں تو بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا پیارا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دیدوں؟ فرمایا انہیں اعمال کرنے دو (1) اسے امام بغوی نے روایت کیا۔ صحیحین میں بھی اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صوفیاء کے نزدیک لَا يُعَذِّبُهُمْ کا معنی یہ ہے کہ انہیں ہجر و فراق کا عذاب نہ دے۔

۳۔ یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ حضرت معاذ سے ایک روایت مروی ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے دس چیزوں کا تاکید حکم دیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے اور جلا دیا جائے۔ اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو۔ اگرچہ وہ تمہیں حکم دیں کہ تو اپنے گھر اور مال کو چھوڑ دے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔ (2)

۴۔ قربی قرابت کے معنی میں مصدر ہے، یعنی قریبی رشتہ دار پر احسان کرو سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ اور صلہ رحمی ہے۔ اسے امام احمد نسائی، ابن حبان، حاکم اور ترمذی نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ نیز ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے نقل کیا۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں قرہبی پر دو صدقہ ہیں، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔ اس آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ والدین اور قرہبی رشتہ داروں پر خرچ کرنا واجب ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ غنی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْغَنِيُّ**۔ غنوی سے مراد جو ضرورت سے زائد ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے پیچھے غنا چھوڑ جائے۔ صدقہ کا آغاز ان سے کرو جو تیرے زیر کفالت ہیں۔ اسے امام بخاری نے ابو ہریرہ اور حکیم سے نقل کیا۔ امام مسلم نے حکیم سے نقل کیا والدین کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے نفقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خود کمانے سے معذور ہوں جیسے وہ ابھی چھوٹے ہوں یا پانچ ہوں یا وہ عورت ہو، لیکن والدین میں یہ شرط نہیں۔ وجوب کی وجہ یہ ہے کہ یہ احسان نہیں کہ وہ خود غنی ہو اور اس کا رشتہ دار بھوکا مر جائے۔

ان کے بارے میں احسان واجب تو یہ ہے کہ اپنی زکوٰۃ انہیں دے اور احسان مستحب یہ ہے کہ اس سے زائد جو ہو سکے وہ انہیں دے۔ حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنا جنت میں اس طرح ہوں گے اور اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا اور تھوڑا سا درمیان میں فاصلہ رکھا (۱) اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ ابی امامہ نبی کریم ﷺ نے سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ یہ عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرتا ہے، اس کا ہاتھ جتنے بالوں کے اوپر سے گزرتا ہے اس کے بدلے میں دس نیکیاں ہیں۔ جس نے اپنے یتیم یا وہ یتیم جو اس کی زیر کفالت ہے پر احسان کیا میں اور وہ جنت میں یوں ہوں گے، آپ نے اپنی انگلیوں میں تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا۔

۱۔ قرہبی پڑوسی یا وہ پڑوسی اور رشتہ دار بھی ہو یا پڑوسی اور دینی بھائی ہو۔

۲۔ دور کا پڑوسی یا پڑوسی جو رشتہ دار نہ ہو یا پڑوسی ہو لیکن دین مختلف ہو۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پڑوسی تین ہیں۔ ایک پڑوسی کے تین حقوق ہوتے ہیں (۱) پڑوسی ہونے کا حق رشتہ داری کا حق اسلام کا حق، دوسرے پڑوسی کے دو حق ہوتے ہیں پڑوسی ہونے کا حق اسلام کا حق تیسرے پڑوسی کا ایک حق ہوتا ہے صرف پڑوسی ہونے کا حق وہ اہل کتاب میں سے مشرک ہے۔ اسے حسن بن سفیان اور بزار نے اپنی مسندوں میں ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں ابو نعیم نے حلیہ میں ذکر کیا۔ ابن عدی نے کامل میں عبد اللہ بن عمر سے اسی کی مثل ذکر کیا ہے۔ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں حضرت عائشہ سے مروی ہے، عرض کی یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں، میں کسے ہدیہ بھیجوں؟ فرمایا جس کا دروازہ تیرے گھر کے قریب ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ (۲)

حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تو شور بے والا سالن پکائے تو پانی زیادہ ڈال اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھ۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑوسی کے بارے میں لگا تار تاکید حکم دیتے رہے، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وارث قرار دے دیں گے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ (۳)

۳۔ ابن عباس، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ نے کہا اس سے مراد سفر کا ساتھی ہے۔ ابن جریج اور ابن زید نے کہا جو نفع کی غرض سے تیرے ساتھ

رہے۔ اس صورت میں شاگرد اور استاد بھائی مراد ہوگا۔ حضرت علیؑ عبد اللہ اور ابراہیم نخعی نے کہا اس سے مراد بیوی ہے جو مرد کے پہلو کے ساتھ ہوتی ہے۔ (1)

9. ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد مسافر ہے، تاہم اکثر علماء نے کہا اس سے مراد مہمان ہے۔ ابی شریح خزاعی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور روز جزاء پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوی پر احسان کرے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے (2) اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ابی شریح کعمی سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایک دن اس کی تعظیم بجالائے، ضیافت تین دن ہے، اس کے بعد صدقہ ہے (3) مہمان کو یہ زیبا نہیں کہ اتنے دن اس کے پاس ٹھہرے کہ اسے مشقت میں ڈال دے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوی کو اذیت نہ دے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے متفق علیہ۔ (4)

10. اس سے مراد غلام اور لونڈیاں ہیں۔ میں کہتا ہوں اس میں چوپائے بھی داخل ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلام کا حق اس کا کھانا لباس اور اسے ایسے عمل کا مکلف نہ بنانا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے وہ بھائی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس بھائی کو اس کی ملکیت میں دے تو جو خود کھاتا ہے اسے وہی کھلائے، جو خود پہنتا ہے اسے وہی پہنائے، اسے ایسے امر کا مکلف نہ بنائے جو اس پر شاق ہو۔ اگر اسے مشکل کام کی ذمہ داری دیتا ہے تو خود بھی اس کی مدد کرے، متفق علیہ۔ (5)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارے لئے کوئی تمہارا خادم کھانا بنائے، جبکہ اس نے گرمی اور دھواں برداشت کیا ہو، اسے ساتھ بٹھائے اور کھانا کھائے۔ اگر کھانا بہت ہی قلیل ہو تو اسے ایک لقمہ یا دو لقمے ضرور کھانا دے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابو مسعود انصاری سے مروی ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی، میں خیال کرتا کہ وہ عبد اللہ بن مسعود ہیں۔ جو یہ تھی اللہ تعالیٰ تیرے اوپر زیادہ قدرت رکھتا ہے نسبت اس طاقت کے جو تو اس غلام پر رکھتا ہے۔ میں پیچھے متوجہ ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ اللہ کی رضا کی خاطر آزاد ہے؟ فرمایا اگر تو ایسا نہ کرتا تو آگ تجھے ضرور مس کرتی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے مرض موت میں فرماتے نماز کو لازم پکڑ لو اور اپنے غلاموں کا خیال رکھو (6) اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت علی سے اسی کی مثل روایت کیا۔ حضرت جابر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا تین چیزیں جس میں ہوں اللہ اس کی موت کو آسان فرمادے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا، کمزور کے ساتھ نرمی، والدین پر شفقت اور غلام پر احسان۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا (7) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا، عرض کی یا

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 437 (التجاریہ) 2- ایضاً 3- ایضاً 4- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 889 (وزارت تعلیم)

5- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 9 (وزارت تعلیم) 6- مسند احمد، جلد 1، صفحہ 78 (صادر)

7- جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 223 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

رسول اللہ ﷺ ہم خادم کو کتنی دفعہ معاف کریں؟ آپ خاموش رہے۔ پھر اس نے اپنی بات دہرائی۔ آپ پھر بھی خاموش رہے۔ جب تیسری دفعہ اس نے بات دہرائی تو آپ نے فرمایا ہر روز ستر دفعہ اسے معاف کرو۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت بہل بن حنظلہ سے روایت کیا ہے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کی پیٹھ پیٹ سے لگی ہوئی تھی (سخت کمزور تھا)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان بے زبان چوپاؤں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو یہ سواری کے قابل ہوں تو سوار ہو جاؤ چھوڑنے کے قابل ہوں تو انہیں چھوڑ دو۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں سخت برے آدمی کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ وہ ہے جو تمہارا کھاتا ہے اپنے غلام کو مارتا ہے اپنا عطیہ روکتا ہے۔ اسے رزین نے روایت کیا۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے، پس اپنے ہاتھ روک لو۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ (1)

یعنی اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے۔ یہاں عدم حب ذکر کیا اور مراد بغض لیا جو تکبر ہو، اپنے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور ساتھیوں سے سختی کرتا ہو اور ان کی طرف توجہ تک نہ کرتا ہو اور ان پر فخر کرتا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی دو چادریں زیب تن کئے تکبر کرتا جا رہا تھا جبکہ وہ اپنے آپ پر فخر کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ قیامت تک اسی طرح دھنستا جائے گا (2) حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس آدمی کی طرف نظر رحمت نہیں کرے گا جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنی چادر کو کھینٹا، متفق علیہ (3) عیاض بن حمار اشجعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم تو واضح کرو، یہاں تک کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی پر فخر نہ کرے اور کوئی دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے محسوس کی جاسکے گی، لیکن والدین کی نافرمانی کرنے والا، قطع رحمی کرنے والا بوزہا بدکار تکبر کرتے ہوئے اپنی چادر گھینٹنے والا اس کی خوشبو نہ پائے گا۔ بے شک بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے۔

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝

”جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں جو عطا فرمایا انہیں اللہ تعالیٰ

نے اپنے (فضل و کرم) سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے جہنم کی ذلیل کرنے والا عذاب ہے“

۱۔ جو چیز ان پر فرض ہے اس میں سے بخل کرتے ہیں۔ اسم موصول صلا سے مل کر من کان سے بدل کل ہے، کیونکہ تکبر فخر کرنے والے اپنے ہم جنس افراد کے لئے تواضع پیش کرنے سے بخل کرتا ہے، یا اس لئے کہ مختال سے بھی یہی فرد مراد ہے اور جمع کا صیغہ من کے معنی کا



اعتبار کرتے ہوئے کہا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مذمت کی وجہ سے منصوب ہو یا مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے جو ہم ضمیر ہے، یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جو احقاء لکل ملامۃ یا احقاء بالعذاب ہے۔

۲۔ حذرہ اور کسائی نے اسے یہاں بالبخل اور سورہ حدید میں البخل پڑھا ہے۔ باقی قراء نے متن کے مطابق قرأت کی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ امام بغوی نے کہا ابن عباس اور ابن زید نے کہا یہ آیت کرم بن زید، حی بن اخطب، رفاعہ بن زید بن تابوت، اسامہ بن حبیب، نافع بن ابی نافع اور بحری بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی جو یہودی تھے۔ یہ انصار کے پاس آتے، ان سے میل جول رکھتے اور ان سے کہتے اپنے مال خرچ نہ کیا کرو، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں تمہیں فقر نہ لے کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کل کیا ہو (۱) ابن اسحاق اور ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ اسی وجہ سے بخل سے مراد مال میں بخل کرنا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا بخل سے مراد علم چھپانا ہے۔ ابن ابی حاتم نے عطیہ عوفی کی سند سے نقل کیا ہے جو ضعیف ہے، وہ حضرت ابن عباس سے یہ روایت کرتا ہے یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور ﷺ کی صفت کو چھپایا۔ نبی کریم ﷺ کی صفات سے لوگوں کو آگاہ نہ کرنا اس سے بڑھ کر کوئی بخل نہیں ہوتا اور ان میں سے بعض نے بعض کو اس کا حکم بھی دیا۔

۳۔ یہاں فضل سے مراد مال ہے۔

۴۔ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ ذکر کیا اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ جس کی یہ شان ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرے، ہم نے اس کے لئے یہ عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۵۔ جس طرح اس نے بخل کر کے اور نعمت کو چھپا کر نعمت کی تذلیل کی ضمیر غائب کی جگہ ضمیر متکلم ذکر کی تاکہ عذاب کی عظمت اور مزید ہولناکی کا بیان ہو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے، جبکہ بخیل اللہ تعالیٰ جنت اور لوگوں سے دور ہے اور جہنم کے قریب ہے۔ جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے ہاں بخیل عابد سے بہتر ہے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جنت میں دھوکے باز، بخیل اور احسان جتانے والا (۱) داخل نہیں ہوگا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ مِرًاغًا النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ  
الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝

”اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر۔“

اور وہ (بد قسمت) ہو جائے شیطان جس کا ساتھی پس وہ بہت برا ساتھی ہے۔“

۱۔ رفاء یہ ینفقون کا مفعول لہ ہے، یعنی وہ مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگ اسے دیکھیں اور کہیں یہ کتنا سخی ہے۔ اسم موصول کا عطف اسم موصول پر ہے۔ دونوں کے درمیان قدر مشترک مذمت ہے۔ ریا کاری کے لئے خرچ کرنا ایسے ہی ہے جس طرح خرچ نہ کیا

۱۔ تفسیر بغوی، جلد ۱، صفحہ ۴۳۸ (التجاریہ)

(۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا جنت میں برے اخلاق والا نہیں ہوگا۔ جب دھوکے باز کو کہتے ہیں۔ یہ ایسا انسان ہوتا ہے جو لوگوں میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

جائے یا اس لئے کیونکہ بخل اور اسراف انفاق کی نامناسب انتہائیں ہیں اور مذمت اور عذاب لانے میں برابر ہیں یا یہ مبتداء سے اور اس کی خبر محذوف ہے جو فالشیطان قرین لغو ہے اس کے حذف پر وَ مَن يَتَّبِعِ الشَّيْطَانَ نَدَّ قَرْيِنًا دلالت کر رہا ہے یا اس کا عطف کافرین پر ہے کیونکہ ریا کاری کے طور پر خرچ کرنا کفر اور شرک خفی ہے۔ اسی وجہ سے اس کلام کے ساتھ اس پر عطف کیا گیا۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں شرکاء کے شرک سے بے نیاز ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کیا میں اس کے شرک سے آلودہ عمل کو چھوڑ دوں گا (۱) ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہوں، اس نے جس کیلئے عمل کیا وہ اسی کے لئے ہے۔

حضرت عمر بن خطاب کی حدیث میں حضرت معاذ سے مرفوع روایت ہے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے۔ یہ آیت یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جس طرح ہم نے ذکر کیا۔ سدی نے کہا یہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ کی دشمنی میں اپنے مال خرچ کرتے تھے۔

۳۔ قرین سے مراد ساتھی اور دوست ہے۔ یہاں مخصوص بالذم محذوف ہے جو شیطان ہے۔ اس آیت میں شیطان کی متابعت اور اس کی دوستی سے ڈرایا جا رہا ہے، یا مخصوص بالذم مَن يَتَّبِعِ الشَّيْطَانَ ہے اس میں ان کے برے اعمال کی طرف اشارہ ہے جیسے بخل ریا اور دوسری چیزیں یہ سب شیطان کی دوستی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان کے لئے وعید ہو کہ جہنم میں بھی شیطان ان کا ساتھی ہوگا۔

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ط وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿٢١﴾

”اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روز آخرت پر اور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے۔“

۱۔ یعنی ان پر کیا بوجھ ہوتا یا انہیں کیا تکلیف ہوتی۔

۲۔ کیونکہ انعام کرنے والے کا شکر حسن لذاتہ ہے۔ یہ عقل و نقل کے اعتبار سے کسی نقصان کا احتمال نہیں رکھتا۔

۳۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں خرچ کرتے اور دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ثواب کی طمع کرتے یا جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کثیر مال عطا فرمایا اس میں سے تھوڑا سا یعنی چالیسواں حصہ دے دیتے یا چوہاؤں میں اس سے بھی کم جبکہ یہ نصاب ضروریات سے فاضل تھا کیونکہ اتنا مال خرچ کرنا کسی پر بھی شاق نہیں اور اس میں کسی بھی اعتبار سے کوئی حرج بھی نہیں۔ ان کے اس جہل مرکب پر انہیں شرمندہ کرنے کے لئے استفہام کا کلمہ لایا گیا ہے۔ جہل مرکب اس لئے ہے کہ جس میں کمال منفعت پائی جا رہی ہے اس کو وہ تکلیف سمجھتے ہیں۔ اس میں انہیں جواب کی تلاش کرنے کے لئے فکر پر برا بیخیز کیا جا رہا ہے تاکہ ان کے لئے ان امور عظیمہ کے فوائد ظاہر ہوں جن کی طرف اللہ اور اس کا پیارا انہیں دعوت دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ جس امر کی

طرف دعوت دی جائے جب یہ معلوم ہو کہ اس امر میں کوئی ضرر نہیں تو تب بھی بطور احتیاط اسے قبول کر لینا چاہئے، چہ جائیکہ جب اس کے منافع بھی ظاہر ہو جائیں۔

یہ یہ ان کے لئے وعید ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضَعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٥١﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی لے (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی لے تو دو گنا کر دیتا ہے اسے لے اور دیتا ہے

اپنے پاس سے اجر عظیم سے۔“

لے مِثْقَالَ ثِقَلٍ سے مفعول کے وزن پر ہے۔ ذرہ کا معنی سرخ چھوٹی چھوٹی چیز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ذرہ کا معنی وہ چھوٹے چھوٹے ذرات جو روشن دان سے اندر آنے والی روشنی میں اڑتے دکھائی دیتے ہیں جن کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ معمولی سا بھی ظلم نہیں کرتا۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے جو دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے وہ سراسر عدل ہے۔ اس میں کوئی ظلم نہیں، بلکہ حقوق اللہ جیسے توحید عبادت اور والدین اور رشتہ داروں کے حقوق کی پامالی پر انہیں عذاب میں مبتلا کرنا ان لوگوں پر ظلم ہوگا جنہیں وہ حقوق سے محروم رکھتے ہیں۔

یہ معنی کرنا بھی ممکن ہے کہ وہ عذاب کے اس طرح مستحق بن گئے کہ اگر انہیں عذاب سے محفوظ رکھا جائے تو گویا ان پر ظلم کیا جائے گا۔ ظلم کا معنی کسی شے کو غیر محل میں رکھنا اور ایسا فعل کرنا جو جائز نہ ہو، یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا فرمانے والا اور مالک الملک ہے۔ اگر وہ بغیر گناہ کے بھی جہاں بھر کو عذاب میں مبتلا کر دے تو پھر بھی ظلم نہ ہوگا۔ لیکن یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ فعل کسی اور سے صادر ہو تو ظلم شمار ہو یعنی اللہ تعالیٰ طاعات کے اجر میں کمی نہیں کرتا اور نافرمانیوں کی سزا میں اضافہ نہیں کرتا۔

امام بغوی نے اپنی سند میں حضرت انس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی بھی مومن کی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرے گا دنیا میں اس کے بدلے میں رزق میں اضافہ کر دے گا اور آخرت میں اسے بدلہ دیا جائے گا رہا کافر اسے دنیا میں رزق کی صورت میں بدلہ دے دیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے لئے کوئی نیکی نہ ہوگی جس کا بدلہ اسے دیا جائے۔ (۱) اسے امام احمد اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن جہنم سے چھٹکارا پالیں گے اور مومن ہو جائیں گے تو تم میں سے کسی کا کسی بھائی کے حق میں مجادلہ اتنا سخت نہیں ہوگا جتنا مومن ان بھائیوں کے بارے میں اپنے رب سے جھگڑا کرے گا جنہیں جہنم میں داخل کیا جا چکا ہوگا۔ جنتی مومن عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمارے بھائی ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ حج کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ اور جنہیں پہچانتے ہو انہیں نکال لاؤ۔ وہ جنتی ان جہنمیوں کے پاس آئیں گے، ان کی صورتوں سے انہیں پہچان لیں گے۔ جہنم نے ان کی صورتوں کو نہیں کھایا ہوگا۔ ان میں سے کچھ وہ ہوں گے جنہیں آگ نصف پنڈلی تک پہنچی ہوگی اور ان سے کچھ ہوں گے جنہیں آگ ٹخنوں تک پہنچی ہوگی وہ انہیں جہنم سے نکال

لائیں گے۔ لوگ عرض کریں گے اے ہمارے رب جن کے بارے میں تو نے حکم دیا تھا ہم انہیں نکال لے آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں دینار کے برابر بھی ایمان ہے اسے نکال لاؤ پھر جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہے، یہاں تک کہ فرمائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے اسے بھی نکال لاؤ۔

ابوسعید نے کہا جو اس حدیث کی تصدیق نہ کرے وہ اس آیت کو تلاوت کرے **إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ**..... **الآیۃ**۔ جنتی عرض کریں گے اے ہمارے رب جن کے بارے میں تو نے حکم دیا تھا ہم انہیں نکال لے آئے، اب جہنم میں کوئی بھی ایسا موجود نہیں جس کے دل میں کچھ بھی ایمان ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فرشتے شفاعت کر چکے، انبیاء شفاعت کر چکے، مومن شفاعت کر چکے، اب ارحم الراحمین (اللہ) باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ جہنم سے ایک منھی یا دو منھیاں لوگوں کو لے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا۔ یہ جل چکے ہوں گے یہاں تک کہ کوئند بن چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں پانی کی طرف لائے گا جسے ماء الحیاء کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پانی ان پر ڈالے گا۔ وہ یوں نشوونما پائیں گے جس طرح سیلاب کے پانی سے دانا اگتا ہے۔ ان کے جسم موتیوں کی طرح نکل آئیں گے۔ ان کی گردنوں میں یہ مہر لٹک رہی ہوگی عتقاء اللہ (اللہ کے آزاد کردہ)۔ انہیں کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ جس کی تم خواہش کرو یا، جو تم دیکھو وہ تمہارے لئے ہے۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں وہ عطا کر دیا جو تو نے عالمین میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب اب اس سے افضل کیا چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میری رضا اب میں تم پر کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ اسے امام بغوی نے اپنی سند سے روایت کیا۔ صحیحین میں اسی کی مثل ایک طویل حدیث میں ہے۔ تاہم ابوسعید کا یہ قول نہیں، جو اس کی تصدیق نہ کرے وہ اس آیت کی تلاوت کرے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک فرد کو اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے بلائے گا۔ اس کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے۔ ہر رجسٹر حدنگاہ تک پھیلا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کیا تو اس کا انکار کرتا ہے کیا تیرے اوپر میرے کرانا کا تین نے ظلم کیا؟ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ایسا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تیرا کوئی عذر یا کوئی نیکی ہے۔ وہ آدمی مبہوت ہو جائے گا۔ عرض کرے گا کوئی بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں تیری ایک نیکی میرے پاس ہے۔ آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ایک پرزہ نکالا جائے گا جس میں **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اپنے اعمال کے میزان کے پاس حاضر ہو جا۔ وہ عرض کرے گا اے میرے رب اس پرزہ کی ان رجسٹروں کے سامنے کیا حیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر اس کے رجسٹر ایک پلڑے میں اور وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ رجسٹروں والا پلڑہ اوپر اٹھ جائے گا (۱) اور پرزے والا پلڑہ جھک جائے گا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے نام پر کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی اسے ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ ایک قوم نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خصم کے لئے خصم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرے گا بلکہ اس کا حق اس سے لے گا اور ذرہ برابر ان پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ عمل کا بدلہ دے گا اور اس کے اجر میں کئی گنا اضافہ کرے گا۔

۲۔ خلاف قیاس نکتہ کے آخر سے نون حذف ہے۔ اس نون کو نون اعرابی کے مشابہ قرار دیا گیا اور نون کے حذف کے بعد بھی اس واؤ کو

دوبارہ نہیں لونا یا گیا جسے اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کیا گیا تھا۔ یہ دوسرا خلاف قیاس امر ہے گویا انہوں نے اس کے آخر میں حرف علت کو اس لئے دوبارہ ذکر نہیں کیا تا کہ اس شبہ سے بچا جاسکے کہ حرف جازم کے باوجود، خبر میں حرف علت موجود ہے۔

حجاز مقدس کے قراء نے حسنة کو مرفوع پڑھا ہے۔ اس صورت میں کان تامہ ہوگا اور حسنة اس کا فاعل ہوگا۔ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ۔ یہ کان کی خبر ہے اور کان ناقصہ ہے۔ اسم کی ضمیر مشقال ذرة کی طرف لوٹ رہی ہے۔

سوال :- پھر ضمیر مؤنث کیوں ذکر کی؟ جواب: خبر مؤنث ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسم کی ضمیر مؤنث ذکر کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مشقال کا مضاف الیہ مؤنث ہے۔

۱۱۔ اے اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھادے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے شک اللہ تعالیٰ نیکی کو ہزاروں ہزار کرے گا۔ اس ابن جریر اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

۱۲۔ اور اس نیکی کرنے والے کو اپنی خصوصی عنایت سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ امام بغوی نے کہا جب اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے تو پھر اور کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے (۱) حضرت ابن مسعود سے مروی ہے جب قیامت کا روز ہوگا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پچھلوں کو جمع فرمائے گا۔ پھر ایک منادی کرینو الامنادی کرے گا جو کسی سے حق کا مطالبہ کرنا چاہتا ہے وہ آئے اور اپنے حق کا مطالبہ کرے اور اپنا حق لے تو وہ آدمی خوش ہوگا، اس کا اپنے والدین اولاد بیوی اور بھائی پر حق ہوگا اور وہ ان سے وصول کرے گا، اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے فَإِذَا أَنْفَعْنَا فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ الْآيۃ۔ ایک آدمی لایا جائے گا۔ ایک ندا کرنے والا سب کے سامنے اعلان کرے گا، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے، جس کا اس پر کوئی حق ہو تو اس سے اپنا حق لے لے۔ پھر اس سے کہا جائے گا ان لوگوں کے حقوق ادا کرو۔ وہ عرض کرے گا اے میرے رب میں کہاں سے دوں؟ دنیا تو ختم ہو چکی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرمائے گا۔ اس کے اعمال دیکھو اور اس کے اعمال حسد سے ان لوگوں کو دے دو۔ اگر ذرہ برابر بھی نیکی رہ گئی تو فرشتے کہیں گے اے ہمارے رب اس کی ذرہ برابر نیکی رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کے لئے اسے کئی گنا بڑھادو اور میری رحمت و فضل سے اسے جنت میں داخل کر دو۔ اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الْآيۃ۔ اگر کوئی بد بخت انسان ہوگا تو فرشتے کہیں گے اے اللہ اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور حقدار باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا حقداروں کی برائیوں کو لو اور اس کی برائیوں کے ساتھ شامل کر دو۔ پھر اس کے لئے جہنم کا پروانہ نکال دو اسے امام بغوی نے روایت کیا۔ اسی طرح ابن المبارک ابو نعیم اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔

**فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۗ** ﴿٦١﴾

”اور کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں) کا جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب ﷺ!) ہم لے

آئیں آپ کو ان سب پر گواہ لے۔“

۱۔ کیف مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی كَيْفَ هُوَ لِآءِ الْكُفَّارِ۔ یہ استفہام ہولنا کی بیاں کرنے کے لئے ہے۔ سابقہ آیت میں جو مفہوم تھا اس کی وضاحت بیان کرنے کے لئے ہے، یعنی جب تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا بلکہ حقدار کا حق ظالم سے لے کر دیتا ہے اور اس میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑتا تو پھر ان لوگوں کی کیا حالت ہوگی جنہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا

نہیں کئے۔ اذا کا تعلق اس تہویل کے ساتھ ہے جو استفہام سے سمجھی جا رہی ہے یعنی اس امت کے نبی کو لائیں گے اور ان لوگوں نے اچھے یا برے جو عمل کئے ہوں گے اور جو انہوں نے نبی کی تصدیق یا تکذیب کی ہوگی اس کے بارے میں گواہی دیں گے۔ پھر اے محمد مصطفیٰ ﷺ ہم آپ کو اس امت دعوت پر گواہ لائیں گے تو نبی کریم ﷺ تمام امت پر گواہی دیں گے جنہوں نے آپ کو دیکھا یا نہیں دیکھا۔

ابن مبارک نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا مگر اس میں نبی کریم ﷺ پر آپ کی امت صبح و شام پیش کی جاتی ہے۔ آپ انہیں ان کی علامات اور اعمال سے پہچان لیتے ہیں۔ اسی لئے آپ ان پر گواہی دیں گے۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے قرآن پاک پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں آپ کو قرآن سناؤں جبکہ یہ آپ پر نازل ہوا۔ فرمایا ہاں میں نے سورہ نساء پڑھی یہاں تک کہ اس آیت تک پہنچا تو حضور ﷺ نے فرمایا بس تیرے لئے کافی ہے۔ میں آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ (1) ایک قول یہ کیا گیا کہ ہولاء کا مشارایہ انبیاء ہیں کیونکہ وہ اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے جبکہ نبی کریم ﷺ انبیاء کی صداقت پر گواہی دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا مشارایہ اس امت کے مومن ہیں جو انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے اور نبی کریم ﷺ اپنی امت کی تصدیق و تذکیہ کریں گے۔ ہم نے سورہ بقرہ میں اس گواہی کے بارے میں ذکر کر دیا ہے۔

يَوْمَ يَدْعُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تَسْوَىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٣١﴾

”اس روز تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کہ کاش (انہیں، باکر) ہمواری جاتی ان پر زمین لے اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات لے۔“

یَوْمَ یَدْعُ سے مراد ہے جس روز اس طرح ہوگا اور آیت میں موجود لوتمنی کے لئے ہے، یعنی تمام کافر اور نافرمان آرزو کریں گے یا ان میں سے ایک جماعت مراد ہے۔ نافع اور ابن عامر نے اسے باب نفعل تسوی کر کے پڑھا ہے یعنی باب تفعیل کی تاء کو سین سے بدل دیا اور سین کو سین میں ادغام کر دیا۔ حمزہ اور کسائی نے تاء کے فتح اور سین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں تفعیل کی ایک تاء کو حذف کر دیا گیا۔ دونوں قراتوں میں اس کی اصل باب تفعیل ہے۔ باقی قراء نے متن کے مطابق اور باب تفعیل سے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ قتادہ اور ابو عبیدہ نے کہا وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جاتی وہ سارے کے سارے اس میں دھنس جاتے۔ پھر زمین ان پر برابر کر دی جاتی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے وہ اس بات کی خواہش کریں گے کہ انہیں نہ اٹھایا جائے۔ کلبی نے کہا اللہ تعالیٰ چوپاؤں وحشی جانوروں پرندوں اور درندوں کو فرمائے گا مٹی ہو جاؤ۔ پس ان پر زمین برابر کر دی جائے گی اس وقت یہ کافر تمنا کریں گے۔ (2)

نہ عطاء نے کہا اس کا معنی یہ ہے وہ خواہش کریں گے کاش ان پر زمین برابر کر دی جاتی اور انہوں نے حضور ﷺ کے معاملہ اور صفات کو نہ چھپایا ہوتا (3) یعنی یہ جملہ تسوی پر معطوف ہے اور تمنی میں داخل ہے اور مضارع کا صیغہ ماضی کے معنی میں ہے۔

دوسرے علماء نے فرمایا یہ نئی کلام ہے، یعنی وہ اس کو چھپانے پر قادر نہ ہوں گے کیونکہ جو کچھ وہ عمل کرتے رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں اور ان کے اعضاء خود ان کے خلاف گواہی دے رہے ہوں گے۔ اس صورت میں یہ جملہ یود پر معطوف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا



حذف کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ  
وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۗ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ  
أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَسْتُمْ مِنَ النِّسَاءِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا  
صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿٤٣﴾

”اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔ یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں۔ مگر یہ کہ تم سفر کر رہے ہو۔ یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔ اور اگر ہو تم بیمار یا سفر میں۔ یا آئے کوئی تم میں سے قضائے حاجت سے بے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے اپنی عورتوں کو۔ پھر نہ پاؤ پانی۔ تو (اس صورت میں) تیمم کر لو۔ پاک مٹی سے اور (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) ہاتھ پھیرو اپنے چہروں پر اور اپنے بازوؤں پر۔“

شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور بڑا بخشنے والا ہے۔“

۱۔ یعنی تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

۲۔ اس قید کا ذکر اس لئے کیا تا کہ سکر کی اس حد کا تعین ہو جائے جو نماز کے قریب جانے سے مانع ہے۔ اگر یہ اعتراف کیا جائے جب نشہ اس حد تک پہنچ جائے کہ انسان اپنی بات کا مفہوم ہی نہ جانتا ہو اس وقت تو اسے خطاب کرنا ہی صحیح نہیں ہوتا تو پھر نماز کے قریب جانے میں حمی کا خطاب کیسے صحیح ہوگا۔

ہم یہ کہیں گے خطاب ہوش کے بعد متوجہ ہوگا اور اس نہی سے مراد نماز کے اوقات میں نشہ دینے والی چیز کے قریب جانے سے روکنا ہے۔ امام بغوی نے کہا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام نماز کے اوقات میں نشہ آور چیز کے قریب نہیں جاتے تھے، یہاں تک سورہ ماندہ میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے یہ نہی کا صیغہ ہے اور معنی نفی کا دے رہا ہے، یعنی جب تک نشہ کی حالت میں ہو گے تو تمہاری نماز نہ ہوگی اور آیت کا یہ حصہ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ دوسری تقدیر کی صورت میں نفی صلوة کی غایت ہوگی اور پہلی تقدیر کی صورت میں نہی کی علت بیان کرنے کے لئے ہوگا اور کی کے معنی میں ہوگا۔ ضحاک بن مزاحم نے کہا اس سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے۔ جب نیند کا غلبہ ہو تو نماز پڑھنے سے نہی ہوگی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے کسی کو اونگھ آجائے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو تو وہ سو جائے، یہاں تک کہ اس کی نیند ختم ہو جائے کیونکہ تم سب میں سے جب کوئی نماز پڑھے اور وہ اونگھ رہا ہو۔ شاید وہ اپنے طور پر استغفار کر رہا ہو لیکن فی الحقیقت اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو (2) متفق علیہ۔ اسے ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اس آیت میں یہ تشبیہ ہے کہ نمازی پر لازم ہے کہ اس کا دل حاضر ہوتا کہ جو کچھ کہہ رہا ہو اسے جانتا بھی ہو وہ قرآن کے معانی سمجھتا ہو اس میں غور و فکر کر رہا ہو اور جو چیز غافل کرے یا اس کے دل کو مصروف کرے اس سے وہ بچے واللہ اعلم۔

طبرانی نے حضرت اسلم سے روایت کی کہ میں حضور ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور سامان سفر تیار کرتا تھا۔ ایک دن حضور ﷺ



نے مجھے فرمایا اے اسلع اٹھو اور سواری پر کجاوا باندھو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے حالت جنابت طاری ہو چکی ہے۔ ابن مردویہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا کہ مجھے ایک ٹھنڈی رات میں احتلام ہوا۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر میں ٹھنڈے پانی کے ساتھ غسل کروں گا تو مرجاؤں گا یا مریض ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضور ﷺ نے مجھے تیمم کا طریقہ بتایا ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک میں اٹھا تیمم کیا۔ پھر میں نے کوچ کیا۔ فریابی ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت علی سے اسی طرح نقل کیا۔

اسے مسافر کو جنابت لاحق ہو جائے پس وہ تیمم کر لے۔ ہم اس کی تفصیل سورہ مائدہ میں بیان کریں گے۔ سب سے پہلی آیت جو تیمم کی رخصت کے بارے میں نازل ہوئی وہ سورہ مائدہ کی آیت ہے۔ وہ اس سے پہلے کی ہے۔ شاید اس آیت کا نزول اس آدمی کے تیمم کی رخصت کے لئے ہے جسے ٹھنڈا پانی استعمال کرنے کی صورت میں بیماری یا موت کا خوف لاحق ہو، جس پر حضرت اسلع کی حدیث دلالت کرتی ہے واللہ اعلم۔ جب اسے کہتے ہیں جسے جنابت لاحق ہو۔ اس میں مذکر، مؤنث، واحد اور جمع سب برابر ہیں۔ اس کا عطف وانتم سکاری پر کرنا صحیح ہے۔ قاموس میں جنابت کا معنی منی ہے۔ احناف نے کہا ہے لغت میں جنابت کا معنی شہوت کی صورت میں منی کا نکلنا ہے۔ اجنب الرجل جملہ عرب میں اس وقت کہتے ہیں جب کوئی آدمی عورت سے شہوت پوری کرے۔ بعض علماء نے کہا جنابت کا اطلاق محض جماع پر ہوتا ہے، اسے انزال ہو یا نہ ہو۔ حافظ ابن حجر نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ کلام عرب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جنابت کا لفظ حقیقت میں جماع پر بولا جائے، اگرچہ انزال نہ ہو کیونکہ جب یہ کلام کی جاتی ہے ان فلاناً اجنب فلاناً تو اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ فلاں مرد نے عورت سے جماع کیا، اگرچہ اسے انزال نہ بھی ہوا۔ جنابت کا اصل معنی دوری ہے۔ جماع کو جنابت اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس حالت میں وہ لوگوں سے دور ہوتے ہیں۔ داؤد ظاہری اس طرف گئے ہیں کہ جب جماع انزال کے بغیر ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا کیونکہ روح کا گمان یہ ہے کہ جنابت سے مراد منی کا نکلنا ہے۔ اس مسئلہ میں انہوں نے ابی بن کعب کی حدیث سے استدلال کیا کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ جب ایک آدمی عورت سے جماع کرے اور اسے انزال نہ ہو تو آپ نے فرمایا جسم کا جو حصہ عورت سے لگا اسے دھو ڈالے، پھر وضو کرے اور نماز پڑھے (1) متفق علیہ۔ اور حضرت ابوسعید خدری کی حدیث سے استدلال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کی طرف پیغام بھیجا وہ آدمی حاضر ہوا تو اس کے سر سے پانی کے قطرات گر رہے تھے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا شاید ہم نے آپ کو جلدی میں ڈال دیا۔ انہوں نے عرض کی نبی ہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تجھے جلدی ہو یا تجھے انزال نہ ہو تو تم پر صرف وضو لازم ہے (2) متفق علیہ۔ اور امام مسلم کی روایت میں ہے بے شک غسل انزال سے ہے۔

مسئلہ:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور مسلمانوں نے جماع کی صورت میں غسل کے وجوب کا قول کیا ہے، اگرچہ انزال نہ ہو۔ اگر جنابت جماع کے معنی میں ہو، جس طرح امام شافعی نے کہا، اشتقاق کا تقاضا بھی یہی ہے، پس حکم اس آیت کے اطلاق سے ثابت ہوگا۔ اگر جنابت کا معنی منی کا شہوت کے ساتھ نکلنا لیا جائے تو معنی جماع میں یا تو حقیقہً ثابت ہوگا یا حکماً ثابت ہوگا کیونکہ جماع عموماً منی کے نکلنے کا سبب ہوتا ہے۔ جماع کے وقت شرمگاہ آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے۔ منی بعض اوقات رقیق ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے نکلنے کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے سبب کو مسبب کے قائم مقام رکھ دیا جس طرح نیند کو حدث کے قائم مقام رکھتے ہیں کیونکہ نیند کی حالت میں عموماً ہوا کے

نکلتے کا گمان ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آنکھیں بندھن ہیں۔ جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو بندھن کھل جاتا ہے۔ اسے امام احمد ابو داؤد دارقطنی اور ابن ماجہ نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا۔ جماع سے غسل کے وجوب کی دلیل احادیث اور جماع ہے۔ حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب کوئی مرد عورت کے پاس چار حصوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے تو غسل فرض ہو جاتا ہے متفق علیہ۔ (1)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مرد چار اعضاء کے درمیان بیٹھ گیا اور شرمگاہیں آپس میں مل گئیں تو غسل فرض ہو گیا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ جب شرمگاہ شرمگاہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ میں نے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا تو ہم نے غسل کیا۔ (2)

جن دو احادیث سے داؤد ظاہری نے استدلال کیا تھا وہ دونوں منسوخ ہیں۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے سہل بن سعد سے روایت کی کہ مجھے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ انصار کہتے تھے کہ غسل منیٰ کے نکلتے سے ہے۔ یہ رخصت تھی جو حضور ﷺ نے اسلام کے ابتدائی ایام میں عطاء فرمائی تھی۔ پھر حضور ﷺ نے اس کے بعد مجھے غسل کا حکم دیا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ اسامعی نے کہا یہ بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔ اگر یہ کہا جائے ابن ہارون اور دارقطنی نے یقین سے کہا کہ زہری نے سہل سے نہیں سنا۔ حافظ ابن حجر نے کہا ابو داؤد کے ہاں ایسے انداز میں یہ روایت ہے جو اس کے انقطاع کا تقاضا کرتی ہے۔ ابو داؤد نے عمرو بن حزب سے، انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے اس شخص سے جس سے وہ راضی ہیں کہ سہل بن سعد نے انہیں بتایا کہ ابی بن کعب نے انہیں خبر دی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ابو داؤد کی سند صحیح سے کیونکہ ثقہ آدمی جب یہ کہے مجھے ایک ثقہ آدمی نے یہ خبر دی یا اس نے خبر دی جس سے میں راضی ہوں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے۔ یہ اس بات کو لازم نہیں کہ امام احمد ابن ماجہ اور دوسرے محدثین کی سند منقطع ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ زہری نے اسے ثقہ سے سنا ہو اور انہوں نے سہل سے پھر وہ سہل سے ملے اور سہل نے خود بھی اسے حدیث بیان کی ہو۔

مسئلہ: منیٰ کے نکلتے سے بھی غسل بالا جماع واجب ہو جاتا ہے مگر امام ابو حنیفہ، امام محمد، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ منیٰ اپنے محل سے شہوت کے ساتھ جدا ہو جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک جدا ہونے اور نکلتے دونوں صورتوں میں شہوت اور نکلنے کی شرط ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں منیٰ کا خروج غسل کو واجب کر دیتا ہے، اگرچہ لذت ساتھ شامل نہ بھی ہو، خواہ اس کا نکلنا نکلنے کی صورت میں ہو۔ یا نہ ہو امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے منیٰ کے متعلق پوچھا گیا۔ فرمایا اس میں صرف وضو ہے اور منیٰ میں غسل لازم ہے۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور حضور ﷺ کے اس ارشاد میں جو گذرا ہے کہ غسل منیٰ سے لازم آتا ہے اور حضرت ام سلمہ کی حدیث کہ حضرت ام سلیم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، عرض کی یا رسول اللہ کیا عورت پر بھی احتلام کی صورت میں غسل ہے فرمایا جب وہ پانی دیکھے (3) متفق علیہ۔ جمہور علماء نے کہا کہ حضور ﷺ کے ارشاد میں الماء المعنی میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہے اور معبودہ منیٰ ہے جو ذوق اور شہوت کی صورت میں نکلے۔ امام شافعی کا قول زیادہ محتاط ہے۔ ان کے نزدیک الف لام جنسی ہے۔

مسئلہ :- جب ایک آدمی نیند سے بیدار ہو اور وہ منی یا نڈی دیکھے تو اس پر غسل واجب ہوگا، اگرچہ اسے احتلام اور شہوت یا دنہ ہو کیونکہ نیند غفلت اور احتلام کا وقت ہے۔ منی بعض اوقات زمانے کی طوالت یا غذا کی خرابی کی وجہ سے بھی رقیق ہو جاتی ہے۔ پس یہ شک ظن کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ یہی منی ہے پس یہ غسل کو لازم کر دے گا۔ امام ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو تری پاتا ہے اور احتلام اسے یاد نہیں۔ فرمایا وہ غسل کرے (۱) اور ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ خواب دیکھتا ہے اسے احتلام ہوا لیکن تری نہیں پاتا، اس پر کوئی غسل فرض نہیں۔ اسی سند میں عبد اللہ بن عمر ہے جو عبید اللہ بن عمر سے، وہ قاسم سے، وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں امام ترمذی نے کہا یحییٰ بن سعید نے حافظہ کے اعتبار سے اسے ضعیف قرار دیا۔

یہ جنبا سے حال متداخل ہے اور اس کے عموم سے مستثنیٰ ہے یا جنبا کی صفت ہے۔ دونوں تقدیریں کی صورت میں یہ استثنا مفرغ ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ تم نماز کے قریب نہ جاؤ جنابت کی صورت میں کسی حال میں بھی مگر اس حالت میں کہ جنبی مسافر ہو یا قریب نہ جاؤ جنابت کی صورت میں جبکہ وہ کسی صفت سے بھی موصوف ہو مگر اس صفت کے ساتھ کہ وہ مسافر ہوں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مسافر پانی نہ پائے یا اس کے استعمال پر قادر نہ ہو، پس وہ تیمم کر لے۔ ہم نے اس کے شان نزول کے متعلق جو روایات ذکر کی ہیں وہ اس کی شہادت دیتی ہیں۔ اس کے ذکر کے بعد تیمم کا ذکر بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ گویا مقیم کو مسافر سے بھی تعبیر کیا کیونکہ عمومی طور پر اس کے پاس مال نہیں ہوتا۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ تیمم حدیث کو ختم نہیں کرتا بلکہ اس کو چھپا دیتا ہے۔ جمہور علماء نے یہی کہا داؤد نے کہا تیمم حدیث کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح احناف کی بعض کتب میں بھی آیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیمم حدیث کو ختم کر دیتا ہے اور پانی پانا جانا تیمم کے لئے اسی طرح ناقض ہے جس طرح وضو کے ناقض ہیں۔

میرے نزدیک صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ حدیث کو ختم نہیں کرتا۔ اگر یہ رافع حدیث ہوتا تو پانی کا پانا جانا اس کے لئے حدیث متصور نہ ہوتا پانی کی موجودگی کا مٹی سے حاصل ہونے والی طہارت کی غایت بننا یہ سابقہ پوشیدہ حدیث کے ظہور کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ نئے حدیث کے پائے جانے کا تقاضا کرتی ہے۔

ابوداؤد ظاہر کے قول کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ پاکیزہ منی مسلمان کو طہارت عطا کرنے والی ہے، اگرچہ وہ بیس سال تک پانی نہ پائے۔ اسے اصحاب سنن نے ابو ذر سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے لئے تمام زمین مسجد بنا دی گئی اور اس کی منی پاکیزگی عطا کرنے والی ہے (۲) اسے امام مسلم ابن خزیمہ اور دوسرے علماء نے روایت کیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ مجاز پر مبنی ہیں۔ جس کے اوپر ابو ذر سے مروی حدیث کا آخری حصہ دلالت کرتا ہے جو یہ ہے۔ جب وہ پانی پائے تو ضرور استعمال کرے کیونکہ منی اگر حقیقت میں مطہر ہوتی تو رفع حدیث کے بعد پانی کا استعمال واجب نہ ہوتا صحیحین میں عمران بن حصین سے اس قصہ کا ذکر ہے۔ اس میں یہ ہے کہ پانی کی عدم موجودگی میں جنبی کو تیمم کا حکم دیا۔ پھر جب اس نے پانی پیا تو اسے غسل کا حکم دیا اگر تیمم جنابت کو ختم کرنے والا ہوتا تو حضور ﷺ اسے غسل کا حکم نہ دیتے۔

فائدہ :- جو ہم نے پہلے ذکر کیا وہ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ مجاہد اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول تھا بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم جنابت کی حالت میں ہو تو مساجد کے قریب نہ جاؤ مگر جب تم مسجد میں سے گزرنا چاہتے ہو جبکہ



سوا کوئی چیز میں روکتے۔ اسے امام احمد اصحاب سنن ابن خزیمہ ابن حبان حاکم ابن جارود اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ یز ابن سکن بیہقی 'عبدالرحمن بنغوی نے شرح السنۃ اور مصححین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء سے پہلے آل عمران کی دس آخری آیات کی تلاوت کی۔

یہ ایسا جنبی جو مسافر اور معذور نہ ہو اس کے لئے نماز کے قریب جانے سے نبی میں یہ۔ یت ہے کیونکہ مسافر اور معذور کے لئے تیمم کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے یا حالت جنابت میں نماز نفل کے لئے غایت ہے۔

بعض ائمہ نے کہا جائے کہ غسل حالت جنابت میں نماز کے قریب نہ جانے کی غایت (۱) کیسے بن سکتا ہے جبکہ جنابت غسل کے ساتھ حتم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ حتیٰ کا کلمہ ایسی چیز پر بھی داخل ہوتا ہے جو کسی چیز کے آخری جزء سے آگے ہو جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے بِمَثُ الْبَارِحَةِ حَتَّى الصُّبْحِ یعنی میں گذشتہ رات سویا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی (بعض اوقات غایۃ مغنیہ کی جنس سے نہیں ہوتی اس آیت میں بھی یہی صورت حال ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے اس قید کا فائدہ کیا ہے جبکہ جنابت کی حالت میں مقصود (حالت جنابت میں نماز سے نبی) اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو چیز جنابت کو زائل کر دیتی ہے۔ اس کا بیان ہو جائے ہم غسل کے مسائل سورۃ مائدہ میں وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا لَّا يَكْفِيكُمْ فِي الْحَرْبِ وَالْحِجَابِ الْوُضُوءُ کے ضمن میں بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

یہاں مرض اور سفر کی شرط عادت کے طور پر ہے کیونکہ عموماً پانی کا فقدان مرض اور سفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک ان دونوں شرطوں کا کوئی مفہوم نہیں (یعنی کسی چیز کو خارج کرنے کے لئے ذکر نہیں کیا گیا)

امام شافعی فرماتے ہیں اگر ایک آدمی صحیح ہو کسی جگہ مقیم ہو عموماً وہاں پانی معدوم نہیں ہوتا تاہم اگر کسی دیہات میں پانی ختم ہو جائے وہ تیمم کے ساتھ نماز پڑھے جب پانی ملے تو ان شرطوں کی وجہ سے اس پر نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ بالا جماع ان دونوں شرطوں کے مفہوم احترازی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی لئے پانی نہ ہونے کی صورت میں بالا جماع تیمم کے ساتھ نماز واجب ہوگی۔ اس لئے اعادہ کے واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وجوب کا سبب ایک ہے جو منکر نہیں ہوتا۔ اس لئے واجب بھی منکر نہیں ہوگا کیونکہ ان دونوں شرطوں کا مفہوم احترازی معتبر نہیں۔ اس لئے بالاتفاق اس آدمی پر اعادہ

واجب نہیں ہوگا جو صحیح ہو مقیم ہو اور ایسی جگہ ہو جہاں پانی موجود نہ ہو۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ وہ ربزہ کے مقام پر تھے اور کئی کئی دنوں تک پانی نہ ملا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا تیرے لئے مٹی کافی ہے،

اگر چہ تو دس سال تک پانی نہ پائے۔ ایک روایت میں ہے کہ پاکیزہ مٹی مسلمان کے لئے طہارت عطا کرنے والی ہے، اگر چہ یہ دس

سال تک ہو (۱) اسے اصحاب سنن نے روایت کیا۔ ابو داؤد نے اسے صحیح قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان مَرَّطَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ يَبْسُطُ يَدَيْهِ فِي الْوُضُوءِ کی وضاحت ہے۔ یہاں جنبہ کو حذف اس لئے کر دیا کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا یہاں سفر کا ذکر کیا جبکہ عابری سبیل کے ضمن میں اس کا ذکر پہلے ہو

1- تفسیر بنغوی، جلد 1، صفحہ 444 (التجاریہ)

(۱) عموماً غایت اس چیز کا جز ہوتی ہے جس کی غایت بیان کی جا رہی ہوتی ہے جیسے میں نے مچھلی کھائی یہاں تک کہ اس کا سر بھی کھا لیا۔ سر مچھلی کا جز ہے۔

چکا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ سفر اور مرض میں برابری کرنے کے لئے ہے کہ اس میں پانی پانے والا پانی نہ پانے والے کے ساتھ شامل ہے کیونکہ دونوں استعمال سے عاجز ہیں۔ پھر جنبا جو کلام میں مقدر ہے۔ اس پر مابعد قول کو معطوف کیا۔

بے غائط کا لغوی معنی پست جگہ ہے غائط سے آنا ضرورت طبعیہ سے فارغ ہونے سے کنا یہ ہے جیسے بول و براز کیونکہ انسان کی عادت یہی ہے کہ وہ اس ضرورت سے فراغت کے لئے پست جگہ کی طرف جاتا ہے۔ معنی یہ ہوگا جب تم میں سے کوئی بول و براز سے محدث ہو۔

مسئلہ:- یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سبیلین سے جب ایسی چیز نکلے جو معتاد ہو تو وہ وضو کو توڑ دیتی ہے لیکن اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ غیر عادی چیز جب سبیلین میں سے کسی ایک سے نکلے تو وہ ناقص وضو نہیں ہوگی۔ امام مالک کا نقطہ نظر یہ ہے کہ غیر عادی صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔

جمہور علماء کے نزدیک غیر عادی چیز کا نکلنا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ یہی امام مالک سے بھی ایک روایت مروی ہے کیونکہ استخاضہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کہ حضور ﷺ نے فاطمہ بنت حبیش سے فرمایا اپنے خون کو دھواور ہر نماز کے لئے وضو کرو متفق علیہ۔ (1) نہ ہی یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سبیلین کے علاوہ اگر کوئی نجاست نکلے جیسے تے اور خون وغیرہ تو وہ بھی ناقص وضو نہ ہوں گے جس طرح امام شافعی کا نقطہ نظر ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا تھوڑی سی چیز ناقص وضو نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست کا نکلنا مطلقاً وضو کو توڑ دے گا۔ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ نجس ہو جو دم سائل نہ ہو وہ نجس نہیں ہوتا تھوڑی تے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ تھوک کے حکم میں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اسے سبیلین سے نکلنے والی نجاست پر قیاس کیا جائے کیونکہ وضو کے وجوب کی علت نجاست کا نکلنا ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے نجاست کے نکلنے سے وضو کا وجوب غیر معقول ہے تو اس میں قیاس جائز نہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے نجاست کا نکلنا طہارت کے زائل ہونے میں موثر ہے۔ اتنی بات معقول ہے اور صرف چار اعضاء تک وضو کو محدود کرنا یہ غیر معقول ہے۔ لیکن جب پہلی صورت متجاوز ہوگی تو دوسری بھی متجاوز ہوگی (جب یہ ثابت ہو گیا کہ سبیلین کے علاوہ بھی نجاست نکل سکتی ہے تو پھر جو حکم سبیلین سے نکلنے والی نجاست پر لگایا گیا وہی حکم دوسری نجاست پر بھی لگایا جائے گا)۔

ہمارے پاس اس کے حق میں کئی احادیث بھی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث معدان کی ہے جو وہ ابو درداء سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قسبی کی اور وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں ثوبان سے ملا میں نے ان کے سامنے اس حدیث کا ذکر کیا انہوں نے جواب دیا۔ اس نے سچ کہا میں نے آپ کو وضو کرایا تھا۔ (2) اسے امام احمد نے حسین المعلم سے، انہوں نے یحییٰ بن کثیر سے، انہوں نے اوزاعی سے، انہوں نے یحییٰ بن عیسیٰ بن ولید مخزومی سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے معدان سے، انہوں نے ثوبان سے روایت کیا۔ علماء نے کہا اس میں اضطراب ہے۔ اس نے اسے معمر سے، انہوں نے یحییٰ بن کثیر سے، انہوں نے خالد بن معدان سے، انہوں نے ابو درداء سے روایت کیا۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ کسی راوی کا اضطراب کسی اور کے ضبط میں موثر نہیں ہو سکتا۔ اثرام نے کہا میں نے امام احمد سے پوچھا اس کے راویوں میں اضطراب ہے۔ فرمایا حسین معلم نے اسے اضطراب کے بغیر روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ اس

باب میں جتنی بھی روایات ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ انہیں میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے آئے وہ چلا جائے، وضو کرے، پھر سابقہ نماز پر بنا کر لے۔ یہ حکم اس وقت ہوگا جب تک وہ گفتگو نہ کرے۔ اسے دارقطنی نے اسماعیل بن عیاش کی حدیث سے روایت کیا۔ مجھے عبد الملک بن عبد العزیز نے اپنے باپ سے، انہوں نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسے روایت کیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دارقطنی نے کہا ابن جریج کے اصحاب میں سے حفاظ اس حدیث کو ابن جریج سے، وہ اپنے باپ سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ رہی ان کی وہ حدیث جو ابن ملیکہ سے وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں اسے اسماعیل بن عیاش نے روایت کیا ہے۔ ابو حاتم رازی نے کہا یہ کوئی چیز نہیں۔ ہم کہتے ہیں یحییٰ بن معین نے کہا اسماعیل بن عیاش ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ محدثین کی عادت یہ ہے کہ مرسل کو مقدم قرار دیتے ہیں۔ پھر مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔ اس باب میں کئی اور ضعیف احادیث ہیں جنہیں ہم نے طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا۔

امام احمد بن حنبل نے قلیل اور کثیر میں فرق کا استدلال حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث سے کیا ہے کہ خون کے ایک یا دو قطروں میں وضو لازم نہیں ہوتا مگر جب وہ دم سائل بن جائے اور حضرت ابن عباس کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے پھوڑوں کے خون میں رخصت عطا فرمائی۔ ان دونوں کو دارقطنی نے روایت کیا۔ لیکن ابو ہریرہ کی حدیث میں محمد بن فضل بن عطیہ ہے جس کی تکذیب امام احمد اور یحییٰ بن حبان نے کی جبکہ دوسری حدیث میں عطیہ نے عن کے لفظ سے روایت کیا ہے وہ مدلس ہے۔ دارقطنی نے کہا یہ کہنا باطل ہے کیونکہ امام مالک اور امام شافعی نے حضرت انس کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ آپ نے پچھنے لگوائے، نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ جہاں پچھنے لگوائے تھے اس حصہ کے سوا کسی حصہ کو نہ دھویا۔ اسے دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ اس کی سند میں صالح بن مقاتل ہے جو ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ابن عربی نے کہا کہ دارقطنی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ حقیقت حال یہ نہیں بلکہ آپ نے فرمایا صالح قوی نہیں۔ امام نووی نے اسے ضعیف کی قسم میں ذکر کیا۔ ثوبان کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی آپ نے پانی منگوا۔ پس آپ نے وضو کیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا قے سے وضو فرض ہو جاتا ہے؟ فرمایا اگر یہ فرض ہوتا تو تو اسے قرآن میں پاتا۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ اس کی سند میں عقبہ بن سکن ہے جو متروک الحدیث ہے۔ بیہقی نے کہا یہ وضع کی طرف منسوب ہے۔

۵۔ جمہور قرآن نے یہاں اور سورۃ مائدہ میں اسے باب مفاعلہ سے پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے دونوں میں مجرد سے اَوْلَمَسْتُمْ پڑھا ہے۔ حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حسن بصری، مجاہد اور قتادہ نے کہا یہ جماع سے کنایہ ہے (۱) امام ابو حنیفہ اور ثوری نے بھی یہی کہا اس تاویل کی صورت میں اس کا عطف جنبا پر کرنا درست نہیں۔ اگر جماع کے معنی میں ہو اگر جنابت انزال کے معنی میں ہو تو پھر عطف درست ہے، جس طرح احناف نے کہا حضرت ابن مسعود، حضرت عمر، حضرت ابن عمر اور شعبی نے کہا یہاں اس سے مراد حقیقی معنی ہے، وہ دو جلدوں کا ملنا ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے کہا جب درمیان میں پردہ حائل نہ ہو تو عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا کہ اس کا معنی جماع کے علاوہ دوسری چیزیں ہیں جیسے چھونا وغیرہ۔ امام بیہقی نے انہیں سے یہ روایت کیا ہے کہ بوسہ لینا بھی مس میں سے ہے، اس میں وضو لازم

ہوگا۔ امام شافعی اور امام مالک نے حضرت ابن عمر سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے جس نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا اپنے ہاتھ سے پکڑا اس پر وضو ہے۔ امام احمد زہری اور اوزاعی نے یہی کہا امام شافعی سے یہی روایت ہے کہ عورت کو چھونا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ امام مالک امام شافعی، لیث اور اسحاق نے کہا امام احمد سے یہی روایت ہے اگر چھونا شہوت کے ساتھ ہو اور عورت بھی ایسی ہو جس کو دیکھ کر شہوت آ جاتی ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، ورنہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ ہتھیلی کے اندر والے حصہ سے چھونا شرط ہے۔ وہ اسے مرد کی شرمگاہ کے چھونے پر قیاس کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں اگرچہ یہ الگ الگ حادثوں میں واقع ہوئے۔ مرد کی شرمگاہ چھونے کے بارے میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد وارد ہے جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ شرمگاہ تک لے گیا۔ علماء نے کہا انشاء کا معنی بھی چھونا ہے۔ ہم کہتے ہیں انشاء کے لفظ کے ساتھ شرمگاہ کو چھونے کی حدیث صحیح نہیں۔ انشاء کا یہ معنی کرنا ہمارے اصول کے مطابق دو واقعات میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا باطل ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا جب تم انزال کی صورت میں اپنی شہوت پوری کر چکو، مریض ہو یا مسافر یا سبیلین سے کسی چیز کے نکلنے کے ساتھ محدث یا تم نے بغیر انزال کے جماع کیا ہو تو تیمم کرو۔

امام شافعی کے مذہب کے مطابق معنی یہ ہوگا اگر تم نے مرض یا سفر کی حالت میں عورتوں سے جماع کیا یا سبیلین سے کسی شے کے نکلنے یا عورت کو چھونے سے تم محدث ہوئے تو تیمم کرو، اگر انہوں نے تقدیر کلام یوں نہ کی اِنْ كُنْتُمْ جُنُوسًا مَّرْضٰی اَوْ رُجُلًا مَّرْضٰی اَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ۔ اس صورت میں لا یمس کو جماع کے معنی میں لینا ہوگا، چھونے کے معنی میں لینا درست نہیں تاکہ آیت سے جنسی کے لئے تیمم کے جواز کا حکم ثابت ہو کیونکہ حقیقت و مجاز کو جمع کرنا جائز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیونکہ کلام مقدر نہ کرتے اور لمس کو چھونے کے معنی میں لیتے۔ اس لئے آپ جنسی کے لئے تیمم کو جائز خیال نہ کرتے جس طرح حضرت عمار کے ساتھ آپ کے جھگڑے کا قصہ دلالت کرتا ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ابن جوزی نے یہ استدلال کیا ہے عورت کو شہوت کیساتھ چھونا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ یہ استدلال وہ اس حدیث سے کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اس مرد کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو اس عورت تک پہنچا، جو اس کے لئے حلال نہ تھی، ایک مرد جماع کے علاوہ عورت سے جو فائدہ اٹھا سکتا ہے، وہ سب کچھ کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو اچھی طرح وضو کر پھر اٹھ اور نماز پڑھ اس حدیث سے اس موقع پر استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ مرد کا سوال اس بارے میں نہ تھا کہ اس عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا کہ نہیں بلکہ اس کا سوال استغفار کے بارے میں تھا اور اس سزا کے بارے میں تھا جو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرمائے گا تو نبی کریم ﷺ نے اسے سکھایا کہ وضو اور نماز اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گی، جس طرح حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں وارد ہوا جب ایک مسلمان وضو کر کے اپنے چہرے کو دھوئے تو اس کے چہرے سے تمام غلطیاں نکل جاتی ہیں اور حضرت عثمان کی مرفوع حدیث کہ جو میرے جیسا وضو کرے، پھر دو رکعت نماز ادا کرے ان میں سے اپنے آپ سے کوئی بات نہ کرے (پوری توجہ سے نماز پڑھے) اس کے پہلے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں (۱) متفق علیہ۔ صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک آدمی



آیا، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پر حد لازم ہو چکی، مجھ پر حد جاری فرمائیے۔ حضور ﷺ نے اس سے کچھ بھی سوال نہ کیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اس نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی، الحدیث۔ اس حدیث میں وضو کرنے کا حکم نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں مدینہ طیبہ کی آخری حدود میں ایک عورت سے ملا اور اس سے جماع کرنے کے سوا ہر عمل کیا۔ باقی حدیث اسی طرح ہے جس طرح پہلے مذکور ہوئی تاہم یہ بات زائد ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَدُلْعَائِنِ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔

ہمارے پیش نظر حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، میں آپ کے سامنے یوں لیٹی ہوئی تھی جس طرح جنازہ ہوتا ہے جب آپ سجدہ فرماتے تو ہاتھ سے مس کرتے۔ میں اپنی ٹانگیں سمیٹ لیتی (1) ایک روایت میں ہے کہ راوی نے کہا ان دونوں گھروں میں چراغ نہ ہوتے تھے۔ متفق علیہ۔ اس حدیث کے شیخین کے نزدیک کثیر طرق ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک روایت یہ بھی ہے ایک دن میں نے آپ کو نہ پایا۔ میں نے آپ کو ہاتھوں سے تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپ کے قدموں تک جا پہنچا جب کہ آپ سجدہ میں تھے، آپ یہ دعا کر رہے تھے اے اللہ میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں اور تیری سزا سے تیرے غم کو پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں تیری ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتا تو اسی شان کا مالک ہے جیسے تو نے اپنی تعریف کی۔ اسے امام بخاری نے روایت کی۔ طبرانی کی ایک روایت میں ہے میں نے اپنا ہاتھ آپ کے بالوں میں رکھا کہ دیکھوں کہ آپ نے غسل کیا ہے یا کہ نہیں۔ حافظ نے کہا اس سیاق کا ظاہر ان دونوں قصوں کے مختلف ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ آپ سے ہی ایک اور روایت مروی ہے کہ آپ حضور ﷺ کے سر میں کنگھی کرتی تھیں جبکہ آپ معکف ہوتے تھے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حضور ﷺ کا مسجد میں اعتکاف کی حالت میں بھی ٹھہرنا بغیر وضو نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ حضرت میمونہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آقائے دو عالم ﷺ ان کے ساتھ ایک ہی برتن میں غسل فرماتے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے اور یہ محال ہے کہ حضور ﷺ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ کو مس نہ کرے حضرت ابوقادہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز ادا فرماتے جبکہ آپ امامہ بنت زینب کو اٹھائے ہوتے تھے، متفق علیہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ میرے حجرے میں ہوتے آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے جبکہ آپ حیض کی حالت میں ہوتیں، متفق علیہ۔

رسول اللہ ﷺ کا وصال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں ہوا۔ عقل اس بات کو جائز قرار نہیں دیتی کہ آپ کا وصال طہارت پر نہ ہو۔ یہ تمام احادیث ہمارے لئے حجت ہیں اور اس کے خلاف دلیل ہیں جو یہ کہتا ہے کہ عورت کو چھونا ناقض وضو ہے۔ انہیں احادیث کی وجہ سے امام شافعی اور ان کے احباب نے اس آیت کو خاص کیا اور کہا کہ محض چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا مگر جو شہوت کے ساتھ ہو۔ ہماری ان کے خلاف حضرت عائشہ کی حدیث دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات میں سے ایک کا بوسہ لیا پھر آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے لیکن آپ نے وضو نہ کیا (2) اسے بزار نے روایت کیا اور حسن قرار دیا۔ امام ترمذی ابن ماجہ اور دوسرے محدثین نے دیکھ سے، اس نے اعمش سے، اس نے حبیب بن ابی ثابت سے، اس نے عروہ سے، انہوں نے حضرت

عائشہ سے روایت کیا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے امام بخاری نے اسے ضعیف قرار دیا اور یہ کہا بے شک حبیب نے عمروہ سے نہیں سنا۔ ہم کہیں گے اس کے راوی ثقہ ہیں اور عدم سماع کی شہادت نفی پر شہادت ہے اور اسے امام احمد اور ابن ماجہ نے حجاج کی سند سے، انہوں نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے زینب لہمیہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ وضو فرماتے پھر بوسہ لیتے نماز ادا فرماتے اور دوبارہ وضو نہ کرتے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے زینب لہمیہ مجہول ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرن ثانی کے مجہول کی روایت مقبول ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے حجاج مجروح ہے۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہیں گے امام اوزاعی نے دارقطنی کی روایت میں جو عمروہ سے مروی ہے، کے ساتھ اس کی یہ متابعت کی ہے، جبکہ عمرو لوگوں میں سے سب سے زیادہ ثقہ ہے۔ دارقطنی نے اسے سفیان ثوری سے انہوں نے ابی روق سے انہوں نے ابراہیم تیمی سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے ابراہیم کا حضرت عائشہ سے سماع معروف نہیں اور اس باب میں حضور ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔ میں یہ کہوں گا سماع کا امکان حدیث کی صحت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ سماع کی معرفت کوئی ضروری نہیں ہوتی کیونکہ ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے اور ابراہیم تابعی اور ثقہ ہیں۔ امام ترمذی کے قول اِنَّهٗ لَا شَيْءَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ سے مراد حدیث مرفوع ہو جو متصل اور صحیح لفظ ہو ورنہ اس مرسل کے راوی ثقہ ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس روایت کو ابراہیم سے ابی روق اور عطیہ بن حارث کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور ابی روق سے ثوری اور امام ابو حنیفہ کے علاوہ کسی کی روایت معلوم نہیں جبکہ ان دونوں میں بھی اختلاف ہے۔ ثوری نے اسے حضرت عائشہ کی طرف امام ابو حنیفہ نے اسے حضرت حفصہ کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ ابراہیم کا ان دونوں سے حدیث سننا ثابت نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ چاروں ثقہ اور ائمہ ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ابراہیم نے دونوں حدیثیں مرسل روایت کی ہوں۔ ان میں سے ایک حضرت عائشہ سے اور دوسری حضرت حفصہ سے ثوری کو حضرت عائشہ سے مروی حدیث پہنچی ہے اور امام ابو حنیفہ کو حضرت حفصہ کی مروی حدیث پہنچی ہو۔ یہ علت فقہاء کے نزدیک قدح کا باعث نہیں جبکہ یہ حدیث ثوری سے، انہوں نے ابی روق سے، انہوں نے ابراہیم تیمی سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے سند کے اتصال کے ساتھ روایت کیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ بوسہ لیتے جبکہ آپ روزے سے ہوتے، جبکہ عثمان کے علاوہ راوی یہ کہتے ہیں کہ آپ بوسہ لیتے اور وضو نہ کرتے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ راویوں کے ثقہ ہونے کے بعد فقہاء کے نزدیک یہ امر قدح کا باعث نہیں کیونکہ دونوں قولوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے کہ یہ دو حدیثیں ہوں یا یہ ایک ہی حدیث ہو کہ گویا آپ بوسہ لیتے جبکہ آپ روزے سے ہوتے اور وضو نہ فرماتے بعض نے بعض الفاظ روایت کئے ہیں اور بعض نے بعض دوسرے الفاظ روایت کئے۔ یہ امام بخاری کے نزدیک جائز ہے۔ حافظ ابن حجر نے یہ کہا امام شافعی نے کہا سعید بن بنانہ نے محمد بن عمر سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ بوسہ لیتے اور وضو نہ فرماتے۔ امام شافعی نے کہا میں سعید کے حال کو نہیں جانتا، اگر وہ ثقہ ہے تو پھر جو نبی کریم ﷺ سے روایت مروی ہے وہ حجت ہے۔ حافظ نے کہا یہ روایت دس سندوں سے مروی ہے جنہیں بیہقی نے خلافيات میں ذکر کیا اور اسے ضعیف قرار دیا۔ میں کہتا ہوں ایک ضعیف روایت جب متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ حس کے درجہ تک بلند ہو جاتی ہے۔ جبکہ مجھے علم ہے کہ ان طرق کے راویوں پر جھوٹ

کی تہمت نہیں۔ اس باب میں حضرت ابی امامہ کی حدیث بھی ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ایک آدمی نماز کے لئے وضو کرتا ہے۔ پھر اپنی زوجہ کا بوسہ لیتا ہے یا اس سے دل لگی کرتا ہے۔ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ اس میں رکن بن عبد اللہ ہے جو متروک ہے۔ جب اس حدیث کی سندیں بعض بعض کے ساتھ مل کر قوی ہو گئیں جبکہ وہ بالذات حسن ہیں یا مرسل صحیح ہیں تو اس سے یہ بات صحیح ثابت ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ بوسہ لینے سے وضو نہیں کرتے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عورت کو چھوننا ناقض وضو نہیں۔ اگر یہ چیز ناقض وضو ہوتی تو یہ صحابہ خصوصاً ازواج مطہرات سے ضرور منقول ہوتی جبکہ ان کی تعداد کثیر تھی وہ علم کے بیان کی شدید حریمیں تھیں انہیں حضور ﷺ کے ساتھ زیادہ میل جول کے مواقع ملتے، جس طرح آپ اس حدیث میں دیکھتے ہیں جسے حاکم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی دن نہیں گذرتا تھا کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لاتے آپ بوسہ لیتے اور لمس کرتے، الحدیث۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ آیت میں لمس سے مراد جماع ہے۔ اگر لمس سے مراد جماع کے علاوہ کوئی اور چیز ہوتی تو عبادت کی کثرت کے ساتھ فائدہ کی قلت لازم آتی کیونکہ محدث کے لئے تیمم کا جواز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے سمجھا جا رہا ہے اَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ جبکہ اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ یہ وضاحت کی جائے کہ مٹی طہارت عطا کرنے میں مٹی کا نائب ہے۔ یہاں حدیث کو شمار کرنے کے لئے نہیں کیونکہ آیت میں کثیر احداث کو چھوڑ دیا گیا جس طرح نیند، غشی، جنون، سبیلین کے علاوہ نکلنے والی نجاست، قہقہہ، اونٹ کا گوشت کھانا اور شرمگاہ کو چھونا تو پھر لمس کے ذکر کرنا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ پہلو کے بل، تکیہ لگا کر سونا، غشی اور جنون مطلقاً بالا جماع حدیث ہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے لیکن بول و براز اور نیند سے۔ اسے ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا اور ترمذی نے صفوان بن عسال کی حدیث سے بیان کیا۔ اسی طرح امام مالک کے نزدیک رکوع اور سجدہ کرنے والے کا سوجانا، امام شافعی کے نزدیک کھڑے ہونے والے کا سوجانا، امام احمد کے نزدیک کسی حالت میں بھی طویل نیند وضو کو توڑ دیتی ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب کوئی آدمی نماز کی کسی حالت میں بھی سوجائے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو آدمی سجدے کی حالت میں سوجیا اس پر وضو نہیں یہاں تک کہ وہ پہلو کے بل سوجاتے تو اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اسے عبد اللہ بن احمد ابن عباس نے روایت کیا۔ ابوداؤد اور ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔ اس آدمی پر وضو نہیں جو کھڑے کھڑے سوجیا۔ بیہوشی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا جو آدمی بیٹھے کھڑے یا سجدہ کرتے ہوئے سوجیا اس پر وضو نہیں۔ تمام طرق کا دار و مدار یزید بن خالد دلانی پر ہے، اگرچہ بعض ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا۔ لیکن صحیح وہی ہے جو بیہوشی نے کہا کہ اس کی حدیث حسن ہے۔ امام احمد نے کہا اس میں کوئی ترحیح نہیں جبکہ غشی اور جنون غفلت میں نیند سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اسی وجہ سے تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہ کسی حال میں بھی ہوں ناقض وضو ہیں۔

مسئلہ:- رکوع و سجود والی نماز میں قہقہہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ناقض وضو ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس نے اپنی نماز میں قہقہہ لگایا پس وہ اپنا وضو اور نماز لوٹائے۔ اسے امین عدی حضرت نے ابن عمر سے روایت کیا۔ اس میں کچھ اور حصہ ہے جسے امام مسلم نے بطور متابع نقل کیا ہے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے ثابت شدہ بات یہ ہے کہ وہ ثقہ مدلس ہے اگر وہ ثقہ سے اس لفظ یعنی حدیث کے ساتھ روایت کرے جس طرح اس حدیث میں ہے تو وہ حجت ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تاہمنا کے قصہ میں یہ فرمانا من كان منكم فقههة فليعد الوضوء

وَالصَّلَاةَ تم میں سے جس نے قہقہہ لگایا وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔ اسے دارقطنی نے معبد خزاعی سے روایت کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ صحابی ہے۔ اس کا نام ابن ام معبد ہے۔ اس کے راویوں میں سے امام ابوحنیفہ ہیں۔ ابن جوزی کو وہم ہوا۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ امام ابوحنیفہ کو اس میں وہم ہوا۔ دارقطنی نے ایک انصاری سے روایت کیا اس سند میں خالد بن عبد اللہ واسطی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کسی نے اس پر طعن کیا ہے۔ اکثر محدثین نے یہ کہا صحیح ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ ابو العالیہ سے مروی ہے کہ جبکہ ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ ہمارے مخالف نے حضرت جابر کی جس مرفوع روایت سے استدلال کیا وہ یہ ہے کہ ہنسنا (۱) نماز کو توڑ دیتا ہے، وضو کو نہیں توڑتا۔ اس کی سند میں عبد الرحمن بن اسحاق ابوشیبہ ہے جو ضعیف ہے۔ یحییٰ نے اسی طرح کہا۔ امام احمد نے کہا یہ کچھ بھی نہیں اور منکر ہے۔ مسئلہ :- اونٹ کا گوشت کھانا امام احمد کے نزدیک وضو کو توڑ دیتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اونٹوں کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرو۔ اسے اصحاب سنن نے حضرت براء کی حدیث سے استدلال کیا۔ محدثین نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام مسلم نے اسی کی مثل حضرت جابر سے روایت کی۔ امام احمد نے اسی کی مثل اسید بن خضیر اور ذی العزۃ سے روایت نقل کی۔ ہمارے مخالف نے حضرت ابن عباس سے مروی مرفوع روایت ہے، سے استدلال کیا ہے وضو نجاست کے نکلنے سے لازم ہوتا ہے، کسی شے کے داخل ہونے سے لازم نہیں ہوتا۔ اسے دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا، تاہم یہ روایت ضعیف اور منکر ہے۔

مسئلہ :- شرمگاہ کو چھونا امام مالک اور امام احمد کے نزدیک وضو کو توڑ دیتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی یہی حکم ہوگا۔ اگر اس نے ہاتھ کی ہتھیلی سے شرمگاہ کو چھوا جب تک وہ نیا وضو نہ کرے نماز ادا نہ کرے۔ اسے ائمہ ثلاثہ اصحاب سنن اربعہ اور دوسرے محدثین نے عروہ سے، انہوں نے مروان سے، انہوں نے بسرہ سے روایت کیا۔ پھر وہ بسرہ سے خود ملے اور اس سے روایت کیا۔ اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں۔ امام ترمذی، یحییٰ اور دارقطنی نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام بخاری نے کہا اس باب میں یہ صحیح ترین روایت ہے۔ امام ترمذی اور امام احمد نے زید بن خالد سے مرفوع روایت نقل کی ہے جو آدمی کسی کی شرمگاہ چھوئے پس وہ وضو کرے امام ترمذی، امام احمد اور بیہقی نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے اسی کی مثل مرفوع روایت نقل کی۔ امام بخاری نے اس کی تصحیح کی، جس کی تصحیح کی حکایت امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کی۔ اسی باب میں وہ روایت بھی ہے جو ابن ماجہ نے ابو ایوب سے روایت کی جو ضعیف ہے اور حاکم نے سعد بن ابی وقاص اور ام سلمہ سے نقل کی۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے نقل کی یہ ضعیف ہے۔ طبرانی نے اسے علی بن طلح سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ ابن مندہ نے نعمان، انس، ابی بن کعب، معاویہ بن جندہ اور قبیصہ سے روایت ذکر کی۔ امام ترمذی نے اروی بنت انس سے روایت نقل کی۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل طلق بن علی کی حدیث ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ کیا وہ آدمی وضو کرے گا جس نے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا وہ بھی تیرے جسم کا حصہ ہے۔ اسے امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا۔ عمرو بن علی قلاس، ابن بدین، ابن حبان، طبرانی اور ابن حزم نے اس کی تصحیح کی۔ امام شافعی، ابوزرعه، ابو حاتم، دارقطنی اور بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کی پانچ سندیں ہیں چاران میں سے کمزور ہیں، ایک کے راوی ثقہ ہیں مگر قیس بن طلح جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ اس میں اختلاف کیا گیا۔ امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا۔ بجلی نے اس کی توثیق کی یحییٰ سے دور روایتیں ہیں

(۱) جو اسے خود سنائی دے، اس کے ساتھ کلمے آدمی کو سنائی نہ دے۔

جس نے اس کی توثیق کی۔ اسکے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، ورنہ وہ ضعیف ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حدیث حسن ہے لیکن بسرہ کی حدیث اس سے زیادہ قوی ہے۔ اس باب میں ابی امامہ، عاصمہ بن مالک اور حضرت عائشہ کی احادیث ہیں جو سب ضعیف ہیں۔ ابن حبان نے دعویٰ کیا کہ طلق کی حدیث منسوخ ہے کیونکہ شرمگاہ کو چھونے سے وضو کے ٹوٹنے والی حدیث کے راوی ابو ہریرہ ہیں۔ یہ چھ جہری میں اسلام لائے جبکہ طلق ہجرت کی ابتداء میں ہی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ صحابہ مسجد کی تعمیر کر رہے تھے۔ دارقطنی نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ طلق کا ہجرت کے ابتدائی ایام میں آنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے بعد دوبارہ نہیں آئے۔ نیز ابو ہریرہ کی حدیث ضعیف ہے، اس کے ساتھ بسرہ کی حدیث کا نسخ ثابت نہیں ہوتا واللہ اعلم۔

۹۔ یعنی تم اس کے استعمال پر قادر نہ ہو سنت اور اجماع سے اس کی تفسیر اسی طرح ثابت ہے۔ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا ان چیزوں کو شامل ہوگا پانی نہ ہو پانی ایک میل دور ہو یا ایسی جگہ ہو اگر یہ پانی کی طرف جائے وضو کرے تو قافلہ غائب ہو جائے، کنویں سے پانی نکالنے کا آلہ گم ہو جائے یا کوئی مانع موجود ہو جیسے سانپ، درندہ یا دشمن جو پانی کے ذخیرہ پر غالب ہو پیاس کا خوف ہو سردی کی شدت یا کمزوری کی وجہ سے مرض لگنے کا خوف ہو ایسی مرض ہو جو وضو کے لئے حرکت سے مانع ہو اور ایسا آدمی بھی کوئی نہ ہو جو اسے پانی لادے پانی کے استعمال یا حرکت سے مرض کے بڑھ جانے کا خوف ہو نفس یا عضو کے تلف ہو جانے کا خوف ہو۔ امام شافعی سے ایک روایت یہ بھی ہے مرض میں نفس یا عضو کے تلف ہونے کے خوف کی شرط ہے۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے۔ یہ آیت انصار کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی وہ مریض تھا خود وضو نہیں کر سکتا تھا اس کا کوئی خادم بھی نہیں تھا جو اسے وضو کرائے اس نے اپنے معاملہ کا ذکر حضور ﷺ نے کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابن جریر نے ابرہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو زخم لگا۔ اس میں وہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر اسی حالت میں احتلام ہو گیا۔ انہوں نے اس امر کی حضور ﷺ کو شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

حضرت عمرو بن عاص سے مروی ہے غزوہ ذات السلاسل میں ایک سخت سردرات میں مجھے احتلام ہو گیا۔ مجھے خوف لاحق ہوا اگر میں نے اس سردرات میں غسل کیا تو مر جاؤں گا۔ میں نے تیمم کیا۔ پھر میں نے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ اس معاملہ کو حضور صلی اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا اے عمرو تو نے جنابت کی حالت میں ساتھیوں کو نماز پڑھا دی۔ میں نے عرض کی، میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سن رکھا ہے وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ الْآیۃ۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور کچھ بھی نہ کیا (۱) امام بخاری نے اسے معلق روایت کیا ہے۔ اسے ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا۔

حضرت ابن عمر سے ایک روایت مروی ہے کہ آپ جرف کے مقام پر موجود اپنی زمین سے واپس آ رہے تھے۔ جب آپ مرہب کے مقام پر پہنچے تو عصر کی جماعت تیار تھی۔ آپ نے تیمم کیا اور عصر کی نماز پڑھ لی۔ پھر آپ مدینہ طیبہ میں پہنچے جب کہ سورج ابھی بلند تھا آپ نے عصر کی نماز کا اعادہ نہ کیا اسے امام شافعی اور امام مالک نے اپنے موطن میں مختصر روایت کیا جرف مدینہ طیبہ سے ایک فرسخ (۱) فاصلہ پر ایک جگہ ہے ابو اسحاق نے بھی یہی کہا کہ مرہب مدینہ طیبہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا جب آپ سفر پر ہوتے نماز کا وقت ہو جاتا پانی ایک دو یا زیادہ تیر کے گزرنے کے فاصلے پر ہوتا تو آپ اس طرف متوجہ نہ ہوتے۔ آپ یہ قافلہ کے نکل جانے کے خوف سے کرتے۔ عدول کا لفظ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ پانی میں دائیں یا بائیں ہوتا بالکل سامنے نہ ہوتا۔

مسئلہ:- امام شافعی نے فرمایا مسافر جب پانی نہ پائے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے کجاوے اور اپنے ساتھیوں سے پانی مانگے۔ اگر وہ صحراء میں ہے اور اس کے سامنے کوئی رکاوٹ بھی نہیں تو وہ دائیں بائیں دیکھے۔ اگر اس کے سامنے کوئی نیلہ یا دیوار ہو تو اس سے اعراض کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً عربی زبان میں لم بجد کا لفظ اسی وقت بولا جاتا ہے جب وہ تلاش کرے اور پانی نہ پائے امام ابوحنیفہ نے کہا ساتھی سے پانی کا طلب کرنا شرط نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ پانی کو پانے والا نہیں کیونکہ اس کے ساتھی کا پانی اس کی ملک میں نہیں۔

۱۔ تم قصد کرو قاموس میں تیمم کا معنی تلاش کرنا اور کوشش کرنا ہے۔ اس میں یا، ہمزہ سے بدلی ہوئی ہے۔ یممہ کا معنی اس نے قصد کیا اور یمامہ کا معنی قصد کرنا ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا تیمم میں نیت شرط ہے جبکہ وضو اور غسل میں شرط نہیں۔ امام زفر فرماتے ہیں تیمم میں بھی نیت شرط نہیں جس طرح وضو اور غسل میں شرط نہیں۔ امام زفر کے خلاف یہ آیت ہماری دلیل ہے۔ تینوں ائمہ نے کہا کہ وضو اور غسل میں بھی نیت کرنا شرط ہے۔ ہم اس مسئلہ کو سورہ مائدہ میں ذکر کریں گے۔

۲۔ صعیذ زمین کے ظاہری حصہ کو کہتے ہیں وہ مٹی ہو، ریت ہو، گچ ہو، چھونا ہو، پتھر ہو یا کوئی اور چیز زجاج کہتے ہیں۔ اہل لغت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں۔

میں یہ کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں صرف مٹی کا ذکر نہیں کیا جبکہ آپ امام شافعی کے مقلد ہیں۔ امام بغوی نے کہا ابن عباس نے کہا صعیذ سے مراد مٹی ہے (۱) قاموس میں ہے صعیذ مٹی یا زمین کا اوپر والا حصہ ہدایہ میں ہے کہ ابن عباس نے صعیذ اطیبا کی تفسیر زرخیز مٹی کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا میں نے آپ کا یہ قول نہیں دیکھا۔ لیکن بیہقی اور ابن ابی حاتم نے آپ سے یہ قول نقل کیا کہ اطیب الصعیذ وہ مٹی ہوتی ہے جو کھیتی باڑی کے قابل ہو۔ اسے ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ اطیب کا لفظ یہ معنی بھی دیتا ہے کہ کھیتی باڑی والی مٹی کے علاوہ بھی صعیذ طیب ہو سکتی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں اگر صعیذ کا لفظ مٹی اور سطح زمین میں مشترک ہے، جس طرح صاحب قاموس نے کہا۔ تو یہاں اس سے مراد سطح زمین ہوگی مٹی نہ ہوگی کیونکہ سورہ مائدہ میں موجود یہ آیت کریمہ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ اس کا قرینہ ہے کیونکہ اگر یہ شرط لگائی جائے کہ زرخیز مٹی سے تیمم کرو تو لوگ حرج میں مبتلا ہوں گے، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے آباد وادی شوریدہ زمین ریت اور پہاڑ میں سکونت عطا کی، وہ تو سخت مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ سطح زمین پر حضرت ابو ہریرہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے چھ چیزوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ مجھے جو امع حکم عطا کئے گئے رعب سے میری مدد کی گئی غنائم میرے حلال کئے گئے زمین میرے لئے مطہر اور مسجد بنا دی گئی مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (۲) اسے امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔ طبرانی نے اسے سند صحیح کے ساتھ سائب

بن یزید سے روایت کیا ہے کہ مجھے پانچ چیزوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ انہوں نے جوامع حکم اور ختم نبوت کا ذکر نہیں کیا اور ایک چیز کا اضافہ کیا میری امت کے لئے میری شفاعت کو ذخیرہ کر لیا گیا باقی حدیث پہلی حدیث کی طرح ہے۔

امام بیہقی نے ابی امامہ سے سند صحیح کیساتھ روایت کیا ہے کہ مجھے چار چیزوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ تمام زمین میرے لئے اور میری امت کے لئے مسجد اور مطہر بنا دی گئی (1) میری امت میں سے جو بھی نماز پڑھنے کے لئے آیا اور اس نے ایسی چیز نہ پائی جس پر وہ نماز پڑھے وہ زمین کو مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والا پائے گا۔ اس حدیث میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے دو ماہ کی مسافت پر رعب اور غنیمتوں کے حلال ہونے کا ذکر ہے۔ امام احمد کے نزدیک یہ الفاظ ہیں طہورہ و مسجدہ عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے میں اس سے تیمم کر لوں۔ صحیحین میں حضرت جابر سے مروی ہے مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے قبل کسی اور کو عطا نہیں کی گئیں، ان میں سے آپ نے یہ شمار کیا میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والا بنا دیا گیا (2) ابن جبار و اور ابن منذر کے نزدیک حضرت انس سے اس لفظ کے ساتھ مروی ہے میرے لئے ہر پاکیزہ زمین مسجد اور طہور بنا دی گئی۔ ان احادیث کے تمام الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زمین کے تمام اجزاء مطہر ہیں جس طرح اس کے تمام اجزاء مسجد ہیں۔ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کیونکہ الارض میں الف لام جنسی ہے۔ ابی امامہ کی حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث زیادہ صریح اور اس مسئلہ پر زیادہ دلالت کرتی ہیں۔ یہ آیت امام ابو حنیفہ کے لئے حجت ہے جو آپ یہ کہتے ہیں کہ زمین کی تمام اقسام سے تیمم کرنا صحیح ہے وہ شوریدہ ہو ریت ہو بغیر غبار کے پتھر ہو یا کوئی اور چیز۔

امام مالک نے فرمایا نباتات سے بھی تیمم کرنا جائز ہے جب وہ زمین کے ساتھ متصل ہوں کیونکہ اس پر بھی قدرۃ صعیدا کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا صرف مٹی اور ریت سے تیمم کرنا صحیح ہے۔

امام شافعی اور امام احمد نے کہا صرف مٹی سے تیمم کرنا صحیح ہے۔ انہوں نے حضرت حذیفہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ہمیں لوگوں پر تین چیزوں میں فضیلت دی گئی، ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی بنائی گئیں۔ ہمارے لئے تمام زمین مسجد بنا دی گئی، ہمارے لئے ہماری مٹی کو مطہر بنا دیا گیا جب ہم پانی نہ پائیں (3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ نیز انہوں نے حضرت علی کی حدیث سے استدلال کیا اس میں ہے کہ میرے لئے مٹی مطہر بنا دی گئی۔ علماء نے کہا یہ خاص ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ عام کو بھی اسی پر محمول کیا جائے۔ ہم یہ کہتے ہیں یہ لقب کے مفہوم سے استدلال ہے اور جمہور علماء کے نزدیک لقب کا مفہوم حجت نہیں ہوتا۔ عام کو خاص پر محمول کرنا اس وقت لازم آتا ہے جب دونوں میں تعارض ہو جبکہ یہاں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مٹی کے ذریعے تیمم یہ دوسری چیزوں کے ساتھ تیمم کی نفی نہیں کرتا بلکہ یہ اس سے خاموش ہے۔ مٹی کو خصوصاً اس لئے ذکر کیا کیونکہ مٹی سے تیمم کرنا افضل ہے۔

امام ابو یوسف نے ریت کے ساتھ تیمم کے جواز کا قول اس لئے کیا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ جنگل میں رہنے والوں میں سے کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی ہم تین یا چار مہینے صحراء میں رہتے ہیں ہم میں جنسی ہوتے ہیں نفاس اور حیض والی عورتیں بھی ہوتی ہیں جبکہ ہم پانی بھی نہیں پاتے حضور ﷺ نے فرمایا تم زمین سے طہارت حاصل کرو، پھر آپ نے اپنا

ہاتھ زمین پر مارا۔ یہ چہرے پر مسح کرنے کے لئے ضرب تھی پھر آپ نے دوسری دفعہ ہاتھ مارا اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں پر مسح کیا۔ اسے ابن جوزی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں شئی بن صباح ہے، امام احمد اور رازی نے کہا یہ کچھ بھی نہیں۔ امام نسائی نے کہا یہ متروک ہے۔

طیب کا نبت معنی کرنا جائز نہیں کیونکہ مٹی کا پاک ہونا بالا جماع شرط ہے۔ اگر یہاں طہارت کے ساتھ نبت معنی بھی کیا جائے تو حقیقت و مجاز کو جمع کرنا لازم آئے گا۔ جب مٹی کا پاک ہونا شرط ہے جو دلیل قطعی یعنی کتاب اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جب زمین پہلے ناپاک ہو جائے پھر خشک ہونے سے پاک ہو جائے تو اس پر نماز پڑھنا تو جائز ہے، اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز نہیں کیونکہ زمین کا خشک ہونے سے پاک ہونا۔ یہ خبر واحد سے ثابت ہے تو جو چیز نص قطعی سے بطور شرط ثابت ہے وہ اس حدیث سے ساقط نہ ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ نے کہا اس پر نماز جائز نہیں اور خشک ہونے سے زمین کی پاکیزگی والی حدیث معروف نہیں جبکہ میرے نزدیک خشک ہونے سے اس پر پاکیزگی کا حکم لگانا، یہ اس حدیث سے ثابت ہے جسے امام بخاری نے حمزہ بن عبد اللہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں پیشاب کرتے اور اس میں آتے صحابہ کرام اس پر پانی نہ بہاتے (1) سنن ابی داؤد اسماعیلی ابی نعیم اور بیہقی میں اسی طرح ہے واللہ اعلم

۱۲ اس میں باء زائدہ ہے۔ چہرے کو مسح سے گھیرنا یہ بالا جماع فرض ہے۔

۱۳ کندھے تک کے حصہ کو یہ کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے زہری سے یہ منقول ہے کہ تیمم میں بغلوں تک کا مسح کرنا واجب ہے۔ صحابہ سے بھی یہی منقول ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انہوں نے بغلوں اور کندھوں تک مسح کیا۔ صحابہ کا یہ عمل آقائے دو عالم ﷺ کی طرف سے اس کی تفسیر سے پہلے تھا۔ حضرت عمار بن یاسر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذات الخیش میں پچھلی رات قیام کیا جب کہ اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں۔ آپ کا ظفاری منکوں کا ہارٹوٹ کر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہار کی تلاش کے لئے لوگوں کو روک لیا، یہاں تک کہ فجر روشن ہو گئی جبکہ لوگوں کے پاس پانی بھی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر مٹی سے پاکیزگی حاصل کرنے کا حکم نازل کیا مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے زمین پر ہاتھ مارے اور مٹی نہ جھاڑی اور اپنے چہروں پر اپنے کندھوں تک مسح کیا اور ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے لے کر بغلوں تک مسح کیا (2) اسے ابن جوزی نے احمد کی سند سے روایت کیا۔ ابن ماجہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا کہ ہم نے کندھوں تک تیمم کیا۔ آپ کی ہی ایک روایت میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کندھوں تک مسح کیا لیکن حضور ﷺ کی تعلیم اور اجماع سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہاں سارا ہاتھ مراد نہیں۔ پس یہ مقدار میں مجمل ہے بعد میں حضور ﷺ نے تیمم میں ید کی مقدار بیان کی کہ تیمم میں اس کی مقدار وہی ہے جو وضو میں اس کی مقدار ہے یعنی کہنیوں تک مسح کیا جائے۔

حضرت عمار سے مروی ہے کہ میں اس قوم میں شامل تھا جب یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہم نے ایک ضرب چہرہ اور دوسری ضرب کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح کرنے کے لئے لگائی۔ اسے بزار نے روایت کیا۔ حافظ بن حجر نے رافعی کی احادیث کی تخریج میں ذکر کیا اور اس پر کوئی طعن نہیں کیا۔ ابو داؤد نے عمار کی حدیث روایت کی، اس میں کہا کہنیوں تک۔ لیکن اس کی



سند میں ہے قتادہ نے کہا مجھے ایک محدث نے امام شعیبی سے روایت کی، وہ محدث یہاں مبہم ہے۔ لیکن محدث کا لفظ اس کے ثقہ ہونے پر دلالت کرتا ہے پس اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں اسلح کی حدیث گزر چکی ہے، کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے تیمم دکھایا ایک ضرب چہرے کے لئے۔ اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے لیکن اس کی سند میں ربیع بن بدر ضعیف ہے۔ لیکن عمار کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ پس عمار اور اسلح کی احادیث اس آیت کا بیان بن گئیں۔

مسئلہ :- اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے یہ کہا کہ تیمم میں کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے۔ حضرت جابر کی حدیث بھی اسی مذہب کی تائید کرتی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا مجھے جنابت لاحق ہو گئی اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا (۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیمم چہرے کے لئے ایک ضرب اور کہنیوں تک بازوؤں کے لئے ایک ضرب۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ایک ہاتھ زمین پر مارا اور اپنے چہرے پر مسح کیا، پھر دوسرا ہاتھ مارا اور کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح کیا۔ اسے حاکم نے روایت کیا، اور اسے صحیح قرار دیا جبکہ شیخین نے اسے نقل نہیں کیا۔ دارقطنی نے کہا اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ نیز ابن صمد کی حدیث میں ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گذرا جبکہ آپ قضائے حاجت کر رہے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ فاغ ہونے کے بعد آپ دیوار کی طرف اٹھے۔ آپ کے پاس جو چھڑی تھی اسی سے اسے رگڑا پھر اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور چہرے اور بازوؤں پر مسح کیا۔ اسے امام شافعی اور نسائی نے اپنی سند سے روایت کیا۔ نسائی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے اس میں ابو عصمہ ہے اور ابن خارجه نے اس کی متابعت کی ہے۔ ابن جوزی نے کہا ان دونوں میں اعتراض کیا گیا، اس میں ایک راوی ابو الحویرث بھی ہے۔ حافظ نے کہا اس میں ضعف ہے۔

میں یہ کہتا ہوں ان میں سے کسی پر بھی جھوٹ کی تہمت نہیں۔ پس یہ حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ گئی۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے کہ آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا اور عبد اللہ بن ابی اوفی کی حدیث کہ ان سے تیمم کے بارے میں پوچھا گیا تو کہانی کریم ﷺ نے حضرت عمار کو حکم دیا کہ وہ اس طرح کرے اور اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر انہیں جھاڑا اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا۔ ایک روایت میں ہاتھوں کی جگہ کہنیوں کا ذکر ہے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ امام ذہبی نے اس سند کے کسی راوی کو بھی ضعیف میں ذکر نہیں کیا مگر عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں کہا یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ ان کے بارے میں جرح کی گئی جبکہ یہ خود سچے ہیں۔ پس یہ حدیث حسن ہے اس باب میں کئی اور ضعیف احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عبد اللہ بن عمر کی ابن صمد جیسی حدیث ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا، اس روایت کا دارودمدار محمد بن ثابت پر ہے جو ضعیف ہے۔ انہیں سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیمم دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے اسے دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں علی بن ظبیان ہے جسے قطان اور ابن معین نے ضعیف قرار دیا۔ حاکم نے کہا یہ سچا ہے۔ سلیمان بن داؤد کی سند سے یہ بھی روایت مروی ہے جبکہ وہ متروک ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں حریش بن حریش ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے بھی روایت مروی ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ تیمم کیا۔ ہم نے اپنے ہاتھ پاک مٹی پر مارے،

پھر ہم نے اپنے ہاتھوں کو جھاڑا، پھر اس کے ساتھ اپنے ہاتھوں پر مسح کیا، پھر ہم نے دوسری دفعہ ہاتھ مارا اور کہنیوں سے ہاتھوں تک مسح کیا۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ اس سند میں سلیمان بن ارقم متروک ہے۔ اس باب میں ابی امامہ کی حدیث ہے جسے طبرانی نے روایت کیا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے کہا تیمم میں ایک ہی ضرب پر اکتفاء کرنا جائز ہے، اسی کے ساتھ اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کر لے کیونکہ حضرت عمار سے مروی حدیث ہے میں ایک سر یہ میں تھا۔ مجھے جنابت کی حالت طاری ہو گئی۔ میں مٹی میں الٹ پلٹ ہوا۔ جب میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تیرے لئے اتنا ہی کافی تھا، آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا، پھر اس میں پھونکا اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا۔ انہیں سے ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تیمم میں فرمایا ایک ضرب منہ اور ہتھیلیوں کے لئے ہے۔ ان دونوں کو امام احمد نے روایت کیا۔ صحیحین میں کئی طرق سے مروی ہے، بخاری کے بعض الفاظ یہ ہیں آپ کے لئے یہ کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اس میں پھونکا پھر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح کیا۔ امام مسلم نے یہ روایت کیا تیرے لئے یہ کافی ہے کہ تو اپنا ہاتھ زمین پر مارے، پھر اس میں پھونک مارے، پھر اپنے چہرے اور ہاتھ پر مسح کرے۔ امام بخاری کے نزدیک یہ الفاظ ہیں تیرے لئے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا کافی ہے۔ میں کہتا ہوں صحیحین کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت کہ حضرت یہ نہیں جانتے تھے کہ تیمم جنسی کے لئے کافی ہے۔ اس وقت انہیں صرف یہی علم تھا کہ یہ صرف محدث کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے محدث کے تیمم پر قیاس کرتے ہوئے مٹی میں پہلو بدلے۔ علماء نے کہا شیخین نے حضرت عمار سے جو حدیث روایت کی ہے وہ اقوی ہے۔ ہم نے کہا اگرچہ ایک ایک سند کے اعتبار سے حضرت عمار کی حدیث اقوی ہے، تاہم جو ہم نے بات ذکر کی ہیں وہ راویوں کی کثرت اور سندوں کے مختلف ہونے کے اعتبار سے صحیح ہیں اور ضعیف ہیں، جو قوت میں صحیحین کی حدیث کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں اس لئے وہ آپس میں متعارض ہو گئیں۔ پس اس لئے ہم نے اپنی روایات کو کئی وجوہ سے ترجیح دی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام احمد نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ وہ آیت کے نزول سے بہت بعد کی ہے اور متاخر روایت مجمل کا بیان نہیں ہو سکتی کیونکہ حاجت کے وقت بیان کا موخر ہونا جائز نہیں ہوتا۔ اگر اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو یہ کتاب اللہ کی ناخ بنتی ہے جبکہ خبر واحد سے کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں۔ اس وجہ سے صحیحین کی روایت کتاب اللہ سے متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی۔

رہی ہماری احادیث ان میں سے کچھ کتاب اللہ کے بیان ہونے میں صریح ہیں کیونکہ وہ اس آیت کے نزول کے وقت کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اس وجہ سے انہیں کتاب اللہ کا بیان بنانا صحیح ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صحیحین کی احادیث تاویل کا احتمال رکھتی ہیں کہ یہ کہا جائے لفظ کف بولا اور مراد یہ لیا کیونکہ جز بول کر کل مراد لیا جاتا ہے یا یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ضرب کی صورت بیان کی اور زمین میں پہلو بدلنے کی نفی کی اس میں تیمم کے تمام اجزاء کو بیان کرنے کا ارادہ نہیں کیا، جس طرح غسل میں فرمایا تیرے لئے یہی کافی ہے کہ تو اپنے سر پر تین چلو ڈال لے اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے اور سارے بدن کو دھونے کا ذکر نہیں کیونکہ وہاں مقصود یہ تھا کہ مینڈیاں کھولنے کی ضرورت نہیں۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ جب احادیث متعارض آجائیں تو ان سے استدلال نہیں کیا جاسکتا پس اس لئے ہم نے وضو پر قیاس کیا اور

اس قیاس پر عمل کر لیا۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ ہم نے احتیاط کو اختیار کیا اور کہنیوں تک مسح کرنے اور دوضر میں لگانے کا حکم دیا۔

مسئلہ:- امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی نماز کے لئے تیمم کرنے کی اجازت ہے جو فوت ہو جائے تو اس کا کوئی نائب نہ ہو، جس طرح نماز عید، اس کے لئے ابتداء میں بھی تیمم کرنا جائز ہے اور وضو ٹوٹنے کی صورت میں بنا کرنے کے لئے بھی تیمم جائز ہے۔ اسی طرح جب ولی کوئی اور ہو تو نماز جنازہ کے لئے بھی تیمم کرنا جائز ہے مگر وقتی نماز اور جمعہ کی نماز کے لئے تیمم نہیں کر سکتا۔

امام مالک اور امام شافعی نے کہا نماز عید اور نماز جنازہ کے فوت ہونے کے خوف کی صورت میں بھی تیمم نہیں کر سکتا کیونکہ ان کی ادائیگی ضروری نہیں کیونکہ دن و دنوں ائمہ کے نزدیک نماز عید سنت ہے واجب نہیں، جبکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، کوئی بھی ادا کر دے تو لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ تاہم ان کے نزدیک وقتی اور جمعہ کی نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر سکتا ہے۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک نماز لوٹانا واجب ہوگا، جبکہ امام احمد کے نزدیک ان میں سے کسی بھی نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم جائز نہیں ہوگا کیونکہ مٹی سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ پانی موجود نہ ہو جبکہ وہ شرط موجود نہیں۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ نے سلام کا جواب دینے کے لئے تیمم کیا۔

مسئلہ:- جب ایک آدمی نے تیمم کے ساتھ نماز پڑھ لی اور اس نے وقت میں پانی پالیا تو اس پر نماز کا لوٹانا واجب نہیں۔ عطاء طاؤس مکتول ابن سیرین اور زہری نے کہا اعادہ کرنا واجب ہوگا۔ ہمارے پیش نظر حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ دو آدمی سفر کے لئے گھر سے نکلے نماز کا وقت ہو گیا جب کہ ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ انہوں نے پاکیزہ مٹی سے تیمم کیا نماز ادا کی۔ پھر وقت میں پانی پایا۔ ان میں سے ایک نے وضو کیا اور نماز لوٹائی، جبکہ دوسرے نے نماز نہ لوٹائی۔ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب کچھ بیان کیا۔ اس آدمی سے فرمایا جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا تو نے سنت کو پالیا اور تیری نماز جائز ہو گئی اور جس نے نماز کا اعادہ کیا تھا اسے فرمایا تیرے دو اجر ہیں (۱) اسے ابو داؤد نسائی، حاکم اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:- جس آدمی کے بعض اعضاء صحیح اور بعض زخمی ہوں وہ صحیح اعضاء کو دھوئے اور زخمی پر تیمم کرے یہ امام شافعی اور امام احمد کا مسلک ہے میرے نزدیک فتویٰ کیلئے یہی پسندیدہ قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا نقطہ نظر یہ ہے اگر اکثر اعضاء صحیح ہوں تو پھر صحیح کو دھویا جائے اور زخمی پر مسح کر لیا جائے، تیمم نہ کیا جائے۔ بصورت دیگر تیمم کر لیا جائے انہیں دھویا نہ جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کے بعض اعضاء صحیح ہیں پس وہ من وجہ پانی پانے والا ہے۔ اس لئے دھونا اس سے ساقط نہ ہوگا اور من وجہ مریض ہے کیونکہ وہ تمام اعضاء پر پانی استعمال کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ پس وہ تیمم کرے گا۔ اس کی تائید حضرت جابر کی حدیث کرتی ہے کہ ہم ایک سفر پر نکلے ایک آدمی کو پھر لگا جس نے اس کے سر کو زخمی کر دیا۔ پھر اسے احتلام ہوا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا تم میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ اس کے ساتھیوں نے کہا ہم تیرے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے، تو پانی پر قادر ہے، اس لئے غسل کر۔ اس نے غسل کیا اور مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں کو فرمایا انہوں نے اسے قتل کیا، اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ جب وہ خود نہیں جانتے تھے انہوں نے دوسروں سے سوال کیوں نہیں کیا۔ بے شک جہالت سے شفاء سوال کرنا ہے۔ اس کے لئے تیمم کافی تھا یا زخم پر پٹی باندھ لیتا اس پر مسح

کرنا اور باقی حصہ دھولیتا۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا اسی سند سے ابن جوزی نے روایت کیا۔

مسئلہ :- ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے جب تک اسے حدیث لاحق نہ ہو یا اسے پانی نہ ملے۔ امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہر نماز میں اسے نیا تیمم کرنا ہوگا۔ ہمارے پیش نظر حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ پاک مٹی مسلمانوں کو پاکیزگی عطا کرنے والی ہے، اگر چہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے جب وہ پانی پائے تو اسے استعمال کرے کیونکہ یہ بہتر ہے (۱) اسے اصحاب سنن نے ابو ذر کی حدیث سے روایت کیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام شافعی نے حضرت ابن عباس کے قول سے استدلال کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ ایک آدمی تیمم کے ساتھ ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھے۔ اسے دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ رافعی نے کہا صحابی کا قول من السنۃ اس سے مراد حضور ﷺ کی سنت ہوتی ہے، یہ مرفوع حکمی ہوتی ہے۔ اس باب میں حضرت علی شیر خدا کا ایک قول بھی ہے جسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور حضرت عمرو بن عاص سے موقوف روایت مروی ہے کہ وہ ہر نماز کیلئے تیمم کرتے تھے۔ قتادہ بھی یہی فتویٰ دیتے۔ دارقطنی نے اپنی سندوں کے ساتھ قتادہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمر ہر نماز کیلئے تیمم کرتے تھے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔

ہم نے کہا ان آثار میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ حضرت ابن عباس کے اثر کا جہاں تک تعلق ہے اس کی سند میں ابو یحییٰ ہے جو حسن بن عمارہ سے روایت کرتا ہے۔ یہ دونوں متروک ہیں۔ حسن نے کہا یہ بہت ضعیف ہے۔ حضرت علی سے مروی اس کی سند میں حجاج بن ارطاہ ہے جسے ابن مہدی اور قطان نے متروک کہا۔ امام اور دارقطنی نے کہا یہ قابل حجت نہیں۔ ابن معین اور نسائی نے کہا یہ قوی نہیں۔ عمرو بن عاص سے مروی اثر یہ منقطع ہے۔ قتادہ اور عمرو کے درمیان شدید ارسال ہے۔ ابن عمر کے اثر کی سند میں عامر الاحوال ہے جس میں علماء نے اختلاف کیا۔ اسے امام احمد اور دوسرے لوگوں نے کمزور کیا اور ابو حاتم اور مسلم نے ثقہ قرار دیا۔ پھر یہ آثار مرفوع صحیح روایت کے معارض نہیں ہو سکتے۔ ہم اسے استحباب پر محمول کرتے ہیں اور ابن عباس کا قول من السنۃ اس سے مراد مستحب ہے واجب نہیں۔

مسئلہ :- جو دو طہارتیں (وضو تیمم) حاصل نہ کر سکے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک نماز نہ پڑھے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر قضا لازم ہوگی، جبکہ امام مالک کے نزدیک قضا لازم نہ ہوگی۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ نماز پڑھے۔ جب پانی پائے تو امام شافعی کے نزدیک نماز کا لوٹانا واجب ہوگا جبکہ امام احمد کے نزدیک نماز نہیں لوٹائے گا۔ ہمارے پیش نظر یہ آیت ہے ولا جنبا یعنی تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم جنبی ہو مگر مسافر یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر تم مریض ہو۔

یہاں حالت جنابت میں نماز سے منع کیا اور پانی پانے والے کے لئے غسل کو نبی کی انتہاء قرار دیا اور جو پانی نہ پائے اس کیلئے تیمم کو نبی کی انتہاء قرار دیا پھر جو دونوں طہارتیں حاصل نہیں کر سکتا وہ غایت نہ ہونے کی وجہ سے نبی میں داخل نہیں ہوگا۔ اگر یہ سوال کیا جائے مسافر نبی سے خارج ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے وہ ایسا مسافر ہے جس نے تیمم کیا ہو اگر یہ مراد نہ ہو تو پھر مسافر بغیر تیمم کے نماز پڑھتا۔

امام شافعی کے لئے یہ کہنا ممکن ہے مسافر نبی سے مطلقاً خارج ہے۔ پھر اس پر تیمم کو واجب کیا گیا ہے اور تیمم کے وجوب کے لئے مٹی پر قدرت شرط ہے تاکہ تکلیف مالا یطاق لازم نہ آئے۔ جب وہ مٹی پر قادر نہ ہو اس سے تیمم ساقط ہو جاتا ہے اور نبی سے خارج رہتا ہے۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا لفظ صلوٰۃ نفی کے تحت داخل ہونے کی بنا پر عام ہے۔ یہ قول کرنا اس پر محمول ہوگا جو طہارت پر قادر نہیں تو یہ بغیر دلیل کے عام کو خاص کرنا لازم آئے گا۔ ہمارے پیش نظر عمار بن یاسر کی حدیث بھی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب سے عرض کیا کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ سفر پر تھے۔ ہمیں جنابت نے آیا آپ نے نماز نہ پڑھی اور میں زمین پر لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی۔ میں نے اس چیز کا ذکر حضور ﷺ سے کیا تو حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تیرے لئے اس طرح کرنا کافی تھا، متفق علیہ۔ اور حضور ﷺ نے حضرت عمر پر نماز چھوڑنے کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار نہ کیا۔

امام شافعی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی روایت سے استدلال کیا کہ انہوں نے اسماء بنت ابی بکر سے ایک بار عاریتہ لیا۔ وہ ہارگم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہار کی تلاش میں کچھ لوگ بھیجے۔ انہیں نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے وضو کے بغیر نماز پڑھ لی۔ جب وہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچے تو اس امر کی شکایت کی تو آیت تیمم نازل ہوئی۔ تو حضرت اسید بن خضیر نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ اللہ کی قسم آپ پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کوئی راہ پیدا فرمادیتا ہے اور مسلمانوں کے لئے اس میں برکت رکھ دیتا ہے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ ایک اور روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ اٹھے۔ آپ نے صبح کی تو پانی موجود نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم والی آیت کو نازل فرمایا۔ تو صحابہ کرام نے تیمم کیا۔ تو اسید بن خضیر نے کہا یہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے اے آل ابی بکر یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہم نے ہار کو وہاں پایا۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے یہ حدیث ہمارے حق میں دلیل ہے، ہمارے خلاف دلیل نہیں کیونکہ حضور ﷺ سے یہ منقول نہیں کہ حضور ﷺ نے نماز پڑھی ہو۔ انہوں نے یہ عمل اپنی رائے سے کیا اگر نماز بغیر طہارت کے جائز ہوتی تو آیت کے نازل ہونے کے بعد تیمم نہ کرتے۔

امام شافعی کا یہ قول کہ نماز کا اعادہ واجب ہوگا، جبکہ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نماز طہارت کے بغیر بھی واجب ہوگی۔ یہ اصول کے قاعدہ کے مطابق باطل ہے کیونکہ وجوب کا سبب وقت ہے جو ایک ہے۔ اس لئے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ واجب کے تکرار کے لئے سبب ہو۔

امام مالک کا قول کہ اس پر قضا نہیں یہ بھی باطل ہے۔ وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ نماز کے ترک کرنے میں اس کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ باطل ہونے کی وجہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے تم سے جو نماز فوت ہو جائے تو اسے قضا کرو۔ یہ فوت ہونے کی صورت میں قضا کے لئے امر ہے۔ یہ اس سے عام ہے کہ یہ ادائیگی کوتاہی کی وجہ سے ہو یا اس کے بغیر ہو۔ کیا تم جانتے نہیں کہ سونے والے پر قضا کا واجب ہونا متفق علیہ ہے، جب کہ اس صورت میں اس کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔

۱۳۱ عفو کا اظہار یوں فرمایا کہ معاملہ کو تمہارے لئے آسان کر دیا اور تمہیں رخصت دی اور تمہارے گناہ بخش دے گا جو تم نے نشہ آور چیز استعمال کر کے نماز پڑھی یا آیت کے نازل ہونے سے پہلے تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھی۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رفاعہ بن زید بن تابوت یہودیوں کا سردار تھا۔ جب حضور ﷺ سے

گفتگو کرتا تو اپنی زبان کو موز کر کہتا اے محمد کان ہماری طرف کیجئے تاکہ ہم آپ کو سمجھائیں۔ پھر اسلام میں طعن کرتا، اس میں عیب لگاتا۔ امام بغوی نے ابن عباس سے ذکر کیا کہ یہ آیت رفاعہ بن زید اور مالک بن حشم کے حق میں نازل ہوئی۔ (۱)

الْم تَرَىٰ الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُشْتَرُونَ الصَّلَاةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضَلُّوا السَّبِيلَ ۗ

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے ہے وہ مول لے رہے ہیں گمراہی کو ہے۔“

اور (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ بہک جاؤ تم بھی راہِ راست سے ہے۔“

۱۔ یہ غیر معین فرد کو خطاب ہے جس پر تَضَلُّوا اور اعد نکم کا کلمہ دلالت کرتا ہے۔ یا قوم کے سردار کو خطاب ہے۔ جب سردار کو خطاب ہو تو قوم اس کے ضمن میں آ جاتی ہے۔ روایت نظر سے مجاز استعمال ہوتا ہے، ورنہ روایت آنکھ سے ہو یا دل سے۔ یہ فعل الی حرف جار کیساتھ متعدی نہیں ہوتا۔

سوال :- یہاں یہ الی حرف جار سے کیوں متعدی ہے۔

جواب :- جب اس سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہو تو پھر یہ فعل نظر کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوگا یا انتہاء کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوگا، خواہ اس سے آنکھ کا یا دل کا دیکھنا مراد لیا جائے۔ اسی وجہ سے الی حرف جار کے ساتھ متعدی کیا۔

۲۔ مدینہ طیبہ کے یہودی ہیں نصیباً کو نکرہ حقارت بیان کرنے کے لئے ذکر کیا، یعنی انہیں کتاب کا تھوڑا سا حصہ دیا گیا۔ اس سے مراد صرف تورات کا پڑھنا ہے، اس کا سمجھنا اور دل سے یقین کرنا نہیں۔

۳۔ یہاں ضلالت سے مراد حضور ﷺ کا انکار ہے جو ہدایت کے بدلے میں حاصل کرتے ہیں، یعنی حضور ﷺ کی بعثت سے قبل جس ہدایت پر وہ پہلے تھے کیونکہ وہ آخر زمانہ میں ایسے نبی کی بعثت پر ایمان رکھتے تھے جو امی ہوگا اور وہ کفار کے خلاف اس کے وسیلہ سے دعا بھی مانگا کرتے تھے یا اس ہدایت کے بدلے گمراہی حاصل کرتے ہیں جو وہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کر کے حاصل کر سکتے تھے۔

۴۔ یعنی اے مومنوں وہ ارادہ کرتے ہیں کہ تمہیں گمراہ کر دیں۔ آیت میں ہمزہ استفہام، تقریر، تعجب اور تحذیر کے لئے ہے، یعنی تحقیق آپ نے ان کی دشمنی کو دیکھ لیا جو وہ آپ سے اور مومنوں سے رکھتے ہیں، جبکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں۔ پس آپ ان سے احتیاط برتیں کیونکہ سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تمہارے بارے میں اس گمراہی کا ارادہ کرتا ہے، جو ابدی ہلاکت کو واجب کرنے والی ہے۔ پس تم اپنے معاملات میں انہیں خیر خواہ نہ سمجھو۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا ذَا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝

”اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو۔ اور کافی ہے (تمہارے لئے) اللہ حمایتی ہے اور کافی ہے اللہ مددگار

(تمہارے لئے) ہے۔“

۱۔ یہ جملہ تحذیر کی تاکید ہے۔

۲۔ یہاں فاعل پر باء زائدہ ہے۔ یہ نسبت فاعل کی نسبت اضافی کے ساتھ تاکید کے لئے ذکر کی گئی کیونکہ حرف الصاق کی زیادتی اس امر

کا فائدہ دیتی ہے کہ قائل ہونا لازم ہے۔

۳۔ وہ تمہارے امور کا والی ہے اور تمہیں نفع دے گا اور تم سے ان کی خفیہ تدبیروں کی مضرتوں کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر تمہیں غالب کر دے گا۔ اس لئے ولایت اور نصرت میں اسی پر اکتفاء کرو، کسی اور کی طرف توجہ نہ کرو کیونکہ وہ سب سے زیادہ عالم بھی ہے اور قادر بھی۔ اس لئے اسی پر اکتفاء کرو کسی اور کو دوست نہ بناؤ، نہ کسی سے مدد مانگو۔ ولینا اور نصیر ایہ دونوں منصوب ہیں یا تو تمہیں ہونے کی بناء پر یا حال ہونے کی بناء پر۔

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا  
وَأَسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لِيَا بِلِسَانِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ ۗ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا  
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمَعُ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا ۗ وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ  
بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۳۱﴾

”کچھ لوگ جو یہودی ہیں ۱۔ پھیر دیتے ہیں ۲۔ اللہ کے کلام کو ۳۔ اس کی اصلی جگہوں سے ۴۔ اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی ۵۔ اور (کہتے ہیں) سنو تم نہ سنائے جاؤ ۶۔ اور (کہتے ہیں) ”راعنا“ کے بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو ۷۔ اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں ۸۔ اور اگر وہ (یوں) کہتے ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور (اسے) مان لیا ۹۔ اور (ہماری عرض) سنئے اور نگاہ (کرم) فرمائیے ہم پر تو ہوتا بہت بہتر ان کے لئے اور بہت درست ۱۰۔ لیکن (اپنی رحمت سے) دور کر دیا انہیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے ۱۱۔ پس نہیں ایمان لائیں گے مگر تھوڑے سے ۱۲۔“

۱۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الَّذِينَ هَادُوا مَاقِيل کے ساتھ متصل ہے اور یہ لِلَّذِينَ أُوْتُوا نَصِيحًا کا بیان ہے یا یہ اعدائکم کا بیان ہے یا یہ نصیر کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے جو یہودی ہیں۔ اس صورت میں ما بعد کلام بحر فون ماقیل کلام کا حال متداخل یا حال مترادف ہوگا۔

۲۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا مَاقِيل کی طرف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی مِنَ الَّذِينَ هَادُوا فَرِيقٌ يُحَرِّفُونَ

۳۔ کلم کلمہ کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ اسم جنس ہے یہ جمع نہیں، جس پر مذکر ضمیر دلالت کرتی ہے جو اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۴۔ اس تاویل کا یہ جواب دیا گیا کہ ضمیر کے مذکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے يُحَرِّفُونَ بَعْضَ الْكَلِمِ عَنْ مَوَاضِعِهِ۔ علامہ تفتازانی نے اس کو پسند کیا کہ یہ اسم جنس ہو اور کہا جس نے اس کے جمع ہونے کا انکار کیا۔ اس نے اصطلاحی جمع ہونے کا انکار کیا اور جس نے اس کے جمع ہونے کو ثابت کیا اس نے یہ ارادہ کیا کہ یہ معنوی جمع ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت اس کے کلام ہونے کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں واو زائد ہے یعنی وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا اِذَا اسطرخ مصحف حصہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس کی قرأت اس طرح ہے مِنَ الَّذِينَ هَادُوا مَنْ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ یعنی ان میں تبدیلی کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تورات میں جس جگہ سے رکھا ہے اسے ہٹا دیتے ہیں۔ یہاں الْكَلِم سے مراد حضور ﷺ کی نعت ہے کیونکہ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ اللہ

تعالیٰ نے تورات میں حضور ﷺ کی یہ صفات بیان فرمائیں سرگمیں کشادہ آنکھیں، درمیانہ قد، گھنگریالے اور خوبصورت بال جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو یہودی علماء آپ سے حسد کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں آپ کی صفات کو بدل دیا اور کہتے ہم اپنے ہاں آپ کی صفات نہیں پاتے اور کہتے ہمارے ہاں تو نبی امی کی یہ صفات ہیں: وہ طویل ہوں گے، نیلی آنکھیں اور لٹکے ہوئے بال اور اپنے بیچ لوگوں سے یہ کہتے یہ وہ نہیں ہے، یہ وہ نہیں ہے۔ انہوں نے عامی لوگوں پر صفات کو خلط ملط کر دیا۔ انہوں نے یہ اس لئے کیا کیونکہ یہ لوگ ان کی روزی کا ذریعہ تھے۔ یہ ان علماء کی خدمت کرتے۔ ان علماء کو خوف لاحق ہوا اگر یہ زیر دست لوگ مسلمان ہو گئے تو ان کی روزی منقطع ہو جائے گی۔

بنغوی نے کہا حضرت ابن عباس نے کہا یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے آتے، کسی معاملہ میں سوال کرتے۔ آپ انہیں بتا دیتے۔ وہ ظاہر یہ کرتے کہ وہ آپ کی بات کو قبول کرتے ہیں۔ جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ جاتے تو آپ کے کلام میں تبدیلی کر دیتے (۱) اس وجہ سے یہاں کلم سے مراد مطلق کلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تورات میں سے کلمات کو اپنی جگہ سے پھرنے سے مراد یہ ہے کہ ان آیات کا ایسا معنی کرنا جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہ ہو جس طرح امت مسلمہ کے اہل صواء (باطل فرقے) اس قرآن میں کرتے ہیں۔ تحریف کلمات کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ وہ ذومعنی کلمہ بولیں جو مدح اور ذم تو قیر و تحقیر دونوں کا احتمال رکھتا ہو، وہ مدح کو ظاہر کرتے ہیں اور ذم کو چھپاتے ہیں۔

یَقُولُونَ كَا عَطْفٍ يُحَوِّقُونَ پر ہے۔ اگر تحریف سے مراد تورات کی تحریف ہے تو یہ جملہ تحریف میں شامل نہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے ہیں اور یہ ان کے کفر کا بیان ہے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے ہم سماع کے بعد آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے کہتے ہم نے محمد ﷺ کی بات سنی اور اس کی نافرمانی کی۔ یا یہ مراد ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کے پاس بات کو سنا اور اپنی قوم کے پاس جا کر نافرمانی کی۔ یہ ان کے نفاق کا بیان ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ انکی بعض تحریفات کا بیان ہو کیونکہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں یہ کہتے سمعنا۔ یہ ذومعنی لفظ ہے جس کا مفہوم یہ بھی ہے ہم نے قبول کرنے کے ساتھ سنا اور یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے ہم نے قبول کرنے کے بغیر سنا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان کے قول سمعنا و عصینا کا بیان ہو جو ان کے سماع کے بعد ان کی نافرمانی کے ثابت ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ قول کے قائم مقام ہوتی ہے، یعنی وہ آپ کی بات کو سنتے ہیں پھر آپ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

۱۰۰ ایک قول یہ کیا گیا وہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہتے آپ ہماری بات سنیں پھر اپنے دل میں کہتے آپ نہ سنیں۔ یہ بددعا یہ کلمات ہیں یعنی آپ بہرے ہو جائیں یا موت آ جائے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ وہ بلند آواز میں یہ کہتے جبکہ یہ کلمہ ذومعنی ہے جو تعظیم اور دعاء کا احتمال رکھتا ہے، یعنی آپ سنیں آپ کو کوئی ناپسندیدہ چیز نہ سنائی دے کیونکہ جب کوئی آدمی کسی کو گالی دے تو عرب کہتے ہیں اسمع فلان فلانا یہ گالی کا احتمال بھی رکھتا ہے، یعنی ہماری بات سنیں ہم آپ کے لئے ان الفاظ کے ساتھ بددعا کرتے ہیں لا سمعت یا اس کا مفہوم یہ ہے آپ کو ایسا جواب نہ سنائی دے جس سے آپ راضی ہیں۔ یا معنی یہ ہوگا آپ سنیں جبکہ آپ جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس کا آپ کو جواب نہ دیا جائے یا آپ ایسا کلام سنیں جو آپ کو سنائے نہ دے کیونکہ آپ کے کان سننے سے انکار کرتے ہیں۔



اس صورت میں یہ مفعول بہ ہوگا۔

۷۔ راعنا یہ کلمہ بھی ذومعنی ہے کیونکہ عربی زبان میں تو اس کا معنی ہے ہماری رعایت کیجئے نگاہ کرم کیجئے، کہ ہم آپ سے گزارش کریں۔ عبرانی یا سریانی زبان میں اس کا معنی گالی ہے کیونکہ وہ آپس میں اسی کے مشابہ گالی دیتے تھے۔ وہ کہتے راعینا وہ دین کا مذاق اڑانے اور رسول اللہ ﷺ کا ٹھٹھا کرنے کے لئے ایسا کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رحمتوں سے دور کرے۔

۸۔ لیتا اللہ تعالیٰ کے فرمان یقولون کا مفعول لہ ہے، یعنی وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی زبانوں سے حق کو باطل کے ساتھ اور ظاہری تعظیم کو باطنی گالی کیساتھ ملا دیں۔

۹۔ دین میں طعن کرنے کے لئے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے۔ اگر یہ نبی برحق ہوتا تو جو کچھ ہم دلوں میں اس کے لئے چھپائے ہوئے ہیں اس کو ضرور ظاہر کر دیتا۔

۱۰۔ اگر خفیہ یا اعلانیہ سمعنا اور عصینا کے قول کی جگہ سمعنا اور اطعنا کہتے۔

۱۱۔ صرف و اسمع کہتے ساتھ غیر مسمع نہ کہتے اور راعنا کی جگہ وانظرنا کہتے تو ان کا یہ قول ان کے لئے زیادہ بہتر اور مناسب ہوتا۔ ۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کر دیا اور ہدایت سے دور کر دیا۔ ان کے کفر کی وجہ سے یہ لعنت اس امر کا نتیجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی توفیق نہ دی جو ان کے حق میں بہترین اور مناسب تھی۔

۱۳۔ قلیلاً مفعول مطلق یا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِلَّا اِيْمَانًا قَلِيْلًا وَتَصْدِيْقًا لَا يَعْباُ بِهِ شَرْعًا یعنی ایسی تصدیق جس کا شرع میں اعتبار نہیں اور وہ بعض کتابوں، بعض رسولوں پر ایمان یا ظاہر میں ایمان مگر نفاق کے ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ قلت سے مراد عدم لیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قلیلاً منہم سے مراد عبد اللہ بن سلام اور ان جیسے لوگ ہیں۔

اس تاویل پر یہ اعتراض کیا گیا کہ کلام منفي میں مستثنیٰ کا منصوب ہونا نحو یوں کے نزدیک پسندیدہ نہیں، اگرچہ ابن حاجب نے اس کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ تمام قراء اسے منصوب پڑھنے میں متفق ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے فرمان لعنہم کو ان کی اکثریت پر لعنت مراد لی جائے جو جمہور کی تفسیر کے خلاف ہے۔ تفتازانی نے کہا یہ لعنہم اللہ سے مستثنیٰ ہے واللہ اعلم۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی علماء کے سرداروں سے کلام کی جن میں عبد اللہ بن صورت اور کعب بن اسید تھے۔ حضور نے فرمایا اے یہودیوں کی جماعت اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو۔ اللہ کی قسم تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جو پیغام حق میں تمہارے پاس لایا ہوں وہ حق ہے۔ انہوں نے کہا اے محمد رسول اللہ ﷺ ہم اسے نہیں پہچانتے انہوں نے کفر پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ائْمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ  
نُطِيسَ وُجُوهًا قَرَرَدَهَا عَلَىٰ آدْبَارِهَا أَوَّلُنَّ لَعْنَهُمْ كَمَا لَعْنَا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۗ وَ  
كَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۴۰﴾

”اے وہ لوگو جنہیں دی گئی کتاب! ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے اسے تاکہ تصدیق کرے اس کتاب

کی جو تمہارے پاس ہے (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے سے پھر پھیر دیں انہیں پشتوں کی طرف  
 ۱۔ یا لعنت کریں ان پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے ہے۔“

۱۔ کتاب سے مراد تورات ہے۔

۲۔ یعنی حضرت محمد ﷺ پر قرآن۔

۳۔ یعنی تورات۔

۴۔ وجوہا کے اوپر تین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وجوہ حکم طمس کا اصل معنی اثر کو زائل کرنا ہے معنی یہ ہو  
 گا ہم چہرے کے آثار منادیں گے جیسے کان آنکھ منہ اور ابرو۔

۵۔ ہم اسے گدی کی جانب پھیر دیں گے ایک قول یہ کیا گیا ہم منہ کو بال اگنے کی جگہ بنا دیں گے جس طرح بندروں کے منہ کیونکہ  
 انسانوں کے بالوں کے اگنے کی جگہ چہرے کی پشتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہم اسے اونٹ کے پاؤں کی طرح بنا دیں گے قنود  
 اور سخاک نے کہا ہم تمہیں نابینا بنا دیں گے۔ وجہ سے مراد آنکھ ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کی صورتیں مسخ کرنے کا حکم دیا تھا جس کے اوپر وہ روایت  
 دلالت کرتی ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے جب اس آیت کو سنا تو گھر جانے سے پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ ان کا  
 ہاتھ ان کے منہ پر تھا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا عرض کی یا رسول اللہ مجھے ڈرتا تھا کہ آپ تک پہنچنے سے پہلے میرا منہ میری گدی کی  
 طرف نہ پھیر دیا جائے۔ اسی طرح وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو کعب الاحبار سے مروی ہے جب انہوں نے اس آیت کو سنا تو  
 حضرت فاروق اعظم کے دور میں مسلمان ہو گئے۔ عرض کی اے میرے رب میں ایمان لایا اے میرے رب میں مسلمان ہوا۔ یہ باتیں  
 انہوں نے اس لئے کہیں کہ وہ اس وعید کے لاحق ہونے سے خوفزدہ تھے (۱) لیکن یہودی ایمان بھی نہ لائے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا  
 بھی نہ دی۔

ہم یہ کہتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا کہ قیامت کے برپا ہونے سے قبل یہ مسخ یہود میں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ وعید صرف اس  
 صورت میں تھی جب ان میں سے کوئی بھی اسلام نہ لائے جب حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے اسلام قبول کر لیا تو باقی  
 لوگوں سے اس وعید کو اٹھالیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ منع خلو کے طریقہ پر انہیں مسخ اور لعنت کی وعید کی ان پر لعنت کر دی گئی۔ اس وجہ  
 سے یہ وعید ثابت ہو گئی۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے روز مسخ کرے گا۔

ابن عساکر اور خطیب نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی یَوْمَ يُنْفَخُ فِي  
 الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَقْوَابًا فرمایا میری امت دس جماعتوں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ ایک جماعت بندروں کی صورت میں، ایک  
 جماعت خزیروں کی صورت میں، ایک جماعت کتوں کی صورت میں، ایک جماعت گدھوں کی صورت میں۔ ہم نے اس حدیث کو اس  
 آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ مجاہد نے کہا نطمس وجوہا سے مراد یہ لیا گیا ہے کہ ہم انہیں گمراہی میں چھوڑ دیں گے تو پھر اس سے  
 مراد دل کے چہرے کو مسخ کرنا اور ہدایت سے لوٹا دینا ہے۔

لیکن اس پر یہ سوال وارد ہوگا کہ یہ تاویل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہودیوں کے دل اس سے پہلے صاف تھے۔ ابن زید نے



کے ساتھ حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ ہم گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے کے لئے مغفرت طلب کرنے سے رک جاتے تھے، یہاں تک کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کو سنا۔ فرمایا میں نے دعاء شفاعت اپنی امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ذخیرہ کر رکھی ہے۔ یہ سن کر ہمارے دلوں میں جو خیالات تھے اس سے رک گئے۔ پھر ہم دعا کرنے لگے اور اس کی قبولیت کی امید بھی رکھتے ہیں۔

امام بغوی نے کلبی سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ یہ آیت وحشی اور اس جیسے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے حضرت حمزہ کو قتل کیا تو اس سے وعدہ کیا گیا کہ اگر تو نے ایسا کر دیا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا لیکن اس کا وعدہ پورا نہ کیا گیا۔ جب یہ مکہ مکرمہ آیا تو یہ اور اس کے ساتھی اپنے کئے پر نادم ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف خط لکھا اور کہا جو کچھ ہم نے کیا اس پر شرمندہ ہیں۔ ہمیں اسلام سے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ ہم نے آپ سے سن رکھا ہے جب کہ آپ مکہ مکرمہ میں تھے وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ، جبکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی بجائے اوروں کی عبادت بھی کی، ہم نے ناحق قتل بھی کئے اور بدکاری کا ارتکاب بھی کیا۔ اگر یہ آیات نہ ہوتیں تو ہم ضرور آپ کی اتباع کرتے تو یہ دو آیتیں (۱) نازل ہوئیں حضور ﷺ نے ان دونوں آیات کو ان کی طرف بھیجا جب انہوں نے انکو پڑھا تو کہا یہ تو بڑی سخت شرط ہے، ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم اچھا عمل نہ کر سکیں تو یہ آیات نازل ہوئیں إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ تُوْحُور ﷺ نے یہ آیت ان کی طرف بھیجی۔ انہوں نے پھر پیغام بھیجا اگر ہم ان لوگوں میں سے نہ ہوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہو تو یہ آیت نازل ہوئی لِيُعَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ حضور ﷺ نے یہ آیت ان کی طرف بھیجی تو وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آپ نے انہیں قبول کر لیا پھر حضور ﷺ نے وحشی سے پوچھا مجھے بتاؤ نے حضرت حمزہ کو کیسے شہید کیا؟ جب اس نے آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا تو ہلاک ہو، اپنے چہرہ کہ مجھ سے غائب رکھ۔ تو وحشی شام چلا گیا وہ موت تک وہاں ہی رہا (۱) اگر یہ کہا جائے یہ قصہ مغفرت کے مشیت کے ساتھ مقید ہونے کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو پھر مرحہ کا مذہب ثابت ہو گیا۔

ہم کہتے ہیں یہ تہمید نسخ کا احتمال نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی چیز بھی نہیں پائی جاسکتی وہ بخشش ہو یا کوئی اور ہو۔ لیکن اس آیت لِيُعَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا کا وحشی کے حق میں نازل ہونا اس کے اہل مشیت ہونے پر دلالت ہے واللہ اعلم۔

امام بغوی نے ابو بکر سے، انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی لِيُعَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا تو ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا، اس نے عرض کی شرک۔ یا رسول اللہ۔ آپ خاموش رہے پھر دو تین دفعہ کھڑا ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (ب)

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 453 (التجاریہ)

(۱) إِلَّا مَنْ تَابَ اور وَعَجَلَ عَمَلًا ضَالِحًا

(ب) ابو یعلیٰ اور ابن ابی حاتم نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بندہ بھی جب فوت ہوتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا تو اس کے لئے مغفرت حلال ہو جاتی ہے۔ اگر چاہے تو بخش دے، اگر چاہے تو عذاب دے، اگر چاہے تو مستثنیٰ کر دے اور یہ آیت پڑھی إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ..... ابو یعلیٰ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس سے کسی عمل پر ثواب کا وعدہ کرے تو وہ اسے پورا کرتا ہے اور جس سے وہ کسی پر سزا کا وعدہ کرے تو اسے اختیار ہے۔ طبرانی نے مسلمان سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک گناہ نہیں بخشا جاتا، ایک گناہ نہیں چھوڑا جاتا اور ایک گناہ بخش دیا جاتا ہے۔ جسے نہیں بخشا جاتا وہ شرک ہے، جو گناہ بخش دیا جاتا ہے وہ حقوق اللہ ہیں اور جسے نہیں چھوڑا جاتا وہ حقوق العباد میں لوگوں کا ایک دوسرے پر ظلم ہے۔

امام بغوی نے مطرف بن عبد اللہ بن شخیر، سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جب کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا مر جاتا تو ہم یہ گواہی دیتے کہ وہ جہنمی ہے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ہم ایسی باتوں سے رک گئے۔ امام بغوی نے کہا حضرت علی سے بیان کیا گیا کہ یہ آیت قرآن کی تمام آیات سے زیادہ امید دلانے والی ہے۔ (1)

۳۔ افراء کا معنی فساد برپا کرنا ہے اور افتراء جھوٹ شرک اور ظلم میں استعمال ہوتا ہے۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔ معنی یہ ہوگا جس نے فساد برپا کیا اور جھوٹ بولا۔

۴۔ انما مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اس نے ارتکاب کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو معنی یہ ہوگا کہ اس نے بڑا گناہ کیا جس کے مقابلے میں ہر گناہ حقیر ہیں۔ اس گناہ اور دوسرے گناہوں کے درمیان یہی فرق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو چیزیں ثابت شدہ ہیں۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ کونسی دو چیزیں ثابت ہیں؟ فرمایا جو فوت ہو جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو مرے اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا تھا تو جہنم میں داخل ہوگا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ نے سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا اور آپ سوئے ہوئے تھے۔ پھر میں حاضر ہوا جب کہ آپ بیدار ہو چکے تھے فرمایا جو بندہ کہے لا الہ الا اللہ پھر وہ اسی حالت پر مر گیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ میں نے عرض کی اگر چہ وہ بدکاری کرے اور چوری کرے؟ آپ نے فرمایا اگر چہ وہ بدکاری کرے اور چوری کرے۔ میں نے پھر عرض کی اگر چہ وہ بدکاری اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا اگر چہ وہ بدکاری کرے اور چوری کرے میں نے پھر عرض کی اگر چہ وہ بدکاری اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا اگر چہ وہ بدکاری کرے اور چوری کرے۔ حضرت ابو ذر جب بھی اس حدیث کو بیان کرتے تو یہ کلمات ضرور ذکر کرتے اگر چہ ابو ذر کی ناک خاک آلود ہو (2) متفق علیہ۔ اس باب میں کثیر احادیث ہیں۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس اور ابن جریر نے اسی کی مثل عکرمہ ابو مالک مجاہد اور دوسرے محدثین سے روایت کیا ہے کہ یہودی بچوں کو افضل جانتے، ان کے ساتھ نماز پڑھتے، ان کی طرف سے قربانیاں کرتے اور گمان کرتے ان کا کوئی گناہ نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت نازل فرمایا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمْ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۳۱﴾

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جو پاکباز بتلاتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ (یہ تو اللہ کی شان ہے کہ) پاکباز بنا

دے جسے چاہے اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے سچ کھجور کی گھنٹی کے ریشہ کے برابر سچ۔“

۱۔ یہاں ہمزہ استفہام اس آدمی کی حالت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لئے ہے جو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک ظاہر کرتا ہے اور اپنے آپ کو پاکیزہ ظاہر کرنے کا مقصود لوگوں میں اپنی بڑائی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ مقام اپنے آپ کو پاکیزہ ظاہر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ لوگوں کی آنکھوں میں اپنے آپ کو گرانا کا باعث بن جاتا ہے۔ انسان کو بلند مقام اور تزکیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تزکیہ اور اسے

بندوں میں بلند کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ (1)

امام بغوی نے اور ثعلبی نے کلبی سے ذکر کیا کہ یہ آیت یہودیوں کے چند افراد کے بارے میں نازل ہوئی جن میں بحری بن عمرو نعمان بن اونئی، مرحب بن زید شامل ہیں یہ اپنے بچے حضور ﷺ کی خدمت میں لائے، عرض کی کیا ان پر کوئی گناہ ہے؟ فرمایا نہیں۔ کہنے لگے ہم بھی انہیں کی حالت پر ہیں۔ ہم دن کے وقت جو عمل کرتے ہیں رات کو انہیں بخش دیا جاتا ہے اور ہم رات کو جو عمل کرتے ہیں دن کے وقت انہیں بخش دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

حضرت حسن بصری، ضحاک اور قتادہ نے کہا یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی، جب انہوں نے یہ کہا: *خُنْ أَبْنَاؤُا اللّٰهِ وَآجِبْنَاؤُا* اور انہوں نے کہا: *لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُوَ ذَا أَوْ تَصْرَفِي*

میں کہتا ہوں اگرچہ اس آیت کا نزول خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو گناہوں سے پاک ظاہر کرتے۔ طارق بن شہاب سے روایت مروی ہے، وہ حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک ایک انسان صبح گھر سے نکلتا ہے اور اس کے پاس اس کا دین ہوتا ہے۔ پھر وہ ایسے آدمی کے پاس آتا ہے جو اس کے لئے اور نہ اپنے لئے کسی نفع و نقصان کا مالک ہوتا ہے۔ یہ اسے کہتا اللہ کی قسم تو فلاں فلاں ہے۔ واپس گھر آتا ہے تو دین میں سے کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہوتی پھر آپ نے یہ آیت پڑھی *أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ* (2)

مسئلہ: کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو پاک ظاہر کرنے اپنی تعریف کرے اور اپنی طرف گناہوں سے طہارت کی نسبت ظاہر کرے۔ اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ غیر کے بارے میں ایسا حکم لگائے بلکہ اس کے بارے میں حسن ظن رکھے کیونکہ قطعی علم کے بغیر حکم لگانا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے *وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ* نفس کے تزکیہ کا اظہار انسان کو عجب اور تکبر کی طرف لے جاتا ہے جن سے نہی کر دی گئی۔ حقیقت میں ہر ایک کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا قرب و ثواب ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

۲۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی طہارت کا حکم لگاتا ہے اور اسے بخشش کے ذریعے گناہوں سے پاک فرماتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے صالح بنا دیتا ہے۔ کیونکہ وہی پاک کرنے پر قادر ہے اور انسان کے اندر کے بھیدوں سے وہ عظیم و خیر ہے۔ اس میں اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی یا الہام کے ذریعے علم ہونے کے بعد اپنے آپ یا غیر کی پاکیزگی کا اظہار کرنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس کا اظہار تکبر کی وجہ سے نہ ہو کیونکہ یہ نفس کے رذائل ہیں۔ احادیث طیبہ میں جو کچھ وارد ہوا ان کا معنی بھی وہی ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں، یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ سورہ بقرہ میں حضور ﷺ کا ارشاد گزر چکا ہے کہ میں آسمانوں میں امین ہوں، زمین میں بھی امین ہوں۔ یہ ارشاد آپ نے اس وقت فرمایا جب منافقوں نے یہ کہا کہ آپ نے تقسیم میں زیادتی کی اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے تم میرے بعد زیادہ عدل کرنے والا نہیں پاؤ گے۔ اسے طبرانی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔ امام احمد نے ابو سعید سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق جنتیوں میں سے کئی عمر کے لوگوں کے سردار ہوں گے اور فرمایا حضرات حسن و حسین جنتیوں کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور فرمایا فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار

ہیں (۱) اسی طرح اولیاء اللہ کے کلام میں جو وارد ہے اور وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی وجہ سے ہے جس طرح غوث اعظم کا یہ قول میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

سے جمع کی ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی جنکا تزکیہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کی پاکیزگی پر انہیں بدلہ دیا جائے گا اور ان کے ثواب میں کمی نہ کی جائے گی یا ضمیر تمام لوگوں کی طرف لوٹ رہی ہے جو سابقہ کلام میں سمجھے جا رہے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ پاکیزہ بنانے میں کسی پر ظلم نہیں کرے گا، جو اسکا اہل ہوگا اسے پاکیزہ بنایا جائے گا اور جو اہل نہیں ہوگا اس کو چھوڑ دے گا۔ یا ضمیر الذین یز کون انفسہم کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ انہیں کو ان کے جرم کے مطابق سزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔

یہ صحاح میں فیصلہ کا معنی انگلیوں سے کسی چیز کو بننا اور حقیر چیز کے لئے اسے ضرب المثل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ دھماکہ ہے جو کھجور کی تنھلی کے شت میں ہوتا ہے۔ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی ان پر معمولی ظلم بھی نہ کیا جائے گا۔

### أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۗ وَ كَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مِّمِّنَّا ۝

”دیکھئے کیسے گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے (انہیں رسوا کرنے کے لئے) یہ کھلا گناہ۔“

۱۔ اے محمد ﷺ ان یہودیوں کو دیکھئے تو سہمی یہ کیسے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں یا یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ جو وہ برائے دن کے وقت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں رات کے وقت بخش دیتا ہے اور جو رات کے وقت عمل کرتے ہیں انہیں دن میں بخش دیتا ہے۔ ان کا یہ بہتان واضح طور پر باطل ہے کیونکہ ان کا قول کہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں، بدیہی طور پر باطل ہے اسے کسی دلیل کی ضرورت نہیں اور ان کا یہ قول گناہوں میں سے واضح گناہ ہے۔ کفٰی بہ والا جملہ حرف قد کے مقدر ہونے کے ساتھ یفترون کے فاعل سے حال ہے واللہ اعلم۔

مفسرین نے کہا کہ غزوہ احد کے بعد کعب بن اشرف ستر یہودی سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا تا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ان سے معاہدہ کرے اور جو اس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وعدہ ہے اسے توڑ دے۔ کعب ابوسفیان کے پاس گیا ابوسفیان نے اسی بڑی عزت دی۔ دوسرے یہودی قریش کے گھروں میں ٹھہرے۔ اہل مکہ نے کہا تم اہل کتاب ہو اور حضرت محمد ﷺ بھی اہل کتاب ہیں۔ ہم اس سے بے خوف نہیں کہ یہ تمہاری طرف سے خفیہ تدبیر ہو۔ اگر تم یہ ارادہ رکھتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ اس مہم میں نکلیں گے تو ان دونوں بتوں کو بجدہ کرو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ کعب نے اسی طرح کیا۔ پھر کعب بن اشرف نے اہل مکہ سے کہا تم میں سے اور ہم میں سے تم میں آدی آئیں۔ ہم اپنے سینے کعب کے ساتھ لگائیں گے اور اس گھر کے مالک کے ساتھ معاہدہ کریں گے کہ ہم حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے میں پوری پوری کوشش کریں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (2)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْحِجَابِ وَالطَّاعُوتِ وَ

يَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ أَهْلُ الْهُدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝

”کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں حجت اور

طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔“

۱۔ طبرانی اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس سے سابقہ واقعہ ہی ذکر کیا تاہم جبت اور طاغوت کی تفسیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا یہ دو بت تھے جن کی مشرک اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے۔ ہم نے اس قصہ کو جو بیان کیا ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ انہیں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حبشہ کی زبان میں جب شیطان کو کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں شائد اس بت کا نام بھی اسی نام سے رکھا گیا۔

ابو عبید نے کہا اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت بھی کی جاتی ہے اسے جبت اور طاغوت کہتے ہیں۔ لیکن عطف ان دونوں میں مغائرت کا تقاضا کرتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے جبت کی اصل جیس ہے جیس اسے کہتے ہیں جس میں کوئی خیر نہ ہو پھر اس کی سین کو تاء سے بدل دیا طاغوت طغیان سے فعلوت کے وزن پر ہے، جس کا معنی کفر و عصیان میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اس کی اصل طغوت ہے۔ اس کے لام کلمہ کو عین کلمہ سے بدل دیا، پھر اس کی واؤ کو اس کے متحرک ہونے اور ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل دیا، اس طرح یہ طاغوت بن گیا۔ صحاح اور قاموس میں اسی طرح ہے۔ اس لئے جبت کا اطلاق ایسی چیز پر کرنا جائز ہے جس میں کوئی خیر نہ ہو اور طاغوت جو عصیان میں حد سے تجاوز کر جائے۔ اسی وجہ سے حمی بن اخطب کو جبت اور کعب بن اشرف کو طاغوت کا نام دیا گیا۔ ضحاک نے بھی اسی طرح کہا۔

عمر دشعی اور مجاہد نے کہا جبت سے مراد جادو اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا جبت سے مراد کابن اور طاغوت سے مراد جادو گر ہے۔ سعید بن جبیر اور ابو العالیہ نے اس کے برعکس کہا۔

امام بغوی نے اپنی سند سے قبیلہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عیافہ (ا) طرق (ب) اور طیرہ (ج) جبت میں سے ہیں، یعنی ان میں کوئی خیر نہیں میں کہتا ہوں یہاں جو چیز ظاہر ہے کہ جبت سے مراد بت ہیں کیونکہ ان میں کوئی خیر نہیں اور طاغوت سے مراد بتوں کے شیاطین ہیں۔ ہر بت کا ایک شیطان تھا جو اس کی طرف سے تعبیر کرتا اور لوگ اس کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتے۔ امام بیہقی نے ابو لطفیل سے روایت کی کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو عزی بت گرانے کے لئے بھیجا۔ ابو لطفیل نے کہا حضرت خالد نے بول کے درخت کاٹ دیئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور آ کر خبر دے دی، فرمایا تو نے کوئی چیز بھی دیکھی؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو نے اس کو نہیں گرایا۔ حضرت خالد پھر لوٹے، جب پجاریوں نے حضرت خالد کو دیکھا تو پہاڑ میں بھاگ گئے اور وہ کہہ رہے تھے اسے ہلاک کر دے، ورنہ خود ذلیل ہو کر مر جاتا ایک عورت نکلی جس کا رنگ سیاہ، جسم لباس سے خالی، بال بکھرے ہوئے، وہ اپنے سر اور چہرے پر مٹی ڈال رہی تھی۔ حضرت خالد نے تلوار سونت لی۔ آپ فرما رہے تھے اے عزی میں تیرا انکار کرتا ہوں، اب تیری پاکی نہیں بیان کرتا۔ میں نے دیکھ لیا اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل و رسوا کیا۔ اسے تلوار ماری اور دو ٹکڑوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹے اور آپ کو خبر دی حضور ﷺ نے فرمایا وہی عزی تھی اب وہ ہمیشہ کے لئے تمہارے

(ا) عافیہ، پرندوں کو جھڑکنا، ان کے ناموں، آوازوں اور ان کے گزرنے سے فال پکڑنا۔ باب یہ ہے عاف یعینف عینفا۔ نہایہ

(ب) طرق، ٹنگریاں پھینکنا، عورتیں اس سے فال پکڑتی ہیں۔ نہایہ

(ج) طیرہ، کسی بھی چیز سے فال پکڑنا، اصل میں پرندوں یا بہرنوں کے گزرنے سے فال پکڑنا، تاہم اب یہ عام استعمال ہوتا ہے۔ نہایہ۔ از مؤلف رحمۃ اللہ



شہروں میں عبادت کئے جانے سے مایوس ہو گئی بل الرشاد میں اسی طرح ہے واللہ اعلم

امام احمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے جب کعب بن اشرف مکہ مکرمہ میں آیا قریش نے کہا ہمیں بتاؤ تو کہی یہ بے اولاد اپنی قوم سے کٹا ہوا گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے جبکہ ہم حج کے متولی کعبہ کے متولی اور حاجیوں کو پانی پلانے والے ہیں۔ کعب بن اشرف نے کہا تم اس سے بہتر ہو تو یہ آیت نازل ان شَانِئَتُكَ هُوَ الْاَبْتَرُ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۔ یعنی کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ کفار مکہ مومنوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ قریش بنو عطفان اور بنو قریظہ کو غزوہ احزاب میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرانے والے حی بن اخطب سلام بن ابی الحقیق ابورافع ربیع بن حقیق ابوعمارہ اور ہودہ بن قیس تھے۔ یہ سب بنو نضیر سے تعلق رکھتے تھے۔ جب یہ قریش کے پاس آئے تو کفار نے کہا یہ یہودیوں کے علماء ہیں اور پہلی تمام کتابوں کا علم رکھتے ہیں، ان سے پوچھو کیا ہمارا دین بہتر ہے یا حضرت محمد ﷺ کا دین بہتر ہے۔ ان لوگوں نے کہا تمہارا دین بہتر ہے اور تم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو مُلْكًا عَظِيمًا تک نازل فرمایا۔

امام بغوی نے ذکر کیا ہے کہ جب ابوسفیان نے کعب سے اس بارے میں پوچھا تو کعب نے کہا مجھے اپنے دین کی باتیں پیش کرو۔ ابوسفیان نے کہا ہم حاجیوں کے لئے کوہان والی (موٹی) اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں، انہیں پانی پلاتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں، بیت اللہ کو آباد رکھتے ہیں، اس کا طواف کرتے ہیں اور ہم اہل حرم ہیں، جبکہ حضرت محمد نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا، قطع رحمی کی حرم کو چھوڑ دیا۔ ہمارا دین قدیم ہے جبکہ محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔ کعب نے کہا تم حضرت محمد ﷺ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ (۱)

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝

”یہی (وہ بد نصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار۔“

۱۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دے۔ اے مخاطب تو اس کا کوئی مددگار نہیں پائے گا، یعنی دنیا میں جنگ کی صورت میں اور آخرت میں عذاب کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اس آیت میں ان یہودیوں کا رد ہے جو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے قریش سے مدد کے طالب تھے اور ان کے ساتھ معاہدہ کرنے چاہتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بخل اور حسد کا ذکر کیا جو انتہائی بری خصلتیں ہیں کیونکہ وہ اپنے مال کو روکتے تھے اور دوسروں کے مال کے ضائع ہونے کی تمنا کرتے تھے۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذْ لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝

”کیا ان کے لئے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہو مہتو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر۔“

۱۔ یہاں ام مقطوعہ ہے۔ ہمزہ کے معنی میں ضمنا اس کا انکار موجود ہے کہ ان کے لئے کوئی حکومت میں حصہ ہے اور اس گمان کی بھی نشی

ہے کہ وہ خیال کرتے کہ حکومت آخر کار انہیں کی طرف لوٹ آئے گی۔ یا نصیباً من الملک سے مراد سرداری ہے جس کے فوت ہونے کے خوف سے یہودیوں نے حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سیادت کا انکار کر دیا کیونکہ اس کے لوازم ان میں موجود نہیں وہ سخاوت ہے۔ وہ اس طرح کہ ان کے انتہائی بخیل ہونے کو ثابت کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس میں یہ ارشاد کیا جا رہا ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت کا انکار اگر نفع مند ہوتا تو انہیں فائدہ دیتا جنہیں حضور ﷺ کی نبوت کے ظہور سے اپنی سیادت کے ختم ہونے کا خوف تھا مگر جنہیں یہ سرداری حاصل ہی نہیں ان کا آپ کی نبوت کا انکار حد درجہ کی بے وقوفی ہے۔

اگر ان لوگوں کو سرداری نصیب ہوتی تو بخل میں انتہاء پر پہنچنے کی وجہ سے ذرہ برابر بھی کسی کو: ایسے تو اللہ تعالیٰ انہیں بادشاہی کیسے عطا فرما دے۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے اگر یہ بادشاہ ہوتے تو ذرہ برابر دینے میں بخل کرتے تو ان کے بخل کا کیا عالم ہوگا۔ جب یہ فقیر اور تنگ دست ہوں گے۔ یہ انکے بخل کی انتہاء ہے تقیر کھجور کی گٹھلی پر نشان کو کہتے ہیں اور یہ قلت بیان کرنے کے لئے بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ کمان کرتے ہیں کہ انہیں جو کچھ ملاہ تو اضع کی وجہ سے ملا ہے جبکہ ان کی نوبویاں ہیں، ان کی پسندیدہ چیز شادی کرنا ہے، آپ سے کون بادشاہ بہتر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا۔

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ  
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۲﴾

”کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے لے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ۵۲ (وہ حسد کی آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت سے“

۱۔ یہ ام بن کے معنی میں ہے اور جمع کی ضمیر سے مراد یہودی ہیں۔ ابن سعد نے عفرہ کے غلام عمر سے نقل کیا ہے کہ داؤد ضمیر سے مراد ان کے علماء ہیں۔ حضرت ابن عباس، حسن بصری، مجاہد اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ الناس سے مراد حضور ﷺ اکیلے ہیں۔ وہ آپ ﷺ سے اس بات پر حسد کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے عورتیں حلال فرمائی تھیں۔ جیسا کہ پہلے اس کا ذکر ہوا (۱) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آپ اور آپ کے ساتھی ہیں۔ قتادہ نے کہا الناس سے مراد عرب ہیں۔ یہودی ان سے اس لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور انہیں اپنے نبی ﷺ کے ساتھ عزت بخشی۔ ایک قول یہ کیا گیا الناس سے مراد تمام لوگ ہیں کیونکہ جس نے نبوت سے حسد کیا۔ اس نے لوگوں کے کمال اور ہدایت سے حسد کیا۔

۲۔ فضل سے مراد نبوت، کتاب اللہ تعالیٰ کی رضا، دشمنوں کے خلاف مدد دنیا میں عزت، عورتیں اور اس کے علاوہ جو چیزیں مرغوب ہوتی ہیں، عطا کیں اور جس نبی کا وعدہ کیا ہوا تھا وہ انہیں میں سے بنا دیا۔

۳۔ آل ابراہیم سے مراد حضور ﷺ کے اسلاف اور جد اعلیٰ کی اولاد ہیں جیسے حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور بنی اسرائیل میں سے انبیاء کتاب سے مراد تورات، انجیل اور زبور ہیں لام جنس کے لئے ہے۔ اور علم لدنی اور وہ علوم عطا فرمائے جو کتاب کے علاوہ آپ کو عطا کئے گئے۔ اور حضرت یوسف، حضرت طالوت، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور دوسرے افراد کو ملک عطا فرمائے۔ تو

یہ کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ اور ان کے تبعین کو اس شان سے نوازے جو انہیں شان عطا فرمائی یا اس سے بھی بہتر شان عطا فرمائے۔ حضرت سلیمان کے حرم میں ایک ہزار عورتیں تھیں، تین سو مہر والی تھیں اور سات سو باندیاں تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے حرم میں سو عورتیں تھیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے حرم میں صرف نو عورتیں تھیں، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ارشاد فرمایا تو حضور ﷺ کی ازدواج اور دوسری نعمتوں کے ذکر سے خاموش ہو گئے (۱) اس آیت کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ ہم نے ال ابراہیم کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں جبکہ ان کے حاسد بھی کثیر تھے اور ان کی قوت بھی بہت زیادہ تھی جس طرح نمرود فرعون اور دوسرے حکمران تو حاسدوں کو حسد نے کوئی فائدہ نہ دیا اور نہ ہی جن سے وہ حسد کرتے تھے ان کو ان کے حسد نے نقصان پہنچایا۔

فِيهِمْ مَنۢ مِّنۡ اٰمِنۡ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنۢ صَدَّ عَنْهُ ۗ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۰﴾

”تو ان سے کوئی ایمان لائے اس کے ساتھ لے اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے لے اور کافی ہے (انہیں جلانے کے لئے) جہنم کی دہکتی ہوئی آگ سے۔“

۱۔ یہودیوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو حضور ﷺ پر ایمان لائے، جس طرح عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ یا آل ابراہیم میں سے جن کی بات ذکر کی گئی۔

۲۔ اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جنہوں نے اس سے اعراض کیا اور ایمان نہیں لائے۔ سدی نے کہا کہ بہ اور عنہ کی ضمیر حضرت ابراہیم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک سال حضرت ابراہیم نے فصل کاشت کی اور لوگوں نے بھی فصل کاشت کی لوگوں کی کھیتی ہلاک ہو گئی اور حضرت ابراہیم کی کھیتی خوب پھلی پھولی۔ لوگ آپ کے پاس سوال لے کر گئے۔ آپ ارشاد فرماتے جو مجھ پر ایمان لایا میں اسے عطا کروں گا۔ پس جو ایمان لایا آپ نے اسے عطا کر دیا اور جو ایمان نہ لایا اسے کچھ نہ دیا۔ معنی پھر یہ ہوگا اگر لوگوں کا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لانا حضرت ابراہیم کے امر کو کمزور نہ کرے کہ تو ان اشیاء کا کفر آپ کے معاملہ کو کمزور نہ کر سکے گا۔

۳۔ یعنی جہنم کی دہکتی آگ ہوگی جس میں انہیں عذاب دیا جائے گا، اسے دنیا میں عذاب دینے کی جلدی نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰتِيْنَا سَوْفَ نُصَلِّيْهِمْ نَارًا ۗ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ

جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوْا الْعَذَابَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۱﴾

”بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں جب کبھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری لے تاکہ وہ (مسل) چمکتے رہیں عذاب کو لے بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔“

۱۔ یہ سابقہ کلام کا بیان اور اس کی وضاحت کے لئے ہے اور نضجت کا معنی جل جانا ہے، یعنی اسی جلد کو ایک دوسری صورت میں لوٹایا جائے گا۔ جس طرح تو کہتا ہے بدلت النخاتم قرطامیں نے انگوٹھی کو بالی میں بدل دیا۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس سے جلانے کا اثر زائل کر دیا جائے گا تاکہ عذاب کا احساس لوٹ آئے۔ حضرت ابن عباس کے قول کا بھی یہی معنی ہے کہ کاغذ کی مانند ان کی جلد کو دوبارہ

سفید کر دیا جائے گا۔ امام بغوی نے آپ سے یہ قول نقل کیا ہے (1) طبرانی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر سے اسی طرح نقل کیا کہ حضرت عمر کے سامنے اس آیت کو پڑھا گیا تو حضرت نے کہا میرے پاس اس کی تفسیر موجود ہے کہ ایک لمحہ میں سو بار اسے بدل دیا جائے گا اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا۔ ابو نعیم نے حلیہ میں ایک اور سند سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک ساعت میں ایک سو بیس دفعہ بدلا جائے گا۔ بیہقی نے ایک تیسری سند سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک گھڑی میں چھ ہزار دفعہ سے جلایا جائے گا اور اسے نیا کیا جائے گا۔ امام بیہقی نے حضرت حسن بصری سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا کہ ہر روز ستر ہزار دفعہ آگ سے کھائے گی جب بھی آگ سے کھائے گی، انہیں حکم ہوگا لوٹ آؤ۔ تو وہ پہلی حالت کی طرح ہو جائیں گے۔ ابن ابی الدنیانے حذیفہ سے نقل کیا ہے کہ جہنم میں آگ کے درندے کتے، آنکڑے اور ٹکڑیاں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجے گا جو پچھلی سمت سے جہنیوں کو آنکڑوں پر لٹکادیں گے اور ٹکڑیوں سے ان کا ایک ایک عضو کاٹیں گے اور ان درندوں اور کتوں کے سامنے ڈالیں گے۔ جب بھی وہ عضو کاٹیں گے اس کی جگہ نیا عضو پیدا ہو جائے گا (2) میں کہتا ہوں سابقہ عضو کے اجزاء سے نیا عضو اور سابقہ جلد کے اجزاء سے نئی جلد۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی جگہ نئی جلد پیدا کی جائے گی۔ حقیقت میں عذاب نافرمان نفس کو ہوگا جو ادراک رکھتا ہے نہ کہ آلات مدد کو۔ اس لئے آلات کے بدلنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ عبدالعزیز بن یحییٰ نے کہا اللہ تعالیٰ جہنیوں کو ایسی جلدیں پہنائے گا کہ جن جلدوں خود کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ یہ عذاب کی زیادتی ان لوگوں پر واقع ہوگی۔ جب بھی ان کی جلد جل جائے گی اللہ تعالیٰ انہیں ایک اور جلد عطا فرمائے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **سَرَّابِيْنَهُمْ قُرْنٌ قَطْرًا** ان بس پا جائے لوگوں کو تکلیف دیں گے اور پا جاموں کو کچھ تکلیف نہ ہوگی۔

2۔ تاکہ ان کے لئے عذاب کا چکھنا دائمی ہو جائے۔ ذوق فعل کی نسبت کفار کی طرف کی جلود کی طرف نہیں کی۔ یہ عبدالعزیز بن یحییٰ اور ان کے قول کی تائید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عذاب صرف نافرمان نفس کو ملے گا۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کافر کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک تیز رفتار سوار کے لئے تین دن کی مسافت ہوگی (3) اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافر کی داڑھ اُحد پہاڑ جیسی ہوگی اور اس کی جلد موٹائی تین دن کی مسافت جتنی ہوگی اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ مبارک نے انہیں سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے قیامت کے روز کافر کی داڑھ اُحد پہاڑ سے بڑی ہوگی جسے لوگ جانتے ہیں تاکہ جہنم ان سے بھر جائے اور کافر عذاب کا سزا چکھیں۔ امام ترمذی اور بیہقی کے نزدیک جہنمی کی ران بیضاء پہاڑ جتنی ہوگی۔ اس کی نشست گاہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان مسافت کے برابر ہوگی اور اس کی جلد کی موٹائی بیالیس ذراع ہوگی۔ امام احمد امام ترمذی حاکم (جبکہ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے) اور بیہقی نے کہا اس کی جلد کی چوڑائی ستر گز ہوگی اور اس کا بازو بیضاء پہاڑ جتنی ہوگا اور اس کی ران و رقان پہاڑ جتنی ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں جہنیوں کو جہنم میں بڑا کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی کے کان کی لو اور اس کے کندھے کے درمیان سات سو سال کی مسافت ہوگی اور اس کی جلد کی موٹائی ستر گز ہوگی اور اس کی داڑھ اُحد پہاڑ جتنی ہوگی۔ امام ترمذی بیہقی اور ہناد نے آپ سے ہی ایک مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ کافر اپنی زبان کو دو فرسخ سے کھینچ رہا ہوگا۔ امام ترمذی کے ہاں فرسخ اور فرسخین دونوں لفظ آئے ہیں۔ امام احمد اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آدمی کے کان کی لو اور اس کے کندھے کے درمیان چالیس سال کی

مسافت ہوگی جس میں پیپ اور خون کی وادیاں بہ رہی ہوں گی۔ ایک قول میں ہے نہریں کہا نہیں بلکہ وادیاں۔  
 مع اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کر لے اس سے کوئی نہیں روک سکتا اور وہ اپنی حکمت کے مطابق ہی سزا دیتا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَّهُمْ فِيهَا آزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَوُجِدُوا فِيهَا ظِلِيلًا ۝۵۰

”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے عنقریب ہم داخل کریں گے انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے  
 ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں تا ابدان کے لئے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انہیں گھنے  
 سایہ میں۔“

۱۔ حاکم نے ایک روایت حضرت ابوسعید سے نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت ابوسعید حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت  
 میں بیویاں حیض بول و براز ریشہ تھوک، بلغم، اولاد اور منی سے پاک ہوں گی۔ عطاء سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہوگا جس میں سوار سوار سال  
 تک چلتا رہے گا۔ لیکن اس کو طے نہیں کر سکے گا۔ اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو وَظِلٌّ مَسْدُودٌ مُتَفَقِّعٌ عَلَيْهِ (۱) امام احمد نے اس کے آخر میں  
 یہ اضافہ کیا، اس کے پتے جنت کو ڈھانپنے ہوں گے ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَوُجِدُوا فِيهَا ظِلِيلًا میں ذکر کیا  
 ہے، فرمایا وہ عرش کا سایہ ہوگا جو ختم نہ ہوگا۔ ظلیل صفت کا صیغہ ہے اور ظل سے مشتق ہے اور تاکید کے لئے اسے بنایا گیا، جس طرح عربوں  
 کا قول ہے شمس شامس، لیل للیل، یوم ایوم اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت کی نعمتیں دائمی ہیں واللہ اعلم۔

ابن مردویہ نے کلبی کی سند سے ابوصالح سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ  
 فتح کر لیا تو آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ جب وہ آ گیا فرمایا مجھے چابی دو۔ وہ چابی لے آیا۔ جب اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت  
 عباس کھڑے ہو گئے۔ عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ یہ خدمت  
 بھی میرے ذمہ کر دیجئے تو عثمان بن طلحہ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عثمان چابی دو۔ عرض کی اللہ تعالیٰ کی  
 امان میں لو۔ حضور ﷺ اٹھے بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا، بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ پھر آپ پر چابی لوٹانے کا حکم نازل ہوا۔  
 حضور ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، چابی اسے عطا فرمادی (2) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ  
 تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝۵۱

”بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں۔ اور جب بھی فیصلہ کرو  
 لوگوں کے درمیان بے فیصلہ کرو انصاف سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں۔ بے شک  
 اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے۔“

۱۔ سنید نے اپنی تفسیر میں حجاج بن جریج اور ازرقی نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عثمان بن طلحہ کے حق میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ

ﷺ نے اس سے کعبہ کی چابی لی اور فتح مکہ کے روز اس میں داخل ہوئے، آپ باہر نکلے تو یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ نے عثمان کو بلایا، اسے چابی عطا فرمادی۔ حضور ﷺ بیت اللہ شریف سے باہر نکلتے وقت اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے تو حضرت عمر بن خطاب نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے آپ کو اس سے قبل اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں سنا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس آیت کا نزول بیت اللہ شریف کے اندر ہوا تھا۔ حضرت سعید بن مسیب سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں اے بنی طلحہ ہمیشہ کے لئے اسے لے لو۔ تم پر کافر کے علاوہ کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

ابن سعد نے ابراہیم بن محمد عبدری سے انہوں نے اپنے باپ سے اور محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ سے روایت کیا کہ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ ہجرت سے قبل حضور ﷺ مجھے مکہ میں ملے۔ آپ نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی۔ میں نے کہا اے محمد ﷺ مجھے تم پر تعجب ہو رہا ہے، تم یہ طمع رکھتے ہو کہ میں تیری اتباع کروں گا جب کہ تم نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی اور تم ایک نیا دین لے آئے ہو، کیا ہم دور جاہلیت میں پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ شریف کے دروازہ کھولتے تھے۔ ایک دن آپ آئے اور لوگوں کی معیت میں اندر داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ میں نے آپ کے لئے دروازہ بند کر دیا اور تلخ کلام کی آپ نے بڑی بردباری کا مظاہرہ کیا۔ پھر فرمایا اے عثمان شاید تم ایک روز چابی میرے ہاتھ میں دیکھو جسے میں چاہوں گا اسے دوں گا۔ میں نے کہا یقیناً اس وقت قریش ہلاک ہو چکے ہوں گے اور اور رسوائی ان کا مقدر بن چکی ہوگی۔ فرمایا نہیں بلکہ وہ آباد ہوں گے اور صاحب عزت ہوں گے اور کعبہ میں داخل ہوں گے۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں گمان کرنے لگا کہ ایک دن ایسا ہو کر رہے گا۔ میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر لیا مگر میری قوم میرے مسلمان ہونے پر میرے ساتھ سختی کرتی۔ جب فتح مکہ کا دن آیا، آپ نے مجھے فرمایا اے عثمان چابی لاؤ۔ میں چابی آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے اسے مجھ سے لے لیا۔ پھر مجھے واپس کر دیا۔ فرمایا اسے ہمیشہ کے لئے لے لو۔ اے عثمان تم سے اسے ظالم کے علاوہ کوئی نہیں چھینے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔ معروف طریقے سے تمہیں اس گھر سے جو ملے اسے لے لو۔ جب میں واپس پلٹا آپ نے مجھے ندا دی میں پلٹ کر گیا۔ آپ نے فرمایا جو کچھ میں نے تمہیں کہا تھا کیا اسی طرح نہیں ہوا؟ حضور ﷺ نے ہجرت سے قبل جو مجھے فرمایا وہ مجھے یاد آ گیا۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ فاکہانی نے جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب چابی اسے عطا فرمائی تو فرمایا اسے چھپا کر رکھنا۔ زہری نے کہا اسی وجہ سے عثمان اس چابی کو چھپا کر رکھتے تھے۔

میں کہتا ہوں شاید اس حکم کی وجہ یہ بھی تھی کہ کئی لوگ اس کی طمع کرتے تھے کہ چابی ان کے پاس ہو، جس طرح ہم نے ابن مردویہ کی روایت سے ذکر کیا کہ حضرت عباس نے اس کی طمع کی۔ ابن عابد اور ازرقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی شیر خدا نے عرض کیا ہمارے لئے بیت اللہ شریف کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت جمع کر دیجئے تو یہ آیت نازل ہوئی، تو حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا، فرمایا اے بنی طلحہ ہمیشہ کے لئے اسے لے لو تم سے ظالم ہی اسے چھینے گا۔

عبدالرزاق اور طبرانی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ شریف سے نکلے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہمارے خاندان کو نبوت حاجیوں کو پانی پلانا اور کعبہ کی دربانی دی گئی۔ کوئی قوم ہم سے بڑھ کر نصیب والی نہیں۔ رسول

اللہ ﷺ نے آپ کی بات کو ناپسند فرمایا۔ پھر آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور چابی اسے دے دی، فرمایا اسے چھپا کر رکھو۔ امام بغوی نے ذکر کیا کہ فتح مکہ کے روز جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے عثمان نے بیت اللہ شریف کا دروازہ بند کر لیا اور چھت پر چڑھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے چابی طلب کی۔ آپ سے عرض کی گئی وہ عثمان کے پاس ہے۔ اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا اور کہا اگر میں یہ جانتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں تو میں انہیں چابی دینے سے انکار نہ کرتا۔ حضرت علی شیر خدا نے اس کی گردن مروڑی اور اس سے چابی لے لی، دروازہ کھولا۔ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے چابی کا سوال کیا کہ انہیں عطا کی جائے تاکہ حاجیوں کو پانی پلانا اور بیت اللہ شریف کی دربانی ان کے لئے جمع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، تو حضور ﷺ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ چابی عثمان کو واپس کرو اور اس سے معذرت کرو۔ حضرت علی نے ایسے ہی کیا عثمان بن طلحہ نے کہا تو نے پہلے زبردستی کی اذیت دی، اب تو آیا ہے اور نرمی کر رہا ہے۔ حضرت علی نے کہا اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرمایا ہے اور آیت پڑھ کر سنائی تو عثمان نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ چابی اسی کے پاس رہی۔ جب وہ فوت ہوا تو اسے چابی اپنے بھائی شیبہ کو دی۔ یہ چابی اور بیت اللہ شریف کی دربانی تا قیامت اسی کے خاندان میں رہے گی۔

فائدہ:- آیت کا نزول اگرچہ عثمان بن طلحہ کو بیت اللہ شریف کی چابی دینے کے بارے میں ہوا لیکن آیت الفاظ کے عموم کی وجہ سے ہر امانت اس کے مستحق کے حوالے کا فائدہ دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایسا کم ہی ہوا کہ حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا ہو اور یہ کلمات نہ کہے ہوں اس آدمی کا ایمان نہیں جس میں امانت نہیں، اس آدمی کا دین نہیں جو وعدہ کا پکا نہیں۔ اسے بیعتی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبد اللہ سے مرفوع روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نفاق کی علامات ذکر کیں، فرمایا جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (1)(1)

فائدہ:- امانت کی ادائیگی کا حکم ودیعت کے مال میں محصور نہیں، بلکہ یہ ہر کسی کا جو دوسرے پر حق ہوتا ہے اس کی ادائیگی کو بھی شامل

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 10 (وزارت تعلیم)

(1) کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا لوگوں سے سب سے پہلے امانت اٹھالی جائے گی۔ نماز آخر تک باقی رہے گی۔ بعض نمازیوں میں کوئی خیر نہیں۔ اسے حکیم نے زید بن ثابت سے روایت کیا۔ ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کیا کہ اس میں خوشحال اور محتسب کو کوئی رخصت نہیں دی گئی۔ بیعتی نے میمون بن مہران سے روایت کیا تین چیزیں ایسی ہیں جو نیک و بد کو ادا کی جائیں۔ صلہ رحمی رشتہ دار کو نیک ہو یا بد، امانت مستحق کو دی جائے، خواہ وہ نیک ہو یا بد، وعدہ پورا کیا جائے، نیک سے کیا ہو یا بد سے۔ عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور بیعتی نے ابن مسعود سے روایت کیا کہ اللہ کی راہ میں شہادت تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے مگر امانت روز قیامت ایک آدمی کو لایا جائے گا۔ اگرچہ اسے فی سبیل اللہ قتل کیا گیا ہو۔ اسے حکم ہوگا امانت ادا کرو۔ وہ عرض کرے گا کہاں سے ادا کروں، دنیا تو ختم ہو چکی۔ حکم ہوگا اسے جہنم کے گڑھے کے پاس لے چلو۔ اسے لے جایا جائے گا۔ امانت کی شکل کی چیز ہوگی جو جہنم کے گڑھے میں پڑی ہوگی۔ وہ اسے اٹھائے گا اور اوپر چڑھنا شروع کرے گا، یہاں تک کہ جب وہ گمان کرے گا کہ وہ اس سے نکلا چاہتا ہے وہ امانت اس کے کندھے سے پھسل جائے گی۔ وہ گڑھے میں گر پڑے گی، وہ بھی ساتھ ہی اس میں ہمیشہ کے لئے گر پڑے گا۔ ذاذان نے کہا میں براء بن عازب کے پاس آیا میں نے کہا کیا تو نے وہ نہیں سنا جو تیرا بھائی کہتا ہے؟ انہوں نے کہا عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور مذکورہ آیت کی تلاوت کی کہا نماز میں امانت ہے، غسل جنابت میں امانت ہے، گفتگو میں امانت ہے، کھل میں امانت ہے، وزن میں امانت ہے، دین میں بھی امانت ہے اور سب سے شدید مال میں۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ





یہ مخدوف کلام کی تفسیر ہے اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں۔ عدل کا حکم بھی اداء امانت سے تعلق رکھتا ہے، اس میں کوتاہی کرنا خیانت ہے۔ حضرت ابوذر سے روایت ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے عامل بنا دیجئے۔ فرمایا اے ابوذر تو ضعیف ہے، جبکہ یہ امانت ہے، قیامت کے روز یہ رسوائی اور ندامت ہے مگر جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور اس کا حق ادا کیا۔ ایک اور روایت میں ہے فرمایا اے ابوذر میں تجھے کمزور جانتا ہوں اور میں تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بنا اور تمیم کے مال کا والی نہ بنا اسے امام مسلم نے روایت کیا اس کے بعد جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی امانت ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اللہ کی اطاعت اور حاکموں کی اطاعت۔

سے نعمًا میں مانکرہ ہے، تمہیر کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کی صفت يعظکم ہے، یا موصولہ ہے اور فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی نِعْمَ شَيْئًا يَا نِعْمَ الشَّيْءُ الَّذِي۔  
یہ مخصوص بالمدرح مخدوف ہے، یعنی امانت ادا کرنا یا حکم میں عدل کرنا۔  
۵۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال اور فیصلوں کو سننے والا ہے اور امانتوں میں جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہونگے جو اللہ تعالیٰ کی دائیں طرف ہونگے۔ اس کے دونوں ہاتھ (1) دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں اپنے گھر والوں اور جن کا انھیں والی بنایا گیا اس میں عدل کرتے ہیں (1) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابوسعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اور از روئے مجلس کے سب سے قریبی امام (امیر عادل) ہوگا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سب سے مبغوض اور جنہیں سب سے زیادہ عذاب میں ڈالا جائے گا وہ ظالم امام ہے۔ ایک روایت میں مجلس میں سب سے دور کے الفاظ ہیں (2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سایہ میں کون آگے ہونگے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ وہ لوگ ہونگے جب انہیں حق دیا جائے تو اسے قبول کریں، جب ان سے سوال کیا جائے تو ادا کر دیں اور لوگوں کے حق میں اسی طرح فیصلہ کریں جس طرح اپنے حق میں فیصلہ کرتے ہیں (3) اسے امام احمد نے روایت کیا۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں اسی کی مثل حضرت عمر بن خطاب سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

”اے ایمان والوں اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو اپنے ذی شان رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹنا دو اسے اللہ اور اپنے رسول کے فرمان کی طرف۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 121 (قدیمی) 2۔ جامع ترمذی کتاب الاحکام، صفحہ 159 (وزارت تعلیم) 3۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 504 (العلیہ)

(1) یہ مشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم ہونے سے پاک ہے۔

پر اور روز قیامت پر یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام ہے۔“

۱۔ شیخین اور اصحاب سنت نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک چھوٹے لشکر میں بھیجا (۱) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک چھوٹے لشکر میں بھیجا جس میں عمار بن یاسر بھی تھے۔ جس قوم پر یہ حملہ کرنا چاہتے تھے اس کی طرف یہ چلے۔ صبح کے وقت یہ وہاں پہنچے تو ساری قوم وہاں سے بھاگ چکی تھی۔ صرف ایک آدمی وہاں موجود تھا جو حضرت عمار کے پاس آیا اور کہا میں اسلام لا چکا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد عبدہ ورسولہ۔ حضرت عمار نے فرمایا اسلام تجھے نفع دے گا تو وہاں ہی ٹھہر جا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت خالد نے حملہ کیا۔ حضرت عمار نے کہا اس آدمی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ مسلمان ہو چکا ہے۔ یہ میری امان میں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور اپنے معاملہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے عمار کی امان کو جائز قرار دیا۔ تاہم انہیں امیر کی اجازت کے بغیر امان دینے سے منع کر دیا تو دونوں حضور ﷺ کے سامنے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے خالد عمار کو گالی نہ دو کیونکہ جو عمار کو گالی دے گا اللہ تعالیٰ اسے گالی دے گا اور جس نے عمار سے بغض رکھا اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا اور جس نے عمار پر لعن طعن کیا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے گا۔ حضرت خالد نے حضرت عمار سے معذرت چاہی جس پر عمار ان سے راضی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابوشیبہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ اولی الامر سے مراد امراء ہیں۔ ایک میں یہ الفاظ ہیں ہم امراء السرا یا یعنی لشکروں کے امیر مراد ہیں۔ یہ لفظ عام ہے جو بادشاہوں شہر کے امراء قاضیوں اور چھوٹے بڑے لشکروں کے امیروں کو شامل ہے۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا امام پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے، امانت ادا کرے۔ جب اس نے ایسا کیا تو رعیت پر فرض ہے کہ وہ امام کے حکم کو سنے اور اس کی اطاعت کرے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتداء (۱) کرنی (۲) اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی متفق علیہ۔ (۳)

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی ان امور پر بیعت کی تھی کہ حضور ﷺ کا حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے، جنگدستی کا عالم ہو یا خوشی کا، پسندیدہ امر میں بھی اور ناپسندیدہ امر میں بھی اور یہ کہ ہم حاکموں سے نہیں جھگڑیں گے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 659 (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 207 (ایضاً) 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 124 (قدیمی)

(۱) اللہ تعالیٰ کے فرمان اولی الامر منکم کے بارے میں عکرمہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ہیں کبھی سے مروی ہے اس سے مراد حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔ عکرمہ سے ام ولد کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا وہ سب آزاد ہیں۔ پوچھا گیا آپ کس دلیل سے یہ کہتے ہیں؟ کہا میں قرآن سے استدلال کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا قرآن کی کس آیت سے؟ کہا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے اَطِيعُوا اللَّهَ..... وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ کیا حضرت عمر اولی الامر تھے آپ نے فرمایا ام ولد آزاد ہو جاتی ہے اگرچہ تمام بچے جنے۔ عمران بن حصین سے روایت ہے کہ حضرت عمر جس کسی کو عامل معین کرتے تو اس کے عہد نامہ میں یہ بھی لکھتے اس کا حکم سنا جائے اس کی اطاعت کی جائے جب تک یہ عدل کرے۔ حضرت عمر سے مروی ہے فرمایا سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر جھٹی ٹکلا غلام امیر بنا دیا جائے۔ اگر وہ تجھے مارے تو صبر کرو، اگر وہ تجھے کسی ایسی بات کا حکم دے جو دین کو ختم کرنے کا باعث ہو تو اسے کہہ دو خون دے دیں گے دین نہ چھوڑیں گے۔ از مؤلف رحمہ اللہ

ہم جہاں کہیں ہوں گے حق کہیں گے یا قائم کریں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کریں گے متفق علیہ۔ (1)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا امیر کا حکم سن اور اس کی اطاعت کر، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو، اس کا سر گویا کشمش کا دانہ ہو۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

حضرت ابی امامہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو، پانچ نمازیں ادا کرو۔ ایک ماہ کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو، جب تم پر کوئی امیر معین کیا جائے تو اس کی اطاعت کرو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے (2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ اس آیت میں خاوند بھی شامل ہے جو بیوی کو حکم دیتا ہے، آقا شامل ہے جو غلام کو حکم دیتا ہے، والد شامل ہے جو اپنی اولاد کو حکم دیتا ہے۔ یا ان سے مراد ہے کہ یہ ان کے امیر ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ پس امام بھی اپنی رعیت کا نگہبان ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائیگا، آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے، اس سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائیگا، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد پر نگہبان ہے، اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائیگا، ایک آدمی کا غلام اپنے مالک کے اموال پر نگہبان ہے، اس سے اس مال کے بارے میں پوچھا جائیگا، پس تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ (3)

اسی طرح یہ لفظ فقہاء علماء اور مشائخ کو بھی شامل ہوگا بلکہ بدرجہ اولیٰ ان پر صادق آئے گا کیونکہ یہ لوگ انبیاء کے وراثت اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کے احکام کو ذخیرہ کرنے والے ہیں۔ ابن جریر حاکم اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اولی الامر سے مراد فقیہ اور دیندار لوگ ہیں۔ ایک لفظ یوں بھی ہے کہ وہ اہل علم ہیں۔ ابن ابی شیبہ حاکم اور دوسرے محدثین نے اسی کی مثل جابر بن عبداللہ سے روایت کی، جبکہ حاکم نے اسے صحیح کہا۔ ابو العالیہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَكَوْنُوا ذُوْا اِلٰی الرَّسُوْلِ وَاِلٰی اُولٰٓئِکُم مِّنْهُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اَلَّذِیْنَ یَسْتَوْطُوْنَ مِنْهُمْ ۗ اس میں بھی صاحب علم لوگوں کا ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الْعُلَمَاءُ وَرَفَقَةُ الْاَنْبِیَاءِ (4)۔ اسے امام احمد امام ترمذی ابو داؤد اور ابن ماجہ نے کثیر بن قیس کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا لوگ تمہارے تابع ہیں، لوگ زمین کی اطراف سے دین سمجھنے کے لیے تمہاری طرف آئیں گے۔ اسے امام ترمذی نے ابوسعید خدری سے نقل کیا ہے۔

مسئلہ: امیر کی اطاعت کا وجوب یہ صرف ایسے حکم کے ساتھ خاص ہوگا جو شرع کے خلاف نہ ہو، جس پر آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اولی الامر کی اطاعت کا حکم نہیں عدل کرنے کے حکم کے بعد دینا اس بات پر تنبیہ ہے کہ ان کی اطاعت اسی وقت تک واجب ہے جب تک وہ عدل پر قائم رہیں۔ بعد والا حصہ اسی کی وضاحت کرتا ہے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ۔ بعض فضلاء نے کہا اولی الامر کا صیغہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کی متابعت انہیں معاملات میں واجب ہے جن کے وہ والی بنائے گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم میں عدل کرنے کا والی بنایا ہے۔ اگر حکم کو ایجاب کے لیے مانا جائے تو یہ زیادہ شدت کے ساتھ اس معنی پر دلالت کرے گا

2- جامع ترمذی، صفحہ 112 (وزارت تعلیم)  
4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 93 (وزارت تعلیم)

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 125 (قدیمی)  
3- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 122 (قدیمی)

کیونکہ امراء کی اطاعت صرف انہیں امور میں ہوگی جو لوگوں پر ان کی طرف سے واجب ہیں۔ اگر امیر تجھے یہ کہے کہ فلاں آدمی کو اپنے مال سے ہزار روپے دے تو تجھ پر اس کی اطاعت واجب نہیں۔

مسئلہ: جب قاضی یہ کہے میں نے اس پر رجم کا فیصلہ کیا ہے تو اسے رجم کر یا میں نے اس پر قطع ید کا حکم دیا ہے اس کا عضو کاٹ دے یا کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے اسے کوڑے مار، تو تیرے لیے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ اس کی بات اس وقت تک نہ مانے جب تک دلیل کا مشاہدہ نہ کرے۔ مشائخ نے امام محمد کی اس روایت کو پسند کیا ہے کیونکہ قاضیوں کے احوال بدل چکے ہیں۔ امام ابو منصور نے کہا اگر قاضی عادل اور عالم ہو تو اس کا قول قبول کیا جائیگا کیونکہ اس پر غلطی اور خیانت کی تہمت نہیں۔ اگر وہ عاقل اور جاہل ہے تو اس سے استفسار کیا جائیگا۔ اگر وہ اچھی طرح وضاحت کر دے تو اس کی تصدیق واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ اگر وہ فاسق ہو تو اس کا قول اس وقت تک قبول نہ ہوگا جب تک حکم کے سبب کا معاینہ نہ کر لیا جائے کیونکہ اس میں خطا اور خیانت کی تہمت پائی جا رہی ہے۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔

امام بخاری اور دوسرے محدثین نے ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک سر یہ میں بھیجا (1) اسی طرح اسے مختصر نقل کیا ہے۔ داؤدی نے کہا کہ عبداللہ بن حذافہ ایک لشکر کے امیر بن کر باہر گئے۔ آپ سپاہیوں سے ناراض ہوئے، آگ روشن کرائی اور کہا سب اس میں داخل ہو جاؤ۔ بعض لوگ رک گئے اور بعض نے حکم کی تعمیل کا ارادہ کیا۔ حافظ ابن حجر نے کہا اس قصہ میں اس آیت کے نزول کا مقصود اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

۲۔ اگر تم اختلاف میں پڑ جاؤ۔ سعید بن منصور اور دوسرے لوگوں نے مجاہد سے یہ روایت کی کہ اس کا معنی یہ ہے اگر علماء کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف واقع ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے ارشادات کی طرف لوٹناؤ۔ ایک صورت یہ ہے امیر حکم دے تو بعض لوگ یہ کہیں کہ اس معاملہ میں ہمارے لیے امیر کی اطاعت جائز نہیں اور بعض کہیں امیر کی اطاعت واجب ہے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرف پھیر دو۔ جب تک آقائے دو عالم ﷺ نے دنیا سے پردہ نہیں فرمایا تو آپ کی ذات کی طرف اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف لوٹناؤ۔ جس امر میں کوئی نص موجود نہ ہو اس میں قیاس اور اجماع کی طرف لوٹنا جائے کیونکہ یہ دونوں بھی قرآن و سنت کے تابع ہیں۔ اگر شرع اس معاملہ میں امیر کی اطاعت کی اجازت دے تو پھر امیر کی اطاعت کر ورنہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ذکر کیا ایک مسلمان پر امیر کا حکم سننا اور اسے ماننا خواہ پسند ہو یا ناپسند واجب ہے، جبکہ وہ اسے معصیت کا حکم نہ دے۔ جب وہ مسلمان کو معصیت کا حکم دے تو پھر امیر کی بات سننا اور اطاعت لازم نہیں متفق علیہ۔ (2)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں۔ بے شک اطاعت اچھائی میں ہے، متفق علیہ۔ (3) عمران بن حصین اور حکیم بن عمرو غفاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ مدارک میں ہے کہ مسلمہ بن عبدالملک بن مروان نے ابی حازم سے کہا کیا تمہیں ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا اور یہ کلمات تلاوت کیے وَاُولٰٓئِی الْاٰمِرِ مِنْكُمْ۔ ابو حازمہ

نے کہا جب تم نے حق کی مخالفت کی تو تمہاری اطاعت اس ارشاد سے ختم کر دی گئی **وَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ** مسئلہ: جب قاضی کے سامنے کسی حاکم کا حکم پیش کیا جائے تو اسے نافذ کر دے مگر جب وہ کتاب اللہ کے خلاف ہو، جس طرح اس نے ایک گواہ اور مدعی سے قسم لے کر فیصلہ کیا ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے **وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ تَرَجَائِكُمُ الْآيَةَ** یا وہ سنت مشہورہ کے خلاف ہو جس طرح وہ یہ حکم دے کہ یہ عورت اس پہلے خاوند کے لیے حلال ہے جس نے اسے تین طلاقیں دیں اور اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کیا اور وطی نہ کی۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث کے خلاف ہے جو آپ نے رفاعہ کی بیوی کے قصہ میں روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تو اس وقت تک حلال نہیں یہاں تک کہ تو اس کا شہد چکھے اور وہ تیرا شہد چکھے۔ ہم نے اس کا ذکر سورۃ بقرہ میں کیا ہے۔ یادہ حکم اجماع کے خلاف ہو مثلاً وہ ایسے جانور کا گوشت بیچنے کی اجازت دے جس پر جان بوجھ کر تکبیر نہ پڑھی گئی ہو کیونکہ یہ حکم اس اجماع کے خلاف جو پہلے کے زمانہ میں ہوا۔ اس صورت میں قاضی کے لیے اس کے حکم کو جاری کرنا جائز نہ ہوگا۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔

مسئلہ: جب مجتہد ایک فتویٰ دے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کا فتویٰ کتاب و سنت کے مخالف ہے تو ہم پر کتاب و سنت کی اتباع واجب ہے۔ بیہقی نے مدخل میں سند صحیح سے جو عبد اللہ بن مبارک تک پہنچتی ہے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے امام ابو حنیفہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کوئی حکم رسول اللہ ﷺ سے آجائے تو میرے سر اور آنکھوں پر۔ روضۃ العلماء میں آپ سے یہ قول منقول ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد اور صحابہ کرام کے قول کے مقابلہ میں میرا فتویٰ چھوڑ دو۔ آپ سے یہ قول بھی منقول ہے جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ماننا تنازعہ میں خطاب بطور اتفاقات امر کو ہو، یعنی پہلے غائب کے صیغہ تھے اب مخاطب کا صیغہ ذکر فرمایا۔

۳۔ یہ شرط ہے اور سابقہ کلام کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے۔ اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا ذہنوں میں راسخ چیز پر ڈنٹے رہنے سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف لوٹائے بغیر معنی کرنے سے تمہارا لوٹانا از روئے انجام کے بہتر ہے۔ ابن جریر نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی اور منافق کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا میں اس معاملہ کو حضور ﷺ کے پاس لے جاتا ہوں کیونکہ اسے علم تھا آپ رشوت نہیں لیتے۔ منافق نے کہا ہم کسی یہودی کے پاس لیے چلتے ہیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہودی رشوت لے لیتے ہیں اور فیصلہ میں بے انصافی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ دونوں کا اتفاق جہینہ میں موجود ایک کاہن پر ہوا (۱) دونوں اس کے پاس فیصلہ کے لیے گئے۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے ابن لہیعہ کے واسطے سے ابوالاسود سے ایک مرسل روایت ذکر کی۔ بغوی نے کلبی کا قول جو ابوصالح سے، وہ حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے اسی طرح ذکر کیا ایک منافق جس کا نام کلبی کے نزدیک بشر تھا، نے یہودی سے جھگڑا کیا۔ یہودی نے بشر کو دعوت دی آؤ اپنا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلتے ہیں۔ منافق نے یہودی کو کعب بن اشرف کے پاس جانے کو کہا۔ یہودی نے انکار کر دیا اور کہا میں صرف رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤنگا۔ منافق نے یہودی کی ضد دیکھی تو یہودی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

جب دونوں آپ کے پاس سے اٹھے منافق نے یہودی سے اصرار کیا کہ فیصلہ کے لیے حضرت عمر کے پاس چلیں دونوں حضرت عمر کے پاس آئے۔ یہودی نے کہا پہلے ہم دونوں نے اپنا معاملہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ حضور ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ سنایا۔ یہ اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور گمان کیا کہ وہ آپ کے پاس مسئلہ پیش کرے گا۔ حضرت عمر نے منافق سے پوچھا تاؤ کیا بات ایسے ہی ہوئی۔ منافق نے کہا جی ہاں۔ حضرت عمر نے فرمایا ٹھہر جاؤ، یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آتا ہوں۔ حضرت عمر گھر تشریف لے گئے، تلوار لی، باہر نکلے اور منافق کو قتل کر دیا۔ فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو میں اسی طرح اس کا فیصلہ کرتا ہوں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (1)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِهَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ  
يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَاتِ اللَّهِ كَلِمَاتِهِمْ لِيُحْذَرُوا إِلَى الطَّاعُونَ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ  
الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ①

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس کتاب کے ساتھ جو اتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اس کے باوجود چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے (اپنے مقدمات) طاغوت کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ انکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انہیں بہت دور تک۔“

ابن جریر نے کہا کہ حضرت عمر نے حق اور باطل میں فرق کیا، اس وجہ سے انہیں فاروق نام دیا گیا اور کعب بن اشرف یا جہینہ کے کاہن کو طاغوت کا نام دیا گیا کیونکہ ان میں سرکشی بہت زیادہ تھی یا اس وجہ سے کہ وہ شیطان کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے یا اس کے پاس فیصلہ لے جانا ایسے ہی ہے جیسے شیطان کے پاس فیصلہ لے جایا جائے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ابو بردہ اسلمی کاہن تھا یہ یہودیوں کے ان معاملات میں فیصلہ کرتا جو ان کے درمیان تنازع فیہ ہوتے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ بھی اس کے پاس فیصلہ کے لئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (2)  
ابن ابی حاتم نے عکرمہ یا سعید کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حلاس بن صامت معتب بن قشیر، رافع بن زید اور مبشر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ان کی قوم میں سے چند افراد نے انہیں ایک جھگڑے میں حضور ﷺ کے پاس جانے کے لیے کہا ان لوگوں نے قوم کے افراد کو کاہنوں کے پاس جانے کو کہا جو دور جاہلیت میں فیصلہ کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (3)  
امام بغوی نے کہا سدی نے کہا ہے کہ کچھ یہودی مسلمان ہوئے اور بعض نے نفاق کیا۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر میں دور جاہلیت میں یہ طریقہ تھا جب قریظہ کا کوئی آدمی بنی نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جاتا یا دیت کے طور پر سووسق کھجوریں لی جاتیں۔ جب بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو قاتل کو قتل نہ کیا جاتا بلکہ قاتل سے ساٹھ وسق کھجوروں کے بطور دیت لئے جاتے۔ بنی نضیر اس کے حلیف تھے اور قریظہ خزرج کے حلیف تھے۔ بنو نضیر بنی قریظہ سے معزز بھی تھے اور تعداد میں بھی زیادہ تھے۔

جب اسلام آیا اور نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو بنو نضیر کے ایک آدمی نے بنو قریظہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا دونوں

قبیلہ کے افراد نے آپس میں جھگڑا کیا۔ بنو نضیر نے کہا کہ ہماری اور تمہاری اسی بات پر صلح ہوئی تھی کہ ہم تم میں سے قاتل کو قتل کریں گے اور تم ہمارے خاندان میں سے قاتل کو قتل نہیں کرو گے اور تمہاری دیت ساٹھ وسق ہوگی۔ اور ہماری دیت سو وسق ہوگی ہم تمہیں وہ دیت دیتے ہیں۔ خزرج (قریظہ کے حلیف) نے کہا یہ تم دور جاہلیت میں کرتے رہے کیونکہ تمہاری تعداد زیادہ تھی اور ہماری تعداد کم تھی۔ اس وجہ سے تم ہم پر غالب تھے۔ آج تم اور ہم برابر ہیں۔ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ ان میں سے جو منافق تھے انہوں نے کہا چلو ابو بربزہ کا ہن کی طرف چلتے ہیں۔ دونوں جماعتوں میں سے مسلمانوں نے کہا نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے پاس چلتے ہیں (1) منافقین نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ ابو بربزہ کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے قصاص والی آیت نازل فرمائی۔

یعنی انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کی مخالفت کریں اور اس سے اپنی برات کا اظہار کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے **يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ** مومنوں کو یہودیوں، کابھوں اور شیاطین کی مخالفت اور ان سے قطع تعلقی کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ** اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی کا ہن کے پاس گیا اور کاہن جو کچھ کہے یہ اس کی تصدیق بھی کرے یا حائضہ عورت سے وطی کی یا اس کی دبر میں وطی کی تو حضور ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی، اس سے بری ہو گیا۔ (2) اسے امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے روایت کیا، طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ واسطہ سے روایت کیا ہے جو کسی کا ہن کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو چالیس راتوں کے لیے تو بہ اس سے روک لی جائیگی۔ اگر کاہن کی اس نے تصدیق کی تو اس نے کفر کیا۔ (3)

شیطان سے مراد جن و انس کے شیطان ہیں۔ ضللاً بعیداً سے مراد ایسی گمراہی جو حق سے بہت دور۔

**وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ**  
**يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝۱۱**

”اور جب کہا جائے انہیں کہ آؤ اس کتاب کی طرف جو اتاری ہے اللہ نے اور (آؤ) رسول (پاک) کی

طرف تو آپ دیکھیں گے منافقوں کو یہ کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے روگردانی کرتے ہوئے“

۱۔ ہم ضمیر سے مراد منافق ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے۔

۲۔ ما نزل سے مراد قرآن حکیم ہے۔

۳۔ اس کا عطف **مَا أَنْزَلَ اللَّهُ** پر ہے۔ یہ عطف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کے علاوہ اپنے علم سے بھی

فیصلہ فرماتے جیسے وحی غیر منلو کے ساتھ اور اجتہاد کے ساتھ میری مراد یہ ہے جب **وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ** کے متعلق کریں۔

۴۔ **الْمُنَافِقِينَ** اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا۔ مقصود ان کی قباحت اور اعراض کرنے کا سبب بیان کرنا تھا۔

۵۔ تجھے چھوڑ کر غیروں کی طرف مائل ہوتے ہیں کیونکہ انہیں یہ لالچ ہے کہ رشوت دے کر غلط فیصلہ کرا لیں گے۔ یہ جملہ منافقین سے

حال بن رہا ہے۔ صدود مصدر ہے یا اسم مصدر ہے اور حقیقت میں مصدر صد ہے۔ صحاح میں ہے صدود کسی سے اعراض کرنا اور رک

جانا۔ بعض اوقات یہ پھیرنے اور روکنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس طرح اس آیت میں ہے **فَصَدَّاهُمْ عَنِ السَّبِيلِ**۔ (4)

2- مصابح السنہ، صفحہ 1503 (علیہ)

4- الصحاح، جلد 2، صفحہ 89 (علیہ)

1- تفسیر بنو نعیم، جلد 2، صفحہ 98 (نکر)

3- معجم کبیر طبرانی، جلد 22، صفحہ 69 (التراث الاسلامی)

ایک قول یہ کیا گیا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منافق کو قتل کر دیا تو مقتول کے رشتہ دار قصاص کا مطالبہ کرنے کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھا رہے تھے کہ ہم حضرت عمر کے پاس فیصلہ اس لیے لے گئے تاکہ وہ ہمارے ساتھی پر احسان کریں اور دونوں فریقوں میں صلح کرادیں۔

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابْتَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ  
بِاللَّهِ إِنَّ أَسْرَدُنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۝

”پس کیا حال ہوتا ہے ۱۔ جب پہنچتی ہے انہیں مصیبت ۲۔ بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے ۳۔ پھر حاضر ہوتے ہیں آپ کے پاس ۴۔ قسمیں اٹھاتے ہوئے اللہ کی ہے (کہتے ہیں بخدا) نہیں قصد کیا تھا ہم نے مگر بھلائی اور باہمی مصالحت کا ۵۔“

۱۔ یہ استفہام تعجب کے اظہار کے لیے ہے کہ پہلے انہوں نے واضح اعراض کیا پھر وہ قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ عجیب بات ہے وہ کچھ حیا نہیں کرتے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فکيف لا يستحيون۔

۲۔ یعنی حضرت عمر نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ اذا کا لفظ صرف ظرف کا معنی دے رہا ہے، مستقبل کا معنی نہیں دے رہا۔

۳۔ جو انہوں نے رسول اللہ کے فیصلہ سے اعراض کیا اور کسی اور کے سامنے فیصلہ لے گئے۔

۴۔ معذرت کرنے اور قصاص کا مطالبہ کرنے کے لیے آئے۔ اس کا عطف اصابتہم پر ہے۔

۵۔ جھوٹ کے ظاہر ہونے کے بعد وہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ یہ جاوہر ک فاعل کے قائل سے حال ہے۔ باء یا تو يحلفون کا صلہ ہے یا یہ قسمیہ ہے اور دونوں صورتوں میں جواب قسم مابعد کلام ہے۔

۶۔ یعنی ہم نے کسی کو ثالث مان کر صرف اچھی طرح فیصلہ اور دونوں فریقوں میں مصالحت کا ارادہ کیا تھا۔ ہم نے آپ کے فیصلہ کی

مخالفت کا ارادہ نہ کیا تھا۔ ہم اس کے فیصلہ پر ناراض نہ تھے، یعنی ہم اس بات سے خوفزدہ ہوئے کہ اس سخت فیصلہ کی وجہ سے ہمارے

درمیان دشمنی پیدا نہ ہو جائے۔ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ ہی مصالحت کے لیے کافی تھے۔ تاہم حضرت عمر کے پاس بھی اس لیے

گئے تھے تاکہ وہ ہمارے درمیان مصالحت کوادیں اور باہمی محبت باقی رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اذا استقبال کے معنی میں ہو اور شرط کا

فائدہ دے۔ مصیبت سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے یا نبی کریم ﷺ کی طرف سے انتقام ہے۔ جزاء پر اللہ تعالیٰ کا فرمان فکيف

يحلفون باللہ دلالت کرتا ہے۔ یہ شرط ان اجزاء کے درمیان واقع ہوئی جو جزاء پر دلالت کرتے ہیں اور مراد زمانہ مستقبل میں ان کی

قسم پر تعجب کرنا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو فکيف يَكُونُ حَالُهُمْ، كَيْفَ يَضْنَعُونَ إِذَا أَصَابْتَهُمْ مُصِيبَةٌ۔ اللہ

تعالیٰ کا عذاب ہو آپ کی طرف سے انتقام ہو یا آپ کے صحابہ کی طرف سے انتقام ہو اور یہ سب کچھ ان کے اعمال کا نتیجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ

کا فرمان ثم جاءوك یا تو اصابتہم پر معطوف ہے۔ یا بصدون پر معطوف ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے اور کیف ان کی اس

حالت کے بارے میں سوال ہے، جب انہیں آخرت میں عذاب دیا جائے یا دنیا میں عذاب دیا جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اذا شرط کے

لیے ہو اور يحلفون شرط کی جزاء ہو شرط اور جزاء دونوں ان کے حال کی کیفیت کا بیان ہوں۔



أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝۱۳

”یہ لوگ ہیں خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ (اے حبیب) چشم پوشی فرمائیے ان سے اور

نصیحت کرتے رہئے انہیں سے اور کہیے انہیں تنہائی میں ایسی بات جو موثر ہو۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ ان کے نفاق کو جانتا ہے اس لیے یہیں غموس سوائے جہنم میں داخل ہونے کے۔

۲۔ ان کی معذرت قبول کرنے یا قصاص کا مطالبہ قبول کرنے سے اعراض کیجئے کیونکہ اس کا خون رائیگاں ہے۔

۳۔ انہیں نفاق سے باز آنے اور اخلاص کے ساتھ ایمان لانے کی نصیحت کیجئے۔

۴۔ اور انہیں ان کے بارے میں ایسی نصیحت کیجئے جس کی تاثیر ان کے دلوں تک پہنچے۔ حضرت حسن بصری کا قول یہ ہے قول بلیغ ہے کہ

وہ انہیں یہ کہے کہ تم نفاق کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو قتل کر رہے ہو۔ کیونکہ یہ قول ان میں اثر کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں اللہ

تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرانا مراد ہے۔ کشف میں یہ ذکر کیا گیا کہ ﴿فِي أَنْفُسِهِمْ كَتَبْنَا بَلِيغًا﴾ ہے، یعنی ایسا قول جو ان کے دلوں تک پہنچنے

والا ہو (۱) امام بیضاوی نے کشف کے قول کو ضعیف قرار دیا کیونکہ صفت کا معمول موصوف پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ (۲)

امام بیضاوی کے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ ﴿فِي أَنْفُسِهِمْ بَلِيغًا﴾ کے متعلق ہے وہ مخدوف ہے اور کلام میں موجود قَوْلًا بَلِيغًا

مخدوف کی تفسیر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس آیت کا معنی یہ کیا جائے آپ ان کو مزادینے سے اعراض کریں کیونکہ انہیں ساتھ رکھنے

میں مصلحت ہے اور زبان سے انہیں نصیحت کرتے ہیں اور خصوصی نصیحت تنہائی میں کریں کیونکہ خفیہ طریقہ سے نصیحت زیادہ موثر

ہوتی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَلَوْ أَنَّكُمْ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ

جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۗ فَاغْفِرْ لَهُمْ اللَّهُ لَوْ جَدَّ اللَّهُ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝۱۴

”اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اللہ کے اذن سے ۱۔ اور اگر یہ لوگ جب ظلم

کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس سے اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے ۲۔ نیز مغفرت طلب کرتا

ان کے لیے رسول (کریم) بھی ہے تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرماتے والا نہایت رحم فرمانے والا۔“

۱۔ لوگوں پر آپ کی اطاعت لازم ہے کیونکہ رسالت سے یہی مقصود ہے

۲۔ اذن سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، یعنی جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا گیا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ لوگ اس

کی اتباع کریں، جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہو اور رسول اللہ کی اطاعت نہ کرے وہ واجب القتل ہے۔ گویا اس نے اس کی رسالت کو

قبول نہیں کیا۔

۳۔ اگر یہ منافق جنہوں نے نفاق اور طغوت کو ثالث مان کر اپنی جانوں پر ظلم کیا پھر وہ اخلاص کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ

میں پہنچ جائیں۔ جَعَاؤُا یہ ان کی خبر ہے اور اذ ظرنیہ اسی فعل کے متعلق ہے۔

۳۔ نفاق سے توبہ کر کے اور اخلاص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں معذرت کر کے اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوں۔  
۴۔ خطاب سے صیغہ کے غائب کے صیغہ کی طرف کلام کو پھیرا گیا ہے۔ مقصود حضور ﷺ کی شان بیان کرنا اور اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان عذر قبول کرنے کا تقاضا کرتی ہے، اگرچہ جرم کتنا ہی عظیم ہو۔  
۵۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وجد صادق کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں تو ابا حال ہوگا اور رحیماً اس سے بدل ہوگا تو ابا میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہوگا یا یہ حال مترادف ہوگا۔

ائمہ نے زبیر بن عوام سے نقل کیا ہے کہ ان کا ایک انصاری سے پہاڑی نالے کے پانی کے بارے میں جھگڑا تھا۔ دونوں اس سے اپنی زمین سیراب کرتے تھے۔ دونوں نے اپنا مسئلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا اپنی زمین سیراب کرو۔ پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو تو انصاری غصے ہو گیا۔ عرض کی یا رسول اللہ یہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے (آپ اس کی طرف داری کر رہے ہیں)۔ حضور ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر حضور نے فرمایا اے زبیر زمین سیراب کرو اور پانی کو روکے رکھو، یہاں تک کہ وہ دیواروں تک پہنچ جائے۔ اس صورت میں حضور ﷺ نے حضرت زبیر کو ان کا پورا پورا حق دے دیا جبکہ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایسے امر کا مشورہ دیا جس میں حضرت زبیر اور انصاری کے لیے سہولت تھی۔ جب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو غصہ دلایا تو آپ نے حضرت زبیر کو صریح حکم کے ساتھ پورا حق دے دیا۔ حضرت زبیر نے کہا اللہ کی قسم میرا گمان ہے کہ اس آیت کا نزول اسی واقعہ کے بارے میں ہوا۔ (۱)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَآئِمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي  
أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ⑩

”پس اے (مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے لے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان لے پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں دل و جان سے لے“

۱۔ طبرانی نے کبیر اور حمیدی نے اپنی مسند میں ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت زبیر نے ایک آدمی کے ساتھ جھگڑے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ دیا۔ دوسرے آدمی نے کہا آپ نے یہ فیصلہ حضرت زبیر کے حق میں اس لیے دیا ہے کیونکہ وہ آپ کا پھوپھی زاد ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بغوی نے کہا جس انصاری کا حضرت زبیر سے جھگڑا ہوا تھا۔ اس کا نام حاطب بن ابی بلعہ تھا (۲) میں کہتا ہوں ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیب سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ان دونوں کا پانی کے بارے میں جھگڑا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا پہلے اوپر والا پانی لگائے پھر نیچے والا پانی لگائے۔

میں یہ کہتا ہوں دوسرا آدمی کا نام حاطب بن ابی بلعہ ذکر کرنا یہ وہم پر مبنی ہے کیونکہ حاطب بن ابی بلعہ انصاری نہ تھے بلکہ یہ

مہاجرین میں سے تھے جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ شاید یہ کوئی اوس یا خزرج میں سے منافق ہوگا جسے انصاری کا نام دیا گیا کیونکہ یہ نسی طور پر ان کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ (1)

امام بغوی نے کہا جب یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھے تو مقداد کے پاس سے گزرے۔ مقداد نے پوچھا فیصلہ کس کے حق میں ہو انصاری نے کہا ان کے پھوپھی زاد بھائی کے حق میں اور اپنا منہ بگاڑا تو وہ یہودی جو مقداد کے پاس موجود تھا، وہ سمجھ گیا اس نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ ایک طرف یہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں پھر ان کے فیصلہ پر تہمت لگاتے ہیں اللہ کی قسم ہم نے ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں گناہ کیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گناہ سے توبہ کرنے کو کہا۔ ساتھ ہی فرمایا اپنے آپ کو قتل کرو۔ ہم نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں ہمارے مقتولوں کی تعداد ستر ہزار ہوگئی، تب وہ ہم سے راضی ہوا۔

حضرت ثابت بن شماس بن قیس نے کہا خبردار اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ میرے اس قول کی صداقت کو جانتا ہے۔ اگر حضور ﷺ مجھے خود کشی کا حکم دیں تو میں گزروں گا (2) امام بغوی نے کہا مجاہد اور شععی کا قول ہے یہ آیت بشر منافق اور یہودی کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنا معاملہ حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں لے گئے تھے (3) جس واقعہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، جس پر اس آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح ان لوگوں نے کیا جو یہ گمان کرتے تھے کہ وہ سچے مومن ہیں پھر وہ آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوئے۔ پھر نئے سرے سے قسم اٹھائی اور فرمایا تیرے رب کی قسم وہ ایماندار نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لازائدہ ہو جس طرح لاقسم میں لازائدہ ہے۔

یعنی ان کے درمیان اختلاف ہو اور معاملہ ان پر خلط ملط ہو جائے۔ اسی سے ایک لفظ شجر ہے کیونکہ اس کی ٹہنیاں آپس میں خلط ملط ہوتی ہیں۔

لا یجدوا کا عطف بحکم وک پر ہے۔ حرج سے مراد آپ کے فیصلہ کے بارے میں دل میں تنگی ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد شک ہے کیونکہ شک کرنے والا ہمیشہ معاملہ میں تنگی محسوس کرتا ہے اور فیصلہ میں آپ کی اس طرح اطاعت کریں جس طرح خوشی سے اطاعت ہوتی ہے اس میں جبر کی کوئی کیفیت نہیں ہوتی۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ اُخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَسَدًا تُشْهَدُ بِهَا ۗ

”اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کرو اپنے آپ کو یا نکل جاؤ اپنے اپنے گھروں سے تو نہ بجالاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر ان کے لیے اور اسی طرح سختی سے اللہ کے احکام پر ثابت قدم ہو جاتے تھے“

اگر ہم ان پر فرض کر دیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اور تیرے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے وہ منافق تھے۔ یہ جائز نہیں کہ ہم ضمیر تمام مومنین کی طرف لوٹائی جائے جو اس زمانہ میں موجود تھے۔ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تھے۔ کیونکہ کلام منافقین کے بارے

میں چلائی گئی تو پھر صحابہ کے بارے میں یہ حکم کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ اگر ان پر یہ فرض کیا جاتا تو وہ ایسا نہ کرتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی ان الفاظ میں مدح کی **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **يُسَاهِرُونَ فِي الْخَيْبَةِ**۔ اسی طرح کی دوسری آیات بھی ہیں رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے صحابہ کی یوں تعریف کی **خَيْرُ الْقُرُونِ قُرُونِي** بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا **إِنَّ اللَّهَ اخْتَارَنِي وَاخْتَارَ لِي أَصْحَابًا** اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب کیا اور میرے لیے میرے صحابہ کو پسند کیا۔ اگر یہ ضمیر صحابہ کی طرف لوٹی تو موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کی ان پر فضیلت ظاہر ہو جاتی کیونکہ جب انہیں اس طریقہ سے توبہ کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے آپ کو قتل کیا۔

۲۔ تم نے جو حضور ﷺ کے فیصلہ سے اعراض کیا اور دوسرے لوگوں کا فیصلہ لینا چاہا تو اس سے توبہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہاں ان مفسرہ ہے کیونکہ کھینا قول کا معنی موجود ہے یا ان مصدر یہ ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ ہم نے انہیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو اس وقت قتل کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے پھڑے کی پوجا کی۔

۳۔ یا گھروں سے نکل جاؤ جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو مصر سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ گھروں سے نکلنے سے مراد جہاد ہو اور اس میں اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرنا ہو۔

ابو عمر و اور یعقوب نے اسے نون کے کسرہ کے ساتھ اوز او میں واؤ کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضمہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ راء پر ضمہ ہے یا اسے واؤ جمع کے مشابہ رکھنے کی وجہ سے مضموم پڑھا ہے۔ عاصم اور حمزہ نے دونوں کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں کو مضموم پڑھا ہے اور انہیں ہمزہ وصل کے قائم مقام رکھا ہے

۴۔ ضمیر سے مراد قتل، ہجرت یا جوانی پر فرض کیا جاتا۔ ابن عامر نے قلباً نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مستثنیٰ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ کیونکہ جب کلام منفي ہو تو اس وقت یہ بدل ہوتا ہے۔ یہ تھوڑے بھی اس لیے ایسا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نفاق کے بعد خلاص کی توفیق دی واللہ اعلم۔

ابن جریر نے سدی سے روایت کی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس اور ایک یہودی نے باہم فخر کا اظہار کیا۔ یہودی نے کہا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے ہم پر قتل کو فرض کیا تو ہم نے اپنے آپ کو قتل کیا۔ ثابت بن قیس نے کہا اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اس حکم کو لازم کرتا تو ہم بھی ایسے ہی کرتے (۱) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

۵۔ مایو عظون سے مراد رسول اللہ کی متابعت اور خوشی سے آپ کی اطاعت ہے، یعنی اگر وہ ایسا کرتے جس کا انہیں حکم دیا گیا تو یہ ان کے ایمان کو ثابت کرنے اور ان کے اعمال پر ثواب کو ثابت کرنے کا باعث ہوتا۔ تشبیہاً تمہیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ حسن بصری اور مقاتل نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضور ﷺ کے چند اور صحابہ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتا تو ہم ایسا کر گزرتے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس آزمائش سے محفوظ رکھا۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی پختہ ہے۔

وَإِذْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٥﴾

”تو اس وقت لے ہم بھی عطا فرماتے انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم ۱۔“

۱۔ یعنی جب وہ ایسا کرتے اس جملے کا عطف لُکَانَ خَيْرًا لَهُمْ پر ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ سوال کیا گیا ان کے ثابت قدم ہونے کے بعد کیا ہوا تو فرمایا وَاِذَا لَا تَنْتَهُمُ فرمایا یہاں وَاو مستانفہ ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان کے ثابت قدم ہونے کے بعد جو ان کیلئے جواب تھا۔ اس میں اذا شرطیہ کا لانا مناسب نہیں بلکہ اَنْتَهُمُ جواب کافی تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ثابت قدم ہونے کے بعد جواب میں شرط کو مقدر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لو میں امتناع جواب پر دلالت ہوتی ہے جبکہ یہاں ایسا نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں وَاو قسمیں ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وَاللّٰهِ اِذَا لَا تَنْتَهُمُ۔

۲۔ یہ بھی جائز ہے کہ آیت کے شروع میں وَاو عاطفہ ہو اور جملہ کا عطف مقدر کلام پر ہو جس کی تقدیر یہ ہو اِذَا لَهُمْ اَجْرُ الثَّابِتِ وَاِذَا لَا تَنْتَهُمُ۔ من لدنا سے مراد ان کے اعمال کے ثواب اور ثابت قدم رہنے کے ثواب سے زائد اجر بطور فضل و احسان عطا فرمائے گا۔

### وَلَهْدٰیْنَهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝۱۸

”اور ضرور پہنچاتے انہیں سیدھے راستے تک لے۔“

۱۔ صراط فعل ہدینا کا مفعول ثانی ہے، یعنی ایسے راستے پر چلتے ہیں جس راہ پر چل کر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ طبرانی نے ایک ایسی سند سے جس پر کوئی اعتراض نہیں۔ ابو نعیم اور ضیاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا اور ضیاء نے اس روایت کو حسن قرار دیا کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اپنی ذات اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں، آپ کو یاد کرتا ہوں تو اس وقت تک صبر نہیں آتا جب تک آپ کو دیکھ نہ لوں۔ مجھے جب اپنی موت اور آپ کا اس جہان سے پردہ فرمانا یاد آتا ہے تو مجھے معلوم ہوتا ہے جب آپ جنت میں داخل ہوئے تو آپ کا مرتبہ انبیاء کے ساتھ ہوگا اور میں اگر جنت میں داخل ہو بھی گیا تو مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا۔ حضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ جبرائیل امین اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لائے۔ (۱)

وَمَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیِّیْنَ وَ

الصّٰدِقِیْنَ وَ الشّٰہِدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسَنَ اُولٰٓئِكَ رَافِقًا ۝۱۹

”اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی لے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوئے جن پر اللہ نے انعام فرمایا

یعنی انبیاء ۱۔ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ۲۔ اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی ۳۔“

۱۔ جس نے فرائض کی ادائیگی اور سنن کی اتباع میں اللہ اور رسول کی اتباع کی۔

۲۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس سے حضرت عائشہ صدیقہ جیسی روایت نقل کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے مسروق سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے عرض کیا ہمیں مناسب نہیں لگتا کہ آپ سے جدا ہوں کیونکہ جب آپ اس جہاں سے پردہ فرمائیں گے آپ کا مرتبہ ہم سے بہت بلند ہوگا ہم تو آپ کو دیکھ بھی نہ سکیں گے (۲) ابن جریر نے ربیع سے نقل کیا۔ کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے کہا

ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اہل ایمان پر جنت میں درجات کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہے جو آپ کی اتباع کرے اور آپ کی تصدیق کرے، اگر وہ جنت میں جمع ہو بھی جائیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بلند درجات والے کم درجات والوں کی طرف اتریں گے، وہ ان کے باغات میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیا ہوگا اس کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں گے۔ (1)

امام مسلم ابوداؤد اور نسائی نے ربیعہ بن کعب اسلمی سے روایت کیا ہے میں حضور ﷺ کی خدمت میں آتا آپ کے لیے پانی لاتا اور کوئی کام ہوتا تو اسے بجالاتا۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا مانگ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ سے جنت میں آپ کی سنگت مانگتا ہوں۔ فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ مانگتا ہے؟ میں نے عرض کی بس یہی۔ فرمایا پس کثرت بجد کے ساتھ میری مدد کر۔ (2)

عکرمہ سے منقول ہے کہا ایک نوجوان حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کی اے اللہ کے نبی دنیا میں ہم آپ کی زیارت کرتے ہیں، قیامت کے روز ہم آپ کا دیدار نہ کر سکیں گے۔ بے شک آپ کے درجات بہت بلند ہونگے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضور ﷺ نے اس نوجوان کو فرمایا تم جنت میں میرے ساتھ ہو گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن جریر نے اسی کی مثل سعید بن جبیر مسروق ربیع قتادہ اور سدی سے مرسل روایت ذکر کی۔

امام بغوی نے ذکر کیا کہ یہ آیت حضرت ثوبان جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضور ﷺ سے حد درجہ محبت کرتے تھے اور آپ کی جدائی پر صبر نہ کر سکتے تھے۔ ایک روز وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا رنگ بدلا ہوا تھا اور چہرے سے غم کے آثار نمایاں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کس چیز نے تیرے رنگ کو بدل دیا۔ عرض کی یا رسول اللہ مجھے کوئی مرض نہیں اور نہ کوئی درد ہے۔ بات یہ ہے جب میں آپ کا دیدار نہیں کر پاتا تو سخت وحشت محسوس کرتا ہوں۔ یہ کیفیت اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کہ میں آپ سے ملاقات نہ کر لوں۔ پھر مجھے دار آخرت یاد آیا تو میں ڈرنے لگا کہ میں آپ کا دیدار نہ کر سکوں گا کیونکہ آپ انبیاء کے ساتھ بلند مقامات میں ہونگے۔ اگر میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو میرا مقام آپ کے مقام سے بہت نیچے ہوگا۔ اگر میں جنت میں داخل نہ ہو سکا تو کبھی بھی آپ کی زیارت نہ کر سکوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (3)

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں پر انعام کیا ان کی چار قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے مراتب کے لحاظ سے ذکر فرمایا۔ باقی تمام لوگوں کو برا بیخنتہ کیا کہ ان سے پیچھے نہ رہیں۔

پہلی قسم کے لوگ انبیاء ہیں جن کے تعین کے مبادی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں وہ خالص دائمی تجلیات ذاتیہ میں مستغرق ہوتے ہیں۔ وہاں صفات کا حجاب بھی حائل نہیں ہوتا۔ انہیں تجلیات کو کمالات نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ اس مقام کو اصل کے اعتبار سے پانے والے اور اس میں راسخ ہوتے ہیں۔ یہ مخلوقات کی تکمیل اور انہیں فطرتی استعداد ان کی محنت اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق قرب کے مراتب کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں تک احکام پہنچانے والے ہوتے ہیں جو احکام لوگوں کی دنیا و آخرت کو بہتر بنا دیتے ہیں۔

دوسری قسم صدیقین کی ہے۔ یہ صلت صدق میں انتہائی مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ ظاہری و باطنی طور پر انبیاء کی کامل اتباع سے متصف



دیکھا جتنا وہ اس ارشاد سے خوش ہوئے، متفق علیہ (۱) یہ بھی جائز ہے کہ ذلک کا مشار الیہ ان لوگوں کا مرتبہ ہو جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، یعنی انہوں نے یہ درجہ نہ پایا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے جبکہ ان کے اعمال ایسے نہ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ تک رسائی عموماً اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن لینے سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے کے قریب رہو اور اپنے اعمال کو درست رکھو۔ یہ جان لو تم میں سے کوئی آدمی بھی اپنے عمل سے جنت میں نہ جائے گا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بھی۔ فرمایا ہاں میں بھی نہیں مگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل میں چھپالے، متفق علیہ۔ (۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرًا كَمَا خُذْتُمْ أَنْفِرُوا الْغَيْبَاتِ أَوْ انْفِرُوا جَمِيعًا ①

”اے ایمان والو! ہوشیار رہو پھر (وقت آجائے تو) نکلو تو لیاں بن کر یا نکلو سب مل کر۔“

۱۔ حذر اور حذر اسی طرح استعمال ہوتے ہیں جیسے اثر اور اثر، مثل اور مثل اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی چیز جس کے ساتھ دشمن سے بچا جائے۔ انفر و انفر کا معنی اخر جو یعنی نکلنا ہے۔ ثبات (۱) کا معنی متفرق جماعتیں۔ یہ شبہ کی جمع ہے۔ اس کی جمع ثبیت کے وزن پر بھی آتی ہے یعنی اس کا آخری حرف جو حذف تھا اسے واپس لاتے ہیں۔

وَإِنْ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُمْصِبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ②

”اور بے شک تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ضرور دیر لگائیں گے پھر اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت ہے تو وہ کہے گا اے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم کیا ہے کہ میں نہیں تھا ان کے ہمراہ جنگ میں حاضر۔“

۱۔ وَإِنْ مِنْكُمْ: اس کا عطف خُذُوا حِذْرًا كَمَا خُذْتُمْ پر اس طرح ہے جس طرح ایک قصہ کا عطف دوسرے قصہ پر کیا جاتا ہے۔ یا یہ فلیقاتل تک جملہ معترضہ ہے

۲۔ لَمَنْ میں لام ابتدائیہ ہے۔ جو ان کے اسم پر داخل ہوا کیونکہ ان اور اس کے اسم کے درمیان خبر سے فاصلہ آ گیا ہے۔

۳۔ لَيُبَطِّئَنَّ یہ مخدوف قسم کا جواب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ان منکم واللہ لیبطئن یعنی جو جہاد سے گھریٹھے رہتے ہیں اور سستی کرتے ہیں وہ منافق ہیں۔ یہ بطاء سے مشتق ہے جس کا معنی ابطاء یہ ہے فعل لازم ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی جہاد سے روکتے ہیں جس طرح احد کے روز ابن ابی نے لوگوں کو جہاد سے روکا بطاء بلاء سے منقول ہے جس طرح ثَقُلَ ثَقُلَ سے ہے اے مومنوں اگر تمہیں شہادت یا شکست کا سامنا ہو

۴۔ تو گھروں میں بیٹھ رہنے والا منافق کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کیا ہے

۵۔ ہم ضمیر سے مراد مومن ہیں۔ شہید سے مراد حاضر ہے یعنی جو مصیبت مومنوں کو پہنچی ہمیں نہیں پہنچی۔

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ قَضٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ

۱۔ صحیح مسلم: 162-163، جلد 16، صفحہ 153 (علیہ)

۲۔ صحیح مسلم: 76، جلد 17، صفحہ 132 (علیہ)

(۱) حضرت ابن عباس سے مروی ہے ثبات سے مراد ایسی جماعت ہے جس کی تعداد دس یا اس سے اوپر ہو۔ مجاہد سے مروی ہے اس سے مراد چھوٹی جماعتیں ہیں۔ از مؤلف رحمہ اللہ



## يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْتُمْ مَعَكُمْ فَاَنْتُمْ مَعَكُمْ اَعْظِيْمًا ۝۲۷

”اور اگر ملے تمہیں فضل (فتح اور مال غنیمت) اللہ کی مہربانی سے تو ضرور کہے ۱۔ جیسے نہیں تھی تمہارے درمیان اور اس

کے درمیان کوئی دوستی ۲۔ کاش میں بھی ہوتا ان کے ہمراہ ۳۔ تو حاصل کرتا بڑی کامیابی ۴۔“

۱۔ فضل سے مراد فتح اور غنیمت ہے۔ ليقولن میں فعل کو مومکد ذکر کیا۔ مقصود یہ ہے کہ ان کی حسرت بہت زیادہ ہے۔ کان یہ مقلد سے مخففہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان مخدوف ہے۔ لم تکن کو ابن کثیر اور خفص نے واحد مونث غائب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے واحد مذکر غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔

۲۔ قول اور مقولہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ یہ ان کے عقیدہ کی کمزوری پر تنبیہ کرنے کے لیے تمنی کا ذکر ہے۔ ان کا یہ قول ایسے آدمی کے قول کی طرح ہے جس کے ساتھ تمہارا کوئی رشتہ نہ ہو وہ تمہاری دوستی سے صرف مال حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تمہیں کامیابی ہو تو اس پر وہ حسد کرتے ہیں یا ليقولن میں جو ضمیر ہے اس سے یہ جملہ حال ہے یا یہ بھی مقولہ ہے، یعنی گھروں میں بیٹھ رہنے والا کمزور مسلمانوں سے گفتگو کے دوران یہ بات کہتا ہے۔ گویا تمہارا اور حضور ﷺ کے درمیان کوئی محبت کا رشتہ نہیں کیونکہ آپ نے تم سے کوئی مدد نہیں لی ورنہ جس طرح مجاہدین کامیاب و کامران ہوئے اسی طرح تمہیں بھی مال و دولت ملتی۔

۳۔ اے میری قوم کاش میں ان کے ساتھ ہوتا۔ یہاں ہم ضمیر سے مراد مومنین ہیں ایک قول یہ کیا گیا کہ یا کاللفظ مجازا تنبیہ کے لیے بولا گیا۔ ۴۔ فَاَنْتُمْ مَعَكُمْ کے جواب میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی میں بھی مال غنیمت میں سے وافر حصہ پاتا۔ امام بغوی نے کہا كَان لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مَوَدَّةٌ پہلے جملہ کے ساتھ متصل ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰى اِذْ لَمْ اَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا كَاَنْ لَمْ تَكُنْ ..... (1) امام بیضاوی نے کہا یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ جملہ کے اجزاء میں ایسی چیزوں کے ساتھ جدائی کرنا صحیح نہیں ہوتا جن کا ان کے ساتھ لفظی اور معنوی تعلق نہ ہو۔ (2)

## فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُونَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۗ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۸

”پس چاہیے کہ لڑا کریں ۱۔ اللہ کی راہ میں (صرف) وہ لوگ جنہوں نے بیچ دی دنیا کی زندگی آخرت کے عوض ۲۔ اور جو

شخص لڑے اللہ کی راہ میں پھر (خواہ) مارا جائے یا غالب آئے (تو دونوں حالتوں میں) ہم دیں گے اسے اجر عظیم ۳۔“

۱۔ فَلْيُقَاتِلْ اس کا عطف خذوا حذر کم پر ہے اس میں خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف عدول ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاء جزائیہ ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی اِنْ بَطَّأهُ لَاءِ الْمُنَافِقُوْنَ فَلْيُقَاتِلْ اگر یہ منافق گھروں میں بیٹھے رہیں تو انہیں جہاد کرنا چاہیے۔

۲۔ وہ مخلص لوگ جو آخرت کی طلب میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ الذین اسم موصول فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ يشرون یہاں يشرون کے معنی میں ہے، یعنی وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، وہ منافق لوگ ہیں، یعنی انہیں چاہیے کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لائیں نفاق کو چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں تاکہ دنیا و آخرت میں ان کے لیے کوئی حسرت نہ رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مفعول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو اور اس سے مراد کافر اور منافق ہوں جو دنیا کو آخرت پر

ترجیح دیتے ہیں۔ فُلَيْقَاتِلُ فِي ضَمِيرِ مَرْفُوعِ الَّذِينَ اَمِنُوا كِي طَرَفِ لُوثِ رَهِي هِيَ جَنَّتِي هِي خَذَا حَذْرًا كَمِ سَعِ خَطَابِ كَيَا كَيَا۔  
سے انہیں آخرت میں اجر عظیم دیں گے اللہ تعالیٰ نے مجاہد کے ساتھ اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے کیونکہ وہ اعلامہ کلمۃ الحق کے لیے کوشش کرتا ہے، خواہ وہ شہید ہو جائے اور اسے غلبہ میسر نہ ہو۔ اس انعام کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی طاقت کے مطابق کوششیں صرف کیں یا وہ غالب آ گیا اور اسے ملک و غنیمت حاصل ہو گئی کیونکہ اس کا غنیمتیں حاصل کرنا اس کے اجر میں کمی نہیں کرتا جب مال اس کے لیے اہمیت نہ رکھتا ہو بلکہ اس کا مقصود صرف دین کا غلبہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس آدمی کے ساتھ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلتا ہے۔ اسے کوئی چیز جہاد پر نہیں لے جاتی مگر ایمان اور رسول اللہ کی تصدیق کہ یا تو میں اسے اجر و غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں گا۔ یا اسے جنت میں داخل کروں گا۔ متفق علیہ (۱) یہاں حرف او منع خلو (۱) کے طریقہ پر ہے۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے روزے دار رات کو قیام کرنے والے اور خشوع و خضوع سے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے والے کی وہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ روزے کو، یہاں تک کہ وہ جہاد سے واپس لوٹتا ہے (۲) ایک روایت میں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے کے گھر میں غنیمت اور اجر کے ساتھ لوٹاتا ہے یا اسے موت عطا کرتا ہے اور اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝

”اور کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جنگ نہیں کرتے ہو راہ خدا میں حالانکہ کئی بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو (ظلم سے تنگ آ کر) عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب نکال ہمیں اس بستی سے ظالم ہیں جس کے رہنے والے اور بنادے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی دوست اور بنادے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار۔“

۱۔ وَمَا لَكُمْ مَبْدَا اور خبر ہے۔ لَا تُقَاتِلُونَ یہ حال ہے، اس میں عامل ظرف مستقر ہے معنی یہ ہوگا کون سی چیز تمہارے لیے ثابت ہوئی جس کی وجہ سے تم نے جہاد چھوڑ دیا یہاں ما استفہامیہ ان کے جہاد ترک کرنے اور اس میں سستی کرنے پر نا پسندندگی کا اظہار کرنے کیلئے ہے۔ مستضعفین کا عطف لفظ اللہ اسم جلالیت یا سبیل اللہ پر ہے۔ معنی یہ بنے گا اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور کمزور مومنوں کو آزاد کرانے کے لیے کیوں جہاد نہیں کرتے۔ اس صورت میں مستضعفین سے پہلے مضاف مخدوف ہوگا جو خلاص ہے یا سبیل ہے۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ میں موجود کمزور مسلمانوں کو مشرکین کے تسلط سے آزادی دلوانا ہے۔ مستضعفین کو اختصاص کے طریقہ پر منصوب پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ سبیل اللہ کا لفظ ابواب خیر کو عام ہے۔ کمزور مسلمانوں کو کفار سے آزادی دلوانا ان میں سے عظیم ترین ہے۔ وہ مرد ہوں، عورتیں ہوں یا بچے جو مکہ مکرمہ میں کفار سے اذیتیں برداشت کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں۔

نصیر سے مراد سے ایسا مددگار ہے جو مشرکین کے ظلم سے ہمیں محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور رسول اکرم

2- صحیح مسلم: 110، جلد 13، (العلمیہ)

1- صحیح بخاری: 36 (مکرم)

(۱) غلم منطق کی اصطلاح ہے، یہ قضیہ منقولہ سے کی ایک قسم ہے، کسی شے سے دونوں قضیے جدا نہیں ہو سکتے، ہاں جمع ہو سکتے ہیں۔

ﷺ کے ہاتھ پر مکہ مکرمہ کی فتح نصیب فرمائی۔ حضرت عتاب بن اسید کو انکا والی بنایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے انکا مددگار بنایا۔ وہ مظلوموں سے انصاف کرتے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ  
الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ④

”جو ایمان لائے ہیں وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں تو (اے

ایمان والو) لڑو شیطان کے حامیوں سے بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے۔“

۱۔ سبیل اللہ سے مراد ایسا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہو۔ سبیل طاغوت سے مراد شیطان کی اطاعت ہے اور ایسا راستہ ہے جو جہنم کے گڑھوں میں انہیں شیطان تک پہنچادے۔ اولیاء الشیطن سے مراد کفار کے لشکر ہیں۔ پھر مومنوں کو حوصلہ دیا کہ شیطان کی خفیہ تدبیر کمزور ہے اور وہ صرف وسوسہ پر قادر ہے کیونکہ شیطان نے غزوہ بدر کے روز کفار سے یہ کہا تھا لَا غَالِبَ لَكُم مَّغْرِبَ فَرَشْتَوْنَ کو دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا کفار کو چھوڑ دیا کہا اِنِّي بَرِيٌّ مِّنْكُمْ اِنِّي اَمْرِي مَعَ اللّٰهِ تَزْوَن.....

نسائی اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف اور ان کے ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں تھے۔ عرض کی یا نبی اللہ جب ہم مشرک تھے تو ہم عزت دار تھے۔ جب ہم ایمان لائے تو ذلیل و خوار ہو گئے۔ فرمایا مجھے معاف کرنے کا حکم ہے۔ تم قوم سے جنگ نہ کرو (۱) جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مدینہ میں قیام عطا کیا تو جہاد کا حکم دیا۔ اس وقت بعض لوگوں نے بزدلی دکھائی اور جہاد سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّواْ اَيْدِيَكُمْ وَاَقِمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا  
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشِيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ  
خَشِيَةً وَقَالُوْا اِرْبَابِنَا لَمْ كُتِبَتْ عَلَيْنَا الْقِتَالُ لَوْلَا اٰخِرْتَنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ  
قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۝۹ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ④

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ۱۔ ان لوگوں کی طرف جنہیں جب کہا گیا ۲۔ کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) ۳۔ پھر فرض کیا گیا ان پر جہاد ۴۔ تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے ۵۔ یا اس سے بھی زیادہ ۶۔ اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک کے (اے ترجمان حقیقت انہیں) کہو دنیا کا سامان بہت قلیل ہے ۷۔ اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کیے ہے ۸۔ اور نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گنٹھلی کے ریشہ کے برابر ۹۔“

۱۔ اَلَمْ تَرَ حرف استفہام تعجب کے لیے ہے۔ تعجب کی بنیاد یہ تھی کہ جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک جماعت جہاد سے گھر



کرے تو اس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ اسے اس سوراخ میں سانپ کے ہونے کا یقین نہ تھا۔ اس طرح جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ وعید کی آیات پر ایمان نہیں رکھتا۔ اگر اسے گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر عذاب کے واقع ہونے کا یقین ہوتا تو اس کا ارتکاب نہ کرتا ہم نے جو ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیت مجاز پر مبنی ہے۔

کے عرض کرنے لگے تو نے جہاد کیوں فرض کر دیا کہ ہمیں شہید کر دیا جائے تو نے ہمیں موت تک دنیا میں مہلت کیوں نہیں دی کہ ہم اپنے بستروں پر مرتے۔ دونوں جملوں کو بغیر عطف کے ذکر کیا تاکہ اس امر پر دلالت کرے کہ کبھی ان کا قول یہ ہوتا ہے اور کبھی ان کا قول یہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں ایک کلام نہیں۔ یہ جہاد کی فرضیت کی حکمت کو جاننے کے بارے میں سوال نہیں کیونکہ اس کی حکمت تو معروف و معلوم تھی بلکہ یہ محض ایک آرزو تھی اور موت کے ڈر سے قتال سے رکنے کی مدت میں اضافہ کا مطالبہ تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ کلام منہ سے نہیں نکالی تھی بلکہ ابھی ان کے دل میں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیان کر دیا۔

۷ دنیا کی منفعت اور اس سے لطف اندوز ہونا تھوڑے عرصہ کے لیے ہے جبکہ آخرت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ جلد ختم ہونے والی ہے، اگرچہ وہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو اگر وہ بالغرض عمر زیادہ کر بھی دے تو بھی عمر کی طوالت کی خواہش تمہیں کوئی نفع نہ دے گی۔

۹ جو آدمی شرک اور نافرمانی سے بچا اس کے لیے دنیا کی بنسبت آخرت کا ثواب بہتر ہے۔ اس لیے تم گھروں میں بیٹھ رہنے سے بچتے ہوئے اور جہاد میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کر کے آخرت کے بدلہ میں اضافہ طلب کرو۔ گویا یہ کلام لم کتبت علینا کا جواب ہے۔ اگر یہ مقدر کیا جائے کہ ان کا کلام جہاد کی حکمت کے بارے میں سوال ہے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ جہاد کی فرضیت کی حکمت یہ ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ۔

۱۰ تمہارے ثواب میں معمولی کمی بھی نہ کی جائیگی اس لیے اس سے اعراض نہ کرو۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ موت کی جو مدت تمہارے لیے معین کی گئی ہے۔ اسے قتال کے ساتھ کم نہ کیا جائیگا۔ ابن کثیر، ابو جعفر، حمزہ اور کسائی نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ پہلے غائب کے صیغے ہیں، جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ خطاب کا صیغہ ہے یہ کلام منافقین کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے شہداء احد کے بارے میں کیا تھا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو انہیں شہید نہ کیا جاتا۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكَكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ  
حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ  
قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝

”جہاں کہیں تم ہو گے۔ آ لے گی تمہیں موت اگرچہ (پناہ گزیں) ہو تم مضبوط قلعوں میں۔ اور اگر پہنچے انہیں کوئی بھلائی۔ تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے انہیں کوئی تکلیف تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے۔“  
(اے میرے رسول ﷺ) آپ فرمائیے سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تو کیا ہو گیا ہے اس قوم کو بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے۔“

۱۰۔ اَيْنَ مَا تَكُونُوا میں مازائدہ ہے اور این میں شرط کا جو معنی پایا جاتا ہے اس کی تاکید کے لیے آیا ہے۔

۱۷. بُرُودٌ مُشِيدَةٌ سے مراد بلند محلات اور قلعے ہیں۔ قتادہ نے کہا اس کا معنی محفوظ قلعے ہیں۔ عکرمہ نے کہا جسے چونے اور مسالے سے تعمیر کیا گیا کیونکہ شید کا معنی چونا ہوتا ہے۔ اس آیت کو اس مقام پر لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے لَوْ لَا اخْرُجْنَا إِلَىٰ اَجَلٍ قَرِيبٍ۔ مراد یہ ہے کہ قتال کے ذریعے موت کو جلدی نہیں لایا جاسکتا اور احتیاط موت کو دور نہیں کر سکتی اور نہ ہی تقدیر کو ٹال سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے پر یہودیوں اور منافقوں نے جب یہ کہا جب سے یہ آئے ہیں ہم لگا تار اپنے پھلوں اور کھیتوں میں کمی دیکھ رہے ہیں تو یہ آیت کریم نازل ہوئی۔

۱۸. اگر منافقین اور یہودیوں کو شادابی بھاؤ میں کمی احوال و اولاد میں زیادتی نصیب ہو تو کہتے ہیں۔

۱۹. یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے مقدر ہے (ہم اسی کے اہل تھے) اگر تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں یہ آپ کی نحوست کی وجہ سے ہے نعوذ باللہ من هذا القول، اگرچہ فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔

۲۰. اے محمد ﷺ فرما دیجئے۔ راحت اور تسکین سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، خواہ فضل و احسان کے ارادہ سے ہو یا حکمت کے تقاضا کے مطابق بطور انتقام ہو۔ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی اور کی نحوست سے کسی سے انتقام لے وہ خود جب کفر و عصیان میں منہمک ہیں۔ تو ان کا تکلیف کو حضور ﷺ کی نحوست کی طرف منسوب کرنا واضح طور پر باطل ہے۔

۲۱. قوم سے مراد کافر ہیں۔ ایسے لوگ فہم اور تفقہ کے قریب بھی نہیں جاتے، چہ جائیکہ اس کو حقیقت میں سمجھیں۔ حدیث سے مراد قرآن ہے۔ اگر وہ قرآن کو سمجھتے، اس کے معانی میں تدبر کرتے تو یہ جان لیتے کہ خیر اور شر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو غیر کے عمل کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا، یا وہ چوپاؤں کی طرح کوئی بات بھی نہیں سمجھتے، یا وہ وقوع پذیر ہونے والے واقعہ کو نہیں سمجھتے کہ ان سے جو اعمال صادر ہوتے رہے اس میں وہ سوچو بچار کرتے کہ کیا یہ نیکی ہے جو انعام کا تقاضا کرتی ہے یا برائی ہے جو ناراضگی کا تقاضا کرتی ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۗ  
أَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝۱۰

”جو پہنچے آپ کو بھلائی سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے آپ کو تکلیف سو وہ آپ کی طرف سے ہے اور سمجھا ہے

ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر سنا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کا) گواہ ہے۔“

۱۲. اے انسان تمہیں جو بھی نعمت پہنچتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر فضل و احسان ہوتا ہے، تمہاری طرف سے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی کیونکہ انسان طاعات میں سے جو بھی عمل کرتا ہے، اگر انسان کی طرف سے ان کا واقع ہونا مان بھی لیا جائے ان میں نافرمانی کی کوئی آمیزش نہ ہو اور وہ قبولیت کے قابل بھی ہوں اور انسان تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزارنے والا ہو تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسندیدہ امور سے محفوظ رکھا اور اپنے پسندیدہ امور کی توفیق عطا فرمائی تو اس کی توفیق پر انسان کو شکر بجالانا واجب ہے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ بندہ اپنے اس عمل پر دنیا یا آخرت کے بدلے کا مستحق ہے جبکہ انسان کا وجود اور اس کے توابع (جن پر طاعت کا صدور منحصر ہے) سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے یہ طاعت اس نعمت کا شکر نہیں بن سکتی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو

سکتا۔ عرض کی گئی آپ بھی؟ فرمایا میں بھی نہیں، متفق علیہ۔ یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ (1)

۲۔ اے انسان جو تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ تیرے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ابن منذر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں یہ بھی تھا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ وَاَنَا كَتَبْتُهَا عَلَيْكَ، یعنی یہ تیرے اپنے اعمال کی شامت ہے، کسی اور کی نحوست کا نتیجہ نہیں۔ (2) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو پیدا فرمایا تاکہ تیری بعض نافرمانیوں کا انتقام لیا جائے اور تیرے گناہوں کی جزا دی جائے۔ اگر وہ انسان کافر ہو تو دنیا کی مصیبت آخرت میں واقع ہونے والے عذاب کا نمونہ ہوتی ہے۔ اگر وہ انسان مومن ہوں تو یہ مصیبت اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مصیبت بھی انسان کو پہنچتی ہے، یہاں تک کہ جو کائنات سے چھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، متفق علیہ۔ (3) حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کو جو دکھ یا بیماری لگتی ہے یہاں تک کہ کائنات سے چھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں انسان کے گناہ بخش دیتا ہے، متفق علیہ۔ (4)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انسان کو جو ٹھوکر لگتی ہے یا اس سے کم و بیش تکلیف آتی ہے وہ اس کے گناہ کے عوض میں ہوتی ہے، اس کے بدلے میں جو گناہ معاف ہوتے ہیں وہ زیادہ ہوتے ہیں۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے (5) کفار تکلیف کی نسبت جو رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے تھے اس آیت میں اس کا جواب ہے۔

۳۔ رسولاً کاللفظ مفعول مطلق یا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اگر جار مجرور کو فعل کے ساتھ متعلق کیا جائے تو اس سے تاکید کا قصد ہوگا۔ اگر رسولاً کے ساتھ متعلق ہو تو اس سے عمومیت کا ارادہ ہوگا، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَمَا أَمْرُ سَلْتِكَ إِلَّا كَأَقْبَابٍ۔ اس جملہ میں بھی ان کے اس قول کا رد ہے جب وہ یہ کہتے هَذَا مِنْ عِنْدِكَ، یعنی مصیبت کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے۔ جبکہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بن کر تشریف لائے، آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ کفار کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کیا گیا، انہیں دنیا یا آخرت میں جو عذاب پہنچتا ہے وہ ان کے نفوس کی نحوست کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کی تھی۔

۴۔ دنیا میں معجزات عطا فرما کر اور قیامت کے روز آپ کے بارے جو کوئی جھگڑا کرے گا تو اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں شہادت کر دے گا کفار کے الزام کے لیے اللہ تعالیٰ اور انہیں عذاب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ بادشاہ ہوگا، وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اسے فیصلہ کرنے کے لیے کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہ ہوگی، واللہ اعلم۔

امام بغوی نے کہا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔ بعض منافقین نے کہا یہ تو ہم سے اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ ہم انہیں رب بنالیں، جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو رب مان لیا تو اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت نازل فرمائی۔ (6)

2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 331 (علیہ)

1۔ صحیح مسلم: 72، جلد 17، صفحہ 132 (علیہ)

4۔ صحیح مسلم: 52، جلد 106، صفحہ 106 (علیہ)

3۔ صحیح مسلم: 49، جلد 16، صفحہ 106 (علیہ)

6۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 113 (تکرر)

5۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی: 965 (علیہ)

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۗ

”جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا

پاسبان بنا کر۔“

۱۔ رسول اللہ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس لیے ہے کیونکہ حضور ﷺ تو پیغام حق پہنچانے والے ہیں، حکم دینے والا اللہ ہے اے محبوب جو آپ کی اطاعت نہ کرے اس پر آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ حفیظاً یہ کاف ضمیر سے حال ہے، یعنی آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے ہم نے آپ کو ان کے اعمال کی مخالفت اور ان کا محاسبہ کرنے کے لیے مبعوث نہیں کیا۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَدُوا مِنَ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

”اور کہتے ہیں ہم نے حکم مان لیا اور جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات بھر مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ۲۔ ان میں سے اس کے برعکس جو آپ نے فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو سوچا کرتے ہیں ۳۔ پس رخ (انور) موڑ لیجئے ان سے ۴۔ اور بھروسہ کیجئے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز ۵۔“

۱۔ جب آپ منافقوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہمارا تو کام ہی اطاعت کرنا ہے۔ طائفة خبر ہے اور اس کا مبتدا امرنا مخدوف ہے۔ مصدر ہونے کی حیثیت سے اسے منصوب ہونا چاہیے لیکن دوام اور ثبات پر دلالت کرنے کے لئے اسے نصب سے رفع کی طرف پھیرا گیا۔ ۲۔ برزوا کا معنی نکلنا ہے۔ ابو عمر و اور حمزہ نے تاء کو طاء میں مدغم کر کے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اظہار کر کے پڑھا ہے۔ بیت کا معنی بدلنا ہے۔ قنادر اور کلبی نے یہی کیا ہے۔ انفس نے کہا بیت کا معنی قدر ہے۔ جب کسی چیز کا اندازہ لگایا جائے تو عرب کہتے ہیں قَدْ بَيَّتَ۔ وہ اسے شعراء کے بیت کے ساتھ یا بنائے گئے گھر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ ابو عبیدہ اور قتیبہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ دن کے وقت انہوں نے آپ سے جو وعدہ کیا تھا رات کے وقت اسے تبدیل کر دیا۔ ۳۔ تقول میں ضمیر طائفہ کی طرف لوائے گی، یعنی انہوں نے جو کچھ آپ سے طاعت کے بارے میں کہا تھا۔ اس کے برعکس ایک طائفہ دھوکہ دہی کرتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقول میں خطاب حضور سے ہو۔

۴۔ مراد اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ لکھتے ہیں جو وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں تاکہ انہیں دھوکہ دینے پر انہیں پوری پوری سزا دی جائے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مشوروں کو اس وحی میں شامل لیتا ہے جو آپ کی طرف کی جا رہی ہوتی ہے تاکہ آپ بھی ان کے رازوں سے آگاہ ہو جائیں۔

۵۔ آپ ان کی طرف نہ توجہ کریں اعراض کا معنی پرواہ نہ کرنا اور ان سے پہلو تہی کرنا ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ انہیں نہ چھڑکیں اور ان کے اسماء نہ بتائیں۔



۱۔ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرو۔ جب تو نے انکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے ان سے انتقام لے لے گا اور وہ تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے۔

أَفَلَا يَتَذَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۖ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿١٦﴾

”تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں؟ اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر۔“

۱۔ یَتَذَبَّرُونَ الْقُرْآنَ میں واو ضمیر سے مراد منافق ہیں، یعنی کیا منافق قرآن حکیم کے الفاظ اور معانی میں تدبر نہیں کرتے اور اس میں جو غرائب ہیں ان میں نظر و فکر نہیں کرتے تاکہ ان پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ یہ انسان کا کلام نہیں کہ انہیں ایمان کی نعمت حاصل ہو جاتی اور وہ نفاق کو چھوڑ دیتے۔ تدبر کا اصل معنی کسی شے کے عواقب میں غور فکر کرنا ہے۔ اس میں قیاس کی صحت پر دلیل ہے۔

۲۔ کفار کے گمان کے مطابق اگر قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو وہ اس میں بہت بڑا اختلاف پاتے، یعنی معانی میں تضاد اور الفاظ میں تفاوت ہوتا اس طرح کہ بعض الفاظ فصیح اور بعض رکیک ہوتے، بعض کا مقابلہ مشکل ہوتا اور بعض کا آسان، آنے والے زمانے کی خبروں میں سے بعض میں مطابقت ہوتی، جب کہ بعض میں مطابقت نہ ہوتی کیونکہ انسان کی قوت میں نقص ہے۔ تاریخ اور منسوخ اختلاف کے باب میں سے نہیں بلکہ نسخ کا مطلب اس حکم کی مدت کا بیان ہوتا ہے جس میں اختلاف کیا جاتا ہے یہ چیز اس امر پر مبنی ہے کہ زمانے کے مختلف ہونے کی بناء پر حکم اور مصالح میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔

امام بغوی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ چھوٹے لشکر بھیجا کرتے جب وہ غالب آ جاتے یا مغلوب ہو جاتے تو منافق ان کی خبر لینے میں جلدی کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گفتگو کرنے سے قبل یہ منافق لوگوں سے گفتگو کرتے؛ اس کے ذریعے وہ مومنوں کے دلوں کو کمزور کرتے (۱) ایک قول یہ کیا گیا کہ مسلمانوں میں سے کمزور رائے لوگوں کو جب چھوٹے لشکروں کی خبر پہنچتی یا رسول اللہ ﷺ فتح یا خوف کے بارے میں لوگوں کو آگاہ فرماتے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی تو یہ کمزور دل مسلمان اس بات کو عام کر دیتے۔ اس میں فساد کی صورت پیدا ہوتی کیونکہ مد مقابل جب امن کی بات سنتا ہے تو اپنے دفاع کا سوچتا ہے اور جب اسے خوف کی کیفیت کا علم ہوتا ہے تو وہ جنگ فساد کی کوشش کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٧﴾

”اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی تو چرچا کرنے لگتے ہیں اس کا اور اگر لوٹا دیتے اسے رسول (کریم) کی طرف اور بااقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے اور تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور نہ ہوتی اس کی رحمت تو ضرور تم اتباع کرنے لگتے شیطان کا سوائے چند آدمیوں کے۔“

۱۔ جَاءَهُمْ مِنْهُمْ ضَمِيرٌ سے مراد منافقین یا مسلمانوں میں سے کمزور رائے ہیں۔ امن سے مراد فتح اور سلامتی ہے۔ خوف سے مراد شکست یا خرابی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں۔

۲۔ اگر وہ اس خبر کو رسول اللہ یا صاحب رائے صحابہ کی طرف پھیر دیتے جیسے حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم کیونکہ یہ صاحب بصیرت لوگ ہیں یا اس لیے کہ عموماً انہیں ہی امیر بنایا جاتا ہے یا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو حکم دینے سے قبل ان سے مشورہ فرماتے ہیں یا لوگوں کی ان کی اقتداء کا حکم ارشاد فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اهل زمین میں سے میرے دو وزیر ابو بکر و عمر ہیں۔ اسے امام ترمذی نے ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے۔ (۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے ابو بکر و عمر کی اقتداء کرو اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ (۲)

۳۔ استبطاء کا معنی استخراج ہے۔ عربی کا مقولہ ہے استبط الماء جب اس نے پانی نکالا۔ یعنی وہ اپنی نظر و فکر سے اس امر کے مناسب بات اخذ کر لیتے ہیں کہ اس کو عام کرنا مناسب ہے یا مخفی رکھنا مناسب ہے۔ الذین یستبطون سے مراد نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے اولی الامر مراد ہیں۔ یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا۔ یہاں مقام تو تعلموہ کا تھا۔ یہاں علم بمعنی معرفت ہے جو ایک مفعول کا تقاضا کرتا ہے اور منہم الذین سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ اور صاحب الرائے صحابہ کرام اس خبر کے مناسب بات کو اخذ کر لیتے یا مستبطین سے مراد وہ لوگ ہیں جو باتوں کو عام کرتے ہیں۔ اس صورت میں منہم فعل کے متعلق ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ خبروں کو عام کرنے والے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ سے ایسا علم حاصل کرتے جو اس امر کے مناسب ہے۔

۴۔ یہاں اضافت عہد خارجی کے لیے ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت رسولوں کو مبعوث فرما کر اور کتابیں نازل کر کے نہ ہوتی۔ تو تم کفر اور گمراہی کے ساتھ شیطان کی اتباع کرتے استثناء مخاطب کی ضمیر سے ہے یا یہ استثناء مفرغ ہے، یعنی تم ضرور شیطان کی اتباع کرتے مگر تم میں سے بعض اس سے حسن رائے اور اللہ تعالیٰ کی عصمت کی وجہ سے بچے رہے۔ جس طرح زید بن عمرو بن نفیل و رقدہ بن نوفل یہ اللہ تعالیٰ کا اور طرح کا فضل ہے یا تم شیطان کی بعض امور میں ضرور اتباع کرتے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمہارا شیطان کی اتباع سے عموماً بچنا رسول اللہ ﷺ اور قرآن سے حاصل شدہ ہے کیونکہ تمہاری عقلیں کثیرا شیاہ کے حسن و فحش کی معرفت کو نہیں پہچانتیں اس لیے نبی کریم ﷺ سے اجازت لیے بغیر تم خبر کو عام کرنے کی جلدی نہ کرو۔ امام مسلم نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کی تو میں مسجد میں داخل ہوا تو لوگ کنکریوں سے زمین کرید رہے تھے اور کہہ رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پس میں وہ تھا جس نے امر کا استنباط کیا۔ واللہ اعلم۔ (۳)

جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا جنہوں نے جہاد سے سستی کی اور انہوں نے بزدلی دکھاتے ہوئے جو کچھ کیا اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جہاد کا حکم دیا اگرچہ آپ اکیلے ہوں مدد کا وعدہ فرمایا اور متنبہ کیا کہ کسی کا گھر بیٹھ جانا آپ کو کچھ نقصان نہیں دے گا اور نہ ہی آپ پر کسی غیر کے فعل سے مواخذہ ہوگا۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ  
أَنْ يَكْفِ بِأَسِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللَّهُ أَشَدُّ بِأَسَاؤِ أَشَدَّ تَنْكِيلًا ۝

”تو (اے محبوب) جہاد کرو اللہ کی راہ میں لے نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے لے اور ابھاریں آپ ایمان والوں کو (جہاد پر) لے عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ روک دے زور ان لوگوں کا جو کفر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے۔ نیز وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے لے“

لے اگر وہ لوگ جہاد سے بیٹھ رہیں اور تجھے تنہا چھوڑ دیں تب بھی جہاد کرو۔

لے آپ کو صرف اپنے عمل کا مکلف بنایا جائے گا ان کی مخالفت اور ان کا گھروں میں بیٹھے (۱) رہنا تجھے کچھ نقصان نہ پہنچائے گا۔ امام بغوی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احد کے بعد ابوسفیان سے ذی قعدہ میں میلہ کے موقع پر بدر صغریٰ میں جنگ کا عہد کیا۔ جب وقت آ گیا تو آقائے دو عالم ﷺ نے صحابہ کو جنگ کے لیے نکلنے کی دعوت دی تو بعض لوگوں نے اسے ناپسند کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (۱) ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

لے آپ مومنوں کو جنگ پر ابرا بھیجتے کریں کیونکہ آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا اور ابرا بھیجتے کرنا ہے۔

لے یعنی کافروں کو قتال سے روک دے رسول اللہ ﷺ ستر سواروں کے ساتھ بدر صغریٰ کی طرف نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ تمام صحابہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس لوٹے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی تھی اس کا واقعہ سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی طاقت اور دبدبے والا ہے قریش اور دوسروں کی بنسبت زیادہ عذاب دینے والا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے دھمکی ہے جنہوں نے کفار کے خوف سے رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہ کی۔ امام بغوی نے کہا اللہ تعالیٰ کے فرمان فقاتل میں فناء اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا جواب ہے وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ..... الآية (۲) واللہ اعلم۔

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً

سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِبًا ۝

”جو کرے گا سفارش اچھی لے ہوگا اس کا حصہ اس میں سے لے اور جو کرے گا سفارش بری لے تو ہوگا اس کے لیے بوجھ

اس سے لے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے لے“

لے اس میں کسی مسلمان کے حق کی رعایت کرے اور اس سے تکلیف کو دور کرے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نفع پہنچائے۔

لے شفاعت کرنے والے کے لیے بھی شفاعت کا ثواب ہوگا۔ مجاہد نے کہا یہ ان کی بعض بعض کے حق میں شفاعت ہے۔ شفاعت کو شفاعت پر اجر دیا جائیگا، اگرچہ اس کی شفاعت قبول نہ کی جائے۔ ابن ابی حاتم اور دوسرے محدثین نے حضرت حسن بصری اور ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جب کوئی آدمی سوال کرتا یا اپنی حاجت پیش کرتا تو آپ ہماری طرف متوجہ ہوتے۔ فرماتے اس کی شفاعت کرو تمہیں اجر دیا جائیگا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ کر دے گا، متفق علیہ۔ (۳)

1- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 116 (فکر) 3- صحیح مسلم: 145، جلد 16، صفحہ 148 (علیہ) 4- معجم اوسط طبرانی، جلد 3، صفحہ 196 (المعارف)

(۱) ابن سعد نے خالد بن معدان سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اگر وہ دعوت کو قبول نہ کریں تو عرب والوں کی طرف، اگر وہ قبول نہ کریں تو فارس والوں کی طرف، اگر وہ قبول نہ کریں تو پھر بنی ہاشم کی طرف، اگر وہ بھی قبول نہ کریں تو اپنی ذات کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بھلائی پر راہنمائی کرنے والا بھلائی کرنے والے کی طرح ہے۔ اسے بزار نے ابن مسعود سے روایت کیا۔ طبرانی نے ان سے اور اہل بن سعد سے روایت کیا۔

فائدہ: اچھی سفارش میں سے مسلمان کے لیے دعا بھی ہے۔ حضرت ابو درداء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی عدم موجودگی میں بھائی کے حق میں دعا کرتا ہے تو فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارے لیے بھی اسی کی مثل ہو (1) ابن عباس نے فرمایا بہترین سفارش لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ لوگوں میں اچھی بات ہے، جس کے ذریعے ثواب اور خیر حاصل کیا جاتا ہے۔

سے سید سے مراد جو محرومی کو ثابت کرے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا چغل خوری کرنا شفاعت سید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد غیبت ہے اور لوگوں میں بری بات کرنا جس سے شر پھیلے۔

یہ اس شفاعت کرنے والے کے لیے بھی اس کا بوجھ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مومن کے قتل میں ایک کلمہ برابر بھی حصہ لیا وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا اَیْسَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی (2) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا مقیت کا معنی قدرت رکھنے والا۔ یہ اوقات علی الشیء سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اس چیز پر قادر ہو۔ یہ قوت سے مشتق ہے کیونکہ روزی انسان کے بدن کو قوت پہنچاتی ہے۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی حاضر ناظر ہے۔ قتادہ نے کہا تمہیں ان۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ ہر حیوان کو روزی عطا فرمانے والا ہے۔

وَ اِذَا حَيَّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاِحْسَنِّ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۱﴾

”اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے لے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم از کم) دو ہر ادو

وہی لفظ لے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔“

لے تحیۃ مصدر ہے اور حیاک اللہ جملہ بولا جاتا ہے جو اصل میں تو جملہ خبریہ ہے، پھر دعا کے لیے بولا جانے لگا۔ عرب کہتے ہیں حیاء اللہ یعنی اللہ تعالیٰ تیری زندگی کو طویل کر دے۔ پھر اسلام آنے کے بعد تحیۃ کو سلام سے بدل دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان تحیۃ کو سلام بنا دیا۔ حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ ہم دور جاہلیت میں یہ کہا کرتے تھے۔ انعم اللہ اور انعم صباحا جب اسلام آ گیا تو ہمیں اس چیز سے منع کر دیا گیا۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ (3) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ گز لمبا پیدا کیا۔ جب پیدا کر چکا فرمایا جاؤ اور اس جماعت کو سلام کہو۔ یہ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جو بیٹھی ہوئی تھی اور سنو وہ تمہیں کس طرح سلام کرتے ہیں، وہ تیر اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔ آپ گئے، فرمایا السلام علیکم۔ اس جماعت نے جواب دیا السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ فرمایا فرشتوں نے رحمۃ اللہ کے لفظ کا اضافہ کر دیا۔ متفق علیہ (4)

1- سنن ابن ماجہ، جلد 3، صفحہ 270 (علیہ)  
2- سنن ابن ماجہ: 2620 (علیہ)  
3- صحیح مسلم: 28، جلد 17، صفحہ 147 (علیہ)  
4- صحیح مسلم: 28، جلد 17، صفحہ 147 (علیہ)

1- سنن ابن ماجہ، جلد 3، صفحہ 270 (علیہ)  
2- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 353 (وزارت تعلیم)

۱۔ ردوہا میں حاضیر سے پہلے مثل کا لفظ مخدوف ہے امر وجوب کے لیے ہے اور اوکا حکم تخیر کے لیے ہے۔ سلام کے جواب میں واجب یہ ہے کہ سلام جیسا جواب دیا جائے کیونکہ یہ دو امروں میں سے ادنیٰ امر ہے۔ مستحب یہ ہے کہ رحمت اور برکت کے الفاظ کا اضافہ کر کے جواب دیا جائے۔ جب بھی وہ سلام یا جواب میں اضافہ کرے گا تو وہ ثواب میں کثرت کا اور فضیلت کا باعث ہوگا۔

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی السلام علیکم، آپ نے اسے جواب ارشاد فرمایا۔ وہ بیٹھ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دس۔ پھر ایک اور آیا، عرض کی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ نے اسے جواب ارشاد فرمایا پھر فرمایا۔ میں پھر ایک اور آیا، عرض کی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے اسے جواب دیا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا میں (1) اسے امام ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ حضرت معاذ بن انس سے اسی کی مثل مروی ہے۔ تاہم یہ اضافہ کیا کہ پھر ایک اور آیا اس نے عرض کی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے جواب ارشاد فرمایا چالیس۔ فضائل میں اضافہ اسی طرح ہوتا ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا زیادتی کی کامل صورت یہ ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس کو سلام کیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر اور الفاظ کا بھی اضافہ کیا۔ ابن عباس نے ارشاد فرمایا سلام برکاتہ پر ختم ہو گیا (2) امام بغوی نے اسے ذکر کیا۔ امام احمد نے زہد میں ابن ابی حاتم طبرانی نے کبیر اور ابن مردویہ نے سلمان فارسی کی حدیث نقل کی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی السلام علیکم۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک دوسرے آدمی نے یوں سلام عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تو حضور ﷺ نے یوں جواب ارشاد فرمایا وعلیکم السلام۔ اس آدمی نے عرض کی آپ نے مجھے کم جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا وہ کہاں گیا اور یہی آیت تلاوت کی۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تو نے میرے لیے کوئی زائد چیز نہیں چھوڑی تو میں نے اسی طرح جواب دے دیا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے جواب میں علیک السلام کہنا کافی ہے۔ یہ اس لیے کہ نفس سلام میں مماثلت کافی ہے۔ یا وعلیکم السلام میں الف لام عہد خارجی کا ہے تو سلام کرنے والے کے کلام میں جو رحمت اور برکت کا ذکر تھا تو جواب اس کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔

مسئلہ: جب ایک آدمی نے جماعت کو سلام کیا اور ان میں سے ایک نے جواب دیا تو یہ حکم باقی افراد سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ جواب دینا ان پر فرض کفایہ تھا۔ سراجیہ میں اسی طرح ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب ایک جماعت گزر رہی ہو تو ایک آدمی سلام کہہ دے تو یہ جائز ہے اور بیٹھے ہوئے افراد میں سے ایک بھی جواب دے دے تو یہ بھی کفایت کر جائیگا۔ اسے امام بغوی نے مصابیح میں موقوفاً نقل کیا ہے (3) امام بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعاً نقل کیا ہے۔ ابوداؤد نے اسے روایت کیا اور کہا حسن بن علی نے اسے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ یہ ابوداؤد کے شیخ ہیں مگر جب جماعت میں سے ایک معین فرد کو سلام کیا جائے جیسے سلام کرنے والا یہ کہے اے فلاں تجھے سلام ہو تو اس صورت میں اس پر سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ جماعت میں سے اگر کوئی اور جواب دے تو اس معین فرد سے حکم ساقط نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس جماعت کے علاوہ کوئی اور جواب دے تو اس سے بھی حکم ساقط نہیں ہوتا۔

مسئلہ: پہلے سلام دینا مسنون ہے یہ احسن اور افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جنت میں داخل نہیں ہو گے، یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ اور تم ایمان دار نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ آپس میں محبت کرو، کیا میں تمہیں ایسی

چیز کے بارے میں آگاہ نہ کروں کہ اگر تم اسے کرو تو تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ آپس میں ایک دوسرے کو سلام دیا کرو (1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پہلے سلام دینے والا تکبر سے پاک ہوتا (2) ہے۔ اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ حضرت ابی امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کا سب سے قرب رکھنے والا وہ ہے جو پہلے سلام دے (3) اسے امام احمد ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کونسا سلام بہترین ہے، یعنی اسلام کی خصلتوں میں سے کونسی خصلت بہترین ہے؟ فرمایا تیرا دوسروں کو کھانا کھلانا اور اسے سلام کہنا جسے تو جانتا ہو اور اسے بھی جسے تو نہیں جانتا، متفق علیہ (4)۔

مسئلہ: سوار پیدل چلنے والے کو پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ افراد کو سلام کریں گے۔ شیخین نے اپنی صحیحوں میں یہ الفاظ حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً نقل کیے ہیں (5) ایک روایت میں امام بخاری نے کچھ اضافہ کیا ہے چھوٹا بڑے کو سلام کرے گا۔

مسئلہ: بچوں اور عورتوں کو بھی سلام کیا جائیگا کیونکہ حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام فرمایا، متفق علیہ (6) اور جریر سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام فرمایا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔ فتاویٰ الغرائب میں ہے کہ نوجوان اجنبی عورتوں اور بے ریش لڑکوں کو سلام دینا مکروہ ہے۔ اگر وہ سلام کریں تو جواب دینا واجب نہیں میں۔ یہ کہتا ہوں یہ حکم اس وقت ہوگا جب فتنے کا خوف ہو۔

مسئلہ: جب گھر داخل ہو تو گھر والوں کو سلام دے حضرت انس سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو سلام کر یہ تیرے لیے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا باعث ہوگا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ (7) مسئلہ: اگر وہ ایسے گھر میں داخل ہو جہاں کوئی بھی نہ ہو تو وہ یہ کہے السَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلَي عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ کیونکہ فرشتے اسے جواب دیں گے۔ شرع میں اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَادًا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً مسئلہ: جب بھی مسلمان بھائی کو ملے اسے سلام کرے اگر دونوں کے درمیان درخت یا دیوار ہو تو وہ نیا سلام کرے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو ملے تو اسے سلام کہے۔ اگر درمیان میں درخت یا دیوار یا پتھر ہو پھر وہ اسے ملے تو پھر بھی اسے سلام کرے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ (8)

مسئلہ: جب الوداع ہوں تب بھی سلام کریں حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم گھروں میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو جب تم باہر نکلو تو سلام کے ساتھ گھر والوں کو الوداع کرو (9) اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں مرسل روایت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب تم میں سے کوئی مجلس تک جا پہنچے تو انہیں سلام کرے، اگر مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے، پھر جب وہاں سے اٹھے تو انہیں سلام کرے۔ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ ضروری نہیں۔ اسے امام ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ (10)

3- جامع ترمذی: 2694 (علیہ)

2- مشكاة المصابيح، جلد 3، صفحہ 11 (فکر)

1- صحیح مسلم: 93، جلد 2، صفحہ 31 (علیہ)

6- ایضاً: 14، جلد 14، صفحہ 125 (علیہ)

5- صحیح مسلم: 1، جلد 14، صفحہ 119 (علیہ)

4- صحیح بخاری: 12، جلد 1، صفحہ 74 (علیہ)

8- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 315 (وزارت تعلیم)

7- جامع ترمذی: 2698 (علیہ)

10- جامع ترمذی: 2706 (علیہ)

9- شعب الایمان: 8845 (علیہ)

مسئلہ: جب کوئی آدمی کسی غائب کا تجھے سلام پہنچانے تو سلام پہنچانے والے کو یہ کہہ تجھ پر اور اس پر سلام غالب نے اپنے باپ سے، اس نے دادا سے روایت کی کہ مجھے میرے والد نے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا کہا میں آپ کی خدمت میں آیا اور سلام پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھ پر اور تیرے والد پر سلام۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ (1)

مسئلہ: کفار کو ابتداء سلام کہنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہود و نصاریٰ کو ابتداء میں سلام نہ کرو جب تم میں سے کوئی انہیں راستہ میں ملے تو اسے تنگ جگہ سے گزرنے پر مجبور کر دے۔ اسے امام مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کیا (2) اگر اس قوم میں مسلمان، مشرک اور یہودی اکٹھے ہوں تو انہیں سلام کرے (3) اسے شیخین نے اسامہ بن زید کی مرفوع حدیث سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس قوم میں سے صرف مسلمانوں کی نیت کرے تاکہ کافر کے لیے سلام میں ابتداء کرنا لازم نہ ہو۔

مسئلہ: ذمیوں کو سلام کا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن علیک سے زیادہ کلام نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جب تمہیں اہل کتاب سلام کریں تو تم علیکم کہو۔ متفق علیہ۔ (4)

مسئلہ: نماز اور خطبہ میں سلام کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ یہ جائز ہی نہیں۔ جواب دینے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ جب ایک آدمی بلند آواز سے قرآن کی قرأت کر رہا ہو، علم کا مذاکرہ ہو، اذان یا اقامت کہہ رہا ہو تو سلام کا جواب کا دینا واجب نہیں۔ ان مواقع میں جواب دینا جائز ہے۔

معنی محاسبہ کرنے والا اور جزاء دینے والا۔ مجاہد نے کہا حسبیا کا معنی حفیظ نگہبان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ حقوق العباد میں سے ہر چیز پر محاسبہ کرنے والا ہے، جس طرح سلام اور چھینک مارنے والے کو جواب دینا اور اس کے علاوہ دوسرے حقوق۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں، جب مریض ہو تو اس کی عیادت کرے، جب وہ فوت ہو تو اس کے جنازہ میں حاضر ہو، جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، جب ملے تو اسے سلام کرے جب چھینک مارے تو یرحمک اللہ کے ساتھ اس کا جواب دے، وہ غائب ہو یا حاضر ہو اس کے لیے مخلص ہو (5) اسے امام نسائی نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور دارمی نے حضرت علی شیر خدا سے اسی طرح روایت کیا اور چھٹی چیز یہ ذکر کی کہ وہ اس کے لیے وہ ہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرے اور ینصح لہ کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ معنی ایک ہی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا راستوں میں ٹھہرنے سے بچو عرض کی ہمارے لیے ان مجلسوں کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، ان میں ہم گفتگو کرتے ہیں۔ فرمایا اگر تم بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستے کو اس کا حق ادا کرو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا آنکھ نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کا دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور منکر سے روکنا متفق علیہ۔ (6)

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا راستہ کی راہنمائی کرنا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس قصہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ مظلوم کی مدد کرو اور بھٹکے ہوئے کو راہ دکھاؤ۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

2- صحیح مسلم: 13، جلد 14، صفحہ 124 (علیہ)

4- صحیح مسلم: 6، جلد 14، صفحہ 121 (علیہ)

6- صحیح مسلم: 3، جلد 14، صفحہ 120 (علیہ)

1- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 354 (وزارت تعلیم)

3- صحیح بخاری: 5899 (ابن کثیر)

5- جامع ترمذی: 2737 (علیہ)

مسئلہ: سلام کی تکمیل مصافحہ اور معانقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آپس میں سلام کی تکمیل مصافحہ ہے (1) اسے امام احمد اور ترمذی نے ابی امامہ سے روایت کیا۔ ابو ذر سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے نہیں ملا مگر آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ ایک دن آپ نے میری طرف پیغام بھیجا۔ میں گھر میں موجود نہ تھا۔ جب میں گھر آیا تو مجھے حضور کے پیغام کے بارے میں بتایا گیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ چار پائی پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے مجھے سینے سے لگایا۔ یہ معانقہ بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ تھا (2) اسے ابو داؤد نے روایت کیا امام شعبی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ ملتے تو ان سے معانقہ فرماتے اور ان کی آنکھوں کے درمیان پیشانی کا بوسہ لیتے (3) اسے ابو داؤد اور بیہقی نے شعب میں مرسل روایت کی ہے۔ شرح السنۃ میں جعفر بن ابی طالب سے اسی طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے ملے تو آپ نے مجھ سے معانقہ کیا۔ عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا ہم مصافحہ کیا کرو، یہ کہنے کو دور کر دیتا ہے۔ ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو، تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے اور تم سے بخل دور ہو جائے گا (4) اسے امام مالک نے مرسل نقل کیا ہے۔ براء بن عازب سے مروی ہے کہ مسلمان جب آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان کوئی گناہ نہیں ہوتا مگر وہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ (5)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ  
مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۝

”اللہ نہیں کوئی معبود بغیر اس کے۔ وہ ضرور جمع کرے گا تمہیں۔ قیامت کے دن سے نہیں ذرا شک اس کے آنے سے۔“  
میں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں۔“

۱۔ اَللّٰهُ اِسْمُ جَلَالَتِ مُبْتَدَا ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خبر ہے یا جملہ معترضہ ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد والے جملے میں جو دھمکی پائی جا رہی ہے اس کی تاکید کے لیے ہے۔

۲۔ لِيَجْمَعَنَّكُمْ فعل خبر کے بعد خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد حسیبا کے مفہوم جیسا اس کا بھی مفہوم ہے یا یہ کہا جائے گا لفظ اللہ مبتدا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ جملہ معترضہ ہے اور لِيَجْمَعَنَّكُمْ خبر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔

۳۔ اصل معنی میں ہے، یعنی تمہیں قیامت کے دن کی طرف لے جایا جائیگا یا تمہیں قیامت کے دن جمع کیا جائیگا۔ قیام اور قیامت دونوں مصدر ہیں جس طرح طلب اور طلبہ۔ اس سے مراد حساب کے لیے ان کا اٹھ کھڑا ہونا ہے۔  
۴۔ ضمیر سے مراد یوم ہے یا جمع ہے۔ یہ جملہ یوم سے حال ہے یا مصدر کی صفت ہے۔

۵۔ حدیث سے مراد قول ہے۔ یہ جملہ علت کے قائم مقام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں کسی طریقے سے بھی جھوٹ داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہو وہ حق ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ حمزہ اور کسائی نے اصدق اور ہر وہ ضد جو ساکن ہو اور جس کے بعد دال ہو اسے زاء کے اشام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

امام بخاری اور دوسرے محدثین نے زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب احد کی طرف چلے تو جو لوگ آپ کے

2- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 352 (وزارت تعلیم)

4- مؤطا امام مالک، جلد 2، صفحہ 908 (التراث الاسلامی)

1- جامع ترمذی: 2731 (علیہ)

3- ایضاً، صفحہ 353 (وزارت تعلیم)

5- شعب الایمان: 8955 (علیہ)



ساتھ نکلے تھے وہ واپس آ گئے۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کہتا ہے ان سے جنگ کریں گے۔ دوسرا کہتا ہے ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ تو یہ آیت کریم نازل ہوئی۔ (1)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَسْرَأُ كَسْبُهُمْ بِمَا كَسَبُوا ۗ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْتَدُوا  
مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۗ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝

”سو کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں (تم) دو گروہ بن گئے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے انہیں۔ بوجہ ان کو تو توں کے جو انہوں نے کئے سہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے گمراہ کر دیا اللہ نے سہ اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ ہے“

۱۔ فِتْنَتَيْنِ ترکیب کلام میں حال ہے۔ اس کا عامل ظرف مستقر ہے اور معنی فعل عامل ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی مَا تَصْنَعُونَ حَالِ كَوْنِكُمْ فِتْنَتَيْنِ اور فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَتَيْنِ سے حال ہے، یعنی تم ان کے بارے میں گروہوں میں بٹے ہوئے ہو یا کم ضمیر سے حال ہے، یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے بارے میں افتراق کا شکار ہو اور افتراق کا مفہوم فِتْنَتَيْنِ سے سمجھا جا رہا ہے اور فاء کا کلمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اصدق حدیث سے تفریح کے لیے ہے، یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس میں اختلاف کرتے ہو اور تم اس معاملہ کو اس کے سپرد کیوں نہیں کرتے جو سب سے سچا ہے جس کی وہ تمہیں خبر دے تم اس پر اعتقاد رکھو اور جس کا تمہیں حکم دے اس کی اطاعت کرو۔

سعید بن منصور اور ابن ابی حاتم نے حضرت سعد بن معاذ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ (۱) ارشاد فرمایا جو مجھے اذیت دیتا ہے اور ان لوگوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے جو مجھے اذیت دیتے ہیں ان سے میری طرف سے کون بننے کے لیے تیار ہے؟ تو حضرت سعد بن معاذ نے کہا اگر وہ آدمی اوس خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو ہم اسے قتل کر دیں گے اور اگر ہمارا خزر جی بھائی ہے آپ حکم دیں گے تو ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ تو حضرت سعد بن عبادہ نے کہا اے ابن معاذ یہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہیں، تم اچھی طرح جانتے ہو وہ تمہارے خاندان سے تعلق نہیں رکھتا۔ تو حضرت اسید بن خبیر نے کہا اے ابن عبادہ تو منافق ہے اور منافقین سے محبت کرتا ہے۔ محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے، کہا سب خاموش ہو جاؤ کیونکہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود ہیں، وہ ہمیں حکم دیں گے، آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ امام احمد نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عربوں کی ایک جماعت مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو مدینہ طیبہ اور اس کی چراگاہوں کی وباء نے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا تو وہ واپس چلے گئے۔ جب وہ مدینہ طیبہ سے باہر نکلے تو انہیں صحابہ کرام کی ایک جماعت ملی۔ ان واپس جانے والوں سے پوچھا کیا وجہ ہے؟ تم واپس جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا ہمیں مدینہ طیبہ کی بیماری (ب) نے آلیا۔ صحابہ نے پوچھا کیا تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اسوہ نہیں ہے (یعنی آپ تو ہجرت کے بعد یہیں مقیم رہے)۔ بعض صحابہ نے کہا یہ

1۔ صحیح بخاری: 3975 (مکر)

(۱) ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تمہاری اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے درمیان جھگڑا پیدا کرنا چاہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے گمراہوں کی برائی کرتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کا اعلان کر دیا ہے۔ پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت میں نازل فرمائیں۔ از مؤلف رحمہ اللہ  
(ب) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شہر طیبہ ہے۔ یہ خبیث کو یوں نکال دیتا ہے جیسے آگ چاندی کی میل پکیل نکال دیتی ہے۔

لوٹنے والے منافق ہیں اور بعض نے کہا منافق نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ اس کی سند میں مد لیس اور انقطاع ہے۔ امام بغوی نے کہا مجاہد نے کہا وہ ایک ایسی قوم تھی جو مدینہ طیبہ کی طرف گئی، اسلام قبول کیا۔ پھر مرتد ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ سے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت طلب کی تاکہ سامان لے آئیں اور یہاں تجارت کریں۔ وہ مدینہ طیبہ سے چلے گئے اور مکہ مکرمہ میں ہی مقیم ہو گئے۔ مسلمان ان کے بارے میں اختلاف کا شکار ہو گئے۔ بعض نے کہا وہ منافق ہیں۔ بعض نے کہا وہ مومن ہیں۔ بعض نے کہا وہ قریش کے افراد تھے جو مدینہ طیبہ آئے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر وہ شرمندہ ہوئے اور سیر کرتے ہوئے مدینہ طیبہ سے باہر نکل آئے، یہاں تک کہ مدینہ طیبہ سے بہت دور چلے گئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف خط لکھا ہم اسی ایمان پر قائم ہیں جس پر ہم آپ سے جدا ہوئے تھے۔ لیکن ہمارے پیٹ خراب ہو گئے اور اپنے علاقہ کی محبت نے ہمیں آلیا۔ پھر وہ تجارت کی غرض سے شام روانہ ہوئے جس کی خبر مسلمانوں کو ہو گئی۔ بعض صحابہ نے کہا ہم ان کی طرف جاتے ہیں، ان کے ساتھ جنگ کریں گے اور ان کے مال چھین لیں گے کیونکہ انہوں نے ہمارے دین سے ارتداد اختیار کیا۔ ایک طاقتور نے کہا تم ایسی قوم سے کیسے جنگ کر سکتے ہو جو تمہارے دین پر قائم ہے اور ان میں صرف یہ نقص ہے کہ انہوں نے اپنے گھر نہیں چھوڑے (۱) تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ بعض نے کہا یہ ایسی قوم تھی جو مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوئے اور انہوں نے ہجرت نہ کی وہ مشرکین کی مدد کرتے تھے۔

۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں کفر کی طرف لوٹا دیا۔ کس کا اصل معنی کسی شے کو الٹا کر دینا۔

۲۔ یعنی جس کے باعث مرتد ہوئے اور دار الحرب چلے گئے۔

۳۔ یعنی تم انہیں ہدایت یافتہ قرار دیتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ قرار دیا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ اپنے افعال کا سبب ہے۔

۴۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کے لئے حق کی طرف جانے والا راستہ۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ  
حَتَّىٰ يُهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ فَإِن تَوَلَّوْا فَحُذِّهِمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ  
وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وُلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۶﴾

”وہ دوست رکھتے ہیں اگر تم بھی کفر کرنے لگو جیسے انہوں نے کفر کیا تاکہ تم سب یکساں ہو جاؤ۔ پس نہ بناؤ تم ان سے

اپنے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں ۱۶۔ پس اگر وہ (ہجرت سے) منہ موڑیں تو پکڑ لو انہیں ۱۷ اور

قتل کرو انہیں جہاں کہیں پاؤ ان کو ۱۸ اور نہ بناؤ ان سے (کسی کو) اپنا دوست اور نہ مددگار ۱۹“

۱۔ وہ لوگ جو کفر کی طرف لوٹ گئے تھے۔ انہوں نے آرزو کی کاش تم بھی کفر کرتے۔ یہاں لولیت کے معنی میں ہے۔ تکفرون یہ وداد کے معنی میں ہے۔ کما کفروا تم اسی طرح کفر کرتے جس طرح انہوں نے کفر کیا۔ سواء یعنی تم ان کے ساتھ گمراہی میں برابر ہو جاتے۔ اس کا عطف تکفرون پر ہے اگر فتکونون کو تمہنی کے جواب کی وجہ سے نصب دی جائے تو نحوی قاعدہ کی بناء پر یہ جائز ہے، لیکن یہاں ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ مصحف میں ایسے نہیں آیا۔

۲۔ ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی اختیار کرنے سے منع کر دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ ایمان لانے کے بعد ہجرت کریں، مصائب پر صابر ہوں اور ثواب کے خواہشمند ہوں۔ ان کے پیش نظر کوئی دنیاوی غرض نہ ہو۔ عکرمہ نے کہا ہجرت کی تین صورتیں ہیں (۱) ابتداء اسلام میں مومنین کی ہجرت (۲) مجاہدین کی ہجرت وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کے لیے نکلیں جب کے مصائب پر صبر کریں اور آخرت میں ثواب کے طالب ہوں (۳) اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا مومنوں کا ان کو چھوڑ دینا۔

۳۔ اگر وہ ایمان سے منہ موڑ لیں یا ایمان لانے کے بعد ہجرت سے روگردانی کریں تو انہیں قیدی بنا لو کیونکہ ان دنوں ہجرت فرض تھی۔ جس طرح تم کافروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو اسی طرح جہاں انہیں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

۴۔ ان کے ساتھ دوستی اختیار کرنے سے روکنے کے لیے نبی کو مکرر ذکر کیا ہے تاکہ حکم میں تاکید آئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے پہلی نبی اس لیے تھی کہ انہیں پکڑنے سے پہلے دوست نہ بنایا جائے اور یہ نبی انہیں پکڑنے کے بعد دوستی اختیار کرنے کے بارے میں ہے۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ کفار سے مدد طلب کرنا جائز نہیں۔ امام زہری نے ذکر کیا کہ انصار نے نبی کریم ﷺ سے اس وقت اجازت چاہی تھی جب عبد اللہ بن ابی احد سے لوٹ آیا تھا کہ ہم اپنے یہودی حلیفوں سے مدد حاصل کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضیعت کی مدد کی ہمیں ضرورت نہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ  
صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ  
عَلَيْكُمْ فَلَقَتَلُوكُمْ ۚ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوَا إِلَيْكُمْ السَّلَامُ فَمَا  
جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ①

”مگر ان کو (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں۔ اس قوم سے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہے۔ یا آگے ہوں تمہارے پاس سے اس حال میں کہ تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے سے کہ جنگ کریں تم سے ھ یا جنگ کریں اپنی قوم سے۔ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مسلط کر دیتا انہیں تم پر تو وہ ضرور لڑتے تم سے بے پھر اگر وہ کنارہ کر لیں تم سے ھ اور نہ جنگ کریں تمہارے ساتھ اور بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام) ۹ تو نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر (زیادتی کرنے کی) راہ ۱۰“

۱۔ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ يَهْدُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ سے مستثنیٰ ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان جملہ معترضہ لانا کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ جملہ معترضہ کا استثناء میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان لا تَتَّخِذُوا يَهْدِيهِ قَاتِلُوكُمْ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَلَا تَقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَتَلُوكُمْ ۚ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوَا إِلَيْكُمْ السَّلَامُ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا کے لیے ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی ہے انہیں قتل کر دو اور دوستی اور مدد کے لالچ میں ان کے قتل کو ترک نہ کرو۔ معنی یہ ہوگا مگر وہ لوگ جو پہنچ جائیں اور مل جائیں اس قوم سے۔

۲۔ بغوی نے کہا یہ بنو اسلم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہلال بن عویر اسلمی کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا جبکہ وہ مکہ مکرمہ کی طرف گیا کہ وہ حضور ﷺ کی مدد نہیں کرے گا اور آپ کے خلاف کسی اور کی بھی مدد نہیں کرے گا اور ہلال کی قوم کا جو فرد اس کی پناہ میں آیا یا کسی



سَتَجِدُونَ آخِرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۗ كُلًّا رَادًّا إِلَى  
الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا ۚ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُرُوا  
أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۗ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ  
سُلْطَانًا مُبِينًا ۝

”تم پاؤ گے چند اور لوگ جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور امن میں رہیں اپنی قوم سے (لیکن) جب کبھی پھیرے جاتے ہیں فتنہ کی طرف تو منہ کے بل گر پڑتے ہیں اس میں سوا گرنہ کنارہ کریں تم سے نہ بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام) اور نہ روک لیں اپنے ہاتھ تو پکڑ لو انہیں اور قتل کرو انہیں جہاں تم پاؤ انہیں اور یہی لوگ ہیں کہ دیا ہے ہم نے تمہیں ان پر کھلا اختیار۔“

۱۔ آخرین قوما کی صفت ہے یعنی تم ایسی قوم کو پاؤ گے جو تمہیں اور اپنے آپ کو امن میں رکھنا چاہتی ہے تو ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو۔ کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ وہ بنو اسد اور بنو عطفان ہیں۔ یہ مدینہ طیبہ میں آئے، دکھا دے کے مسلمان بن گئے۔ جب ان میں سے کسی کو اس کی قوم کا آدمی ملتا اور پوچھتا تو کیوں مسلمان ہوا تو جواب میں کہتا میں اس بندر پچھو پر ایمان لایا (یعنی ان کی مصیبت سے محفوظ ہونا چاہتا تھا وہ اشارہ مسلمانوں کی طرف کرتا)۔

جب رسول اللہ ﷺ صحابہ سے ملتے تو کہتے ہم تمہارے دین پر ہیں یہ قول کرنے کا مقصد دونوں جماعتوں سے محفوظ ہونا تھا (۱) لیکن ان کی حالت یہ تھی جب بھی انہیں کفر اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی دعوت دی جاتی تو اس میں شامل ہو جاتے اگر ایسے لوگ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے باز نہ آئیں اور تمہاری صلح کی دعوت پر لبیک نہ کہیں اور اپنے ہاتھوں کو جنگ سے نہ روکیں تو انہیں جہاں پاؤ قتل کرو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں واضح حکم دے رکھا ہے کیونکہ ان کی دشمنی ظاہر ہو چکی ہے اور کفر دھوکہ اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کا حال عیاں ہو چکا ہے۔

امام بغوی نے کہا عیاش بن ربیعہ مخزومی ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اسلام قبول کیا، پھر اسے خوف لاحق ہوا کہ اس کا اسلام اس کے گھر والوں پر ظاہر ہو جائیگا۔ وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ چلا گیا اور اپنے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ اس کی والدہ اس کی وجہ سے سخت پریشان ہو گئی۔ اپنے دونوں بیٹوں حارث اور ابو جہل کو کہا جو دونوں والدہ کی طرف سے بھائی تھے اللہ کی قسم میں کسی مکان میں داخل ہوگی نہ کچھ کھاؤں پیوں گی، یہاں تک کہ تم اسے میرے پاس لے آؤ۔ دونوں اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ حارث بن زید بن ابی امیہ بھی ان کے ساتھ ہوا، یہاں تک کہ وہ مدینہ طیبہ آئے۔ پھر وہ عیاش کے پاس پہنچے، جبکہ وہ ایک گڑھی میں قلعہ بند تھا دونوں نے کہا نیچے آ جا کیونکہ تیری والدہ تیرے بعد کمرے میں داخل نہیں ہوئی۔ اس نے قسم اٹھالی ہے کہ وہ کچھ کھائے گی نہ کچھ پیے گی یہاں تک کہ تو واپس آ جائے۔ ہمارا تمہارے ساتھ وعدہ ہے کہ ہم تجھے کسی چیز پر مجبور نہ کریں گے اور تیرے اور تیرے دین کے درمیان حائل نہیں ہونگے۔ جب انہوں نے اس کی ماں کے اضطراب کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کیا وہ نیچے اتر آیا۔ اسے مدینہ سے نکال لے گئے اور اسے نواڑ سے باندھ لیا اور ہر ایک نے اسے سو کوڑے مارے۔ پھر اسے ماں کے پاس

لے آئے۔ جب وہ ماں کے پاس پہنچا تو ماں نے کہا میں اس وقت تک تجھے اس نواڑ سے آزاد نہیں کروں گی جب تک تو ایمان سے انکار نہیں کرے گا پھر اسے اسی طرح جھکڑا دھوپ میں پھینک دیا۔ وہ اسی طرح پڑھا رہا جتنی دیر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر عیاش نے ان کے سامنے وہ قول کر دیا جو انکا مطالبہ تھا۔ حارث بن زید اس کے پاس آیا کیا یہ وہ دین تھا جس کو تو نے اپنایا، اللہ کی قسم اگر وہ ہدایت تھا تو تو نے ہدایت کو چھوڑ دیا، اگر وہ گمراہی تھا تو تو گمراہی پر رہا۔ عیاش اس کی گفتگو پر غضبناک ہو گیا۔ کہا اللہ کی قسم میں جب تجھے تنہا ملوں گا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس کے بعد عیاش پھر مسلمان ہو گیا، ہجرت کی۔ اس کے بعد حارث بن زید بھی مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ اس روز عیاش موجود نہیں تھا اور اس کے اسلام لانے کا بھی اسے علم نہ تھا۔ ایک روز عیاش قباء کے علاقہ میں گھوم پھر رہا تھا کہ حارث بن زید سے ملا اور اسے قتل کر دیا۔ لوگوں نے اسے کہا تجھ پر افسوس، تو نے کیا کر دیا، یہ تو مسلمان ہو چکا تھا عیاش رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ آپ میرے اور حارث کے معاملہ سے آگاہ ہیں، مجھے اس کے اسلام قبول کرنے کا علم نہیں تھا۔ اب میں نے اس کو قتل کر دیا ہے (1)۔

ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حارث بن زید ابو جہل کے ساتھ مل کر عیاش بن ابی ربیعہ کو اذیتیں دیتا تھا پھر حارث نے نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کی اسے عیاش حرہ کے مقام پر ملا اور تلوار سے قتل کر دیا گمان یہ تھا کہ ابھی تک وہ کافر ہے پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو خبر دی تو یہ آیت کریم نازل ہوئی۔ (2)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ①

”اور نہیں (جائز) کسی مومن کے لیے کہ قتل کرے کسی مومن کو۔ مگر غلطی سے ہے اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے ہے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) آزاد کرے مسلمان غلام ہے اور خون بہا ہے ادا کرے مقتول کے گھر والوں کو۔ مگر یہ کہ وہ خود ہی (خون بہا) معاف کر دیں بے پھر اگر ہو (مقتول) اس قوم سے جو دشمن ہے تمہاری ہے لیکن وہ (مقتول) خود مومن ہو (قاتل) آزاد کرے ایک مسلمان غلام ہے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ ہو چکا ہے تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ تو (قاتل) خون بہا دے دے اس کے گھر والوں کو۔ اور آزاد کرے ایک مسلمان غلام۔ تو جو شخص غلام نہ پاسکے تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار ۱۲ (اس گناہ کی) توبہ اللہ کی طرف سے ہے ۱۳ (یہی مقرر ہے) اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ۱۴“

۱۔ کسی مومن کا یہ حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے۔ امام بغوی نے سابقہ روایت کی طرح مجاہد اور سدی سے بھی نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق ابو یعلیٰ حارث بن ابی اسامہ نے قاسم بن محمد سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے،

انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسی کو مثل روایت کیا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ مومن اس حیثیت سے کہ وہ مومن ہے، اس کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اس سے ناحق قتل کا فعل سرزد ہونے سے فعل سرزد ہوتا ہے اور نہ سرزد ہونا چاہیے کیونکہ یہ عمل اس کے دین کے اہم ممنوعات میں سے ہے۔ اس کا ایمان بھی اس سے مانع ہے۔ یہ جملہ مومن کے ہاتھ سے مومن کے قتل نہ ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ مقصود قتل نہ کرنے میں مبالغہ کا اظہار ہے۔ گویا جس نے مومن کو ناحق قتل کر دیا اس کا ایمان کمال نقص کی وجہ سے ایمان نہ ہونے کے مقام تک پہنچ گیا۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا بھی یہی معنی ہے۔ لَا يَقْتُلُ حِينٍ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ جب وہ کسی ناحق کو قتل کرتا ہے تو وہ حالت ایمان میں قتل نہیں کرتا (1) اسے امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ صحاح میں ہے جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لیے وصف لازم ہو اور اس سے کم ہی جدا ہوتی ہو وہاں مکان کا استعمال ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَكَانَ الْإِنْسَانُ لَقَوْرًا، وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُوْرًا۔ اسی طرح جب کوئی چیز دوسری چیز سے عموماً جدا رہتی ہو جس کا حصول نادر ہو یا حصول ہوتا ہی نہ ہو وہاں مکان کا استعمال ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ جبکہ اللہ تعالیٰ نے یوم احد کو قتل اور شکست کے ذریعے عذاب دیا جب شیطان نے ان کے بعض اعمال کے باعث پھسلا دیا۔ وہ عمل حضور ﷺ کی نافرمانی تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ نفی ہے، تاہم معنی نفی کا دے گی، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِرُوا آيَاتِهِ مِنْ بَعْدِ مَا أَبَدَّ، یعنی تم رسول اللہ کو اذیت نہ دو اور آپ کے بعد کبھی بھی آپ کی ازواج سے نکاح نہ کرو۔

۲۔ اِلَّا خَطَاً یہ حال ہونے، مفعول نہ ہونے یا مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے۔ تینوں تاویلوں کی بناء پر معنی یہ ہوگا کسی حال میں بھی قتل نہ کرے، مگر خطا کی حالت میں کسی مقصد کے لیے بھی نہیں مگر خطا کی وجہ سے اور کوئی قتل نہ کرے مگر قتل خطا یہ استثناء مفرغ (۱) ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ لمومن سے مستثنیٰ ہو۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اس صورت میں پسندیدہ اعراب جر ہے جبکہ تمام قراء اس کو منصوب پڑھنے پر متفق ہیں۔

جواب: جب مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان زیادہ فاصلہ آجائے تو مستثنیٰ پر نصب پڑھنا پسندیدہ ہے۔ اس کی وضاحت شہید نے کی اور رضی نے اس کی موافقت کی ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ان یقتل قتل عمد پر دلالت کرتا ہے جو افعال اختیار یہ کی شان ہے۔ سابقہ حکم میں قتل خطا داخل نہیں پھر معنی یہ ہوگا لیکن اگر وہ خطا قتل کرے تو اس کی جزاء یہ ہوگی۔

۳۔ قتل کی دو قسمیں ہیں قتل عمد، قتل خطا۔ ہم نے قتل عمد کے ضمن میں مختلف اقوال قصاص کا حکم مال کا واجب ہونا اور قصاص کی کیفیت سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ کی تفسیر کے ضمن میں ذکر کر دی ہے۔ وہاں صرف یہ بات رہ گئی تھی کہ کیا اس میں کفارہ واجب ہوگا یا نہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ امام شافعی کا قول ہے واجب ہوگا۔ امام احمد سے دو روایتیں مروی ہیں جو دوسرے ائمہ سے اوپر مذکور ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا جب اس آیت سے قتل خطا میں کفارہ واجب ہوتا ہے تو قتل عمد کی صورت میں بدرجہ اولیٰ کفارہ واجب ہوگا۔

۱۔ صحیح بخاری: 6424 (ابن کثیر)

(۱) کلام منفی ہوتی ہے۔ مستثنیٰ منہ محذوف ہوتا ہے اور مستثنیٰ کو مل کے مطابق اعراب دیا جاتا ہے۔

حضرت واہلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ ہم اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے جو قتل کی وجہ سے جہنم کا مستحق بن چکا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کر دو اس غلام کے ہر عضو کے عوض اس کے اعضاء جہنم کی آگ سے آزاد ہو جائیں گے (۱) امام رافعی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں حدیث کو امام احمد ابو داؤد نسائی ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ میں صرف استوجب (مستحق ہوا) ہے۔ انہوں نے النار بالقتل قتل کے ساتھ آگ کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے یہ دلیل نہیں بن سکتا۔ دلالت النص سے حکم لگانا ممنوع ہے کیونکہ قتل عمد گناہ کبیرہ ہے۔ کفارہ کے ساتھ پاکیزگی ممکن نہیں۔ اگر حکم ایسے ہی ہو تو پھر قتل عمد کا دروازہ کھل جائے گا۔ قتل خطا کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے نافرمانی اور مباح چیز کے درمیان گھومنے والا ہے (خطا کوئی بھی کام کیا جائے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا) اس لیے وہ امر جو عبادت اور عقوبت کے درمیان گھومنے والا ہو اس کے ساتھ پاک ہونا ممکن ہے۔ یہی وہ فرق ہے جو یمن غموس اور یمن منعقدہ میں کفارہ کے واجب ہونے کے اعتبار سے موجود ہے یمن غموس میں کفارہ نہیں اور یمن منعقدہ میں کفارہ ہے۔ یہ ہمارا نقطہ (۱) نظر ہے۔

قتل خطا کی کئی قسمیں ہیں۔ انہیں سے ایک شبیہ بالعمد ہے۔ اس قسم کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا جب ایسی چیز کے ساتھ کسی انسان کو ارادۂ قتل کیا جائے جو قتل کرنے کے لیے نہ بنائی گئی ہو۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا ایسی چیز کے ساتھ عمد قتل کرنا جس سے وہ عموماً بچ جاتا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا عمد ایسی ضرب لگانا جس سے عموماً مضروب نہیں مرتا۔ لیکن وہ اس ضرب سے مر گیا جیسے کسی نے دوسرے فرد کو ایک یا دو ڈنڈے مارے اور وہ مر گیا تو یہ بالاتفاق شبیہ بالعمد ہوگا۔ جس نے کسی کو چھوٹے ڈنڈے سے مارا اور لگا تار تار ہا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو وہ امام شافعی کے نزدیک قتل عمد ہوگا اور احناف کے نزدیک شبیہ بالعمد ہوگا۔

جس نے کسی کو بڑے پتھر یا بڑی لکڑی سے مارا جس سے وہ بچتا نہ ہو تو یہ سب کے نزدیک قتل عمد ہوگا، جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک شبیہ بالعمد ہوگا۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اس میں قصاص نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ جبل ابو قیس بھی اٹھا کر اسے مار دے۔ قتل کی وہ صورت جو جان تلف کرنے میں قتل عمد شمار ہوتا ہے اعضاء میں بالا جماع وہ عمد ہوگا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ قتل خطا شبیہ عمد کوڑے اور لاشی سے قتل کرنا۔ ہے اس استدلال کی دلیل آگے آئیگی کہ سوط اور عصا کا لفظ چھوٹے اور بڑے دونوں کو عام ہے۔ جمہور علماء نے کہا عصا کا لفظ عرف میں چھوٹے کوڑے پر ہی بولا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

خطا کی قسموں میں سے دوسری قسم یہ ہے کہ ارادہ میں غلطی کر جائے۔ وہ یہ ہے کہ وہ شکار گمان کرتے ہوئے کسی انسان کو تیر

1- معرفۃ السنن والآثار از بیہقی: 16444 (الوقام)

(۱) قتل عمد اور یمن غموس میں کفارہ واجب نہ ہونے کی دلیل وہ روایت بھی ہے جیسے ابن ابی شیبہ، امام بخاری، امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے دی ہو، اس نے (امیر کے) حکم کو سنا اور اس کی اطاعت کی اس کے لئے جنت ہے۔ پانچ چیزوں میں کفارہ نہیں: ناحق کسی کو قتل کرنا، مومن پر بہتان باندھنا، میدان جنگ سے بھاگ جانا، ناحق مال لینے کے لئے قسم اٹھانا۔ از مؤلف رحمہ اللہ۔ پانچویں کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔ مترجم



مارے یا کسی مسلمان کو حربی گمان کرتے ہوئے تیر مارے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فعل میں خطا کرے کہ وہ کسی نارگٹ کو تیر مارے اور وہ مومن کو جا لگے۔ چوتھی صورت یہ ہے جو خطا کے قائم مقام ہے جیسے کوئی آدمی سویا ہوا ہو اور کسی مومن پر کروٹ بدلے اور اسے قتل کر دے۔ پانچویں صورت قتل بالسبب ہے جیسے کوئی آدمی غیر کی ملکیت میں گڑھا کھودتا ہے یا پتھر رکھ دیتا ہے۔ ان تمام اقسام میں حکم ایک ہی ہے کہ بالا جماع دیت قوم پر واجب ہوگی کیونکہ یہ ایسا قتل ہے جس میں قصاص واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے معصوم جان کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے دیت واجب ہوگی۔ نیز تمام قسموں میں کفارہ قتل کرنے والے پر واجب ہوگا اور قاتل مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا۔ مگر امام ابوحنیفہ نے قتل بالسبب میں اختلاف کیا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک یہ حقیقت میں قتل نہیں کیونکہ قتل بدن میں تصرف کرنا ہے جو نہیں پایا گیا۔ یہ تصرف انسانی بدن کے علاوہ ایک اور چیز میں پایا گیا۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ شرع نے اسے قاتل کے قائم مقام رکھا ہے۔ اس لیے دیت واجب ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً يَهُ عام ہے اور کفارہ کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

فَتَّخْرِئُوا رَقَبَةً اس آیت کا اقتضاء یہ ہے کہ دیت قتل میں کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتی۔ کفارہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ یہ ہر صورت میں واجب ہوتا ہے۔ نیز کفارہ گناہ دور کرنے کے لیے ہے کیونکہ یہ قول کرنا کہ جب کوئی سویا ہوا انسان کسی دوسرے شخص پر کروٹ بدلے اور اسے مار ڈالے تو اس پر کفارہ واجب ہوگا، جبکہ حضور ﷺ نے فرمایا تین افراد پر کوئی باز پرس نہیں، کوئی آدمی سویا ہوا ہو جب تک بیدار نہ ہو جائے۔ دوسری طرف ایک آدمی کسی غیر کی ملکیت میں ظلم کرتے ہوئے گڑھا کھودے اور اس میں کوئی مومن گر کر مر جائے اور اس پر کفارہ واجب نہ ہو یہ پسندیدہ نہیں۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ سے ایک سے ایک قول مروی ہے کہ شبیہ بالعمد میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ کفارہ جو ہدایہ کی شرح ہے، میں مذکور ہے کہ جرجانی نے کہا کہ ہمارے اصحاب سے ایک روایت مروی ہے کہ شبہ عمد میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ (1) میں کہتا ہوں یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ قصاص قتل کا آلہ نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہوا۔ رہی معصیت تو وہ اس وقت کامل ہوتی ہے جب مومن کو قتل کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ جب ارادہ ہو تو وہ گناہ کبیرہ ہے بلکہ یہ تلوار یا ایسی چیز کے ساتھ قتل کرنے سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ کیا تم جانتے نہیں کہ جس آدمی پر قصاص واجب ہو جائے اسے تلوار کے ساتھ ہی قتل کرنا جائز ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان واجب کیا ہے۔ جب تم کسی کو قتل کرو۔ تو اچھی طرح کرو جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو۔ چاہیے کہ ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرے اور ذبیحہ کو آرام پہنچائے (2) اسے امام احمد امام مسلم اور سنن اربع کے اصحاب نے شہاد بن اوس کی روایت سے ذکر کیا۔

تحریر رقبہ ترکیب کلام میں مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فَجَزَاؤُهُ تَخْرِئُوا رَقَبَةً۔ تحریر سے مراد آزاد کرنا ہے۔ حو کا معنی عمدہ شے ہے۔ قاموس میں ہے حو ہر شے کی بہترین چیز کو کہتے ہیں (3) اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ آزاد میں کرم اور خیر ہوتا ہے۔

رقبہ سے مراد جان ہے، جس طرح جان کو اس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تحریر رقبہ کا لفظ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ رقبہ میں کامل ہو۔ اس لیے

2- جامع ترمذی: 1409 (علیہ)

1- الہدیۃ الخیرین، جلد 1، صفحہ 562 (شرکت)

3- القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 531 (التراث العربی)

ام ولد کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ پہلے ہی آزادی کی مستحق بن چکی ہے اور اس کی بیع جائز نہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ام ولد کو اس کے بچے نے آزاد کر دیا ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدبر کو کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدبر کی بیع جائز نہیں، جبکہ امام شافعی کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ مکاتب جس نے مال نہ دیا ہو اسے کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ مکاتبہ کا معاہدہ دونوں کی رضامندی سے ختم بھی ہو سکتا ہے، جبکہ امام شافعی کے نزدیک ایسا مکاتب بھی آزاد کرنا جائز نہیں جس طرح وہ مکاتب آزاد کرنا جائز نہیں جس نے کچھ مال دے دیا ہو۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ مجنون، نابینا، گونگا اور بہرہ غلام جو کچھ بھی نہ سنتا ہو جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوں یا ایک سمت سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں تو اسے کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ منفعہ مطلق فوت ہو تو وہ نہ ہونے کی طرح ہوتا ہے۔

اگر مختلف سمتوں سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں یا کانا ہوں، آنکھیں صحیح نہ کھلتی ہوں، برص کا مریض ہو یا آشوب چشم کا مریض ہو تو اس کو کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز ہے۔ یہ ناقص المنفعہ ہے، مکمل ناکارہ نہیں۔ عین، خسی اور مقطوع الذکر کو آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ غلاموں میں اس صلاحیت کا ہونا اصل غرض سے زائد ہے۔ اسی طرح وہ لوٹھی جسے رتقاء (شرمگاہ میں بڑھی ہوئی ہڈی والی) اور قرناء (بد معاش) کو آزاد کرنا جائز ہوتا ہے کیونکہ خدمت لینے کی صلاحیت اس میں موجود ہوتی ہے۔

مسئلہ: کفارہ کے واجب ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ قاتل عاقل، بالغ اور مسلمان ہو کیونکہ کفارہ عبادت ہے، اس میں بھی وہ چیزیں شرط ہوں گی جو تمام عبادتوں میں شرط ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا ان میں سے کوئی بھی شرط نہیں۔ وہ کفارہ کو اموال کی ضمانت پر قیاس کرتے ہیں جس طرح دیت ہوتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق (۱) ہے۔

مسئلہ: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک کفارہ میں یہ شرط ہے کہ غلام کی آزادی اپنے اختیار سے ہو۔ اگر اس نے اپنے والد کو کفارہ ادا کرنے کے لیے خرید تو آپ کے نزدیک کفارہ کی ادائیگی نہ ہوگی۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفارہ کی نیت کو ایسے سبب کے ساتھ ملانا جائز ہے جو آزادی کا موجب ہو۔ اس لیے آپ کا قول یہ ہے جب اس آدمی نے اپنے قریبی رشتہ دار کو خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح جب اسے قریبی رشتہ دار بہہ کیا جا رہا تھا یا اس کے لیے وصیت کی جا رہی تھی تو اس نے کفارہ کی نیت کر لی تو یہ بھی جائز ہوگا۔ اگر قاتل باپ یا بیٹے کا وارث بنا اور وارث بنتے وقت اس نے کفارہ کی نیت کر لی تو تمام ائمہ کے نزدیک یہ جائز نہ ہوگا۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفارہ قتل میں مومن غلام کو آزاد کرنا شرط ہے۔ وہ اس نص سے استدلال کرتے ہیں جبکہ قسم ظہار اور روزے کے کفارہ میں شرط نہیں۔ لیکن اس میں یہ کافی ہے کہ اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا گیا ہو مثلاً اگر اسے چھوٹی عمر میں آزاد کیا گیا اور اس کے والدین میں سے ایک مسلمان تھا تو یہ جائز ہوگا۔

ابن منذر، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے مومنہ سے مراد وہ غلام ہے جو ایمان کی سمجھ بوجھ رکھتا

(۱) یہ اصول فقہ کی اصطلاح ہے۔ جب ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کیا جائے اور مجتہد کے نزدیک دونوں میں علت ایک جیسی نہ ہو تو اسے قیاس مع الفارق کا نام دیتے ہیں۔

ہو روزہ رکھے اور نماز پڑھتا ہو اور قرآن حکیم میں جہاں غلام کی صفت مومنہ نہیں ہے اس سے مراد نومولود اور اس سے بڑا ہے (1)۔  
عبدالرزاق نے قتادہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابی بن کعب کی روایت میں یہ بھی ہے۔  
اس میں بچہ جائز نہیں۔

۵۔ اس کا عطف تحریر رقبۃ پر ہے، یعنی اس کی جزاء دیت ہے۔ قاموس میں ہے دیت دال کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ مقتول کا حق ہے (2)۔  
یہ مقدار اور جس پر واجب ہے اس کے بارے میں مجمل ہے، اسے نبی کریم ﷺ نے واضح کیا ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک دیت عاقلہ (۱) پر واجب ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاتل بھی برادری میں شامل ہوگا، جبکہ امام شافعی کے نزدیک قاتل پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ عاقلہ پر دیت کا وجوب اگرچہ کتاب اللہ سے ظاہر میں مستنبط نہیں لیکن سنت مشہودہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ ہزیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں۔ ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور عورت اور اس کے پیٹ میں موجود بچے کو مار ڈالا، تو رسول اللہ ﷺ نے جنین کی دیت غلام یا لونڈی اور عورت کی دیت قبیلہ پر لازم کی (3)۔  
ایک اور حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتولہ عورت کی دیت قاتلہ کے قبیلہ اور رحم میں موجود بچے کی دیت ایک غلام مقرر کی۔ اخبار آحاد اجماع کی مدد سے حکم میں نص کتاب جیسی قوی ہو جاتی ہیں۔ امام بیہقی نے امام شافعی کے واسطے سے روایت کیا ہے ہم نے اہل علم میں یہ عام پایا ہے کہ جب کوئی آزاد مسلمان کسی دوسرے آزاد کو غلطی سے قتل کر دے تو حضور ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ قاتل کے قبیلہ پر ہواونٹ لازم ہونگے۔ ان میں یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے کہ یہ دیت تین سال میں مکمل کرنا ہوگی اور ہر سال میں تیسرا حصہ ہوگی (4)۔ بیہقی ابن لہیعہ کے واسطے سے یحییٰ بن سعید سے۔ انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ دیت تین سال میں مکمل کی جائے۔

امام شافعی سے جو بیان کیا گیا ہے وہ اجماع کا قاعدہ دیتا ہے۔ امام ترمذی نے اپنی جامع اور ابن منذر نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق اور بیہقی نے امام شافعی کے واسطے سے حضرت عمر سے روایت کیا ہے، جبکہ یہ منقطع ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکمل دیت تین سال نصف دیت دو سال اور نصف سے کم ایک سال میں ادا کرنے کا حکم دیا (5) امام بیہقی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یزید بن ابی حبیب کی روایت سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اور اس میں ابن لہیعہ ہے۔

مسئلہ: ارادہ کے ساتھ قتل کرنے کی صورت میں صلح یا بعض وارداتوں کے معاف کرنے کی صورت میں جو مال لازم ہوتا ہے وہ قبیلہ پر واجب نہیں ہوتا بلکہ وہ قاتل کے مال میں واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح قتل کے اقرار کی صورت میں جو مال لازم ہوتا ہے وہ بھی عاقلہ پر واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح غلام کے قتل کی صورت میں بھی عاقلہ پر دیت واجب نہیں ہوتی، خواہ غلام قاتل ہو یا مقتول ہو، سب مال قتل کرنے والے کے اپنے مال میں لازم ہوگا۔ دارقطنی اور طبرانی شامیین کی سند میں عبادہ بن صامت کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معترف پر لازم ہونے والی دیت میں سے کچھ بھی عاقلہ پر لازم نہ کرو (6) اس کی سند ضعیف ہے۔ اس سند میں محمد بن سعید کذاب ہے اور حارث بن نبهان منکر الحدیث ہے۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوف روایت

2۔ القاموس المحیط، جلد 2، صفحہ 758

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 345 (علیہ)

5۔ ایضاً: 16308 (الوقام)

4۔ ایضاً: 16307 (الوقام)

3۔ معرفۃ السنن والآثار: 16327 (الوقام)

(۱) قبیلہ، برادری یا جو جماعت اس کی حمایت کرے۔

6۔ سنن الدارقطنی، جلد 3، صفحہ 178 (محاسن)

نقل کی ہے غلام ارادۃ صلح اور اعتراف کی صورت میں عاقلہ پر دیت لازم نہ ہوگی (1) یہ روایت منقطع ہے، اس کی سند میں عبدالملک بن حسین ہے جو ضعیف ہے۔ محفوظ حدیث عامر عن شععی سے مروی ہے۔ امام بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عاقلہ قتل عمد صلح، اقرار اور غلام کے قتل کرنے کی صورت میں دیت کی ذمہ دار نہ ہوگی (2) موطا میں امام زہری سے مروی ہے طریقہ یہی چلتا آ رہا ہے کہ عاقلہ اس میں سے کسی چیز کی ذمہ دار نہ ہوگی (3) بیہقی نے ابوالخیر سے، انہوں نے مدینہ طیبہ کے فقہاء سے یہی روایت کی ہے۔

مسئلہ: امام شافعی کے نزدیک عاقلہ سے مراد قبیلہ اور والد کی طرف سے نسبی رشتہ دار ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک محکمہ والے (اہل دیوان) اگر وہ ملازم نہ ہو تو پھر قبیلہ قرہبی پہلے پھر بعد والے ملائے جائیں گے۔ آزاد شدہ غلام کی عاقلہ آزاد کرنے والے کی عاقلہ ہو گی جن کا آپس میں معاہدہ ہو کہ جان و مال ایک جیسا ہے تو اس کی عاقلہ معاہدہ اور اس کی عاقلہ ہوگی۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک سال میں ایک آدمی پر چار درہم سے زیادہ لازم نہیں کیے جائیں گے۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ تین سالوں میں چار سے زائد درہم لازم نہیں کیے جائیں گے۔

مسئلہ: جس قاتل کی عاقلہ نہ ہو تو مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائیگی۔

### دیت کی مقدار میں فصل

مسئلہ: شبیہ عمد میں مقتول کی دیت دیت مغلظہ ہوگی۔ قتل عمد کی صورت میں اگر کسی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے تو یہی دیت مغلظہ واجب ہوگی۔ شبیہ عمد میں قاتل کو قتل نہ کیا جائیگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیطان نے لوگوں میں فتنہ و فساد پیدا کر دیا۔ فتنہ اور اسلحہ کے بغیر اندھا دھند پتھر برسائے گئے (4) امام احمد نے عمرو بن شعیب کی حدیث روایت کی ہے، وہ اپنے باپ اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں قتل خطا کی دوسری صورتوں میں دیت مغلظہ ہے دیت مغلظہ صرف اونٹوں میں متحقق ہوتی ہے یہ امر تو قینی ہے اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں احناف میں سے شیخین کے نزدیک دیت مغلظہ اس طرح ہے کہ سوا اونٹوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائیگا پچیس بنت مخاض (ا) پچیس بنت لبون (ب) پچیس حقہ (ج) اور پچیس جزعہ (د) ہوں گے۔ جبکہ امام محمد امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک تیس جزعہ تیس حقہ اور چالیس شبیہ ہوں گے (ہ) سارے کے سارے چالیس اپنے پیٹوں میں بچے بھی رکھتے ہوں۔

امام شافعی اور ان کے ہمواؤں نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار قتل شبیہ عمد میں (جو درے اور عصا کے ساتھ قتل کیا جائے) دیت سوا اونٹ ہیں، ان میں سے چالیس ایسے ہوں جن کی رحموں میں بچے بھی ہوں (5) اسے امام احمد ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب کی حدیث سے روایت کیا، وہ اپنے باپ، وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں جس نے دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کیا اسے مقتول کے اولیاء کے سپرد کر دیا جائیگا، اگر چاہیں تو اسے قتل کر دیں، اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔ تیس حقہ تیس جزعہ اور

2- معرفۃ السنن والآثار: 16264 (الوفاء)

4- مسند احمد، جلد 2، صفحہ 224 (الاسلامی)

1- سنن کبریٰ بیہقی، جلد 8، صفحہ 104 (نکر)

3- موطا امام مالک، صفحہ 675 (وزارت تعلیم)

5- سنن نسائی، جلد 8، صفحہ 42 (الریان)

(ج) جو تین سال کا ہو چکا ہو

(ب) جو دو سال کا ہو چکا ہو۔

(ا) جو ایک سال کا ہو۔

(ہ) جو پانچ سال کا ہو چکا ہو۔

(د) جو چار سال کا ہو چکا ہو۔

چالیس دُندے جو حاملہ ہوں (1) حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے خبر دار دیت غلیظہ میں سواونٹ ہیں، چالیس دُندے جو حاملہ ہوں (2) اسے دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں انقطاع ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ موہن کے قتل کی صورت میں سواونٹ ہیں (3) اونٹنی جب حاملہ سمجھی جائے تو یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ اگر یہ معلوم ہو بھی جائے تو حمل بھی من وجہ حیوان ہے اور وہ عنقریب الگ ہو کر باہر آنے والا ہے۔ گا بھن اونٹنیاں لازم کرنے میں شرعی حکم سے زیادتی لازم آئیگی جو صرف سواونٹ ہیں۔ یہ نص کے مقابلہ میں استدلال ہے، تاہم ظاہر یہ ہے کہ فی بطنها ولدھا سے مراد انکا بچے کے اہل ہونا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: دیت خفہ کی صورت میں اونٹ پانچ حصوں میں تقسیم ہونگے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک بیس حصہ ہیں حقہ بیس بنت لبون، بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض (نر) لازم ہونگے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک صرف ابن مخاض کی جگہ ابن لبون ہیں امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد، اصحاب سنن، بزاز دارقطنی اور بیہقی نے حجاج بن ارطام کی حدیث روایت کی ہے، انہوں نے زید بن جبیر سے، انہوں نے شرف بن مالک سے، انہوں نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل خطا کی دیت میں بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس حصہ اور بیس جزعہ لازم کیے (4) امام مالک اور امام شافعی نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے دارقطنی نے ابو عبیدہ سے روایت کیا کہ عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ قتل خطا کی دیت پانچ حصوں میں منقسم ہے بیس حصہ بیس جزعہ بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون اور بیس ابن لبون (مذکر) (5)

دارقطنی نے کہا اس کی سند حسن ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔ رہی شرف بن مالک کی حدیث وہ ضعیف ہے اور اہل معرفت کے نزدیک چند دن وجوہ کی وجہ سے غیر ثابت ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ روایت اس حدیث کے مخالف ہے جسے ابو عبیدہ نے اپنے باپ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، ابو عبیدہ اپنے باپ کی حدیث سے اور ان کے مذہب سے شرف بن مالک کی بنسبت زیادہ آگاہ تھے اور عبد اللہ بن مسعود اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والے اور دین کے معاملہ میں زیادہ حریص تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ یہ روایت کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا اور پھر وہ اس روایت کے خلاف فتویٰ دیں اور کہا شرف ایک مجہول شخص ہے، اس سے صرف زید بن جبیر نے روایت کیا ہے۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ زید سے حجاج بن ارطام کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا ہے، وہ ایک مدلس آدمی تھا پھر حجاج سے کئی لوگوں نے روایت کیا ہے اور مختلف انداز میں روایت کیا۔

ابن جوزی نے کہا دارقطنی کا قول اس کے معارض ہے کہ ابو عبیدہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا تو ان کے لیے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ وہ اس کے ذکر سے خاموش رہے اور ثقہ کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ وہ مجہول ہے۔ محدثین کی یہ شرط کہ اس سے کم از کم دو راوی روایت کریں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا بیہقی نے دارقطنی پر اعتراض کیا اور کہا دارقطنی کو غلطی لگی اور بہترین گھوڑے کو بھی کبھی ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ میں نے اس سے سفیان ثوری کی جامع میں منصور سے، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے عبد اللہ سے اسی طرح ابواختق سے، وہ علقمہ سے، وہ عبد اللہ سے، اسی طرح عبد الرحمن بن یزید بن ہارون سے، انہوں نے سلیمان بنی سے، انہوں نے ابو مجبلو سے انہوں نے ابو عبیدہ سے، انہوں نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا، سب میں ابن مخاض کا ذکر ہے۔

3- مصابح السنۃ: 583 (علیہ)

2- سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 173 (محاسن)

1- جامع ترمذی: 1387 (علیہ)

5- سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 172 (محاسن)

4- جامع ترمذی: 1386 (علیہ)

مسئلہ: سونے میں دیت ہزار دینار اور چاندی میں بارہ ہزار درہم ہے۔ یہ امام احمد کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا دس ہزار درہم ہے۔ امام شافعی نے کہا دیت میں اصل اونٹ ہیں، اگر اونٹ ناپید ہو جائیں تو دونوں قولوں کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ ایک یہ ہے ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم، دوسرا یہ ہے کہ دیت پر قبضہ کے وقت اونٹوں کی قیمت کا اندازہ لگایا جائیگا، کم ہو جائے یا زیادہ۔

دیت میں ہزار دینار، یہ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی روایت سے ثابت ہے، جس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے اور چاندی میں دیت حضرت ابن عباس کی حضور ﷺ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بارہ ہزار درہم کا حکم ارشاد فرمایا۔ (1) اسے اصحاب سنن نے عکرمہ کی حدیث سے روایت کیا۔ اس کی سند میں عمرو بن دینار پر اختلاف ہو گیا۔ محمد بن مسلم طاہی نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے ابن عباس سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے عکرمہ سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ مرسل زیادہ صحیح ہے۔ ابن حزم نے کہا ابن عیینہ کے مشہور شاگردوں نے اسی طرح روایت کیا۔

امام ابوحنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں درہم کا وزن چھ دانگ تھا، جبکہ فاروق اعظم کے دور میں درہم سات دانگ کا ہو گیا۔ اس طرح بارہ ہزار درہم فاروق اعظم کے دور کے دس ہزار درہم کے برابر ہو جاتے ہیں۔

امام شافعی کے قول کی دلیل عمرو بن شعیب کی حدیث ہے جو وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دیہاتیوں میں اونٹ کی قیمت کا اعتبار کرتے تھے، جب اس کی قیمت زیادہ ہو جاتی تو دیت بڑھا دیتے، جب اونٹ کی قیمت کم ہو جاتی تو آپ دیت میں کمی کر دیتے۔ (2) اسے امام شافعی نے مسلم سے، انہوں نے ابن جریج سے، انہوں نے عمرو بن شعیب سے نقل کیا ہے۔ نیز اسے ابوداؤد اور نسائی نے محمد بن راشد کی حدیث سے روایت کیا ہے، وہ سلیمان بن موسیٰ سے، وہ عمرو بن شعیب سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں۔

مسئلہ: جمہور علماء کے نزدیک انہیں تین اقسام سے دیت ادا کی جائیگی۔ امام ابو یوسف امام محمد اور امام احمد کے نزدیک ان تین اقسام کے علاوہ دوسو گائیں یا دو ہزار بھیڑ بکریاں، دوسو جوڑے کپڑے اور ہر جوڑا دو کپڑوں پر مشتمل ہو کیونکہ عطاء نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے مالک پر سواونٹ گائے کے مالکوں پر دوسو گائیں، بھیڑ بکریوں کے مالکوں پر دو ہزار بھیڑ بکریاں اور حلوں کے مالکوں پر دوسو حلوں (1) لازم کیے (3) اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ ابن جوزی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں طعن سے خاموش رہے۔ ابوداؤد نے اسے مراسل عطاء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فیصلہ کیا۔

مسئلہ: جان کے اتلاف سے کم میں عمومی دیت ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے وہ اپنے باپ سے، وہ دادا سے روایت کرتے ہیں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو خط لکھا۔ جس میں یہ تحریر تھا جس نے کسی مومن کو ناحق قتل کیا اس سے قصاص لیا جائیگا مگر اس صورت میں کہ مقتول کے اولیاء راضی ہو جائیں۔ اس میں یہ بھی تحریر ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائیگا۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ انسان کی دیت سواونٹ ہے سونے کے مالکوں پر ایک ہزار دینار ناک کاٹ دینے میں مکمل دیت سارے دانت توڑنے میں مکمل دیت دونوں ہونٹوں میں مکمل دیت، خصیتین میں مکمل دیت، آکہ تناسل میں مکمل دیت، ریڑھ کی ہڈی توڑنے میں مکمل دیت، دونوں

2- سنن نسائی، جلد 8، صفحہ 43 (الریان)

1- جامع ترمذی: 1388 (علیہ)

(1) کپڑوں کا جوڑا

3- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 269 (وزارت تعلیم)

آنکھیں پھوڑ دینے میں مکمل دیت اور دونوں ہاتھ کاٹ دینے میں مکمل دیت، ایک ہاتھ میں پچاس اونٹ، دونوں پاؤں میں مکمل دیت، ایک پاؤں میں نصف دیت، وہ زخم جو دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے اس میں دیت کا تیسرا حصہ، وہ زخم جو پیٹ تک پہنچ جائے اس میں دیت کا تیسرا حصہ، وہ زخم جو ہڈی کو اپنی جگہ سے ہلا دے اس میں پندرہ اونٹ، ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی میں دس اونٹ، ایک دانت میں پانچ اونٹ (۱) اسے نسائی اور داری نے روایت کیا ہے۔ امام مالک کی روایت میں ایک آنکھ ضائع کرنے میں پچاس اونٹ، وہ زخم جو ہڈی کو ظاہر کر دے میں پانچ اونٹ ہیں۔ علماء حدیث نے اس حدیث کی صحت میں اختلاف کیا ہے۔ ابوداؤد نے مراسیل میں کہا اس حدیث کو مسند ذکر کیا گیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ حاکم ابن حبان اور بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام احمد سے نقل کیا گیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ صحیح ہو، ائمہ کی جماعت نے اس حدیث کو مذکورہ مکتوب کی شہرت کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے، اس کی سند کی وجہ سے صحیح قرار نہیں دیا۔ امام شافعی نے اپنی کتاب رسالہ میں فرمایا کہ علماء نے اس حدیث کو اس وقت تک قبول نہ کیا، یہاں تک کہ ثابت ہو گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا مکتوب ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا اہل سیر کے نزدیک یہ مکتوب مشہور ہے۔ اس میں جو کچھ ہے اہل علم کے نزدیک اتنا معروف ہے کہ اپنی شہرت کی وجہ سے سند سے مستغنی ہو گیا کیونکہ یہ روایت میں متواتر کے مشابہ ہے کیونکہ لوگوں نے اسے قبول کیا اور اسے پہچانا۔ امام حاکم نے کہا حضرت عمر بن عبدالعزیز اور وقت کے امام زہری نے اس مکتوب کے صحیح ہونے کا قول کیا ہے پھر ان دونوں تک سند کو ذکر کیا عبدالرزاق نے اپنی سند سے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیٹ تک پہنچنے والے زخم کے بارے میں کل دیت کے تیسرے حصے کا فیصلہ کیا (۲) ابن ابی شیبہ نے اسی طرح روایت کیا۔ دارقطنی نے زید بن ثابت سے ہاشمہ (۱) میں موقوف روایت نقل کی ہے کہ اس میں دس اونٹ ہونگے (۳) عبدالرزاق اور بیہقی نے ان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ تاہم مرفوع ذکر کیا جو صحیح نہیں۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابن ابی اسحاق سے، انہوں نے کھول سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہڈی ظاہر کرنے والے زخم میں پانچ اونٹ لازم کیے، اس سے کم میں کوئی چیز معین نہیں فرمائی۔ عبدالرزاق نے اپنے شیخ سے، انہوں نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موضع (ب) سے کم میں کوئی چیز معین نہیں کی (۴) اسے امام بیہقی نے ابن شہاب زبیر، ابوالترناد اور اسحاق بن ابی طلحہ سے مرسل روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر قرار دیا ہے، فرمایا دانت برابر ہیں، دو ظاہر والے دانت حکم میں داڑھوں جیسے ہیں یہ اور یہ برابر ہیں (۵) اسے ابوداؤد اور بزار نے مکمل روایت کیا۔ ابن ماجہ نے مختصر نقل کیا ہے۔ ابن حبان نے روایت کیا صحیح بخاری میں یہ اور یہ برابر ہیں یعنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھا۔ ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب کی حدیث انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے یوں نقل کی ہے کہ انگلیاں اور دانت برابر ہیں، ہر انگلی میں دس اونٹ اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے ابو خالد سے، انہوں نے عوف سے نقل کیا ہے کہ میں نے حجاج کے دور میں ایک شیخ سے سنا جس کا نام ابو مہلب تھا جو میرے والد کے چچا تھے کہ حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو سر میں پتھر مارا جس کی وجہ سے اس کی قوت سماعت، عقل زبان اور آلہ تناسل بے کار ہو گئے۔ وہ اپنی بیوی سے حقوق

2- مصنف عبدالرزاق: 17619 (مجلس)

1- سنن نسائی، جلد 8، صفحہ 58 (الریان)

4- ایضاً: 16085 (الوقاء)

3- معرفۃ السنن والآثار: 16084 (الوقاء)

5- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 217 (وزارت تعلیم)

(ب) ایسا زخم جو ہڈی کو ظاہر کر دے۔

(۱) ایسی ضرب جو ہڈی کو توڑ دے

زوجیت ادا نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت فاروق اعظم نے اس میں چار دیتوں کو لازم کیا جبکہ وہ ابھی زندہ تھا۔

مسئلہ: جب عورت قتل ہو جائے یا زخمی ہو جائے اور اس قتل میں دیت لازم ہو جائے تو مرد کی دیت کا نصف لازم ہوگی۔ امام شافعی نے کہا دیت کے تیسرے حصے سے کم میں نصف کا حکم جاری نہیں کیا جائیگا۔ پھر امام شافعی نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ امام شافعی نے محمد بن حسن سے، انہوں نے امام ابو حنیفہ سے، انہوں نے حماد سے، انہوں نے ابراہیم نخعی سے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قتل اور زخم کی صورت میں عورت کی دیت مرد کا نصف ہوگی۔ سعید بن منصور نے ذکر کیا اور دوسرے محدثین سے، انہوں نے امام شععی سے انہوں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عورتوں کے زخم کی دیت مردوں سے نصف ہوگی، مرد میں دیت تھوڑی ہو۔ یا زیادہ ہو امام بخوی نے حضرت علی بن جعد سے، انہوں نے شعبہ سے، انہوں نے حکم سے انہوں نے شععی سے انہوں نے زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی دیت کل دیت کے تیسرے حصہ تک برابر ہوگی، اس سے زائد میں عورت کی دیت مرد سے نصف ہوگی۔ ابن مسعود نے کہا مگردانت اور موضع زخم میں کیونکہ ان میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا نصف ہوگی۔ سعید بن منصور نے ہشیم سے، انہوں نے مغیرہ سے، انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ چھوٹی انگلی اور انگوٹھا برابر ہیں کیونکہ عورتوں اور مردوں کے زخم دانتوں اور موضع میں برابر ہوتے ہیں، ان کے علاوہ عورتوں کی دیت مردوں سے نصف ہوگی۔ امام بیہقی نے سفیان سے، انہوں نے جابر سے، انہوں نے شععی سے، انہوں نے شریح سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خط لکھا اور اسی کی مثل ذکر کیا۔ امام نسائی نے اسماعیل بن عباس کی روایت نقل کی، انہوں نے ابن جریج سے، انہوں نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے روایت کیا ہے کہ عورت کی تیسرے حصے تک دیت مرد کے برابر ہوگی، اس سے اوپر نصف ہوگی (۱) امام مالک نے حضرت زید ابن ثابت، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور انکے ساتھ موافقت کرنے والوں کا قول لیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا امام مالک ذکر کرتے تھے کہ یہ سنت ہے، اس لیے میں آپ کی پیروی کرتا تھا، حالانکہ میرے دل میں کچھ شبہ رہتا تھا۔ پھر مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ ان کے نزدیک سنت سے مراد اہل مدینہ کا طریقہ ہے تو میں نے اس قول سے رجوع کر لیا۔ حضرت علی شیر خدا کا قول امام شععی کے نزدیک سب سے پسندیدہ تھا۔ جمہور نے اسی کو اپنایا کیونکہ عورت کی حالت مرد سے ناقص ہے۔ اس کی منفعت مرد کی منفعت سے کم ہے۔ جب جان کے اتلاف میں بالاتفاق نصف دیت لازم کرنے میں نقصان کا اثر ظاہر ہو چکا ہے، اسی طرح عورت کے اطراف اجزاء میں بھی یہی حکم ہوگا، انہیں تیسرے حصہ سے اوپر پر قیاس کریں گے اور نصف کا حکم لگائیں گے۔

مسئلہ: غلام کی دیت اس کی قیمت اور لونڈی کی دیت اس کی قیمت ہوگی، خواہ وہ کس حد تک پہنچ جائے۔ یہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا نقطہ نظر ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول ہے مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب غلام کی قیمت بارہ ہزار درہم یا اس سے زائد ہو جائے اور لونڈی کی قیمت پانچ ہزار درہم یا اس سے زائد ہو جائے تو دس ہزار اور پانچ ہزار میں سے دس درہم کم کر دیے جائیں گے۔ غلام کے زخم کی دیت اس کی قیمت کے حساب سے ہوگی جس طرح مرد کے زخم کی دیت اس کی دیت کے حساب سے ہوتی ہے۔ امام



نبہتی نے حضرت عمر اور حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ دونوں نے اس آزاد کے بارے میں کہا جس نے غلام کو قتل کر دیا تھا کہ آزاد پر غلام کی قیمت ہوگی، خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائے۔ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے غلام میں اس کی قیمت یوں ہی لازم کی ہے جس طرح آزاد میں (۱) دیت (۱) اس روایت میں انقطاع ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ امام شافعی نے صحیح سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ غلاموں کے زخموں کی دیت اس کی قیمت کے تناسب سے جس طرح آزاد کے زخموں کی دیت اس کی دیت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے دینۃ مسلمۃ الی اہلہ یہ آزاد اور غلام دونوں کو عام ہے۔ اسی وجہ سے غلام کو قتل کرنے میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ غلام کو خطا قتل کرنے سے جو چیز واجب ہوتی ہے، وہ آدمی ہونے کی حیثیت سے دیت اور اس کے نفس کی ضمانت ہے۔ اس لیے یہ جائز نہیں کہ وہ آزاد کی دیت سے زائد یا اس کے مساوی ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ آزاد کی دیت سے کم ہو۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ آزاد عورت کی دیت مکمل انسان ہونے کے باوجود آزاد مرد کے مقابلہ میں کم ہے تو غلام کی دیت بدرجہ اولیٰ کم ہونی چاہیے کیونکہ وہ ایک اعتبار سے آدمی اور دوسرے اعتبار سے مال ہے۔ اگر ایک آدمی نے غلام غصب کیا جس کی قیمت بیس ہزار درہم ہے وہ غلام غاصب کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو بالاتفاق اس کی مکمل قیمت واجب ہوگی، خواہ کتنی ہی مقدار تک پہنچ جائے کیونکہ غصب کی ضمانت مال کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ اس میں کسی اور چیز کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ: جب کوئی غلام خطا جنایت کرے تو اس کے آقا کو کہا جائیگا یا تو یہ غلام جنایت کے بدلے میں دے یا اس کا فدیہ دے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا غلام کی جنایت غلام کے ذمہ ہوگی۔ اس جنایت میں اس غلام کو بیچا جائیگا مگر جب آقا جنایت کا تاوان ادا کر دے تو بیچنے کی ضرورت نہیں۔ اس اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا کہ جنایت کے بعد اگر آقا اس غلام کو آزاد کر دے تو کیا غلام سے حق کا مطالبہ کیا جائیگا یا آقا سے مطالبہ کیا جائیگا۔ امام شافعی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آزادی کے بعد غلام سے مطالبہ کیا جائیگا آقا سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ نے کہا اگر آقا نے غلام کی جنایت جاننے کے بعد غلام کو آزاد کیا تو جنایت کا تاوان لازم ہوگا، اگر اس کی جنایت جاننے سے پہلے آزاد کیا تو آقا پر دیت اور غلام کی قیمت میں سے جو کم ہوگی وہ اس پر واجب ہوگی۔

۱۔ جو مقتول کے ورثاء کو دی جائے وہ اس کو ترکہ کی طرح تقسیم کریں گے، یعنی اس کی تجہیز و تکفین میں خرچ کریں گے۔ جو باقی بچے گا اس سے قرضے ادا کریں گے۔ پھر جو باقی بچے گا تو اس کے تیسرے حصے، یا اگر سب چاہیں تو زیادہ سے وصیتیں ادا کریں گے۔ جو باقی بچے گا اسے ورثاء میں تقسیم کر دیں گے۔

۲۔ وارث دیت معاف کر دیں یا مقتول زخمی ہونے کے بعد قتل سے پہلے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر کیا تاکہ لوگوں کو اس پر براہیختہ کیا جائے۔ نیز معاف کرنے کی فضیلت پر آگاہ کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نیکی صدقہ ہے (۲) اسے امام بخاری نے حضرت جابر سے اور امام مسلم نے حذیفہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ جو لوگ صدقہ قبول کرنا اس لیے پسند

1- مصنف عبدالرزاق: 18150 (المجلس)

2- صحیح بخاری: 5675 (ابن کثیر)

(۱) بعض صورتوں میں مکمل دیت، بعض زخموں میں دیت کا کچھ حصہ۔ اسی طرح غلام کے بارے میں حکم ہوگا، بعض صورتوں میں مکمل قیمت جیسے ناک، آنکھیں، کان مکمل ضائع ہو جائیں تو مکمل قیمت، بعض صورتوں میں قیمت کا کچھ حصہ۔

نہیں کرتے کہ یہ ہاتھوں کی میل کچیل ہے انہیں معافی کی صورت میں ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور کلام مخدوف کے ساتھ متعلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی۔ **وَاجِبَةٌ عَلٰی عَاقِلَتِهِ** یا مسلمہ کے ساتھ متعلق ہے، یعنی محل نصب میں ہے کیونکہ یہ عاقلہ سے یا اہل سے حال ہے یا یہ ظرف زمان ہے یعنی دیت عاقلہ پر واجب ہوگی، وہ کسی حال میں بھی ہوں مگر اس حالت میں کہ قاتل کے ورثاء ان پر صدقہ کر دیں یا یہ مقتول کے ورثاء کو ادا کی جائے گی، وہ کسی حال میں بھی ہوں مگر اس حالت میں کہ وہ عاقلہ پر صدقہ کر دیں یا وہ ہر زمان میں ادا کی جائیگی مگر جب وہ عاقلہ پر صدقہ کر دیں۔

۵۔ اگر مقتول تمہاری دشمن قوم سے ہو لفظ عدد واحد اور جمع پر بولا جاتا ہے۔

۶۔ تو جبکہ مقتول خود مومن ہو تو اس کی جزاء مومن غلام کو آزاد کرنا ہے دیت لازم نہ ہوگی۔ علماء نے کہا اس کا معنی یہ ہے جب کوئی مسلمان دارالحرب میں ہو، اس نے اسلام لانے کے بعد ہماری طرف ہجرت نہ کی یا ہجرت تو کی پھر دارالحرب کی طرف مسلمان کی حیثیت سے لوٹ گیا، کسی مسلمان نے اسے خطا قتل کر دیا تو اس کے قتل کی وجہ سے کفارہ واجب ہوگا کیونکہ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے معصوم ہو چکا تھا اور اس کے قتل سے گناہ لازم آیا۔ دیت اس لیے واجب نہیں ہوگی کیونکہ دیت کو لازم کرنے والی عصمت دارالاسلام کی وجہ سے ہوتی ہے موجود نہیں۔ عاقلہ پر دیت اس لیے لازم ہے کیونکہ انہوں نے مقتول کی مدد نہیں کی دارالحرب میں ان کے لیے مدد کرنا ممکن نہیں تھا۔ ابن منذر نے جریر بن عبداللہ بکلی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مشرکین کے ساتھ مقیم رہا تو وہ ہمارے ذمہ سے فارغ ہے۔ (۱)

ایک قول یہ کیا گیا کہ جب مقتول مسلمان تھا اور دارالاسلام میں تھا جس کا نسب کفار کی قوم سے تھا، جس کے رشتہ دار دارالحرب میں تھے، جو مسلمانوں سے برسر پیکار تھے، جس طرح حارث بن زید کا معاملہ تھا تو ایسے مقتول میں صرف ایک مومن غلام کو آزاد کرنا لازم ہوگا، اس میں دیت نہ ہوگی کیونکہ مسلمانوں اور مقتول کی قوم میں کوئی معاہدہ نہیں جس وجہ سے انہیں مسلمانوں پر کوئی چیز واجب کرنے کا کوئی حق نہیں۔ نیز مسلمان اور کافر کے درمیان کوئی وراثت جاری نہیں ہوتی۔ تاہم پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ جب مقتول کے وارث نہ ہوں تو اس کی دیت بیت المال میں جمع کرادی جاتی ہے۔ آیت کا عموم دوسرے قول کو راجح قرار دیتا ہے۔

۷۔ یعنی اگر مقتول کفار کی ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کی جزاء یہ ہے کہ دیت قاتل کی عاقلہ پر واجب ہوگی جو مقتول کے ورثاء کو ادا کی جائیگی۔ یہ اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب مقتول ذمی کافر یا ایسا کافر جس کے ساتھ معاہدہ ہو یا ایسا مسلمان جس کا مسلمان وارث ہو ورنہ اس کی دیت بیت المال میں جمع کرادی جائیگی۔

مدارک میں فرمایا اس میں اس امر پر دلیل ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت جیسی ہے۔ میں کہتا ہوں اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ دیت مجمل لفظ ہے جس کی وضاحت حضور ﷺ سے مختلف انداز میں آئی ہے، جس طرح ہم نے مرد اور عورت کی دیت آزاد اور غلام کی دیت میں فرق ذکر کیا ہے اسی طرح مسلمان اور کافر کی دیت میں اختلاف جائز ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسلمان اور کافر کی دیت برابر ہے۔ امام مالک نے کہا کافر کوئی بھی ہو اس کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے، یعنی چھ ہزار درہم۔ امام شافعی نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم، مجوسی اور بت پرست کی دیت آٹھ

سورہ ہم ہے۔ امام احمد نے فرمایا اگر قتل عمداً کیا جائے تو اس کی دیت مسلمان پر اپنے مال میں سے ہے اسی طرح ہوگی جس طرح مسلمان کی دیت ہوتی ہے۔ اگر خطاً قتل ہو جائے تو ان سے دو روایتیں ہیں جس طرح کتابی کے بارے میں امام مالک اور امام شافعی کے دو قول ہیں۔ آتش پرست اور بت پرست کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

امام مالک نے عمرو بن شعیب کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو وہ اپنے باپ اور وہ دادا ہے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے روز خطاب فرمایا، حدیث طویل ہے، اس میں یہ بھی ہے مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائیگا، کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے (1) ایک روایت میں یہ ہے معاہدہ کی دیت آزاد کی دیت کا نصف ہے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے بھی اسی طرح روایت کیا۔ امام سیوطی نے کہا یہ روایت حسن ہے۔ امام احمد نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے باپ شعیب سے، انہوں نے عمرو کے دادا یعنی اپنے والد عبد اللہ بن عمرو سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دو طریقوں سے روایت کی ہے، ایک کے الفاظ یہ ہیں کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے، دوسرے کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ دونوں اہل کتاب یہودی نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔

یہودی اور نصرانی کے بارے میں امام شافعی کے قول کی دلیل عمرو بن شعیب کی حدیث ہے جو اپنے باپ سے اور ان کے باپ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور ان دنوں میں اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف تھی۔ یہ اسی طرح رہی یہاں تک کہ حضرت عمر خلیفہ بنے، آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، فرمایا اونٹ مہنگے ہو گئے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونے کے مالکوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی کے مالکوں پر بارہ ہزار درہم لازم کیے، گائے کے مالکوں پر دو سو گائیں، بھیڑ بکریوں کے مالکوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑوں کے مالکوں پر دو سو جوڑے لازم کیے۔ راوی نے کہا حضرت عمر نے ذمیوں کی دیت کو چھوڑ دیا اور اس میں اضافہ نہ کیا۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ (2)

امام شافعی نے فضیل بن عیاض سے روایت کیا ہے، انہوں نے منصور بن معتمر سے، انہوں نے ثابت بن حداد سے، انہوں نے ابن مسیب سے، انہوں نے حضرت عمر سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم کا فیصلہ کیا، مجوسی کی دیت میں آٹھ سو درہم کا فیصلہ کیا (3) دارقطنی نے اپنی سند سے سعید بن مسیب سے اسی طرح روایت کیا۔ امام بیہقی نے امام شافعی سے، انہوں نے سفیان سے، انہوں نے صدقہ بن بشار سے روایت کیا ہے کہ ہم نے صدقہ بن بشار کو حضرت سعید بن مسیب کی طرف بھیجا کہ آپ سے معاہدہ کی دیت کے بارے میں پوچھیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار ہزار درہم کا فیصلہ کیا۔ امام بیہقی اور دارقطنی نے حضرت عمر سے روایت کیا کہ آپ نے مجوسی کے متعلق چار سو درہم کا فیصلہ کیا (4) ابن حزم نے ایصال میں ابن لہیعہ کے واسطے سے یزید بن حبیب سے، انہوں نے ابو الخیر سے، انہوں نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا

2- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 69-268 (وزارت تعلیم)

1- جامع ترمذی: 1413 (علیہ)

4- معرفۃ السنن والآثار: 16217 (الوقاء)

3- سنن الدارقطنی، جلد 3، صفحہ 146 (محاسن)

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے (۱) امام طحاوی، ابن عدی اور بیہقی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس کی سند ابن لہیعہ کے واسطے سے ضعیف ہے۔ عقبہ بن عامر نے کہا حضرت عثمان کی خلافت میں ایک آدمی نے شکاری کتے کو مار ڈالا۔ کتوں میں اس جیسا کوئی نہ تھا۔ اس کتے کی قیمت آٹھ سو درہم لگائی گئی حضرت عثمان نے یہی قیمت ہلاک کرنے والے پر لازم کی۔ پس مجوسی کی دیت کتے کی قیمت بن گئی۔

امام بیہقی نے ابن لہیعہ کی سند سے، وہ یزید بن ابی حبیب سے، وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود مجوسی کی دیت کے باہرے میں فرماتے تھے کہ اس کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت ہے (۲) اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ ہدایہ میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں معاہدہ کی دیت ایک ہزار دینار تھی (۳) صاحب ہدایہ نے کہا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے اسی طرح فیصلہ کیا۔ میں کہتا ہوں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور کہا اس حدیث کو ابو بکر قرشی کے علاوہ حضرت نافع سے کسی نے بھی نقل نہیں کیا اور نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا، جبکہ ابو بکر قرشی نہدی متروک ہے اور کہا یہ حدیث باطل ہے، اس کی کوئی اصل انہیں۔ ابن حبان نے بھی اسی طرح کہا کہ یہ روایت باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں یعنی یہ حضور ﷺ کا کلام نہیں اور ابو بکر قرشی کی روایت سے استدلال کرنا درست نہیں۔

دارقطنی نے اسامہ بن زید کی روایت نقل کی کہ حضور ﷺ نے معاہدہ کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر معین فرمائی (۴) اور کہا اس سند میں عثمان بن عبدالرحمن وقاصی ہے جو متروک ہے۔ دارقطنی نے ابن عباس کی روایت بھی نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے عامر قبیلہ کے دو افراد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر رکھی تھی (۵) ابو بکر بن عیاش جو اس حدیث کا راوی ہے نے کہا یہ دونوں معاہدہ تھے۔ دارقطنی نے کہا اس سند میں ابوسعید سعید بن مرزبان ہمال ہے یحییٰ نے کہا یہ کچھ بھی نہیں اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی تھی فلاں نے کہا یہ متروک ہے۔

جہاں تک حضرت عمر کے اثر کا تعلق ہے تو عبدالرزاق نے اپنی مصنفہ میں رباح سے، انہوں نے عبید اللہ سے، انہوں نے حمید سے، انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا کہ ایک یہودی بغیر ارادہ کے قتل کر دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی حق میں بارہ ہزار درہم کا فیصلہ کیا (۶) اس کی سند میں رباح ضعیف ہے۔ امام طحاوی اور حاکم نے جعفر بن عبداللہ بن حکم کی حدیث روایت کی ہے کہ رفاعہ بن اشمول یہودی شام میں قتل کر دیا گیا۔ حضرت عمر نے اس کی دیت ایک ہزار دینار مقرر کی۔ امام ابو حنیفہ نے جن روایات سے استدلال کیا ہے امام احمد نے انہیں قتل عمد پر اور دوسرے علماء نے جن سے استدلال کیا انہیں قتل خطا پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۔ اگر قاتل مومن غلام کا مالک ہو یا اس کے حاصل کرنے پر قادر ہو کیونکہ اس کے پاس رقم موجود ہے جو قرض اور ضروریات اصلیہ سے فارغ ہے، تو قاتل کے مال میں سے آزاد کرنا ضروری ہے۔

۱۲۔ جو ایسے غلام پر قادر نہ ہو تو قاتل پر دو ماہ کے روزے لازم ہونگے جو پے در پے رکھے جائیں، جس نے بغیر عذر کے دو ماہ کے روزوں

2- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 128 (فکر)

1- معرفۃ السنن والآثار: 16217 (الوفاء)

4- سنن الدارقطنی، جلد 3، صفحہ 145 (محاسن)

3- ہدایہ اخیرین، صفحہ 586 (شرکت)

6- مصنف عبدالرزاق: 18495 (المجلس)

5- سنن الدارقطنی، جلد 3، صفحہ 71 (محاسن)

کے درمیان روزہ نہ رکھا یا نیت نہ کی یا کسی اور روزہ کی نیت کر لی تو تمام علماء کے نزدیک نئے سرے سے روزے رکھنے ہونگے کیونکہ کتاب اللہ متتابعین کا حکم ہے۔ اگر عورت نے حیض کی وجہ سے روزہ نہ رکھا تو بالانفاق اس پر نئے سرے سے روزے رکھنا لازم نہ ہونگے، جس نے مرض یا سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا تو جمہور علماء کے نزدیک نئے سرے سے روزے لازم ہونگے، جبکہ امام شافعی کا ایک قول اس سے مختلف ہے۔ یہ آپ کا قدیمی قول ہے۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اگر وہ روزے رکھنے سے بھی عاجز آ گیا تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک کھانا کھلانا لازم نہیں ہوگا اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہی ہے۔ امام شافعی کے ایک قول اور امام احمد کے نزدیک ظہار پر قیاس کرتے ہوئے یہ جائز ہے (1) ابن ابی حاتم نے مجاہد سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ ایسا قیاس ہے جو قیاس مع الفارق ہے، یعنی ایسی علت موجود نہیں جو مقیس اور مقیس علیہ کو جمع کرنے والی ہو، نص اور آیت میں مذکور کل واجب ہے۔

۱۳ توبہ علت ہونے کی وجہ سے منسوب ہے۔ یہ حکم اس لیے مشروع کیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرے، یا یہ مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی تَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ تَوْبَةً يَافَلَيْتُبُ تَوْبَةً يَاسْ كَامُضَافِ مَخْرُوفِ هِے۔ اگر صیام کو ظرف کا فاعل بنایا جائے تو یہ صیام سے حال ہوگا یا ظرف میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہوگا اگر صیام کو مبتدا بنایا جائے۔ معنی یہ ہوگا اس پر دو ماہ کے روزے اور توبہ ہے مطلب یہ ہوگا روزے توبہ کی قبولیت کا سبب ہیں۔ آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ بطور مدح اسے منسوب پڑھیں، تو یہ صیام کی مدح کے طور پر منسوب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ بنایا۔

۱۴ من اللہ توبہ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ قاتل کی حالت کو جانتا ہے اور جو اس نے حکم دیا ہے وہ حکمت کے مطابق ہے۔

امام بغوی نے کہا کہ مقیس بن ضبابہ کنزی اور اس کا بھائی ہشام مسلمان ہوئے۔ مقیس بن ضبابہ نے اپنے بھائی کو نبی نجار میں مقتول پایا۔ مقیس حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور صورتحال عرض کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ بنی فہر کا ایک آدمی بنی نجار کے پاس بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اگر تم ہشام بن ضبابہ کے قاتل کو جانتے ہو تو اسے مقیس کے حوالے کر دو تاکہ یہ اس سے قصاص لے، اگر تم قاتل کو نہیں جانتے تو اسے دیت دو۔ فہری نے یہ پیغام بنی نجار تک پہنچایا۔ انہوں نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو سنا اور اس کی اطاعت کی۔ ہم اس کے قاتل کو نہیں جانتے مگر ہم اس کی دیت ادا کرتے ہیں۔ بنی نجار نے مقیس کو سوا دن دے دیے۔ پھر وہ دونوں مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ رہے تھے کہ شیطان مقیس کے پاس آیا۔ اس کے دل میں دوسو ڈالا کیا تو اپنے بھائی کے قتل کی دیت قبول کرتا ہے، جبکہ یہ تیرے لیے عار ہوگی، جو آدمی تیرے ساتھ ہے اس کو قتل کر دے۔ یہ جان کے بدلے جان ہو جائیگی اور دیت منافع ہوگی۔ فہری مقیس سے غافل ہوا تو مقیس نے فہری کو پتھر مارا اور اس کا سر پھاڑ دیا۔ پھر اونٹ پر سوار ہوا اور باقی اونٹوں کو ہانکا اور مرتد ہو کر مکہ مکرمہ لوٹ گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (2)

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَ

لَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۱۳﴾

”اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو لے جان بوجھ کر لے تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں سے اور غضب ناک

ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اور اپنی رحمت سے دور کرنے کا اسے اور تیار کر رکھا ہے اس نے اس کے لیے عذاب عظیم ہے۔  
۱۔ جس نے مومن کے ایمان پر ناراض ہوتے ہوئے اور اس کے قتل کو حلال جانتے ہوئے اسے قتل کیا، جس طرح مقیس نے فہری کو قتل کیا۔

۲۔ امام بغوی نے مقیس کا جو قصہ ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے خلاف استدلال کرنا ممکن ہے کہ کسی بھاری چیز کے ساتھ قتل کرنا بھی قتل عمد کی قسم ہے جبکہ امام ابو حنیفہ نے اسے شہ عمد قرار دیا۔

امام ابو حنیفہ کی طرف سے جرجانی کی روایت کے مطابق یہ جواب ممکن ہے کہ شہ عمد کا گناہ کے اعتبار سے وہی حکم ہے جو قتل عمد کا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا اس کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا۔ یہ قصاص کے ساقط ہونے میں قتل عمد کے خلاف ہے کیونکہ آلہ کے اعتبار سے عمد نہیں بلکہ شہ عمد ہے۔ اس آیت کا مقتضی گناہ ہے قصاص نہیں۔

فائدہ: امام بغوی نے کہا مقیس بن ضبابہ وہی شخص ہے جسے حضور ﷺ نے عام امان سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اسی وجہ سے اسے اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ کعبہ شریف کے پردوں کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔ (1)

ابن جریر نے ابن جریج کی سند سے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ ایک انصاری نے مقیس بن ضبابہ کے بھائی کو قتل کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے دیت ادا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اس نے دیت قبول کر لی پھر اپنے بھائی کے قاتل پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں اسے حرم اور صل میں امان نہیں دوں گا۔ فتح مکہ کے روز اسے قتل کر دیا گیا (2) ابن جریج نے کہا اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت ظاہر میں مرسل ہے لیکن ابو داؤد نے عکرمہ سے روایت کیا کہ آیات کی تفسیر کے متعلق میں جو بھی تمہیں کہوں وہ حضرت ابن عباس سے مروی ہوگی۔ اس بناء پر یہ متصل ہے۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہشام کا قاتل معروف تھا۔ شاید یہ قتل خطا کی وجہ سے ہوا کیونکہ حضور ﷺ نے دیت کا حکم ارشاد فرمایا، جبکہ بغوی کی روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قاتل معلوم نہیں تھا۔ اس قسم کے معاملہ میں حکم قسم لینے اور دیت کا ہوتا ہے۔ قسم کے مسائل اس کی شرائط اور اس میں اختلاف وضاحت کا متقاضی ہے جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔

۳۔ اس کی یہ سزا اس کے کفر اور ایمان سے دشمنی کے باعث ہے یا اس نے مومن کے قتل کو مباح جانا۔ یہاں خلود سے مراد طویل وقت تک ٹھہرنا ہے۔ طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ نے حضور ﷺ سے نقل کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے جزا دے۔

۴۔ لعنت سے مراد ہے کہ اسے رحمت سے دور کر دیا۔ شیخین نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی کوئی توبہ نہیں (3) کہا گیا کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ..... وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا..... إِلَّا مَنْ تَابَ تو انہوں نے جواب دیا یہ دور جاہلیت میں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ مشرکوں نے قتل کیے تھے اور بدکاری کی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی جس کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں وہ بہترین ہے، کاش جو کچھ ہم نے کیا ہے اس

کے کفارہ کے بارے میں ہمیں بتاتے تو یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِينَ لَا يُدْعُونَ مَعَ اللَّهِ... إِلَّا مِنْ تَابٍ۔ یہ آیت انہیں لوگوں کے متعلق ہے۔ وہ آیت جو سورۃ النساء میں ہے وہ اس آدمی کے بارے میں ہے جب اس نے اسلام کو اس کے احکام کے ساتھ پہچان لیا پھر اس نے قتل کیا تو اس کی جزاء جہنم ہے۔ حضرت ابن عباس سے اس کے برعکس بھی منقول ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کی جزاء جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے عمل کی اسے سزا دے لیکن وہ فضل و احسان فرماتا ہے اور اس کے ایمان کی وجہ سے اسے ہمیشہ جہنم کا ایندھن نہیں بناتا۔ (1)

سعید بن منصور اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی میں نے اپنا حوض بھر اور اپنے جانور کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ میں ابھی بیدار نہ ہوا تھا کہ ایک آدمی اونٹنی دوڑاتے ہوئے آیا، حوض کی دیوار گرا دی اور سارا پانی بہہ گیا۔ میں گھبرا کر اٹھا اور اسے تلوار سے قتل کر دیا تو حضور ﷺ نے اسے توبہ کا حکم دیا۔ (2)

سعید بن منصور نے کہا ہمیں سفیان بن عیینہ نے بیان کیا اہل علم سے جب ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ جواب ارشاد فرماتے ایسے آدمی کی کوئی توبہ نہیں، جب کوئی آدمی اس مصیبت کا شکار ہوتا تو علماء اسے توبہ کا حکم دیتے۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے دونوں قولوں میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ ارادہ سے قتل کرنا بندے کے حق اور اللہ تعالیٰ کے حق پر بھی جنایت ہے۔ جب علماء یہ فرماتے کہ اس کی کوئی توبہ نہیں تو اس سے ان کی مراد بندے کے حق میں اس کی کوئی توبہ نہیں، اس میں صرف قصاص ہے، دنیا میں یا آخرت میں جس طرح نصوص میں وضاحت ہے۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر گناہ کے بارے میں بخشش کی امید ہے مگر جو مشرک کی حیثیت سے مرایا جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا (3) اسے ابو داؤد نے ابودرداء کی حدیث سے روایت کیا۔ امام نسائی نے اسے روایت کیا۔ حاکم نے معاویہ سے صحیح کہا۔

وہ علماء جو اس کی توبہ کی قبولیت کا قول کرتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کی تلافی میں یہ فائدہ مند ہے۔ زید بن ثابت نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِينَ لَا يُدْعُونَ مَعَ اللَّهِ... تَابًا تو ہم اس نرمی پر متعجب ہوئے اور سات ماہ تک اسی طرح ٹھہرے رہے۔ پھر اس نرمی کے بعد سختی کا حکم نازل ہوا اور نرمی کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس تغلیظ سے اس آیت کا ارادہ کیا۔ اس آیت کو سورہ فرقان میں موجود آیت کا نسخ ماننا، یہ زید بن ثابت کا گمان ہے کیونکہ یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ اس کی کوئی توبہ نہیں بلکہ اس آیت میں مذکور قتل عمد کی جزاء ہے اور اس جزاء کا تصور اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب وہ توبہ نہ کرے اور مر جائے۔ اگر وہ توبہ کرے تو گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ میری اس سے مراد حقوق اللہ کے بارے میں ہے، حقوق العباد میں ظلم کو ختم کرنا اور بندے کو راضی کرنا ضروری ہے۔

فائدہ: معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور خوراج نے استدلال کیا کہ وہ کافر ہے۔ مگر اہل سنت اس آیت کی تاویل کرتے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ مومن اگر توبہ کے بغیر بھی مر جائے تو وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا اور گناہ کبیرہ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ یہ اجماع اس معنی پر مشتمل ہے جو کتاب و سنت سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ اسے دیکھے گا۔ ہم

نے اس کی تفسیر اس کے محل میں ذکر کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ”اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔“ اس میں قاتل کو مومن کہا گیا اور حضور ﷺ کا فرمان جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا، اگرچہ اس نے بدکاری کی اور چوری کی۔ یہ ابو ذر سے متفق علیہ روایت ہے (1) اور حضور ﷺ کا فرمان جو آدمی اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا (2) اسے امام مسلم نے حضرت جابر سے نقل کیا ہے اور حضور ﷺ کا فرمان مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، بدکاری نہیں کرو گے، اولادوں کو قتل نہیں کرو گے، اپنی طرف سے گھڑ کر کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گے، نیکی کے معاملات میں نافرمانی نہیں کرو گے جس نے تم میں سے وعدہ پورا کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، جس نے ان اعمال بد میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اسے دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو یہ اس کا کفارہ ہوگا اور جس نے ان اعمال بد میں سے کسی کا ارتکاب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے پردہ میں رکھا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو معاف کر دے، چاہے عذاب دے۔ ہم نے آپ کے ہاتھ پر ان چیزوں کی بیعت کی (3) یہ روایت متفق علیہ ہے اور حدیث عبادہ بن صامت سے مروی ہے۔

**فصل:** ارادہ کے ساتھ قتل کرنے والے کے بارے میں جو روایت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے قتل کے فیصلے کیے جائیں گے، متفق علیہ۔ (4) آپ سے ہی ایک روایت مروی ہے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا تو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا۔ عرض کی پھر کونسا؟ فرمایا بھوک کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے (5) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، ان میں سے ناحق انسان کو قتل کرنا شمار کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، متفق علیہ (6) حضرت ابن عباس سے مروی روایت ہے جب وہ قتل کرتا ہے تو حالت ایمان میں قتل نہیں کرتا (7) اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی تباہی ایک مومن کے قتل سے کم درجہ رکھتی ہے۔ (8) اسے امام ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ ابن ماجہ نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ امام نسائی نے بریدہ کی حدیث نقل کی مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کے زوال سے بڑھ کر ہے (9)۔ حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ اگر زمین و آسمان والے ایک مومن آدمی کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ (10) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، آپ ارشاد فرما رہے تھے تو کتنا پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کتنی پاکیزہ ہے، تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے، قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی ایک مومن کی حرمت اس کا مال اور جان تیری حرمت سے بڑھ کر ہے اسے

2- صحیح مسلم: 151، جلد 2، صفحہ 80 (علیہ)

4- ایضاً: 28، جلد 2، صفحہ 139 (علیہ)

6- صحیح مسلم: 145، جلد 2، صفحہ 72 (علیہ)

8- جامع ترمذی: 1395 (علیہ)

10- جامع ترمذی: 1398 (علیہ)

1- صحیح مسلم: 154، جلد 2، صفحہ 81 (علیہ)

3- صحیح مسلم: 41، جلد 11، صفحہ 185 (علیہ)

5- صحیح مسلم: 142، جلد 2، صفحہ 70 (علیہ)

7- مجمع الرواہ: 12292 (علیہ)

9- سنن نسائی، جلد 7، صفحہ 83 (الحدیث)



ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (1)

حضرت ابو درداء رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مومن اس وقت تک جہنم سے آزاد اور صالح رہتا ہے، جب تک ناحق کسی کے قتل کا ارتکاب نہیں کرتا۔ جب وہ ناحق کسی کو قتل کر دیتا ہے تو خود ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے جس نے کسی مسلمان کے قتل میں معاونت کی خواہ ایک لفظ کا کچھ حصہ ہی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیاں آپس میں رُحْمَةُ اللَّهِ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس، لکھا ہوگا (2) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ طبرانی نے ابن عباس کی حدیث سے، ابن جوزی نے ابوسعید خدری سے، ابوالعین نے حلیہ میں حضرت عمر سے اس کی مثل موقوفاً نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام بخاری، امام ترمذی، امام حاکم اور دوسرے محدثین نے عکرمہ سے، انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ بنی سلیم کا ایک آدمی اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، جبکہ وہ ریوڑ ہانک کر جا رہا تھا۔ اس نے صحابہ کو سلام کیا۔ صحابہ نے کہا اس نے ہمیں سلام محض اپنے بچاؤ کے لیے کیا ہے۔ صحابہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا اور اس کا ریوڑ حضور ﷺ کی خدمت میں بطور غنیمت پیش کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (3)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ  
آلَقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعُذَّ اللَّهُ  
مَعَانِمَ كَثِيرَةً ۗ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ  
كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٣٠﴾

”اے اہل ایمان جب تم سفر پر نکلو اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) تو خوب تحقیق کر لو۔ اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام ہے کہ تم مومن نہیں ہو سہ تم تلاش کرتے ہو سہ سامان دنیوی زندگی کا ہے پس اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں (وہ تمہیں غنی کر دے گا) ایسے ہی (کافر) تم بھی تھے بے اس سے پہلے ہے پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر ہے تو خوب تحقیق کر لیا کرو ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو خبردار ہے ہے“

اے مومنوں جب تم سفر کرو یا جہاد کے لیے باہر جاؤ تو خود تحقیق کر لیا کرو۔ حمزہ اور نسائی نے یہاں دونوں مقامات اور سورہ حجرات میں فتبتوا پڑھا ہے۔ یعنی تم رک جاؤ یہاں تک کہ مومن اور کافر میں امتیاز کر لو۔ باقی قراء نے متن کے مطابق پڑھا ہے۔ تَبَيَّنْتَ الْأَمْرِيَّةَ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تو کسی معاملہ میں غور و فکر کرے اور اس کا بیان طلب کرے، یعنی معاملہ کے ظاہر ہونے سے پہلے تم جلدی نہیں کرو گے۔

امام بغوی نے کلبی کے واسطے سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مقتول کا نام مرد اس بن نہیک تھا جو اہل فدک سے تعلق رکھتے تھے۔

3- جامع ترمذی: 3030 (علیہ)

2- سنن ابن ماجہ: 2620 (علیہ)

1- سنن ابن ماجہ: 3932 (علیہ)

(1) وہ چھوٹا لشکر جس میں حضور ﷺ خود تشریف نہیں لے جاتے تھے۔

یہ مسلمان تھے جبکہ ان کی قوم کا کوئی اور مسلمان نہیں تھا۔ ان کی قوم نے حضور ﷺ کے سر یہ (۱) کے بارے میں سنا کہ وہ ان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سر یہ کا امیر غالب بن فضالہ لیشی تھے۔ سب لوگ بھاگ گئے مگر مرد اس وہی مقیم رہے کیونکہ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ جب انہوں نے گھوڑوں کو دیکھا تو خوف ہوا کہ کہیں یہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ انہوں نے اپنا ریوڑ ایک محفوظ جگہ میں چھوڑا اور خود پہاڑ پر چڑھ گئے۔ جب گھڑسوار قریب آ گئے تو مرد اس نے ان کی تکبیر سنی۔ جب تکبیر سنی تو پہچان گئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہیں۔ انہوں نے اللہ اکبر کی آواز بلند کی اور نیچے اتر آئے۔ وہ زبان سے یہ کہہ رہے لالا اللہ محمد رسول اللہ السلام علیکم! اسامہ بن زید نے اس پر حملہ کیا اور قتل کر دیا۔ اس کے ریوڑ کو ہانکا۔ پھر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ آئے۔ رسول اللہ ﷺ اس واقعہ سے سخت دکھی ہوئے۔ ان صحابہ کے پہنچنے سے پہلے آپ کو خبر مل چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا مال حاصل کرنے کے لیے اسے قتل کیا۔ پھر یہ آیت اسامہ بن زید پر پڑھی۔ اسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ میرے لیے بخشش طلب کیجئے۔ فرمایا میں کیسے دعا کروں جبکہ اس نے لالا اللہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین دفعہ دہرائی اسامہ نے کہا رسول اللہ ﷺ اسے بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں خواہش کرنے لگا کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد تین دفعہ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر فرمایا ایک غلام آزاد کرو۔ ثعلبی نے کلبی کی سند سے اس طرح روایت کیا ہے۔ ابو ظبیان نے اسامہ بن زید سے نقل کیا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے اسلحہ کے ڈر سے یہ کلمہ پڑھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے اس کا دل کیوں نہیں پھاڑ ڈالا تاکہ تو جان لیتا کہ اس نے کہا یا نہیں۔ (۱)

بزار نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا جس میں مقداد بھی تھے۔ جب مجاہدین اس قوم تک پہنچے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ سب بھاگ گئے ہیں۔ صرف ایک آدمی ہے جس کے پاس کثیر مال ہے۔ اس نے کہا اشدان لالا اللہ تو مقداد نے اسے قتل کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا جب مقتول نے لالا اللہ کہا تھا تو پھر بھی تو نے اسے قتل کر دیا، تو کل (قیامت) تیرا کیا حال ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ امام احمد امام طبرانی اور دوسرے محدثین نے عبد اللہ بن ابی حدرد اسلمی سے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے اسی کی مثل ابن عمر کی حدیث سے روایت کیا کہ عبد اللہ بن ابی حدرد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک جماعت میں جہاد پر بھیجا جن میں ابو قتادہ، محکم بن حشامہ بن قیس لیشی بھی تھے۔ ہمارے پاس سے عامر بن اضبط اشجعی گزرا۔ اس نے ہمیں سلام کیا، تو محکم نے اس پر حملہ کر دیا اور قتل (۱) کر دیا۔ جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ کی خبر دی تو ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، ابن مندہ نے جزء بن حدرد جان سے نقل کیا ہے میرا بھائی

۱۔ تفسیر بغوی، جلد ۲، صفحہ ۱۳۲ (فکر)

(۱) ابن جریر نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محکم بن حشامہ کو ایک لشکر میں بھیجا۔ لشکر کو عامر بن اضبط ملا اور مسلمانوں جیسا سلام کیا۔ دور جاہلیت میں محکم اور عامر کی دشمنی تھی۔ محکم نے عامر کو تیر مارا اور اسے قتل کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر حضور ﷺ کو پہنچی۔ محکم جب حاضر ہوئے تو دعائے مغفرت کی التجا کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے۔ محکم اٹھا جبکہ اس کے آنسو بہ رہے تھے۔ لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ فوت ہو گیا۔ صحابہ نے اسے دفن کیا تو زمین نے اس کی لاش کو اگل دیا۔ صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا زمین تمہارے ساتھی سے بروں کو بھی قبول کر لیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو عبرت دلائے۔ پھر انہوں نے اس کی لاش کو پہاڑ میں پھینک دیا اور اس پر پتھر پھینک دیئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ از مؤلف رحمۃ اللہ

فداد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے صحابہ سے کہا میں ایمان لا چکا ہوں۔ صحابہ نے اس کا ایمان لانا قبول نہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ مجھے یہ خبر پہنچی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے میرے بھائی کی دیت مجھے عطا فرمائی۔ ابن جریر نے سدی کی سند سے، اور عبد نے قتادہ کی سند سے ابن ابی حاتم نے ابن لہیعہ کے واسطے سے ابو الزبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مرد اس کے بارے میں نازل ہوئی۔ (۱)

۲. نافع، ابن عامر اور حمزہ نے السَّلْمَ پڑھا ہے۔ اس کا معنی استلام اور انقیاد ہے۔ باقی قراء نے اسے السلام پڑھا ہے، یعنی تمہیں السلام علیکم کہے۔ ایک قول یہ کیا گیا دونوں قراءتوں کی صورت میں اس کا معنی السلام علیکم ہے۔ یہ روایت اس کی بہترین شاہد ہے جسے ثعلبی اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

۳. تو مومن نہیں اور تونے یہ اقرار جان بچانے کے لیے کیا ہے۔

۴. یہ لا تقولوا میں ضمیر سے حال ہے اور یہ اس سبب کا شعور دار رہا ہے جو وضاحت طلب کرنے سے روکنے کا باعث بنا۔

۵. یہاں عرض سے مراد دنیا کے منافع ہیں، یعنی مال اور غنیمت۔ اسے عرض کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ یہ فانی ہے اور عرض ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دائمی نہ ہو۔

۶. دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کثیر غنیمتیں ہیں۔ وہ تمہیں مال کے حصول کے لیے دنیا میں ایسے افعال سے بے نیاز کر دے گا اور آخرت میں اس نے مومنوں اور متقین کے لیے کثیر اجر تیار کر رکھے ہیں۔

۷. کذلک میں کاف کان کی خبر مقدم ہے، یعنی تم بھی اس طرح تھے۔

۸. اس سے پہلے کہ تم اسلام میں داخل ہوئے اور کلمہ توحید پڑھا، جس کے ذریعے تمہارے خون اور اموال محفوظ ہو گئے، جبکہ یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی گئی کہ تمہارے دلوں نے تمہاری زبانوں کی موافقت کی تھی یا نہیں۔

۹. ایمان اور دین میں استقامت عطا کر کے تم پر احسان کیا، یا اس کا معنی یہ ہے ہجرت سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے کہ تم مومنوں میں لا الہ الا اللہ کے کلمہ کے ساتھ امان پاتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے ذریعے تم پر احسان کیا۔ قتادہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے قبل تم بھی گمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے تم پر احسان کیا اور لا الہ الا اللہ کے اقرار کی توفیق عطا فرمائی۔ سعید بن جبیر نے کہا تم بھی اسی طرح مشرکین سے اپنے ایمان کو چھپاتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر اسلام کے اظہار کے ساتھ احسان کیا۔

۱۰. اچھی طرح چھان بین کرنے کے بارے میں حکم کو مکرر ذکر کیا یا تو چھان بین کرنے کے امر کی تاکید اس کی تعظیم اور حکم کو ان کے حال پر مرتب کرنے کی تاکید مقصود ہے کیونکہ حکم کی علت ان کے مذکورہ حال سے بیان کی۔ پھر انہیں جھنجھوڑا اور ترتیب میں تاکید آگئی۔ کہا جاتا ہے یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے فرمان فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَابِرٌ كَثِيرَةٌ کی فرع ہے۔ معنی یہ ہوگا غنیمت لینے میں انتظار کرو اور خوب چھان بین کرو، یہاں تک کہ تمہارے لیے یہ ظاہر ہو کہ یہ غنیمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم تک پہنچی ہے اور تمہارے لیے حلال ہے یا یہ حرام ہے اور دنیا کے سامان سے تعلق رکھتی ہے، یا یہ معنی کیا جاتا ہے کہ اس چھان بین کا پہلا حکم تو قتل میں جلدی کی نفی کے لیے تھا۔ یہاں تک کہ اس سے اسلام کی علامات ظاہر ہو جائیں (پھر قتل جائز نہیں)۔ دوسرا جب اسلام کی علامات ظاہر ہو جائیں تو قتل میں جلدی کرنے سے نفی کے

لیے تھا یہاں تک کہ ان کا کفر اور نفاق ظاہر ہو جائے۔

۱۱ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور اغراض کو جانتا ہے، تمہاری نیت اور مقاصد کے مطابق تمہارے اعمال پر تمہیں جزاء دے گا۔  
فائدہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ دیناوی احکام جاری کرنے کے لیے جسے مجبور کیا گیا ہو اس کا ایمان صحیح ہے اور مجتہد کبھی غلطی بھی کر جاتا ہے۔ حق کی طلب میں اگر اس نے کوئی کوتاہی نہ کی ہو تو اس کی خطا بخش دی جاتی ہے اور مجتہد پر توقف چھان بین اور انتہائی کوشش لازم ہے۔ پہلی نظر میں اس کے لیے جو ظاہر ہو وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ جب اس نے توقف اور چھان بین کی وہ اجتہاد میں غلطی بھی کر جائے تو اس کو اجر دیا جاتا ہے۔ جو آدمی لا الہ الا اللہ کہے اس پر کفر کا حکم لگانا جائز نہیں، جبکہ وہ کتابی اور مسلمان میں مشترک ہے۔ اس کے قتل میں جلدی نہ کی جائے، یہاں تک کہ اس کا معاملہ خوب ظاہر ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

جب غازی کسی بستی میں اسلام کے شعار دیکھیں تو ان پر واجب ہے کہ بستی والوں سے اپنے ہاتھ روک لیں کیونکہ نبی کریم ﷺ جب کسی قوم پر حملہ کرتے، اگر ان سے اذان کی آواز سنتے تو ان سے ہاتھوں کو روک لیتے، اگر ان سے اذان کی آواز نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔ امام بغوی نے امام شافعی کے واسطے سے ابن عمام سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی چھوٹا لشکر روانہ کرتے تو فرماتے جب تم مسجد دیکھو اور موذن کی اذان سنو تو کسی کو بھی قتل نہ کرو، واللہ اعلم۔ (۱)

امام بخاری ابو داؤد امام ترمذی اور امام نسائی نے زید بن ثابت سے امام بخاری نے براء بن عازب سے طبرانی نے زید بن ارقم سے ابن حبان نے ابن عاصم سے اور امام ترمذی نے ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت کو یہ لکھو ایا لا یستوی القعودون من المؤمنین غیر اولی الضریر والمجہدون فی سبیل اللہ زید نے کہا ابن ام مکتوم آئے جبکہ حضور ﷺ مجھے املاء کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر میں جہاد کی طاقت رکھتا تو میں ضرور جہاد کرتا (۲) جبکہ عبد اللہ بن ام مکتوم نابینا تھے۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے عبد اللہ بن جحش اور ابن ام مکتوم نے کہا ہم نابینا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی جبکہ آپ کی ران حضرت زید بن ثابت کی ران پر تھی۔ زید بن ثابت نے کہا مجھے اس کا برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ میری ران ٹوٹ جائیگی پھر وحی ختم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر یہ آیت نازل فرمائی۔

لَا یَسْتَوِی الْقُعُودُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرْرِیْمِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِی سَبِیْلِ  
اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلٰی  
الْقُعُودِیْنَ دَرَجَةً ۗ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ۗ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلٰی  
الْقُعُودِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝

”نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے مسلمان لے سوائے معذوروں کے سہ اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے سہ بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں پر سہ درجہ میں لے اور سب سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا بے لیکن فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے۔“

۱۔ من المومنین القاعدون سے حال ہے یا قاعدون میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے۔

۲۔ غیر مرفوع ہونے کی صورت میں قاعدون کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے۔ یہاں غیر معرفہ ہے کیونکہ غیر اولی الضرر سے مراد وہ فرد ہے جس میں کوئی نقص نہ ہو اس لیے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ نکرہ کو جب معرفہ کا بدل بنایا جائے تو اس کی صفت کا لگانا ضروری ہوتا ہے۔

یہ تعبیر کرنا ضعیف ہے کہ قاعدین نکرہ کے حکم میں ہے کیونکہ اس سے معین قوم مراد نہیں لی گئی کیونکہ معرفہ جب نکرہ کے حکم میں ہو تب بھی اس کی صفت اس چیز کے ساتھ لگانا جائز نہیں جس کے ساتھ نکرہ کی صفت لگائی جاتی ہے مگر جب جملہ صفت بنے اور اس کا فعل فعل مضارع ہو جس طرح اس قول میں ہے وَلَقَدْ أَمَرُ عَلَى اللَّيْمِ يَنْسُبِي نافع ابن عامر اور کسائی نے اسے استثناء کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے، حال کے طور پر منصوب پڑھنا مشکل ہے کیونکہ یہ معرفہ ہے۔

۳۔ صحاح میں ضرر کا معنی برا حال ہے (۱) یا یہ کیفیت اس کے نفس میں ہوگی کیونکہ علم فضل اور عفت کی کمی ہے یا بدن میں جیسے کوئی عضو نہ ہو یا اس میں کوئی نقص ہو یا ظاہری حالت کے اعتبار سے ایسی کیفیت ہو جیسے مال اور وجاہت میں کمی ہو۔ قاموس میں ہے ضرر ضرر کی طرح برے حال کو کہتے ہیں۔ اس سے لفظ ضرر بولتے ہیں جس کا معنی ناپیدا ہے۔ (۲)

میں کہتا ہوں یہاں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنا بیچ اور مریض نہ ہوں یا اس سے مراد بدن یا آنکھ کو یا مال میں کمزوری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کا قرینہ ہے۔

۴۔ یعنی ان کے درمیان جو جہاد نہیں کرتے اور انکے درمیان جو اپنی جانوں اور مال کے ساتھ جہاد کرتے ہیں کوئی مساوات نہیں مگر ایسے لوگ جو کسی عذر کی وجہ سے جہاد نہیں کرتے جیسے اپنا بیچ ہیں ناپیدا ہیں یا اس کے علاوہ کوئی مرض ہے یا ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ ایسے لوگ مجاہدین کے ہم مرتبہ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اگر وہ قادر ہوتے تو جہاد کا ارادہ رکھتے۔

امام بخاری حضرت انس سے اور ابن سعد نے حضرت انس اور حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوة تبوک سے واپس لوٹے۔ آپ مدینہ طیبہ کے قریب آئے، فرمایا مدینہ طیبہ میں ایسے لوگ ہیں تم نے جو بھی مسافت طے کی اور جس وادی سے بھی گزرے وہ تمہارے ساتھ تھے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ جبکہ وہ مدینہ میں رہے آپ نے فرمایا ہاں وہ مدینہ میں ہی رہے۔ انہیں عذر نے روک رکھا تھا (۳) مقسم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے، فرمایا غزوة بدر میں شرکت نہ کرنے والے اور اس میں شرکت کرنے والے برابر نہیں۔

۵۔ یہاں قاعدین سے مراد مومن ہیں جو معذور نہ تھے کیونکہ اسم معرفہ جب مکرر ذکر کیا جائے تو دوسرے اسم سے مراد بعینہ پہلے کا مصداق ہوتا ہے۔

۶۔ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی بدر جہ یا یہ مفعول مطلق ہے کیونکہ یہ فضل فعل کے اس مصدر کے قائم مقام ہے جو عدد پر دلالت کرتا ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی افضلہم تفضیلہ جس طرح اس مثال میں سوطا مفعول مطلق ہے ضربتہ سوطا یا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی ذوی درجۃ للذیہ جملہ سابقہ جملہ کی وضاحت کر رہا ہے جس میں برابری کی

2۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 601 (التراث العربی)

1۔ الصحاح، جلد 2، صفحہ 413 (علیہ)

3۔ صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 120 حدیث نمبر: 4329 (مکر)

نفی کی گئی تھی۔ صرف اسی جملہ پر اقتصار نہیں کیا حالانکہ یہ مساوات کی نفی سے غنی کر دیتا ہے۔ اقتصار نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مساوات میں نفی فضیلت کو اجمال اور دلالت کے طریقے پر ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اجمال کے بعد تفصیل اور دلالت کے بعد تصریح تاکید میں اضافہ کا باعث ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے جو آدمی اطاعت کرے اور جو اطاعت نہ کرے۔ ان میں عدم مساوات ظاہر باہر ہے۔ اس کی وضاحت کا کیا فائدہ۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں اس کا فائدہ اس پر آگاہ کرنا اور جہاد میں رغبت دلانا ہے۔ زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ کہا جاتا کہ جہاد میں شریک نہ ہونے کی صورت میں بعض اوقات دل کے فارغ ہونے کی وجہ سے ایسی طاعات اور حقوق اللہ اور حقوق العباد بجالاتا ہے جو جہاد کی حالت میں بجا نہیں لاتا۔ یہ چیز جہاد میں شرکت نہ کرنے والے کو مجاہد پر فضیلت کا وہم دلاتی ہے۔

اس آیت کا فائدہ یہ ہے کہ اس وہم کو دور کیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال دن کو روزہ رکھنے والے رات کے وقت قیام کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی آیات (احکام) پر دوام اختیار کرنے والے کی طرح ہے، جو روزہ چھوڑتا ہے نہ نماز، یہاں تک وہ مجاہد واپس گھر آجائے۔ متفق علیہ۔ (۱)

بے مجاہدین اور عذر کے بغیر گھر بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی وجہ سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے، اگر یہ فرض عین ہوتا تو گھر میں بیٹھ رہنے والا سزا کا مستحق ہوتا نہ کہ ثواب کا۔

فصل: تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کفار اپنے گھروں میں ہی رہیں تو امام پر لازم ہے کہ وہ بذات خود یا لشکروں کی مدد سے جنگ جاری رکھے تاکہ جہاد کا سلسلہ منقطع نہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین نے جہاد نہیں چھوڑا۔ جب مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کے لیے سرگرم عمل رہے جن کی وجہ سے کفار کا شر دور ہوتا رہے اور اعلاء کلمۃ اللہ کا سلسلہ جاری رہے تو جہاد دوسرے لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی حالت میں غلام آقا کی اجازت کے بغیر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر، مقروض قرض خواہ کی اجازت کے بغیر، بیٹا والدین کے منع کرنے پر جہاد پر نہیں جاسکتا۔ کیونکہ ان کے بغیر بھی جماعت کافی ہے تو پھر حقوق العباد کے اطلاق کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی بھی اس فریضہ کو سرانجام نہ دے تو سب لوگ گنہگار ہونگے۔ صرف معذور لوگ گناہ سے بچیں گے۔

تمام علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ علاقہ کے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے ساتھ والے علاقے کے کفار کے ساتھ جہاد کا سلسلہ جاری رکھیں۔ اگر وہ خود عاجز ہیں تو ساتھ والے لوگ ان کی مدد کریں۔ جب وہ قدرت کے باوجود اس پرستی کریں تو ان کے قریب رہنے والوں پر جہاد فرض ہوگا، پھر اس کے قریب رہنے والوں پر۔ یہ سلسلہ زمین کے آخری کونے تک جائے گا۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے جب دو لشکر ملیں تو موجود مسلمانوں پر ثابت قدم رہنا واجب ہے اور فرار حرام ہے مگر جنگی چال یا اپنی جماعت کے ساتھ ملنے یا کفار کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ ہو تو ان کے لیے فرار اختیار کرنا مباح ہے۔ لیکن ایسے موقع پر ثابت قوم رہنا افضل ہے۔

مسئلہ: جہاد کے لیے زادراہ اور سواری ضروری ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تینوں ائمہ (۱) سے نزدیک اسباب اور آلات کی سلامتی ضروری ہے۔ یہ شرط اس صورت میں ہے جب ایک شہر والوں پر جہاد متعین ہو جائے۔ اس شہر اور جہاد کی جگہ کے درمیان سفر کی مسافت ہو۔



ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے درجہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے درجہ کی بلندی ہے اور درجات سے مراد جنات میں ان کی منازل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے مجاہد جنہوں نے کفار سے جہاد کیا ان کے لیے ایک درجہ ہے اور بعد والے جنہوں نے اپنے نفوس سے جہاد کیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم جو اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات اس کی مغفرت اور رحمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کامل مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور مہاجر وہ ہے جس نے خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑا۔ اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں فضالہ سے روایت کیا۔ (1)

ایک قول یہ کیا گیا پہلی آیت میں قاعدین سے مراد معذور ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو ایک درجہ فضیلت دی کیونکہ مجاہدین نے نیت کے ساتھ ساتھ عملاً جہاد بھی کیا جبکہ معذوروں کی طرف سے صرف نیت تھی اور جہاد کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور معذوروں کے ساتھ ان کی نیتوں کی وجہ سے اچھے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ مقاتل نے اسی طرح کہا۔ دوسرے قاعدین وہ افراد ہیں جو معذور نہیں، ان پر اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو اجر عظیم کے ساتھ فضیلت دی۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجات، مغفرت اور رحمت ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوسعید جو اللہ تعالیٰ کے رب، اسلام کے دین اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ اسی کے لیے جنت ثابت ہے۔ ابوسعید اس ارشاد سے خوش ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دوبارہ ارشاد فرمائیں، تو حضور ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک اور بات بھی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ جنت میں بندے کے سوردے بلند فرماتا ہے اور ہر دو درجوں میں اتنی مسافت ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ ابوسعید نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (2)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کی، رمضان کے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی پیدائشی جگہ میں مقیم رہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دے دیں۔ فرمایا جنت میں سوردے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ سب سے بہترین جنت ہے۔ اس کے اوپر رخصن کا عرش ہے۔ اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ (3)

۲۔ وہ گناہوں کو بخشنے والا اور مجاہدین پر رحم فرمانے والا ہے، انہیں عظیم درجات عطا فرمانے والا ہے واللہ اعلم۔

امام بغوی نے ذکر فرمایا کہ اہل مکہ کے کچھ لوگوں نے کلمہ تو پڑھ لیا تھا اور ہجرت نہ کی تھی۔ انہیں میں سے قیس بن فاکہ بن مغیرہ، قیس بن ولید بن مغیرہ اور ان جیسے لوگ تھے۔ جب مشرک غزوہ بدر کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے، یہ بھی ان کے ساتھ نکلے۔ انہوں نے کفار کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ (4)

2- صحیح بخاری: 116، جلد 13، صفحہ 25 (علیہ)

4- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 137 (نکر)

1- شعب الایمان: 11123 (علیہ)

3- صحیح بخاری: 2637 (ابن کثیر)



امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مشرکین کے ساتھ تھی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکوں کی تعداد میں اضافہ کرتے، پھینکا گیا تیرا آتا، ان میں سے کسی کو لگ جاتا اور اسے قتل کر دیتا یا وہ تلواریں زد میں آتا اور مارا جاتا۔ (1)

میں کہتا ہوں ان کا قول يَكْفُرُ سَوَادُ الْمُشْرِكِينَ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرتے تھے۔ ابن مندہ نے اسے نقل کیا اور نام بھی ذکر کیے۔ ان میں قیس بن ولید بن مغیرہ ابو القیس بن فاکہہ بن مغیرہ ولید بن عتبہ بن ربیعہ عمرو بن امیہ علی بن امیہ بن خلف ان کے اسی عمل کو بھی ذکر کیا کہ وہ بدر کی طرف نکلے، جب مسلمانوں کی قلیل تعداد کو دیکھا تو ان کے دلوں میں شک داخل ہو گیا اور کہا ان کے دین نے انہیں دھوکہ میں ڈال دیا، پس وہ بدر کے روز قتل ہو گئے۔

میں کہتا ہوں یہ روایت کہ ان کے دلوں میں شک داخل ہو گیا ان کے ارتداد پر دلالت کرتا ہے جبکہ قرآن حکیم کی آیت ان کے کفر میں دلالت نہیں کرتی۔ ابن ابی حاتم نے بھی اس کا ذکر کیا اور ان میں حارث بن ربیعہ بن اسود اور عاص بن عتبہ بن حجاج کا اضافہ کیا۔ (2)

طبرانی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ مکہ مکرمہ میں ایک جماعت تھی جو مسلمان ہو چکی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو انہوں نے ہجرت پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور خوفزدہ ہو گئے۔ ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک جماعت تھی جو مسلمان ہو چکے تھے۔ تاہم اسلام کو مخفی رکھتے تھے۔ غزوہ بدر کے موقع پر مشرک انہیں ساتھ لے آئے۔ ان میں سے بعض قتل کر دیے گئے۔ مسلمانوں نے کہا یہ مسلمان تھے۔ انہیں جنگ میں شریک ہونے پر مجبور کیا گیا، ان کے لیے دعاء مغفرت کرو، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (3)

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِينَ أَلْفَوْا فِيكُمْ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا  
مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا  
فِيهَا قَالُوا لَيْسَ مَا لِكُمْ مِنْ جَهَنَّمَ وَلَا سَاعَتٌ مَصِيرًا ﴿١٥﴾

”بے شک وہ لوگ کہ قبض کیا ان (کی روجوں) کو فرشتوں نے لے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر لے فرشتوں نے انہیں کہا تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا ہاں ہم تو بے بس تھے زمین میں لے فرشتوں نے کہا بے کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تا کہ تم ہجرت کرتے اس میں لے یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بہت بڑی پلٹ کر آنے کی جگہ ہے لے“

لے توفی کا لفظ ماضی اور مضارع دونوں فعلوں کا احتمال رکھتا ہے۔ مضارع کی صورت میں ایک تاء حذف ہوگی۔ توفی کا معنی روح قبض کرنا ہے۔ ملائکہ سے مراد ملک الموت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے قُلْ يَتَوَفَّيْكُمْ مَلَائِكَةُ الْمَوْتِ الَّتِي دُخِّلَ بِكُمْ۔ عرب بعض اوقات جمع کے صیغہ کے ساتھ واحد کو پکارتے تھے، جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ یہاں ملک الموت اور اس کے ساتھی مراد ہیں کیونکہ امام احمد اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشم کا کپڑا لاتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنگ کی طرف چل، جبکہ تو اللہ پر راضی اور اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور اپنے رب کی طرف چل جو تجھ سے ناراض نہیں۔ مگر جب کافر کی موت کا

وقت قریب آتا ہے تو فرشتے ٹاٹ کا ایک ٹکڑا لاتے ہیں، وہ اسے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف چل، جبکہ تو اللہ تعالیٰ سے ناراض اور اللہ تعالیٰ تجھ سے ناراض (1) امام احمد نے براء بن عازب سے طویل حدیث روایت کی، اس میں یہ بھی ہے جب بندہ مومن دنیا سے تعلق منقطع کرنے والا ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس پر سفید چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں، گویا ان کے چہرے سورج ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور حنوط (خوشبو) ہوتا ہے۔ پھر وہ حدنگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آتا ہے۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے پاکیزہ نفس اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رضوان کی طرف نکلو۔ راوی نے کہا تو اس کی روح بدن سے یوں نکلتی ہے جیسے مشکیزہ سے قطرہ بہتا ہے تو ملک الموت اسے پکڑ لیتا ہے۔ جب وہ اسے پکڑتا ہے تو فرشتے اسے اس کے پاس آنکھ جھپکنے کے برابر بھی نہیں رہنے دیتے کہ اسے لے لیتے ہیں اور اس کفن اور حنوط میں رکھ دیتے ہیں۔ جب کافر کا اس دنیا سے کوچ کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے اترتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ ہوتا ہے۔ فرشتے اس کے پاس حدنگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ جاتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے اے خبیث نفس اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی طرف نکلو۔ راوی نے کہا روح اس کے جسم میں بکھر جاتی ہے۔ ملک الموت اسے یوں نکالتا ہے جیسے بھیگی ادن سے آنکھڑا۔ پھر وہ اسے پکڑ لیتا ہے۔ دوسرے فرشتے اسے ایک ساعت بھی نہیں رہنے دیتے کہ اسے اس ٹاٹ میں رکھ لیتے ہیں (2) ابن جریر ابن منذر اور ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے مکہ مکرمہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو خط لکھا کہ اب تمہارا دہاں رہنا فائدہ مند نہیں۔ ان مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت کی مشرکوں نے انہیں پکڑ لیا اور واپس لے گئے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: **فَاذْأُوذِي فِي اللَّهِ جَعَلَ الْفَالِاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ**۔ تو مسلمانوں نے انہیں خط لکھا تو مکہ مکرمہ میں مقیم مسلمانوں نے کہا ہم ہجرت کریں گے۔ اگر کسی نے ہمارا پیچھا کیا ہم اس سے جنگ کریں گے۔ وہ مکہ مکرمہ سے نکلے۔ کفار نے انکا پیچھا کیا۔ کچھ بچ نکلے اور کچھ قتل ہو گئے، تو یہ آیت نازل ہوئی **لَمْ يَنْهَاجُوا مِنْ بَعْدِ مَا فَتَقْنَا**۔ الایۃ

۲۔ انہوں نے ہجرت کا فریضہ چھوڑ کر اور دارشک میں مقیم رہ کر معصیت کا ارتکاب کر کے اور کفار کی موافقت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ظالمی مفعول کی ضمیر سے حال ہے۔ امام بغوی نے کہا نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے بعد ہجرت کے بغیر اسلام قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں (3) اسے ابوداؤد اور امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ مجاشع بن مسعود سے روایت کیا ہے اور ابن جریر نے ضحاک سے روایت کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ دار کفر سے ہجرت محکم فریضہ ہے بشرطیکہ وہ ہجرت پر قادر ہو۔ یہ حکم منسوخ نہیں۔ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ ایسی جگہ سے ہجرت کرنا واجب ہے جہاں شریعت کے احکام جاری کرنا ممکن نہ ہوں۔ حضور ﷺ کے ارشاد **لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ** کا مفہوم یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ دارالاسلام بن گیا تھا اب فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت واجب نہ تھی۔ اس لیے فتح مکہ کے بعد جس نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی وہ مہاجرین میں شمار نہ ہوا اور نہ ہی اسے ہجرت کا ثواب ملا۔ ہجرت کا فرض ہونا غیر مہاجر کے اسلام قبول نہ کرنے کو مستلزم نہیں اور نہ ہی اس حکم کو مستلزم ہے کہ وہ مومن نہیں بلکہ ان کے گناہگار ہونے اور ان سے دوستی ترک کرنے کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ

**الَّذِينَ آمَنُوا لَمْ يَمُوجُوا..... فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ اَلَا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مَوَدَّةٌ**

سے فرشتوں نے عار دلاتے ہوئے کہا۔ قالوا اكا جمله ان کی خبر ہے اور ضمیر عائد مخدوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی قالوا اللهم یہ بھی جائز

ہے یہ ملائکہ سے حال ہو اور اس سے پہلے لفظ قد مخدوف ہو یا ضمیر منصوب سے حال ہو جو تو فہم للملئکۃ میں ہے اور قد مضمّر ہوگا۔  
تقدیر کلام یوں ہوگی وَقَدْ قَالُوا لَهُمْ۔

یہ یہ قالوا کا مقولہ ہے، یعنی تم کس حالت میں تھے، کیا تم مسلمان تھے جس طرح تمہارا اقرار دلالت کرتا ہے یا تم کافر تھے جس پر تمہارا کفار کے پاس ٹھہرنا اور بغیر عذر کے ان کی موافقت کرنا دلالت کرتا ہے۔

۷ جن لوگوں نے ہجرت کے فریضے کو چھوڑا تھا۔ اب انہیں موت آنے والی ہے۔ انہوں نے کہا یہ ان کی خبر ہے۔ اس صورت میں جبکہ اس کا ماقبل حال ہو اور یہ جملہ مستانفہ ہو۔ جب ماقبل جملہ ان کی خبر تصور کی جائے گویا یہ سائل کا جواب ہے جو یہ پوچھتا ہے کہ جنہیں موت آنے والی ہے۔ انہوں نے کیا جواب دیا تھا جب انہیں فرشتوں نے وہ کہا جس کا ذکر کیا گیا۔

۸ یہاں ارض سے مراد مکہ مکرمہ ہے، یعنی ہم کفار کی مخالفت پر قادر نہ تھے یا ہم دین کے اظہار اور اعلاء کلمۃ الحق سے عاجز تھے۔  
۹ فرشتوں نے انہیں جھٹلانے اور شرمندہ کرنے کے لیے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ جب قریب الموت لوگوں نے عذر پیش کیا تو فرشتوں نے ان کے جواب میں کہا۔

۱۰ تم مکہ مکرمہ سے ایسے علاقہ کی طرف نکلنے پر قادر تھے جہاں تمہیں اسلام کے اظہار کفار کی مخالفت اور اعلاء کلمۃ الحق سے کوئی رکاوٹ نہ تھی، جس طرح مہاجرین نے مدینہ طیبہ اور حبشہ کی طرف ہجرت کی فتہا جروا محل نصب میں ہے کیونکہ یہ استنبہام کے جواب میں ہے۔  
۱۱ وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ فاء تعقیبہ اور سبب کے لیے ہے، یعنی ان کا ٹھکانہ جہنم اس لیے ہے کہ انہوں نے ہجرت کو ترک کیا۔ یہ کفر کو مستلزم ہے نہ جہنم میں دائمی عذاب کو۔ یہ جملہ ماقبل جملہ کا معطوف ہے اور اس کا نتیجہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاولئک والا جملہ ان کی خبر ہو۔ اس پر فاء اس لیے آئی کیونکہ ان کے اسم میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے اور اس کا قبل جملہ حال ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

۱۲ ان کا ٹھکانہ بہت برا ہے یا جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو آدمی اپنے دین کے ساتھ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف بھاگا اگر چہ ایک بالشت بھاگا ہو اس کے لیے جنت لازم ہوگی۔ اس کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم اور اس کے نبی حضرت محمد ﷺ جنت میں اس کے ساتھی ہوں گے۔ (1)

۱۳ ثعلبی نے اسے حسین کی حدیث سے مرسل نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا بہترین مال بھیڑ بکریاں ہیں جنہیں وہ پہاڑ کی چوٹیاں پر لے جاتا ہے اور اپنے دین کو بچانے کے لیے فتنوں سے دور بھاگتا ہے (2) اسے امام بخاری اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام تمام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، ہجرت تمام پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، حج تمام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسے امام مسلم نے عمرو بن عاص سے روایت کیا۔ (3)

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَا يَسْتَضِعُّونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿١٦﴾

”مگر واقعی کمزور و بے بس لے مرد ۲ اور عورتیں اور بچے ۳ جو نہیں کر سکتے تھے (ہجرت کی) کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے (وہاں سے نکلنے کا) کوئی راستہ ۴۔“

۱۔ یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ اسم موصول اور اس کی ضمیر میں داخل نہیں۔ اشارہ اسم موصول کی طرف ہے کیونکہ یہ ظالم نہیں کیونکہ قدرت کے بعد ہی ایک امر واجب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

۲۔ جس طرح انتہائی بوڑھا، مریض، کمزور اور اچانچ جو پیدل سفر پر قادر نہ ہو اور سواری کی استطاعت نہ رکھتا ہو، عیال دار ہو اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کر سکتا ہو۔ اگر ان کو چھوڑ کر خود ہجرت کرے تو ان کے ضائع ہو جانے کا خوف ہے۔

۳۔ عورتیں کیونکہ عموماً ضعیف ہوتی ہیں اور بچے ان کو استثناء میں ذکر کرنا امر میں مبالغہ کے لیے ہے اور اس بات کا شعور دلانا ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں اور ہجرت پر قادر ہوں تو ان پر بھی ہجرت واجب ہوگی یا ولدان سے مراد ان کے اولیاء ہیں کیونکہ جب اولیاء دار شرک سے ہجرت پر قادر ہوں تو ان پر بھی ہجرت واجب ہوگی۔ ورنہ وہ مستضعفین میں شمار ہونگے۔ یہاں غلام کا ذکر نہیں کیا۔ جب غلام

ہجرت پر قادر ہو تو اس پر ہجرت واجب ہے۔ آقا کا حق اسے ہجرت سے نہیں کیونکہ حقوق العباد فرض عین پر غالب نہیں آسکتے۔ محمد بن اسحاق نے یونس بن بکر کی روایت میں کہا مجھے عبد اللہ بن مکرم اور محمد بن یحییٰ نے اپنے شیوخ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی کرنے والے نے ندا دی۔ یہ اس وقت ہوا جب حضور ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا، جو غلام بھی قلعہ سے نیچے اتر آیا اور

ہمارے پاس آ گیا وہ آزاد ہے تو قلعہ سے دس سے زائد افراد نکل آئے حافظ محمد بن یوسف صالحی نے سبل الرشاد میں ان کے نام گنوائے ہیں۔ امام احمد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلاموں میں سے جو ہماری طرف آ گیا وہ آزاد ہے۔ غلام نکل آئے۔ ان میں ابو بکر بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا (۱) صحیحین میں ابو عثمان نہدی سے مروی ہے سعد نے کہا یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پھینکا۔ ابو بکر طائف کے قلعہ کی دیوار پر تھے۔ یہ طائف میں

تیسویں فرد تھے جو حضور ﷺ کے پاس آئے۔ یہ امر اہل طائف پر بڑا شاق گزرا۔ انہوں نے غلاموں پر سختی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان آزاد کردہ غلاموں میں سے ہر ایک کو ایک ایک آدمی کے حوالے کر دیا جو

اس کے اخراجات برداشت کرے۔ اس کے لیے سواری کا انتظام کرے اور صحابہ کو حکم دیا کہ انہیں قرآن کی تعلیم دیں اور دین کے احکام بتائیں۔ جب بنو ثقیف مسلمان ہو گئے تو ان کے سرداروں نے ان آزاد کردہ غلاموں کے بارے میں بات چیت کی جن میں سے ایک

حارث بن کلدہ بھی تھا کہ انہیں دوبارہ غلامی میں دے دیا جائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں، ان تک رسائی کی کوئی صورت نہیں۔

۴۔ حیلہ کا معنی مہارت، اچھی نظر اور تصرف پر قدرت ہے، یعنی وہ ہجرت پر قدرت نہیں رکھتے اور اس کے اسباب بھی نہیں پاتے، نہ خود راستہ پہچانتے ہیں اور نہ ہی کوئی راہنما پاتے ہیں۔

فَأُولَٰئِكَ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا غَفُورًا ۝۱۱

”تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔“

والا بہت بخشنے والا ہے۔“

کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں عسی (امید) اور عفو کا لفظ اس امر سے آگاہ کرنے کے لیے فرمایا کہ ہجرت نہ کرنا بہت بڑا معاملہ ہے، یہاں تک کہ معذور کو بھی بے خوف نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ موقع کی تاڑ میں رہنا چاہیے اور اس کا دل ہجرت کے ساتھ معلق رہنا چاہیے۔ ابن عباس نے کہا میں اور میری ماں ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نماز میں ان ضعفاء کے لیے دعائیں کرتے تھے (1) امام بخاری اور دوسرے محدثین نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے جب رسول اللہ ﷺ عشاء کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو یوں دعا فرماتے اے اللہ عیاش بن ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ ولید بن ولید کو نجات عطا فرما، اے اللہ سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما، اے اللہ کمزور مومنوں کو نجات عطا فرما، اے اللہ مضر پر اپنا عذاب نازل فرما، اے اللہ انہیں اس طرح خشک سالی کا شکار کر جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں خشک سالی ہوئی تھی۔ (2)

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْعَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ  
يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ  
عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

”اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں پناہ کے لیے بہت جگہ اور کشادہ روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھر آئے اس کو راہ میں موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

۱۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے مرعما کا معنی متحولا کیا ہے، یعنی ایسی جگہ جس طرف وہ منتقل ہوا۔ یہ رعامہ سے مشتق ہے یعنی مٹی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ایسا راستہ جو اس کی قوم کو سوا کرے گا یعنی وہ اپنی قوم کو چھوڑے گا جبکہ وہ راضی نہ ہو سکے۔ یہ بھی رعامہ سے مشتق ہے جس کا معنی مٹی ہے۔ مجاہد نے کہا ناپسندیدہ چیز سے بچتے ہوئے۔ ابو عبید نے کہا مرعما کا معنی ہجرت کی جگہ ہے کہا جاتا ہے۔ راغمت قومی یعنی میں نے انہیں چھوڑ دیا۔ قاموس میں ہے مرعما کا معنی چھوڑنا دور ہونا اور مرعما کا معنی راستہ بھاگنے کی جگہ قلعہ اور حرکت ہے۔ (3)

۲۔ رزق اور زندگی میں آسانی سینے میں وسعت، امن، خوف کے زوال اور دین کے اظہار میں سہولت مراد ہے۔ بغوی نے کہا روایت کیا گیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو بنی لیث کے ایک بزرگ اور مریض آدمی نے اسے سنا جسے جندع کہتے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں ان لوگوں میں سے نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس حکم سے مستثنیٰ کیا۔ بے شک میرے پاس تدبیر بھی ہے، میرے پاس اتنا مال ہے جو مجھے مدینہ طیبہ اور اس سے دور جگہ تک پہنچا سکتا ہے۔ اللہ کی قسم میں آج مکہ میں رات نہیں گزاروں گا۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔ اس کے گھر والے اسے چار پائی پر اٹھا کر نکل پڑے، یہاں تک کہ مقام تنعیم تک پہنچے تو اسے موت آگئی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مارا۔ پھر اس نے کہا اے اللہ یہ تیرے لیے ہے اور یہ تیرے رسول کے لیے ہے۔ میں ان امور میں تیری بیعت کرتا ہوں جن پر تیرے رسول نے تیری بیعت کی۔ پھر وہ مر گیا اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی۔ صحابہ نے کہا اگر وہ مدینہ طیبہ پہنچ جاتا تو اس کا اجر مکمل ہوتا۔ مشرکین اس پر ہنسے۔ انہوں نے کہا جو اس نے طلب کیا تھا اس نے نہ پایا (4) ابن ابی حاتم اور ابو یعلیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابن

2- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 139 (فکر)

4- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 139 (فکر)

1- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 138 (فکر)

3- القاموس المحیط، جلد 2، صفحہ 1469

عباس سے نقل کیا ہے کہا ضمیرہ بن جندب اپنے گھر سے ہجرت کی غرض سے نکلے۔ اس نے گھر والوں سے کہا مجھے اٹھاؤ اور مشرکین کے علاقہ سے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو تو وہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے سے پہلے ہی مر گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (1)

سے مہاجر انجرح کی ضمیر سے حال ہے

یعنی جہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جانے کا حکم دیا۔

یہ جہاں وہ ہجرت کر کے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچنے سے پہلے ہی موت نے آیا۔ بدر بک کا عطف بخرج پر ہے۔ آیت میں لفظ وقوع وجوب کے معنی میں ہے۔ یہ کلمہ اس معنی سے بطور مجاز استعمال ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے ساتھ اجر کے حاصل ہونے میں تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابو حمزہ زرقی سے جنہیں آنکھ میں تکلیف تھی، وہ مکہ مکرمہ میں ہی تھے کہ مستضعفین والی آیت نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا مجھے یہ حکم پہنچ چکا ہے جبکہ میں تدبیر بھی کر سکتا ہوں، تو اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تیاری کی، تو تنعم کے مقام پر اسے موت نے آیا، تو یہ آیت نازل ہوئی (2) ابن جریر نے اسی کی مثل سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ، سدی، ضحاک سے نقل کیا ہے اور دوسرے محدثین نے بعض روایات میں اس کا نام ضمیرہ بن عیص، بعض میں عیص بن ضمیرہ، بعض میں جندب بن ضمیرہ، بعض میں ضمیری، بعض میں بنی ضمیرہ کا ایک آدمی، بعض میں خزاعہ کا ایک آدمی، بعض میں بنی لیث کا ایک آدمی، بعض میں بنی کنانہ اور بعض میں بنی بکر کا ایک آدمی ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں یزید بن عبد اللہ بن قسیط سے نقل کیا ہے کہ جندع بن ضمیرہ، ضمیری جندعی مکہ مکرمہ میں تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا مجھے مکہ مکرمہ سے نکال لے چلو، اس غم نے مجھے مار ڈالا ہے۔ بیٹوں نے پوچھا کہاں لے چلیں؟ اس نے مدینہ طیبہ کی طرف اشارہ کیا۔ مراد ہجرت تھی۔ وہ اس کو لے کر چلے جب وہ اضاءۃ بنی عمارہ میں پہنچے تو وہ فوت ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتم، ابن مندہ اور باوردی نے صحابہ میں ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا کہ زبیر بن عوام نے کہا کہ خالد بن حرام نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو راستہ میں سانپ نے اسے ڈس لیا تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (3) اموی نے مغازی میں عبد الملک بن عمیر سے نقل کیا ہے کہ اکتھم بن صفی کو حضور ﷺ کی ہجرت کی خبر پہنچی تو اس نے آپ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا تو ان کی قوم نے اجازت نہ دی۔ انہوں نے کہا میرے پاس وہ آدمی آئے جو آپ تک میرا پیغام پہنچائے اور مجھے آپ کا پیغام پہنچائے۔ دو آدمی اس کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی ہم اکتھم بن صفی کے قاصد ہیں۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے آپ کون ہیں آپ کی صفات کیا ہیں اور آپ کیا پیغام لائے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں محمد بن عبد اللہ ہوں میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَاللَّيْءِ بِمُحْرَمِهِ وَهُوَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنِينَ اکتھم کے پاس آئے اور اسے یہ پیغام بتایا تو اکتھم نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم بے شک وہ تو مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ اس معاملہ میں سردار بن جاؤ، اس کی ڈمیں نہ بنو۔ مدینہ طیبہ کے ارادہ سے اپنے اونٹ پر سوار ہوا۔ راستہ میں ہی مر گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یہ مرسل ہے، اس کی سند ضعیف ہے۔ ابو حاتم نے کتاب العمرین میں دو سندوں سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ان سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ اکتھم بن صفی کے حق میں نازل ہوئی۔ عرض کی گئی پھر

لیٹی کہاں گیا؟ فرمایا یہ لیٹی سے قبل کا واقعہ ہے۔ یہ آیت سب نزول کے اعتبار سے خاص اور حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ (1)

فائدہ: علماء نے کہا طلب علم حج جہاد اور ایسے شہر کی طرف فرار کے لیے ہجرت جس میں اللہ تعالیٰ کی طاعت، قناعت، زہد اور پاکیزہ رزق کی تلاش میں زیادتی ہو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت ہوگی جسے راستہ میں موت آگئی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ واللہ اعلم

ابن جریر نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ بنی نجار کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، عرض کی یا رسول اللہ ہم جب مسافر ہوں تو کیسے نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (2)

وَ إِذَا صَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝

”اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں۔ اگر ڈرو تم اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر۔ بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں۔“

اے إِذَا صَرَبْتُمْ یعنی جب تم مسافر ہو جناح کا معنی گناہ ہے۔ اُن مصدریہ سے پہلے فی صرف جار مخدوف ہے، یعنی چار رکعتوں والی نماز میں قصر کرو، اسے دو پڑھو نہ کہ دو یا تین رکعتوں والی نماز میں۔ اس پر اجماع ہے۔ سیبویہ کے نزدیک جار مجرور مخدوف موصوف کی صفت ہے جو شیئا ہے اور انخس کے نزدیک لفظ صلوة تفصروا کا مفعول ہے اور من زائدہ ہے۔

البحث الاول: سفر کی مسافت کی مقدار جو قصر میں رخصت کا باعث ہے۔ یہ بحث سورہ بقرہ میں وہاں گزر چکی ہے جہاں روزوں کے افطار کی رخصت کا ذکر تھا۔

البحث الثاني: کیا سفر میں مکمل نماز پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے بعض اصحاب نے کہا یہ جائز نہیں۔ امام بغوی نے کہا یہی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، قتادہ اور مالک سے بھی یہی مروی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اور امام مالک کا بھی مشہور مذہب یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ امام بغوی نے کہا یہی حضرت عثمان اور حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔ امام شافعی کی دلیل اسی آیت کا ظاہر ہے کیونکہ جناح کی نفی رخصت میں کی جاتی ہے نہ کہ قطعی امر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کہ نبی کریم ﷺ سفر میں قصر کرتے تھے اور مکمل نماز بھی پڑھتے تھے۔ روزہ افطار بھی کرتے تھے اور روزہ رکھتے بھی تھے (3) اسے امام شافعی، ابن ابی شیبہ، بزار اور دارقطنی نے روایت کیا۔ دارقطنی نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ مغیرہ بن زیاد کی عطاء بن ابی رباح کی روایت ہے۔ امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابو زرہ نے کہا اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ لیکن ابن جوزی نے عمر بن سعید کی سند سے، انہوں نے عطا سے نقل کیا مغیرہ بن زیاد کو کعب اور یحییٰ بن معین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ عبدالرحمن بن اسود کی حدیث جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان شریف میں عمرہ کے لیے سفر پر روانہ ہوئی۔ آپ نے روزہ افطار کیا میں نے روزہ رکھا۔ آپ

نے نماز قصر ادا کی جبکہ میں نے مکمل نماز پڑھی۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے روزہ افطار کیا جبکہ میں نے روزہ رکھا۔ آپ نے نماز قصر ادا کی، میں نے مکمل نماز ادا کی۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ تو نے اچھا کیا (۱) اسے دارقطنی اور نسائی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا۔ بیہقی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ اس پر اعتراض کیا گیا کہ عبد الرحمن بن اسود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے جبکہ وہ ابھی چھوٹے تھے۔ جبکہ انہوں نے حضرت عائشہ سے روایات نہیں سنیں۔ دارقطنی نے کہا وہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ قریب البلوغ تھے۔ امام بخاری کی تاریخ اور دوسری کتابوں میں ایسی چیزیں ہیں جو اس کی تائید کرتی ہیں۔ دارقطنی نے اس حدیث کو عبد الرحمن بن اسود سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ دارقطنی کا قول اس میں مختلف فیہ ہے۔ سیر میں کہا اس کی سند حسن ہے۔ علل میں کہا مرسل کو صحیح کے مناسب قرار دیا ہے۔ اس روایت کے اوپر یہ اعتراض بھی ہے کہ سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان شریف میں عمرہ نہیں کیا۔ لیکن دارقطنی کی روایت میں رمضان کے عمرہ کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایت میں یہ موجود نہیں واللہ اعلم۔

امام ابو حنیفہ نے یعلیٰ بن امیہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، کہا میں نے عمر بن خطاب سے سوال کیا اور یہ آیت پڑھی لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْضُوْا..... جبکہ اب لوگ امن میں ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا میں بھی اس سے متحجب ہوا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا اس کا صدقہ قبول کرو اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ (۲)

قبیلہ عبد اللہ بن کعب کا ایک آدمی جس کا نام انس بن مالک تھا۔ نبی کریم ﷺ سے اس کے سوا اس کی کوئی روایت نہیں۔ اس نے کہا ہم پر رسول اللہ ﷺ کے شاہسواروں نے حملہ کیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو کھانا کھاتے ہوئے پایا، فرمایا قریب ہو جا اور کھانا کھا۔ میں نے عرض کی میں روزے دار ہوں، فرمایا قریب ہو جا، میں تمہیں روزے کے متعلق بات بتاؤں، فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ کو اور نماز کا ایک حصہ ساقط کر دیا ہے۔ اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے بھی روزے کو ساقط کر دیا ہے ہائے افسوس میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا تناول کیوں نہ کیا۔ اسے ابن جوزی نے امام ترمذی کی سند سے روایت کیا۔ امام شافعی نے اسی حدیث سے اپنے مذہب کے حق میں استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے روزے کو نماز کے ساتھ طایا ہے، روزے کے افطار میں مسافر کے لیے رخصت بالا جماع اختیاری ہے۔

امام ابو حنیفہ کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ حدیث طیبہ میں لفظ وضع کا معنی اسقاط ہے۔ لیکن اس کا روزے کی رخصت میں استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں اس سے مراد تخیر ہے، اگرچہ مجاز ہی کیوں نہ ہو۔ حقیقت اور مجاز کے درمیان جمع کرنا جائز نہیں ہوتا کہ یہ کہا جائے کہ روزے کے حق میں یہ تخیر کے معنی میں ہے اور نماز کے حق میں اسقاط کے لیے ہے۔

امام ابو حنیفہ کی یعلیٰ بن امیہ کی حدیث سے استدلال کی دلیل یوں ہے کہ ایسی چیز کا صدقہ جو تمسک کا احتمال نہ رکھے یہ محض ساقط کرنا ہوتا ہے، اگرچہ صدقہ کرنے والا ایسا ہو جس کی اطاعت لازمی نہ ہو جس طرح قصاص کا ولی جب معاف کر دے تو جس کی اطاعت لازمی ہو اس کا صدقہ بدرجہ اولیٰ اسقاط ہوگا۔ حدیث طیبہ میں قبول صدقہ کا امر وجوب کے لیے ہے۔

امام ابو حنیفہ نے حضرت عمر بن خطاب کے اثر سے استدلال کیا ہے، فرمایا سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، عید الفصحیٰ کی نماز کی دو رکعتیں



ہیں، عید الفطر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی نماز کی دو رکعتیں ہیں۔ یہ مکمل ہیں ان میں قصر نہیں۔ حضور ﷺ کی زبان پر یوں ہی جاری ہے (1) اسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس کے اثر استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر حالت اقامت میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض کی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ (2) نیز حضرت عائشہ کے اثر سے استدلال کیا فرمایا نماز دو رکعت فرض کی گئی۔ سفر میں اپنی حالت پر برقرار رکھی گئی اور حالت اقامت میں زائد کر دی گئی۔ متفق علیہ۔ (3) ایک میں الفاظ یہ ہیں زہری نے کہا میں نے عمران سے پوچھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کیا ہو گیا کہ وہ سفر میں نماز مکمل پڑھتی تھیں۔ عروہ نے کہا انہوں نے اس کی تاویل کی جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاویل کی۔

بخاری کے الفاظ میں ہے نماز دو دو رکعت فرض کی گئی۔ جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض کر دی گئیں اور سفر کی نماز اپنی اصلی حالت پر رکھی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے امام ابو حنیفہ نے استدلال کیا کہ سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوتا تھا۔ آپ نے دو رکعتوں سے زیادہ کبھی نماز نہیں پڑھی، یہاں تک کہ آپ نے پردہ فرمایا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے بھی سفر میں موت آنے تک دو سے زیادہ رکعت نماز ادا نہیں فرمائی۔ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے بھی موت آنے تک سفر میں دو سے زیادہ رکعت ادا نہیں فرمائی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

صحیحین میں ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہا، آپ سفر میں دو سے زیادہ رکعات ادا نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معاملہ بھی یہی تھا۔ (4)

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خلافت کے ابتدائی سالوں میں اسی طرح کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد کے دور میں چار رکعت نماز ادا فرمائی۔

امام احمد نے جو روایت کی اس سے بھی استدلال کیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت نماز ادا فرمائی۔ لوگوں نے اسے ناپسند کیا تو آپ نے فرمایا اے لوگو جب سے میں مکہ مکرمہ آیا ہوں میں نے اسے گھر بنا لیا ہے۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے سن رکھا ہے، آپ فرماتے تھے جو کسی شہر میں اپنا گھر بنا لے تو وہ مقیموں والی نماز پڑھے۔

استدلال کی صورت یہ ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مکمل نماز پر لوگوں کا اعتراض اور آپ کا مکہ مکرمہ کے رہائشی ہونے کا عذر اسی امر پر واضح دلیل ہے کہ مکمل نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو لوگ انکار نہ کرتے اور نہ ہی آپ عذر پیش کرتے بلکہ آپ یہ کہتے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

ان تمام آثار کا جواب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا کہ سفر کی نماز

2- صحیح مسلم، جلد 5، صفحہ 167 (علیہ)

4- صحیح بخاری: 99-1098 (فکر)

1- سنن نسائی، جلد 3، صفحہ 118 (الحدیث)

3- صحیح بخاری: 1087 (فکر)

دور کعتیں اجر میں مکمل ہیں یعنی اس کی نماز میں کوئی کمی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی قصر نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا** یہ آیت اس کی قصر میں صریح اور واضح ہے۔ اخبار آحاد اگرچہ مرفوع ہوں نص کے مقابلہ میں ساقط ہیں تو موقوف کا کیا حال ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر بالاتفاق متروک ہے کیونکہ فقہاء میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا کہ صلوة خوف ایک رکعت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اثر پر عمل کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ راوی کا ذاتی عمل جب روایت کے خلاف ہو تو یہ حدیث میں جرح کا باعث ہوتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سفر میں مکمل نماز پڑھتی تھیں اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے تخمیر نقل کی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کے قول ترک صلوة السفر علی الاول کو اس پر محمول کیا جائے کہ جو دور کعتیں پسند کرے تو گھریا اس کے حق میں نماز پہلی حالت پر چھوڑی گئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث یہ اس کی نفی پر شہادت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس کے اثبات پر شہادت ہے جو بہتر ہے یا یہ کہا جائے گا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ عموماً دو سے زیادہ رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔ نیز ابن عمر نے یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے پہلے سالوں میں دو رکعات پڑھیں۔ بعد میں چار اور آسمیں لوگوں کے انکار کا ذکر نہیں کیا، یہ بھی تخمیر کی دلیل ہے۔ نیز یہ ارشاد **لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** اولیٰ ہونے پر دلالت کرتا ہے و جو پر دلالت نہیں کرتا۔ نیز لوگوں کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز پر اعتراض اور ان کا عذر پیش کرنا یہ اولیٰ کو ترک کرنے پر ہو۔

احناف نے عقلی دلیل سے بھی استدلال کیا ہے کہ دوسری دور کعتوں کی قضا نہیں ہوتی (اگر نہ پڑھی جائیں تو دوسرے ائمہ کے نزدیک بھی اس کی قضا نہیں) اور انہیں چھوڑنے کی وجہ سے وہ گناہگار بھی نہیں ہوگا۔ یہ نفل کی علامت ہے۔ روزے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس کی قضا کی جائیگی فقیر پر حج فرض ہونے کا معاملہ بھی مختلف ہے کیونکہ جب وہ میقات میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو اس پر بھی حج فرض ہو جاتا ہے و اجبات میں اختیار دونوں امور میں کسی نہ کسی سہولت کی وجہ سے ہوتا ہے جس طرح مسافر کے لیے روزے کا حکم ہے کیونکہ لوگوں کے ساتھ روزہ رکھنے میں ایک قسم کی سہولت ہے جبکہ اکیلے رکھنے میں وہ سہولت نہیں، دو اور چار میں ایسا معاملہ نہیں کیونکہ دو میں آسانی یعنی ہے۔ رہا مسافر کے لیے نماز جمعہ اور ظہر کی نماز تو ان میں سے ایک نماز کی ایک جنس ہے اور ہر ایک میں ایک قسم کی سہولت ہے کیونکہ نماز جمعہ میں ایسی شرطیں ہیں جو ظہر کی نماز میں نہیں مکلف کے لیے آسانی کی رعایت کے بغیر تخمیر شان عبودیت کے منافی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ قلیل اور کثیر کے درمیان تخمیر فائدہ مند ہے کیونکہ قلیل کا اختیار آسانی کے لیے ہے اور کثیر کا اختیار اجر کی زیادتی کے لیے ہے۔ چار میں اجر کی زیادتی دو میں کمی کو ثابت نہیں۔ کرتی اس کی مثال نماز میں قرأت ہے کیونکہ نمازی کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کم از کم اتنی قرأت کر لے جس کے ساتھ نماز جائز ہو۔ اس وقت اس کی نماز میں کوئی کمی نہیں ہوتی یا وہ ایک رکعت میں قرآن پڑھ لے، جب کبھی بھی وہ نماز میں قرأت کرے تو تمام قرآن بھی بطور فرض ہی ثابت ہوگا کیونکہ یہ بھی مامور بہ کے افراد میں سے ایک فرد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا مِثْلَ خَلْقِ الْإِنسَانِ**

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تمہاری یہ تقریر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مسافر کے لیے مکمل نماز قصر نماز کی نسبت افضل اور اجر و



پانچویں بحث: سفر کے دوران جب وہ کسی شہر یا دیہات میں آنے اور اس سے روانہ ہونے کے دونوں کے علاوہ چار دن مقیم رہنے کی نیت کر لے تو امام مالک اور شافعی کے نزدیک چار رکعات نماز پڑھنے کی نیت کرے۔

امام احمد سے روایت مروی ہے اگر اس نے اتنی مدت ٹھہرنے کی نیت کی جس میں وہ بیس نماز پڑھ سکتا ہے تو مکمل نماز پڑھے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا شہر یا دیہات میں جب تک پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کرے گا، مکمل نماز نہیں پڑھے گا۔ صحراء یا خیموں میں ٹھہرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہماری دلیل وہ صحیح روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر اتوار کے روز ذی الحجہ کی چار تاریخ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، جب آٹھویں ذی الحجہ کو یوم ترویہ ہوا تو آپ منیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ نویں ذی الحجہ کو سورج کے طلوع ہونے کے بعد آپ عرفات کی طرف تشریف لے گئے۔ جب آپ حج سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایام حج کی چوتھی رات محصب میں گزاری۔ پھر آپ نے طواف وداع صبح سے پہلے سحری کے وقت پڑھی۔ آپ مکہ مکرمہ سے چودھویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو دس دن مکمل ہو گئے۔ آپ مکہ مکرمہ میں آٹھویں ذی الحجہ تک مکمل چار روز مقیم رہے۔ اس طرح امام مالک اور امام شافعی کا قول باطل ہو گیا جبکہ امام احمد کا قول باطل نہ ہوا کیونکہ حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ میں صرف بیس نمازیں ادا فرمائیں۔

امام ابوحنیفہ نے آثار سے استدلال کیا ہے۔ امام طحاوی نے ابن عباس اور ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ دونوں نے فرمایا جب تو مسافر ہونے کی حیثیت سے کسی شہر میں آئے، تیرے دل میں سلاحدہ تھا کہ تو پندرہ دن قیام کرے گا تو اپنی نماز کو مکمل کر، اگر تو یہ نہیں جانتا کہ کب کوچ کرو گے تو نماز میں قصر کرو۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر جب کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرتے تو اپنی نماز مکمل کرتے۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا ہے، ہمیں امام ابوحنیفہ نے بیان کیا، انہیں موسیٰ بن مسلم نے بیان کیا انہوں نے مجاہد سے روایت کیا، انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا جب تو مسافر ہو اور تو پندرہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو نماز مکمل کر، اگر تو یہ نہیں جانتا کہ کب تو کوچ کرے گا تو نماز میں قصر کر۔ (1)

مسئلہ: اگر کوئی آدمی کسی شہر میں داخل ہو اور یہ ارادہ رکھتا تھا کہ آئندہ کل یا اگلے روز چلا جائیگا۔ اس نے مدت اقامت کی نیت نہ کی یہاں تک کہ کئی سال تک وہاں مقیم رہا تو ہمیشہ کے لیے وہ قصر کرے گا۔ جمہور علماء نے یہی کہا ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چودہ دن تک قصر کرے گا۔ آپ کا راجح قول یہ ہے کہ سترہ دن قصر کرے گا اور اٹھارویں دن مکمل نماز پڑھے گا کیونکہ حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر فرمایا۔ آپ نے سترہ دن دو رکعت نماز ادا کی۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہم سترہ دنوں تک دو دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ جب اس سے زیادہ کسی جگہ قیام کرتے تو چار رکعت نماز ادا کرتے (2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا، کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اتنی مدت میں اتفاقی قیام رہا۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اگر یہ مدت اقامت زیادہ بھی ہوتی تو آپ قصر ہی کرتے۔ امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ تبوک میں بیس دن تک مقیم رہے تو آپ نماز میں قصر ہی کرتے رہے۔ عبدالرزاق نے اپنی سند سے روایت کیا کہ عبد اللہ بن عمر آذربائجان میں چھ ماہ تک مقیم رہے اور نماز میں قصر ہی کرتے رہے (3) امام بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ اسے روایت کیا۔ امام بیہقی نے اپنی سند سے

2- جامع ترمذی: 549، جلد 3، صفحہ 21 (علیہ)

1- مصنف ابن ابی شیبہ: 8217 (الزمان)

3- معرفۃ السنن والآثار للشیخ: 6140 (الوقام)

عبداللہ بن عمر سے روایت کیا کہ ہم آذربائیجان میں تھے کہ میں مجاہدین کے ساتھ تھا۔ برف نے ہمیں چھ ماہ تک روک رکھا۔ وہاں ہم دو رکعتیں ہی ادا کرتے تھے (1) اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ کے ساتھ دوسرے صحابہ بھی یہی کرتے تھے۔ عبدالرزاق نے حسن سے روایت کیا ہے کہ ہم عبدالرحمن بن مسمرہ کے ساتھ فارس کے شہروں میں کئی سالوں تک رہے۔ وہ کسی جگہ قیام کی نیت نہ کرتے تھے اور نہ ہی دو رکعت سے زائد نماز ادا کرتے (2) حضرت انس بن مالک سے روایت نقل ہے کہ وہ عبدالملک بن مروان کے ساتھ شام میں دو ماہ تک رہے اور دو رکعت نماز ادا کرتے رہے۔

مسئلہ: جب ملاح کشتی میں سفر کرے جبکہ اس کشتی میں اس کے گھر والے اور مال بھی ہو۔ اسی طرح ایسا ملازم یا مزدور جو ہمیشہ سفر پر رہتا ہے تو تینوں ائمہ کے نزدیک وہ نماز میں قصر کرے گا۔ امام احمد نے کیا وہ قصر نہیں کرنے گا۔

مسئلہ: خانہ بدوشوں کی قامت کی نیت صحیح نہیں ہوتی جبکہ صحیح قول یہی ہے کہ وہ مقیم ہوتے ہیں کیونکہ قامت اصل ہے اور ایک چہرہ آگاہ سے دوسرے چہرہ آگاہ کی طرف منتقل ہونے سے باطل نہیں ہوتی۔

مسئلہ: جب کوئی مسافر کسی مقیم کی نماز کے کسی حصہ میں اقتداء کرے تو جمہور علماء کے نزدیک چار رکعت پڑھے گا۔ امام مالک نے کہا جب پوری رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی تو مکمل نماز پڑھے گا ورنہ مکمل نہیں پڑھے گا۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا مسافر مقیم کی اقتداء میں بھی قصر کرے گا۔ امام احمد نے موسیٰ بن سلمہ سے روایت کیا کہ ہم مکر مکرہ میں ابن عباس کے پاس تھے۔ میں نے کہا جب ہم تمہارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو چار رکعت ادا کرتے ہیں۔ جب واپس اپنی رہائش میں جاتے ہیں تو دو رکعت ادا کرتے ہیں، تو ابن عباس نے فرمایا یہی حضور ﷺ کی سنت ہے۔

مسئلہ: جس کی حالت قامت میں نماز فوت ہوگئی اس نے سفر میں نماز قضاء کی تو مکمل نماز قضاء کرے، ابن منذر نے کہا میں اس میں علماء کے اختلاف سے آگاہ نہیں مگر وہ قول جو حسن اور مزنی سے مروی ہے کہ وہ قصر کرے، اگر سفر میں اس کی نماز فوت ہو جائے پھر وہ حالت قامت میں اس کی قضا کرے تو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق وہ قصر کرے گا (3) امام احمد کے نزدیک وہ نماز مکمل کرے گا۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا صحیح قول ہے۔

مسئلہ: اگر مسافر مقیم افراد کو جماعت کرائے تو وہ دو رکعت نماز ادا کرے گا اور مقیم اپنی نماز کو مکمل کریں گے۔ اس پر اجماع ہے عمران بن حصین سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا اور فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ کے ساتھ حاضر تھا۔ آپ مکہ مکرمہ میں اٹھارہ دن ٹھہرے۔ ہم دو رکعت نماز ہی ادا کرتے۔ حضور ﷺ اہل مکہ کو فرماتے اے مکہ والوں تم چار رکعت ادا کر لو، بے شک ہم مسافر ہیں۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ (4)

۲۔ اگر تمہیں خوف ہو کہ تمہیں کفار کوئی ناپسندیدہ امر پہنچائیں جیسے قتل کرنا، زخمی کرنا، گرفتار کرنا اور مال چھیننا وغیرہ۔ یہ شرط ہے جو سابقہ جملے کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے، یعنی اگر تمہیں کفار کی جانب سے فتنہ کا خوف ہو تو نماز میں قصر کرو۔ اس نص کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز قصر کے جواز کے لیے خوف شرط ہے۔ خوارج کا یہی قول ہے، جبکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خوف شرط نہیں بلکہ یہ کلام عمومی صورت حال کی وجہ سے ہے کیونکہ حضور ﷺ کے عمومی سفر خوف کی حالت میں ہی تھے۔ اس لیے اس شرط کا کوئی حکم نہیں جس طرح

2- مصنف عبدالرزاق: 4352 (اسلامی)

1- معرفۃ السنن والآثار: 6148 (الوقایہ)

4- جامع ترمذی: 550، جلد 3، صفحہ 22 (علیہ)

3- ہدایہ اولین، صفحہ 167 (شرکت)

رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے وَلَا تَجْهَرُوا لَهُمْ فِي الصَّلَاةِ إِنَّهُمْ يَكْتُمُونَ عَلَيْكَ الْقَوَاعِدَ لِيُخَوِّفُوا مِنْكُمْ عَلَى الْوَعَاءِ وَإِنْ أَسْدَدْنَا تَحَصُّنًا تَمَّ بِأُذُنِ لَوْثِي لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (1) کا ارادہ کریں کیونکہ حالت امن میں نماز کے قصر کرنے کی بے شمار احادیث ایک دوسرے کی موید ہیں، جس طرح ہم نے یعلیٰ بن امیر کی حدیث حضرت عمر سے ذکر کی۔ امام شافعی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حالت امن میں سفر کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا۔ اس سفر میں بھی آپ دو رکعت نماز ادا فرماتے۔

حارث بن وہب خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔ اتنی تعداد اور امن پہلے کبھی نہ تھا۔ متفق علیہ (1) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان ختم مابعد کے ساتھ متصل ہے اور ماقبل سے منفصل ہے، اگرچہ یہ نظم کے اعتبار سے بعید ہے لیکن معنی کے اعتبار سے قریب ہے کیونکہ صلوة خوف میں خوف بالاجماع لازمی شرط ہے اس کے مابعد میں شرط ذکر نہیں کی گئی۔

امام بغوی نے جو کچھ کہا وہ اس کی تائید کرتی ہے کہ ابویوب انصاری سے مروی ہے کہ پہلے فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ نازل ہوا۔ پھر ایک سال بعد صحابہ نے صلوة خوف کے بارے میں سوال کیا تو ان خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ ..... وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ نَازِلِينَ (2) امام بغوی نے کہا اس کی مثل قرآن حکیم میں بے شمار امثلہ ہیں پہلے ایک کھل خبر آتی پھر دوسری خبر اس کے ساتھ ملادی جاتی۔ ظاہر میں یہ متصل ہوتی جبکہ حقیقت میں منفصل ہوتی۔ جس طرح یہ آیت کریمہ ہے اِنَّ الَّذِي حَصَّصَ الْحَقَّ لَكُمْ ..... لَكُمْ الصِّدْقَيْنِ یہ عزیز مصر کی بیوی کے قول کی حکایت ہے اور یہ فرمان لِيَتَعْلَمَ اَنْ لَمْ اَخْضَهُ بِالْقَيْنِ يَوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے قول کی حکایت ہے (3) ابن جریر نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بنی نجار کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، عرض کی یا رسول اللہ ہم زمین میں سفر کرتے ہیں تو ہم کیسے نماز پڑھیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ ..... مِنَ الصَّلَاةِ پھر وحی منقطع ہو گئی۔ جب اس کے بعد ایک سال گزر گیا تو نبی کریم ﷺ غزوہ پر تشریف لے گئے۔ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی مشرکوں نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے صحابہ نے تمہیں پشت کی جانب سے حملے کا موقع دیا، کیا تم ان پر شدید حملہ نہیں کرو گے تو انہیں میں سے ایک نے کہا ان کے پیچھے اسی کی مثل موجود ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے دونوں نمازوں کے درمیان اس آیت کو نازل فرمایا اِنْ خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا ..... عَذَابًا مُهِينًا (4)

میں یہ کہتا ہوں اس صورت میں شرط کی جزاء منخوف ہوگی مابعد کلام جس پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی اگر تمہیں کافروں کی جانب سے فتنہ کا خوف ہو تو تم نماز کی حالت میں بھی احتیاط اور جہاد کو نہ چھوڑو۔

بے شک کافر تمہارے واضح دشمن ہیں۔ امام احمد اور حاکم نے نقل کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ بیہقی نے دلائل میں ابو عیاش زرقی سے نقل کیا کہ ہم عسفان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو مشرک ہمارے سامنے آ گئے جن پر خالد بن ولید امیر تھے۔ وہ ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ انہوں نے کہا مسلمان ایسی حالت میں تھے کاش ہم ان کی غفلت میں ان پر حملہ کر دیتے۔ پھر خود ہی کہنے لگے ابھی ان پر پھر نماز کا وقت آنے والا ہے جو انہیں اپنی اولاد اور جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے تو جبرائیل ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لے کر نازل ہوئے وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ۔ جب نماز کا وقت ہوا حضور ﷺ نے

1- صحیح بخاری: 1080 (فکر)

2- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 142 (فکر)

3- ایضاً

4- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 372 (علیہ)

(1) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ پاکدامنی کا ارادہ نہ کریں تو بدکاری پر مجبور کرنا جائز ہے بلکہ یہ شرط عمومی حالت کی بنا پر ہے۔

انہیں حکم دیا، انہوں نے اسلحہ لیا کہا ہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنا لیں۔ آپ نے رکوع کیا، ہم سب نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ اٹھے ہم سب بھی اٹھے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس صف کے ساتھ سجدہ کیا جو آپ کے پیچھے تھی جبکہ دوسری صف کے لوگ کھڑے حفاظت کر رہے تھے۔ جب انہوں نے سجدہ کر لیا اور کھڑے ہو گئے تو دوسری صف کے لوگ بیٹھ گئے اور سجدہ کیا۔ پھر یہ لوگ ان کی صف کی جگہ آ گئے اور وہ ان کی صف کی جگہ آ گئے۔ کہا پھر نبی کریم ﷺ نے رکوع کیا تو سب نے رکوع کیا پھر آپ نے سر اٹھایا تو سب نے سر اٹھایا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا۔ پھر آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ خوف دو دفعہ پڑھائی۔ ایک دفعہ عثمان میں اور ایک دفعہ بنی سلیم کے علاقہ میں (۱) امام مسلم نے نبی کریم ﷺ سے اسی کی مثل حضرت جابر کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا  
أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَّرَآئِكُمْ وَلِتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَى لَمْ  
يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَذَٰلِكُمْ كَفْرٌ  
لَّو تَعْقِلُونَ عَنِ اسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا  
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا  
أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۱۶﴾

”اور (اے حبیب ﷺ) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان سے آپ کے ساتھ اور وہ پکڑ رکھیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کر چکیں تو وہ ہو جائیں تمہارے پیچھے اور آجائے دوسرا گروہ جس نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی پس (اب) وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ کے اور لیے رہیں اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار اے تمنا کرتے ہیں کافر اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے اسلحہ سے اور اپنے ساز و سامان سے تو وہ ٹوٹ پڑیں تم پر یکبارگی اور نہیں کوئی حرج تم پر اگر ہو تمہیں تکلیف بارش کی وجہ سے یا ہو تم بیمار تو اتار دو اپنے ہتھیار اے مگر (دشمن کی نقل و حرکت سے) ہوشیار رہو اے بے شک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا ۱۶“

اے محمد ﷺ جب آپ ان میں حاضر تھے جبکہ تمہیں دشمن کا خوف ہو۔ ہم نے یہاں دشمن سے خوف کی قید ذکر کی ہے کیونکہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فرمان ان خفتم مابعد کے ساتھ متصل ہو، جس طرح ایک قول کیا گیا تو یہ اس تقیید پر قرینہ ہوگا۔ اس بناء پر یہ بھی جائز ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ان خفتم پر معطوف ہو۔ شرط دو امور کا مجموعہ ہے کہ خوف بھی ہو اور حضور ﷺ بھی تشریف فرما ہوں۔ حضور ﷺ کے موجود ہونے کی شرط جس پر آیت کا ظاہر بھی دلالت کرتا ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ نماز خوف صرف حضور ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی، آپ کے بعد شروع نہیں۔

جبکہ عام علماء کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد بھی یہ حکم ثابت ہے کیونکہ ائمہ ہر زمانہ میں حضور ﷺ کے نائب ہیں۔

اس لیے خطاب تمام ائمہ کو شامل ہے یہ قرآن کے اسی اسلوب پر ہے کہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہوتا ہے، اگرچہ مقصود تمام امت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے لَا تَكُ فِیْ مِرْیَةِ قِنْفٍ۔

نبی کریم ﷺ کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کے بعد بھی نماز خوف کے جواز پر یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے بعد بھی نماز خوف پڑھی جبکہ ان میں سے کسی نے کسی دوسرے پر اعتراض نہیں کیا، پس یہ اجماع بن گیا۔ ابوداؤد نے روایت کیا کہ انہوں نے عبدالرحمن بن سمرہ کی معیت میں کابل کے جہاد میں حصہ لیا۔ آپ نے ہمیں نماز خوف پڑھائی۔ (۱)

حضرت علی شیر خدا کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے یوم صفین کو یہ نماز پڑھی۔ رافعی نے ذکر کیا کہ آپ نے حریر کی جنگ کے موقع پر مغرب کی نماز صلوٰۃ خوف کی صورت میں پڑھی۔ پہلے طائفہ کو ایک رکعت اور دوسرے طائفہ کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ امام بیہقی نے کہا وہ جعفر بن محمد سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حریر کی جنگ کے موقع پر مغرب کی نماز صلوٰۃ خوف کی صورت میں پڑھی (۲) امام شافعی نے کہا حضرت علی شیر سے اس بات کو یاد رکھا گیا ہے کہ آپ نے حریر (۱) کی جنگ کے موقع پر نماز خوف پڑھی جس طرح صالح بن خوات نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ امام بیہقی نے قتادہ کے واسطے سے ابوالعلا سے، انہوں نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا۔ امام بیہقی نے قتادہ کے واسطے سے، ابوالعلا سے انہوں نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا کہ انہوں نے صفہان میں صلوٰۃ خوف پڑھی۔ امام بیہقی نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا کہ آپ نے طبرستان میں مجوسیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے موقع پر نماز خوف ادا کی، جبکہ ان کے ساتھ حسن بن علی حدیفہ بن یمان اور عبداللہ بن عمرو بن عاص تھے (۳) ابوداؤد اور نسائی نے ثعلبہ بن زہرہ کے واسطے سے روایت کیا کہ ہم سعید بن عاص کے ساتھ تھے۔ انہوں نے پوچھا تم میں سے کس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز خوف پڑھی تھی۔ حضرت حدیفہ نے کہا میں نے پڑھی۔ آپ نے انہیں ایک رکعت پڑھائی اور انہیں ایک رکعت پڑھائی۔ (۴)

یعنی مجاہدین کے دو حصے کردوان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو، آپ انہیں نماز پڑھائیں۔

۳۔ امام مالک نے فرمایا نماز خوف میں اسلحہ اٹھانا واجب ہے۔ امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اکثر علماء نے فرمایا یہ امر استحباب کیلئے ہے۔

۴۔ یعنی جب نمازی امام کے ساتھ ایک رکعت مکمل کر لیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہو جب وہ نماز پڑھ لیں۔ یہاں لفظ سجود ذکر کیا مراد نمازی۔ یہ اس طرح ہے جس طرح جزء بول کر کل مراد لیا جائے۔

۵۔ جو نماز پڑھ رہے تھے وہ دشمن کے سامنے چلے جائیں۔

۶۔ لو یصلوا یہ طاقت کی صفت ہے۔ اس کے اعماب کا محل وہی ہوگا جو طاقت کا ہے۔

۷۔ پھر دوسرا طائفہ نماز پڑھے۔ یہاں صلوٰۃ سے مراد مکمل نماز بھی ہو سکتی ہے اور دوسری رکعت بھی ہو سکتی ہے۔

۸۔ یہاں حذر سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ دشمن کے شر سے بچا جاسکتا ہے جس طرح زرہ ڈھال اور اسلحہ جس کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھو کہ نبی کریم ﷺ سے نماز کئی انداز میں مروی ہے۔ ایک صورت وہ ہے جو ہم نے ابو عیاش زرقی اور حضرت جابر کی حدیث میں عسفان کے مقام پر حضور ﷺ کی نماز قصر ذکر کیا جب دشمن مسلمانوں اور قبلہ کے درمیان میں حائل تھا۔

1- سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 177 (وزارت تعلیم) 2- معرۃ السنن والآثار: 6720 (الوفاء) 3- ایضاً: 6737 (الوفاء)

4- سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 177 (وزارت تعلیم) (۱) یہاں خارجیوں کے ساتھ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگ ہوئی تھی۔



دوسری صورت وہ ہے جو شیخین نے صحیحین میں حضرت جابر کی حدیث سے روایت کی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ آگے بڑھے۔ جب ہم ذات رقاد میں تھے وہاں آپ نے ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور دوسری جماعت کو بھی دو رکعتیں پڑھائیں، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں ہو گئی اور قوم کی دو رکعتیں متفق علیہ (1) یہ حدیث دو جوہ کا احتمال رکھتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے ایک سلام کے ساتھ چار رکعات ادا کیں اور ہر جماعت نے آپ کے ساتھ دو دو رکعت ادا کیں، دوسری یہ کہ حضور ﷺ نے ہر جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور ہر دو رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرا۔ یہی چیز حضرت جابر کی حدیث میں صراحت کے ساتھ واقع ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ خوف کی صورت میں بطن نخل میں ظہر کی نماز پڑھاتے، آپ نے ایک جماعت کو دو رکعات پڑھائیں پھر آپ نے سلام کیا پھر دوسرا طائفہ آیا، آپ نے انہیں بھی دو رکعات پڑھائیں (2) اسے امام بغوی نے امام شافعی کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام شافعی کا شیخ مجہول ہے لیکن امام شافعی نے اس کی توثیق کی ہے، کہا مجھے ایک ثقہ ابو علیہ اور دوسرے لوگوں نے یونس سے، انہوں نے حسن سے، انہوں نے جابر سے روایت کیا۔ ابن جوزی نے اسے دارقطنی کے واسطے سے عبد سے انہوں نے حسن سے انہوں نے جابر سے روایت کیا۔ ابن جوزی نے کہا یہ صحیح نہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا بصرہ کچھ بھی نہیں۔ نسائی نے کہا یہ متروک ہے۔ ابو حاتم نے کہا وہ حدیث وضع کیا کرتا تھا۔ اس حدیث کو ابو داؤد ابن حبان حاکم اور دارقطنی نے ابو بکرہ کی حدیث سے روایت کیا۔ ابو داؤد اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔ دارقطنی کی روایت میں ہے کہ یہ مغرب کی نماز تھی۔ ابن قتان نے اسے معلل قرار دیا ہے کیونکہ ابو بکرہ صلوٰۃ خوف کے حکم کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ حافظ نے کہا یہ معلل کی علت نہیں بن سکتی کیونکہ یہ صحابی کی مرسل ہے۔

صلوٰۃ خوف کی تیسری صورت وہ ہے جو شیخین نے یزید بن رومان سے، انہوں نے صالح بن خوات سے، انہوں نے اس صحابی سے روایت کی جس نے حضور ﷺ کے ساتھ ذات الرقاد میں صلوٰۃ خوف پڑھی تھی۔ امام بخاری نے ایک اور سند سے صالح بن خوات سے، انہوں نے سہیل بن ابی شمسہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ایک جماعت نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور ایک طائفہ نے دشمن کے سامنے صف آرائی کی۔ آپ نے اس جماعت کو ایک رکعت پڑھائی جو آپ کے ساتھ تھی۔ پھر آپ کھڑے رہے۔ انہوں نے اپنی نماز کو مکمل کیا۔ پھر وہ جماعت چلی گئی اور دشمن کے سامنے صف آراء ہو گئی۔ پھر دوسری جماعت آ گئی۔ آپ نے انہیں ایک رکعت پڑھائی جو حضور ﷺ کی نماز کی رہتی تھی۔ پھر آپ بیٹھے رہے۔ انہوں نے اپنی نماز کو مکمل کیا۔ پھر ان کے ساتھ سلام پھیر دیا۔ (3)

چوتھی صورت وہ ہے جو امام ترمذی اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ضحان اور عسفان کے درمیان اترے۔ مشرکوں نے کہا ان کی نماز انہیں والدین اور بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے، وہ عصر کی نماز ہے۔ پس تم اپنی قوت مجتمع کر لو اور ایک ہی باران پر حملہ کر دو۔ جبرئیل امین حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے صحابہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں، ایک جماعت کو آپ نماز پڑھائیں اور دوسری جماعت ان کے پیچھے کھڑی ہو۔ اپنی احتیاطی تدابیر اور اسلحہ کو لازم پکڑیں۔ ہر جماعت کے لیے ایک رکعت ہوئی جبکہ حضور ﷺ کے لیے دو رکعات ہو گئیں۔ اسے امام ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ اسی طرح امام بغوی نے کہا کہ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صلوٰۃ الخوف میں ایک جماعت کو ایک رکعت اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائی اور انہوں نے اس کی تفسیر کی (4) امام بغوی نے کہا اسے زید بن ثابت نے بھی روایت کیا اور

2- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 145 (فکر)

1- صحیح مسلم: 311، صفحہ 6، جلد 112 (علیہ)

4- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 145 (فکر)

3- صحیح مسلم: 310، جلد 6، صفحہ 111 (علیہ)

کہا کہ ہر جماعت کے لئے ایک ایک رکعت ہوگئی اور نبی کریم ﷺ کے لئے دو رکعات ہو گئیں۔ ایک قوم نے اسے انتہائی خوف کے عالم میں نماز پڑھنے پر مجبور کیا ہے اور کہا اس حالت میں فرض ایک رکعت ہے۔ (1)

پانچویں صورت وہ ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت سالم سے، وہ اپنے باپ حضرت عمر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نجد کے علاقہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک جنگ میں شرکت کی۔ ہم نے دشمن کے مقابلہ میں صف بندی کی۔ رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ ایک جماعت آپ کے پیچھے کھڑی ہوگی اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے صف آراء رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا، دو سجدے کیے پھر یہ جماعت اس جماعت کی جگہ چلی گئی جس نے ابھی نماز نہ پڑھی تھی۔ دوسری جماعت آگئی رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کیے پھر آپ نے سلام پھیر دیا ان میں سے ہر ایک اٹھ کھڑا ہوا اس نے خود ایک رکوع اور دو سجدے کیے (2) حضرت نافع نے بھی اسی کی مثل روایت کیا اور یہ زائد کہا کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو پیدل یا سوار ہو کر نماز ادا کرو قبلہ کی طرف منہ ہو یا نہ ہو۔ حضرت نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمر نے اسے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر کی روایت میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی جماعت نے پہلے نماز مکمل کی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صلوٰۃ خوف کی اس آخری صورت کو پسند کیا ہے، باقی کو جائز قرار نہیں دیا۔ فرمایا دوسرا طائفہ امام کے سلام کے بعد دشمن کے سامنے چلا جائے۔ پھر پہلا طائفہ آجائے۔ وہ پہلے اپنی نماز مکمل کرے۔ پھر دوسرا طائفہ آئے نماز مکمل کرے اور سلام پھیرے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام محمد نے کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہ سے حضرت عباس کا قول نقل کیا ہے۔ اس میں موقوف قول مرفوع کی طرح ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے علاوہ سورتوں کو جائز قرار نہیں دیا۔

دوسری صورت بطن نخل میں حضور ﷺ کی نماز ہے جو فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کی اقتداء کو مستلزم ہے۔ امام طحاوی نے کہا یہ طریقہ اس وقت تھا جب فرض دو دفعہ پڑھے جاتے پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اگر فرضوں میں تکرار جائز ہوتا تو منافی کی موجودگی میں نماز خوف کے مشروع کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔

تیسری صورت پر حضور ﷺ کی ذات رقاق میں نماز دلالت کرتی ہے۔ وہ اس بات کو مستلزم ہے کہ مقتدی امام سے قبل رکوع و سجود کرے جو معروف نہیں۔ امام کا مقتدی کی انتظار کرنا امامت کے تقاضا کے خلاف ہے۔

چوتھی صورت حضور ﷺ کی ضحان اور عسفان کے درمیان نماز ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ لوگوں نے صرف ایک رکعت ادا کی جس پر عمل بالا جماع متروک ہے کیونکہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز خوف رکعات کو کم نہیں کرتی۔

پہلی صورت حضور ﷺ کی عسفان کی مقام پر نماز ہے۔ جب دشمن آپ کے اور قبلہ کے درمیان حائل تھا۔ یہ کتاب اللہ کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكُمْ۔ پس چاہیے کہ ان میں سے ایک طائفہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو جبکہ اس صورت میں دونوں جماعتیں آپ کے ساتھ کھڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُضَلُّوا اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی۔ اس صورت میں سب نے نماز پڑھ لی ہے۔

امام شافعی، امام احمد اور امام مالک نے کہا نماز خوف کی جتنی صورتیں حضور ﷺ سے مروی ہیں سب قابل حجت ہیں۔ اختلاف

صرف رانج اور مرجوح میں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا میں اس بات میں صرف ایک حدیث کو صحیح جانتا ہوں۔ امام شافعی نے مذکورہ صورتوں میں سے چار کو پسند کیا۔ امام احمد نے تین صورتوں کو پسند کیا۔

اگر دشمن مسلمانوں کے لشکر اور قبلہ کی جانب ہو تو دونوں ائمہ کے نزدیک پہلی صورت پسندیدہ ہے جو آپ نے عسفان کے مقام پر نماز پڑھی۔ اگر دشمن قبلہ کی سمت میں نہ ہو تو امام شافعی کے نزدیک پسندیدہ دوسری صورت ہے جو آقائے دو عالم ﷺ نے بطن نخل میں نماز پڑھی۔ امام شافعی کے نزدیک فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز صحیح ہوتی ہے جبکہ امام احمد کے نزدیک صحیح نہیں۔

تیسری صورت حضور ﷺ کی ذات رقاہ میں نماز ہے۔ امام احمد کے نزدیک یہی پسندیدہ صورت ہے۔ علماء نے کہا یہ صورت قرآن حکیم کے ظاہر کے زیادہ موافق نماز کے لیے زیادہ احتیاط اور دشمنوں سے حفاظت میں زیادہ موثر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب وہ سجدہ کر لیں وہ پیچھے چلے جائیں، یعنی جب نماز پڑھ لیں۔ پھر فرمایا دوسری جماعت آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ پہلی جماعت نے نماز پڑھ لی ہے اور فرمایا پس وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ وہ مکمل نماز پڑھیں اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ ہر جماعت اپنی نماز مکمل کر کے امام کو چھوڑے۔ اس میں نماز کے بارے میں احتیاط اس اعتبار سے ہے کہ اس طرح نماز میں عمل جانا اور آنا زیادہ نہیں ہوتا۔ جنگ کے بارے میں احتیاط اس اعتبار سے ہے کہ جب وہ نماز میں نہ ہوں گے تو ضرورت کے وقت جنگ کرنے اور بھاگ جانے پر زیادہ قدرت رکھیں گے۔

امام شافعی کے نزدیک چوتھی صورت وہ ہے جو امام احمد کے نزدیک تیسری صورت ہے کہ جب جنگ زوروں پر ہو تو جس طرح ممکن ہو وہ نماز پڑھیں سوار ہوں یا پیدل اور ضرورت کی وجہ سے وہ قبلہ کو ترک کرنے اور اعمال کثیرہ کرنے میں وہ معذور ہوں گے۔ اگر وہ رکوع و سجود سے عاجز ہوں تو اشاروں سے انہیں ادا کریں، جبکہ سجدہ کا اشارہ پست ہونا چاہیے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا جنگ کی حالت میں چلتے ہوئے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ آپ کے نزدیک جنگ اور عمل کثیر نماز کو توڑ دیتا ہے۔ تاہم سوار ہو کر اشاروں سے نماز پڑھنا جائز ہے یا ایک جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہ مسئلہ سورہ بقرہ میں اس آیت قَانِ خَفْتُمْ فَبَرَّ جَالًا اَوْ مُرْتَابًا کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

فائدہ: حافظ ابن حجر نے کہانی کریم ﷺ سے صلوة خوف چودہ صورتوں میں مروی ہے جنہیں ابن حزم نے ایک الگ جزء میں نقل کیا ہے۔ ان میں سے بعض صحیح مسلم میں ہیں اور اکثر سنن ابن داؤد میں ہیں حاکم نے ان میں سے آٹھ کا ذکر کیا اور ابن حبان نے نو کا ذکر کیا۔ مسئلہ: جمہور علماء کے نزدیک حالت اقامت میں صلوة خوف پڑھنا جائز ہے جبکہ امام مالک اس کے خلاف ہیں۔ امام ہر جماعت کو دو رکعت پڑھائے گا اور مغرب کی نماز میں پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے گا۔

۹ کفار تمنا کرتے ہیں۔ فی میلیون کا عطف تغفلون پر ہے جس سے مراد یہ ہے کہ وہ تم پر یکبارگی پر حملہ کر دیں۔ لو کا کلمہ تمنی کے لیے ہے اور یہ جملہ و داد کا بیان ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لو مصدر یہ ہو اور جملہ محل نصب میں ہو کیونکہ یہ و داد کا مفعول ہوگا۔ یہ اس علت کا بیان ہے جس کی وجہ سے انہیں مسلح ہونے اور اس کیفیت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے محارب اور بنی انمار پر حملہ کیا۔ صحابہ نے پڑاؤ ڈالا جبکہ دشمنوں میں ایک فرد بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ صحابہ نے اپنا اسلحہ اتار دیا۔ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے

گئے، جبکہ آپ نے اسلحہ اتارا ہوا تھا۔ آپ چلتے گئے یہاں تک کہ وادی کی دوسری طرف تشریف لے گئے۔ آسمان سے بارش نازل ہو رہی تھی جس کی وجہ سے وادی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے درمیان حائل ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے تو غویرث بن حارث محارب نے آپ کو دیکھ لیا، کہا اگر میں انہیں قتل نہ کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے ہلاک کر دے۔ پھر وہ پہاڑ سے نیچے اترے۔ اس کے پاس تلوار تھی جو اس نے نیام سے نکالی ہوئی تھی، کہا اے محمد ﷺ آج تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ۔ پھر حضور نے دعا کی اے اللہ غویرث بن حارث کے لیے میری طرف سے جس طرح چاہے کافی ہو جا۔ اس نے وار کرنے کے لیے تلوار حضور ﷺ کی طرف نیچے کی تو کندھوں کے درمیان شدید درد اٹھنے کی وجہ سے منہ کے بل گر پڑا۔ تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے تلوار ہاتھ میں لی۔ فرمایا اے غویرث اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ کہا کوئی بھی نہیں۔ فرمایا کلمہ شہادت پڑھ، میں تجھے تیری تلوار دے دوں گا۔ کہنے لگا میں نہیں پڑھوں گا لیکن میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے ساتھ کبھی جنگ نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی آپ کے خلاف دشمنوں سے جنگ کروں گا رسول اللہ ﷺ نے اسے تلوار دے دی۔ غویرث نے کہا قسم بخدا آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں، میں اس اخلاق کا زیادہ حقدار تھا۔ غویرث اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا۔ ساتھیوں نے کہا تم پر افسوس، کس نے تجھے قتل کرنے سے روکا۔ اس نے کہا میں نے حملہ کرنے کے لیے تلوار نیچے کی، اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہیں جانتا کس نے میرے کندھے کے درمیان شدید ضرب لگائی اور میں منہ کے بل گر پڑا۔ پھر سب واقعہ ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اے اگر بارش سے اسلحہ کے تر ہونے کی پریشانی ہو یا مریض ہونے کی وجہ سے اسلحہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ اسلحہ وزنی ہے۔ ان تضرعوا سے پہلے فی حرف جار مخدوف ہے۔ یہاں شرط ایسے جملہ کے درمیان واقع ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے جزاء کو کلام سے حذف کر دیا کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: وَإِنْ كَانَ بِكُمْ أَذَىٰ مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بارش اور مرض میں اسلحہ اتارنے کی رخصت دی۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی کہ سابقہ آیت میں اسلحہ لینے کا حکم وجوب کے لیے ہے جس طرح امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا یہ استحباب کے لیے نہیں۔ (۱)

۱۱۔ قلعہ یا دوسری محفوظ پناہ گاہ کے اندر پناہ میں رہا کرو۔ اس قسم کے حالات میں احتیاط لازم پکڑنے کا حکم ہے تاکہ دشمن ان پر حملہ آور نہ ہو جائے کیونکہ جانوں کا بے فائدہ ضیاع سے بچاؤ ضروری ہے جو بالآخر اعلاء کلمۃ الحق کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ جملہ یعنی اس قسم کے حالات میں احتیاط کرنا، آیت کو اس شان نزول کے ساتھ موافقت حاصل ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو حکم دیا کہ دشمن سے خوف کی صورت میں لشکر سے دور نہ جائیں۔

۱۲۔ دنیا میں قتل اور گرفتاری کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے عذاب تیار کر رکھا ہے اور آخرت میں آگ کی صورت میں۔ اس میں مومنوں کو احتیاط کے حکم کے بعد کفار کے خلاف مدد کا وعدہ ہے تاکہ ان کے دل مضبوط ہوں اور انہیں علم ہو کہ احتیاط کا حکم ان کی کمزوری اور دشمن کے غلبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ حکم اس لیے دیا کیونکہ عام ضابطہ کے اسباب سے فائدہ اٹھانا، نیز اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے ساتھ ہوشیاری اور تدبیر کے ساتھ اپنی حفاظت کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ پھر کلبی نے مذکورہ روایت میں کہا وادی پر سکون ہو گئی (پانی بہنا ختم ہو گیا) تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لے آئے۔ تمام واقعہ سنایا اور یہ آیت انہیں سنائی۔ امام

بخاری نے حضرت ابن عباس سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ زخمی تھے (1) یعنی انہیں زخمی ہونے کی وجہ سے اسلحہ اتارنے کی رخصت دی گئی۔

فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأَنَّتُمْ  
فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿١٣﴾

”جب تم ادا کر چکو نماز۔ تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے۔ پھر جب مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو ادا کرو نماز (حسب دستور)۔ بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مقرر وقت پر۔“

۱۔ یعنی جب تم نماز خوف سے فارغ ہو جاؤ۔

۲۔ یعنی تم ہمیشہ تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر کی صورت میں اس کا ذکر کرتے رہو، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے (2) آیت اور حدیث سے ظاہر یہ ہے کہ ہر حال میں حضور قلب حاصل ہو۔ کیونکہ زبان سے دائمی ذکر نہیں ہو سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جب تم نماز خوف سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یعنی حالت صحت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور حالت مرض، اپانچ ہونے کے دور میں زخمی ہونے کی صورت میں یا کمزوری کی حالت میں بیٹھ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر جیسا ممکن ہو، نماز پڑھو یا اس سے مراد یہ ہے کہ نماز خوف میں اگر تم قیام کرنے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر اگر بیٹھنے سے عاجز ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھ لو۔

۳۔ یعنی خوف کے زائل ہونے کے ساتھ تمہارے دل پر سکون ہو جائیں تو نماز کو تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کرو، نماز کے ارکان اور اس کی شرطوں کی حفاظت کا اہتمام کرو۔ حالت امن میں نماز ادا کرتے وقت وہ چیزیں جائز تھیں جو حالت خوف میں جائز نہیں۔

۴۔ کتاب سے مراد مکتوب ہے، یعنی فرض ہے اور موقوف سے مراد اوقات میں محدود ہے۔ جہاں تک ممکن ہو نماز کو اس کے اوقات سے باہر نکالنا جائز نہیں۔ گویا یہ حالت خوف اور عذر کی صورت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کے حکم کی علت بیان کی جا رہی ہے حالت جنگ اور گھڑ دوڑ میں نماز پڑھنے کے جواز پر اس آیت میں کوئی دلیل نہیں جس طرح امام شافعی نے کہا ہے۔

امام بیضاوی نے اس آیت سے امام شافعی کے خلاف استدلال کیا ہے کہ اگر گھڑ دوڑ کی صورت میں نماز پڑھنا جائز ہوتا تو حضور ﷺ اس کا ذکر فرماتے جس طرح آپ نے بیٹھ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے کا ذکر فرمایا ہے۔ جب آپ نے ذکر نہیں کیا تو اصل کے اعتبار سے اس طرح نماز پڑھنا جائز نہیں۔ یہ آیت اوقات کے اعتبار سے مجمل ہے جن کا بیان سنت سے ثابت ہے۔ (3)

مسئلہ: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ظہر کا وقت زوال شمس کے بعد عصر کے وقت تک ہے اور عصر کا وقت عصر سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک ہے مگر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ سورج کی روشنی کے زرد ہونے کے بعد نماز پڑھنا بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عصر کا پسندیدہ وقت یہ ہے کہ اسے کسی چیز کے سایہ کے دو مثل ہونے سے مؤخر نہ کیا جائے اور نماز مغرب کا وقت سورج کے غروب ہونے کے بعد کا ہے۔

1۔ صحیح بخاری: 4323 (ابن کثیر) 2۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی: 3384 (علیہ) 3۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کا زرونی، جلد 2، صفحہ 248 (نکر)

نماز عشاء کا وقت شفق کے غائب ہونے سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔ لیکن بالا جماع پسندیدہ امر یہ ہے کہ عشاء کی نماز کو نصف لیل سے مؤخر نہ کیا جائے اور صبح کی نماز کا وقت طلوع فجر ثانی سے لے کر طلوع شمس تک ہے۔ ظہر اور مغرب کے آخری وقت میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ظہر کا وقت سایہ اصلی کے علاوہ ہر ایک چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک ہے اور مغرب کا آخری وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ نے ظہر کے آخری وقت میں علماء سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ظہر کا آخری وقت سایہ کے دو مثل ہونے تک ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے ایک قول میں مغرب کے آخری وقت میں اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا مغرب کی نماز کو سورج کے غروب ہونے سے مؤخر نہ کیا جائے۔ اس باب میں اصل امانت جبرائیل والی حدیث ہے جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل امین نے بیت اللہ شریف کے پاس مجھے دو دفعہ امامت کرائی۔ آپ نے پہلے روز ظہر کی نماز مجھے اس وقت پڑھائی جب سایہ تسمہ کی مقدار میں تھا۔ پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر ایک چیز کا سایہ ایک مثل تھا۔ پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی جب سورج غروب ہو چکا تھا اور روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ پھر آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی جب شفق غائب ہو چکی تھی پھر آپ نے فجر کی نماز پڑھائی جب فجر ظاہر ہو چکی تھی اور روزے دار پر کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ دوسری دفعہ آپ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر شے کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا جس طرح پہلے روز عصر کے وقت میں سایہ تھا پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھائی جبکہ ہر ایک چیز کا سایہ دو مثل ہو چکا تھا۔ پھر آپ نے مغرب کی نماز پہلے وقت میں ادا کی اور عشاء کی نماز اس وقت پڑھی جب رات کا تیسرا حصہ گزر چکا تھا۔ پھر صبح کی نماز پڑھائی جب زمیں خوب روشن ہو چکی تھی۔ پھر جبرائیل امین میری طرف متوجہ ہوتے کہا اے محمد ﷺ یہی آپ سے پہلے انبیاء کا وقت تھا۔ آپ کے لیے ان کے درمیان نماز کے اوقات ہیں (1) اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا یہ حسن صحیح ہے۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا۔ حاکم نے اسے روایت کیا اور کہا یہ صحیح الاسناد ہے۔ لیکن اس کی سند میں عبدالرحمن بن حرث ہے جسے امام احمد نسائی، ابن معین اور ابو حاکم نے ضعیف قرار دیا۔ ابن سعد اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کی متابعت بھی کی گئی۔ عبدالرزاق نے عمری سے انہوں نے عمرو بن نافع بن جبیر بن مطعم سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ابن دقیق عید نے کہا یہ اچھی متابعت ہے۔ ابوبکر بن عربی اور ابن عبدالبر نے اسے صحیح قرار دیا۔ امامت جبرائیل والی حدیث کئی صحابہ سے مروی ہے جن میں سے جابر نے اسی معنی میں روایت کی۔ اس روایت میں یہ ہے آپ نے دوسرے روز عشاء کی نماز پڑھی۔ جب رات کا نصف گزر چکا تھا۔ یا یہ کہا کہ رات کا تیسرا حصہ گزر چکا تھا امام بخاری نے کہا نماز کے اوقات میں سب سے صحیح روایت حضرت جابر کی حدیث ہے۔ حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے وقت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ دو روز ہمارے ساتھ نماز پڑھو۔ جب سورج زوال پذیر ہو تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا۔ حضرت بلال نے اذان دی پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی۔ پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے عصر کی نماز کے لیے اقامت کہی، جبکہ سورج ابھی بلند اور صاف روشنی والا تھا۔ پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے مغرب کی نماز کے لیے اقامت کہی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے عشاء کی نماز کے لیے اقامت کہی جب شفق غائب ہو چکی تھی۔ پھر آپ نے حکم دیا تو حضرت بلال نے فجر کی نماز کے لیے اقامت کہی جب فجر صادق طلوع ہو چکی تھی جب دوسرا دن آیا آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ظہر کی نماز

ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ حضرت بلال نے اسے ٹھنڈا کیا حضور ﷺ نے ظہر کو خوب ٹھنڈا کر کے پڑھا۔ آپ نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ سورج ابھی بلند تھا لیکن پہلے دن سے مؤخر کیا۔ آپ نے مغرب کی نماز شفق کے غائب ہونے سے پہلے پڑھی۔ آپ نے عشاء کی نماز رات کا تیسرا حصہ گزرنے کے بعد پڑھی۔ آپ نے فجر کی نماز پڑھی جبکہ اسے خوب روشن کیا۔ پھر پوچھا نماز کے وقت کے بارے میں پوچھنے والا کہاں ہے؟ آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ فرمایا نماز کا وقت اس کے درمیان درمیان ہے جو تم نے دیکھا ہے (1) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے حضرت ابو ہریرہ کی مثل مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے روز مغرب کی نماز کو مؤخر کیا یہاں تک کہ شفق غائب ہونے والی تھی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جب سورج زوال پذیر ہو جائے تو ظہر کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور ظہر کا وقت ہی رہتا ہے جب ہر ایک چیز کا سایہ اس کی لسانی کے برابر ہو جائے پھر عصر کا وقت ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے کے تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے، عشاء کا وقت رات کے نصف اول تک رہتا ہے فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (2)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے مغرب کا اول وقت سورج کے غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور اس کا آخری وقت جب افق (شفق) غائب ہو جائے، عشاء کا وقت جب افق (شفق) غائب ہو جائے، اس کا آخری وقت جب رات نصف ہو جائے، فجر کا اول وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور آخری وقت سورج کے طلوع ہونے سے ہوتا ہے (3) اسے امام ترمذی نے محمد بن فضیل کی حدیث سے، وہ اعمش سے، وہ ابوصالح سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری نے اسے مرفوع ذکر کرنے میں تسامح کیا ہے۔ یہ احادیث امام مالک اور امام شافعی کے خلاف جمہور کی حجت ہیں کہ مغرب کا آخری وقت شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔ عصر کا آخری وقت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے سمجھا جا رہا ہے: **إِذْ غَرَضَ عَلَيْهِمُ الْغُفُوفَ الْبِجَادِ فَقَالَ** **إِنِّي أَخَشَيْتُ حُوبَ الْغُفُوفِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَاسَّتَ بِالْحِجَابِ**۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس نے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالی، اس نے صبح کی نماز پالی جس نے سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی۔ اس نے عصر کی نماز پالی یہ روایت متفق علیہ ہے (4) اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ عشاء کے آخری وقت کے طلوع فجر تک رہنے کے بارے میں صحیح یا ضعیف احادیث نہیں پائی جاتیں، تاہم اس کے آخری وقت کے بارے میں صحیح احادیث مختلف ہیں جن میں سے حضرت ابن عباس ابو موسیٰ اشعری اور ابوسعید خدری کی روایات یہ ہیں کہ حضور ﷺ نے رات کے تیسری پہر تک اسے مؤخر کیا حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ نے اسے رات کے نصف تک مؤخر کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے روایت کیا کہ آپ نے رات کے دو ٹکٹ تک مؤخر کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، یہاں تک کہ رات کا اکثر حصہ گزر گیا۔ یہ سب احادیث صحیح میں ہیں۔ امام طحاوی نے کہا ان احادیث کا مجموعی مفہوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تمام رات اس کا وقت ہے لیکن اس کے تین مراتب ہیں۔ پہلا ٹکٹ افضل ہے، نصف تک اس سے کم مرتبہ ہے اور اس کے بعد اس سے کم ہے۔ پھر آپ نے نافع بن جبر تک سند ذکر کی کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کی طرف خط لکھا، فرمایا عشاء کی نماز رات کے جس

2- صحیح مسلم: 173، جلد 5، صفحہ 95 (علیہ)

1- صحیح مسلم: 176، جلد 5، صفحہ 97 (علیہ)

4- صحیح مسلم: 163، جلد 5، صفحہ 89 (علیہ)

3- جامع ترمذی: 151 (علیہ)

حصہ میں چاہو پڑھو اور اس سے غافل نہ ہو۔ امام مسلم کے ہاں لیلۃ التصویس کے قصہ میں حضرت ابوقادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نیند میں تفریط (کوٹاہی) نہیں۔ تفریط یہ ہے کہ ایک آدمی نماز کو مؤخر کرے یہاں تک کہ دوسرا وقت داخل ہو جائے۔ یہ بھی اس پر دال ہے کہ عشاء کا وقت طلوع فجر تک ہے۔

تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب کافر مسلمان ہو یا حائضہ پاک ہو یا بچہ بالغ ہو جبکہ رات کا کچھ حصہ باقی ہو تو اس پر عشاء کی نماز واجب ہوگی۔ رہی جبرائیل امین کی امامت اور سائل کے سوال کرنے پر حضور ﷺ کی امامت تو یہ مستحب وقت پر محمول ہے جس میں کوئی کراہت نہیں۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ مغرب کی نماز اول وقت سے مؤخر کرنا مکروہ تخریجی ہے تخریجی نہیں کیونکہ یہ حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے مغرب کی نماز کو شفق کے غائب ہونے تک مؤخر کیا اور عشاء کی نماز کی تاخیر بھی حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ عصر کی نماز سورج کی روشنی کے زرد ہونے تک مکروہ تخریجی ہے۔ عصر کی نماز روشنی کے زرد ہونے تک مؤخر کرنا سخت مکروہ ہے کیونکہ اس وقت میں نماز پڑھنے کے بارے میں نہی وارد ہے اور اسے شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جو امامت جبرائیل والی حدیث میں عصر کا آخری وقت قرار دیا گیا ہے کہ ہر ایک چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہو جائے تو یہ آقائے دو عالم ﷺ کے اس ارشاد کے ساتھ منسوخ ہے کہ عصر کا وقت سورج کی روشنی کے زرد ہونے تک ہے۔ ظہر کا وقت کا مثل اول کے بعد بھی باقی رہنے کے بارے میں صحیح حدیث ہے۔ نہ ضعیف حدیث ہے اسی وجہ سے صاحبین نے امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے اور جمہور علماء کی موافقت کی۔ امام ابوحنیفہ نے حضرت بریدہ کی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب دوسرا دن آیا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ظہر کو ٹھنڈا کرو حضرت بلال نے ٹھنڈا کیا۔ حضور ﷺ نے اسے خود ٹھنڈا کر کے پڑھا۔ نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپکوں میں سے ایک ہے (۱) اسے چھائے نے نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جزیرہ عرب اسی وقت زیادہ گرمی ہوتی ہے جب ہر ایک چیز کا سایہ ایک مثل ہوتا ہے۔ یہ حدیث امامت جبرائیل والی حدیث کے لیے ناخج ہے کیونکہ وہ اس باب کی اولین احادیث میں سے ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے کے بعد ظہر کا وقت باقی رہنا اور اس کا امامت جبرائیل والی حدیث کے لیے ناخج ہونا ثابت ہو گیا تو عصر کے اول وقت کے بارے میں بھی امامت جبرائیل والی حدیث منسوخ ہو جائیگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتبنا مؤقوتنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر نماز کے لیے علیحدہ وقت ہو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تفریط یہ ہے کہ وہ نماز کو اتنا مؤخر کرے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے لیکن دوسرے روز جبرائیل امین کا عصر کی نماز کی امامت اس وقت کرنا جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ اس کے بعد عصر کا وقت ہے، یہ منسوخ نہیں ہوا اور اس وقت تک ظہر کا وقت ہوگا۔ یہ استدلال بہت ضعیف ہے۔ ٹھنڈا کر کے نماز پڑھنے والی حدیث کا مثل اول کے بعد بھی ظہر کے وقت جاری رہنے پر دلالت درست نہیں بلکہ یہ ٹھنڈا کرنا امراضانی ہے۔ نیز گرمی کی شدت یہ زوال کے وقت ہوتی ہے اور مثل اول سے تھوڑا پہلے ٹھنڈک حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر ان علاقوں میں مثل اول کے وقت گرمی زیادہ ہوتی ہے تو پھر ٹھنڈا کرنے سے مراد نماز کو اول وقت میں ادا کرنا ہے، واللہ اعلم۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک شفق سے مراد حمراء (سرخ) ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ امام ابوحنیفہ سے مشہور یہ ہے کہ آپ کے نزدیک شفق سے مراد سرخی کے بعد سفیدی ہے کیونکہ یہ لفظ سرخی اور سفیدی میں مشترک ہے۔ شگ کی وجہ سے مغرب کا وقت ختم نہیں



ہوتا۔ اور عشاء کا وقت داخل نہیں ہوتا کیونکہ اسی میں احتیاط ہے کیونکہ وقت سے پہلے نماز جائز نہیں وقت کے بعد نماز جائز ہے۔ جمہور علماء نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے۔ شفق سرخی کو کہتے ہیں، جب شفق غائب ہو جائے تو عشاء کی نماز واجب ہو جاتی ہے (1) اسے ابن عساکر نے امام مالک کی غرائب میں روایت کیا ہے۔ یہ روایت عتیق بن یعقوب سے وہ امام مالک سے وہ حضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔ ابن عساکر نے اسے ابو حذافہ سے انہوں نے امام مالک سے روایت کیا، کہا عتیق کی حدیث سند کے اعتبار سے بہترین ہے۔ امام بیہقی نے اس کی موقوف کو صحیح قرار دیا۔ حاکم نے مدخل میں ابو حذافہ کی حدیث ذکر کی ہے اور اسے اس امر کی مثال قرار دیا ہے کہ جسے محدثین نے موقوف روایت کو مرفوع روایت بنا کر ذکر کیا۔ ابن خزیمہ نے اسے اپنی صحیح میں محمد بن یزید واسطی کی حدیث سے روایت کیا وہ شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ ابو ایوب سے اور وہ حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ اسے مرفوع روایت کی صورت میں نقل کرتے ہیں کہ مغرب کا وقت اس وقت تک ہے یہاں تک کہ شفق کی سرخی جاتی رہے۔ ابن خزیمہ نے کہا اگر یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ صحیح ہو تو یہ تمام روایات سے غنی کر دے گی۔ لیکن اس کی روایت میں محمد بن یزید مفرد ہے۔ اس میں شعبہ کے اصحاب نے حرۃ الشفق کی جگہ ثور الشفق کا لفظ ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا محمد بن یزید صدوق ہے۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث حضرات عمر، علی، ابن عباس، عبادہ بن صامت، شداد بن اوس اور ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے، جبکہ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔

امام بغوی نے ذکر کیا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی جب غزوہ احد کے موقع پر لوٹے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے ایک جماعت بھیجی، انہوں نے زخمی ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (2)

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۗ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ  
وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

”اور نہ کمزوری دکھاؤ (دشمن) قوم کی تلاش میں اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے اور تم تو امید رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے اس (ثواب) کی جس کی وہ امید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔“

امام بغوی نے جو ذکر کیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت غزوہ حراء الاسد کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد **إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ** دلالت کرتا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا یہ آیت بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی (3) جبکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں اصحاب سیر نے ان دونوں غزوات میں سے کسی کے بارے میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق نہیں لکھا۔ اس پر سیاق کلام بھی دلالت نہیں کرتا بلکہ انہوں نے اس بارے میں **الذین استجابوا للرسول** سورہ آل عمران کی آیت ہے، کا ذکر کیا ہے۔

امام ترمذی، حاکم اور دوسرے محدثین نے قتادہ بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ ایک کنبہ تھا جنہیں بنو امیہ کہتے۔ یہ بشر، بشر اور بشر تین بھائی تھے۔ بشر منافق آدی تھا۔ یہ اشعار میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی ہجو کرتا۔ پھر ان شعروں کی نسبت کسی عرب کی طرف کر دیتا، کہتا یہ فلاں فلاں نے کہا۔ یہ کنبہ دور جاہلیت اور دور اسلام دونوں میں فقیر اور مفلوک الحال تھا۔ ان دنوں میں اہل مدینہ کی خوراک چھوہارے اور جو تھی۔ میرے چچا رفاعہ بن زید نے آنے کی ایک بوری خریدی اور اپنی کتیا میں رکھ دی جس میں اسلحہ زرہ اور

تکوار بھی تھی۔ ان پر ظلم کیا گیا کثیا میں نقب لگایا گیا۔ کھانا اور اسلحہ چھایا گیا۔ جب صبح ہوئی تو میرے چچا میرے پاس آئے کھانا بھینچے آج کی رات ہم پر ظلم کیا گیا۔ ہماری کثیا میں نقب لگائی گئی اور ہمارا اسلحہ اور کھانا چھایا گیا۔ ہم نے ارد گرد گھروں میں تلاش کی اور لوگوں سے پوچھا ہمیں بتایا گیا کہ ہم نے بنو امیہ کے گھر میں رات کے وقت آگ جلتے ہوئے دیکھی ہمارا خیال یہی ہے کہ تمہارا کھانا پکانے کے لیے ہی آگ جلائی گئی بنو امیہ نے کہا ہم نے محلہ والوں سے پوچھا ہے، ہمارا خیال ہے تمہارا چور لبید بن بہل ہے جو ہم میں سے بڑا نیک مسلمان تھا۔ جب لبید نے یہ بات سنی، اپنی تکوار نکال لی۔ کہا کیا میں چوری کرونگا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تکوار تمہارے جسموں میں داخل ہوگی یا تم اس چوری کے بارے میں بتاؤ گے۔ بنو امیہ نے کہا اے انسان ہم سے دور رہو۔ تم چور کب ہو ہم نے محلہ والوں سے پوچھا اب ہمیں یقین ہو گیا کہ چور بنو امیہ ہی ہیں میرے چچا نے مجھے کہا اے بھتیجے کاش تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی خدمت میں عرض کرتے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی ہمارے پڑوسیوں میں سے کسی نے ہم پر ظلم کیا۔ انہوں نے میرے چچا کے گھر میں نقب لگائی۔ وہاں سے اسلحہ اور کھانا لے لیا۔ ہمارا اسلحہ ہمیں واپس دلایا جائے، کھانے کی ہمیں حاجت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس بارے میں سوچوں گا۔ جب بنو امیہ نے اس بارے میں سوچا۔ وہ اپنے قریبی کے پاس آئے جسے امیر بن عروہ کہتے۔ اس کے متعلق اس سے بات چیت کی۔ اس کے بارے میں محلے کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ قنادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے مسلمان اور نیک لوگوں کے بارے میں بغیر شہادت کے چوری کا الزام لگایا۔ قنادہ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تو نے ان لوگوں پر چوری کا الزام لگایا، جن کے مسلمان ہونے اور نیک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابھی ہم وہاں ہی تھے کہ لفظ عظیمًا تک آیات نازل ہوئیں۔ (۱)

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أُرْسِلَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَافِينَ خَصِيمًا ۝۱۰

”بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف یہ کتاب لے حق کے ساتھ لے تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے لے اور نہ بننے لے بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے لے“

لے جب قرآن حکیم نازل ہوا تو اسلحہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اسلحہ رفاعہ کو واپس کر دیا اور بشیر مشرکین کی طرف بھاگ گیا اور سلافہ بنت سعد کے پاس پناہ لے لی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ..... صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حاکم نے کہا یہ روایت مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اپنی سند سے محمود بن لبید سے نقل کیا ہے کہ بشیر بن حارث نے رفاعہ بن زید جو قنادہ بن نعمان کے چچا تھے، کی کثیا میں نقب لگائی وہاں سے کھانا دوزر ہیں ان کے متعلقہ سامان کے ساتھ لے لیں۔ قنادہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بارے میں خبر دی۔ حضور ﷺ نے بشیر کو بلایا اور اس نقب کے بارے میں پوچھا۔ اس نے انکار کر دیا اور لبید بن بہل پر الزام لگا دیا جو اسی محلہ کے رہنے والے تھے اور بڑے معزز فرد تھے۔ قرآن کی یہ آیات بشیر کی تکذیب اور لبید کی برأت کے بارے میں نازل ہوئیں (۲) جب بشیر کے بارے میں قرآن حکیم نازل ہو گیا اور اس کی حرکت پر

اطلاع ہو گئی تو وہ مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا اور سلافہ بنت سہل کے پاس جا کر پناہ لے لی اور وہاں حضور ﷺ اور مسلمانوں کے بارے میں بھجوا کر تا۔ اس کے بارے میں قرآن حکیم کی آیات نازل ہوئیں اور حضرت حسان بن ثابت نے اس کی بھوکی۔ پھر وہ لوٹ آیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے چوتھے سال ربیع الثانی کے مہینے میں ہوا۔ امام بغوی نے کہا کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے آپ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام طعمہ بن امیرق تھا، جو بنی ظفر سے تعلق رکھتا تھا اس نے اپنے پڑوسی قتادہ بن نعمان کی ایک زرہ چرائی زرہ ایک بوری میں تھی جس میں آنا تھا۔ آنا بوری کے سوراخ سے گرتا رہا، یہاں تک کہ گھر تک اس کے نشانات بن گئے۔ پھر طعمہ نے اسے ایک یہودی کے پاس چھپا دیا جسے زید السمین کہتے۔ زرہ کے بارے میں طعمہ سے پوچھا گیا۔ اس نے قسم اٹھادی اللہ کی قسم نہ اس نے خود چوری کی اور نہ ہی اس کے بارے میں اسے علم ہے۔ زرہ کے مالک نے کہا ہم نے آئے کے آثار تیرے گھر تک دیکھے جو یہودی کے گھر تک آ گئے اور اس یہودی کو پکڑ لیا۔ یہودی نے کہا یہ زرہ طعمہ بن امیرق میرے پاس رکھ گیا ہے۔ بنو ظفر جو طعمہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، عرض کی کہ آپ یہودی کے مقابلہ میں ہمارے ساتھی کی حمایت کریں۔ ساتھ ہی عرض کی اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو ہمارا ساتھی ذلیل و رسوا ہو جائیگا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کو مزادینے کا ارادہ فرمایا (۱) امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس سے ایک روایت بھی مروی ہے کہ طعمہ نے ایک زرہ چرائی جو ایک بوری میں تھی، جس میں چھان تھا۔ بوری میں سوراخ تھا جس وجہ سے تمام راستہ میں چھان گرتا رہا جو زید سمین کے گھر تک آ پہنچا۔ اس نے بوری کو باہر چھوڑا اور زرہ گھر میں اٹھالے گئے صبح کو زرہ کا مالک اس چھان کے نشانات پر زید سمین کے گھر تک آ پہنچا زید کو پکڑا اور حضور ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ حضور ﷺ نے یہودی کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا۔ مقاتل نے کہا زید سمین نے زرہ طعمہ کے پاس امانت رکھی تھی۔ طعمہ نے اس کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (2)

۲۔ امر نئی اور علوم حقہ کے ساتھ۔  
 ۳۔ امام بیضاوی نے کہا یہاں ردیعت علم کے معنی میں نہیں ورنہ یہ تین مفعولوں کا تقاضا کرتا (3) یہاں ردیعت کو ابصار (آنکھ سے دیکھنا) کے معنی میں کرنا ظاہر درست نہیں۔ اس کا معنی یہ ہوگا اس کے باعث کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہچان کرادی اور تیری طرف وحی کی بعض۔ فضلاء نے کہا یہاں علم کا معنی کرنا بھی درست ہے۔ اس صورت میں اس کا مفعول ثانی اور ثالث حذف ہوگا، یعنی اس کے باعث کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو علم عطا کیا ہے وہ حق ہے۔ اسی کے مطابق لوگوں میں فیصلہ کرو، اگرچہ اس میں حذف کی زیادتی کی ضرورت ہوگی تاکہ مجاز کے استعمال سے بچ جائیں گے۔

میں کہتا ہوں ظاہر بات یہ ہے کہ یہ ردیعت علم کے معنی میں ہے اور موصولہ سے مراد وہ مضمون جملہ ہے، علم جس کے متعلق ہے وہ ضمیر جو اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے وہ محذوف ہے اور مذکور کے حکم میں ہے جو دونوں مفعولوں سے بے نیاز کر رہی ہے کیونکہ مضمون جملہ ان دونوں کے قائم مقام ہے۔ گویا یہ ارشاد فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کے درمیان یوں فیصلہ کریں کہ طعمہ چور ہے، لبید اور زید بری ہے۔ اس آیت میں یہ بھی دلیل موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ ظن پر عمل نہیں کرتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ سے اجتہاد کی نفی نہیں کی جاتی کیونکہ نبی کریم ﷺ کو جب اجتہاد کے ساتھ ظن حاصل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اسی حال پر رہنے دیا اور آپ کو خطا پر مطلع نہ کیا

تو آپ کو یقیناً یہ معلوم ہو گیا کہ یہی حق ہے۔ مجتہد کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر سے یہ کہا اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم سکھایا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا ٹھہر جا، یہ تو صرف نبی کریم ﷺ کا خاصا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حکم عام ہو یہ بھی کہا جاتا ہے۔ مجتہد کے پاس دلیل ظنی یعنی خبر واحد یا قیاس سے حکم ظاہر ہو جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ دلائل قطعیہ یعنی کتاب سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ مجتہد کے نزدیک اپنے اجتہاد کے خلاف دلیل راجح ظاہر نہ ہو تو پوری کوشش صرف کرنے کے بعد مجتہد کے نزدیک حکم ظنی واجب العمل ہوگا۔ اگرچہ مجتہد کو یہ معلوم نہ ہو کہ امر حقیقت میں بھی اسی طرح ہے۔

شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ نازل شدہ اصول میں اللہ تعالیٰ نے جو نظر و فکر کا تجسس الہام کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرو فرمایا۔ اس میں آپ کے لیے اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔

یہ قول کے مخدوف ہونے کے ساتھ اس کا عطف انزلنا پر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وقلنا لا تکن یا اس کا عطف کتاب پر ہے کیونکہ وہ بھی نازل شدہ ہے پھر معنی یہ ہوگا ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی اور ہم نے آپ کی طرف یہ حکم نازل کیا کہ آپ نہ ہو جائیں۔

یہ آپ خیانت والوں کے لیے اور ان کا دفاع کرنے کے لیے بری لوگوں سے جھگڑانہ کریں۔ خائنین سے مراد بنی امیہ ہیں اور بری سے مراد لبید بن بہل اور زید سمین یہودی ہے۔

وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۱

”اور مغفرت طلب کیجئے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ لے“

لے آپ نے قتادہ بن نعمان سے جو فرمایا ہے اس پر استغفار کریں۔ امام ترمذی اور امام حاکم کے نزدیک قتادہ سے اسی کی مثل روایت ہے۔ امام بغوی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے یہودی کو جو سزا دینے کا ارادہ کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ مقاتل نے کہا کہ آپ نے طعمہ کی جو وکالت کی ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوں (۱) کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو اس کے لیے وہ غفور رحیم ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا

أَثِيمًا ۝۱۲

”اور مت جھگڑیں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے لے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا

اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے۔ لے“

لے یعنی جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں ان کی خیانت کا وبال انہیں کی طرف پلٹے گا، یا نافرمانی کو اپنے نفس کے ساتھ خیانت قرار دیا جس طرح نافرمانی کو ظلم قرار دیا گیا۔ جمع کی ضمیر بنی امیہ اور اس جیسے لوگوں کے لیے ہے یا اس کے لیے اور اس کی قوم کے لیے ہے کیونکہ وہ بھی اس کے ساتھ گناہ میں شریک ہو گئے تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حمایت کرنے کا سوال کیا تھا۔ لے لاسحب سے مراد بغض رکھنا ہے۔ خوائنا سے مراد خیانت میں مبالغہ کرنے والا اور اس پر اصرار کرنے والا ہے۔ اثم اس لیے ہے کیونکہ

حق کا انکار کیا جھوٹ بولا اور بری آدمی پر چوری کی تہمت لگائی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ خطاب حضور ﷺ کو ہے اور مراد دوسرے لوگ ہیں جس طرح اس ارشاد میں ہے قَانَ كُنْتُ فِي شَكِّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ۔

امام بغوی نے فرمایا انبیاء کے حق میں استغفار تین میں سے ایک صورت میں ہوتی ہے۔ اس گناہ کے استغفار کے لیے جو اعلان نبوت سے پہلے ہوا۔ امت کے گناہوں پر یا قریبی لوگوں کے گناہوں پر یا کسی مباح امر پر جس کے بارے میں شرع میں حرمت کا حکم نازل ہوا تو نبی مکرم ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس صورت میں استغفار کا معنی شرع کے حکم کو سننا اور اس کی اطاعت ہوگا۔

يَسْتَحْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَحْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٩﴾

”وہ چھپا سکتے ہیں (اپنے ارادے) لوگوں سے ۱۔ لیکن نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے ۲۔ اور وہ تو (اس وقت بھی) ان کے ساتھ ہوتا ہے ۳۔ جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ۴۔ ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو ۵۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے ۶۔“

۱۔ حیاء اور شرمندگی کے خوف سے چھپنا چاہتے ہیں یعنی امیرق کی قوم۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے حیاء نہیں کرتے جبکہ وہ حیاء کیے جانے کا زیادہ حقدار ہے اور اس کا زیادہ سزا دار ہے کہ اس کے سامنے شرمندگی سے ڈرا جائے یا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے چھپنا ممکن نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ پر ان کا کوئی راز مخفی نہیں اور اس کے ساتھ معاملہ کرنے کا اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ قبیح جانے یا اس پر مواخذہ کرے اس کو چھوڑ دیا جائے۔

۴۔ رات کے وقت وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

۵۔ امام بغوی نے کہا قول سے مراد وہ مشورہ ہے جو طعمہ کی قوم نے باہم کیا تھا کہ ہم معاملہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے جاتے ہیں۔ آپ طعمہ کی بات اور قسم کی طرف متوجہ ہونگے کیونکہ یہ مسلمان ہے۔ یہودی کا قول نہیں سنیں گے کیونکہ وہ کافر ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو پسند نہیں کیا۔ (۱)

۶۔ یعنی اس سے کوئی چیز چھوٹ نہیں سکتی۔

هَآنَتُمْ هُوَآءِ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلِ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَنْ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ﴿٢٠﴾

”سنئے ہوتے وہ لوگ ہوں کہ جھگڑتے ہو ۱۔ ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں ۲۔ پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن ۳۔ یا کون ہوگا (اس روز) ان کا وکیل ۴۔“

۱۔ انتم مبتدا اور ہوا لا عنادی ہے جس کا حرف ندا محذوف ہے اور اس کا مابعد مبتدا کی خبر ہے یا ہوا لا مبتدا کی خبر ہے۔

۲۔ یہ جملہ آخر تک ادلاء کا بیان ہے جس نے ہوا لا کو اسم موصول بنایا اس کے نزدیک یہ جملہ صلہ ہے۔

۳۔ ہم ضمیر سے مراد ابن ابیرق اس کی مثل اور اس کی قوم ہے۔ جدال سخت جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں جو جدل سے مشتق ہے جس کا معنی سخت بنتا ہے۔ گویا وہ مد مقابل کو دلائل کے ذریعے اس کے مذہب سے موڑنا چاہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جدال جدالہ سے مشتق ہے جس کا معنی زمین ہے۔ گویا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو زمین پر گرانا چاہتا ہے۔

۴۔ جب اللہ تعالیٰ ابن ابیرق جیسے لوگوں کو عذاب دینا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی جھگڑا کرنے والا نہ ہوگا۔

۵۔ وکیلا سے مراد حمایتی جو ان کی حمایت کرے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سے دور کرے کیونکہ جو آدمی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے اس جیسے مقامات جہاں ام کے بعد حرف استفہام ہو جیسے اَمْ مَاذَا كُنْتُمْ يَا اُمَّ كَيْفَ تُو اس وقت نہ یہ متصل ہوتا ہے نہ منقطع بلکہ یہ بل کے معنی میں ہوتا ہے۔ ہاں تاویل کی صورت میں کسی ایک معنی میں کرنا درست ہے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهُ يَحِبَّ اللَّهُ عَفْوَ الرَّاحِمِينَ ۝

”اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائیگا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا۔“

۱۔ سوء سے مراد ایسا قبیح عمل ہے جس کے ذریعے وہ کسی دوسرے کے ساتھ زیادتی کرتا ہے اور اپنے آپ پر ظلم کرنے سے مراد ایسا برا عمل ہے جو اسی کے ساتھ خاص ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا سوء سے مراد ایسا گناہ جو شرک سے کم ہو اور ظلم سے مراد شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا سوء سے مراد گناہ صغیرہ اور ظلم سے مراد گناہ کبیرہ ہے۔ استغفار سے مراد توبہ کرنا اور مظالم کو ختم کرنا ہے، جو ایسا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو گناہ بخشنے والا اور فضل و احسان کرنے والا پائے گا۔ اس آیت میں ابن ابیرق اور اس کی قوم کو استغفار پر برا بیخندہ کیا گیا ہے۔

وَمَنْ يَكْسِبْ اِثْمًا ثَمًا يَكْسِبْهُ عَلَى نَفْسِهِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

”اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اسے اپنے لیے اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے۔“

۱۔ اِثْمًا سے مراد چھوٹا بڑا گناہ ہے جو ایسا کرے گا تو اس کی ذات اس کا دکھ اٹھائے گی۔ اس کا وبال کسی دوسرے کو نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو جانتا بھی ہے اور جزا دینے میں حکمت سے کام لیتا ہے۔

وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ اِثْمًا يَرْمِ بِهَا بَرِيئًا فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَاِثْمًا مُّبِينًا ۝

”اور جو شخص کمائے کوئی خطا یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھالیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا۔“

۱۔ یہاں خطیئہ سے مراد گناہ صغیرہ ہے یا جس میں ارادہ نہ ہو اور اِثْمًا سے مراد گناہ کبیرہ یا جو ارادہ سے ہو جو گناہ کرے پھر بری آدمی پر تہمت لگائے جس طرح ابن ابیرق نے لبید یا زید سمین پر تہمت لگائی یہاں واحد کی ضمیر صرف او کی وجہ سے ہے بہتان سے مراد ایسا جھوٹ ہے جس سے عقول مبہوت ہو جائیں۔ اِثْمٌ مبین سے مراد واضح گناہ ہے جس کا سبب بری پر تہمت لگانا اور گناہ گار انسان کو بری قرار دینا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ ۗ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصْرِؤُنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۗ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۗ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۳۱﴾

”اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر اور اس کی رحمت تو تہیہ کر لیا تھا ایک گروہ نے ان سے جسے کہ غلطی میں ڈال دیں گے آپ کو جسے اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو ہے اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی نہ اور اتاری ہے اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت کے اور سکھا دیا آپ کو جسے جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔“

۱۔ یعنی اے نبی۔

۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت اور ان کے راز پر اطلاع کی مہربانی نہ ہوتی۔

۳۔ طائفہ سے مراد بنو ظفر ہیں۔

۴۔ یعنی جھوٹ بول کر تمہیں فیصلہ میں گمراہ کر دیں اور معاملہ کو آپ پر خلط ملط کر دیں، یہاں تک کہ آپ ابن امیرق کا دفاع کرنے لگیں۔ یہ جملہ لولا کا جواب ہے۔ یہاں مقصود ان کے ارادہ کی نفی نہیں بلکہ اس کی تاثیر کی نفی ہے۔ گویا ان کے ارادہ کے وجود کو تاثیر نہ ہونے کی وجہ سے عدم کے قائم مقام کر دیا۔

۵۔ کیونکہ ان کے گمراہ کرنے کا وبال انہیں کی طرف لوٹے گا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے وہ آپ کو کچھ نقصان بھی نہ پہنچائیں گے۔ من شئیء محل نصب میں ہے اور مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی شَيْنًا مِّنَ الضَّرْرِ۔ ظاہر کا تقاضا یہ تھا وَمَا أَضَلُّوْا إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا أَضْرُوْكَ مِنْ شَيْءٍ، تاہم حال کی حکایت کرنے کی وجہ سے اسے مضارع کی طرف عدول کیا گیا۔

۷۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد وحی غیر متلو ہے۔

۸۔ یعنی آپ کو اسرار غیب کے علوم سکھائے۔ قنادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے حلال و حرام کے علوم سکھا دیے تاکہ اس کے ساتھ مابعد کی صحت کا استدلال کیا جاسکے۔

۹۔ انزل اللہ اور علمت دونوں جملہ حالیہ ہیں۔ ان سے پہلے لفظ قد مقدر ہے اور تنازع فعلین (۱) کے قاعدہ کے مطابق ان کا تعلق مَا يُضِلُّونَ یا مَا يَصْرِؤُنَكَ کے ساتھ ہے۔

۱۰۔ کیونکہ نبوت سے بڑھ کر کوئی فضل نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ

النَّاسِ ۗ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۲﴾

”نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں۔ بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا صلح کا یا صلح

(۱) جب فعل (عالم) دو ہوں اور معمول ایک ہو تو اس کو تنازع فعلین کہتے ہیں۔





بتاؤں؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ فرمایا جن میں اختلاف وجدائی ہوان میں مصالحت کرنا سب سے افضل ہے اور جن میں پہلے سے جدائی ہوان میں مزید فساد ڈالنا یہ نیکیوں کو مطلق ختم کر دیتا ہے (1) اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جھوٹ حلال نہیں ہوتا مگر تین مواقع پر مرد کا عورت کے سامنے جھوٹ بولنا تا کہ اسے راضی کرے جنگ میں جھوٹ بولنا اور لوگوں کے درمیان مصالحت کے لیے جھوٹ بولنا (2) اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

۷۔ ذلک کا مشار الیہ امر ہے یا احد هذه الاشياء ہے، یعنی جس نے ان مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز کا مشورہ دیا یا جس نے مذکورہ اشیاء یعنی صدقہ، معروف اور لوگوں کے درمیان مصالحت کرائی۔ ظاہر پہلی تعبیر ہے۔ امام بیضاوی نے دوسری تعبیر کو پسند کیا، کہا کلام امر پر مبنی ہے اور جزاء کو فعل پر مرتب کیا گیا تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ جب مشورہ دینے والا پسندیدہ لوگوں میں داخل ہوگا تو عمل کرنے والا بدرجہ اولیٰ ان میں داخل ہوگا کیونکہ اصل مقصود فعل ہے اور امر و مشورہ تو اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

۸۔ فعل کو اس قید کے ساتھ مقید کیا کیونکہ جس نے ریا کاری کے طور پر عمل کیا تو وہ اجر کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے (3) یہ حضرت عمر سے مروی مرفوع حدیث ہے۔

۹۔ حمزہ اور ابو عمرو نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

۱۰۔ اس کے مقابلہ میں دنیاوی مال و متاع حقیر ہیں۔ شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے ابو شریح خزاعی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے (4) امام بیہقی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو بات کرے تو قائم دے کی کرے یا خاموش رہے تو محفوظ رہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اچھے لوگ جنہیں ماقبل کے حکم سے خارج کیا تھا ان کی جزاء کا ذکر کر لیا تو اس کے بعد ان لوگوں کی جزاء کا ذکر کیا جو استثناء کے بعد شریر باقی بچ گئے تھے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ

الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١٥﴾

اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہو گئی اس کے لیے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے سچ تو ہم پھرنے دیں گے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے سچ اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے ۷

۱۔ یعنی جو مخالفت کرتا ہے۔ یہ شق سے مشتق ہے۔ گویا دونوں اختلاف کرنے والے ایک دوسرے سے مختلف حصہ میں ہوتے ہیں۔

۲۔ یعنی دلیل قطعی کے ساتھ امر ثابت ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے ظاہر ہونے کے بعد اس کے ساتھ اسے مقید اس لیے کیا گیا تا کہ ان افراد کو اس حکم سے خارج کر دیا جائے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت تو کی لیکن اسے رسول اللہ کا حکم نہیں پہنچا تھا یا

2- جامع ترمذی: 1939 (علمیہ)

4- صحیح مسلم: 74، جلد 2، صفحہ 16 (علمیہ)

1- جامع ترمذی: 2509 (علمیہ)

3- صحیح مسلم: 155، جلد 13، صفحہ 47 (علمیہ)

اس سند سے حکم پہنچا تھا جس کے بعض راویوں پر تہمت لگائی گئی تھی، یا مجتہد نے پوری کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اس کی مراد سمجھنے میں غلطی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مخالف الرسول سے مراد تہ ادا اختیار کرنا ہے جو توحید اور معجزات کے ساتھ رسول کی صداقت کے ظاہر ہونے کے بعد واقع ہوا جس طرح طعمہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔

یعنی جس اعتقاد اور عمل پر سب مومن متفق ہیں اس سے مختلف راہ کی اتباع کرتا ہے۔ بعض کی مخالفت سے کوئی حرج نہیں جبکہ وہ بعض کی موافقت کرتا ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

یعنی دنیا میں اس نے جو گمراہی اختیار کی ہم اسے اختیار کرنے دینگے، اس کے اور اس کے پسندیدہ کفر کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہم آخرت میں اسے اسی کے سپرد کر دیں گے جس پر اس نے دنیا میں بھروسہ کیا، جس طرح صحیحین میں ہے حضرت ابوسعید خدری اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا روز ہوگا ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ہر جماعت جس کی عبادت کرتی تھی اس کے پیچھے پیچھے چلے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ جو بھی کسی بت کی پوجا کرتا تھا وہ جہنم میں گر پڑے گا۔

یعنی جہنم (۱) براٹھکانہ ہے۔ یا حق سے اعراض کرنا براٹھکانا ہے بغوی نے کہا یہ آیت طعمہ بن ابیرق کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی جب اس کی چوری واضح ہو گئی تو اسے ہاتھ کاٹنے اور ذلت و رسوائی کا خوف ہوا تو مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا اور دین سے مرتد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ (۱) یہ آیت اجماع کی مخالفت کے حرام ہونے پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کے علاوہ کسی اور راہ اپنانے پر وعید کو مرتب کیا۔ ان میں سے ایک کو دوسرے کے بغیر سب قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ورنہ دوسرے کے ذکر کی کوئی وجہ نہ تھی اور نہ ہی دونوں کو مجموعی طور پر سب قرار دینے کی کوئی وجہ ہے کیونکہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اکیلے بھی حرام ہے تو اسی سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک وعید کا سبب ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مومنوں کے علاوہ دوسروں کی اتباع بھی حرام ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مومنوں کے طریقہ کی اتباع واجب ہے کیونکہ انسان کو کوئی نہ کوئی راہ تو اپنانی ہوتی ہے۔ امام بیہقی اور امام ترمذی نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کی تائید جماعت کو حاصل ہے جو الگ ہوا۔ اسے جہنم میں ڈال دیا جائیگا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

امام بغوی نے کہا کہ طعمہ بن ابیرق مکہ مکرمہ کے ایک رہائشی بنی سلیم کے ایک آدمی کے پاس ٹھہرا جسے حجاج بن علاظ کہتے۔ طعمہ نے اس کے گھر میں بھی نقب لگائی تو اس پر ایک پتھر گر پڑا جس وجہ سے وہ اس کے گھر میں داخل ہو سکا نہ باہر نکل سکا یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو حجاج نے اسے قتل کرنے کے لیے پکڑا۔ تو وہاں کے لوگوں میں سے ہی کسی ایک نے کہا اسے چھوڑ دو کیونکہ اس نے تمہارے پاس پناہ لی

1- جامع ترمذی: 2167 (علیہ)

(۱) امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء نے سنتیں قائم کی ہیں۔ ان کا اپنانا کتاب اللہ کی تصدیق، اس کی اطاعت میں کمال اور اللہ تعالیٰ کے دین میں قوت نصیب کرتا ہے۔ کسی کو بھی انہیں بدلنے کا حق نہیں اور نہ اس کی مخالفت میں غور و فکر کا حق ہے۔ جس نے ان کی اقتداء کی وہ ہدایت پا گیا۔ جس نے ان سے مدد چاہی وہ منصور ہوا اور جس نے ان کی مخالفت کی۔ اس نے مومنوں کے راستہ کے خلاف راہ انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جانے دیا جس طرف اس نے منہ کیا اور اسے جہنم میں داخل کر دیا جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ از مؤلف رحمہ اللہ۔

تھی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور مکہ مکرمہ سے نکال دیا۔ وہ قضاہ کے تاجروں کے ساتھ شام کی طرف نکل پڑا۔ انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو اس نے کچھ سامان چوری کیا اور بھاگ گیا لوگوں نے اسے تلاش کیا اور پکڑ لیا۔ اسے پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا تو اس کی قبر وہ پتھر ہی بن گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ جدہ کی طرف جانے کے لیے کشتی پر سوار ہوا تو اس نے کشتی میں ہی ایک تھیلی چوری کر لی جس میں دینار تھے تو اسے سمندر میں پھینک دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ بنی سلیم کے ہاں اترادہ ان کے بت کی پوجا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں آیت کو نازل کیا۔ (۱)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ  
بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا بَعِيدًا ۝

”بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کیلئے چاہتا ہے اور جو شریک ٹھہرائے (کسی کو) اللہ کے ساتھ تو وہ گمراہ ہو اور گمراہی میں دور نکل گیا۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ گناہ صغیرہ اور کبیرہ تو بہ اور بغیر تو بہ کے بخش دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو واجب الوجود یا مستحق عبادت ہونے میں شریک ٹھہراتا ہے، وہ صراط مستقیم سے زیادہ ہی بھٹک چکا ہے، اس کے لیے نجات اور مغفرت کو پانا ممکن نہیں۔ امام بغوی نے کہا ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سابقہ آیت ایک بدو شیخ کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی میں بوڑھا ہوں اور کناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں مگر جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے اور اس پر ایمان لایا ہوں تو میں نے اس کے ساتھ شرک نہیں کیا اور اس کے سوا کسی کو دوست بھی نہیں بنایا اور اللہ تعالیٰ پر جری بنتے ہوئے گناہوں میں بھی نہیں پڑا اور نہ ہی میں نے یہ گمان کیا کہ بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتا ہوں۔ میں خادم ہوں، تو بہ کرنے والا ہوں اور بخشش کا طالب ہوں تو میرا کیا حال ہوگا۔ ثعلبی نے بھی آپ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بغوی نے کہا اصل مکہ کے حق میں یہ حکم نازل ہوا۔ (۲)

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِنَا إِلَّا إِنْسَانًا ۖ وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝

”نہیں عبادت کرتے یہ شرک ۱۔ اللہ کے سوا مگر دیویوں کی ۲۔ اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی ۳۔“

۱۔ یعنی وہ عبادت نہیں کرتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا بھی عبادت ہے۔ پھر فرمایا اور تمہارا رب فرماتا ہے مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کرونگا (۳) اور اسے امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا۔ کیونکہ جو کسی کی عبادت کرتا ہے وہ اپنی ضروریات اور مصالح کے لیے دعا کرتا ہے۔

۲۔ اکثر مفسرین نے کہا اس کا معنی ہے مگر بتوں کو اناث کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب انہیں مونث ہی سمجھتے تھے اور عورتوں کے نام رکھتے تھے جیسے لات، غری منات وہ یہ بھی کہتے ابنۃ بنی فلان، انشی بنی فلان کیونکہ عبد اللہ بن احمد نے زوائد مسند میں ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ الا اناثا کا معنی کیا ہے کہ جنیہ کے بت کے ساتھ (۴) یا اس بناء پر کہ ان کے ناموں کے علاوہ

2۔ ایضاً۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 147 (علیہ)۔

4۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 393 (علیہ)۔

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 208 (وزارت تعلیم)۔

ان کی کوئی حقیقت نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم عبادت نہیں کرتے مگر ناموں کی جو تم نے خود رکھے ہیں تو ان کے سونٹ ناموں کی وجہ سے انہیں سونٹ سمجھا جانے لگا یا اس لیے کیونکہ بت جمادات سے بنے ہوتے تھے اور لغت میں اناث کا اطلاق جمادات پر بھی ہوتا تھا۔ قاموس میں ہے اناث ائلی کی جمع ہے (۱) جس طرح اناثی جمع آتی ہے اور اناثی بے جان چیزوں کو بھی کہتے ہیں جیسے پتھر، درخت اور چھوٹے ستارے۔ یہ لغوی استعمال ہے۔ اس میں کسی قسم کا مجاز نہیں جس طرح کتب نحو میں کہا گیا کہ الف تاء اور نون جمع اصل میں غیر عقلاء کی جمع کے لیے آتے ہیں، جس طرح کہا جاتا ہے سفن جاربات اور نخل باسقات اور صرن الایام لیالی عورتوں کی جمع الف تاء سے آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں غیر عقلاء کے قائم مقام رکھا گیا کیونکہ وہ ناقصات عقل ہیں حسن اور قدادہ نے کہا کہ الا اناثا کا معنی مواتا ہے جس میں روح نہ ہو۔ ان کا نام اناثا اس لیے رکھا کیونکہ یہ بت موات کی جس طرح خبر دیتے ہیں۔ اسی طرح اناث کی خبر دیتے ہیں یا اس لیے انہیں اناث کہا گیا ہے کیونکہ یہ مذکروں کے مقابلہ میں ادنیٰ جنس نہیں جس طرح مردہ زندہ سے ادنیٰ ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں پر اس لفظ کا اطلاق مجازی ہے۔ ابن عباس کی یہ قرأت ہے الا اناثا جو اناثان کی جمع ہے۔ اور اناثان وثن کی جمع ہے۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا۔ ضحاک نے کہا اناث سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ وہ فرشتوں کے بارے میں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ العیاذ باللہ۔

۳۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر بت میں ایک شیطان ہوتا جو پجاریوں اور کائناتوں کو دکھائی دیتا وہ ان سے بات بھی کرتا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد ابلیس ہے کیونکہ ابلیس نے ہی انہیں عبادت کا حکم دیا تھا۔ پس ان بتوں کی عبادت حقیقت میں شیطان کی عبادت اور طاعت ہے۔ مارڈ اور مریدا سے کہتے ہیں جس کا خیر سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس ترکیب کا اصل معنی چکنا پن اور ملائم ہونا ہے۔ اسی سے صرح ممرڈ (چکنا محل) اور غلام امرڈ بولتے ہیں۔ یہاں مرید سے مراد سرکش اور اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکل جانے والا ہے۔

لَعْنَةُ اللَّهِ وَقَالَ لَا تَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿۸﴾

”لعت کی ہے اس پر اللہ نے اور اس نے کہا تھا کہ میں ضرور لوگوں کا تیرے بندوں سے (اپنا) حصہ مقرر ہے۔“

۷۔ یہ شیطان کی صفت ثانیہ ہے۔

۸۔ اس کا عطف لعن پر ہے، یعنی ایسا سرکش شیطان جو اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس قول کو جمع کرنے والا ہے جو لوگوں سے اس کی حد درجہ عداوت پر ڈال ہے۔ اس قول کے ساتھ اس کی توصیف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے کیونکہ ابلیس نے جب حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی تو شیطان نے کہا تیری عزت و جلال کی قسم میں بنی آدم کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روحمں موجود ہوں گی۔ صحیح حدیث میں یہی مضمون آیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بھی یہی معنی ہے۔

۹۔ مفروض سے مراد مقدر ہے، یعنی وہ حصہ جو میرے لیے مقدر کیا گیا ہے۔ حسن بصری نے کہا ہر ہزار میں سے نو سو نادوے جہنم میں اور ایک جنت میں جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ بعث النار والی حدیث میں اس طرح آیا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا حصہ جو دوسروں سے الگ کیا گیا ہے، یعنی بد بختوں کی جماعت سعادت مندوں سے ممتاز ہوگی۔

وَلَا ضَلَّتْهُمْ وَلَا مَنِيَّتْهُمْ وَلَا مَرَّتْهُمْ فَلْيَبْتَئِكُنَّ اِذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَا مَرَّتْهُمْ فَلْيَغَيِّرُنَّ

خَلَقَ اللَّهُ طَوْسًا يَتَّخِذُ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُّبِينًا ۝

”اور میں ضرور نہیں گمراہ کروں گا۔ اور میں ضرور نہیں جھوٹی امیدوں میں رکھوں گا۔ اور میں ضرور حکم دوں گا کہ میں اس پر وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان سے اور میں نہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو سے اور جو شخص بنا لے شیطان کو (اپنا) دوست اللہ کو چھوڑ کر ہے تو نقصان اٹھایا اس نے کھلا نقصان۔“

۱۔ یعنی ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر اور شہوات کو مزین صورت میں پیش کر کے انہیں حق سے گمراہ کر دوں گا۔ گمراہ کرنے کی نسبت جو شیطان کی طرف کی گئی وہ بطور مجاز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان تمہارے پاس آتا ہے، کہتا ہے فلاں کو کس نے پیدا کیا یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہہ دیتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا۔ جب وہ یہاں پر پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو اور اس وہم سے رک جاؤ، متفق علیہ۔ (۱)

۲۔ انہیں باطل آرزویں دلاؤں گا کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھنا نہیں عذاب وغیرہ کچھ نہیں زندگی بڑی لمبی ہے اور معاصی کے ساتھ بھی انسان آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کے اندر اس طرح چلتا ہے جس طرح خون، متفق علیہ (۲) حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کو ایک کچوکا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور ایک کچوکا فرشتے کی جانب سے ہوتا ہے۔ شیطان کا کچوکا برائی پر برا بیخیز کرنا اور حق کی تکذیب کرنا ہے اور فرشتے کا کچوکا بھلائی کی طرف ترغیب اور حق کی تصدیق ہے، جس نے اس کو پایا وہ جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے، جو دوسری صورت پائے وہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہے۔ شیطان تمہیں فقر سے دھمکاتا ہے اور فحشاء کا حکم دیتا ہے (۳) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۳۔ بتک کا معنی کاٹنا اور پھاڑنا ہے۔ باب تعقیل کثرت اور تکرار پر دلالت کرے گا، یعنی وہ ضرور کاٹیں گے اور پھاڑیں گے۔ اس سے مراد وہ عمل ہے جو وہ بحیرہ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ قتادہ اور سدی نے کہا وہ اونٹنیوں کے کان اپنے بتوں کے لیے کاٹتے تھے۔ قاموس میں ہے بحر کا معنی پھاڑنا ہے (۴) اسی طرح کان پھاڑنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے بحیرہ کا لفظ ہے جب کوئی اونٹنی دس دفعہ بچہ جنتی تو اس کے کان پھاڑ دیتے اور اسے جرنے کے لیے چھوڑ دیتے۔ جب وہ مرتی تو اس کا گوشت عورتوں پر حرام سمجھتے، صرف مرد کھاتے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال کیا ہے اس کو حرام قرار دینا اور اللہ تعالیٰ نے جسے بائعمل یا بالقوہ کامل تخلیق کیا اس میں نقص پیدا کرنا۔

یہ تبدیلی صورت (۱) کے اعتبار سے ہو یا حالت (ب) کے اعتبار سے اس میں نر کی ایک آنکھ پھوڑنا، غلاموں کو خصی کرنا، گودنا (ج)

1- صحیح بخاری: 3102 (ابن کثیر) 2- ایضاً: 3107 (ابن کثیر)، 3- جامع ترمذی: 2988 (علیہ) 4- قاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 496

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں، گدوانے والیوں، سفید بال نوچنے والیوں اور خوبصورتی کے لئے دانتوں میں کشادگی پیدا کرنے والیوں اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والیوں پر لعنت کی ہے۔ اسے امام احمد اور شیخین نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور شیخین نے ابن عمر سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے والیوں، بال جڑوانے والیوں، گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر لعنت کی ہے۔ امام احمد نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گودنے والی، گدوانے والی، بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر لعنت فرماتے ہیں۔

(ب) حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب جو پاؤں کو خصی کرنے سے روکتے تھے اور فرماتے تھے بڑھوتری تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دانتوں کو تیز کرنا (د) مثلاً کرنا، لواطت، عورتوں کا آپس میں بد فعلی کرنا، سورج، چاند اور پتھروں کی پوجا کرنا کیونکہ یہ چیزیں اس کے لیے نہیں بنائی گئیں۔

اور اعضاء اور قوتوں کو ایسے کاموں میں استعمال کرنا جو نفس کے کمال کا باعث نہ ہوں۔ فطرۃ اللہ سے مراد اسلام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچے کو فطرت سلیمہ پر پیدا کیا جاتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں جس طرح چوپایا بچے کو مکمل (ہ) جنم دیتا ہے کیا تم اسے کئے اعضاء (و) والا دیکھتے ہو پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے

فَطَرَتِ اللَّهُ الْأَبْطِغَاءَ النَّاسِ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تبدیلی نہ کرو یہ بھی جائز ہے کہ یہ پانچوں جملے شیطان کے اپنے افعال کا بیان ہو۔ اس صورت میں یہ قول ابلیس کے ساتھ خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ شرک انتہاء کی گمراہی ہے کیونکہ تم جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ یہ جمادات ہیں جو نقصان پہنچاتے ہیں اور نفع پہنچاتے ہیں بلکہ یہ وہ اسماء ہیں جو تم نے اپنی طرف سے عورتوں کے نام سے رکھے ہوئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں اور شرک کرنا شیطان کی اطاعت ہے جو سرکش ہے شر و ضلال میں منہمک ہے، وہ خیر و ہدایت کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتا، وہ اپنی گمراہی کی وجہ سے ملعون ہے، اس کی اطاعت لعنت اور گمراہی کو لائے گی اور شیطان انسان کا سخت دشمن ہے اور ہمہ وقت انہیں ہلاک کرنے کے درپے ہے جس کی یہ شان ہو اس سے دوستی کرنا عقل سے دور ہے، حد درجہ کی گمراہی ہے چہ جائیکہ اس کی عبادت کی جائے۔ پھر بعد میں اس کا ذکر کیا جو سابقہ دلیل کے نتیجے کی طرح ہے۔

یہ ولیا کا معنی رب ہے جس کی وہ اطاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا ہے اس پر دوسروں کی دعوت کو ترجیح دیتا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے شرک کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر مقبول ہے بلکہ اس صورت میں وہ غیر اللہ کی عبادت ہوگی۔ غیر اللہ کی عبادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت جمع نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں شرکاء کے شرک سے غنی ہوں جس نے کوئی عمل کیا جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کیا، میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے میں اس سے بری ہوں، وہ عمل اس کے لیے ہی ہے جس کے لیے اس نے عمل کیا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ (۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نرمیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک زنا اور کو خضی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ عبدالرزاق اور عبد بن حمید نے حضرت حسن بصری سے اسی طرح روایت کیا۔ لیکن ابن ابی شیبہ، بیہقی اور ابن منذر نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب چوپاؤں کو خضی کرنے سے منع کرتے تھے۔ ابن منذر اور بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ صبر روح (حمل گرانا) اور چوپاؤں کو خضی کرنے سے منع کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھوڑوں اور چوپاؤں کو خضی کرنے سے منع کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ اور دوسرے محدثین نے ابن عباس سے نقل کیا کہ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُؤْمِرُنَّهُمْ فَلْيَغْيِرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ۔ ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا ہے۔

(ج) دشم کا معنی بدن میں سوئی گاڑنا اور اس میں کال بھرنانا کہ نام یا تصویر نظر آئے۔

(د) الوشیر۔ عورت کا اپنے دانت تیز کرنا اور گڑنے کے ساتھ انہیں باریک کرنا۔

(ہ) اعضاء کا معنی عیوب سے محفوظ اور کامل و مکمل اجزاء والا۔

(و) جدعاء: جس کے اعضاء کئے ہوں یا ایک عضو کٹنا ہو۔ جدع کا معنی ناک، کان اور ہونٹ کا کٹنا۔

1- صحیح مسلم: 46، جلد 18، صفحہ 90 (علیہ)

۱۰ کیونکہ اس نے اپنا اس المال ضائع کر دیا اور جنت کے بدلے میں آگ کو حاصل کیا۔

يَعِدُّهُمْ وَيُؤَيِّدُهُمْ وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝۱۰

”شیطان (جھوٹے) وعدے کرتا ہے ان سے لے اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے لے انہیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا لے“

لے فاسد ادھامات کے ذریعے ڈراتا ہے یا اپنے دوستوں کے ذریعے ایسے وعدہ کرتا ہے جو پورے ہونے والے نہیں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ایک انسان کی صورت اختیار کرے اور ان کے ساتھ وعدہ کرے جس طرح اس نے یوم بدر کو کیا: اِذْ ذَمَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ۔ لے انہیں باطل آرزویں دلاتا ہے جنہیں وہ پانہ سکیں گے جیسے لمبی عمر دنیا کا حصول وغیرہ۔ لے غرور سے مراد باطل ہے، یعنی جس میں نقصان ہوتا ہے اس میں نفع ظاہر کرتا ہے، جس میں نفع ہوتا ہے اس میں نقصان ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے الشَّيْطَانُ يَعِدُّكُمْ الْفَقْرَ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور صلہ رحمی کرنے سے وہ فقر سے ڈراتا ہے اور برائی کا حکم دیتا ہے۔

اُولَئِكَ مَا وَلَّهُمْ جَهَنَّمَ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ۝۱۱

”یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور نہ پائیں گے اس سے بچ نکلنے کی جگہ۔“

محیص کا معنی بھاگنا یا بھاگنے کی جگہ ہے۔ قاموس میں ہے حاص یحیص حیصا و حیصۃ و محیصا کا معنی پھرنا اور بھگتنا ہے (۱) عنہا محیصا سے حال ہے۔ یہ اس کا صلہ نہیں کیونکہ یہ اسم مکان ہے یا مصدر ہے جو اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝۱۲

”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے داخل کریں گے ہم انہیں ان باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات کرنے میں۔“

من تحتها سے مراد اس کے محلات اور بلند و بالا کمروں کے نیچے نہریں بہ رہی ہوگی۔ وعد اللہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور تحتها بھی مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی۔ وَعَدَّ اللَّهُ وَغَدًا وَحَقُّ ذَلِكَ حَقًّا۔ پہلا مفعول مطلق اپنے ہی فعل کی تاکید کے لیے ہے کیونکہ جملہ اسمیہ کا مضمون ایک وعدہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا اور دوسرا مفعول مطلق غیر کی تاکید کرتا ہے (یعنی وعدہ کی) اسم موصول کو محل نصب میں پڑھنا بھی جائز ہے جس کا فعل محذوف ہے جس کی تفسیر ما بعد فعل کر رہا ہے اور وعد اللہ یہ سند خلہم کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے ہم ان سے جنت میں داخل ہونے کا پختہ وعدہ کرتے ہیں اس صورت میں یہ مصدر سے حال ہوگا۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ جملہ تاکید کا معنی دیتا ہے اور تاکید میں انتہائی بلوغ ہے۔ آیت سے مقصود یہ ہے کہ شیطان اپنے ساتھیوں سے جو جھوٹے وعدہ کرتا ہے۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے ساتھ معارضہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کرتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہو اور اس کا فائدہ تاکید ہو یا اس کا عطف محذوف پر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی صَدَّقَ اللَّهُ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ

اللہ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف خالد بن پرہو اور قول یہاں مقدر ہے۔

ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا کہ یہود و نصاریٰ نے کہا: جنت میں ہمارے بغیر کوئی داخل نہیں ہوگا۔ قریش نے کہا: ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائیگا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ (۱)

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ ۚ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِيهِ وَلَا  
يُجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝

” (نجات کا انحصار) نہ تمہاری جھوٹی امیدوں پر ہے نہ اور نہ اہل کتاب کی جھوٹی امیدوں پر ہے۔ (بلکہ) جو عمل کرے گا

برے ہے اسے سزا ملے گی اس کی اور نہ پائے گا اپنے لیے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار ہے۔“

۱۔ یعنی امر تمہاری خواہشات کے تابع نہیں، اے اہل مکہ تم یہ کہتے ہو نہ دوبارہ اٹھنا ہے اور نہ ہی حساب و کتاب اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں اور تم یہ کہتے ہو کہ اگر معاملہ اسی طرح ہے جس طرح حضور ﷺ کے صحابہ گمان کرتے ہیں تو ہم تم سے بہتر ہونگے۔ آیت کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خطاب اہل مکہ کو ہے۔

۲۔ اور نہ ہی معاملہ اہل کتاب کی خواہشات کے تابع ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور وہ یہ بھی کہتے کہ جنت میں صرف یہودی اور نصرانی داخل ہونگے اور ہمیں آگ صرف چند روز چھوئے گی بلکہ نجات و ثواب اور ان کی ضد کا معاملہ ایمان اعمال صالحہ اور اس کی ضد پر منحصر ہے۔ پھر جملہ کی وضاحت کی اور فرمایا۔

۳۔ سوء سے مراد کفر اور معاصی ہے۔

۴۔ جو اس تک خیر پہنچائے اور نہ ہی ایسا مددگار جو ان سے شر کو دور کرے۔ من کا کلمہ عام ہے جو مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے، اگرچہ سب نزول خاص ہے، میری مراد کفار مکہ اور اہل کتاب کی آرزویں ہیں کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں ہوتا۔ امام بغوی نے حضرت ابن عباس سعید بن جبیر اور دوسرے علماء کا قول ذکر کیا کہ یہ آیت عام ہے اور ہر عامل کے بارے میں ہے (۲) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان بجز بہ یہ مغفرت نہ ہونے کے ساتھ مقید ہے جس طرح دوسری وعید اور جزاء کی آیات ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ بخشے تو دنیا و آخرت میں پہنچنے والے عذاب کو عام ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبکہ آپ کے ارد گرد صحابہ بیٹھے ہوئے تھے، مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولادوں کو قتل نہیں کرو گے، اپنی طرف سے گھڑ کر کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گے اور نیکی کے معاملہ میں نافرمانی نہیں کرو گے، جس نے تم میں سے وعدہ پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جس نے کوئی برا عمل کیا اور دنیا میں ہی اسے سزا دی گئی وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا اور جس نے کوئی برا عمل کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ پوشی فرمائی وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، چاہے تو معاف کر دے چاہے سزا دے۔ ہم نے ان چیزوں پر آپ ﷺ کی بیعت کی متفق علیہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لَا يَجِدُ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ حکم کفار کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی مومنوں کو نقصان دیتا ہے کیونکہ مومنوں کا مولیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو بہترین دوست اور مدد کرنے میں کافی ہے۔ اگر اللہ



تعالیٰ چاہے گا تو انہیں بخش دے گا ملائکہ انبیاء اور صالح لوگ اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کو ولی اور مددگار نہیں پائیں گے۔ رہے کفار وہ ان سے حمایت اور مدد طلب کریں گے جن کی وہ عبادت کرتے رہے تھے مگر نہ حمایتی پائیں گے اور نہ ہی مددگار۔ اس آیت کے عموم پر سیدنا صدیق اکبر سے مروی روایت بھی دلالت کرتی ہے، انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو یہ آیت **مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ نَازِلًا** ہوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر کیا میں تمہیں وہ آیت پڑھ کر نہ سناؤں جو مجھ پر نازل کی گئی؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں۔ تو آپ نے یہ آیت مجھے پڑھ کر سنائی تو میری کمر ٹوٹنے لگی۔ میں نے اسے سیدھا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ہم میں سے کون ہے جس نے برا عمل نہ کیا ہو جبکہ ہمیں ہر برے عمل پر سزا دی جائیگی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اور تیرے مومن ساتھیوں کو دنیا میں ہی بدلہ دے دیا جائیگا، یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ سے ملو گے تو تمہارے ذمہ کوئی گناہ نہ ہوگا۔ دوسرے لوگوں کے برے اعمال کو جمع کیا جاتا رہے گا یہاں تک کہ انہیں قیامت کے روز بدلہ دیا جائیگا۔ (۱) اسے امام بغوی نے اپنی سند سے امام ترمذی، عبد بن حمید اور ابن منذر نے روایت کیا۔ امام احمد ابن حبان اور حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے حضرت ابو بکر نے عرض کی اس کے ساتھ کوئی نجات پائے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو حزن میں مبتلا نہیں ہوتا، کیا تو مریض نہیں ہوتا، تجھے مصیبت نہیں پہنچتی۔ عرض کی ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا وہ گناہوں کا بدلہ ہی تو ہے۔ امام احمد اور امام بخاری نے اپنی تاریخ، ابو یعلیٰ اور بیہقی نے اسی کی مثل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو مومنوں پر شاق (۱) گزری۔ عرض کی یا رسول اللہ آپ کے سوا ہم میں سے کون ہے جس نے گناہ نہیں کیا تو پھر جزاء کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا اس جزاء میں سے کچھ دنیا میں مل جاتی ہے، جو آدمی نیکی کرتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں ہیں، جسے برے عمل پر جزاء دے دی گئی تو دس میں سے ایک نیکی کم ہو جائیگی اور نو باقی رہ جائیں گی۔ پس اس آدمی کے لیے ہلاکت ہے جس کی ایک ایک برائی دس دس نیکیوں پر غالب آ جائے۔ جہاں تک آخرت میں بدلہ کا معاملہ ہے تو نیکیوں اور برائیوں میں مقابلہ ہوگا۔ ہر برائی کے برابر نیکی رکھی جائیگی پھر زیادتی کو دیکھا جائیگا (جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی) اسے جنت دے دی جائیگی اور ہر زیادتی والے کو نفل (ب) سے نوازا جائیگا (۲) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 161 (فکر) 2- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 161 (فکر)

(۱) محمد بن منقر سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا جب **مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا** والی آیت نازل ہوئی تو ہمیں کھانا پینا کوئی نفع نہ دیتا تھا یہاں تک کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا اور رخصت دے دی **وَمَنْ يَعْمَلْ..... يَجِدِ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا**۔

(ب) ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید سے روایت کیا کہ ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا مومن کو خرابی، دکھ، بیماری اور حزن پہنچتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ صحیحین اور دوسری احادیث میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن ابی دنیا اور بیہقی نے برید سلمیٰ سے نقل کیا ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا مسلمان کو گرنے سے جو تکلیف پہنچتی ہے یا اس سے زیادہ یہاں تک کہ آپ نے کاٹنا چھینے کا ذکر کیا تو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوتی ہے یا تو اس کا وہ بخش دیا جاتا ہے جو معاف ہونے والا نہیں تھا یا کرامت کے ایسے مرتبہ کو پالیتا ہے جس تک وہ کسی دوسری صورت میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ابن سعد اور بیہقی نے ابی قاطمہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کو آزمائش میں ڈالتا ہے وہ اسے آزمائش میں نہیں ڈالتا مگر اسے عظمت عطا کرنے کے لئے۔ بندے کا جنت میں ایسا درجہ ہے وہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ دکھ میں مبتلا نہ ہو۔ اسے امام بیہقی نے ابو ہریرہ سے اسی کی مثل روایت کیا۔



کو ختم کیا گیا کہ ان کے اعمال نیکیاں ہیں جیسے مال خرچ کرنا، صلہ رحمی کرنا اور اس طرح کے دوسرے اعمال۔  
 ہیں اگرچہ وہ فاسق ہوں تو بہ کے بغیر مرے ہوں خواہ گناہوں کی بخشش کی صورت میں یا سینات کی جزاء کے بعد ابن کثیر، ابو جعفر اور ابو عمرو نے اسے بدخلون مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ اسی طرح سورہ مریم اور حم مومن میں بھی ابو عمرو نے سورہ فاطر میں بدخلو نہا میں حاء کو زائد ذکر کیا ہے۔ باقی قراء نے اسے معروف پڑھا ہے۔

یہ تفسیر کی مقدار ظلم نہ کیا جائیگا۔ تفسیر سے مراد وہ نشان ہے جو کجیور کی گھٹلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ یہ آیت عبارتہ النص سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مطیع کے ثواب میں کمی نہ کی جائیگی اور دلالت النص سے عاصی کے عذاب میں اضافہ نہ کرنے پر دلالت ہے کیونکہ عذاب میں زیادتی ثواب میں کمی کرنے کی نسبت زیادہ شدید ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کمی پر راضی نہیں تو زیادہ شدید پر کیسے راضی ہوگا۔ بعض فضلاء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا** میں قید کے ترک کرنے کے بارے میں فرمایا کہ کافر کو شرک سے نفرت دلانے کے لیے تحدید کا مقام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے وہاں ترک کیا جائے اور مومن کو عمل صالح کی ترغیب اور اطاعت پر مواخبت کا مقام اس کے یہاں ذکر کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَلَا يُظْلَمُونَ نَبِذًا** کا معنی یہ ہے کہ اس کی طاعت کے ثواب میں کمی نہیں کی جائیگی اور برائی کے عقاب میں اضافہ نہیں کیا جائیگا جب اللہ تعالیٰ کا فرمان **وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ تَمَامًا صَالِحٌ** اور فاسق مومنوں کو شامل ہے کیونکہ فاسق عمل صالح سے خالی نہیں کم از کم اس نے یہ گواہی تو دی ہے لا الہ الا اللہ جبکہ وہ ایمان کا سب سے ذی شان جزو ہے اس آیت میں مومنوں کی دونوں جماعتوں کے لیے بشارت ہے وہ مطیع مومن ہوں یا گناہ گار نہ ان کے حق میں ثواب کی کمی ہوگی اور نہ ہی عذاب میں زیادتی ہوگی۔ رہا اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان **وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا** اگرچہ مومنوں کی دونوں جماعتوں اور کفار کو شامل ہے اور مومنوں میں سے فاسق دونوں آیتوں میں داخل ہیں لیکن جب کفار کی سینات کی جزا غیر متناہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی قباحت غیر متناہی ہے۔ اس وجہ سے کفار کی سینات پر عذاب کی زیادتی کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ غیر متناہی پر زیادتی محال ہے یا یہ کہا جاتا ہے کفار کے گناہوں پر عذاب کی زیادتی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **زِدْنَاهُمْ عَذَابًا قَوِيًّا الْعَذَابِ** اس وجہ سے یہاں اس جملہ کا ذکر نہیں کیا گیا تاکہ یہ کفار کے لیے بشارت نہ ہو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ظلم قبیح ہے اگرچہ وہ کفار کے حق میں ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قبائح سے پاک ہے تو پھر کفار کے حق میں عذاب کی زیادتی کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ظلم کا معنی غیر کی ملک میں تصرف کرنا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مالک الملک ہے، وہ اپنی ملک میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اگر وہ تمام جہان والوں کو جرم کے بغیر بھی عذاب دے تو وہ ظالم نہیں کہلائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان **لَا يُظْلَمُونَ نَبِذًا وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْبَٰئِسِ** یہ حقیقی معنی پر محمول نہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا اگرچہ وہ غیروں کے ساتھ وہ سلوک کرے جسے ظلم شمار کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

امام بغوی نے مسروق سے ذکر کیا کہ جب آیت **لَيْسَ بِأَعْيُنِكُمْ نَازِلٌ** ہوئی تو اہل کتاب نے کہا ہم اور تم برابر ہیں تو پھر یہ آیت نازل ہوئی **وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ** جس طرح پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔ (1)

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ  
حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿٨٥﴾

”اور کون بہتر ہے دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہوا اپنا چہرہ اللہ کے لیے اور وہ احسان کرنے والا ہو۔  
اور پیروی کی ملت ابراہیم کی ہے اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو اور بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے  
ابراہیم کو خلیل ہے“

۱۔ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا اس طرح کہ اس کا کسی غیر کے ساتھ نہ علمی تعلق تھا اور نہ محبت کا رشتہ تھا اس کی  
ذات اس کا دل اور جسم سب اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے والے تھے اور منہیات سے رکنے والے تھے اس کے لیے دائرہ  
امکان میں اس کا اپنا وجود اور غیر کا وجود حقیقت میں ثابت نہیں تھا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ کسی کو اپنا معبود یا محبوب اور مستقل وجود والا  
مانے۔ اس استفہام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اس کے کمال کی انتہاء ہے۔

۲۔ وہ تنگی کرنے والا برائی چھوڑنے والا دائمی حضور اور اخلاص سے متصف ہے۔ حضور ﷺ نے حدیث جبرئیل کے سوال احسان کیا  
ہے میں فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، متفق  
علیہ (۱) یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

۳۔ یہاں حضرت ابراہیم کا خصوصی ذکر فرمایا جبکہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ذات اعضاء اور قوتوں کو ظاہراً  
اور باطناً اللہ تعالیٰ کی رضا میں صرف کرنا، اسی میں مشغول رہنا اور غیر سے اعراض کرنا ہے۔ اس اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ تمام امتوں کا  
اس پر اتفاق ہے کہ آپ نبی برحق ہیں ہر دین میں محمود ہیں۔ اس اختصاص کی وجہ یہ بھی ہے کہ دین اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی  
شریعت کے موافق ہے جس طرح کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اس کا طواف کرنا حج کے عبادات ختم کرنا مہمان نوازی اس کے  
علاوہ دوسرے امور جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا امتحان لیا جو آپ نے پورا کیا۔

۴۔ یہ ابراہیم مِلَّةً یَاتِبِعُ میں جو پوشیدہ ضمیر ہے اس سے حال ہے یعنی صراط مستقیم پر قائم باطل طریقوں سے منہ موڑنے والے۔ حضرت  
ابراہیم کی یہ صفت اس لیے ذکر کی کیونکہ وہ اسلام پر مستقیم رہے اور جنوں کی عبادت سے الگ تھلگ رہے جبکہ ان کی قوم اس پر جمی ہوئی تھی۔  
۵۔ خلیل سے مراد ایسا دوست جس کی دوستی خالص ہو۔ یہ ظلال سے مشتق ہے۔ یہ ایسی محبت ہوتی ہے جو نفس کے ساتھ خلط ملط ہوتی  
ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ خلل سے مشتق ہے کیونکہ دونوں دوستوں میں ہر ایک دوسرے کی کمی کو دور کرتا ہے۔ زجاج نے کہا خلیل  
وہ ہوتا ہے جس کی محبت میں کوئی خلل خرابی نہ ہو یا یہ خل سے مشتق ہے۔ یہ ریت میں راستہ ہوتا ہے کیونکہ وہ دونوں خصال میں موافقت  
کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ خلل سے مشتق ہے جس کا معنی حاجت ہے کیونکہ دونوں دوستوں میں سے ہر ایک کا دوسرا ساتھی  
محتاج ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت ابراہیم کو خلیل اس لیے نام دیا گیا کہ آپ نے اپنے فقر و فاقہ (۱) کو اللہ تعالیٰ کے لیے بنایا

۱۔ صحیح بخاری: 50، جلد 1، صفحہ 84 (نکر)

(۱) آپ عطا فرماتے کسی سے کچھ نہ لیتے اور نہ ہی غیر کی طرف متوجہ ہوتے۔ امام بیہقی نے شعب میں عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ  
نے فرمایا اے جبریل اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل کیوں بنایا کیونکہ آپ لوگوں کو کھانا کھلاتے اے محمد ﷺ۔ ابن منذر نے ابن ابزی سے روایت کیا ہے کہ  
حضرت ابراہیم نے ملک الموت سے پوچھا میرے رب نے کس وجہ سے مجھے اپنا خلیل بنایا۔ اس نے عرض کی آپ عطا کرنا پسند (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور ﷺ سے روایت کی گئی ہے جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو جبریل امین آئے عرض کی کیا کوئی حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم سے کوئی کام نہیں۔ حضرت جبریل امین نے عرض کی اپنے رب سے سوال کرو۔ آپ نے فرمایا میرے حال کے بارے میں اس کا علم میرے سوال کرنے سے کافی ہے۔ (۱)

سوال: اگر یہ سوال کیا جائے یہ معنی درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان **وَ اتَّخَذَ اللَّهُ ابْرَاهِيمَ خَلِيلًا** یہ جانیں سے خلعت کا تقاضا کرتا ہے جبکہ دونوں جانب سے حاجت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

جواب: ہم اس کا جواب دیں گے آپ کتاب کی ابتداء میں پہچان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات غایت کے اعتبار سے ہیں مبادی کے اعتبار سے نہیں ہوتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہے جو دونوں رحمت سے مشتق ہیں جس کا معنی رقت قلب ہے جو فضل و احسان کا تقاضا کرتا ہے۔ ان دونوں الفاظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے بطور فضل و احسان ہوتا ہے رقت قلب کے اعتبار سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ قلب اور اس کی رقت سے منزہ ہے پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے جب لفظ خلعت استعمال ہوگا تو مراد خالص محبت ہوگی جو حاجت کا نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس چیز سے پاک ہے کہ وہ کسی کا محتاج ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان **وَ اتَّخَذَ اللَّهُ ابْرَاهِيمَ خَلِيلًا** یہ جملہ معترضہ ہے اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں اس کا فائدہ یہ ہے کہ آپ کی ملت کی اتباع کے واجب ہونے کی تاکید ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا مقام پالے کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست بنا لے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا غلیل وہ دوست ہوتا ہے جس پر ایک انسان اپنے محبت اور محبوب کے اسرار پیش کرتا ہے۔

عبدالرزاق ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفاسیر میں زید بن سلم سے روایت کیا کہ زمین میں پہلا جابر حکمران نمود تھا۔ لوگ اس کے پاس کھانا لینے کے لیے جاتے۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ جب لوگ اس کے پاس کھانا لینے کے لیے پہنچے وہ پوچھا تمہارا رب کون ہے۔ وہ لوگ کہتے تو، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم اسکے پاس پہنچے۔ اس نے پوچھا تیرا رب کون ہے۔ فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ کہنے لگا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا اللہ تعالیٰ مشرق سے سورج طلوع کرتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ۔ تو کافر بہوت ہو گیا۔ تو نمود نے کھانے کے بغیر ہی آپ کو واپس کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر واپس لوٹے۔ آپ میالی ریت کے پاس سے گزرے۔ کہنے لگے کیا میں اس سے کچھ نہ لوں اور گھر والوں کے لیے لے جاؤں۔ جب میں گھر والوں کے پاس جاؤں گا تو ان کے دل خوش ہوں گے۔ آپ نے وہ ریت لے لی اور گھر تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنی چیزیں رکھیں پھر سو گئے۔ آپ کی بیوی اٹھی، اسے کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ بہترین غلہ ہے۔ اس سے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کو علم تھا کہ گھر والوں کے پاس کھانے پینے کو کوئی چیز نہیں۔ پوچھا یہ کھانا کہاں سے آیا؟ فرمایا اسی سے جو آپ لائے تھے تو آپ پہچان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرتے ہیں لیتے کچھ نہیں۔ دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی شش نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند کمزور ہے۔ زبیر بن بکاء سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی طرف وحی کی کیا تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں غلیل بنایا؟ عرض کی اے میرے رب نہیں۔ فرمایا میں تیرے دل پر مطلع ہوا میں نے پایا کہ تو عطا پسند کرتا ہے لہذا پسند نہیں کرتا۔

انہیں رزق بہم پہنچایا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ (1)

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ابو صالح سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غلہ لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ غلہ حاصل نہ کر سکے۔ آپ سرخ ریت کے پاس سے گزرے۔ آپ نے وہ ریت لے لی۔ پھر گھر لوٹ آئے۔ پوچھنے لگے یہ کیا ہے؟ فرمایا سرخ گندم۔ گھر والوں نے اسے کھولا تو اسے سرخ گندم پایا۔ اگر اس میں سے کوئی چیز کاشت کی جاتی تو اس سے ایک ایسا خوشہ نکلتا جو ابتدا سے آخر تک دانوں سے بھر اہوتا۔ (2)

امام بغوی نے ذکر کیا ہے کہ کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ کا گھر راستے پر تھا، جو بھی وہاں سے گزرتا آپ اس کی مہمان نوازی کرتے۔ لوگوں کو قحط نے آیا اور لوگ کھانا طلب کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ آپ کے لیے غلہ کی رسد مصری دوست کے پاس سے ہر سال آتی تھی۔ آپ نے اپنے غلام مصر میں دوست کے پاس بھیجے۔ آپ کے مصری دوست نے آپ کے غلاموں سے کہا اگر حضرت ابراہیم اپنے لیے غلہ چاہتے تو ہم بھیج دیتے۔ ہمیں بھی دوسرے علاقے کے لوگوں کی طرح قحط نے آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے غلام واپس پلٹے اور ایک وادی کے پاس سے گزرے۔ کہنے لگے کاش ہم اس وادی سے بوریاں بھر لیتے۔ بے شک ہمیں شرم آتی ہے کہ لوگوں کے پاس سے اس حال میں گزریں کہ ہمارے اونٹ فارغ ہوں۔ انہوں نے بوریاں مٹی سے بھر لیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور تمام صورتحال عرض کی جبکہ حضرت سارہ سورہی تھیں۔ دروازے پر لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے آپ پریشان تھے۔ آپ کو نیند آگئی اور آپ سو گئے۔ حضرت سارہ انھیں جبکہ دن چڑھ چکا تھا۔ کہا سبحان اللہ غلام نہیں آئے۔ لوگوں نے بتایا وہ آگئے ہیں۔ پوچھا وہ کچھ نہیں لائے۔ لوگوں نے بتایا وہ لائے ہیں۔ آپ بوریوں کی طرف تشریف لے گئیں۔ انہیں کھولا تو ان میں بڑا عمدہ آٹا نکلا۔ آپ نے روٹی پکانے والوں کو حکم دیا، انہوں نے روٹی پکائی اور لوگوں کو کھلائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے اور کھانے کی خوشبو پائی۔ پوچھا اے سارہ یہ کہاں سے کھانا آیا؟ عرض کی آپ کے مصری دوست کے پاس سے آیا۔ فرمایا میرے خلیل جو اللہ ہے اس کے پاس سے آیا ہے۔ فرمایا اس روز سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنا لیا۔ (3)

فائدہ: جب ہمارے نبی جو سید الانبیاء ہیں۔ آپ کا درجہ خلعت کے مقام سے بلند ہے کیونکہ آپ خالص محبوبیت کے مقام پر فائز ہیں۔ مقام خلعت سے آپ کا گزر اس طرح ہوا جس طرح ایک مسافر گزرتا ہے تو آپ نے گزرنے کی وجہ سے اپنا نام خلیل رکھا کیونکہ آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابو بکر صدیق کو خلیل بناتا۔ لیکن وہ میرا بھائی اور ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نبی کو خلیل بنا لیا ہے (4) اسے امام مسلم نے ابن مسعود کی حدیث سے روایت ہے اور کہا اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو میں حضرت ابو بکر صدیق کو خلیل بناتا، متفق علیہ (5) حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے مروی ہے، فرمایا خبردار تمہارا نبی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے (6) اسے امام ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اسے جندب سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو وصال سے پہلے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اپنا خلیل بنا لیا جس طرح حضرت ابراہیم کو خلیل بنا لیا۔ (7)

2- مصنف ابن ابی شیبہ: 31819 (الزمان)

4- صحیح مسلم: 3، جلد 15، صفحہ 124 (العلیہ)

6- جامع ترمذی: 3661 (العلیہ)

1- تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 191 (الامیریہ)

3- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 163 (الفکر)

5- مکتوبۃ المصاحح: 6019 (الفکر)

7- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 407 (العلیہ)

طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو ظلیل بنایا اور تمہارا نبی بھی اللہ تعالیٰ کا ظلیل ہے بے شک (حضرت) محمد ﷺ قیامت کے روز تمام بنی آدم کے سردار ہونگے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْضُودًا (۱) لیکن آپ اپنی علو شان کی وجہ سے اس مقام پر ہی محدود نہ رہے اور یہ شان محبوبیت کا تقاضا بھی نہ تھا کیونکہ آپ اس سے بہت بلند مقام پر فائز ہو چکے تھے۔ مگر آپ اپنے بعض مقبوعین کے لیے اس مقام کے خواستگار تھے تاکہ یہ تفصیل بھی آپ کا کمال شمار ہو کیونکہ مقبوعین کے کمالات بھی متبوع کا کمال شمار ہوتے ہیں۔

علماء اہلسنت نے بالا جماع اصول دین کی کتب میں اولیاء کی کرامات کو ان کے نبی کا معجزہ قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اچھے عمل کی بنیاد رکھی اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے اس پر عمل کیا ان کا اجر بھی ملے گا مگر عمل کرنے والے کے ذاتی اجر میں کمی واقع نہ ہوگی۔ (۱) حضور ﷺ کا فرمان ہے بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والا عمل کرنے والے کی طرح ہے (۲) جو کچھ ہم نے روایت کیا ہے وہ تیری اس بارے میں راہنمائی کرتا ہے کہ امت کے اعمال اور کمالات نبی کریم ﷺ کے اعمال اور کمال میں داخل ہیں، اپنے لیے اور اپنے غلاموں کے لیے۔ اس تفصیل کے حصول کے لیے حضور ﷺ نے دعا مانورہ میں فرمایا اللھم صل علی محمد وال محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو قبول کیا اور ایک ہزار سال بعد حضرت مجدد الف ثانی کو خلعت کا مقام عطا کیا آپ مقام خلعت میں متمکن رہے اور اس کی تفصیل سے متصف ہوئے۔ آپ سے قبل کسی کو یہ مقام نصیب نہ ہوا یا تو اس لیے کہ بعض سابقین اس سے بلند مقام پر فائز تھے۔ جس طرح اکابر صحابہ اور ائمہ اہل بیت جو حضور ﷺ کی تبع میں خالص مقام محبوبیت پر فائز رہے یا اس مقام تک پہنچ ہی نہ سکے۔ ذلک فضل اللہ یؤتی من یشاء واللہ

ذوالفضل العظیم

حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کی مثال بارش جیسی ہے۔ یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہترین ہے یا آخری (۳) یا باغ کی مانند ہے جو ایک سال ایک جماعت کو رزق بہم پہنچاتا ہے اور دوسرے سال دوسری جماعت کو رزق بہم پہنچاتا ہے۔ ممکن ہے دوسرے سال والے رزق میں زیادہ وسیع زیادہ خوشحال اور زیادہ اچھی حالت میں ہوں۔ اسے رزقین نے روایت کیا جو جعفر بن محمد سے مروی ہے۔

یہ امر کشف صحیح سے ثابت ہے اگر کوئی انکار کرتا ہے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہماری گفتگو ان لوگوں سے ہے جو قول سنتے ہیں، اس کی اچھی طرح اتباع کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور یہی دانش مند ہیں میں نے یہ بحث اس لیے ذکر کی کیونکہ بعض کوتاہ اندیش حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور گمان کرتے ہیں کہ یہ محال اور کفر ہے جبکہ

1۔ صحیح مسلم: 15، جلد 16، صفحہ 184 (العلمیہ) 2۔ بحکم اوسط طبرانی، جلد 3، صفحہ 196 (العارف)

3۔ مجمع الزوائد: 16708 (المفکر)

(۱) امام ترمذی اور ابن مردودہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کے ظلیل ہیں وہ اسی طرح ہیں، مگر میں اللہ کا حبیب ہوں۔ یہ کوئی اظہار فخر نہیں کرتا۔ بے شک میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی، یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ سب سے پہلے میں جنت کی زنجیر ہلاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ اسے کھول دے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا۔ میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے، یہ فخر نہیں کر رہا۔ میں قیامت کے روز اولین و آخرین میں معزز ترین ہوں گا۔ یہ فخر نہیں کر رہا۔ ابن جریر اور طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو ظلیل بنایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے لئے منتخب کیا اور حضور ﷺ کو دیدار کے لئے منتخب کیا۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ





الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ ۗ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۗ وَمَا تَفَعَّلُوا  
مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٠٤﴾

”اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے لے عورتوں کے بارے میں لے آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں ان کے بارے میں اور وہ آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں تم پر اس کتاب (قرآن میں) لے (ان میں احکام ہیں) ان یتیم بچوں کے متعلق لے جنہیں تم نہیں دیتے ہو جو (حق) مقرر کیا گیا ان کے لیے لے اور خواہش کرتے ہو کہ خود نکاح کر لو ان کے ساتھ لے (انکا مال دبوچنے کے لیے) اور (قرآن میں احکام ہیں) کمزور بچوں کے متعلق لے اور وہ یہ کہ قائم رہو یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر لے اور جو کرو گے بھلائی (کے کاموں) سے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے لے“

لے یعنی آپ سے پوچھتے ہیں۔ صحاح میں ہے فتویٰ سے مراد مشکل احکام کا جواب ہے۔

لے ابن منذر نے سعید بن جبیر سے نقل کیا کہ مرد بچے اور عورت کو وارث نہیں بناتے تھے۔ جب سورہ نساء میں میراث کے احکام نازل ہوئے تو یہ لوگوں پر بڑے شاق گزرے۔ کہنے لگے بچہ اور عورت بھی مرد کی طرح وارث ہوں گے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (1) اس طرح عبد بن حمید اور ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔

امام بغوی نے کہا کلبی نے ابو صالح سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ام کہ کی بیٹیوں اور ان کے اپنے والد سے وارث بننے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ قصہ سورت (1) کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے۔ آیت میں وہ مرد مراد ہے جس کی پرورش میں ایک یتیم بچی ہوتی جس کا یہ ولی اور وارث ہوتا اور وہ بچی اس کے مال میں بھی شریک ہوتی تو اس پر معاملہ بڑا مشکل ہو جاتا (2) وہ اس سے شادی کرنے سے بھی اعراض کرتا اور کسی اور سے شادی کرنا بھی ناپسند کرتا کہ کہیں دوسرا فرد اس کے مال میں داخل نہ ہو جائے۔ وہ اس عورت کو اپنے پاس ہی روکے رکھتا یہاں تک کہ وہ مر جاتی۔ پھر وہ اس کا وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس امر سے منع کیا (3) حضرت عائشہ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ آیت میں وہ بچی مراد ہے جو مرد کی زیر پرورش ہوتی وہ مرد اس کا ولی ہوتا۔ جب وہ خوبصورت اور مالدار ہوتی تو اس کے مہر سے کم پر اسی سے نکاح کر لیتا۔ جب مال اور جمال کی کمی کی وجہ سے اس میں رغبت نہ رکھتا تو اسے چھوڑ دیتا۔

لے اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے واضح فرماتا ہے۔ اسم موصول کا عطف لفظ جلالت اللہ پر ہے یا يُفْتِيكُمْ میں موجود پوشیدہ ضمیر پر ہے، فاصلہ کی وجہ سے یہ جائز ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: يُفْتِيكُمْ اللَّهُ فِيهِنَّ وَ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ كِتَابُهُ (ب) مراد آیت میراث ہے یا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً اور اسی طرح کی دوسری آیت یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہو۔ مقصود ان آیات کی عظمت بیان کرنا ہے جو ان پر تلاوت کی جاتی ہیں اس شرط پر کہ اسم موصول مبتدا ہو اور فی الکتب اس کی خبر ہو کتاب

1- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 408 (العلمیہ) 2- صحیح بخاری: 4324 (ابن کثیر) 3- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 164 (الفکر)

(ا) قاضی اسماعیل نے احکام القرآن میں عبد الملک سے روایت کیا کہ عمرہ بنت حزم سعد بن ربیعہ کے عقد میں تھیں جو غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ آپ کی ایک بیٹی جو حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے باپ کی میراث لینے کے لئے حاضر ہوئی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(ب) امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا کہ اس میں ماہی نسی سے اشارہ ہوا اِنْ خِفْتُمْ اَلَا تَقْسِطُوا لِي الْيَتَامَىٰ کی طرف ہے۔

سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول فعل مخدوف کی وجہ سے منصوب ہو۔ معنی یہ ہوگا جو تم پر تلاوت کیا جاتا ہے اس کی وضاحت کر دے یا قسم کی وجہ سے محل جر میں ہو۔ گویا کلام یوں کی گئی جو تم پر تلاوت کی جاتی ہے میں اس کی قسم اٹھاتا ہوں۔  
 ۴۔ یہ یتلی کے متعلق ہے۔ اگر اسم موصول کو ماقبل پر عطف کیا جائے یا اسم موصول منصوب یا مجرور ہو، یعنی ان کے متعلق جو تم پر تلاوت کی جاتی ہیں یا یہ یُنْفِثُكُمْ کا دوسرا صلہ ہے۔ وہ یتیم عورتوں کے سبب سے ان عورتوں کے متعلق پوچھتا ہے جس طرح حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہے ایک عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔ یہ اضافت بیانیہ ہے کیونکہ مضاف الیہ مضاف کی جنس سے ہے۔  
 ۵۔ یعنی میراث مہر اور اس کے علاوہ دوسرے حقوق میں سے جو ان کے لیے فرض کئے گئے۔

۶۔ جب خوبصورت ہوں تو ان سے نکاح میں رغبت رکھتے ہیں جب بد صورت ہوں تو ان سے نکاح کرنے میں اعراض کرتے ہیں۔ ابن منذر نے حضرت حسن اور ابن سیرین سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ ایک نے کہا اس کا معنی ہے کہ تم ان میں رغبت رکھتے ہو اور دوسرے نے کہا اس کا معنی ہے کہ تم ان سے اعراض کرتے ہو (۱) ابن ابی شیبہ نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ تم ان سے اعراض کرو اور دیا تو عطف کے لیے ہے یا حال کے لیے ہے۔

۷۔ اس کا عطف یتامی النساء پر ہے کیونکہ وہ انہیں وارث نہیں بناتے تھے، جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا اور ان کے مال کھا جاتے تھے، یعنی تم پر یتیموں کے بارے میں جو تلاوت کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ۔

۸۔ اس سے مراد میراث اور احوال میں انصاف کرنا ہے۔ اس کا عطف بھی یتیمی النساء پر ہے، یعنی تم پر تلاوت کیا جاتا ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف کرو۔ یہ معنی کرنا اس وقت درست ہوگا جب یتیمی النساء یتلی کے متعلق ہو۔ اگر تو اسے بدل بنائے تو پھر فیہن کے محل پر عطف کرنے کی وجہ سے منصوب پڑھنا مناسب ہوگا۔ ان تقو مو کو فعل کے مضمومانے کے ساتھ بھی نصب دینا جائز ہے، یعنی اے امہ یا اے اولیاء اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ عدل و انصاف کرو۔

۹۔ یعنی عورتوں، یتیموں اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں جو تم بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے تو وہ تمہیں ضرور ثواب دے گا۔ امام بخاری ابو داؤد اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، امام ترمذی نے اسی کی مثل حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت سودہ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ نبی کریم ﷺ اس سے مفارقت اختیار کر لیں گے۔ جب وہ بوڑھی ہو گئیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میری باری بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (2)

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُورًا أَوْ إِعْرَاصًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۳۸﴾

”اور اگر کوئی عورت ۱۔ خوف کرے اپنے خاوند سے ۲۔ (اس کی) زیادتی سے یا روگردانی کی وجہ سے ۳۔ تو نہیں کوئی حرج ان دونوں پر کہ صلح کر لیں ۴۔ آپس میں ۵۔ اور صلح ہی (دونوں کے لیے) بہتر ہے ۶۔ اور موجود رکھا گیا ہے نفسوں میں بخل ۷۔ اور اگر تم احسان کرو ۸۔ اور متقی بنو ۹۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے ۱۰۔“

۱۔ یہ مرفوع ہے جس کا فعل محذوف ہے۔ اس فعل محذوف کی تفسیر مابعد فعل کر رہا ہے۔

۲۔ یہ جائز ہے کہ خافت امر اقل صفت ہو فعل مقدر کانت ہو۔ تقدیر کلام یوں ہو وان کانت امرأة خافت یعنی اسے توقع ہو۔

۳۔ عورت کو خاوند کی طرف سے صحبت سے اعراض کا خوف ہو کیونکہ خاوند اسے پسند نہیں کرتا، یعنی عورت کو خوف ہوا کہ خاوند سے طلاق دے دے گا کیونکہ یہ چیز اس کے لیے نشانیوں سے ظاہر ہوئی۔

۴۔ یا خاوند نے اس سے اپنا رخ پھیر لیا۔ اس کی صورت یہ بنی کہ اٹھنا بیٹھنا بات چیت کم ہو گئی۔ اس نے حقوق ادا کرنا چھوڑ دیا جبکہ عورت یہ ارادہ رکھتی ہے کہ وہ اسے طلاق نہ دے۔

۵۔ اس کی اصل اتصالحا ہے۔ اس کی تاء کو صاد سے بدلا گیا اور صاد کو صاد میں مدغم کر دیا گیا۔ اکثر قراء نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ کوفیوں نے اسے يصلحا پڑھا ہے یہ اصل سے مشتق ہے۔

۶۔ عورت کچھ مہر یا تمام مہر یا تمام نفقہ یا اپنی باری یا اپنی طرف سے کوئی چیز خاوند کو بہہ کر دے جس کے ذریعے وہ خاوند کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہو۔

امام بغوی نے کہا خاوند اپنی بیوی کو کہتا ہے تو بوڑھی ہو چکی ہے، میں ایک نوجوان اور خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں جسے میں تجھ پر دن اور رات میں ترجیح دوں گا۔ اگر تو اس پر راضی ہو تو میرے پاس ہی رہ، اگر تو اسے ناپسند کرے تو میں تجھے آزاد کر دیتا ہوں۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو وہ احسان کرنے والی ہوگی، اسے اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اگر وہ حق کے بغیر راضی نہ ہو تو خاوند پر لازم ہو گا کہ اس کی باری اور نفقہ کے بارے میں اس کا حق پورا کرے یا اچھے طریقے سے اسے آزاد کر دے۔ اگر خاوند اسے طلاق نہ دے اور اس کا حق پورے کا پورا ناپسندیدگی کے باوجود تیار ہے تو مرد مسخ ہوگا۔

مقاتل بن حبان نے کہا اس کی صورت یہ ہے کہ مرد کے عقد نکاح میں ایک بڑی عمر کی عورت ہو جس کی موجودگی میں وہ ایک نوجوان عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ وہ بوڑھی بیوی سے کہتا ہے میں اپنے مال میں سے تجھے حصہ دیتا ہوں تاکہ باری میں جتنا تیرا حصہ بنتا ہے اس سے زیادہ اسے حصہ دوں گا جس چیز پر وہ باہم مصالحت کرتے ہیں۔ وہ عورت اس پر راضی ہے تو ٹھیک ہے اگر اس پر راضی ہونے سے انکار کر دے تو خاوند پر باری کہ معاملہ میں عدل کرنا لازم ہوگا۔

اس آیت کے متعلق حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت خاوند کے عقد میں، ہو خاوند اس کی خست یا زیادہ عمر کی وجہ سے اکتا چکا ہو، عورت اس سے جدائی کو ناپسند کرتی ہے۔ اگر عورت خاوند کو اپنا مال دے دے تو یہ بھی خاوند کے لیے حلال ہے۔ اگر وہ اپنی باری دوسری عورت کو دے دے تو یہ بھی حلال ہے (۱) بینہما کے لفظ سے اشارہ یہ ملتا ہے کہ تیسرے آدمی کی مداخلت کے بغیر وہ صلح کر لیں تو زیادہ پسندیدہ ہے تاکہ کوئی دوسرا فرد ان دونوں کی کسی ایسی چیز پر مطلع نہ ہوں جس کی وجہ سے ان پر عیب لگایا جاسکے۔ صلحا یہ مفعول مطلق ہے اور بینہما یہ مفعول بہ ہے یا مفعول بہ محذوف ہے۔

اعتراض: صلحا کو مفعول مطلق بنانا اس وقت درست ہو سکتا ہے اگر صلح کو اصلاح یا تصالح کے معنی میں لیا جائے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ صلح بھی اصلاح کا ایک فرد ہے اسے مفعول مطلق بنانے کے لیے یہی کافی ہے کہ مفعول مطلق مذکورہ

فعل کے مصدر کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے جس طرح رب العالمین کے اس ارشاد میں ہے اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا۔

دوسری قرأت کی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ صلحا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو اس صورت میں اسی معنی کا ارادہ کرنا ہوگا کہ وہ آپس میں ایسی صلح کریں جو فساد سے خالی ہو اس آیت سے دلالت النص کے ذریعے یہ معنی بھی سمجھ آتا ہے اگر مرد کو عورت کی طرف سے حکم عدولی کا خوف ہو تو پھر بھی مصالحت میں کوئی حرج نہیں۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہو۔

بے جدائی، جھگڑے اور برے معاملہ سے صلح بہتر ہے یا معنی یہ ہوگا کہ صلح تمام بھلائیوں میں سے بہترین بھلائی ہے جس طرح خصومت تمام برائیوں میں سے بدترین برائی ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور کراہت کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہے جو لاجناح سے سمجھا جا رہا تھا کیونکہ یہ گناہ کی نفی کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کیونکہ عورت کا خاوند کو اپنا حق دینا رشوت کے مشابہ ہے۔ یہ آیت اگرچہ میاں بیوں کے درمیان میں مصالحت کے بارے میں وارد ہوئی تاکہ حقوق نکاح کے متعلق واقع ہونے والی خصومت کو دور کیا جائے لیکن یہ لفظ عام ہے جو ہر ایسی صلح کو شامل ہو سکتا ہے جو صحیح دعویٰ کے بعد واقع ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں (1) اقرار کی صورت میں صلح (2) سکوت کی صورت میں صلح (3) انکار کی صورت میں صلح۔ یہ تینوں قسمیں امر ثلاثہ کے نزدیک جائز ہیں کیونکہ یہ آیت مطلق ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے دعویٰ کے انکار اور اس پر خاموشی کی صورت میں صلح کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان واقع ہونے والی ہر صلح جائز ہے مگر ایسی صلح جائز نہیں جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے اور مسلمانوں کو باہم ہر شرط لگانا جائز ہے مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کر دے (1) اسے امام حاکم نے کثیر بن عبد اللہ بن عوف سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔

اس استدلال کی دلیل یہ ہے کہ یہ عوض دینے والے پر تو حلال تھا لینے والے پر حرام تھا صلح کے بعد معاملہ (1) الٹ ہو جائیگا اور اس لیے بھی کہ مدعی علیہ اپنا مال اسی لیے دیتا ہے تاکہ خصومت کو ختم کرے۔ یہی تورشوت (ب) ہے۔

امر ثلاثہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل) نے کہا یہ حدیث تو ہماری دلیل ہے، ہمارے خلاف دلیل نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا یہ فرمان کل صلح جائز مطلق ہے اور حضور ﷺ کا فرمان الا ضلحنا اخل خرافا سے مراد یہ ہے جو بالذات حرام ہو اس کو حلال کرنے کی صلح جیسے شراب پر صلح کی جائے۔ یا جو بالذات حلال ہو اس کو حرام کرنے کی صلح جس طرح کہ وہ اپنی عورت سے اس شرط پر صلح کرتا ہے کہ وہ اس کی سوکن سے حقوق زوجیت ادا نہیں کرے گا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے عورت مرد سے اس شرط پر صلح کرتی ہے کہ وہ اسے طلاق نہ دے اور وہ اپنی باری اپنی سوکن کو دے دی گی تو یہ صلح بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اس نے اپنا حق ساقط کیا ہے جبکہ خاوند کے لیے اپنے طور پر کسی عورت کو باری میں ترجیح دینا حرام ہے جبکہ اب باہم رضامندی کے بعد یہ حلال ہے۔ دعویٰ پر خاموشی اور انکار کی صورت میں دعویٰ صحیح کے بعد صلح شمار ہوگی جو جائز ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ مدعی اپنے گمان کے مطابق اپنے حق کے عوض پر صلح کرتا ہے یہ جائز ہے اور مدعی علیہ خصومت سے اپنی جان چھڑانے کے لیے صلح کرتا ہے یہ بھی جائز ہے کیونکہ جان کو بچانے

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی: 1352 (العلمیہ)

(ا) جب مال اس نے مدعی کے حوالے کر دیا تو اس کے لئے حلال ہو جائے گا جبکہ اصل میں ایسا نہ تھا۔

(ب) رشوت دینا جائز نہیں، اس لئے یہ صلح بھی جائز نہیں۔

کے لیے مال دینا اور ظلم ختم کرنے کے لیے رشوت دینا۔ یہ بھی جائز ہے مگر جو یہ جانتا ہے کہ مدعی کا اس پر حق ہے اور یہ مدعی کے لیے اقرار نہیں کرتا جس کی وجہ سے مدعی اپنا حق ثابت کرنے سے عاجز رہتا ہے اور وہ اپنے بعض حق پر مصالحت کر لیتا ہے، مدعی علیہ کے لیے عند اللہ یہ حلال نہیں۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کیونکہ اس نے مدعی کا حق غصب کیا ہے مگر جب وہ اسے جانتا ہی نہیں اور اس پر دعویٰ کر دیا گیا تو تینوں ائمہ کے نزدیک یہ صلح جائز ہے جبکہ امام شافعی نے اس سے منع کیا ہے۔

مسئلہ: اگر صلح اقرار کی صورت میں ہو تو اس میں انہیں چیزوں کا اعتبار کیا جائیگا جو بیع و شراء میں معتبر ہوتی ہیں۔ اگر صلح مال کے بدلے مال سے وہ اس میں بیع کے غیر منقولہ ہونے کی صورت میں شفع ہو سکے گا عیب کی وجہ سے اسے لوٹایا جاسکے گا، اس میں اختیار رؤیت اور اختیار شرط ثابت ہوگا، بدل کی جہالت اس صلح کو باطل کر دے گی لیکن متنازع فیہ چیز کی جہالت اس صلح کو فاسد نہ کرے گی کیونکہ وہ تو ساقط ہو جائیگی جو تنازع کا باعث نہ ہوگی اس میں بدل کو سپرد کرنے کی قدرت بھی شرط ہے۔ اگر یہ صلح مال کے بدلے منافع سے ہو تو اس میں اجارہ کا اعتبار کیا جائیگا۔ اس میں ہمت کی تعیین شرط ہوگی۔ مدت کے اندر ایک فریق بھی ہلاک ہو گیا تو یہ صلح ختم ہو جائیگی۔

مسئلہ: مدعی علیہ کی طرف سے دعویٰ کے بارے میں خاموشی اور انکار کی صورت میں جس مال پر صلح کی جائیگی وہ قسم کا فدیہ ہوگا اور مدعی کے حق میں اس کے دعویٰ کا معاوضہ ہوگا۔ اگر دعویٰ ایک گھر ہے۔ بارے میں تھا اور مدعی علیہ نے قسم سے بچنے کے لیے کسی مال پر صلح کی تو اس گھر پر شفعہ نہ کیا جاسکے گا مگر جب مدعی علیہ نے مدعی کو کوئی گھر دے کر صلح کی اس گھر پر شفعہ کیا جاسکے گا۔

مسئلہ: اگر مدعی نے ایک گھر پر دعویٰ کیا تو مدعی علیہ نے اسی گھر کا ایک حصہ دے کر صلح کر لی تو صلح صحیح نہیں ہوگی کیونکہ اس نے جس چیز پر قبضہ کیا وہ تو اس کے حق میں سے ہی ہے وہ ابھی اپنے دعویٰ پر باقی رہے گا۔ ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ بدل صلح کے طور پر کچھ درہم بھی دے یا وہ باقی ماندہ دعویٰ سے برات کا اظہار کر دے۔

مسئلہ: عدا (ا) یا خطا (ب) کوئی جنایت کی ہے تو پھر بھی صلح کرنا صحیح ہے کیونکہ وہ بھی ایک حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَسْنُ عَفْوَ لَدُنَّ مِنْ آخِيهِمْ فَاْتِيَابًا بِالْمَعْرُوفِ وَاَدَّاءُ الْيَتِيْمِ بِاِحْسَانٍ۔ اگر مرد کی طرف سے نکاح کا دعویٰ ہو تو عورت کی جانب سے جو مال دیا جائیگا وہ صلح کا بدل تصور کیا جائیگا۔ اگر کسی کی طرف سے دوسرے آدمی پر غلام کے مالک ہونے کا دعویٰ ہو اور غلام کی جانب سے مال پر صلح ہو تو اسے مال کے بدلے میں آزادی پر محمول کیا جائیگا۔

مسئلہ: اگر صلح قرض کے دعویٰ پر ہو تو اسے بعض حق وصول کرنے اور بعض کو ساقط کرنے پر محمول کیا جائیگا جس نے ہزار عمدہ درہم کے دعویٰ پر پانچ سو کھوٹے مؤجل درہم کے عوض صلح کی تو یہ صلح درست ہوگی کیونکہ اس نے بعض حق قدر و وصف کے اعتبار سے کر دیا ہے اور باقی ماندہ کی مدت معین کر دی ہے۔ اگر دعویٰ ہزار کھوٹے درہم کا ہو اور صلح عمدہ پانچ سو درہم پر ہو تو یہ جائز نہیں کیونکہ عمدہ درہم پر اس کا حق نہیں تھا۔ یہ وصف کے اعتبار سے دعویٰ پر بڑھ کر ہیں تو یہ ہزار کا پانچ سو درہم کا معاوضہ ہوگا اور ساتھ ہی وصف کی زیادتی ہوگی۔ یہی سود ہے۔ اگر درہم کے دعویٰ پر دنانیر سے صلح ہو تو جدائی سے پہلے دیناروں پر قبضہ شرط ہے کیونکہ یہ بیع صرف کی صورت ہے۔ واللہ اعلم۔

سعید بن منصور رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت محمد بن مسلم کی بیٹی حضرت رافع بن

خدیجہ کے عقد میں تھیں حضرت رافع نے ان کی کسی بات کو ناپسند کیا وہ بڑھا پاتا تھا یا کوئی اور حضرت رافع نے اسے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو ان کی بیوی نے کہا مجھے طلاق نہ دو جو تم مناسب سمجھو میرا حصہ مقرر کر دو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1) اس روایت کے کئی اور شواہد بھی ہیں۔ امام حاکم نے سعید بن مسیب کی سند سے انہوں نے رافع بن خدیج سے نقل کیا ہے۔

امام بغوی نے کہا یہ آیت عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسے خویلد بنت محمد بن مسلم بھی کہتے۔ ان کے خاوند کا نام اسعد بن ربیع تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے وہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اس عورت سے اس وقت شادی کی جب وہ جوان تھیں۔ جب یہ بوڑھی ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان عورت سے شادی کی دوسری بیوی کو ترجیح دی اور محمد بن مسلم کی بیٹی پر ظلم کیا۔ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں اور اپنی شکایت پیش کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (2)

امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جس کی ایک بیوی نے اس کے کئی بچے جنمے۔ اب اس نے بیوی بدلنے کا ارادہ کیا اس کی بیوی اس پر راضی ہو گئی کہ وہ اسی خاوند کے پاس رہے گی جبکہ خاوند اس کے لیے کوئی باری نہ رکھے گا۔

امام بغوی نے کہا حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک مرد کی بیوی تھی جو بوڑھی ہو گئی، اس کے کئی بچے تھے۔ اس مرد نے بیوی کو طلاق دینے اور دوسری شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ عورت نے کہا مجھے طلاق نہ دو، مجھے میرے بچوں کے پاس رہنے دو۔ اگر چاہو تو دو ماہ میں ایک باری میرے لیے متعین کر دو، اگر چاہو تو میرے لیے کوئی بھی باری نہ رکھو۔ مرد نے کہا اگر تو اس پر مصالحت کر لے تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنا معاملہ ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (3)

ابن جریر نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک عورت آئی اور اس نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تم میرا خرچہ معین کر دو جبکہ پہلے وہ نفقہ چھوڑنے پر راضی ہو گئی تھی کہ وہ اسے طلاق نہ دے اور اس کے پاس بھی نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت کو نازل فرمایا۔ (4)

یعنی فطرتاً بخل اس کے لیے حاضر کیا گیا جو اس سے کسی صورت میں غائب نہیں ہوتا۔ شیخ سے مراد لالچ کے ساتھ بخل ہے۔ صحاح اور قاموس میں اسی طرح ہے (5) یعنی بخل عموماً انسان سے غائب نہیں ہوتا۔ عورت بھی اس معاملہ میں سخاوت نہیں کرتی۔ نہ خاوند اس سے اعراض کرے اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور نہ ہی مرد اس معاملہ میں سخاوت کرتا ہے کہ وہ عورت کو اپنے پاس ہی رکھے اور مناسب حقوق بھی ادا کرے، جبکہ وہ اس عورت کو ناپسند کرتا ہو اور کسی اور کو محبوب جانتا ہو۔ یہ جملہ بھی جملہ معترضہ ہے۔ پہلا جملہ مصالحت کی ترغیب کے لیے تھا اور یہ جملہ اپنے حق پر اڑے رہنے کے عذر کی تمہید کے لیے ہے کیونکہ یہ دونوں جملے جملہ معترضہ ہیں۔ اس لیے دونوں جملوں کا مختلف ہونا قابل معافی ہے۔ پہلا جملہ اسمیہ اور دوسرا فعلیہ ہے۔

اگر تم حسن معاشرت کا اظہار کرو، یعنی خاوند بیویوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ عدل و انصاف قائم کرنے میں اچھا طرز عمل اپنائیں اگر وہ عورتوں کو ناپسند کرتے ہوں اور عورتیں مردوں کے حقوق کی ادائیگی میں اچھا رویہ اپنائیں جبکہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 411 (العلیہ)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 166 (الفکر)

3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 411 (العلیہ)

5۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 342 (التراث العربی)

4۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 200 (الامیریہ)

۱۱۔ نافرمانی، اعراض اور حق میں کمی کرنے سے بچیں۔

۱۲۔ یعنی جو تم احسان یا تکلیف پہنچاتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے تو وہ تمہیں اس پر ضرور جزا دے گا یہاں اعمال سے آگاہی کو انہیں بدلہ دینے کی جگہ رکھا گیا ہے جو حقیقت میں جواب شرط ہے یہ اس طرح ہے جس طرح سب کو سبب کے قائم مقام رکھ دیا جاتا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَسِيْلُوا كُلَّ الْمَيْلِ  
فَتَذَرُوْهَا كَالْمَعْلَقَةِ ۗ وَاِنْ تَصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

”اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ پورا پورا انصاف کرو اپنی بیویوں کے درمیان۔ اگرچہ تم اس کے بڑے خواہشمند بھی ہو۔ تو یہ نہ کرو کہ جھک جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل سچ اور چھوڑ دو دوسری کو جیسے وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو سچ اور اگر تم درست کر لو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

۱۳۔ اے لوگو تم عورتوں کے درمیان عدل اور عورتوں میں سے کسی ایک کی طرف کسی وجہ سے بھی زیادہ میلان نہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ بہت ہی مشکل ہے جبکہ وہ عورت اسے محبوب ہو۔ مکمل عدل یہ ہے کہ وہ باری، نفقہ، وقت گزارنا، دیکھنا، متوجہ ہونا، شیریں کلامی اور ہنسی مذاق وغیرہ میں برابری ہو۔ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج میں باری معین فرماتے اور مساوات قائم رکھتے تو پھر بھی کہتے اے میرے اللہ جس کا میں مالک ہوں وہ میری یہ تقسیم ہے جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں (۱)۔ یعنی محبت اس پر میرا مواخذہ نہ کرنا۔ اے امام احمد چاروں سنن والوں ابن حبان اور حاکم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور سنن اربعہ کے مصنفین اور دارمی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسے نقل کیا ہے۔

۱۴۔ یعنی باری بنانے اور نفقہ دینے میں تم مبنغوض پر مکمل ظلم نہ کرو، یعنی اپنے افعال کو خواہشات کے تابع نہ بنا دو۔

۱۵۔ کہ تم ناپسندیدہ بیوی کو عضو معطل بنا دو۔ یہ وہ عورت ہوتی ہے جسے نہ طلاق ہوئی ہو اور نہ ہی خاوند والی ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس کی دو بیویاں ہوں وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے روز یوں آئیگا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوگا (۲) اے سنن اربعہ کے مصنفین اور دارمی نے نقل کیا ہے۔

۱۶۔ یعنی تم اپنے امور میں سے جسے خراب کرتے رہے۔ اگر اسے درست کرو اور آنے والے وقت میں بچتے رہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ گناہ بخش دے گا۔

وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يَغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ وَّاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

”اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو غنی کر دیگا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسیع بخشش سے اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش

والا حکمت والا ہے۔“

۱۷۔ یعنی اگر میاں بیوی طلاق کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت اور قدرت کے ساتھ ایک کو دوسرے سے غنی کر دے گا، یعنی عورت کو کوئی دوسرا خاوند اور مرد کو کوئی دوسری عورت عطا فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر

اور وسیع فضل و رحمت والا ہے یا وہ ایسی قدرت اور وسعت والا ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں کیونکہ ہر چیز اور وجود اللہ تعالیٰ کی خیرات اور وجود کا پرتو ہے وہ حکیم ہے کیونکہ وہ اپنے افعال اور احکام کو مضبوط بنانے والا ہے۔

مسئلہ: اس آیت اور سنت کے نتیجہ میں خاوند پر واجب ہے کہ وہ باری میں عورتوں کے درمیان برابری کرے۔ اگر اس نے باری میں مساوات کو ترک کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اس پر مظلومہ کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ شرط رات گزارنے میں برابری کرنا ہے جماع ضروری نہیں کیونکہ اس کا دار و مدار چستی پر ہے جو اس کے بس میں نہیں۔ اگر اس کے عقد میں ایک آزاد اور ایک لونڈی ہو تو باری میں آزاد کے لیے دو حصے اور لونڈی کے لیے ایک حصہ ہوگا۔ اثر بھی اس طرح وارد ہوا ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی فیصلہ کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے استدلال کیا۔ ابن حزم کا منہال بن عمر اور ابن ابی لیلیٰ کے واسطے سے ضعیف قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ یہ دونوں ثقہ اور حافظ تھے۔ جب کسی مرد نے نئی عورت سے شادی کی تو پرانی اور نئی بیوی باری میں برابر حق رکھتی ہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے کیونکہ مذکورہ حدیث مطلق ہے۔ جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک نئی بیوی اگر باکرہ ہو تو سات دن اس کے پاس گزارے، اگر شیبہ ہو تو تین دن گزارے، پھر سب میں مساوات کرے۔ پرانی بیویوں کے لیے ان راتوں کی قضا نہیں ہوگی کیونکہ ابو قلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سنت یہ ہے کہ جب مرد نے شیبہ کے اوپر باکرہ سے شادی کی تو اس کے پاس سات دن قیام کرے پھر ان میں باری معین کرے، اگر وہ شیبہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن رہے پھر باری معین کرے۔ ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر میں چاہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً نقل کیا ہے یہ روایت متفق علیہ ہے۔ (1)

جب مرد سفر کا ارادہ کرے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر میں ان کی باری کا کوئی حق نہیں۔ ان میں سے جس کے ساتھ چاہے وہ سفر کرے۔ تاہم مناسب یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈالے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں جس طرح دونوں مذہب ہیں۔

اگر مرد نے قرعہ اور رضا مندی کے بغیر سفر کیا تو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مرد پر ان کے حق میں قضا لازم ہوگی، جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک قضا واجب نہیں ہوگی۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو آپ اپنی بیویوں میں قرعہ ڈالتے جس کا قرعہ نکلتا اسے ساتھ لے جاتے، متفق علیہ۔ (2)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضور ﷺ کی طرف سے یہ عمل سکون قلب کے لیے تھا جو مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ مرد جب سفر پر ہو تو عورت کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی ساتھ نہ لے جائے۔ اس طرح اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو سفر پر ساتھ لے جائے۔

اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سب کو ترک کرنا غیرت اور اذیت کا باعث نہیں ہوتا مگر جب وہ ان میں سے ایک کو ترجیح دے تو



معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔

اگر بیویوں میں سے ایک دوسری بیوی کے لیے اپنی باری چھوڑ دے تو یہ جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث طیبہ ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب بوڑھی ہو گئیں، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دی ہے حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو باریاں رکھتے۔ ایک آپ کی اپنی اور دوسری حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ یہ روایت متفق علیہ ہے (۱) اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اس سے رجوع کرے کیونکہ اس نے اس حق کو ساقط کیا جو ابھی تک ثابت نہ تھا۔

امام بغوی نے کہا سلیمان بن یسار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا سِوَى تَفْسِيرٍ مِّمَّنْ فَرَمَا۔ اگر عورت اپنے حقوق میں سے باری اور نفقہ کے بارے میں صلح کرے تو جس پر وہ راضی ہوئی تو یہ جائز ہوگا، اگر صلح کے بعد اس نے انکار کر دیا تو یہ اس کے لیے جائز ہے اور اس کا حق اسی کے لیے ہوگا۔ (2)

مسئلہ: عورت کی مرضی کے بغیر مرض کی وجہ سے باری کا ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ مرض وصال میں دریافت کرتے میں کل کہاں ہوں گا؟ سوال سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دن ہوتا تو آپ کی ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی کہ جہاں آپ چاہیں آپ رات گزاریں تو پھر آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں رہے یہاں تک کہ آپ نے وہیں وصال فرمایا اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (3)

وَاللّٰهُ مَا فِي السَّمَوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰتَوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ اتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ مَا فِي السَّمَوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

”اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بے شک ہم نے حکم دیا ان لوگوں کو جنہیں دی گئی کتاب ہے تم سے پہلے ہے اور حکم دیا تمہیں بھی ہے کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے ۱۳۱ اور اگر کفر کرو ۱۳۱ تو بے شک اللہ کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۱۳۱ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور ہر تعریف کا مستحق ہے ۱۳۱“

۱۳۱ یعنی پیدا کرنے اور ملکیت کے اعتبار سے اسی کا ہے۔ یہ اس کی کمال وسعت اور کمال قدرت پر تنبیہ ہے۔

۱۳۱ اس سے مراد یہود و نصاریٰ اور ان سے قبل جو امتیں ہو گزری ہیں۔ یہاں الکتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔

۱۳۱ مِنْ قَبْلِكُمْ کا تعلق وَصَّيْنَا کے ساتھ ہے یا اتوا کے ساتھ ہے۔

۱۳۱ اِيَّاكُمْ کا عطف الَّذِيْنَ پر ہے۔

۱۳۱ یہ ان مفسرہ ہے کیونکہ وَصَّيْنَا قول کے معنی میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان مصدر یہ ہو اور اس سے پہلے حرف جار مخدوف ہو اور تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی دلیل ہے۔

۱۳۱ یہ بھی جائز ہے کہ تقویٰ سے مراد معاصی کو ترک کرنا ہو اور کفر سے مراد اطاعت کو ترک کرنا اور احکام کی اطاعت نہ کرنا ہو یا تقویٰ سے

مراد دل کو غیر اللہ میں مشغول ہونے سے روکنا اور کفر سے مراد غیر اللہ میں مشغول ہونا ہے۔ وان تکفر واکا قول ووصینا پر معطوف ہوگا اس صورت میں قول مقدر ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وَقَلْنَا لَهُمْ وَلَكُمْ اِنْ تَكْفُرُوا

یعنی وہ جس طرح چاہے تمہیں سزا دینے پر قادر ہے، اس کی سزا سے تمہیں بچانے والا کوئی نہیں۔ یا یہ کہا جائیگا کہ زمین و آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہیں وہ تم سے زیادہ اس کے مطیع ہیں۔ یا یہ کہا جائیگا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے غنی ہے، وہ تمہاری عبادت سے نفع حاصل نہیں کرتا اور نہ ہی تمہارے کفر سے اسے کوئی نقصان ہوتا ہے۔ نفع اور نقصان تمہاری طرف ہی لوٹتا ہے، جو کچھ وہ تمہیں حکم دیتا ہے اور جس سے تمہیں روکتا ہے وہ اس کا تمہارے اوپر فضل و احسان ہوتا ہے۔ اس صورت میں مابعد جملہ ماقبل جملہ کے لیے بیان اور تاکید ہوگا۔

۷ یعنی وہ مخلوق اور اس کی اطاعت سے غنی ہے اور وہ بالذات محمود ہے مخلوق اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔

وَاللّٰهُ صَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿۱۳۶﴾

”اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا ساز لے۔“

۱۔ اس جملہ کو تیسری بار ذکر فرمایا تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ وہ اس بات کا اہل ہے کہ امور اسی کے سپرد کیے جائیں۔ یہ کفٰی باللہ کی تمہید ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کفٰی باللہ والے جملے کا تعلق بغنی اللہ والی آیت کے ساتھ ہو کیونکہ وہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کفایت کا ذمہ لے لیا ہے اور بطور کار ساز انہیں کافی ہے۔

اِنْ يَّسْأَلُوْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاۤءِ اٰخِرِيْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۷﴾

”اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے لے۔“

۱۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہاری فناء چاہتا تو وہ تمہیں فنا کر دیتا کیونکہ تمہیں نیست و نابود کرنے میں اس کی مشیت کافی ہے اور تمہیں ناپید کر کے ایک اور قوم لے آئے جو تم سے زیادہ اطاعت شعار ہو یا انسانوں کی جگہ کوئی اور مخلوق لے آئے اللہ تعالیٰ اس کی فناء اور تخلیق پر قادر ہے۔ یہ آیت بھی اس کی شان استغناء اور قدرت کی وضاحت کر رہی ہے جس نے اس کا انکار کیا اور اس کے حکم کی مخالفت کی اس کے لیے دھمکی ہے۔

سعید بن منصور ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی پشت پر مارا، فرمایا وہ یہ قوم ہے۔ اس صورت میں یہ آیت اس آیت کے معنی میں ہوگی: **وَ اِنْ تَسْئَلُوْا اَيُّهَا النَّاسُ فَاَنْتُمْ** (۱)

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورہ جمعہ نازل ہوئی جب یہ آیت نازل ہوئی **وَ اٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ** تو حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی گی یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رکھا۔ پھر فرمایا اگر ایمان ثریا میں ہو تو ان کی قوم کے افراد سے پالیں گے (۲) انہیں سے مروی روایت امام ترمذی کے پاس بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت **وَ اِنْ تَسْئَلُوْا اَيُّهَا النَّاسُ**

قَوْمًا عَرَبٌ كُمْ تِلَادَتِ كِي تُو لُو گُوں نِي عَرَضِ كِي يَار سُو لُ اللّٰهِي كِي كُو نُ لُو گُ هِيں؟ تُو حَضُور ﷺ نِي اِنَا هَاتُ حَضْرَتِ سَلْمَانِ فَارِسِي رَضِي اللّٰه تَعَالَى عَنْهُ كِي رَانِ پَر مَارَا، فَر مَآ يَا يِه اُو رَا سِ كِي قَوْمِ، اَكْر دِي نِ (1) ثَرِيَا مِيں بِي هُو تُو فَارِسِ كِي لُو گُ اَسِي حَاصِلِ كَر لِي سِ گِي (1) اُنْ هِي سِي مَرُوي اِي كِ رُوَا يَتِ اِمَامِ تَرْمِذِي كِي هَاں هِي كِي رَسُو لُ اللّٰه ﷺ كِي هَاں عَجْمِيُوں كَا ذِكْرُ كِيَا گِيَا تُو رَسُو لُ اللّٰه ﷺ نِي فَر مَآ يَا كِي مِيں اِنِ سَبِ پَر يَا فَر مَآ يَا اِنِ مِيں سِي بَعْضِ پَر تَمِ سَبِ پَر يَا تَمِ مِيں سِي بَعْضِ پَر زِيَادِه اِعْتِمَادِ كَر كُتْ هَاں۔ (2)

مِيں يِه كِي هَاتَا هُوں كِي شَا يِدِ يِهَاں مَادِرَا اَلْهَمْرُ كِي مَشَاخِ كِي طَرَفِ اِشَارِه هُو جِي سِي بِيَا وَالدِي نِ نَقْشِبَنْدِ اُو رَا نِ جِي سِي لُو گُ كِيُو نَكِه وَطَنِ كِي اِعْتِبَارِ سِي عَجْمِيُوں مِيں يِهِي لُو گُ زِيَادِه مَعَزُزِ هُو جِي اَكْر چِي نَسَبِ كِي اِعْتِبَارِ سِي وَه حَضُور ﷺ اُو رَا اَپِ كِي صَحَابِ كَرَامِ كِي اَوْلَادِ مِيں سِي تَحِي۔ اِنِ مَشَاخِ نِي سُنْتِي سِ مِثِ جَانِي كِي بَعْدَانِ كُو زَنْدِه كِيَا اُو رِي يِه لُو گُ بَدْعَتِ پَر رَاضِي نِي هُو نِي، اَكْر چِي وَه بَدْعَتِ حَسَنِه يِهِي كِيُو نِي نِي هُو۔ حَضْرَتِ جَامِي حَنِي كِيَا يِهِي خُوبِ فَر مَآ يَا۔ ”سَكِه كِي دَر مِي شَرِبِ وَ بَطْحَا زِ دَنْدِ نُو بَتِ اَخْر بِي خَارَا زِ دَنْدِ“ يِه بِي مُمْكِنِ هِي كِي اِشَارِه مَادِرَا كِي اَعْلَمَاءِ كِي طَرَفِ جُو هِي طَرَحِ اِيَامِ بِي خَارِي رَحْمَتِ اللّٰه عَلِيْهِ اُو رِ دُوسَرِي مَجْدِ شِي نِ وَ فِتْهَاءِ۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٣٣﴾

”جو شخص ارادہ کرتا ہو صرف ثواب دنیا کا (تو یہ اس کی اپنی کم نظری ہے) اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت (دونوں) کا

ثواب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے۔“

1۔ جس طرح اعمال میں ریا کاری کرنے والا اور ملک و غنیمت کے لیے جہاد کرنے والا۔

2۔ تقدیر کلام یوں ہوگی کہ اُس نے نقصان اٹھایا اور طلب میں خطا کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دونوں جہانوں کا ثواب ہے۔ پس اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہی اسے طلب کرنا چاہیے اور وہ یہ عرض کرے اے ہمارے رب ہمیں دنیا و آخرت میں بہترین چیز عطا فرمایا ان میں سے جو زیادہ محترم ہے اس کا مطالبہ کرے کیونکہ جس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا اس کا مال غنیمت ضائع نہیں ہوگا اور آخرت میں اسے جو بدلہ ملے گا دنیا کا اجر اس کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

3۔ یعنی وہ اغراض سے واقف ہے وہ ہر کسی کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی ہجرت اس کی دنیا کے لیے ہوتی اسے حاصل کرے یا عورت کے لیے ہو جس سے وہ نکاح کر لے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے (3) اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

ابن ابی حاتم نے سدی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ایک غنی اور ایک فقیر نے اپنا جھگڑا پیش کیا آپ کا جھکاؤ فقیر کی طرف تھا کیونکہ آپ کا خیال یہ تھا کہ فقیر غنی پر ظلم نہیں کر سکتا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (4)

1۔ جامع ترمذی: 3260 (العلمیہ)

2۔ جامع ترمذی: 3932 (العلمیہ)

3۔ صحیح بخاری: 54 (الفکر)

4۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 414 (العلمیہ)

(1) شیخ محمد بن یوسف صالحی نے کہا کہ شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا کہ اس حدیث کا مصداق امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب ہیں کیونکہ فارس کے لوگوں میں سے کوئی بھی علم میں ان کے مقام تک نہیں پہنچا۔ سلمان فارسی امام ابو حنیفہ کے جد اعلیٰ تھے۔ از مؤلف

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ  
الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۚ فَلَا تَتَّبِعُوا  
الهُوَىٰ إِن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلَوَّا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٥٠﴾

”اے ایمان والوں ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر۔ گواہی دینے والے میں محض اللہ کے لیے  
میں چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف میں یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہے (جس  
کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس اللہ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا ہے تو نہ پیروی کرو خواہش  
نفس کی انصاف کرنے میں میں اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ موڑو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے  
اچھی طرح باخبر ہے۔“

۱۔ یعنی عدل کو قائم کرنے میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرنے والے قیام پر مواظبت اختیار کرنے والے قاضی پر لازم ہے کہ دونوں  
فریقوں کو بٹھانے اور متوجہ ہونے میں برابری کا لحاظ رکھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے  
ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو قاضی بنایا جائے تو بیٹھنے اشارہ کرنے اور دیکھنے میں دونوں فریقوں کے درمیان برابری کرے۔ دونوں  
فریقوں میں سے کسی پر بھی اپنی آواز بلند نہ کرے (۱) اسے اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور دارقطنی نے اسی کی مثل  
روایت کیا ہے۔

۲۔ شہداء دوسری خبر ہے یا حال ہے۔

۳۔ یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر گواہی دو۔

۴۔ اگرچہ شہادت اپنی ذات کے خلاف ہو وہ کسی کے حق کا اقرار کرنا ہے۔

۵۔ یعنی اگر شہادت اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو تب بھی نہ چھپاؤ حق بات کہو، غنی کی دولت کی وجہ سے خوفزدہ نہ ہو  
اور فقیر کے فقر کی وجہ سے اس پر رحم نہ کرو۔ امام بیہقی اور دوسرے محدثین نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

(6) تم شہادت دینے سے نہ روکو اور تم میلان یا رحم کی وجہ سے حد سے تجاوز نہ کرو۔

(7) اگر شہادت ان کے حق میں یا ان کے خلاف مصلحت کا باعث نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ گواہی دینے کا حکم ہی نہ دیتا جو اب کی علت کو جواب  
کے قائم مقام کر دیا ہے۔

سوال: بہما میں ضمیر واحد ہونی چاہیے تھی کیونکہ اور تردید کے لیے ہے۔ اس لیے مذکور غنی یا فقیر میں سے ایک ہوگا۔

جواب: تشبیہ کی ضمیر اس وجہ سے ہے کہ مرجع ان کی دونوں کی جنس ہے۔ ظاہر سے عدول کرنے کی وجہ اولویت کا عموم (۱) اور اختصاص  
کے تو ہم کو دور کرنا ہے۔ علامہ تفتازانی نے یہی ذکر کیا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہاں واحد تو مضمین ہی نہیں تو پھر وہم کیسا تو رضی نے کہا ضمیر جب مذکور کی طرف راجع ہو جس میں

۱۔ کنز العمال: 34-15033 (الترات الاسلامی)

(۱) اللہ تعالیٰ کا قرب اور شفقت دونوں کو حاصل ہے۔ یہ نہیں کہ کسی ایک کو حاصل ہو جو واحد کی ضمیر لانے میں وہم ہو سکتا ہے۔

سے بعض کو بعض پر عطف کیا جائے تو اس میں یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر واحد لائی جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ متعدد مذکور کے مطابق ہو تو یہ مراد یہ کے اعتبار سے گھومے گی۔

میں یہ کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر کا مرجع مشہود لہ (مدعی) ہو یا مشہود علیہ (مدعی علیہ) ہو اگرچہ یہ صراحتاً مذکور نہیں۔ تاہم سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے، یعنی شہادت کی مشروعیت دونوں کے مفاد میں ہے مدعی کے لیے تو فوری فائدہ کا باعث ہے اور مدعی علیہ کے لیے آخرت کے فائدہ کے اعتبار سے تاکہ وہ لوگوں کے حقوق کی ذمہ داریوں سے بری ہو جائے۔ اس آیت کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کی صفات کمال اس کی کتابوں رسولوں اور احکام کی حقانیت کی شہادت، دو اگرچہ یہ شہادت تمہاری ذاتوں والدین اور قریبیوں کے خلاف ہو، وہ اس طرح کہ تمہیں قتل کر دیا جائے تمہارے مالوں کو چھین لیا جائے وہ اس طرح کہ شاہد غنی ہو اور یہ شہادت اس کی غنا کو نقصان پہنچائے یا وہ فقیر ہو اور یہ شہادت اس کی حاجت کے پورا ہونے میں رکاوٹ ہو، اللہ تعالیٰ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب اور شفیق ہے۔ پس مناسب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ترجیح دیں۔

۷ یعنی کہ تم حق سے اعراض کرو یا ان تعدلو اسے پہلے کرہمہ لفظ محذوف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ عدل کو ناپسند کرتے ہوئے خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ خواہشات کی پیروی نہ کرو تاکہ تم عادل بن جاؤ۔

۹ ابن عامر اور ہمزہ نے اسے لام کے ضمہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اگر تم گواہی دینے کی شہادت کی ذمہ داری لو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی اصل قلو وا ہے جس طرح جمہور کی قرأت ہے، ایک واؤ تخفیف کے طور پر حذف کر دی گئی اور واؤ کی حرکت لام کو دی گئی، یعنی اگر تم شہادت میں تحریف کرو اور حق کی شہادت دینے سے زبانوں کو موڑ لو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم اپنی شہادت غیر کے تابع کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ حکام سے خطاب ہے کہ اگر تم مدعی یا مدعی علیہ میں سے ایک کی طرف مائل ہو جاؤ۔

۱۰ یا تم سچی شہادت اور عدل کے فیصلہ سے اعراض کرو گے۔

اللہ تمہیں اس پر جزاء دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَ

الْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَ

الْيَوْمِ الْأَخِيرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۳۱﴾

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو کفر کرے اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کے ساتھ اور وہ گمراہ ہو اور گمراہی میں دور نکل گیا ہے“

۱ یعنی حقیقی ایمان اور ایمان کامل لاؤ وہ یہ ہے کہ انسان بصیرت سے اس چیز کو پہچانے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وجود میں اصل ہے۔ اعراض و جواہر میں سے ہر چیز کی خالق ہے، نفع پہنچانے والا بھی وہی اور نقصان پہنچانے والا بھی وہی ہے، اس کے سوا کوئی چیز بھی حسن و کمال سے متصف نہیں مگر اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہوگا، اس کے دل کا علم اور محبت کا تعلق صرف اسی ذات کے ساتھ باقی ہے۔ اور

اس محبت کے رشتہ کی وجہ سے اس کی ذات کا ان ادا امر کو بجالانا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور ان نواہی سے رکتنا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا اس کی فطرت میں داخل ہو گیا، یہاں تک کہ اس سے نافرمانی کا صدور آگ میں داخل ہونے سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

امام بغوی نے کہا ابو العالیہ اور ایک جماعت نے کہا یہ مومنوں کو خطاب ہے اور فرمایا اے مومنو! ایمان پر ثابت قدم رہو (1) اس تفسیر کا مرجع وہی ہے جو میں نے کیا ان شاء اللہ۔ ضحاک نے کہا اس خطاب سے مراد ہے یہود و نصاریٰ ہیں۔ معنی یہ ہوگا اے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانے والو تم حضرت محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان لاؤ۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں معنی یہ ہوگا اے زبان سے ایمان لانے والو دل سے بھی ایمان لاؤ۔ (2)

ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد مشرک ہیں معنی یہ ہوگا اے لات و عزریٰ پر ایمان لانے والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ یہ اقوال انتہائی کمزور ہیں کیونکہ کفار یہودیوں نصاریٰ اور مشرکوں کو الذین امنوا کے نام سے خطاب نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح منافقوں کو بھی اس طرح خطاب نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ایمان زبان کی صفت کے لیے مجاز استعمال ہوتا ہے جب تک حقیقت پر عمل ممکن ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

امام بغوی نے کہا کلبی نے ابو صالح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، اسی طرح ثعلبی نے آپ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن سلام اسد اور اسید جو کعب کے بیٹے تھے ثعلبہ بن قیس سلام جو عبد اللہ بن سلام کے بھانجے تھے۔ سلمہ جو ان کے بھتیجے تھے اور یامین بن یامین کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ اہل کتاب میں سے مومن تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ہم آپ پر آپ کی کتاب پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات پر حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے علاوہ جو کتابیں اور رسول ہیں ان کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ رسول سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ (3)

۲۔ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔

۳۔ قبل سے مراد قرآن حکیم سے پہلے یعنی تورات انجیل زبور دوسری کتابیں اور صحیفے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یعنی سب پر ایمان لاؤ (4) کوفہ کے قراء اور تافع نے دونوں فعلوں کو معروف اور باقی قراء نے دونوں فعلوں کو مجہول پڑھا ہے۔ یعنی ان میں سے کسی کا انکار کیا۔

۴۔ یعنی وہ مقصد سے اتنا دور چلا گیا کہ اب وہ سیدھی راہ کی طرف پلٹنے والا نہیں کیونکہ ان چیزوں میں سے ہر ایک کا ایمان دوسرے کو لازم ہے۔ ان میں سے کسی کا کفر اللہ تعالیٰ سے دوری اور صراط مستقیم سے گمراہی ہے تو تمام کا انکار تو بدرجہ اولیٰ گمراہی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں بلکہ اس کی صفت کا انکار بھی کفر ہے جس طرح معتزلہ نے کہا ہے، اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے بندوں کے افعال کا خالق ہونے کا انکار کیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ بعض افعال کا ارادہ کرتا ہے۔ لیکن وہ فعل متحقق نہیں ہوتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے ارادہ کو پورا کرنے سے عجز لازم آتا ہے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی شان کا انکار لازم آئے گا۔

بعض اکابر نے کہا معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں کا خالق ہے، وہ بندوں کے

1- تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 173 (الفکر)

2- ایضاً

3- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 507-508 (التجاریہ)

4- الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 414 (العلیہ)

افعال کے خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بالواسطہ کرتے ہیں۔ عام لوگوں کی حالت معتزلہ سے بھی بری ہے کیونکہ وہ افعال کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے سے مطلقاً غافل ہیں، وہ نفع اور نقصان کی نسبت صرف بادشاہوں، چوروں، زہر اور تریاق کی طرف کرتے ہیں۔ صوفیاء کا دامن پکڑ کر اس غفلت کو ختم کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز بصیرت سے ساقط ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَدَّوْا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ  
اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝

”بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے گئے کفر میں لے نہیں ہے سنت  
الہی ان کے متعلق کہ بخش دے انہیں اور نہ (یہ) کہ پہنچائے انہیں راہ (راست) تک لے۔“

۱۔ قتادہ نے کہا اس سے یہودی مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر پھڑے کی عبادت کر کے کفر کیا پھر تورات پر ایمان لائے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفر کیا پھر حضور ﷺ کا انکار کر کے کفر میں اضافہ کیا (1) ایک قول یہ کیا گیا اس سے تمام اہل کتاب مراد ہیں جو اپنے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے۔ پھر ان کا انکار کر دیا جو کتاب ان پر نازل کی گئی اس پر ایمان لائے۔ پھر اس سے کفر کیا ان کے کفر سے مراد کتاب پر عمل نہ کرنا ہے۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ کا انکار کر کے اپنے کفر میں اضافہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ مرتدین کے بارے میں ہے جو ایمان لائے، پھر مرتد ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر مرتد ہو گئے، پھر ایمان لائے، پھر مرتد ہو گئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایسے آدمی کی توبہ قبول نہ فرماتے۔ (2)

۲۔ لیکن اجماع اس پر ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائیگی۔ مجاہد نے کہا کہ لَمْ أَدَّوْا كُفْرًا کا معنی یہ ہے کہ وہ کفر پر ہی مر گئے (3) ایک قول یہ کیا گیا ہے اس جملہ اور مابعد جملہ کا معنی یہ ہے کہ ان سے یہ امر مستبعد ہے کہ وہ کفر سے توبہ کریں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں۔ کیونکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ چکا ہے اور ان کی آنکھیں حق دیکھنے سے اندھی ہو چکی ہیں۔ لیغفر لہم اور لیہدیہم میں لام حود ہے یعنی نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ فعل ان مصدر یہ کی تقدیر کے ساتھ مصدر کی تاویل میں ہو کر اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ کلام پھر اس طرح بنے گی لَمْ يَكُنِ اللَّهُ غَافِرًا لَهُمْ وَلَا هَادِيَهُمْ سَبِيلًا۔ ایک قول یہ کیا گیا کان کی خبر مخدوف ہے۔ یہ لام اپنے مجرور کے ساتھ اس کے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لَمْ يَكُنِ اللَّهُ مُرِيدًا لِيَغْفِرَ لَهُمْ اس مذکورہ آیت کے بعد اس آیت کا آنا ان لوگوں کے قول کی تائید کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی۔

بَشِيرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا لِيَمَّا ۝

”خوشخبری سادو منافقوں کو کہ بلاشبہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے لے۔“

۱۔ منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو جب آپ سے ملتے ہیں یا کسی مخلص مومن سے ملتے ہیں تو ظاہر میں ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب اپنے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کفر کرتے ہیں۔ پھر نفاق پر اصرار اور فساد برپا کرنے پر کمر بستہ ہو کر کفر میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہاں انذر کی جگہ بشر کا لفظ بطور استہزاء ذکر کیا ہے۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بشارت ہر ایسی خبر کو کہتے ہیں جس سے چہرے کا رنگ بدل جائے خواہ وہ خوش کن ہو یا خوش کن نہ ہو۔

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَيْبَتُونَ  
عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۖ

”وہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت؟ تو (وہ) سن لیں (عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے سب کی سب لے۔“

لے الَذِّیْنَ ذَمَّ کی وجہ سے محل نصب میں ہے یا محل رفع میں ہے نصب کی صورت میں ارید فعل مخدوف ہوگا۔ رفع کی صورت میں ہم ضمیر مخدوف ہوگی یا یہ المنافقین سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے۔

کافرین سے مراد یہودی ہیں اولیاء سے مراد مددگار اور رازدان ہیں کیونکہ منافق یہودیوں کو قوی گمان کرتے تھے۔ یبتغون کا معنی طلب کرنا ہے۔ عندهم میں ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ العزۃ سے مراد حضور ﷺ کے خلاف قوت اور غلبہ ہے، یعنی وہ یہودیوں کی مدد اور دوستی سے غلبہ چاہتے ہیں۔ یہاں یبتغون میں حرف استفہام انکار یا استہزاء یا تعجب کے لیے ہے۔ ان تینوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا کیونکہ وہ غالب ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائے اللہ تعالیٰ نے قوت و غلبہ مومنوں کے حق میں لکھ دیا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے: وَ لِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِلسُّلْمٰنِیْنَ۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا  
فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۗ إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ ۗ إِنَّ  
اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۖ

”اور تحقیق اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں لے کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا لے تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزاء کرنے والوں) کے ساتھ لے یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں لے ورنہ تم بھی انہیں کی طرح ہو گئے لے بے شک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا لے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں لے۔“

لے کتاب سے مراد قرآن ہے۔ عاصم نے نزل کو باب تفعیل سے معروف کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا اور باقی قراء نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کا نائب الفاعل ما بعد کلام ہے۔

لے ان منقلہ سے مخففہ ہے۔ اصل کلام یوں تھی انہ دونوں فعل آیات سے حال ہیں مقصد ان کی مجلس میں بیٹھنے سے نہیں میں تاکید پیدا کرنا ہے۔

لے ہم ضمیر سے مراد کافر اور استہزاء کرنے والے ہیں۔

لے یعنی استہزاء کے علاوہ کسی اور بات میں شروع ہو جائیں کیونکہ اس صورت میں ضرورت کے وقت ان کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ضرورت نہ ہو تو ان کے ساتھ بیٹھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا ان کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں، اگرچہ وہ کوئی اور بات ہی کر رہے ہوں (۱) اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جو مکہ مکرمہ میں سورہ انعام میں نازل ہو چکا تھا وَإِذَا رَأٰی آیٰتَ



الَّذِينَ يَخُوفُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرَضُوا عَنْهُمْ..... ضحاک نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں قیامت تک دین میں نئی باتیں گھڑنے والے اور سب بدعتی آجاتے ہیں۔ (۱)

۵۔ کم ضمیر سے مراد مومن ہیں۔ یعنی جب تم ان لوگوں کے پاس بیٹھو گے جو کفر کرتے ہیں اور آیات کا مذاق اڑاتے ہیں اور تم اس پر راضی ہو گئے تو تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ گے مگر جب زبان سے کفر پر رضا کا اظہار نہ کیا جائے تو اسے نفاق کہتے ہیں۔ یہاں مثل کے کلمہ کو مفرد ذکر کیا کیونکہ یہ مصدر کی طرح ہے یا کیونکہ یہ جمع کی طرف مضاف ہے۔ اس لیے جمع لانے کی ضرورت نہیں۔

۶۔ جو کفار کے پاس بیٹھتے ہیں کفر اور استہزاء کرنے پر راضی ہیں۔ کافرین سے مراد استہزاء کرنے والے اور قرآن کا تمسخر اڑانے والے ہیں۔ جس طرح وہ دنیا میں کفر اور مجلس میں اکٹھے ہوئے اسی طرح جہنم میں اکٹھے ہو گئے۔

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَنْتَعِمُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَهُ يُحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝۳۱

”وہ جو انتظار کر رہے ہیں تمہارے (انجام) کا، تو اگر ہو جائے تمہیں فتح اللہ کی طرف سے ۳۱ (تو) کہتے ہیں کیا نہیں تھے ہم بھی تمہارے ساتھ ۳۱ اور اگر ہو کافروں کے لیے کچھ حصہ ۳۱ (کامیابی سے) کہتے ہیں کیا نہیں غالب آگئے تھے ہم تم پر ۵ اور (اس کے باوجود) کیا نہیں بچایا تھا ہم نے تم کو مومنوں سے ۶ پس (اے اہل نفاق) اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن کے اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ ۳۱“

۱۔ فعل کا مفعول بہ محذوف ہے جو تمہارے بارے میں مصائب کا انتظار کرتے ہیں۔ یہ الذین يتخذون سے بدل ہے یہ مذمت کے طور پر محل نصب میں ہے یا محل رفع میں ہے۔ یا مبتدا ہے اور اس کی خبر ما بعد جملہ ہے۔

۲۔ کم ضمیر سے مراد مومن ہیں فتح سے مراد کامیابی یا غنیمت ہے۔  
۳۔ انہوں نے تم سے کہا کیا ہم تمہارے دین پر نہیں تھے یا تمہارے ساتھ جہاد میں نہ تھے۔ اس لیے غنیمت میں سے ہمارے لیے بھی حصہ نکالو۔

۴۔ یعنی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف کفار کو غلبہ نصیب ہو۔

۵۔ تو وہ کافروں سے کہتے ہیں کیا ہم مومنوں کے ساتھ مل کر تم پر غالب نہیں آئے تھے اور تمہیں چھوڑ نہیں دیا تھا۔

۶۔ ہم نے تمہیں مومنوں کے حملہ سے محفوظ نہیں رکھا تھا کہ ان سے الگ ہو کر انہیں تم سے دور نہیں کر دیا تھا، ان کی خبریں تم تک پہنچائیں۔ مبرد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ باہم تم پر رائے میں غالب نہیں آگئے تھے اور تمہیں مسلمان ہونے سے روکا نہیں تھا۔

۷۔ کم ضمیر سے مراد منافق ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کو جنت میں اور کفار کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ شیخین نے صحیحین میں

اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری سے ایک طویل حدیث میں بیان کیا ہے جب قیامت کا روز ہوگا، ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا، ہر قوم اپنے معبودوں کی طرف چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے لوگوں تمام جماعتیں اپنے معبودوں کی طرف چلی گئیں جبکہ تم اسی طرح کھڑے ہو۔ وہ عرض کریں گے ہم اپنے رب کا انتظار کر رہے۔ ہیں اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق پنڈلی سے پردہ ہٹائے گا۔ تمام مومن سجدے میں گر پڑیں گے مگر جس نے ریاء کاری کے طور پر اسے سجدہ کیا ہوگا۔ جب وہ سجدہ کرنے لگے گا تو اس کی پشت تختہ کی مانند ہو جائیگی۔ حاکم نے یہ زائد ذکر کیا ہے جب بھی وہ سجدہ کا ارادہ کرے گا تو وہ گدی کے بل گر پڑے گا (1) حدیث طویل ہے۔

۵ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یعنی آخرت میں ان کے لیے کوئی راہ نہ ہوگی (2) اسے ابن جریر نے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی معنی ظاہر ہے۔ اسے ابن جریر نے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی معنی ظاہر ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں سبیل سے مراد حجت ہے (3) ابن جریر اور عبد بن حمید نے سدی سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں پر غلبہ پانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ جہاں تک اس زمانے میں کفار کے مسلمانوں پر غلبہ پانے کی وجہ ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایمان کمزور ہے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو مطلقاً ختم کرنے کی کوئی راہ نہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان غلام خریدے تو اس کی بیع فاسد ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عقد تو صحیح ہوگا کیونکہ عقد ان سے صادر ہوا جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ تاہم کافر کو یہ غلام بیچنے پر مجبور کیا جائیگا تاکہ دونوں کی رعایت ہو جائے۔ اس آیت سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے عقد میں مسلمان عورت ہو اور مرد مرتد ہو جائے تو ارتداد کے ساتھ ہی وہ عورت اس سے جدا ہو جائیگی۔

إِنَّ السُّفْقِينَ يُخْدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى يُرْآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

”بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں اس دھوکہ بازی کی اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کامل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر۔“

۱۔ منافق جب مومنوں کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں تو بوجھل دل کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، جس طرح ایک آدمی کو فعل پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ اس سے ثواب کی امید نہیں رکھتے اور اس کے ترک کرنے پر عذاب کا خوف نہیں رکھتے۔ وہ نمازوں میں ریاء کاری کرتے ہیں تاکہ ان کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ وہ مومن ہیں اور وہ تھوڑا ذکر کرتے ہیں۔ قلیلاً یہ مفعول مطلق ہوگا یا مفعول فیہ ہوگا۔ یہاں ذکر سے مراد نماز ہے۔ اس تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسی وقت یہ عمل کرتا ہے جب کوئی اسے دیکھ رہا ہو یہ کم ہی ہوتا ہے۔ یراء ون والا جملہ قاموا کے فاعل سے حال ہے جس طرح کسالی حال ہے ولا یذکرون یراء ون پر معطوف ہے یا یراء ون کی ضمیر سے حال ہے۔

مَذْبَذَيْنَ بَيْنَ ذَلِكَ ۚ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ

## تَجِدَلَهُ سَبِيلًا ﴿٣٧﴾

”ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کفر و ایمان کے درمیان لے نہ ادھر کے لے اور نہ ادھر کے لے اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ ہے۔“

لے یہ یذکرون یا یراءون کے فاعل سے حال ہے، یعنی وہ یاد کیے بغیر دکھلاوا کرتے ہیں۔ یا یہ دونوں سے تنازع فعلین کے قاعدہ پر حال ہے، بطور ذم منسوب ہے۔ معنی یہ ہے کہ ایمان و کفر کے درمیان متردد ہیں۔ یہ ذذبہ سے مشتق ہے۔ معنی یہ ہوگا شے کو مضطرب بنا دیا، اس کی اصل ذب ہے جس کا معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے۔ مذذب اسے کہتے ہیں جسے دونوں طرف سے دھکا دیا جائے وہ کسی جانب بھی قرار پذیر نہ ہو سکے۔

لے نہ مومنوں کے ساتھ ظاہر اور باطن میں مطمئن ہیں کہ انہیں آخرت میں اجر دیا جائے۔

لے نہ ہی مکمل طور پر کفار کے ساتھ ہیں، یہاں تک کہ ان کے ساتھ دنیا میں وہ معاملہ کیا جائے جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

لے یعنی اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں راہ راست سے بھٹک جانا مقدر کر دے اے مخاطب تو اس کے لیے راہ راست پر آنے کی کوئی راہ نہیں پائے گا۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا جَاءَهُ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّهِ فَسَاءَ مَا يَكْسِبُ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ منافق کی مثال دو ریوڑوں میں آنے جانے والی بکری کی سی ہے، کبھی ایک ریوڑ کی طرف بھاگ کر جاتی ہے اور کبھی دوسری طرف جاتی ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ  
اَتْرِيدُونَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مّبِيْنًا ﴿٣٧﴾

”اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بنا دو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل لے۔“

لے کافروں کی دوستی سے اس لیے منع کیا کیونکہ ان کی دوستی نے ہی منافقوں کو ہلاک کیا اور انہیں نفاق کی طرف لے جانی والی چیز بھی یہی دوستی تھی پھر تم ان سے بچ کر رہو۔ کیا تم ان سے دوستی رکھ کر اپنے عذاب کے لیے واضح دلیل (۱) قائم کرنا چاہتے ہو۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلٰكِنْ تَجِدَلٰهُمْ نَصِيْرًا ﴿٣٧﴾

”بے شک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے لے اور ہرگز نہ پایگا تو ان کا کوئی مددگار لے۔“

لے کوفہ کے قراء نے الدرک راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الدرکات سے مراد طبقات اور منازل ہیں۔ درکات نچلی منزلوں کے ساتھ خاص ہے اور اوپر والی منزلوں کو درجات کہتے ہیں۔ ابن مبارک نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے حوالے سے روایت کیا ہے جہنم کے نچلے گھڑے میں لوہے کے صندوق ہو گئے جن میں یہ منافق بند ہو گئے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ

۱۔ صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۳۷۰ (قدیمی)

(۱) ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ قرآن حکیم کی ہر دلیل حجت ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

آگ میں لوہے کے بند صندوق ہونگے (1) امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت! ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تابوت ہونگے (2) جو ان پر بند کر دیے جائیں گے جن کے نیچے اور اوپر آگ جل رہی ہوگی (3) ابن وہب نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، فرمایا بے شک جہنم میں ایک کواں ہوگا اس کوئیں کو بند کرنے کے بعد اسے نہیں کھولا گیا۔ جہنم ہر روز اس کی گرمی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہے۔ یہی جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ مزفق جہنم کے سب سے نچلے درجے کے مستحق اس لیے بنے ہیں کیونکہ وہ کافروں میں سے خبیث ترین ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کفر کے ساتھ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ، اسلام، مسلمانوں سے دھوکہ کرنے کو ملایا ہے۔ وہ دنیا میں تلوار اور جزیہ سے محفوظ رہے۔ اسی لیے بلور عدل وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے کے مستحق بن گئے۔

۲۔ اے مخاطب تو ان کا مددگار نہیں پائے گا۔ خواہ نہیں جہنم سے نکال سکے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ

الْمُؤْمِنِينَ ۗ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۷﴾

”مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین

اللہ کے لیے تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عظیم۔“

۱۔ مگر وہ منافق جنہوں نے نفاق سے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے، اپنے اعمال کو درست کیا، اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا اور اس کے دین کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنے دین کو ریاء سے پاک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کیا۔ وہ ایمان اور اعمال سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔ ابن عساکر نے ابو اور یس سے روایت کیا ہے کہ کوئی آدمی اخلاص کی حقیقت تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیے ہوئے عمل پر لوگوں کی تعریف کو ناپسند نہ کرے (4) ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے ابی ثمامہ رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا یا روح اللہ تخلص کون ہے؟ فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر عمل کرتا ہے، وہ اس پر لوگوں کی تعریف کو پسند نہیں کرتا (5) حکیم ترمذی نے نو اور الاصول میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اخلاص سے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ اخلاص کیا ہے؟ فرمایا یہ کلمہ منہیات سے اسے باز رکھے (6) حاکم نے اسے نقل کیا اور اس کی تصحیح کی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب انہیں رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کی مجھے نصیحت فرمائیں۔ فرمایا دین میں اخلاص پیدا کرو، تیرا تھوڑا عمل تجھے کافی ہو جائیگا (7) ابن ابی الدنیا نے اخلاص اور بیہقی رحمہما اللہ نے شعب میں ثوبان سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا تخلصین کو مبارک ہو۔ یہی لوگ ہدایت کے چراغ ہیں۔ ان سے تاریک فتنہ چھٹ جاتا ہے۔

یہاں مومنین سے مراد وہ مخلصین ہیں جو ایمان اور اخلاص کی وجہ سے جنت میں ان سے پہلے چلے گئے۔ فراء نے کہا یہاں وہ مع من

کے معنی میں ہے۔ یوں کے آخر سے لفظ کی اتباع کرتے ہوئے کتابت میں یا کو حذف کر دیا گیا۔ اور اجرا عظیم سے مراد جنت اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے مراتب ہیں۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿٣٤﴾

”کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرنے لگو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔“

۱۔ یہاں ما یفعل میں استفہام انکار اور تقریر کے لیے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ شکر گزار مومن کو عذاب نہیں دے گا کیونکہ بندوں کو عذاب دینے سے اس کے ملک میں اضافہ نہیں ہوتا اور عذاب کے ترک کرنے سے اس کی بادشاہت میں کمی نہیں ہوتی۔ اس کا عذاب نفع کے حصول اور اپنی ذات سے ضرر کو دور کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ وہ نفع و نقصان سے بے نیاز اور اس سے بالا ہے۔ وہ بندوں کو عذاب اس قانون کے مطابق دیتا ہے کہ سبب عادی پر سبب عادی مرتب ہو جس طرح مزاج میں خرابی بیماری کی طرف لے جاتی ہے۔ جب اس دلی امراض یعنی کفر و نفاق کو ایمان اور شکر کے ساتھ دنیا میں زائل کر دیا اور اپنے آپ کو پاک کر لیا تو وہ اس کے برے انجام سے بھی بچ جاتا ہے۔ امام بغوی نے کہا اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی إِنْ آمَنْتُمْ وَ شَكَرْتُمْ (۱) میں کہتا ہوں اس قول کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ واؤ صرف جمع کے لیے آتی ہے، اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ شکر کو مقدم اس لیے کیا گیا کہ نظر کرنے والا نعمت کو پہلے دیکھتا ہے اور مبہم سا شکر ادا کرتا ہے۔ پھر گہری نظر سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ منعم کو پہچان لیتا ہے پھر اس پر ایمان لے آتا ہے۔

میں کہتا ہوں شاید یہاں شکر کفر کی ضد ہے یعنی ایمان مجازی اور ایمان سے مراد ایمان حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ تمہیں شکر کا بدلہ عطا فرماتا ہے وہ تھوڑی چیز قبول کرتا ہے اور بڑی چیز عطا فرماتا ہے اور وہ تمہارے ایمانوں کی حقیقت سے بھی واقف ہے۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿٣٥﴾

”نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ بر ملا کہا جائے بری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔“

۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ بلند آواز سے کسی کی برائی کرنے کو پسند نہیں کرتا، اسی طرح غیر اعلانیہ برائی کرنے کو بھی پسند نہیں کرتا لیکن بلند آواز سے برائی کرنا زیادہ برا ہے۔ یہاں واقعہ کی مطابقت سے اعلانیہ برائی کرنے کا ذکر کیا مگر مظلوم (۱) کے لیے اجازت ہے کہ وہ ظالم کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 511 (التجاریہ)

(۱) ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا کہ کوئی ایک دوسرے کے حق میں بددعا کرے مگر جب وہ مظلوم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظالم کے حق میں بددعا کی اجازت دی۔ اس کا صبر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ابن ابی شیبہ اور ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ظالم کے حق میں بددعا کی اس نے انصاف کیا۔ ابن جریر اور ابن منذر نے حسین سے روایت کیا ایک آدمی دوسرے پر ظلم کرے تو اس کے حق میں بددعا نہ کرے بلکہ یہ کہے اے اللہ! اس کے خلاف میری مدد کر، میرا حق اس سے نکال، میرے اور اس کے ارادہ کے درمیان حائل ہو جا۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

لیے بددعا کرے اور اس کی برائی کا ذکر کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ جبر بالسوء سے مراد گالی دینا ہے۔ جب اس پر ظلم کیا جائے تو صورتحال مختلف ہوگی کیونکہ اگر اس نے اس طرح کی گالی دی جس طرح اسے گالی دی گئی تھی تو اس پر کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَلَكِن اِنْتَصِرَا بَعْدَ ظَلْمِهِمْ فَاُولٰٓئِكَ مَاعَلَيْهِمْ مِمَّنْ سَبَّوْا۟ لَآ اِیۡہِ حَضْرَتِ اَنَسٍ** اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو گالیاں دینے والوں کا وبال اس پر ہے جس نے سب سے پہلے گالی دی جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ (1)

امام بغوی نے ہایہ حکم مہمان کے متعلق ہے جب وہ کسی قوم کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا انہوں نے اس کی ضیافت نہ کی اس کے لیے جائز ہے کہ وہ شکایت کرے اور جو کچھ اس نے کیا (2) اس کا ذکر کرے حناد نے کتاب الزہد میں مجاہد سے ذکر کیا کہ ایک آدمی نے مدینہ طیبہ میں کسی کو بطور مہمان ٹھہرایا اور اس کی خدمت نہ کی۔ مہمان چلا گیا۔ بعد میں اس نے اس کے سلوک کا ذکر کیا تو اسے رخصت دی گئی کہ جیسا اس نے سلوک کیا تھا اس طرح ذکر کرے، (3) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو عبد الرزاق، عبد بن حمید اور ابن جریر نے اسی طرح نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کسی کے پاس مہمان ٹھہرا انہوں نے مہمان کو کھانا نہ کھلایا مہمان نے ان لوگوں کا شکوہ کیا تو ایسے شخص پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں بھیجتے ہیں اور ہم ایک ایسی قوم کے پاس ٹھہرتے ہیں جو ہماری مہمان نوازی نہیں کرتی تو ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی قوم کے پاس ٹھہرو، اگر وہ تمہارے لیے اس چیز کا کہیں جو مہمان کے لیے مناسب ہوتا ہے تو اسے قبول کر لو، اگر وہ تمہارے لیے ایسی چیز کا نہ کہیں تو جو مہمان کا حق ہوتا ہے اتنا لے لو۔ متفق علیہ۔

اللہ تعالیٰ کی ذات مظلوم کی دعا اور شکوی کو سنتا ہے اور ظالم کے عمل کو جانتا ہے۔

**اِنْ تُبَدُّوْا خَيْرًا اَوْ تَخْفُوْا اَوْ تَعْفُوْا عَنِ سُوْءِ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۳﴾**

”اگر تم ظاہر کرو کوئی نیکی، یا پوشیدہ رکھو اسے، یا درگزر کرو (کسی کی) برائی سے، تو بے شک اللہ تعالیٰ درگزر

فرمانے والا قدرت والا ہے۔“

۱۔ خیر سے مراد طاعت اور نیکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ برائی کے اظہار کی بجائے اگر تم ظالم کے ساتھ بھلائی کا اظہار کرو تو تم برائی کو نیکی کے ساتھ مٹا رہے ہو۔

۲۔ یعنی بھلائی مخفی طریقے سے کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا خیر سے مراد مال ہے، یعنی اگر تم صدقہ ظاہر یا مخفی طریقے سے کرو۔

۳۔ سوء سے مراد ظلم ہے اور تم اپنے دل سے اسے مٹا دو۔ اگرچہ تم ظالم کے ساتھ اچھائی نہیں کر سکتے۔ امام بیضاوی اور دوسرے علماء نے فرمایا اس کلام سے اصل مقصود مظلوم کی طرف سے ظالم کو معاف کرنا ہے (4) بھلائی کو ظاہر کرنا یا اس کو مخفی رکھنا محض تمہید اور تعارف کے لیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

۴۔ انتقام پر قادر ہونے کے باوجود وہ نافرمانوں کو معاف کر دیتا ہے۔ تمہیں تو بدرجہ اولیٰ معاف کرنا چاہیے کیونکہ یہ تمہارے حق میں تو تجارت ہے۔ مکارم اخلاق پر فائز کرنے کے لیے یہ آیت مظلوم کو معاف کرنے پر ابھارتی ہے جبکہ اسے بدلہ لینے کی بھی رخصت ہے

2- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 512 (التجاریہ)

4- تفسیر بیضاوی، صفحہ 133 (فراس)

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 321 (قدیمی)

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 81 (قدیمی)

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا میں خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں فرمایا دن میں ستر بار (1) اسے ابو داؤد ترمذی اور ابویعلیٰ نے روایت کیا۔ واللہ اعلم۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ﴿٥٦﴾

”بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ اختیار کر لیں کفر و ایمان کے درمیان کوئی (تیسری) راہ“

امام بغوی نے کہا یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ جب انہوں نے حضور ﷺ قرآن حکیم حضرت عیسیٰ اور انجیل کا انکار کیا تو انہوں نے سب انبیاء کا انکار کر دیا کیونکہ ان میں سے بعض بعض کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ جب انہوں نے آیات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کا انکار کیا۔ (2)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں تفریق کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں رسولوں پر ایمان نہ لائیں جس طرح مشرک کرتے ہیں۔ اور یہودیوں کی طرح تفریق کرتے ہیں کہ وہ اپنے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ دوسرے رسولوں اور قرآن و انجیل کا انکار کیا۔ اس تفریق کا وہ اعلانیہ اظہار بھی کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾

”یہی لوگ کافر ہیں حقیقت میں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کر نیوالا۔“

یعنی وہ کامل کافر ہیں کیونکہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ تمام رسولوں پر ایمان لائے اور جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے۔ اس کی اجمال اور تفصیل کی صورت میں تصدیق کرے۔ حق ایک ہی ہے جو تمام ادیان میں مشترک ہے۔ حق کے علاوہ گمراہی ہی گمراہی ہے۔ حقا ترکیب کلام میں مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی حق ذلک الامر حقا اور کافرین کے مصدر کی صفت ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا انہوں نے یقیناً کفر کیا تمام کفار کے لیے عذاب تیار کیا گیا ہے جن میں یہودی بھی شامل ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥٨﴾

”اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے (تمام) رسولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انہوں نے کسی میں ان سے یہی لوگ ہیں دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

ترکیب کلام میں اسم موصول مبتدا ہے۔ ظاہر میں اس کی خبر اولنک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی خبر مخدوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے اولنک ہم المؤمنون حقا یا تقدیر کلام یوں ہے اضداد ہم و مقابلو ہم اس قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت سابقہ کلام کے طریقہ پر ہو جائے۔

سوال: بین کے لفظ کو احد پر داخل کیا جبکہ بین متعدد امور کا تقاضا کرتا ہے۔

جواب: یہاں احد عموم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ نفی کے تحت داخل ہے۔

یوتیہم کو حفص نے واحد مذکر غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے جمع شکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ اجور سے مراد اجر ہیں جن کا وعدہ کیا گیا۔ یوتیہم سے پہلے سوف کو اس لیے ذکر کیا تا کہ وعدہ کی تاکید ہو جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اس امر دلالت ہو جائے کہ یہ امر ہو کر رہے گا خواہ دیر سے ہو۔ وہ غفور رحیم ہے اس لیے مومنوں سے جو لغزشیں ہوگی ان کو معاف فرماتا ہے اور ان پر احسانات کو کوئی گنا بڑھا دیتا ہے۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ کچھ یہودی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تختیاں لائے تھے، آپ بھی تختیاں لے آئیں، ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ (1)

امام بغوی نے ان یہودیوں کے نام بھی ذکر کیے ہیں وہ کعب بن اشرف اور فحاص بن عازور تھے انہوں نے یہ بات کہی تھی۔ (2)

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ اَكْبَرَ مِنْ  
ذٰلِكَ فَقَالُوْا اَاٰرٰىنَا اللّٰهَ جَهْرًا فَاَخَذْتَهُمُ الصَّعِقَةَ يُظْلِمُوْنَ لَهَا ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ  
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنٰتُ فَعَفُوْا عَنْ ذٰلِكَ وَاْتَيْنَا مُوسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٥٣﴾

”مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتروادیں ان پر کتاب آسمان سے لے سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات کا لے انہوں نے کہا تھا (اے موسیٰ) دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلا ہے تو پکڑ لیا تھا انہیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے پھر بنا لیا انہوں نے پھڑے کو (اپنا معبود) ہے اس کے بعد کہ آچکی تھیں ان کے پاس کھلی دلیلیں لے پھر بھی ہم نے بخش دیا ان کا یہ (سنگین) جرم بے اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو واضح غلبہ ہے“

لے یہ سوال بصورت اطاعت نہ تھا بلکہ حکمانہ اور دخل اندازی کے طور پر تھا اللہ تعالیٰ ایسے سوال پر آیات نازل نہیں فرماتا۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یسئلك اهل الكتاب تابھتانا عظیماً نازل ہوا تو ایک یہودی آپ کی خدمت میں دوڑا نو ہو کر بیٹھ گیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے نہ آپ پر نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نہ ہی کس اور پر کوئی نازل فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا قَدَّمُوا اللّٰهَ حَتَّىٰ قَدِّمُوْا..... (3)

جمع کی ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے حکم کی نسبت ان سب کی طرف کی اس حوالے سے کہ سوال ان میں سے ایک سے صادر ہوا۔ وہ کل ستر افراد تھے جنہیں لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام جبل طور کی طرف تشریف لے گئے۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ان سے اس سوال کو بڑا نہ جانو کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ فاء جزائیہ ہے



اور شرط مقدر ہے جو انہوں نے آپ سے سوال کیا ہے، اگر تم اسے بڑا جانو تو ان کے اسلاف نے بھی سوال کیا تھا۔ انہوں نے جو فضول سوال کیا ہے۔ یہ ان کی پہلی جہالت نہیں۔

۴۔ اس سوال کی وضاحت ہے جھوٹا تواریخ یا روایت کی صفت ہے، یعنی یہ مفعول مطلق ہے جو مذکورہ فعل کے مصدر کے الفاظ سے نہیں یا یہ مجاہرین کے معنی میں ہے اور حال ہے ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے انہوں نے بلند آواز سے کہا اے اللہ ہمیں دکھا۔ ۵۔ تو آسمان سے نازل ہونے والی آگ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اس سبب سے کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ وہ ان کی سرکشی اور ایسا سوال کرنا ہے جو عادت اور حکمت کے خلاف ہے۔ یہ آیت روایت کے ممتنع ہونے کا تقاضا نہیں کرتی۔ ۶۔ انہوں نے پتھر کو معبود بنا لیا۔ یہ ان کی دوسری جنایت ہے جس کا ارتکاب ان کے پہلے لوگوں نے کیا۔ ۷۔ یہاں سے مراد واضح معجزات ہیں۔

۸۔ ہم نے انہیں معاف کر دیا اور انہیں نیست و نابود نہیں کیا۔ یہ انہیں توبہ کی دعوت ہے، یعنی جب ان کے پہلوؤں نے توبہ کی تو انہیں معاف کر دیا۔ پس تم بھی توبہ کرو تا کہ تمہیں معاف کر دیں۔

۹۔ یعنی واضح غلبہ عطا کیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں یا اس سے مراد غالب دلیل ہے۔ یہ آپ کے نو معجزات تھے جو آپ کے مخالفین پر غلبہ کے لیے عطا کئے گئے۔

وَرَفَعْنَا قَوْمَهُمُ الطُّورَ بِبَيْتَاتِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۰﴾

”اور ہم نے بلند کیا ان کے اوپر طور کو ان سے پختہ وعدہ لینے کے لیے ۱۔ اور ہم نے فرمایا انہیں ۲۔ کہ داخل ہو جاؤ اس دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے ۳۔ اور ہم نے فرمایا انہیں ۴۔ کہ حد سے نہ بڑھنا سبت میں ۵۔ اور ہم نے لیا تھا ان سے پختہ وعدہ ۶۔“

۱۔ یہاں باء سببیہ ہے، ان کے وعدہ کی وجہ سے حتی کہ وہ اسے قبول کریں۔

۲۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر انہیں فرمایا جبکہ طور ان پر سایہ کیے ہوئے تھا۔

۳۔ بیت المقدس کے دروازے سر جھکاتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ قول بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر ہے جب پہاڑ ان پر سایہ کیے ہوا تھا کیونکہ سبت کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا۔ لیکن اس بارے میں حدود سے تجاوز اور اس کی سزا سنج کرنا یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی۔

۵۔ ورش نے لا تعدوا کو عین کے فتح اور دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ قالون نے عین کی حرکت میں اخفاء اور دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل میں یہ تعدوا ہوا تھا تا کہ دال میں مدغم کر دیا گیا۔ قالون سے ایک نص عین کے سکون کے ساتھ آئی ہے۔ باقی قراء کے نزدیک قرأت عین کے سکون اور دال کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ یعنی تم مچھلیاں قتل کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

۶۔ یعنی تورات کا حکم قبول کرنے اور ہفتہ کے روز خلاف ورزی نہ کرنے کے بارے میں پختہ وعدہ کیا، یہاں تک کہ انہوں نے کہا ہم



مجموعے کا عطف کفر ہم پر ہے، جس طرح یہ قول ہے قَالَ الْإِمَامُ وَمَاتُوا النَّاسِ۔ یا اس کا عطف فَبِمَا نَقُضِهِمْ پر ہے اور کفر کے ذکر کا تکرار اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ ان سے کفر بار بار صادر ہوا کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضور ﷺ کا انکار کیا۔ یا یہ کہا جائے کہ مجموعہ کلام کا مجموعہ کلام پر عطف ہے۔ اس لیے کوئی تکرار نہیں۔ بہتان عظیم سے مراد ان کا حضرت مریم کی طرف بدکاری کی نسبت کرنا ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ٥٤

”اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ علیہ السلام فرزند مریم کو جو اللہ کا رسول ہے۔ حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہو گئی ان کے لیے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک و شبہ میں ہیں۔ ان کے متعلق نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی۔ اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً۔“

۱۔ وہ اپنے گمان کے مطابق یہ کہتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ کلام (۱) استہزاء کے طور پر کی ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ لفظ رسول اللہ بطور مدح منسوب ہو اور جملہ مستاتہ ہو۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یا اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر فہج کی جگہ ذکر حسن رکھ دیا تاکہ قائلین ذم کے مستحق ہو جائیں۔

۲۔ ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ کو گالیاں دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندروں اور خنزیریوں کی صورت میں مسخ کر دیا تو یہودیوں نے آپ کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ انہیں آسمان کی طرف اٹھالے گا جس کا ذکر سورہ آل عمران میں ہو چکا ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ میری شبیہ اس پر ڈال دی جائے پھر اسے قتل کر دیا جائے، سولی پر لٹکا یا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے، آپ کے اصحاب میں سے ایک آدمی اٹھا اللہ تعالیٰ نے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈالی۔ اسے قتل کر دیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا۔ امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امام بغوی نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شبیہ اس خادم پر ڈالی تھی جس نے یہودیوں کو آپ کے متعلق بتایا تھا (۱) ہم سورہ آل عمران میں کلبی کی ایک روایت ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے ابوصالح سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کی کہ یہودیوں کے رئیس یہودانے آپ کے ساتھیوں میں سے ایک کو حکم دیا جس کا نام طیطانوس تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہو کر قتل کر دے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس طیطانوس پر ڈال دی۔ جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اسے پکڑ

۱۔ تفسیر بغوی، جلد ۱، صفحہ ۵۱۴ (التجاریہ)

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ کہا بطور استہزاء ہو کیونکہ یہودی آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے تھے۔

لیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا (۱) ایک قول یہ کیا گیا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک کمرہ میں بند کر دیا اور نگہبان مقرر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس محافظ پر ڈال دی جیسے یہودیوں نے قتل کر دیا۔

اسے فیہ سے مراد آپ کا قتل ہے۔ شک منہ سے مراد آپ کے قتل کرنے میں انہیں تردد ہے۔ کلبی نے کہا اس میں ان کا اختلاف یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں ہم نے آپ کو قتل کر دیا ہے۔ نصاریٰ میں سے ایک جماعت کہتی ہے ہم نے آپ کو قتل کیا۔ نصاریٰ میں سے ہی ایک جماعت کہتی ہے نہ انہوں نے آپ کو قتل کیا اور نہ ان لوگوں نے آپ کو قتل کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا جبکہ ہم آپ کو دیکھ رہے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ طیطانوس کے چہرے پر ڈالی تھی۔ آپ کے جسم پر نہیں ڈالی تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے اختلاف کیا۔ بعض نے کہا ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا کیونکہ چہرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ بعض نے کہا ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا کیونکہ یہ جسم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہیں۔

سدی نے کہا ان کا اختلاف یہ تھا کہ اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ہمارا ساتھی کہاں ہے اور اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الذین اختلفوا فیہ میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اختلاف کیا تھا کیونکہ انہیں میں سے بعض نے یہ کہا یہ جھوٹا تھا، اسے قتل کرنا صحیح ہے اور دوسرے لوگوں کو تردد ہوا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سن رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں آسمان کی طرف اٹھالے گا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا۔

یعنی انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے اور قتل نہ ہونے کے بارے میں قطعی علم نہیں بلکہ وہ گمان کے ہی پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

یہ امر یقینی (۱) ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے اپنے گمان کے مطابق بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا یقینی نہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے یہ یقین کرتے ہوئے قتل نہیں کیا کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فرما نے یہی کہا ہے۔

بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۵۹﴾

”بلکہ اٹھالیا ہے اسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔“

اس میں ان کے قتل کا رد اور انکار ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا اثبات ہے۔ عزیز اس اعتبار سے ہے کہ یہودیوں سے انتقام لینے میں غالب ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرے کوئی اس کے ارادہ پر غالب نہیں آسکتا اور حکیم اس اعتبار سے کہ اس نے یہودیوں کے خلاف لعنت اور غضب کا حکم دیا ان پر صطیونس بن استیانس رومی کو مسلط کر دیا جس نے ان میں سے بے شمار لوگوں کو قتل کیا یا وہ حکیم اس اعتبار سے ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تدبیر کی۔

1- تفسیر بنوی، جلد 1، صفحہ 299 (التجاریہ)

(۱) پہلے معنی کی صورت میں یقیناً شبہ فعل محذوف متعین کا مفعول مطلق ہوگا۔ دوسری صورت میں یہ مصدر محذوف تعلق کی صفت ہوگا۔ تیسری صورت میں ماقتلوا کے فاعل سے ہوگا۔

وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝۱۰۹

”اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر اُن کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ“

۱۔ تقدیر کلام یوں ہے اِلَّا مَنْ لِيُؤْمِنَنَّ۔ یہ جملہ خبریہ ہے جو جملہ انشائیہ کی تاکید بیان کر رہا ہے، جو اس مستثنیٰ کی صفت ہے، جو مفرغ اور مقدر ہے۔ بہ ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اکثر مفسرین عام علماء کی یہی رائے ہے۔ مگر وہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ ضمیر حضرت محمد ﷺ سے کنایہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ نتیجہ ایک ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا اس وقت تک قابل توجہ نہیں ہوتا جب تک وہ تمام رسولوں پر ایمان نہ لائے اور حضور ﷺ پر ایمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کو مستلزم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا حضور ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔

۲۔ ضمیر سے وہ شخص ہے جو اہل کتاب میں سے ہے کہ جب وہ اپنی موت کے وقت عذاب کے فرشتے دیکھے گا تو وہ ایمان لے آئے گا جبکہ اس وقت کا ایمان اسے نفع نہ دے گا۔ یہ روایت علی بن طلحہ سے مروی ہے جو وہ حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں، کہا حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا اگر وہ مکان کی چھت سے گر پڑے تو آپ نے فرمایا وہ ہوا میں اس کا تکلم کرے گا۔ آپ سے پوچھا گیا اگر اس کی گردن اڑادی گئی تو جواب دیا اس کی زبان لڑکھڑاتے ہوئے یہ کلام کرے گی (۱) خلاصہ یہ ہے کوئی کتابی نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ ایمان لائے گا اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا کتابی کسی لمحہ ضرور ایمان لائے گا، اگرچہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے۔ میں کہتا ہوں شاید یہ اس لیے ہے کیونکہ کتابی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات کو پہنچاتا ہے۔ دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل حضرت داؤد علیہ السلام اور زبور حضور ﷺ اور قرآن کے حق ہونے پر گواہی دیتی ہیں۔ وہ محض تعصب اور انکار کی وجہ سے اس کا انکار کرتا تھا۔ بعض اوقات وہ انصاف سے کام لیتا ہے اور اپنے دل میں اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ حضور ﷺ حق ہیں جس کی شہادت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پہلے ہی دے چکی ہے۔ اگر یہ کھنکاس کے دل میں نہ ہوتا تو بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ جب وہ عذاب کے فرشتے دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ حضور ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے۔ یہ آیت وعید کے معنی میں ہے اور حالت اضطراری سے پہلے ایمان لانے کی رغبت دلاتی ہے جب کہ حالت اضطراری میں نہیں ایمان کوئی نفع نہ دے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہیں۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو تمام امتوں کے لوگ آپ پر ایمان لائیں گے کسی بھی دین کا پیروکار ایسا نہ ہوگا جو ایمان نہ لائے یہاں تک کہ ایک ہی ملت رہ جائیگا جو ملت اسلام ہے۔ یہ تاویل حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں حضرت عیسیٰ بن

مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے اتریں آپ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ختم کریں گے، مال کی سخاوت کریں گے یہاں تک کہ اسے کوئی قبول نہیں کرے گا، یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ (1)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چاہو تو قرأت کرو ان من اهل الكتب..... الایۃ (2) بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے تین دفعہ دہراتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے، فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تمام ملتیں ہلاک ہو جائیں گی مگر اسلام (3) ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ اہل ادیان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا مگر وہ آپ پر ایمان لائے گا۔ (4)

میں کہتا ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے نزول حق ہے اور آپ کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ تمام ادیان کا ختم ہونا یہ بھی حق اور ثابت ہے جو مرفوع احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس کو اس آیت سے سمجھنا اور ضمیر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹانا درست نہیں۔ یہ صرف حضرت ابو ہریرہ کا گمان ہے۔ اس ضمن میں کوئی مرفوع حدیث نہیں۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ ان من اهل الكتب کا حکم ان تمام افراد کو شامل ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے حکم ان کے ساتھ خاص ہو یا نہ ہو کیونکہ کلام کا زمانہ حال کے لیے حقیقت ہے۔ اس سے یہ مراد لینے کی کوئی دلیل نہیں کہ اس سے اہل کتاب کی وہ جماعت مراد لی جائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت پائی جائیگی۔ صحیح تاویل پہلی ہے جس کی تائید ابی بن کعب کی قرأت کرتی ہے۔ ابن منذر نے ابو ہاشم اور عروہ سے نقل کیا کہ دونوں نے کہا کہ مصحف کعب میں موتہ کی جگہ موتہم کے الفاظ تھے۔

۳۔ یکون کی ہو ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت محمد ﷺ یا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جس طرح لیؤمنن بہ میں ضمیر کا مرجع بنایا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انبیاء اپنی امتوں پر اور حضور ﷺ پر انبیاء پر گواہ ہو گئے۔

فَيُظْلِمُ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا عَلَيْهِمْ طَبِيبًا أُحِثَّتْ لَهُمْ وَ بَصِيًّا هُمْ عَنْ  
سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿١١﴾

”سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے لیے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے ۳ اور بوجہ

روکنے یہود کے اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو سب

۱۔ اس ظلم عظیم کے سبب جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ انہوں نے وعدہ توڑا اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا، انبیاء کو قتل کیا حضرت مریم پر بہتان لگایا اور نخر یہ انداز میں یہ کہا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا۔

۳۔ یعنی جو چیزیں پہلے حلال تھیں انہیں حرام کر دیا جن کا ذکر سورۃ انعام میں ہو چکا ہے: وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا... وَإِنَّا لَظَاهِرُونَ۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد جنت کی طیبات ہوں۔ اس کے مناسب اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ۔ یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے دنیا میں پاکیزہ رزق مراد ہوں اور تحریم سے مراد انہیں محروم کرنا اور نگوئی امر کے ذریعے انہیں ان چیزوں سے پھیر

1- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 87 (قدیمی)

2- ایضاً

3- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 516 (التجاریہ)

4- تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 15 (الامیریہ)

دینا لیا جائے۔ اس کے باوجود کہ دنیا میں ان کے پاس پاکیزہ رزق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چیز سے محروم کر دیا وہ صرف حرام اور خبیث رزق ہی کھاتے ہیں یہاں تک کہ جہنم کی آگ ان کے زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر گوشت جو حرام سے بنا ہے آگ اس کے زیادہ مناسب ہے۔

۱۱۔ سبیل سے مراد ایمان اور حضور ﷺ کی اطاعت ہے۔ کثیر ایات تو مفعول یہ ہوگا یعنی انہوں نے بے شمار لوگوں کو روکا یا مفعول مطلق ہے اور مصدر مخدوف کی صفت ہے۔

وَأَخَذِهِمُ الرَّبُّ وَأَقْدَنُهُوَاعْنَهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَأَعْتَدْنَا  
لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

”اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مال ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ان میں سے عذاب دردناک۔“

یعنی انہیں تو رات میں سود کھانے سے منع کیا گیا تھا اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ نبی حرمت کو واجب کرتی ہے۔

باطل طریقے سے مال کھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ رشوت دھوکہ غصب اور دوسرے حرام طریقوں سے مال کھاتے تھے۔ بصدھم اپنے معطوف سے مل کر بظلمہم کا معطوف ہے جو حرمان کے متعلق ہے اور اعتدنا کا جملہ حرمان پر معطوف ہے۔ اور عَذَابًا أَلِيمًا سے مراد جہنم کی آگ ہے۔ جب سابقہ کلام اس امر کا وہم دلاتی ہے کہ حکم تمام اہل کتاب کو شامل ہے۔ اس وہم کے ازالہ کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔

لَكِنِ الرَّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ  
إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

”لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان سے ۱۔ (وہ بھی) اور (جو) مسلمان ہیں ۲۔ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے ۳۔ اور صحیح ادا کرنے والے نماز کے ۴۔ اور دینے والے زکوٰۃ کے ۵۔ اور ایمان لانے والے اللہ اور روز آخرت کے ساتھ ۶۔ یہی ہیں جنہیں عنقریب ہم دیں گے اجر عظیم کے“

۱۔ ہم ضمیر سے اہل کتاب ہے اور رسوخون سے مراد عبد اللہ بن سلام اور اس کے ساتھی ہیں جو اہل کتاب سے مومن ہوئے اور کتاب کے علم کا جو تقاضا تھا اس پر ثابت قدم رہے۔

۲۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے انصار و مہاجرین یا مومنون سے مراد بھی اہل کتاب کے مومن ہیں اور رسوخون و مومنون سے مراد ایک ہی ہے۔ ترکیب کلام میں الرسوخون مبتدا ہے اور اس کی خبر یومنون ہے۔

۳۔ ما انزل الیک سے مراد قرآن اور ما انزل من قبلك سے مراد تمام نازل شدہ کتابیں ہیں۔

۴۔ امام بغوی نے کہا حضرت عائشہ اور ابان بن عثمان سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ کاتب سے غلطی ہوئی، اسے والمقیمون الصلوة لکھنا چاہیے تھا۔ اسی طرح سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے الصبیون اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ان هذان لسحران۔ انہوں نے کہا یہ کاتب

کی غلطی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا مصحف میں کچھ غلطیاں ہیں جسے عرب اپنی زبانوں سے درست کر دیں گے۔ آپ سے عرض کی گئی کیا آپ اسے بدل نہیں دیتے۔ آپ نے کہا اسے رہنے دو کیونکہ یہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتیں۔ (1)

صحیح بات یہ ہے کہ یہ قول کرنے والوں کی طرف سے ہو ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ کتابت میں جو ہے وہ صحیح ہے۔ علماء کا اس کی توجیہ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ المقیمین بطور مدح منصوب ہے۔ مقصود نماز کی فضیلت بیان کرنا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے امدح المقیمین ایک قول یہ کہا گیا کہ اعنی فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہی لوگ زکوٰۃ دینے والے بھی تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ توہم کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔ یہی لوگ زکوٰۃ دینے والے بھی تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ توہم کی وجہ سے یہ منصوب ہے کیونکہ سابقہ (معطوف علیہ) لکن مشغلہ کی جگہ ہے جسے مخففہ کی جگہ رکھا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا محل جر کا ہے کیونکہ اس کا عطف ما انزل الیک ہے۔ معنی یہ ہو گا وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ مقیمین سے مراد انبیاء ہیں۔

۷۔ اس کا عطف الراسخون پر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر اولنک ہے۔

۸۔ اس کا عطف المؤمنون پر ہے انبیاء اور کتب پر ایمان لانا اور نماز و زکوٰۃ میں سے جو ایمان کی تصدیق کرتے ان کا ذکر پہلے کیا کیونکہ آیت لانے کا مقصود یہی تھا کیونکہ اہل کتاب اپنے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ انہیں ایسے امور پر برا بیعت کیا جائے جو ان کے نزدیک ایمان میں سے نہ تھے، وہ تمام انبیاء اور تمام کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلے ایمان سے مراد ایمان مجازی بلور دوسرے ایمان سے مراد حقیقی ہو جو ایمان مجازی اور شریعت کے احکام بجالانے پر جنی ہوتا ہے۔

۹۔ حزرہ نے اسے سیو تیہم پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور باقی قراء نے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عدی بن زید نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کس بشر پر کوئی چیز نازل کی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ (2)

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَاتِّينَادَا وَدَاوُدَ زَبُورًا ۖ

”بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ، یونس، ہارون اور سلیمان علیہم السلام کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور۔“

سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ آپ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی مثل ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْتَقِيْنَ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ انبیاء شریعت میں سے پہلے ہیں اور شرک سے ڈرانے والے بھی پہلے ہیں۔ یہی پہلی ہستی ہیں جن کی دعوت کو رد کرنے کی بناء پر ان کی امت کو عذاب کا سامنا کرنا پڑا اور آپ کی دعا کی وجہ سے زمین والوں کو ہلاک کیا گیا۔ آپ ہی



انبیاء میں سے سب سے طویل عمر پانے والے تھے اور آپ کا معجزہ آپ کی ذات میں رکھا گیا۔ آپ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں رہے، نہ آپ کا کوئی دانت گرا، نہ کوئی بال سفید ہوا، نہ قوت کم ہوئی۔ آپ نے ساری عمر اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کیا۔ آپ کے بعد والے انبیاء سے مراد حضرت ادریس، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور دوسرے انبیاء ہیں۔ اسباط سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے یا تو آپ کے بارہ بیٹے مراد ہیں یا ان کی اولاد میں سے انبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ حضرت عیسیٰ، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت ہارون اور حضرت سلیمان کا ذکر ان کی فضیلت کے لیے کیا ہے، اگرچہ یہ بھی انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہیں۔

اتینا داؤد زبوراً کاو حینا پر عطف ہے۔ اعمش اور حمزہ نے زبور کو زما کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ امام بغوی نے کہا اس میں تمجید، تجمید اور اللہ تعالیٰ کی ثناء تھی حضرت داؤد علیہ السلام جنگل کی طرف نکل جاتے اور کھڑے ہو کر زبور پڑھتے۔ آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کے علماء بھی کھڑے ہو جاتے وہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے اور عام لوگ علماء کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ جن درجہ بدرجہ لوگوں کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ پہاڑوں میں رہنے والے جانور آتے جو زبور سن کر تعجب کرتے ہوئے آپ کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور پرندے ان کے سروں پر پر پھیلائے (۱) ٹھہر جاتے۔ (۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش تم مجھے گزشتہ رات اس وقت دیکھتے جب میں تیری قرأت سن رہا تھا۔ تجھے آل داؤد کی سروں میں سے سردی گئی (۲) حضرت ابو موسیٰ نے عرض کی یا رسول اللہ کی قسم اگر میں جانتا ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اسے مزید حسین بنا تا (۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آپ کو دیکھتے تو فرماتے اے ابو موسیٰ ہمیں کچھ نصیحت کرو تو حضرت ابو موسیٰ آپ کو قرآن حکیم پڑھ کر سناتے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ  
اللَّهُ مُوسَىٰ تَكَلِيمًا ﴿۱۳۰﴾

”اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر۔ جن کا حال بیان کر دیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے ۱۳۰ اور ان

رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا۔ اور کلام فرمایا اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام ہے۔“

۱۔ رُسُلًا فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر او حینا دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی۔ وَأَرْسَلْنَا رُسُلًا

۱۳۰ یعنی اس دن سے پہلے ہم نے بیان کیا مثلاً حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت ذوالکفل اور دوسرے انبیاء۔

۱۳۱ حضرت ابو ذر سے مروی ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ سب سے پہلے نبی کون تھے؟ فرمایا حضرت آدم۔ میں نے عرض کی وہ نبی تھے؟ فرمایا ہاں، ان سے کلام کیا گیا۔ میں نے عرض کی کتنے رسول تھے فرمایا تین سو تیرہ کی ایک بڑی جماعت۔ حضرت ابو امامہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ انبیاء کی کل کتنی تعداد ہے؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں سے

1- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 519 (التجاریہ) 2- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی) 3- تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 519 (التجاریہ)

(۱) و فرغ الطائر بجناحہ سے مراد یہ ہے کہ جس چیز پر پرندہ منزلار ہا ہوتا تھا تو اس پر گرنے کے لئے وہ پھر پھیلا لیتا تا کہ ٹھیک اسی چیز پر گرے۔

رسول تین سو پندرہ کی ایک بڑی جماعت تھی (1) اسے امام احمد اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔ امام حاکم نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا۔ نیز ابو یعلیٰ اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار انبیاء مبعوث فرمائے، چار ہزار بنی اسرائیل میں سے (2) اور چار ہزار (1) دوسرے لوگوں میں سے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء کی بعینہ معرفت ایمان کی صحت کے لیے شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ تمام انبیاء پر ایمان لایا جائے۔ اگر تمام کی معرفت شرط ہوتی تو اللہ تعالیٰ سب کا ہم پر ذکر کر دیتا۔

۱۔ براہ راست کلام وحی کا انتہائی مرتبہ ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منتخب فرمایا جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مزید فضیلت دی اور درجات کو بلند کیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾۔ حضور ﷺ کو وہ تمام فضائل عطا کیے جو دوسرے انبیاء کو دیے گئے تھے جبکہ مزید عظمتوں سے نوازا۔ فراء نے کہا عرب ہر ایسی چیز کو کلام کہہ دیتے ہیں جو دوسرے انسان تک پہنچنے کا ذریعہ ہو لیکن مصدر کے ساتھ اس کی تاکید نہیں لاتے۔ جب مصدر سے تاکید لائی جائے تو اس سے حقیقی کلام ہی مراد ہوتی ہے۔ بطور مجاز یہ کہنا تو درست ہے اراد الجدار ان ینقض لیکن یہ کہنا درست نہیں اراد الجدار۔ (3)

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ لِمَنْ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ  
الرُّسُلِ ۗ وَ كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۰﴾

” (بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول لے خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد ۱۰ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے (کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی) ہے۔“

۱۔ یہ بطور مدح منصوب ہے یا اس سے پہلے ارسلنا فعل مضمر ہے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یا رسلا مابعد کی تمہید ہے۔  
۲۔ لام جار یا توارسلنا کے متعلق ہے یا مبشرین اور منذرین کے متعلق ہے۔

۳۔ یعنی رسولوں کو ان کی طرف بھیجنے کے بعد کوئی حجت نہ رہے۔ حجة مکان کا اسم ہے اور للناس اس کی خبر ہے یا علی اللہ اس کی خبر ہے اور دوسرا جار مجرور حال ہے۔ اس کو حجة کے متعلق کرنا درست نہیں کیونکہ حجة مصدر ہے اور بعد یہ مصدر کی ظرف ہے یا اس کی صفت ہے۔ معنی یہ ہوگا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں ابے ہمارے رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں مبعوث نہیں کیا تاکہ ہم اس کی اتباع کرتے۔

حضرت مغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا اگر میں کسی مرد کو اپنے عورت کے ساتھ دیکھ لوں تو میں اسے تلوار کی دھار

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 436 (العلویہ) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر خازن، جلد 1، صفحہ 519 (التجاریہ)

(1) ابن حبان نے اپنی صحیح، حاکم، ابن عساکر اور حکیم ترمذی نے نو اور الاصول اور عبد بن حمید نے ابو ذر سے روایت کیا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ انبیاء کتنے تھے؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ان میں سے رسول کتنے تھے؟ فرمایا تین سو تیرہ کی ایک بڑی جماعت۔ پھر فرمایا چار ان میں سے بانی ہیں۔ حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت نوح اور حضرت خنوخ۔ یہی حضرت ادریس ہیں۔ یہی وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا۔ چار عربوں میں سے ہیں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور آپ کے پیارے نبی۔ بنی اسرائیل میں سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری آپ کے نبی ہیں۔

سے قتل کر دوں گا۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی۔ فرمایا تم سعد کی غیرت سے خوش ہوتے ہو اللہ تعالیٰ کی قسم میں سعد بن عبادہ سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہے (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی غیرت کی وجہ سے ہی ظاہر اور مخفی فواحش کو حرام کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ہاں عذر کرنے والے سے بڑھ کر محبوب نہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے مبعوث کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی مدح کو پسند نہیں کرتا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔

امام بغوی نے کہا اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی بعثت سے پہلے مخلوق کو عذاب نہیں دیتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔

احناف نے کہا اللہ تعالیٰ شرعی اوامر اور نواہی پر عذاب نہیں دیتا مگر اسی وقت جب اللہ رسولوں کو مبعوث فرمادے۔ رہا توحید کا واجب ہونا یہ بعثت رسول پر موقوف نہیں کیونکہ آفاقی اور انفسی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں اور عقل کا ادراک اس میں کفایت کر جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ جس چیز کا وہ ارادہ کرے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور نبوت کی جو اس نے تدبیر کی ہے۔ اس میں حکمت ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خاص وحی معجزہ اور فضل کے ساتھ خاص کیا ہے۔ حضور ﷺ کو تمام مخلوقات کی طرف مبعوث کرنے اور تاقیامت بعثت کی وجہ سے تمام انبیاء کے کمالات سے نوازا۔

ابن اسحاق اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں وہ کہنے لگے ہم تو اس کو نہیں جانتے۔ (2)

امام بغوی نے کہا مکہ مکرمہ کے روساء حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، کہنے لگے اے محمد ﷺ ہم نے تمہارے اور تمہاری صفات کے متعلق یہودیوں سے سوال کیا تو انہوں نے کہا وہ آپ کو نہیں جانتے تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔ (3)

لٰكِن اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِۦ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَاُوۡىٰٓءُ كٰفِيۙ  
بِاللّٰهِ شٰهِيۡدًا ۝۱۱۱

”لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی طرف اتاری۔ کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے ۱۱۔ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ سے“

۱۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے ذریعے آپ کی نبوت کی گواہی دیتا ہے جو نظم و معنی کی وجہ سے معجز ہے اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ اپنے علم خاص کے ساتھ نازل فرمایا، وہ ماضی اور مستقبل کے مغیبات کا علم ہے اور قرآن کی تالیف کا علم جس کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کی مثل لانے سے غیر عاجز رہے یا ان لوگوں کا علم جو نبوت اور کتاب کے منزل بننے کے اہل تھے۔ اس کے اسی علم کے باعث لوگ اپنی دنیا اور آخرت کی اصلاح کے لئے اسی کے محتاج ہوئے۔ پہلی دونوں صورتوں میں جار اور مجرور فاعل سے حال ہے اور تیسری صورت میں مفعول سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ مفعول مطلق ہو۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اَنْزَلَهُ اِنْزَالًا مُّتَبَيِّنًا بِعِلْمِهِۦ۔ یہ جملہ ما قبل کی تفسیر کی طرح ہے۔

سے فرشتے بھی آپ کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں کیونکہ وہ ظاہر ہو کر جنگ میں آپ کی مدد کے لئے آتے ہیں جس طرح غزوہ بدر میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت پر جو دلائل قائم کئے وہ کافی ہیں، غیر سے استشہاد کی ضرورت نہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کی جزاء آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ خود گواہ ہی کافی ہے کیونکہ ایک عادل حاکم جب خود جانتا ہو اور گواہ ہوتا ہے کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلًّا بَعِيدًا ﴿١٣١﴾

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے وہ گمراہ ہوئے اور گمراہی میں بہت دور نکل گئے۔“

۱۔ یہاں سبیل اللہ سے مراد حضور ﷺ پر ایمان لانا ہے۔ انہوں نے تورات میں موجود حضور ﷺ کی صفات کو چھپایا۔ اس میں تحریف کی اور لوگوں کو آپ کی اتباع سے روکا۔ اس طرح وہ حق سے بہت دور نکل گئے کیونکہ انہوں نے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کو جمع کیا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ ظَلَمُوا أَلَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٣٢﴾

”بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ بخش دے انہیں اور نہ یہ کہ دکھائے انہیں (سیدھی) راہ۔“

۱۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا اور سب کچھ جانتے ہوئے حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کر کے آپ پر ظلم کیا۔ یا جس چیز میں لوگوں کی بھلائی تھی لوگوں کو اس سے روک کر لوگوں پر ظلم کیا اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انہیں بخش دے یا ہدایت سے نوازے۔

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٣٣﴾

”بجز جہنم کی راہ کے ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔“

۱۔ جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو ان کے لئے جہنم میں ہمیشہ رہنا مقدر ہے، انہیں جہنم میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر مشکل نہیں۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جن کے بارے میں یہ حکم ہو چکا ہے کہ وہ کفر پر ہی مریں گے۔ واللہ اعلم۔

جب اللہ تعالیٰ نے نبوت کے معاملہ کو واضح کر دیا اور اس راستہ کی وضاحت کر دی جو اس کے علم تک پہنچانے والا ہے، جو اس کا انکار کرے اس کے لئے یہ وعید ہے۔ اب لوگوں سے عام دعوت کے ساتھ خطاب فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَاصْبِرُوا خَيْرًا لَكُمْ ۗ وَإِنْ

تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٣٤﴾

”اے لوگو! تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے پس تم ایمان لاؤ یہ بہتر ہے

تمہارے لئے اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جانتے

والاحکمت والالہ۔“

۱۔ الرَّسُولُ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے اور حق سے مراد قرآن اور دین حق ہے۔ خیر یا ایمان کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے یا امر کی صفت ہو کر فعل محذوف کا مفعول یہ ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: اوانتوا خیرًا لکم۔ امام بغوی نے کہا تقدیر کلام یوں ہوگی

يَكُنْ الْإِيمَانُ خَيْرًا لَّكُمْ (۱) جبکہ بصریوں نے اس سے منع کیا، انہوں نے کہا تکان کو اپنے اسم کے ساتھ اس وقت حذف کیا جاسکتا ہے جس کے بغیر کوئی چارکار نہ ہو۔ نیز یہ شرط اور جواب کے حذف کی طرف لے جاتا ہے۔ تکان کے اپنے اسم کے ساتھ حذف کے عدم جواز کو اس مثال سے رد کیا گیا ہے کہ عربوں کا قول ہے النَّاسُ مُجْزِيُونَ بِأَعْمَالِهِمْ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا۔ (یہاں خیرا خبر ہے اور تکان اپنے اسم کے ساتھ حذف ہے)

اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے غنی ہے، تمہارا کفر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، جس طرح تمہارا ایمان اسے کوئی نفع نہیں پہنچاتا۔ تمہارے ایمان کا نفع اور تمہارے کفر کا نقصان تمہاری طرف ہی پلٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے غنی ہونے پر اس ارشاد کے ساتھ آگاہ فرمایا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے پیدا کرنے اور مالک ہونے کے اعتبار سے اسی کا ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کو جانتا ہے اور جو ایمان نہیں لائے انہیں بھی جانتا ہے، وہ دونوں کو جزاء میں برابر نہیں رکھتا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۗ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ الْجِبَالُ إِلَى مَرْيَمَ وَرُوِّقَتْهُ فَامْتُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۗ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۗ إِنَّمَا اللَّهُ وَاحِدٌ ۗ سُبْحٰنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۗ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

”اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں نہ اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات نہ بے شک مسیح عیسیٰ پر مریم سے تو صرف اللہ کے رسول ہیں نہ اور اس کا کلمہ ہے جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی اس کی طرف سے نہ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر بے اور نہ کہو تین (خدا ہیں) ۱۱ باز آ جاؤ (ایسا کہنے سے) ۱۲ یہ بہتر ہے تمہارے لیے نہ بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے الیہ پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا ۱۳ اسی کا (ملک) ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے ۱۴ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا راز ۱۵۔“

۱۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ خطاب یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کو ہے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو کم کرنے کے لیے غلو سے کام لیا یہاں تک کہ ان کی تکذیب کی اور آپ کی والدہ پر سب و شتم کیا۔ نصاریٰ نے آپ کی شان کو بلند کرنے کے لیے غلو سے کام لیا یہاں تک کہ آپ کو خدا بنا لیا غلو کا اصل معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

امام بغوی نے کہا یہ آیت نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کے چار گروہ تھے: یعقوبیہ، ملکائیہ، نسطوریہ اور مرقوسیہ۔ یعقوبیہ اور ملکائیہ نے تو یہ کہا عیسیٰ ہی اللہ ہے۔ نسطوریہ نے کہا عیسیٰ ابن اللہ ہے۔ مرقوسیہ نے کہا وہ تین میں سے تیسرے ہیں۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے ملکائیہ کہتے عیسیٰ اللہ ہے۔ یعقوبیہ کہتے وہ ابن اللہ ہے۔ نسطوریہ کہتے وہ تین میں سے تیسرے ہیں (۱) انہیں یہ تعلیم ایک یہودی نے دی تھی جسے بولس کہتے جس کا ذکر سورہ توبہ میں آئیگا۔

۲۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے شریک بیوی اور بیٹے اور جسم ہونے سے پاکی بیان کرو کہ وہ کھانے پینے کا محتاج ہے۔

۳۔ عیسیٰ المسیح سے عطف بیان ہے اور ترکیب کلام میں یہ مل کر مبتدا ہے

یہ رسول اللہ مبتدا کی خبر ہے، یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح نصاریٰ نے کہا کہ وہ ابن اللہ ہے اور نہ اس طرح ہے جس طرح یہودیوں نے کہا کہ وہ کذاب ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔  
 ۷ یعنی آپ کلمہ کن کا اثر ہیں، آپ بغیر باپ کے انسان ہوئے۔

۸ قد کے مقدر ماننے کے ساتھ یہ حال ہے۔ روح منہ کا عطف رسول اللہ پر ہے، یعنی ایسی روح والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح پیدا فرمایا جس طرح دوسرے حیوانات کو پیدا فرمایا تو اس کا الہ ہونا ممکن نہیں۔ اس روح کی نسبت اپنی ذات کی طرف محض شرف کے اظہار کے لیے کی آپ کو روح اس لیے فرمایا کیونکہ آپ مردوں اور مردہ دلوں کو زندہ فرماتے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس روح سے مراد وہ پھونک ہے جو حضرت جبرئیل امین نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونکی تھی اور حضرت مریم اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاملہ ہو گئیں۔ اس پھونک کو روح اس لیے کہا گیا کیونکہ یہ وہ ہوا ہے جو روح سے نکلی تھی۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صادر ہوئی۔ اس میں مادہ کا کچھ داخل نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ روح منہ سے مراد اس کی طرف سے رحمت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے لیے سرپا رحمت تھے، جنہوں نے آپ کی اتباع کی اور آپ پر ایمان لائے۔ ایک قول یہ کیا گیا روح سے مراد حضرت مریم کی طرف بشارت کی وحی جبرائیل امین کی طرف پھونکنے کی وحی اور حضرت عیسیٰ کی طرف کن (ہو جا) کی وحی کی۔ پس وہ ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا روح سے مراد جبرائیل امین ہیں۔ اس کا عطف اس پوشیدہ ضمیر پر ہے جو الفاظ میں ہے۔ درمیان میں کیونکہ فاصلہ آچکا ہے۔ اس لیے اس ضمیر متصل (۱) پر عطف کرنا جائز ہے۔ اس فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اس لیے درست ہے کیونکہ وہ امر ہے جبرئیل امین کی طرف اس لیے درست ہے کیونکہ وہ فاعل ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کرنا درست ہے کیونکہ وہ خالق ہے جبرئیل امین کی طرف اس لیے کیونکہ وہ کاسب ہے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس نے لا الہ الا اللہ اور محمد عبدہ و سولہ کی گواہی دی اور یہ گواہی کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اس کے رسول اس کا کلمہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو القاء کیا اور اس کی روح ہیں اور یہ گواہی دی کہ جنت حق ہے ناحق ہے۔ اس کا جو بھی عمل ہو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ متفق علیہ۔ (۱)

۹ انہیں میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

۱۰ یہ نہ کہ اللہ مسیح اور مریم تین خدا ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذْ ذُنُوبِي وَاَتَّخِذُ الْغَيْنِ مِنْ ذُنُوبِ اللَّهِ قَوْلٌ يَدْعُوهُ اس طرح کرتے اللہ عیسیٰ اور جبرئیل اور ان کے نام یوں رکھتے اب ابن اور روح القدس۔ وہ یہ کہتے ایک ذات کے لیے علم اور حیات وصف تھے۔ اس کی صفت علم منتقل ہوئی۔ اس نے غلبہ پایا اور جسم ہو گئی۔ اسی کا نام عیسیٰ رکھا گیا اور صفت حیات منتقل ہوئی تو اس کا نام جبرئیل رکھا گیا۔

۱۱ اس عقیدہ تثلیث سے رک جاؤ یا ایسا کام کرو۔

۱۲ جس پر تم ہو اس سے بہتر ہو یا خیر امصدر انتہاء کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے یا تقدیر کلام یوں ہوگی يَكُنِ الْاِنْتِهَاءُ خَيْرًا لَكُمْ۔

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 488 (وزارت تعلیم)

(۱) نحوی قاعدہ یہ ہے کہ جب اسم ظاہر کا عطف اسم ضمیر پر کیا جائے تو مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید لگانا ضروری ہوتا ہے اور جب فاصلہ آجائے تو بغیر تاکید کے عطف کرنا بھی درست ہوتا ہے۔

تمہارا رک جانا بہتر ہے۔

۱۲۔ ایہ مبتدا خبر ہو کر جملہ اسمیہ ہے۔ واجد الہ کی صفت ہے جو تائید کا فائدہ دے رہی ہے، یعنی اس میں کسی اعتبار سے بھی تعدد نہیں۔  
 ۱۳۔ سبحانہ مفعول مطلق ہے ولد اسی کا ہو سکتا ہے جس کی مثل متصور ہو اور جس پر فناء طاری ہو سکے۔ اسی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس قول کو اپنے حق میں گالی کا نام دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم نے مجھے جھٹلایا جبکہ یہ اس کا حق نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی جبکہ یہ اسے زیبا نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانے سے مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں لوٹائے گا جس طرح اس نے پیدا کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے پہلی دفعہ پیدا کرنا دوبارہ زندہ کرنے سے زیادہ آسان نہیں۔ انسان کا مجھے گالی دینے سے مطلب اس کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا حالانکہ میں احد اور بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ ہی مجھے جنا گیا اور نہ ہی کوئی میرا شریک ہے (۱) حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے اس کا یہ قول کہ میرا بیٹا ہے مجھے گالی دینا ہے میری ذات اس سے پاک ہے، میں کس کو بیوی اور بیٹا بناؤں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (2)  
 ۱۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز ملک اور تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو کون اس کا مماثل ہو سکتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا بیٹا تصور کیا جائے۔ گویا یہ جملہ سابقہ کلام کے لیے تعلیل کی طرح ہے۔  
 ۱۵۔ وکیل سے مراد حفاظت کرنے والا اور تدبیر کرنے والا ہے پس اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے کیونکہ بچے کو حاجت اس لیے ہوتی ہے تاکہ وہ باپ کا وکیل بنے اور اس کے قائم مقام ہو۔

امام بغوی نے کہا جبکہ واحدی نے اسباب النزول میں اسے کلبی کی طرف منسوب کیا ہے کہ نجران کے وفد نے حضور ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ تم ہمارے نبی پر عیب لگاتے ہو۔ آپ نے فرمایا میں ان کے بارے میں کیا کہتا ہوں؟ انہوں نے کہا تم یہ کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی عار کی بات نہیں۔ (3)

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ  
 يَسْتَنْكِفَ عَنْ عِبَادَتِهِمْ وَيَسْتَكْبِرُ فَيَسِيحُشْرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ۝

”ہرگز عار نہ سمجھے گا۔ مسیح (علیہ السلام) کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے (اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی بندگی سے اور وہ تکبر کرے۔ تو اللہ جلد ہی جمع کریگا ان سب کو اپنے ہاں۔“

۱۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز ناک نہیں چڑھائیں گے اور نہ ہی اپنے آپ کو بڑا سمجھیں گے۔ استنکاف کا معنی ناک چڑھاتے ہوئے تکبر کرنا ہے۔ یہ نکفت الدمع سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اپنی انگلی سے آنسو پونچھ دے تاکہ اس کا اثر آپ کو نظر نہ آئے۔

۲۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی تو بندے کے لیے شرف اور کمال ہے جس پر وہ فخر کرتا ہے کیونکہ یہی تمام کمالات کی اصل ہے کیونکہ ممکنات میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کے بغیر کمال سے متصف ہو سکے، جبکہ ممکن کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبودیت کے

سوا کوئی نسبت نہیں ذلت اور ناگواری تو غیر اللہ کی عبادت میں ہوتی ہے کیونکہ وہ غیر بھی تو اس کی طرح ممکن ہے۔  
 اس کا عطف اسح پر ہے، یعنی مقرب فرشتے بھی اس امر پر ناگواری کا اظہار نہیں کرتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے بنیں جو فرشتوں کی  
 انسانوں پر فضیلت کا گمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کیونکہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے کہا جاتا ہے  
 فلاں اس سے نفرت نہیں کرتا اور نہ ہی وہ جو درجہ سے اس سے اعلیٰ ہے یہ نہیں کہا جاتا تاہم اس سے نفرت نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا غلام۔  
 اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی طور پر یہ کلام نہیں فرمائی تا کہ ان کی منازل کی بلندی کا اظہار  
 ہو بلکہ فرشتوں کے پرستاروں کا رد فرمایا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پرستاروں کا رد فرمایا۔ یا یہ کہا جائے کہ عطف سے مراد  
 کثرت کے اعتبار سے مبالغہ ہے، مقام و مرتبہ کے اعتبار سے نہیں جس طرح تیرا یہ قول امیریوں ہو گیا کہ نہ کوئی رئیس اس کی مخالفت  
 کرتا ہے اور نہ ہی رعایا۔

امام بیضاوی نے کہا اگر اس سے مراد مقام و مرتبہ کی بڑائی ہے تو پھر اس کا مقصود مقرب فرشتوں کی فضیلت ہے وہ کروہین ہیں جو  
 عرش الہی کے ارد گرد ہوتے ہیں یا ان میں سے جو بڑی شان رکھتے ہیں، ان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت کا اظہار ہے۔ تاہم یہ  
 اس بات کو مستلزم نہیں کہ دونوں جنسوں میں ایک دوسرے پر مطلقاً فضیلت رکھتی ہے جبکہ نزاع تو اسی میں ہے۔ (۱)  
 بعض فضلاء نے یہ کہا کہ اس اعتراض کو ختم کرنے میں زیادہ مناسب یہ جواب ہے کہ ترقی فرشتوں کی عار محسوس کرنے کی نفی میں ہے  
 کیونکہ وہ اس ناگواری کے زیادہ حقدار تھے نہ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی فضیلت یعنی زیادہ ثواب کے مستحق ہیں بلکہ وہ آپس میں  
 بندگی کا تصور نہیں رکھتے جبکہ بندوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ ان میں باہم بندگی کا تصور عام ہے۔

میں کہتا ہوں میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ ترقی فرشتوں کی انبیاء پر کلی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے نہیں  
 بلکہ ان کی من وجہ اور جزوی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی نزاع نہیں۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ انسان اپنی ذات  
 اور نوع کی بقاء کے لیے کھانے پینے جماع کرنے اور دوسری چیزوں کا محتاج ہے۔ اس کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے اس کی عمر تھوڑی  
 ہے اور فناء کا وقت قریب ہے تو وہ اپنے رب کی عبادت سے کیسے عار محسوس کر سکتا ہے۔ اور وہ کیسے اپنے لیے الوہیت کا دعویٰ کر سکتا ہے  
 جبکہ فرشتے اپنے مجرد ہونے محتاج نہ ہونے، عمروں کے طویل ہونے زبردست طاقت رکھنے، امراض، مصائب اور شداہد کا شکار نہ  
 ہونے کے باوجود وہ الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس میں ساتھ ہی ساتھ یہ اشارہ بھی ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں افراط سے کام لیا۔ جب انہوں نے  
 یہ دیکھا کہ آپ باپ کے بغیر پیدا ہوئے آپ مادر زاد اندھوں کوڑھیوں کو درست کر دیتے ہیں، مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں آپ لوگوں  
 کو وہ بتا دیتے ہیں جو وہ کھاتے ہیں اور جو گھروں میں ذخیرہ کرتے ہیں تو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندگی سے ہی بری کر دیا تو  
 انہیں کہا جائیگا یہ اوصاف تو فرشتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مکمل انداز میں پائے جاتے ہیں جبکہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کی  
 بندگی سے تکبر نہیں کرتے۔ نیز اس میں فرشتوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت کی طرف اشارہ ہے، اگرچہ کسی ایک وجہ سے ہی یہ  
 کلام نصاریٰ کے جواب کے طور پر آئی ہے، جب انہوں نے آپ کی شان میں افراط سے کام لیا، یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو وہ



مقام دیا جو آپ کے لیے نہ تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کی فضیلت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت پر قیاس کیا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا کیا آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہمارا بندہ خضر تم سے زیادہ عالم ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا لَا اَہْرَمُ مَعَنِي اَبْنَةُ مَعْجَمِ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضَىٰ حَقًّا اور حضرت خضر علیہ السلام سے کہا هَلْ اَتَّعَلَّكَ عَلَيَّ اَنْ تَعَلَّمَنِي وَمَا عَلَّمْتَهُ شَدًّا۔

۱۔ استکبار (ا) استنکاف (ب) سے درجہ میں کم ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کا عطف استنکاف پر کیا یہاں استکبار۔ کا استعمال کیا گیا کیونکہ یہ اس کا استحقاق نہیں تھا جبکہ تکبر میں بعض اوقات استحقاق ہوتا ہے۔  
۲۔ میں انہیں جزا دے گا۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُم مِّنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۶﴾

”پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ تو اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اجر سے اور زیادہ بھی دے گا انہیں اپنے فضل و کرم سے۔ لیکن جنہوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کو) اور تکبر کیا تو عذاب دے گا انہیں دردناک عذاب اور نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔“

۱۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام ملائکہ اور مومن۔

۲۔ اپنے وعدہ سے مطابق انہیں پورا پورا اجر دے گا۔

۳۔ یعنی جو چاہے گا خواہ وہ اجر میں کئی گنا اضافہ کرنا ہو، مقام قرب اور دیدار الہی کے معاملات ہوں جسے کسی آنکھ نے نہ دیکھا، نہ کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل میں وہ کھٹکا، طبرانی اور دوسرے محدثین نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ يَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ سے مراد اس آدمی کے حق میں شفاعت ہے جس کے لیے جہنم کی سزا ثابت ہو چکی تھی یہ شفاعت ان لوگوں کی طرف سے ہوگی جن کے ساتھ اس نے دنیا میں نیکی کی ہوگی۔

۴۔ اگر آپ یہ کہیں تفصیل اجمال کے مطابق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَسَيَحْشُرُهُمْ فِي ضَمِيرِ مَنْصُوبٍ مِنْ يَسْتَنْكِفُ كَيْفَ لَوْثٍ رَيْبٍ هِيَ مَجْمَلٌ تَوْفِيهِمْ كَيْفَ كَذَا كَرِهُوا جَبْكَ تَفْصِيلٍ فِي فَرِيقَيْنِ كَذَا كَرِهُوا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا یہ کلام منطوق کی تفصیل نہیں بلکہ کلام کا جو معنی ہے اس کی تفصیل ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی اللہ تعالیٰ تمام ان لوگوں کو جمع کرے جو عبادت سے تکبر کرتے ہوئے نفرت کا اظہار کرتے تھے جس دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اٹھائے گا تو انہیں جزا بھی دے گا پس جو لوگ ایمان لائے ہونگے..... یا یوں کہا جائے کہ اہل استنکاف کے مد مقابل لوگوں کو اچھا بدلہ دینا تو اہل استنکاف کو غم اور حسرت کا عذاب دینا ہے۔ گویا مُسْتَنْكِفِينَ کے عذاب کی وضاحت دو طرح سے کی ہے۔

تفتازانی نے کہا یہ جواب درست نہیں کیونکہ اما کالفظ دونوں جماعتوں پر داخل ہوا، صرف مستنکفین کی جزا پر داخل نہیں (۱)

صاحب کشف نے مجمل کلام میں یہ کلام مقدر کی ہے فَسَيَحْشُرُهُمْ وَالْمُؤْمِنِينَ کیونکہ تفصیلی کلام اس کا تقاضا کرتی ہے یا دو متقابل چیزوں میں سے ایک دوسرے کے ذکر پر دلالت کرتی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں دونوں جماعتوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے غیر مُسْتَكْفِينَ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ضمن میں تھا لَنْ يَسْتَكْفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ اور مُسْتَكْفِينَ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں تھا وَمَنْ يَسْتَكْفَ عَنْ عِبَادَتِهِ..... تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی جزاء کی وضاحت کر دی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿٥٧﴾

”اے لوگو! آچکی ہے تمہارے پاس ایک (روشن) دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف نور درخشاں۔“

برہان سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضور ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیل آچکی ہے، یعنی حضور ﷺ اور نور مبین سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس کے ساتھ حق اسی طرح منکشف ہو جاتا ہے جس طرح اشیاء نور کے ساتھ منکشف ہو جاتی ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَتِهِمْ وَفَضْلٍ وَ  
يَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ﴿٥٨﴾

”تو جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کی رسی) کو تو عنقریب داخل کریگا انہیں اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچائے گا انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی راہ پر۔“

رحمت سے مراد جنت اور ثواب ہے جو ایمان اور عمل کے مقابلہ میں بطور رحمت مقدر کیا گیا۔ یہ کوئی اس حق کو پورا کرنے کے لیے نہیں جو اللہ تعالیٰ پر واجب تھا جبکہ معتزلہ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

فضل سے مراد وعدہ سے زائد حسان ہے جیسے دیدار اور قرب کے درجات۔ اور یھدیہم الیہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ راستہ ہے جو محض اس کی ذات تک پہنچانے والا ہے جو کم و کیف سے پاک ہے۔ صراط مستقیم سے مراد اسلام طاعت دنیا میں صوفیاء کے راستے پر چلنا جنت کا راستہ مقام دیدار اور آخرت میں قرب کے مقامات ہیں۔ صراطاً ترکیب میں محذوف مضاف سے حال ہے جو الیہ میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی الی صراطہ یا یہ کہا جائیگا تقدیر کلام یہ ہے یھدیہم مقربین الیہ یا مقربا یا ہم الیہ اس صورت میں مقربین یا مقربا اسم فاعل یا اسم مفعول سے حال ہوگا اور صراطاً مفعول ثانی ہوگا یا یہ کہا جائیگا کہ صراطاً مستقیماً الیہ سے بدل ہوگا واللہ اعلم۔

ابن مردویہ نے حضرت عمر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کلام کی وراثت کیسے تقسیم کی جائیگی تو اللہ

تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا۔ (1)

يَسْتَقْوُونَكَ قُلُوبُهُمْ يَفْتَنُكَ فِي الْكَلْبَةِ إِنَّ أَمْرًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ

أُحْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۗ فَإِنْ كَانَتَا  
اِثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الْغُلُّشْنِ وَمِمَّا تَرَكَ ۗ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ  
مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

”اے میرے رسول! فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں کلالہ (کی میراث) کے بارے میں۔ اگر کوئی ایسا آدمی فوت ہو جائے نہ ہو جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اسکی ایک بہن ہو۔ تو بہن کا نصف حصہ ہے اس کے ترکہ سے اور وہ وارث ہوگا اپنی بہن کا ہے اگر نہ ہو اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں گے تو ان دونوں کو دو تہائی ملے گا اس سے جو اس نے چھوڑا ہے اور اگر وارث ہوں بہن بھائی اور مرد بھی اور عورتیں بھی ملے تو مرد (بھائی) کا حصہ دو عورتوں (بہنوں) کے حصہ کے برابر ہے۔ صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

۱۔ کلالہ کا معنی سورت کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

امام نسائی نے ابی الزبیر کے واسطے سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے میں بیمار ہوا تو حضور ﷺ تشریف لائے، میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں اپنی بہنوں کے لیے تیرے حصے کی وصیت کر دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان کے ساتھ احسان کرو۔ میں نے عرض کی میں نصف کی وصیت کر دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان کے ساتھ احسان کرو۔ پھر آپ تشریف لے گئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد تشریف لائے۔ فرمایا میرا خیال نہیں کہ تم اس مرض میں فوت ہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بہنوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا ہے، وہ دو ٹوک ہے۔ حضرت جابر کہا کرتے تھے یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی (۱) حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا یہ حضرت جابر کا دوسرا قصہ ہے جو سورت کے آغاز میں گزرا وہ اور تھا۔

فائدہ: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت حقیقی بھائیوں اور بہنوں کے بارے میں ہے جس طرح ہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سورت کے آغاز میں نقل کیا ہے حقیقی بہن بھائی نہ ہونے کی صورت میں باپ کی طرف سے بھائیوں کو بھی ان پر قیاس کیا جائیگا۔ یہی اجماع ہے۔

۲۔ یہ مضمرفعل کیوجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔

۳۔ لیس لہ ولد امرء کی صفت ہے یا ہلک میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے۔ ولد مذکر اور مؤنث دونوں کو عام ہے، یعنی اس کا کوئی بچہ یا بچی نہیں ہوتا۔

۴۔ یعنی ماں باپ کی طرف سے صرف ایک ہی بہن ہے۔ یہ جملہ حال اور عطف دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔

۵۔ وہ بہن اس کے نصف مال کی وارث ہوگی اور وہ بھائی اپنی بہن کے تمام مال کا وارث ہوگا اگر حقیقی بہن ہلاک ہوگئی۔

۶۔ اگر فوت ہونے والی کا بچہ یا بچی نہ ہو کلالہ کے مفہوم سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کا باپ اور دادا موجود نہیں۔

۷۔ اگر بہنیں دو یا زیادہ ہوں اور ساتھ مذکر نہ ہو تو تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ دو سے زیادہ کا حکم وہی ہے جو دو کا ہے۔

۵۔ تو ان کے بھائی نے جو تر کہ چھوڑا ہے اس کے دو ٹکٹ ان کے لیے ہونگے۔

۹۔ اگر وارث بہن بھائی ہوں وراثت کے باب میں دو کا حکم وہی ہوتا ہے جو جمع کا ہوتا ہے۔

۱۰۔ یعنی مرد عورتیں ملے جلے حق تو یہ تھا کہ کلام یوں ہوتی و ان کماؤا اخوة و اخوات رجالا و نساء لیکن مذکر کو غلبہ دیا گیا۔

۱۱۔ تو ان میں سے مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے یعنی اگر دو عورتوں یا زیادہ کے ساتھ ایک مذکر یا زیادہ مذکر ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو اسی کی مثل دیا جائیگا جتنا دو عورتوں کو دیا جاتا ہے۔ دلالتہ النص سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مرد ایک ہو یا زیادہ ہوں۔ اگر عورت ایک ہو تو اسے مرد کے مقابلہ میں نصف دیا جائیگا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر مذکر کو دو حصے اور ہر مؤنث کو ایک حصہ دیا جائیگا۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک بہن کے لیے نصف اور دو یا زیادہ بہنوں کے لیے دو ٹکٹ کی شرط کے لیے بچہ نہ ہونے کی جو شرط ہے اسی طرح پوتا یا اس سے نیچے لڑکانہ ہونے کی بھی شرط ہے۔ اگر ایک بچہ ہو یا پوتا ہو تو بہنوں اور بھائیوں کے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا ایک بچی ہو یا زیادہ بچیاں ہوں۔ تو بھائی بہنوں کے لیے وہ مذکر ہوں یا مؤنث ہوں، ایک ہو یا زیادہ ہوں تو بچی کا نصف یا دو یا زیادہ ہوں تو دو ٹکٹ دینے کے بعد باقی انہیں دیا جائیگا۔ بھائیوں کو اس لیے دیا جائیگا کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے فرائض (معین حصے) ان کے مستحقین کو دو جو چیز باقی بچے تو سب سے قریبی مذکر کا حصہ ہے (۱) یہ روایت حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے۔ اسی طرح بہن کا حصہ ایک ہو یا زیادہ ہوں، انہیں بھی ایک بچی یا زیادہ کے ساتھ حصہ ملے گا کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنالو۔

ہذیل نے حضرت شریک سے حدیث نقل کی ہے کہ ایک آدمی حضرت ابو موسیٰ اشعری اور سلیمان بن ربیعہ کے پاس آیا ان سے ایک ایسے آدمی کے متعلق سوال کیا جو فوت ہوا تو اس کی ایک بیٹی اور حقیقی بہن رہ گئی۔ دونوں نے کہا بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف ملے گا۔ اب حضرت ابن مسعود کے پاس جاؤ، وہ بھی ہماری موافقت کرے گا۔ وہ حضرت ابن مسعود کے پاس آیا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر میں بھی ایسا ہی کہوں تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ میں تو اس طرح فیصلہ کروں گا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا، بیٹی کے لیے نصف پوتی کے لیے چھٹا، اس طرح دو ٹکٹ مکمل ہو جائیں گے اور باقی ماندہ ٹکٹ (۱) بہن کے لیے ہوگا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ (۲)

مسئلہ: تمام علماء کا اس باپ پر اجماع ہے کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی (صرف باپ کی طرف سے بھائی) وارث نہیں ہوتے کیونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے کہ اخیانی بھائی (ماں کی طرف سے بھائی) تو وارث ہوتے ہیں۔ لیکن باپ کی طرف سے بھائی وارث نہیں ہوتے ایک شخص کا حقیقی بھائی وارث ہوتا ہے۔ علاقائی بھائی وارث نہیں ہوتا (۳) اسے امام ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حرث کی حدیث سے روایت کیا جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں جبکہ حرث ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے کہا اس کی (اس مسئلہ) پہچان اس کی حدیث سے ہوئی، لیکن عمل اسی پر ہے۔ وہ علم فرائض

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 34 (قدیمی)، صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 998 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 997 (وزارت تعلیم)

3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 30 (وزارت تعلیم)

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ بیٹی کی موجودگی میں بہن کو کچھ نہیں ملتا جو باقی بچے گا وہ عصبہ کا ہوگا۔ وہ ارشاد فرماتے تم اس کا حصہ کتاب اللہ اور سنت رسول میں نہیں پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور مذکورہ آیت تلاوت کی لیکن جو کچھ ہم نے کہا وہ سنت سے ثابت ہے اسی پر اجماع ہے۔ از مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

سے آگاہ تھا امام نسائی نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام ترمذی کا یہ کہنا کہ عمل اسی پر ہے یہ اجماع کی حکایت ہے۔ مسئلہ: تمام علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ علاقائی بہن ایک ہو یا زیادہ ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں چھٹے حصے کی مستحق ہوگی تاکہ دو ٹکٹ مکمل ہو جائیں اس مسئلہ کو اس مسئلہ پر قیاس کیا گیا پوتی ایک ہو یا زیادہ ہوں، ایک حقیقی بیٹی کے ساتھ چھٹے حصے کی مستحق ہوتی ہے۔ دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں وہ وارث نہ ہوگی کیونکہ دو تہائی پہلے ہی دو بہنوں کو مل چکا ہے۔ ہاں ایک صورت ہے کہ ان کے ساتھ کوئی مرد بھی ہو تو وہ سب عصہ بن جائیں گے اور باقی مال میں سے مرد کو عورت سے دو گنا ملے گا یا نصف مال، ان میں اسی حساب سے تقسیم کیا جائیگا جبکہ حقیقی بہن ایک ہو تو پہلے اسے نصف دیا جائیگا۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ علاقائی بھائیوں کا حکم وہی ہوگا جو حقیقی بھائیوں کا ہوتا ہے بشرطیکہ حقیقی بھائی نہ ہوں یا تو اس آیت سے حکم ثابت ہوگا۔ جب ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ارخ اور اخت کا لفظ ان علاقائی بھائیوں کو بھی شامل ہے۔ تاہم حقیقی بھائیوں کو علاقائی بھائیوں پر ترجیح سنت سے ثابت ہے۔ لیکن یہاں ایک خرابی یہ لازم آئیگی کہ مشترک کے دو معنوں کو جمع کرنا لازم آئیگا مگر خبر مشہور سے یہ ثابت ہے کہ ایک بہن کے لیے نصف اور دو اور زیادہ کے لیے دو ٹکٹ ہونگے اکیلے مذکر کے لیے سارا مال بھی جائز ہے۔ جب مذکر اور مؤنث دونوں شامل ہوں تو مذکر کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ تاہم ان سب بھائیوں کو بیٹا پوتنا باپ اور دادا کی وراثت سے محروم کر دے گا۔ اگر میت کی ایک بیٹی یا متعدد ہوں تو علاقائی کا حکم وہی ہوگا جو بیٹیوں کی موجودگی میں حقیقی کا ہوتا ہے۔

۱۲ اللہ تعالیٰ تمہاری گمراہی کو کھول کر بیان کرتا ہے کیونکہ جب تمہیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ یہی تمہاری طبیعت ہے اس وضاحت کی حکمت یہ ہے کہ تم اس سے بچو اور اس کے برعکس کو اختیار کرو یا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے حق اور صواب کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ کوئیوں نے کہا تقدیر کلام یوں ہے لِنَلَا تَضِلُّوْا تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ یہاں لانا فیہ محذوف ہے۔

۱۳ اللہ تعالیٰ زندگی اور موت دونوں صورتوں میں بندوں کی مصلحت کو خوب جانتا ہے واللہ اعلم۔ حضرت براء بن عازب سے مروی ہے سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۃ براءت ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سورۃ نساء کی آخری آیت ہے، متفق علیہ۔ (1)

امام بغوی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سود والی آیت ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۃ نصر ہے۔ آپ سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت اِنَّقُوْا يَوْمًا تَرْجَعُوْنَ فِيْهَا اِلَى اللّٰهِ ہے۔ یہ بھی روایت کی گئی کہ سورۃ نصر کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ ایک سال تک زندہ رہے اور سورۃ براءت اس کے بعد نازل ہوئی۔ یہ وہ آخری سورت ہے جو مکمل انداز میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد آقائے دو عالم ﷺ چھ ماہ تک اس دنیا میں رہے۔ پھر حجۃ الوداع کے راستہ میں سورۃ نساء کی آخری آیت نازل ہوئی تو اس کا نام آیت صیغہ رکھا گیا۔ پھر جب آپ وقوف عرفہ کیے ہوئے تھے تو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ اکیسا دن تک اس دنیا میں رہے۔ پھر اس کے بعد ربا والی آیت نازل ہوئی پھر اس کے بعد یہ آیت اِنَّقُوْا يَوْمًا تَرْجَعُوْنَ فِيْهَا اِلَى اللّٰهِ نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ صرف اکیس دن دنیا میں رہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (2)

آپ کے قول کہ سورہ براءت کے بعد حضور ﷺ دنیا میں چھ ماہ تک رہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضور ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حج کا امیر بنا کر روانہ کر چکے تھے۔ یہ سن نو ہجری کا واقعہ ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورہ براءت کی پہلی چالیس آیات دے کر بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد آقائے دو عالم ﷺ پندرہ ماہ اور کچھ دن دنیا میں رہے۔ شاکر راوی نے سولہ ماہ کا ذکر کیا ہے اور ایام کو پورا مہینہ شمار کر لیا ہے۔ اور عشر کا لفظ رہ گیا۔ اسی طرح ان کا یہ قول کہ حضور ﷺ سورہ نصر کے نازل ہونے کے بعد ایک سال تک رہے۔ اس میں بھی اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ جب نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے تو آپ سورہ نصر کی تلاوت کر رہے تھے جس طرح سورہ نصر کی تفسیر میں ذکر کیا گیا۔ فتح مکہ حضور ﷺ کے پردہ فرمانے سے تیس ماہ پہلے نازل ہوئی۔ واللہ اعلم (۱)

سورۃ النساء کی تفسیر 11 رجب المرجب 1198ھ کو مکمل ہوئی۔



(۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس نے سورہ بقرہ، سورہ نساء اور سورہ آل عمران پڑھی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حکماء میں لکھا جاتا ہے۔